فضائل مدینہ (کامل)

تصنیف

الدکتور ابو ابراسیم مُلّا خاطر

زیرنگرانی

ادارہ ضیاء المصنفین

بھیرہ شریف

چاند کتاب محل ڈسکہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ــــ کراچی ــــ پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	فضائل مدینہ
مصنف	الدکتور ابو ابراہیم ملا خاطر
ترجمہ	زیر نگرانی ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف
مترجم فضلاء	علامہ ملک محمد بوستان
	علامہ سید محمد اقبال شاہ
	ابو العرفان محمد انور مگھالوی
اشاعت	دسمبر 2001ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	360/- روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350

فیکس:۔ 042-7238010

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Visit us at:- www.ziaulquran.com

فضائلِ مدینہ

جلد اوّل

تصنیف

الدکتور ابو ابراہیم مُلّا خاطر

زیر نگرانی

ادارہ ضیاء المصنفین
بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور — کراچی — پاکستان

فہرست جلد اول

عرض ناشر	10
الانتساب	11
پیش لفظ	13
مقدمہ	15
قرآن کریم میں انصار کی تعریف وتوصیف	23
پہلی قسم کی آیات	23
دوسری قسم کی آیات	28
احادیث طیبہ میں انصار کی تعریف وتوصیف	35
انصار کا لقب	35
انصار کی محبت ایمان کی علامت اور انصار سے بغض منافقت کی علامت	35
مومن انصار سے بغض نہیں رکھتا	36
جو انصار سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے	36
انصار رسول اللہ ﷺ کے مددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم ان کے	37
انصار حضور ﷺ کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھے	37
اگر ہجرت کی عصمت نہ ہوتی تو آپ ﷺ انصار سے ہونا پسند کرتے	38
انصار رسول اللہ ﷺ کے اسرار ورموز کے امین ہیں	39
انصار رسول اللہ ﷺ کے خواص اور راز دار ہیں	39
حضور ﷺ نے اپنی زندگی اور موت کو انصار کے ساتھ کیا	40
انصار کے متعلق حضور ﷺ کی وصیت	41
حضور ﷺ کی انصار اور ان کے متبعین کے حق میں دعاء	42
انصار کا مہاجرین کیلئے جذبہ ایثار اور ان کو اپنی ذاتوں کے مساوی سمجھنا	42
انصار کیلئے انتقام لینا اور انصار کیلئے صبر پر بہت بڑا ثواب	43
انصار کیلئے خیریت کا ثبوت	43

انصار کی امانت، عفت اور ان کی محبت 44
صحابہ کرام کو سب وشتم کرنے سے منع فرمایا 44
انصار کی اسلام میں کثرت سے شہادت اور روز قیامت ان کی عزت و بزرگی 45
جس نے انصار کو خوفزدہ کیا اس نے رسول اللہ کو خوفزدہ کیا 45
مدینہ طیبہ کے فضائل 47
پہلا باب مدینہ منورہ کی برکت و منزلت 49
مدینہ منورہ کو مدخل صدق فرمایا اور اس کو ذکر میں مقدم فرمایا 49
مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ کی طرح حرم ہے 51
مدینہ منورہ حرم اور امن کی جگہ ہے 53
ہر نبی کا حرم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا حرم مدینہ منورہ ہے 53
اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم کی زبان پر مدینہ طیبہ کو حرم فرمایا 54
حرم کی حدود۔ مشرق سے مغرب تک حد 55
حرم مدینہ کی شمالاً جنوباً حد 56
لفظ عیر اور ثور پر اعتراض اور اس کا جواب 58
علماء اجلہ کی کلام کا جواب 59
حدیث شریف کی صحت اور اسکا ثبوت 63
زائد حرم کی مقدار 64
مدینہ طیبہ کی تحریم کب ثابت ہوئی 66
مدینہ طیبہ کب حرم بنا 69
مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ حرمت میں برابر ہیں 70
مدینہ طیبہ میں شکار کرنا حرام ہے 72
مدینہ طیبہ کا درخت کاٹنا اکھیڑنا اور گھاس کاٹنا حرام ہے 76
حرم مدینہ میں شکار کرنے اور درخت کاٹنے والے کی سزا 78
شکار کرنے اور درخت کاٹنے والے کے متعلق علماء کے اقوال 79
حرم نبوی میں قتال کرنا اور خون بہانا حرام ہے 82

مدینہ طیبہ میں گری پڑی چیز کا اٹھانا حرام ہے مگر جو اعلان کرے 83
حرم مدنی کے متعلق احناف کی رائے ان کے دلائل اور ان کے جوابات 86
پہلی دلیل 86
دوسری دلیل 87
احناف کی تیسری دلیل 91
احناف کی چوتھی دلیل 91
احناف کی پانچویں دلیل 92
احناف کی چھٹی دلیل 97
احناف ساتویں دلیل 100
احناف کی آٹھویں دلیل 101
تحریم مدینہ پر دلائل 102
مدینہ طیبہ میں جرم کرنا اور مجرم کو پناہ دینا حرام ہے۔ 104
مدینہ طیبہ کے اسماء 106
المدینہ۔ تاکل القری کا مفہوم 108
طیبہ وطابہ 109
طیبہ 110
اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ وطیبہ رکھا 111
مدینہ طیبہ کو یثرب کہنا منع ہے 112
الدار والایمان 113
البحرہ البحیر ہ 114
الدرع الحصینہ۔ قبۃ الاسلام 115
دار السلامۃ (سلامتی کا گھر) دار السنۃ (سنت کا گھر) دار الہجر ۃ (ہجرت کا گھر) 115
ذات النخل 116
ذات الحرار 116
المحفوظۃ (حفاظت کیا گیا) 117

تمام شہروں پر مدینہ طیبہ کی فضیلت 117

مدینہ طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کی ہجرت کیلئے منتخب فرمایا 119

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آرامگاہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو منتخب فرمایا 121

ایمان مدینہ طیبہ میں داخل ہو جائے گا 124

مدینہ کو محبوب بنانے کیلئے نبی اللہ کا دعا کرنا 127

آپ ﷺ کا مدینہ طیبہ کی طرف جلدی آنا 129

مدینہ طیبہ شرک سے پاک ہے اور شیطان مایوس ہے کہ اس میں اس کی عبادت کی جائے گی 130

نبی کریم ﷺ کا مدینہ طیبہ کے لئے دعا کرنا جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے
لئے دعا کی تھی 131

مدینہ طیبہ میں رزق کی فراوانی کیلئے دعا کرنا 133

مدینہ طیبہ کیلئے اس دعا کے دو مثل جو حضرت ابراہیم نے............ 135

جو برکت مکہ میں ہے اس کا دوگنا مدینہ طیبہ میں ہونا 136

مکہ کی نسبت مدینہ میں کئی گنا زیادہ برکت 137

مدینہ طیبہ سراپا برکت ہے 138

دلوں کا مدینہ طیبہ کی طرف میلان 140

اہل مدینہ کو زمین کے پھلوں سے رزق ملنا 141

ایک کا کھانا دو آدمیوں کیلئے کافی ہے 141

مدینہ طیبہ ملائکہ سے گھیرا ہوا ہے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں 142

مدینہ طیبہ میں دجال داخل نہ ہوگا 144

دجال کا رعب مدینہ میں داخل نہ ہوگا 149

مدینہ طیبہ میں طاعون داخل نہ ہوگا 150

بخار کا مدینہ سے جحفہ کے علاقہ میں منتقل ہونا 151

مدینہ طیبہ کے سانپوں کو قتل کرنا منع ہے جب تک کہ انہیں پہلے ڈرایا نہ جائے 155

مدینہ طیبہ کے محلات گرانا منع ہے 158

ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں انصار نے بہت سے محل بنا رکھے تھے

مدینہ کے بازار پر ٹیکس نہ لگایا جائے گا 159
حضور ﷺ کی جلوہ گری سے مدینہ روشن ہوگیا 159
مدینہ طیبہ میں نیک اعمال کا اجر وثواب کئی گنا زیادہ ہوتا ہے 159
مدینہ طیبہ میں حاضری کیلئے ذی الحلیفہ میں قیام کرنا 160
آگ کا خروج 161
آگ کے نکلنے کی جگہ اور اس کی حدود 162
حضرت الداری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت 164
آگ کا ظہور ۶۵۴ ہجری میں 165
آگ کے ظہور کے بارے میں منقولہ عبارت کا خلاصہ 165
آگ کے واقعہ سے چند امور کا استنباط 167
مدینہ طیبہ کی مٹی اور اس کے پتھروں کو حرم سے نکالنے کی تحریم 169
مدینہ طیبہ کے آداب 170
مدینہ طیبہ میں سوار نہ ہونا اور مسجد میں آواز بلند نہ کرنا 170
مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا مستحب ہے 170
اچھے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا 170
مدینہ طیبہ پہنچنے کے وقت پیدل چلنا اور سواری سے اتر جانا 171
مدینہ طیبہ کے ایک مرتبہ جس راستے سے جائیں دوبارہ اس راستے کو اختیار نہ کرے 173
دن کے وقت مدینہ طیبہ میں داخل ہونا 173
دوسرا باب: مدینہ طیبہ کے باشندے 182
نبی اکرم ﷺ کا مدینہ طیبہ کی مجاورت پر برانگیختہ کرنا 182
مکہ اور مدینہ میں رہائش رکھنے کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے 185
مدینہ طیبہ میں مرنے پر ابھارنا اور مدینہ طیبہ میں مرنے والے کیلئے آپ ﷺ کی شفاعت کرنا 186
ان احادیث سے اخذ ہونے والے امور 187
جو مدینہ طیبہ میں وفات پائے گا وہ قیامت کے دن امن والوں سے ہوگا 190

مدینہ طیبہ خبث کو دور کر دے گا 193

مدینہ طیبہ بھٹی کی مانند ہے خبث کو دور کرتا ہے 194

مدینہ طیبہ گناہوں کو دور کرتا ہے 201

جو مدینہ کی شدت و مصیبت پر صبر کرے گا، اس کے لیے شفاعت وشہادت سب سے پہلے 202

آپ ﷺ اہل مدینہ کی شفاعت فرمائیں گے 205

جس نے اہل مدینہ کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا اللہ اسے آگ میں پگھلائے گا 206

جو اہل مدینہ کو خوفزدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے خوفزدہ کرے گا 209

اہل مدینہ کو اذیت دینے پر لعنت اور اعمال کی عدم وقبولیت 210

جس نے اہل مدینہ کو خوفزدہ کیا اس نے رسول اللہ ﷺ کو خوفزدہ کیا 211

مدینہ طیبہ میں کفار کا داخلہ حرام ہے 213

یہود کو مدینہ سے جلاوطن کرنا 213

خیبر کے یہودیوں کو نکالنے کا منصوبہ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انہیں جلاوطن کرنا

آپ ﷺ کا یہود کو نکالنے کا ارادہ 215

مشرکین کا مسجد میں داخلہ منع ہے 216

نبی کریم ﷺ نے فرمایا مدینہ میں صرف مذہب اسلام ہی ہوگا 217

نبی کریم ﷺ نے مشرکین کو جزیرہ سے نکالنے کا حکم دیا 217

یہود ونصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکالنے کا حکم 217

مدینہ کا عالم تمام علماء سے زیادہ علم والا ہوگا 218

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلحاظ شہادت عظیم ترین انسان مدینہ میں ہے 221

مدینہ طیبہ سے جو لشکر جنگ کیلئے نکلے گا اس دن وہ اہل زمین سے بہترین لوگ ہوں گے 222

دجال کے مدینہ طیبہ کے قریب بیٹھنے کے وقت مدینہ طیبہ کا جھٹکے لینا 229

تا کہ اشرار لوگ اس کی طرف نکل جائیں 232

آخر زمانہ میں اہل مدینہ، مدینہ طیبہ کو چھوڑ جائیں 236

اہل مدینہ کے خروج کا قصہ 248

اہل مدینہ کا احترام کرنا کیونکہ وہ نبی کریم ﷺ کے پڑوسی ہیں 252

مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت 254

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

حضور ﷺ کی محبت جان ایمان ہے اور ہر مسلمان کی اولین خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی محبت سے مالا مال کرے یہ کیسے نصیب ہو؟ اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان آقائے دوعالم ﷺ کی عظمت اور رفعت وکمال سے آگاہ ہو جوں جوں عرفان میں اضافہ ہوتا جائے گا اتنی ہی محبت بڑھتی جائے گی۔

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ایسی کتب کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے جو قارئین کے دلوں میں سرور دوعالم ﷺ کی محبت کی شمع کو فروزاں کردیں ہماری سابقہ کاوشیں اس پر شاہد ہیں۔

''فضائل مدینہ'' جو ڈاکٹر ابراہیم ملا خاطر کی تصنیف کا ترجمہ ہے جنہوں نے اپنا آبائی وطن چھوڑ کر مدینہ طیبہ کو اپنا مسکن بنایا اور شب و روز ان معطر فضاؤں میں گزار رہے ہیں اور مدینہ طیبہ کی ہر عظمت اپنے دل پر نگینہ کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔

اس کتاب کا ترجمہ ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف کے زیر اہتمام دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے فاضل اساتذہ سید محمد اقبال شاہ صاحب، ملک محمد بوستان صاحب اور محمد انور مگھالوی صاحب نے کیا ہے۔

ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز اپنی سابقہ روایات کو قائم رکھتے ہوئے انتہائی اعلیٰ طباعت کے ساتھ پیش کر رہا ہے۔ امید واثق ہے کہ قارئین ہماری اس کاوش کو بھی پسند فرمائیں گے۔

محمد حفیظ البرکات شاہ
ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

الانتساب

یہ ہدیہ اس شہر مقدس کے نام جس سے میں بچپن سے محبت وعقیدت رکھتا تھا میرے بڑھنے کے ساتھ اس کی محبت بھی پروان چڑھتی رہی۔ حتیٰ کہ میں اس کے متعلق کچھ کہنے، لکھنے اور اس کے تذکرے کرنے کے قابل ہوگیا۔

اس شہر معطر کے نام جس سے صرف میں ہی نہیں ساری کائنات اس سے محبت کرتی ہے میں اسے بہت پسند کرتا ہوں، اس سے بہت عشق رکھتا ہوں۔

وہ شہر معنبر غیر معروف نہیں بلکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں اسے پہچانتے اور اس کی محبت کا دم بھرتے ہیں۔

وہ طیبہ الطیبہ، اور طابہ ہے۔

میں یہ کتاب بطور حقیر سا نذرانہ اس کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں، یہ میری محبت، اخلاص، پیار کا حقیر سا نذرانہ ہے۔

شاید اس کے رہنے والے، اسے قبول فرمائیں۔

اے اللہ۔ جیسے تو نے مجھے اس خطہ مقدسہ پر رہنے کی توفیق بخشی، میری قبر اور میرا حشر بھی اسی مقدس زمین والوں کے ساتھ کر دے، اس ذات کے لواء حمد کے نیچے جس کی طرف میں منسوب ہوں۔ (آمین)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجھے اس شہر کا حکم دیا گیا ہے جو تمام شہروں پر غالب آجائے گا لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے، برے لوگوں کو یوں دور کریگا جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے۔

(متفق علیہ حدیث ابی ہریرہ)

اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کا نام طابہ رکھا ہے۔ (مسلم حدیث جابر بن سمرہ)

یہ طیبہ ہے، خبث کو یوں دور کرے گا جیسے آگ چاندی کے کھوٹ کو دور کرتی ہے۔

(متفق علیہ حدیث زید بن ثابت)

یہ طیبہ ہے گناہوں کو یوں دور کرے گا جیسے آگ چاندی کے کھوٹ کو دور کرتی ہے۔

(بخاری حدیث زید بن ثابتؓ)

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے فرماتے ہیں، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ داخل ہوئے تو مدینہ طیبہ کی ہر چیز روشن ہوگئی۔ (احمد، ترمذی، ابن حبان، حاکم وغیرہ)

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم ﷺ کو وہ بلند مرتبہ اور رفیع مقام عطا فرمایا ہے کہ جو چیز آپ ﷺ سے نسبت اور تعلق رکھتی ہے۔ وہ بارگاہ خداوندی میں معزز و مکرم ہو جاتی ہے خواہ وہ مٹی کے ذرات ہوں یا کنوئیں اور باغات، پتھر ہوں یا ثمر و اشجار، مسجد و محراب ہو یا منبر و دیوار، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ شرف اور عظمت بھی بخشی ہے کہ مومنوں پر آپ کی محبت کو فرض فرمایا ہے اور آپ ﷺ کی محبت کو ایمان کی اصل اور جان قرار دیا ہے۔ کتنا بلند بخت ہے وہ انسان جسے محبت رسول ﷺ کے گوہر آبدار سے نوازا گیا ہے۔ اور جس کے سینے میں ہر لحہ محبت رسول ﷺ کے جذبات مچلتے ہیں اور گلشن دل میں عشق رسالت کے گل و لالہ کھلتے ہیں۔ پھر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ محبّ، محبوب کی ہر ادا اور نسبت سے حسن عقیدت رکھتا ہے۔ صبح و شام محبوب کے نام کی مالا جپتا ہے کبھی ہجر و فراق میں وصل کی آرزو میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتا ہے اور کبھی لذت وصال سے سرشار ہوتا ہے۔ عاشقان مصطفیٰ ﷺ ہر دور میں اپنے محبوب کی صورت و سیرت کے تذکرے کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے لیکن یہ موضوع اتنا عمیق اتنا شیریں اور اتنا وسیع ہے کہ اس کے حق کی ادائیگی کا دعویٰ کسی سے ممکن نہ ہوا بلکہ ہر ایک اعتراف عجز میں یہی کہتا رہا۔

تجھے دیکھنا بھی جاناں ہے تیری نظر سے ورنہ
کہاں تیرا حسن مطلق کہاں میری کم نگاہی

فضائل مدینہ، شاہ خوباں ﷺ کے شہر مقدس کے موضوع پر ایک حسین و جمیل گلدستہ ہے جسے عاشق رسول ڈاکٹر ابراہیم ملا خاطر نے عشق رسالت مآب ﷺ کے بحر بیکراں میں غوطہ زن ہو کر تحریر فرمایا ہے۔ موصوف نے مدینہ طیبہ کی مٹی کے ذرات، شجر و حجر، مساجد و محراب، کنوؤں، راستوں سب چیزوں کا تذکرہ کیا ہے اور بشری حدود تک خوب تحقیق اور کوشش فرمائی ہے، کتاب موضوع کے اعتبار سے انتہائی خوبصورت اور علمی اعتبار سے انتہائی وقیع اور محبت و عشق کا درس دینے میں منفرد ہے، مصنف موصوف نے ہر ہر بات پر استشہاداً احادیث طیبہ سے پیش کیا ہے، عربی تراکیب، فصاحت و بلاغت کی لذت و حلاوت اور معنی کے حسن و جمال کے اعتبار سے کتاب انتہائی بلند معیار رکھتی ہے، مصنف نے بعض اشیاء کا تذکرہ اتنے محبت بھرے انداز میں کیا ہے کہ پتھر دل میں رقت، میلان رکھنے والے دل

میں محبت اور محبت رکھنے والے دل میں عشق محمدی ﷺ کی خوشبو مہکنے لگتی ہے۔

ایسی حسین وجمیل کتاب سے علماء اور عربی دان طبقہ تو یقیناً محظوظ ہو رہا ہوگا۔ لیکن اردو دان طبقہ اس سے استفادہ کرنے سے محروم تھا۔ ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف کے زیر انتظام دار العلوم محمد یہ غوثیہ بھیرہ شریف کے فضلاء جناب ملک محمد بوستان صاحب، جناب محمد انور مگھالوی صاحب اور سید محمد اقبال شاہ صاحب گیلانی کو اللہ تعالیٰ نے اردو لغت میں ترجمہ کی سعادت عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس ادنیٰ سی کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرمائے اور اپنے بندوں کیلئے نفع عمیم کا باعث بنائے، اور ہماری کوتاہیوں اور کمزوریوں کو اپنی بے پایاں رحمت سے ڈھانپ دے۔ اس ترجمہ میں جو خوبی اور خیر ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے اور اگر کسی مقام پر جھول اور کمزوری ہے تو یہ ہماری کم علمی اور بے بضاعتی ہے۔

پھر آخر میں ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء کرتے ہیں کہ اے ذروں کو آفتاب اور قطروں کو گوہر کرنے والے ہماری اس حقیر سی کاوش کو اپنی بارگاہ میں اور اپنے محبوب مکرم ﷺ کی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما۔ آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین

ادارہ ضیاء المصنفین
بھیرہ شریف

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جو تمام جہانوں کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے، جو ہمیشہ رحم فرمانے والا اور رحیم ہے، آخرت کے دن کا مالک ہے، جس نے زمین و آسمان کی تخلیق فرمائی جس نے نور و ظلمت کو پیدا فرمایا، پھر بھی کافر اپنے رب کا شریک بناتے ہیں۔

سب تعریفیں اللہ کے لئے جس کی ہر نعمت کا شکر بھی اس کی نعمت سے ادا ہوتا ہے، ہر نئی نعمت پر شکر واجب ہوتا ہے، اس کی عظمت کی حقیقت کو وصف بیان کرنے والے نہ پہنچ سکے اس کی عظمت وہی ہے جو اس نے خود بیان فرمائی اور اس کی عظمت مخلوق کے بیان سے بھی بلند ہے۔

میں اس کی تعریف اسی طرح بیان کرتا ہوں جو اس کی ذات کے کرم اور اس کے جلال کی عزت کے لائق اور مناسب ہے۔

اور اس سے اس شخص کی مانند مدد طلب کرتا ہوں جسے اس کی مدد کے بغیر نہ نیکی کی طاقت ہے اور نہ برائی سے بچنے کی ہمت ہے۔

اور میں اس سے وہ ہدایت طلب کرتا ہوں کہ جسے وہ عطا فرمادے تو وہ گمراہ نہیں ہوتا۔

اور میں اس سے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی طلب کرتا ہوں اس شخص کی طرح جو اس کی عبودیت کا اقرار کرتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ اس کے بغیر نہ اسے کوئی نجات دینے والا ہے اور نہ اس کے گناہ بخشنے والا ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں وہ یکتا اور لاشریک ہے اور ہمارے آقا و مولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے عبد اور رسول ہیں جسے اس نے تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی، اس پر خصوصی رحمت کا نزول فرمایا اور اس پر سلسلہ نبوت کا اختتام فرمایا، اس نے اسے اپنی وحی و پیغام کے لئے منتخب فرمایا، اس کا ذکر اپنے ذکر کے ساتھ دنیا میں بلند فرمایا، آخرت میں شفاعت کا مرتبہ عطا فرمایا اور سب سے پہلے اس کی شفاعت کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا از روئے نفس تمام مخلوق سے افضل بنایا اور دین و دنیا میں ہر پسندیدہ اخلاق کے جامع ہیں اور از روئے نسب گھر، ہجرت اور مسکن کے تمام لوگوں سے بہتر ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ درود و سلام بھیجے آپ پر اور آپ کی آل پر جب تک ذکر کرنے والے اس کا ذکر کرتے رہیں اور غفلت کرنے والے اس کے ذکر سے غافل رہیں اور اللہ تعالیٰ درود بھیجے آپ پر اولین و آخرین میں

ایسا درود جو افضل ترین اور پاکیزہ ترین ہو، اور درود پاک کے ذریعے اللہ ہماری اور تمہاری طہارت فرمائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے ایسی جزاء عطا فرمائے جو اس نے کسی رسول کو اپنی امت کی طرف سے عطا فرمائی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہلاکت سے نجات عطا فرمائی اور ہمیں بہتر امت میں پیدا فرمایا جو تمام لوگوں سے نکالی گئی ہے، ہمیں اپنا پسندیدہ دین عطا فرمایا اور ملائکہ اور اپنے انعام یافتہ لوگوں کے لئے اس دین کو منتخب فرمایا اور یہ حقیقت ہے کہ ہمیں دین و دنیا کی جو نعمت ملی یا جو تکلیف و مصیبت دور ہوئی اس کا سبب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی جو ہمیشہ نیکی کی طرف راہنمائی فرمانے والے تھے اور نیکی کے خلاف ہر برائی اور ہلاکت سے دفاع کرنے والے تھے اور ان اسباب سے آگاہ فرمانے والے تھے جو ہلاکت کے گڑھے تک پہنچانے والے تھے، ارشاد و انذار میں خلوص و نصیحت کے پیکر تھے۔

اللہ تعالیٰ درود بھیجے ہمارے آقا، ہمارے نبی محمد ﷺ پر اور آپ کی آل واصحاب پر جیسے اس نے درود بھیجا ہمارے سردار حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اور آپ کی آل پر بے شک وہ خوبیوں والا اور عزت والا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ معاشرے کا انسان کی انفرادی زندگی پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے جو شخص ایک دیندار اور نیک معاشرہ میں آنکھ کھولتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے غالباً نیک سیرت اور اچھے کردار کا مالک ہوتا ہے اور جو شخص بدکردار، اور برے معاشرے میں زندگی بسر کرتا ہے، اس کے اخلاق واطوار بھی فاسد اور چال چلن بھی غیر مناسب اور باعث عار ہوتا ہے جو یہودیت یا نصرانیت یا مجوسیت کے ماحول میں پیدا ہوتا ہے وہ یہودی یا نصرانی یا مجوسی ہوتا ہے، یہی مثال اچھے اور برے معاشرہ کی ہے جیسا معاشرہ ہوگا اس میں پروان چڑھنے والا بھی ویسے اخلاق کا مالک ہوگا۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مصداق بھی یہی ہے کہ ہر بچہ فطرت ایمانیہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں مگر فکر و عمل کے اعتبار سے ضعیف انسان کسی نیک صالح کی معیت میں آجائے تو اللہ تعالیٰ اسے نیکی، تقویٰ اور استقامت کی دولت سے نواز دیتے ہیں بشرطیکہ اس کی اصلاح کا فیصلہ تقدیر الٰہی میں ہو چکا ہو۔

مجھ پر اللہ تعالیٰ نے خصوصی کرم نوازی فرمائی کہ میں ایسے ماحول اور خاندان میں پیدا ہوا جسے قرآن سے محبت تھی۔ کیونکہ میرے جد امجد رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم تھا کہ انہوں نے چالیس سال سے زیادہ قرآن کریم پڑھا اور پڑھایا ان کی فطرت میں تقویٰ اور صلاح رکھ دی گئی تھی، دنیا کے امور میں بہت کم مشغول ہوتے تھے مسلمانوں کی بھلائی اور خیر خواہی ان کی زندگی کا مشن اور مقصد تھا۔ اپنی مسجد اپنے گھر اور اپنی تجارت کے علاوہ گویا معاشرے میں کسی چیز کو جانتے ہی نہ تھے پس وہ قائم اللیل اور صائم النہار

اور یاد الٰہی اور محبت رسول میں آنسو بہانے والے تھے مجھے زندگی کی کوئی صبح ایسی یاد نہیں کہ صبح صادق ان کی کبھی گھر میں طلوع ہوئی ہو، باجماعت نماز کے پابند تھے، دکھ درد کے مارے اپنی حاجات لے کر آتے اور وہ خندہ پیشانی اور خوش روئی سے ان کی ضروریات وحاجات کو پورا فرماتے، کبھی کسی چھوٹے یا بڑے سے نفرت نہ فرماتے بلکہ اگر کوئی بڑھیا بھی طلب فرماتی تو اس کی آواز پر بھی لبیک کہتے۔

میں ان کے اوصاف وکمالات کو بیان نہیں کرسکتا کیونکہ تقریبا چالیس سال کے عرصہ سے وہ مجھ سے جدا ہو چکے ہیں، پس مجھے وہی کچھ یاد ہے جو میرے حافظہ میں ہے۔

ایسے نیک اور صالح ماحول میں میری پیدائش ہوئی سب سے پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت سیکھی میرے دادا نے ہی مجھے اس کتاب لاریب کی تعلیم دی وہ مجھے اکثر علم کی مجالس میں ساتھ لے جایا کرتے تھے، مساجد میں لے جاتے اور مجھ پر بہت خوش ہوتے، مجھے ان کی صحبت ومعیت پر ناز ہے کیونکہ میرے جیسے کم عمر بچوں کو علماء کی مجالس میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی لیکن میرے دادا جان کے احترام میں وہ مجھے اجازت مرحمت فرماتے تھے۔

اس دینی اور عقیدت بھرے ماحول میں جب میں مدینہ طیبہ یا مکہ مکرمہ کو یاد کرتا تو صغرسنی کے باوجود میرے اشتیاق وذوق میں اضافہ ہوتا حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کی یاد میں میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے اور لمبے لمبے سانس نکلنے لگتے پھر میں نے کتاب وقرأت سیکھی شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ کا ذوق پیدا ہوا میں ان کو پڑھتا اور ان کی تطبیق کی کوشش کرتا اور بعض چیزوں کو میں بار بار پڑھتا حتیٰ کہ مجھے یقین ہوجاتا کہ میں نے اسے پوری طرح یاد کرلیا ہے، میں نے سیرت طیبہ پر بہت سی کتب کا مطالبہ کیا۔

شوق واشتیاق بڑھتا گیا اور اب کیفیت یہ تھی کہ میں اس محبت وعشق کی بیماری کا کوئی علاج نہ پاتا تھا، اور نہ اسے دور کرنے کی قدرت رکھتا تھا۔ قیل وقال کے خدشہ کی وجہ سے میں اپنے مرض کا کسی سے اظہار بھی نہ کرسکتا تھا۔

میں نے مدینہ طیبہ کے متعلق کثرت سے کتابیں پڑھیں، اور کتنی مرتبہ میرا طائر تخیل مدینہ طیبہ پہنچا شاید کہ جسم کے ساتھ پہنچنے سے پہلے روحانی طور پر پہنچ جاؤں، لیکن بہت دور تھی یہ منزل، بہت کٹھن تھا یہ مرحلہ!۔ حتیٰ کہ 19 رمضان 1384ھ کو میں مدینہ طیبہ داخل ہوا، میرے ذہن میں مدینہ طیبہ کے محلات، گلیوں اور اس کے حرم ہونے کا کامل تصور موجود تھا لیکن جب پہلی مرتبہ نماز عصر سے آدھا گھنٹہ پہلے باب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس میری گاڑی رکی اور میں مسجد میں داخل ہوا پہلی صف میں دو رکعت نماز نفل ادا کی پھر میں نماز کے انتظار میں بیٹھ گیا، جب میں عصر کی نماز پڑھ چکا تو مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی جو کچھ پڑھا تھا سب بھول چکا تھا۔

یہ مدینہ طیبہ ہے، یہ روضہ مطہرہ ہے، یہ منبر پاک ہے، یہ حجرہ شریف ہے، یہ سب دیکھ کر میری آنکھوں

سے اشک رواں تھے اور ایسی کیفیت تھی کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں پھر میں بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ سلام عقیدت پیش کرنے کے لئے آگے بڑھا، اس کے بعد آپ کے خلفاء سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

پھر شام کی نماز تک مسجد میں بیٹھا رہا، میں کسی کو جانتا نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک عزیز بھائی کی ملاقات عطا فرمادی میں نے اسے بتایا کہ میں اعتکاف کرنے کے لئے آیا ہوں تو انہوں نے میری پوری محبت سے مدد فرمائی۔

میں روضہ شریفہ میں معتکف تھا۔ یہ کتنا خدا کا احسان کہ میرے جیسا نکمہ روضہ شریفہ میں معتکف ہے، میں تصورات میں گم تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے نماز ہے یہ مہاجرین سے محفل لگانے کی جگہ ہے یہ وفود کے استقبال کا مکان ہے یہ اسی کھجور کے تنا کی جگہ ہے جو فراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں رویا تھا اس ستون کے ساتھ حضرت ابولبابہ نے اپنے آپ کو باندھا تھا۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد ادا کرنے کی جگہ ہے، یہاں یہ ہے، یہاں یہ ہے، انہی تصورات وخیالات میں مگن رہا، میں نے اعتکاف کے ایام قرآن کریم کی تلاوت، رات کے قیام اور بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے میں گزارے۔

اعتکاف کے ایام ختم ہوئے تو میں مدینہ شہر کی طرف نکلا تاکہ اہل مدینہ کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شریک ہو جاؤں، مدینہ طیبہ کی عید کتنی پیاری تھی اس کا منظر کتنا دلکش اور دلفریب تھا۔ سبحان اللہ، سبحان اللہ!

میں واپس لوٹا، سفر شروع کیا، محبوب شہر سے جدا ہوا، دل جدائی پر خون کے آنسو رو رہا تھا، عشق ومحبت کے ظاہری آثار اندرونی کیفیت کی غمازی کر رہے تھے، دل میں جذبات کی تلاطم خیز موجیں میرے ضبط سے باہر ہو چکی تھی۔

گرمیوں کا موسم آیا تو میں پھر مدینہ طیبہ واپس آیا تاکہ یہاں رہ کر اپنے ارمان حیات پورے کرلوں اور فراق وہجر کی بھڑکتی آگ کو ٹھنڈا کرلوں، اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ سے ایک نیک صالح جماعت کی رفاقت ومعیت عطا فرمائی۔ وہ میری مسافری اور وحدت کو جان گئے انہوں نے مجھ سے اظہار محبت کیا اور میری انتہائی عزت افزائی فرمائی، اللہ تعالیٰ انہیں عزت وکرام سے سرفراز فرمائے، وہ مجھے قباء لے گئے، مدینہ طیبہ کے باغات کی سیر کرائی، میں نے شعراء کے ترنم اور غزلوں کو سنا، میں نے خود بھی مدینہ طیبہ کے متعلق اشعار کہے مگر پڑھنے سے شرما گیا۔ دن اور سال گزرتے گئے میری پہلی مدینہ طیبہ آمد کو چوبیس سال گزر گئے۔

مدینہ طیبہ اور اہل مدینہ کے ہم پر حقوق وواجبات ہیں، جن کو میں نے اپنی تقاریر اور تحریروں میں بیان کیا اور مدینہ طیبہ کے متعلق مطبوعہ یا مخطوطہ جو کتاب مجھے میسر آئی اسے میں نے پڑھا، پھر میرے دل میں

خیال آیا کہ میں خود اس پاک و مطہر شہر کے فضائل کو جمع کروں، جو صرف اور صرف صحیح احادیث وروایات پر منحصر ہوں، اگرچہ علماء ومحدثین فضائل وترغیب میں ضعیف حدیث کی روایت کو بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

مجھے اس موضوع پر لکھنے کے لئے دو امور نے برانگیختہ کیا۔

(1) جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کوئی ایسی خاص کتاب موجود نہیں ہے جو فضائل مدینہ کی جامع ہو، کیونکہ کتب قدیمہ مثلاً الجندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب حجم کے اعتبار سے چھوٹی اور فوائد کے اعتبار سے زیادہ ہونے کے باوجود اس میں بہت زیادہ ضعف اور کمزوری ہے۔

علامہ سمہودی کی کتاب وفاء الوفاء بڑی وسیع کتاب ہے ابن زبالہ وغیرہ نے اس پر بہت زیادہ اعتماد کیا ہے مگر یہ بھی محدثین کے نزدیک عمدہ نہیں ہے اسی طرح دوسری کتب کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے۔

میری مراد وہ کتب نہیں جو تاریخ مدینہ میں تحریر کی گئی ہیں بلکہ میری مراد شمائل مدینہ کو بیان کرنے والی کتب ہیں، یعنی فضائل وشمائل کو بیان کرنے والی کتب میں کوئی ثقہ اور معتبر کتاب نہیں ہے۔

(2) دوسرا سبب وہ ہے جو اس کتاب کے لکھنے کا براہ راست محرک بنا کہ میں ۱۴۰۷ھ رجب کے مہینہ کے آخری عشرہ میں حرم نبوی میں عشاء کی نماز پڑھ رہا تھا اور امام نے سورۂ توبہ کی آخری آیات پڑھیں۔ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ط (توبہ:۱۲۰) آخر تک تلاوت فرمائی تو میں نے اس کتاب کے لکھنے کا محکم ارادہ کرلیا۔

میں نے پہلے اپنی کتاب "**فضائل النبی الکریم کماوردت فی القرآن العظیم**" کے مقدمہ میں اسی طرح ذکر کیا ہے کہ میں نے کتاب کے پہلے باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، قدر ومنزلت کو بیان کیا ہے جو قرآن کریم میں وارد ہے، اور آخری باب "**فضائل المدینہ النبویہ**" کے عنوان سے لکھا ہے جب میں نے اس کتاب کا پہلا اور دوسرا باب لکھا، پھر اس کے آخری باب "**فضائل المدینہ النبویہ**" کے اوراق شمار کیے تو وہ بہت زیادہ تھے اسے کتاب کا باب، یا خاتمہ یا ضمیمہ بنانا ممکن نہ تھا پھر مجھے مدینہ طیبہ میں مجلس ادبی میں فضائل مدینہ نبویہ کے موضوع پر تقریر کرنے کی دعوت ملی تو میں نے سولہ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ بدھ کی رات کو تقریر کی، تو اسے حاضرین مجلس نے بہت قبول فرمایا، رسائل و اخبارات میں چھپنے کی وجہ سے اس تقریر پر مجھے تحسین کے خط متواتر موصول ہونے لگے، اس لئے میں نے فضائل مدینہ کے موضوع پر مستقل کتاب لکھنے کو پسند کیا، ادبی مجلس کی تقریر بعنوان مختصر فضائل المدینۃ النبویہ طبع کی گئی اور اس کا اہتمام دار المطبوعات الحدیثہ جدہ نے کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کئی مکانات، زمانوں اور اشخاص کو خصوصیت عطا فرمائی ہیں انسانوں میں سے انبیاء کو، انبیاء میں سے ہمارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت عطا فرمائی اس امت میں سے اولیاء کو

خاص فرمایا، تمام مخلوق پر قرون مخصوصہ کو فضیلت عطا فرمائی سوائے رسل کے، ارشاد فرمایا خیر القرون قرنی ...... متفق علیہ۔

زمانہ میں سے رمضان شریف کو خاص فرمایا پھر اس میں لیلۃ القدر کو شرف عطا فرمایا کہ وہ ہزار مہینہ سے بہتر ہے، جمعہ کے دن، جمعہ کی رات، عرفہ کی رات، ذی الحجہ کے پہلے دس دن اور جمعہ کی مخصوص ساعت کو شرف عطا فرمایا، ان تمام اوقات کے خصائص وشمائل کتب حدیث اور کتب فقہ میں معلوم ومعروف ہیں۔

اسی طرح مخصوص مکانات کو خصوصیت عطا فرمائی، حرمین شریفین، بیت المقدس کو شرف عظیم عطا فرمایا پھر حرم نبوی میں جبل احد، وادی العقیق، مدینہ طیبہ کی مٹی مسجد قبا، مسجد عامر، مدینہ کے درودیوار، منبر، کھجوروں کو خصوصی عظمت وکرامت عطا فرمائی۔

اسی طرح مکہ مکرمہ کے بھی خاص احوال اور معروف خصائص ہیں۔

اسی وجہ سے میں نے فضائل المدینۃ النبویہ کے موضوع پر علیحدہ اور منفرد کتاب لکھی اور اس کو ایک مقدمہ اور چار ابواب پر مشتمل کیا۔

مقدمہ میں انصار کے وہ مختصر فضائل بیان کئے ہیں جو قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں ذکر کئے گئے ہیں۔

پہلے باب میں مدینہ طیبہ کی حرمت، برکت اور عظمت کا بیان ہے۔

دوسرے باب میں مدینہ طیبہ کے رہنے والوں اور ان کے متعلقات کا بیان ہے۔

تیسرے باب میں مدینہ طیبہ کی مساجد اور ان سے متصل اشیاء کا بیان ہے۔

چوتھے باب میں مدینہ طیبہ کی زمین، اس کے پہاڑ، اس کی وادیوں، پھلوں، کنوؤں اور مٹی کا بیان ہے۔

اس تمہیدی گفتگو کے اختتام سے پہلے چند چیزوں کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) میں نے وہ تمام احادیث نقل نہیں کیں جو تمام کتب احادیث میں موجود ہیں بلکہ بعض کو ذکر کیا ہے اور بعض کو ضرورت کے مطابق چھوڑ دیا ہے تاکہ کلام میں تکرار پیدا نہ ہو۔

اور حوالہ کے طور پر تمام کتب کو ذکر نہیں کروں گا بلکہ کسی ایک حوالہ کا ذکر کروں گا۔

(۲) احادیث میں اختلاف کا ذکر بھی نہیں کروں گا بلکہ معاملہ کا خلاصہ ذکر کروں گا تاکہ قاری کا ذہن مشوش نہ ہو جائے کیونکہ تمام پڑھنے والے محدثین نہیں ہوتے اسی طرح رواۃ میں جو اختلاف ہے کہ فلاں نے اس کے بارے یہ کہا فلاں نے یہ کہا، یہ بھی ذکر نہیں کروں گا، اسی طرح اسانید کا اختلاف بھی ذکر نہیں کروں گا بلکہ صرف وہ چیز ذکر کروں گا جو قاری کے لئے مفید اور اہم ہوگی، یعنی حدیث کا صحت یا حسن کے اعتبار سے حکم بیان کروں گا۔

(۳) فقہی اختلافات کونہیں چھیڑوں گا، سوائے تین، چار مقامات کے کسی جگہ میں نے فقہی اختلاف کا ذکر نہیں کیا، احادیث سے مستنبط ہونے والے مسائل کا بھی ذکر کروں گا، کیونکہ ان کا جاننا قاری کے لئے اہم اور ضروری ہے۔

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے سوال کرتا ہوں، جو استحقاق سے پہلے ہم پر نعمت کی بارش برسانے والا ہے، اس کی نعمتوں کے شکر بجالانے میں کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود اس نے ہم پر نوازش فرمائی ہے کہ ہمیں بہتر امت بنایا، کہ ہمیں اپنی کتاب کی سمجھ اور اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع اور فہم عطا فرما، قول وفعل میں ان کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرما ہمیں مزید انعامات سے نواز، اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر ومنزلت پہچاننے کی توفیق عطا فرما، اور جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اس میں تطبیق کی توفیق عطا فرما اپنی محبوب کے شہر کی قدر وعظمت کی معرفت عطا فرما، ہمیں اس میں رہائش عطا فرما، سید اولاد عدنان علیہ والہ الصلوٰۃ والسلام کے لواء حمد کے نیچے حشر عطا فرما، وہ ان تمام احسانات پر قادر ہے، وہ سائل کی دعا کو قبول فرمانے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ درود بھیجے ہمارے آقا ومولا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آپ کی آل واصحاب پر۔

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے، مدینہ منورہ یکم رجب ۱۴۰۹ھ۔

ابوابراہیم

خلیل ابراہیم ملا خاطر العزامی

نزیل مدینہ منورہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ خَاتَمِ النَّبِيِّنَ مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰى وَ عَلٰى آلِهِ الْمُجْتَبٰى وَ عَلَى الصَّحَابَةِ الطَّاهِرِيْنَ وَ عَلٰى اَوْلِيَاءِ اُمَّتِهِ الْكَامِلِيْنَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ لَا مَلْجَاءَ وَلَا مَنْجَا مِنْهُ اِلَّا اِلَيْهِ۔

قرآن کریم میں انصار کی تعریف وتوصیف

قرآن کریم کی متعدد آیات میں انصار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی تعریف وتوصیف بلند مرتبہ اور فضیلت وعظمت کا بیان ہے اور جن آیات میں ان قدسی صفات شخصیات کا ذکر ہے وہ دو حصوں میں منقسم ہیں۔ پہلی وہ آیات جن میں صرف اور صرف انصار صحابہ کا تذکرہ ہے اور اس قسم میں وہ آیات بھی شامل ہیں جن میں مہاجرین صحابہ کے ذکر کے بعد انصار صحابہ کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری وہ آیات جن میں جملہ صحابہ کے اوصاف وکمالات کا بیان ہے اور انصار بدرجہ اولیٰ اس میں شامل ہیں۔

پہلی قسم کی آیات

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ (انفال:۷۲)

”یقیناً جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں اور وہ جنہوں نے پناہ دی (مہاجرین کو) اور (ان کی مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی۔ نہیں تمہارے لئے ان کی وراثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اور اگر وہ مدد طلب کریں تم سے تو دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور ان کے

درمیان (صلح کا) معاہدہ ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے)''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہجرت کے اعتبار سے مومنین کو دو قسموں میں تقسیم فرمایا ہے (۱) وہ مومن جو ایمان لائے، ہجرت کی اور اپنے مال وجان کے ساتھ جہاد بھی کیا۔ یہ انصار کا گروہ تھا، جنھوں نے مہاجرین کو پناہ دی اور ان کی مدد بھی کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور مسلمانوں کے علاوہ ہر گروہ کے خلاف یک جان ہیں اور کفار کی مخالفت میں ایک دوسرے کے معاون ومددگار ہیں۔

بعض علماء نے یہ فرمایا کہ اولئک بعضھم اولیاء بعض سے مراد یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں یعنی ہجرت ونصرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دوسرے کا وارث بنادیا حالانکہ قرابت و رشتہ داری کا کوئی تعلق نہیں ہے، پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ دوسرے وہ مومن جنھوں نے ہجرت نہیں کی ان کی میراث سے تمہارا کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں تو پھر یہی لوگ پہلے ہجرت کرنے والے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار میں ایسا رشتہ اخوت قائم فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بن گئے، تقسیم وراثت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ رشتہ اخوت کو ترجیح دی جاتی تھی جیسا کہ حضرت ابن عباس سے بخاری شریف کی روایت میں ثابت ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ (انفال: ۷۴)

''(اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جنھوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی (خوش نصیب) لوگ سچے ایمان دار ہیں انہیں کے لئے بخشش اور باعزت روزی ہے)''

پہلی آیت کریمہ میں انصار ومہاجرین کی دنیوی زندگی کا ذکر تھا اور اس آیت کریمہ میں آخرت میں ملنے والی جو نوازشات اور سعادتوں کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے محبوب کے عاشقان دلفگار اور ناموس اسلام کے جوانمرد پاسبانوں کے لئے تین عظمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) ان کے ایمان کی حقیقت میں کوئی شک وشبہ نہیں، یہ بارگاہ الٰہی سے ان کے ایمان کامل کی گواہی ہے۔

(۲) اگر ان سے بتقاضائے بشریت کوئی غلطی سرزد ہوگی تو اسے بخش دیا جائے گا اور مغفرت ودرگزر کے سزاوار ہونگے۔

(۳) اور اللہ تعالیٰ جنت میں انہیں ایسا پاکیزہ رزق عطا فرمائے گا جو نہ ختم ہوگا اور عمدگی اور گوناں گوں ذائقہ کی وجہ سے نہ انسان کا اس سے جی بھرے گا، یہ تمام انصار ومہاجرین پر اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

آیت نمبر ۳

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۝۱۰۰ (توبہ:۱۰۰)

’’(سب سے آگے آگے سب سے پہلے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے، راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہوگئے وہ اس سے اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغات بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک یہی بہت بڑی کامیابی ہے)‘‘

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انصار، مہاجرین اور ان کی اتباع کرنے والوں کی فضیلت ذکر فرمائی ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ اپنے ان پاکباز اور مخلص بندوں سے راضی ہے اور جس پر اس کا پروردگار راضی ہے وہ یقیناً عظمت اور بلند مرتبہ پر فائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی سے کوئی بلند درجہ نہیں ہے اور یہ سب کچھ انہیں دل کے خلوص اور کامل اظہار عبودیت کے باعث میسر آیا ہے۔

(۲) اور یہ بھی بیان کیا گیا کہ وہ اپنے پروردگار سے راضی ہیں کیونکہ اس نے انہیں بہت زیادہ ثواب عطا فرمایا ہے اور ان کی عبودیت وایمان کو قبول فرمایا ہے۔

تیسرا مژدہ یہ سنایا کہ ان کے لئے ایسے باغات تیار کئے گئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور وہ ان دائمی نعمتوں اور باغات میں ہمیشہ رہیں گے ان میں ان پر نہ موت آئے گی اور نہ وہ ان باغات سے باہر نکلیں گے لفظ ’’ابداً‘‘ کے ساتھ اس حکم کو مؤکد فرمایا ہے۔

چوتھی نوازش یہ کہ وہ اپنے مطلوب ومقصود میں کامیاب وکامران ہیں اور مقصود ومطلوب میں کامیابی ہر دانشمند کی آرزو اور خواہش ہوتی ہے اور ہر انسان کا منشاء یہی ہے کہ اس کا پروردگار اس سے راضی ہو جائے اور وہ اپنے رب کی نوازشات اور ذرہ نوازیوں پر شاداں وفرحاں ہو اور اس کا مالک وخالق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دائمی جنتوں اور نعمتوں میں اسے عزت عطا فرمائے۔

آیت نمبر ۴

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ یَزِیْغُ قُلُوْبُ فَرِیْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۝۱۱۷ (توبہ:۱۱۷)

’’(یقیناً رحمت سے توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے (اپنے) نبی پر نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں

نے پیروی کی تھی نبی کی مشکل گھڑی میں اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جائیں دل ایک گروہ کے ان میں سے پھر رحمت سے توجہ فرمائی ان پر، بے شک وہ ان سے بہت شفقت کرنے والا رحم فرمانے والا ہے)''

یہ آیت کریمہ غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی اور یہ وضاحت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے راضی ہے، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا احسان وفضل بھی ہے، آیت کے ابتداء میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار پر اللہ تعالیٰ نے رحمت سے توجہ فرمائی ہے تو یہ ایک محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کیونکہ گناہ یا لغزش سے پہلے معافی کا ذکر اور پھر لغزش کے بعد توبہ کا ذکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلطی کو معاف فرمادیا ہے اور ان کی توبہ کو قبول فرمالیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ رحمت کی توجہ فرمائے گا اسے وہ ہرگز عذاب نہیں دے گا۔

جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔

کلام کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا ہے (حالانکہ ان سے کوئی لغزش نہیں ہوئی تھی اور وہ تو گناہ سے معصوم ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ان کی توبہ کی قبولیت کا سبب تھے اس لئے ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''فَاَنَّ لِلّٰهِ خمسه و للرسول ......'' اور اس قسم کی دوسری آیات۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام پر اپنی رضا کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ انہوں نے غزوۂ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی تھی جب کہ سخت گرمی کا موسم تھا، سفر بڑا طویل اور کٹھن تھا زادِ راہ اور پانی کی شدید قلت تھی حتیٰ کہ شدت پیاس کی وجہ سے گردنیں ٹوٹ رہی تھیں پانی اتنا کم تھا کہ ایک آدمی سواری کا اونٹ ذبح کرتا اور اس کے پیٹ میں جو پانی ہوتا اس سے اپنی پیاس بجھاتا۔

سواریوں کی کمی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک اونٹ دس آدمیوں کے لئے مخصوص تھا ان حالات کی سنگینی کی وجہ سے بعض مخلص مسلمانوں کے دلوں میں بھی خیال آیا کہ وہ شریک سفر نہ ہوں تو یہ وسوسہ عظمت صحابہ کی نسبت گناہ تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے ان کے لڑکھڑاتے قدموں کو مضبوط کر دیا، اسی نوازش کے اظہار کے سبب اللہ تعالیٰ نے آیت کا اختتام ''انه بهم رؤف رحيم'' کے ایمان افروز کلمات پر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی فضل اور اس کی بے پایاں عنایت ہے۔

آیت نمبر ۵

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ

هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِۦ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٩﴾ (حشر:۸۔۹)

''نادار مہاجرین کے لئے ہے جنہیں (جبراً) نکال دیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی یہی راست باز لوگ ہیں اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین کی آمد سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں (انہیں) اپنے آپ پر اگرچہ انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو اور جس کو بچالیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔''

اس آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مہاجرین کے ذکر کے بعد انصار کی فضیلت، شرف اور کرامت کو بیان فرمایا ہے ان کی پہلی صفت یہ کہ وہ مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر تھے کیونکہ یہ ان کا مسکن تھا۔ دوسری صفت یہ کہ اکثر مہاجرین کے آنے سے پہلے وہ ایمان کے ساتھ یہاں مقیم تھے۔

تیسری صفت یہ کہ وہ اپنے مہاجرین بھائیوں سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتے ہیں، یہ حسن اخلاق ان کے نفسوں اور ان کی ذاتوں میں رچا بسا تھا، حتیٰ کہ مہاجرین سے محبت کا اظہار یوں فرمایا کہ اپنے محبوب مال بڑی کشادہ دلی سے ان کی خدمت میں پیش کر دیئے اور بارگاہ رسالت میں عرض کی کہ حضور! صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہ دلکش منظر باغات اور روح پرور لہلہاتے کھیت ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم فرماویں، ان سے ہر قسم کی تکلیف کو دور کیا اور اپنے باغات کے پھلوں میں انہیں شریک کر لیا انصار کی بعض خدمات کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ بحث میں ہوگا۔

چوتھی خصوصیت یہ کہ وہ اپنی حاجت وضروریات پر اپنے مہاجرین بھائیوں کی ضرورت کو مقدم سمجھتے ہیں اس کی اہم مثال حضرت ابوطلحہ اور ان کی زوجہ محترمہ کا واقعہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں ایک مہمان عطا فرمایا تو وہ دونوں خود بھی اور ان کے بچے بھی بھوکے رہے مگر مہمان کی خوب خاطر تواضع کی۔ صبح ہوئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''لقد عجب اللّٰہ او ضحک صنیعکما البارحۃ بضیفکما .... '' گزشتہ رات تم دونوں نے مہمان سے جو حسن اخلاق کا مظاہرہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پسند فرمایا ہے۔

دوسری قسم کی آیات

جملہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے کمالات وصفات کے متعلق جو آیات وارد ہیں ان میں انصار بدرجہ اولیٰ داخل ہیں، یہ آیات بینات کثیر تعداد میں ہیں مگر میں چند صرف بطور نمونہ ہی ذکر کروں گا۔

آیت نمبر ۱

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ
مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ
بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ
اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا
مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا
لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾
فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ
اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ (آل عمران: ۱۶۹-۱۷۴)

"اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس اور رزق دیے جاتے ہیں، شاد ہیں ان (نعمتوں) سے جو عنایت فرمائی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اور خوش ہو رہے ہیں بسبب ان لوگوں کے جو ابھی نہیں آملے ان سے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے خوش ہو رہے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر اور (اس پر) کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا جنہوں نے لبیک کہا اللہ تعالیٰ اور رسول کی دعوت پر اس کے بعد لگ چکا تھا انہیں گہرا زخم ان کے لئے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجر عظیم ہے، یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انہیں لوگوں نے بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے تمہارے لئے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے جوش ایمان کو اور انہوں نے کہا کافی ہے اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے (ان کے عزم وتوکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے انعام اور فضل کے ساتھ۔ نہ چھوا ان کو کسی برائی نے اور پیروی کرتے رہے رضائے الٰہی کی اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔"

پہلی آیت کریمہ کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ یہ شہداء بدر، شہداء احد یا شہداء بیر معونہ کے متعلق وارد ہوئی ہے جو قول بھی تسلیم کیا جائے انصار اس میں ضرور داخل ہیں، کیونکہ وہ ان تینوں معرکوں میں شامل

تھے، اللہ تعالیٰ نے انصار کے شہید ہونے کے بعد ان کی زندگی، رزق، فرحت و مسرت کا ذکر فرمایا ہے، اور یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ قیامت کے خوفناک دن میں بھی ان کو کسی قسم کا خوف و حزن لاحق نہ ہوگا۔

مذکورہ آیات میں سے چوتھی آیت کریمہ غزوہ احد کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حمراء الاسد کی طرف نکلنے کے متعلق نازل ہوئی جیسا کہ اکثر مفسرین کا قول ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں بدر الصغری کی طرف نکلنے کے وقت نازل ہوئی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی اس آیت میں مدح و توصیف فرمائی اور انہیں اجر عظیم عطا فرمایا اور اس عزم و توکل کے نتیجہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت و فضل کو سمیٹتے ہوئے واپس آئے۔

آیت نمبر ۲

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ (انفال: ۶۴)

"(اے نبی (مکرم) کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ اور جو آپ کے فرمانبردار ہیں مومنوں میں سے)۔"

اس آیت کریمہ کی دو طرح سے تفسیر کی گئی ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کو دشمن کا مقابلہ کرنے پر برانگیختہ فرما رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے سے بتادیا کہ اللہ تعالیٰ دشمن کے مقابلہ میں ان کا معاون و مددگار ہے، اگرچہ کفار کی تعداد زیادہ ہے، مسلمانوں کی تعداد کم ہے مگر ان کا مددگار اللہ تعالیٰ ہے، اس تفسیر پر "من اتبعک ک" ضمیر پر معطوف ہوگا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اللہ اور مومن اے محبوب تمہارے لئے کافی ہیں، اس تفسیر پر "من اتبعک" لفظ جلالۃ پر معطوف ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ" (انفال: ۶۲)

لیکن پہلی تفسیر اولیٰ اور بہتر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ یکتا و تنہا ہی اپنے عبد مقرب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کافی ہے۔ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ (زمر: ۳۶)

آیت نمبر ۳

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

"اگر وہ ارادہ کریں کہ آپ کو دھوکہ دیں (تو آپ فکرمند کیوں ہوں) بے شک کافی ہے آپ کو اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت اور مومنوں (کی جماعت) سے اور اسی نے الفت پیدا کر دی ان کے دلوں میں اگر آپ خرچ کرتے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب تو نہ الفت پیدا کر سکتے ان کے دلوں میں لیکن اللہ تعالیٰ نے الفت پیدا کر دی ان کے درمیان بلاشبہ وہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔" (انفال: ۶۲۔ ۶۳)

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ارشاد فرمایا کہ اگر یہود یا کوئی اور دشمن، دھوکہ اور غدر کا ارادہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ ان کی شرارتوں اور سازشوں کو خاک میں ملادے گا وہ آپ کے دین کو غالب کرنے کا ضامن ہے، اس بشارت کے بعد اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کی گئی نوازشات کا ذکر فرمایا۔

کہ وہ وہی ذات ہے جس نے آپ کی تائید کی اپنی نصرت سے اور مومنین کی جماعت سے آپ کے بازوؤں کو مضبوط کیا۔ اکثر علماء کا خیال ہے کہ مومنین کی جماعت سے مراد انصار ہیں بعد والی آیت اس قول کی مؤید ہے "و الّف بین قلوبھم" یعنی اوس وخزرج کے دلوں کو محبت کی تسبیح میں جمع فرمادیا حالانکہ پہلے وہ منتشر تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت والفت کا اجتماعی مرکز اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو بنادیا تھا، دشمنی ونفرت کی اتنی شدت کے بعد ان تمام کو اپنے نبی مکرم کی نصرت واعانت، طاعت وتسلیم پر جمع فرمادیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں اس آیت میں مومنین سے مراد مہاجرین وانصار دونوں ہیں، پہلا مفہوم لیا جائے یا دوسرا انصار کو یہ عظمت بدرجہ اتم میسر ہے، اسی وجہ سے جنگ حنین کے موقع پر انہیں ہی پکارا تھا، رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡھُمۡ، واللہ اعلم۔

آیت نمبر ۴

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸۸ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝۸۹ (توبہ: ۸۸۔۸۹)

"لیکن رسول اور جو ایمان لائے اس کے ساتھ انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اور انہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں تیار کر رکھے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے باغات، بہتی ہیں ان کے نیچے ندیاں رہنے والے ہیں ان میں یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"

اس آیت کریمہ سے پہلے چند آیات میں منافقین کے برے رویہ اور کوتاہیوں کا ذکر فرمایا اب ان کے برعکس مومنوں کی جاں نثاری اور قربانی کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح وتوصیف بیان کی، یہ کہ وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی نوازش ہے کہ ان سے وعدہ فرمادیا کہ حور وغلماں، باغات ونہریں ہر قسم کی نعمتیں آخرت میں انہیں میسر ہوں گی، ان کی کامیابی وکامرانی یقینی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور وہ ان دائمی نعمتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ ساری کامیابی وکامرانی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے لئے ہے اور بلاشبہ انصار کے لئے ان نعمتوں میں وافر حصہ موجود ہے۔

آیت نمبر ۵

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ؕ﴿۲۲﴾ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۙ﴿۲۳﴾ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ﴿۲۴﴾ وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۚ﴿۲۵﴾ (احزاب:۲۲۔۲۵)

"جب ایمان والوں نے (کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرط جوش سے) پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسولﷺ نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اور اضافہ کر دیا، اور بچالیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جنگ سے اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور ہر چیز پر غالب ہے۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ صحابہ کرام کے خندق کے دن کے ایمان افروز حالات اور ان کے جذبہ تسلیم ورضا کا ذکر فرما رہے ہیں کہ جب انہوں نے کفار کے لشکر جرار کو دیکھا تو ان کے نور ایمان اور ذوق ویقین میں مزید اضافہ ہو گیا کہنے لگے یہ تو وہی ابتلاء وامتحان ہے جس کا ہم سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا، اس ابتلاء وامتحان کے بعد ہماری فتح اور غلبہ اسلام کا وعدہ ضرور پورا ہوگا۔ اس مہیب اور خطرناک صورتحال نے صحابہ کرام کے جذبہ تسلیم ورضا اور طاعت وانقیاد کے ذوق کو تازہ کر دیا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق جنگ میں فرشتوں کو اتار کر اپنے محبوب کے غلاموں کی مدد فرمائی، کفار کے لشکر پر تیز وتند ہوا چلا کر اسے بدحواس کر دیا تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم کی مدد ومعاونت فرمائی۔ اس طرح مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ ختم ہو گئی اور مسلمان غازی بن کر واپس لوٹے۔

آیت نمبر ۶

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ (الفتح:۱۸۔۱۹)

"یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور

بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی اور بہت سے غنیمتیں بھی (عطا کیں) جن کو وہ (عنقریب) حاصل کرلیں گے اور اللہ تعالیٰ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔"

ان آیات میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سربکف مجاہدوں، مکتب محمدی کے تلمیذوں اور منزل مہر و وفا کے بلند اقبال مسافروں کا ذکر تحسین کے ساتھ فرمارہا ہے جنہوں نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست ہدایت بخش پر صلح حدیبیہ کے روز ایک درخت کے نیچے سرفروشی اور وفاشعاری کی بیعت کی تھی۔ نیز ان کے صلہ جان نثاری کا تذکرہ فرمارہا ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور رضا الٰہی ایک ایسا امر ہے جس کا مقابل کوئی عظیم سے عظیم بدلہ نہیں ہے اور خود ہی اپنے محبوب کے غلاموں کے صدق وفا اور جذبہ طاعت و امتثال کی تصدیق فرمادی۔ مزید اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے شیدائیوں پر یہ لطف فرمایا کہ ان کے دلوں کو اطمینان سے لبریز فرمادیا۔ ایک انعام یہ فرمایا کہ انہیں فتح مکہ بھی عطا فرمادی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صلح حدیبیہ کو فتح قرار دیا اور واقعی وہ فتح ثابت ہوئی کیونکہ اس کے نتیجہ میں فتح خیبر، فتح مکہ عطا ہوئی نیز اسلام کے وفاداروں کو عزت ونصرت بھی عطا ہوئی، ایک انعام یہ کہ انہیں مال غنیمت کثرت سے ملا، اور ان اموال میں سے پہلا مال غنیمت خیبر کے علاقہ کا تھا یہ سب کا سب اللہ تعالیٰ کا فضل عظیم ہے۔

آیت نمبر ۷

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِينَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۚ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾ (فتح:۲۹)

"(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں، آپس میں بڑے رحم دل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلب گار ہیں اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے ان (کے ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں نیز ان کی صفات انجیل میں بھی (مرقوم) ہیں (یہ صحابہ ایک کھیت کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت دی اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اپنے تنے پر (اس کا جوبن) خوش کر رہا ہے بونے والوں کو تاکہ آتش غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک اعمال کرتے رہے

ان سے مغفرت کا اور اجر عظیم کا۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کے ذکر کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توصیف فرما رہا ہے کہ میرے محبوب مکرم کے فیض یافتہ کفار کے مقابلہ میں بڑے سخت ہیں مگر آپس میں وہ سراپا رافت ورحمت ہیں ان کی عبادت رکوع وسجود ہے، ان کے اعمال میں خلوص ہے اور ہمہ وقت اپنے پروردگار کے فضل ورضا کے طلبگار ہیں، تورات وانجیل میں بھی ان کی صفات اور اوصاف کا تذکرہ ہے، صحابہ کرام کی ہستیاں میزان اکبر میں کفار ان سے جلتے ہیں (اور مسلمان ان کی عظمت وکمال کو سن کر مسرور ہوتے ہیں) اس آیت کریمہ سے استنباط کرتے ہوئے امام مالک اور ان کے پیروکار رافضیوں کو کافر کہتے ہیں جو صحابہ کرام سے بغض رکھتے ہیں کیونکہ جو صحابہ کرام سے دشمنی رکھتا ہے وہ اس آیت کے موجب کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے غلاموں کو مغفرت واجر عظیم کا مژدہ جانفزا سنایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق اور سچ ہے، اس کا وعدہ کبھی تبدیل نہیں ہوتا اور اس کے کبھی خلاف نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء ہے کہ اپنے کرم واحسان کے صدقے ان کے زمرہ میں ہمارا حشر فرمائے بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے۔

آیت نمبر ۸

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (توبہ:۲۵-۲۶)

"بے شک مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہت سے جنگی میدانوں میں اور حنین کے روز بھی جبکہ گھمنڈ میں ڈال دیا تھا تمہیں تمہاری کثرت نے پس نہ فائدہ دیا تمہیں (اس کثرت نے) کچھ بھی اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے پھر تم مڑے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ پھر نازل فرمائی اللہ نے اپنی (خاص) تسکین اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور عذاب دیا کافروں کو اور یہی سزا ہے کافروں کی۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بے شمار مواقع پر اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت ودستگیری کا ذکر فرما رہا ہے اور حنین کے موقع پر تخصیص کے ساتھ ذکر فرمایا کہ کیسے تمہاری پسپائی کو اپنی نصرت واعانت سے فتح میں تبدیل فرما دیا تھا۔ نیز مسلمانوں پر جو نوازشات فرمائی تھیں ان کا بھی تذکرہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تسکین نازل فرمائی اور آپ کی معیت میں جتنے صحابہ کرام مدینہ طیبہ سے مکہ

شریف لائے تھے ان پر سکینت نازل فرمائی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر میں دو ہزار نو مسلم اہل مکہ میں سے تھے، اس آیت کریمہ میں اس نوازش کا بھی ذکر ہے کہ اس پروردگار نے صحابہ کرام کی نصرت و اعانت کے لئے فرشتوں کا غیر مرئی لشکر اتارا تھا۔

آیت نمبر ۹

ذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَاۙ وَ اللّٰهُ وَلِیُّهُمَاؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝۱۲۲ (آل عمران: ۱۲۲)

"جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا (اس لئے اس نے اس لغزش سے بچالیا) صرف اللہ پر توکل کرنا چاہئے مومنوں کو۔"

اس آیت کریمہ میں انصار کی توصیف کی انتہا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صراحۃً ذکر فرمایا کہ میں ان کا ولی ومددگار ہوں، جب بنوسلمہ اور بنو حارثہ کے دل میں پھلنے کا خیال آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دستگیری فرمائی اور ان کے دلوں کو مضبوط کردیا حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ ہمارے حق میں نازل ہوئی اور ہم اس کے نزول سے پریشان نہیں کیونکہ جہاں ہمارے پھسل جانے کے خیال کا ذکر ہے وہاں اللّٰهُ وَلِیُّهُمَا کی نوید جانفزا بھی ہے۔

اس آیت کریمہ کے آخر میں انصار کے شرف کی غایت وانتہا کا بیان ہے اس لئے تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے ہم اس آیت کے نزول پر خوش ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ولی و دوست ہونے کا اعلان فرمایا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ جس کا ولی اللہ تعالیٰ ہو اسے کوئی خوف وحزن نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ صالح مومنین کا ولی ہے، اور صحابہ کرام کے دلوں میں جو پسپائی اور واپسی کا خیال آیا تھا وہ شیطانی وسوسہ تھا نہ کہ ان کی اپنی طرف سے کسی کمزوری کا اظہار تھا، بنوسلمہ کا تعلق خزرج سے تھا اور حضرت جابر بنوسلمہ سے تھے بنو حارثہ کا تعلق اوس قبیلہ سے تھا۔

ان آیات کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں آیات انصار کی فضیلت وعظمت میں وارد ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء ہے کہ وہ انصار کی معیت میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء حمد کے نیچے ہمارا حشر فرمائے۔ آمین۔

احادیث طیبہ میں انصار کی توصیف وفضیلت

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت سے ایسی احادیث مروی ہیں جن میں انصار کے مقام رفیع، منصب عالی، خدمت دین کے بے مثال کارناموں، واجبات وفرائض کی عمدہ ادائیگی اور مسلمانوں پر ان کے احترام واجلال کے وجوب کا بیان ہے، اس طرح ایسی احادیث طیبہ بھی وارد ہیں جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے اپنی محبت کا اظہار فرمایا ہے، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی محبت کو ایمان اور ان سے بغض وعناد کو کفر ومنافقت کی علامت شمار کیا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے متعلق حسن ظن اور ان کی محبت عطا فرمائے اور روز قیامت مرسلین کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع فرمائے۔ آمین۔

انصار کی شان کے متعلق وارد تمام احادیث کا بیان تو میرے لئے ممکن نہیں مگر چند احادیث جن کی صحت کا تعین ہے وہ ضرور ذکر کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

انصار کا لقب

انصار کا لقب اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں عطا فرمایا ہے جیسا کہ قرآنی آیات کی بحث میں ان کا یہی لقب اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، ان کے وہ نام ذکر نہیں فرمائے جن کے ساتھ وہ زمانہ جاہلیت میں پہچانے جاتے تھے مثلاً بنی قیلہ، اوس، خزرج وغیرہ۔

۱- حضرت غیلان بن جریر سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس سے پوچھا انصار کا لقب تم نے خود اپنے لئے اختیار کیا ہے یا اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ لقب عطا فرمایا ہے حضرت انس نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ لقب عطا فرمایا ہے، حضرت غیلان فرماتے ہیں ہم حضرت انس کی مجلس میں جاتے تو وہ ہم سے انصار کے مناقب وفضائل بیان فرماتے اور میری طرف یا قبیلہ ازد کے کسی فرد کی طرف متوجہ ہوتے تو فرماتے قوم نے ایسا کیا، ایسا کیا، ایسا کیا، (بخاری)

۲- انصار کی محبت ایمان کی علامت اور انصار سے بغض منافقت کی علامت

انصار کی عزت وفضیلت کی حد فرمادی کہ ان کی محبت کو ایمان کی نشانی فرمایا اور ان سے بغض وحسد کو منافقت کی علامت بتایا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

آيَةُ الْإِيْمَانِ حُبُّ الْاَنْصَارِ ایمان کی نشانی انصار کی محبت ہے۔
وَ آيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ اور منافقت کی نشانی انصار کا بغض ہے۔

فتح الباری شرح بخاری کے مصنف فرماتے ہیں انصار کو یہ منقبت عظمٰی اور اعلیٰ مقام اس لئے ملا کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی معیت میں آنے والے اسلام کے شیدائیوں کو اپنے ہاں جگہ عطا فرمائی نیز اپنا جان و مال خرچ کر کے تمام مہاجرین کے ساتھ ہمدردی وعقیدت کا اظہار فرمایا۔ ان کا مہاجرین کے ساتھ والہانہ اور محبت بھرا سلوک عرب وعجم کے کفار کی دشمنی کا سبب بنا، اور یہ حقیقت ہے کہ عداوت ودشمنی بغض وعناد پیدا کرتی ہے، ان کی یہ خصوصیت حسد کا موجب بنی اور حسد بھی بغض کا باعث بنتا ہے، اسی وجہ سے انصار سے بغض رکھنے سے منع کیا گیا ہے اور ان سے محبت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ حتیٰ کہ انصار کی عظمت کی بلندی اور ان کے افعال و کردار کے نفاست پر آگاہ کرنے کے لئے ان کی محبت کو ایمان کی نشانی اور ان سے بغض کو نفاق کی نشانی بتایا ہے۔

مومن انصار سے بغض نہیں رکھتا

جب ایمان کی علامت انصار کی محبت قرار دی گئی ہے، تو جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا ہے وہ ان سے بغض نہیں رکھ سکتا بلکہ ہر مومن ان سے دل وجان سے پیار کرتا ہے۔

۳- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُبْغِضُ الْاَنْصَارَ رَجُلٌ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (مسلم)

اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھنے والا انصار سے بغض نہیں رکھتا۔

۴- حضرت ابو ہریرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

جس طرح مومن انصار سے بغض نہیں رکھتا اسی طرح کسی منافق کے دل میں ان کی محبت نہیں ہوتی، اس کے متعلق کثرت سے نصوص وارد ہیں۔

جو انصار سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے

۱- محبت اللہ کے لئے ہوتی ہے، اور جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کسی سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے، اور یہ انسان کی انتہائی تکریم اور عزت افزائی ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے بارے یہ فرماتے سنا ہے۔

لا يُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا يُبْغِضُهُمْ انصار سے صرف مومن ہی محبت کرتا ہے۔
اِلَّا مُنَافِقٌ مَنْ اَحَبَّهُمْ اَحَبَّهُ اللّٰهُ اور ان سے بغض صرف منافق رکھتا ہے۔

وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ اَبْغَضَهُ اللّٰهُ (بخاری ومسلم)

جوان سے محبت کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے اللہ تعالیٰ ان سے بغض رکھتا ہے۔

ابن التین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان سے محبت اور ان سے بغض سے مراد یہ ہے کہ کوئی ان سے اس لئے محبت کرتا ہے کہ وہ دین کی سربلندی کا باعث بنے اور کوئی ان سے اس لئے بغض وعداوت رکھتا ہے کہ انہوں نے اپنے اموال وجان قربان کر کے دین اسلام کو کیوں ترقی دی۔

انصار رسول اللہ ﷺ کے مددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم ﷺ ان کے مددگار ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل میں سے اپنی ولایت کے لئے انصار کو مخصوص فرمایا ہے نیز اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانوں اور ان کی مصلحتوں کا کفیل اور ضامن ہے۔

۶- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریش، انصار، مزینہ، جہینہ، اسلم، غفار اور اشجع میرے مددگار ہیں اور ان کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی مددگار نہیں۔ (بخاری ومسلم)

۷- حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصار، مزینہ، جہینہ، غفار اور اشجع اور جو بنوعبداللہ سے ہیں دوسرے لوگوں کے علاوہ میرے موالی ومددگار ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مددگار ہیں۔ (مسلم)

بنوعبداللہ سے مراد بنوعبدالعزیٰ جو غطفان سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بنوعبداللہ رکھا تھا اور عرب ان کو بنومحولہ کہتے تھے کیونکہ ان کے باپ کا نام تبدیل کیا گیا تھا۔

انصار حضور ﷺ کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب تھے

اللہ تعالیٰ نے انصار پر اپنے احسان وکرم نوازی کی حد فرمادی کہ انہیں تمام لوگوں سے زیادہ اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب بنا دیا اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب بن گیا وہ یقیناً کامیاب وکامران ہے اور سعادت دارین کا مستحق ہے اور انصار کو یہی نعمت بدرجہ اتم میسر تھی۔ (رضوان اللہ علیہم)۔

۸- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک انصاری عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور اس کے ساتھ ایک بچہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے گفتگو فرمائی تو فرمایا۔

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اِنَّکُمْ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَیَّ مَرَّتَیْنِ وَ عِنْدَ مُسْلِمٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، دو مرتبہ فرمایا مسلم شریف میں ہے کہ تین مرتبہ فرمایا۔

۹- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند بچوں اور عورتوں کو ایک شادی سے آتے ہوئے دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے کھڑے ہو گئے اور فرمایا تمام لوگوں سے زیادہ تم مجھے محبوب ہو، تمام لوگوں سے زیادہ تم مجھے محبوب ہو آپ کی مراد انصار تھے۔

(بخاری، مسلم)

اگر ہجرت کی عظمت نہ ہوتی تو آپ ﷺ انصار سے ہونا پسند کرتے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی عظمت، بلند مرتبہ اور ان کی دلجوئی کے لئے فرمایا اگر ہجرت کی عظمت وفضیلت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا یقیناً ہجرت کا بڑا مقام ومرتبہ ہے۔ ہر کام کی علیحدہ ایک فضیلت وعظمت ہوتی ہے۔

۱۰- حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا اگر لوگ ایک وادی میں چلیں (اور انصار دوسری وادی میں) تو میں انصار کی وادی میں چلوں گا۔ (بخاری، مسلم)

۱۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک فرد ہوتا اگر لوگ ایک وادی میں چلتے اور انصار دوسری وادی میں چلتے تو میں انصار کی وادی میں چلتا۔ (بخاری، مسلم)

انصار کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عزت ملی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی وادی اور گھاٹی میں چلنا پسند کیا ان کی زمین کی طرف اپنے آپ کو منسوب کیا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہاجر ہونا مقدر نہ ہو چکا ہوتا تو آپ انصار میں سے ہوتے مگر تقدیر الٰہی میں تغیر وتبدیل نہیں ہوتا جیسی ترتیب زندگی مقدر تھی ویسا ہی ہونا تھا۔

۱۲- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح حنین کے موقع پر مال غنیمت تقسیم کیا اور مؤلفۃ القلوب کو زیادہ مال عطا کرنے کے بعد انصار سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ لوگ تو اپنے ساتھ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جاؤ تمام انصار نے بیک زباں ہو کر کہا حضور کیوں نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر لوگ ایک راستہ پر چلتے اور انصار دوسرے راستہ پر چلتے تو میں انصار کے راستہ پر چلتا۔ (بخاری، مسلم)

اسی موضوع پر حضرت عبداللہ بن زید اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث بھی گزر چکی ہیں۔ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عربوں کی عادت تھی کہ انسان اپنی رہائش اور سفر اپنی قوم کے ساتھ کرتا تھا اور حجاز کی زمین کثیر وادیوں اور گھاٹیوں پر مشتمل ہے، سفر کے لئے راستے مختلف ہیں، ہر قوم اپنا راستہ اور وادی اختیار کرتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی معیت کا ارادہ فرمایا، امام موصوف فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ وادی سے مراد مذہب ومسلک ہو جیسے کہا جاتا ہے، ''فلانٌ فی وادٍ و انا فی وادٍ'' فلاں کا یہ مسلک ہے اور میرا یہ مسلک ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

انصار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسرار ورموز کے امین ہیں

انصار کو یہ عظمت بھی حاصل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنا خاص معتمد بنایا اور انہیں اپنی جماعت بنایا جن پر اعتماد کیا جائے گا اسی طرح انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے راز ورموز اور امانت رکھنے کی جگہ کے متعلق بتایا۔

۱۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انصار میرا معدہ اور صندوق ہیں بے شک لوگ زیادہ ہوتے جائیں گے اور انصار کم ہوتے جائیں گے تم ان کی نیکیوں کو قبول کرنا اور ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا۔ (بخاری، مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''کَرِشی و عیبتی'' یہ ایسے الفاظ ہیں جن سے پہلے کسی نے کلام نہیں کی اور اس سے مراد معتمد علیہ امانت وراز رکھنے کی جگہ ہے کیونکہ الکرش حیوان کے معدہ اور اوجھ کو کہتے ہیں جس کے ذریعے حیوان کی نمو اور بالیدگی ہوتی ہے اور العیبہ اس چیز کو کہتے ہیں جس میں انسان اپنی نفیس چیزوں کو محفوظ کرتا ہے، یہ دونوں چیزیں کسی چیز کو پوشیدہ رکھنے کے لئے ہیں۔ (فتح الباری)

انصار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواص اور رازدار ہیں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انصار پر یہ بھی فضل تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا خاص رازدار اور اپنا پسندیدہ بنایا اور تمام لوگوں سے زیادہ ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قریبی بنایا، حتیٰ کہ انہیں استر (جسم سے ملا ہوا کپڑا) اور دوسرے لوگوں کو ابرہ (استرے سے اوپر والا کپڑا) فرمایا۔

۱۴- حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے فتح حنین کے دن اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مال غنیمت عطا فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمام مال غنیمت مؤلفۃ القلوب میں تقسیم فرمادیا اور انصار کو کچھ نہ عطا فرمایا، جب انہیں مال غنیمت لوگوں کی طرح نہ ملا تو ان کے دلوں میں بتقاضائے بشریت ناگواری آئی دل کی کیفیات کی خبر رکھنے والے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے حال کے مطابق خطبہ ارشاد فرمایا، اے انصار کے گروہ کیا میں نے تمہیں

گمراہ نہیں پایا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں میرے ذریعے ہدایت کی نعمت سے سرفراز کیا، تم منتشر تھے اور اللہ تعالیٰ نے میرے وسیلہ سے تمہیں جمع فرما دیا تم نادار و مفلس تھے اور میرے واسطہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں غنی کر دیا جب بھی حضور کوئی ارشاد فرماتے انصار کہتے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ احسان فرمانے والے ہیں پھر فرمایا تم میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے، راوی فرماتے ہیں جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ کچھ ارشاد فرماتے تو انصار یہی کہتے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ احسان فرمانے والے ہیں، پھر فرمایا اگر تم چاہو تو کہو، آپ ہمارے پاس یہ لے آئے یہ لے آئے، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ تو اپنے گھروں میں بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے گھروں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لے جاؤ اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں بھی انصاری ہوتا اگر لوگ اپنی اپنی گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی گھاٹی میں چلوں گا انصار استر ہیں اور لوگ ابرہ۔ تم میرے بعد ترجیحات دیکھنا تو صبر کرنا حتیٰ کہ تم حوض کوثر پر مجھ سے آملو۔ (بخاری)

شعار: وہ کپڑا جو جسم سے لگا ہوتا ہے۔

دثار: وہ کپڑا جو شعار کی اوپر والی جانب ہوتا ہے۔

اس حدیث پاک کی ابتداء میں انصار کو عتاب ہے، مگر آخر میں ان کی عظمت و فضیلت کا بیان ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنا خاص معتمد بنایا ہے ان کو اپنا قریبی اور نزدیکی بنایا ہے اور ان کی طرف اپنی نسبت فرمائی ہے کیونکہ فرمایا اگر ہجرت کی فضیلت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ہوتا۔

اس حدیث پاک میں علوم نبوت کا اظہار ہے کیونکہ جو انصار کی خصوصیت تھی اس کا علیحدہ ذکر فرمایا اور اس چیز کو جدا ذکر فرمایا جس میں دوسرے لوگ بھی شریک تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زندگی اور موت کو انصار کے ساتھ کیا

انصار پر یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور موت ان کے ساتھ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ اور انصار کی طرف ہجرت فرمائی کسی اور کو یہ شرف نہیں بخشا۔

۱۵- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتح مکہ کے واقعہ میں بیان فرماتے ہیں کہ کسی انصاری نے دوسرے سے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے قرابتداروں کی محبت غالب آگئی اور اپنے ہم وطنوں پر رحم آگیا۔ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں فوراً وحی کا نزول ہونے لگا جب وحی آتی تو ہم پر مخفی نہ ہوتی کیونکہ جب وحی آتی تو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکتا تھا حتیٰ کہ وحی ختم ہو جاتی۔ جب وحی ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے انصاریو! سب نے بیک زبان کہا، حضور ہم حاضر ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حاضر ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کہا، کہ مجھ پر

اپنے ہم وطنوں کی محبت غالب آ گئی ہے، انصار نے عرض کی حضور بات تو ہوئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا ہرگز نہیں بے شک میں اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ اور اس کا معزز رسول ہوں میں نے اللہ تعالیٰ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے، انصار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ خطاب سن کر روتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں آئے اور عرض کی حضور ہم نے جو کچھ کہا ہے اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں کہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہارا عذر قبول کرتے ہیں۔ (مسلم)

انصار کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیت

انصار پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کتنی شفقت تھی کہ مسلمانوں کے ہر حکمران کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت فرمائی کہ وہ انصار سے بہتری و بھلائی کا سلوک کرے۔ یہ شفقت اور نوازش اس لئے کہ ان پر جو حق اور واجب تھا وہ انہوں نے ادا کر دیا اور اب مسلمانوں پر واجب ہے وہ ان کے حقوق ادا کریں ان کے حقوق میں سے یہ ہے کہ ان کے اچھے اعمال کو قبول کیا جائے اور ان کی لغزشوں سے درگزر کیا جائے بشرطیکہ حدود کا موجب نہ ہوں۔

۱۶- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما انصار کی ایک مجلس سے گزرے وہ رو رہے تھے پوچھا رونے کی کیا وجہ ہے، انہوں نے بتایا ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنے ساتھ گزری ہوئی مجلس کو یاد کر کے رو رہے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بات کی خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً باہر تشریف لائے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاشیہ دار چادر سر پر باندھی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور اس دن کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کبھی نہ چڑھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا اے لوگو میں تمہیں انصار کے بارے وصیت کرتا ہوں وہ میرے خاص معتمد ہیں انہوں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے اور اب صرف ان کے حقوق باقی ہیں ان کی اچھائیوں کو قبول کرو اور ان کی لغزشوں سے درگزر کرو۔ (متفق علیہ)

۱۷- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے اپنے اوپر ایک چادر لپیٹی ہوئی تھی اور سر پر درد کی وجہ سے تیل آلودہ ایک پٹی باندھی ہوئی تھی، آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا اے لوگو! دوسرے لوگ بڑھیں گے اور انصار کم ہو جائیں گے حتیٰ کہ کھانے میں نمک کے برابر رہ جائیں گے جو تم میں سے والی بنے وہ کسی کو نقصان پہنچائے یا نفع مگر اسے انصار کے محاسن کو قبول کرنا چاہئے اور

ان کی لغزشوں سے درگزر کرنا چاہئے۔ (بخاری)

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گھر سے باہر تشریف لانے کا آخری دن تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی مرض میں وصال ہو گیا تھا۔

اس حدیث پاک میں نبوت کی علامات میں سے ایک علامت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوسرے لوگوں کے مقابلہ انصار کم ہو جائیں گے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اشاد فرمایا کہ خلافت ان کے ہاتھ میں نہ ہوگی اسی طرح آپ نے فرمایا کہ انہوں نے مہاجرین کو نصرت و پناہ دے کر اپنے فرائض ادا کر دیئے ہیں اور اب ان کے حقوق باقی ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انصار اور ان کے متبعین کے حق میں دعا

کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انصار سے اپنی محبت کا اظہار یوں فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے ان کے بیٹوں کیلئے ان کے پوتوں کیلئے ان کی عورتوں کے لئے اور ان کے متبعین کے لئے دعا فرماتے تھے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل اور انعام ہے، جس کے ساتھ انصار کو نوازا گیا۔

۱۸- حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ انصار کی، ان کے بیٹوں کی اور ان کے پوتوں کی مغفرت فرما۔ (بخاری مسلم) ترمذی میں ''ان کی عورتوں کی مغفرت فرما'' کے الفاظ زائد ہیں اور مسلم شریف میں ''**للذاری الانصار و الموالی الانصار**'' کے الفاظ بھی ہیں یعنی اے اللہ ان کے بچوں اور ان کے مددگاروں کی بھی مغفرت فرما۔

خندق کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہاجرین و انصار کے لئے اصلاح، عزت و مغفرت کی دعا فرمائی، عرض کی:

اے اللہ زندگی تو فقط آخرت کی زندگی ہے انصار و مہاجرین کو اصلاح، عزت عطا فرما اور ان کی مغفرت فرما۔

اسی طرح حضرت سہل بن سعد اور حضرت انس کی احادیث میں جو بخاری اور مسلم میں ہیں اور اسی طرح بخاری شریف میں حضرت زید کی حدیث میں ان کے متبعین کے حق میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کا ذکر ہے۔

انصار کا مہاجرین کے لئے جذبہ ایثار اور ان کو اپنی ذاتوں کے مساوی سمجھنا

انصار میں یہ خصوصیت بھی بدرجہ اتم موجود تھی کہ وہ اپنی ذات کی پرواہ نہ کرتے تھے اور دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے، اس صفت میں شاید ہی کوئی ان کا ہمسر و ہم پلہ ہو اور اس صفت کا اظہار ان سے کئی مرتبہ انفرادی طور پر بھی ہوا اور اجتماعی طور پر بھی ہوا۔

۲۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں انصار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا حضور آپ ہماری کھجوروں کے باغات ہمارے اور ہمارے مہاجرین بھائیوں میں تقسیم فرمادیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہیں ہوگا۔ پھر انصار نے عرض کی حضور تم ہماری جگہ پر کام کرو ہم تمہیں پھلوں میں شریک کرلیں گے پھر انصار و مہاجرین نے کہا ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو دل کے کانوں سے سنا اور دل و جان سے اس کی اطاعت کی۔ (بخاری)

۲۱- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا تا کہ بحرین کی زمین انہیں عطا فرمائیں تو انصار نے عرض کی حضور! اگر آپ ہمیں عطا فرمائیں تو ہمارے قریشی بھائیوں کو بھی اسی کی مثل زمین عطا فرمائیں لیکن اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے انصار تم میرے بعد اپنے اوپر دوسروں کی ترجیح پاؤ گے مگر میری ملاقات تک صبر کرنا۔ (بخاری)

۲۲- حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا میری ایک بیوی سے تم نکاح کرلو اور مال بھی نصف نصف تقسیم کرلو لیکن حضرت عبدالرحمٰن نے استغناء کا مظاہرہ کیا اور کہا اللہ تعالیٰ تمہارے اہل اور مال میں برکت عطا فرمائے (مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں) (بخاری)

اسی طرح حدیث انس رضی اللہ عنہ میں بھی ذکر ہے۔ (بخاری)

انصار کے لئے انتقام لینا اور انصار کے لئے صبر پر بہت بڑا ثواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ انصار میرے بعد سخت ترجیحات پائیں گے اور انہیں حوض پر میری ملاقات تک صبر کرنا ہوگا، پس جو ان پر ظلم و ستم کرے گا اس سے ان کی خاطر انتقام لیا جائے گا اور صبر پر انہیں بہت بڑا ثواب دیا جائے گا۔

یہ مفہوم حدیث میں وارد ہے، فرمایا ''سَتَجِدُوْنَ اَثَرَةً شَدِیْدَةً فَاصْبِرُوْا حَتّٰی تَلْقَوْنِیْ عَلَی الْحَوْضِ ''اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں'' حَتّٰی تَلْقَوُا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِنِّیْ عَلَی الْحَوْضِ '' یہ الفاظ حضرت انس وغیرہ کی حدیث میں صحیحین اور ان کے علاوہ کتب میں وارد ہیں اور امام بخاری نے کتاب مناقب الانصار میں یہی عنوان باندھا ہے باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم للانصار ''اِصْبِرُوْا حَتّٰی تَلْقَوْنِیْ عَلَی الْحَوْضِ ''ان تمام احادیث کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

انصار کے لئے خیریت کا ثبوت

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے ہر گھر میں خیر اور بھلائی کی خبر دی ہے، اگر چہ بعض گھروں کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور انصار کے بعض گھروں کو بعض گھروں پر فضیلت دینا بہت سے صحابہ

کرام سے ثابت ہے۔

۲۴- حضرت ابو اسید سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا انصار کے گھروں میں سے بہتر گھر بنونجار کا ہے..........اور انصار کے ہر گھر میں خیر ہے۔ (متفق علیہ)

۲۵- حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انصار کے گھروں میں سے بہتر گھر بنونجار کا ہے......اور ہر انصاری کے گھر میں خیر ہے۔ (متفق علیہ)

۲۶- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کہ آپ مسلمانوں کے عظیم اجتماع میں تشریف فرما تھے، میں تمہیں انصار کا بہتر گھر بتاؤں؟ صحابہ کرام نے عرض کی، جی ہاں یا رسول اللہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا بنو عبد اشہل کا گھر سب سے بہتر ہے..........انصار کے گھر میں بھلائی ہے۔ (مسلم)

یہ سب فرق و فضیلت مختلف قبائل میں مقابلہ کے اعتبار سے ہے (ورنہ ہر گھر میں فضیلت ہے) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور ہمیں ان کی محبت پر قیامت کے روز جمع فرمائے۔

انصار کی امانت، عفت اور ان کی محبت

انصار کو اللہ تعالیٰ نے کئی اعلیٰ اقدار سے متصف فرمایا تھا مثلاً امانت، پاکدامنی، حرمات پر غیرت، حقوق کی رعایت، حرمات کی حفاظت، مسافر کی نگہداشت اگر چہ کوئی عورت ہی ہو، یہ معاملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اکثر مہاجرین کے گروہوں کا استقبال وہ مرد و زن تمام مل کر کرتے تھے۔

۲۷- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عورت انصار کے دو گھروں کے درمیان رہے یا اپنے والدین کے پاس رہے کوئی ضرر نہیں۔
(احمد، ابن حبان، حاکم، صحاح)

صحابہ کرام کو سب و شتم کرنے سے منع فرمایا

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ وہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بہترین لوگ ہیں بلکہ سطح زمین پر تخلیق آدم سے لے کر قیامت تک بہترین صدی ان کی ہے، وہ ہمارے عادل گواہ ہیں، اسی وجہ سے بہت سے آئمہ نے اس شخص کو کافر کہا ہے جو صحابہ کرام کے ساتھ کینہ رکھتا ہے اور ان کو برا بھلا کہتا ہے۔

۲۸- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لَا تَسُبُّوْا اَصْحَابِیْ فَلَوْاَنَّ اَحَدَ کُمْ اَنْفَقَ مِثْلَ اُحُدٍ ذَهَباً مَا بَلَغَ مُدَّ اَحَدِهِمْ وَلَا نَصِیْفَهٗ
(متفق علیہ)

میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو پس اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کی مثل سونا خیرات کرے تو میرے اصحاب میں سے کسی ایک کے مد بلکہ نصف مد تک بھی نہیں پہنچتا۔

جب متاخرین صحابہ کو متقدمین صحابہ کے متعلق سب وشتم سے منع کیا گیا ہے تو اس شخص کو بدرجہ اولیٰ منع کیا گیا ہے جو شرف صحابیت بھی حاصل نہیں کرسکا یا اس کا زمانہ ہی صحابہ کرام کے زمانہ سے بہت دور ہے۔

انصار کی اسلام میں کثرت سے شہادت اور روز قیامت ان کی عزت وبزرگی

انصار نے اپنے رب کریم اور نبی رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی، جنگوں نے انہیں زخمی کیا، قتل و شہادت ان سے جاری ہوئی، ان کے سردار مقتول ہوئے، زخموں نے انہیں مقید کیا، جنگ احد کے موقع پر ان کے ستر کے قریب افراد شہید ہوئے اسی طرح بئر معونہ کے روز، جنگ یمامہ کے موقع پر کثیر افراد نے جام شہادت نوش کیا اسی طرح حضرت عمر کے زمانہ میں کئی لوگ عراق میں شہید ہوئے۔

۲۹- حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہیں جانتا جو انصار سے شہداء اور عزت کے اعتبار قیامت کے روز زیادہ ہوگا۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں ہمیں انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انصار کے ستر آدمی جنگ احد میں ستر آدمی بئر معونہ کی جنگ میں اور ستر آدمی جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

بئر معونہ کا واقعہ عہد رسالت میں پیش آیا اور جنگ یمامہ کا واقعہ مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر صدیق کے دور خلافت پیش آیا۔

جس نے انصار کو خوف زدہ کیا اس نے رسول اللہ ﷺ کو خوف زدہ کیا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو خوف زدہ کرنے سے منع فرمایا ہے جس نے ان کو ڈرایا دھمکایا گویا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا دھمکایا آپ پر زیادتی کی اس لئے خدا تعالیٰ کے عذاب کا مستحق ہے۔

۳۰- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے انصار کے اس محلہ کو ڈرایا اس نے (اپنے پہلوؤں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا) انہیں ڈرایا۔ احمد، الطیالسی، بخاری فی تاریخہ الطبر انی البز ار نے اسے حدیث پاک کو صحیح رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن حبان نے یہ الفاظ ذکر کیے ہیں۔

من اخاف اهل المدينه اخافه اللّٰهُ — جس نے اہل مدینہ کو خوف زدہ کیا اللہ تعالیٰ اسے خوف زدہ کرے گا۔

انصار کی فضیلت میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے یہ اس تمام کا جز ہے جو ان کی عظمت وفضیلت میں وارد

ہے، میں نے سوائے ایک دو احادیث کے باقی تمام صحیحین سے نقل کی ہیں، کیونکہ ان پر زیادہ اعتماد ہے اور دلوں پر زیادہ موثر ہیں، ورنہ دوسری کتب میں ان کی فضیلت میں صحیح احادیث کثرت سے وارد ہیں یہاں تو انتہائی اختصار کے ساتھ ان کی علمی منصب، بلند مرتبہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سے محبت ذکر کی گئی ہے، وہ ہماری طرف سے انتہائی، عزت واحترام اور کامل محبت کے مستحق ہیں اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ ان کی محبت ایمان ہے اور ان کا بغض نفاق و گمراہی ہے یقیناً وہ ہر مدح وتوصیف کے لائق ہیں کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی مہاجرین کو پناہ دی اور اپنا ہر فرض ادا کیا اور اور پورا پورا ادا کیا لیکن عاجز بندے ان کی قربانیوں، جانفشانیوں کا صلہ دینے سے قاصر ہیں اس لئے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول مکرم انہیں اپنی جناب سے صلہ واجر عطا فرمائیں گے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان ویقین کی شہادت دیں گے اور ان کی شفاعت کریں گے اللہ تعالیٰ پردہ پوش، بہت رحمت فرمانے والا اور انعام فرمانے والا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں انصار کے متعلق حسن ظن عطا فرمائے اور ہمیں ان کی محبت پر موت عطا فرمائے اور ان کی معیت میں نبی کریم (علیہ وآلہ الصلوٰۃ والتسلیم) کے جھنڈے کے نیچے قیامت کو جمع فرمائے۔

مدینہ طیبہ کے فضائل

مدینہ طیبہ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں، (سب تعریف اللہ تعالٰی کے لئے ہے) فضائل کی کثرت مدینہ طیبہ کی بلند عظمت اور رفیع منزلت پر واضح دلیل مدینہ طیبہ کا اللہ تعالٰی اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم ہونا ہے۔

اللہ تعالٰی نے مدینہ طیبہ کو اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان کے ذریعے حرم فرمایا ہے جس طرح مکہ مکرمہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان اقدس پر حرم فرمایا ہے، اور مدینہ طیبہ میں ایسی برکات رکھی ہیں جو کسی اور شہر کو عطا نہیں فرمائیں حتیٰ کہ ایسی برکات مکہ مکرمہ میں بھی نہیں ہیں، اسی طرح مدینہ طیبہ کو کچھ ایسے فضائل ومناقب عطا فرمائے کہ جو کسی دوسرے شہر کو عطا نہیں فرمائے حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کو ایسے فضائل میسر نہیں اگرچہ مکہ مکرمہ کئی دوسرے فضائل سے مختص ہے لیکن جو کچھ ان دونوں محترم ومکرم شہروں کے متعلق ذکر کیا گیا ہے، قاری ان فضائل ومناقب کو تلاش کرے گا تو یقیناً مدینہ طیبہ کو مکہ مکرمہ سے ازروئے فضائل ومناقب زیادہ پائے گا۔

اب میرا دونوں شہروں کے درمیان ازروئے فضیلت فرق کرنا موضوع نہیں ہے۔ بلکہ مدینہ طیبہ کی فضیلت اور قدر ومنزلت بیان کرنا مقصود ہے تاکہ اس کی فضیلت ومنزلت اظہر من الشمس ہو جائے میں نے پہلے باب میں ان دونوں محترم ومکرم شہروں کی فضیلت وسبقت کے متعلق علماء کے جو اقوال وارد ہیں اسے بیان کیا ہے۔ یہ دونوں محترم ومعزز شہر سر کی دونوں آنکھوں کی طرح ہیں لیکن یہ غور طلب ہے کہ دائیں آنکھ کون سی ہے۔

بے شک اللہ تبارک وتعالٰی نے مدینہ طیبہ کی مساجد، پہاڑوں، پھلوں اور کھانوں میں ایسے مناقب جلیلہ اور فضائل رکھے ہیں جو کسی دوسرے شہر میں نہیں حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کے فضائل بھی ان کا جز اور بعض نظر آتے ہیں۔

بحث کی طوالت اور مقصود کے حصول کی خاطر میں نے ان فضائل ومناقب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب: مدینہ طیبہ کی حرمت، برکت اور اس کی رفیع قدر ومنزلت میں ہے۔

دوسرا باب: مدینہ طیبہ کے رہائشیوں اور ان کی بلند وبالا شان کے متعلق ہے۔

تیسرا باب: مدینہ طیبہ کی مساجد اور ان مساجد سے جو کچھ متصل ہے اس کے بیان میں ہے۔

چوتھا باب: مدینہ طیبہ کی زمین، اس کے پہاڑوں، وادیوں، پھلوں اور کنوؤں وغیرہ کے متعلق ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مدینہ طیبہ کے قرب، مدینہ طیبہ کی موت اور مدینہ طیبہ میں حشر کا سوال کرتا ہوں، بے شک وہ سخی اور کریم ہے۔

صَلَّی اللّٰہُ وَسَلَّمَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ صَحْبِہٖ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

پہلا باب

مدینہ منورہ کی برکت ومنزلت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر نبی کے لئے ایک شہر کو حرم بنایا جس میں وہ پناہ لیتا ہے اور اس شہر حرم کو اپنی جناب سے مناسب قدر وعظمت عطا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم حبیب معظم محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ طیبہ کو حرم اور اس کی جگہ بنایا مدینہ طیبہ تمام شہروں پر غالب آئے گا اور اللہ تعالیٰ نے اس میں مکہ مکرمہ سے دوہری برکتیں رکھی ہیں۔ مدینہ طیبہ تمام شہروں کا سردار، دار ہجرت، دار سنت، دار ایمان اور ایمان کی پناہ گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معزز فرشتوں کے ذریعے اس کی حفاظت فرمائی ہے اسے زلزلوں اور دجال سے محفوظ فرمایا ہے۔ اس میں طاعون کا مرض داخل نہ ہوگا یہ اپنے آپ سے برے لوگوں کو یوں دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اس کے صاع، مد اور اس کے پھلوں میں برکت فرمائی ہے اور مومنوں کے نزدیک اسے محبوب بنادیا ہے، جیسے مکہ مکرمہ محبوب تھا بلکہ مکہ مکرمہ سے بھی زیادہ اس کو محبوب بنادیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں مرنے اور اس میں سکونت کی ترغیب دی ہے۔ مدینہ طیبہ کی یہ عظمت کیوں نہ ہو جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں روز قیامت اس کے ایمان کا گواہ ہوں گا جو اس کی شدتوں اور تکلیف کو برداشت کرے گا اور جو اس میں وفات پائے گا اور جو میرے اس شہر کو اعراض کرتے ہوئے چھوڑ جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر کو اس میں جگہ دے گا اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی مٹی کو شفا بنایا ہے اور جو اس میں جرم کرے گا یا مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ نہ کوئی فرض قبول کرے گا اور نہ کوئی نفل۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس دن ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے اس دن مدینہ طیبہ کی ہر چیز روشن ہوگئی اس میں نیکیاں کئی گنا ہو جاتی ہیں اور جو مدینہ طیبہ کے باشندوں کو خوفزدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے خوفزدہ کرے گا اور جو انہیں اذیت وتکلیف دے گا یا اذیت کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے عذاب میں یوں پگھلائے گا جیسے پانی میں نمک یا آگ میں تانبا پگھل جاتا ہے۔

اس کی فضیلت تو بے شمار ہے لیکن میں اس کی فضیلت کو دو مختصر عنوانوں کے تحت تفصیل سے لکھوں گا، کیونکہ مقصود اس کی فضیلت، حرمت اور رفیع منزلت کا بیان کرنا ہے۔

مدینہ کو مدخل صدق فرمایا اور اس کو ذکر میں مقدم فرمایا

جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے تو کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی

کہ آپ کو قتل کر دیں یا آپ کو یہاں سے نکال دیں یا آپ کو قید کرلیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قتل کی تدبیر کر رکھی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا، ارشاد الٰہی ''وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا (بنی اسرائیل:۸۰) کی تفسیر میں مشہور ترین قول یہی ہے۔

۳۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے، پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔'' وقل رب ادخلنی '' الخ

(احمد، ترمذی، حاکم)

یہی شان نزول بہت سے مفسرین تابعین سے مروی ہے مثلاً حضرت قتادہ، حسن بصری، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور یہی قول اس آیت کریمہ کے نزول کے بارے میں اصح ترین ہے۔ واللہ اعلم۔

اس قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ آیت درج ذیل آیات کے بعد نازل ہوئی۔

وَاِنْ كَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَ اِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۷۶﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِیْلًا ﴿۷۷﴾ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ﴿۸۰﴾

''اور انہوں نے ارادہ کرلیا کہ پریشان و مضطرب کر دیں آپ کو اس علاقہ سے تاکہ نکال دیں آپ کو یہاں سے اور (اگر انہوں نے یہ حماقت کی) تب وہ نہیں ٹھہریں گے (یہاں) آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ (یہی ہمارا) دستور ہے ان کے بارے میں جنہیں ہم نے بھیجا آپ سے پہلے رسول بنا کر اور آپ نہیں پائیں گے ہمارے اس دستور میں کوئی رد و بدل نماز ادا کیا کریں سورج ڈھلنے کے بعد رات کے تاریک ہونے تک (نیز ادا کیجئے) نماز صبح بلاشبہ نماز صبح کا مشاہدہ کیا جاتا ہے اور رات کے بعض حصہ میں اٹھو اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر اور دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ اور عطا فرما مجھے اپنی جناب سے وہ قوت جو مدد کرنے والی ہو۔'' (اسراء:۷۶-۸۰)

وہ لوگ جو زمین سے نکالنے کا ارادہ کر رہے تھے وہ اہل مکہ تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں وعید سنائی

کہ وہ آپ کے جانے کے بعد بہت تھوڑا عرصہ اس زمین میں رہیں گے، واقعی ایسا ہوا کہ اس کے بعد جنگ بدر ہوئی اور ان کے بڑے بڑے گبر سردار قتل کیئے گئے اللہ تعالیٰ کا یہی سلوک ہوتا رہا ہے ان قوموں سے جنہوں نے آپ سے پہلے انبیاء کی نافرمانی کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم سے فرمایا کہ تم اپنے رب کی عبادت و ریاضت، نماز اور تہجد میں مصروف رہیں، پھر فرمایا آپ یوں دعا کیا کریں۔ ''وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ......''

ان آیات بینات سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے تھا، کفار کے کسی فعل کی وجہ سے نہ تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ مخرج کا ذکر مدخل سے مقدم ہوتا ہے لیکن یہاں اللہ تعالیٰ نے مدخل کو مخرج سے پہلے ذکر فرمایا، اس کی ایک خاص وجہ اور اہمیت تھی، اس آیت میں ہمارے استدلال کی وجہ بھی موجود ہے۔

مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ کی طرح حرم ہے

اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ کی طرح حرم بنایا، اور اس مفہوم پر کثرت سے نصوص وارد ہیں حتیٰ کہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں، میں اس عنوان کے تحت صرف چند احادیث کے ذکر پر اکتفا کروں گا، اور کچھ روایات بعد میں بیان ہوں گی۔

۳۲- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی فرماتے ہیں ہمارے پاس کتاب اللہ اور یہ صحیفہ ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے عامر پہاڑ سے وہاں تک (یعنی ثور پہاڑ تک)، مدینہ حرم ہے، جو اس میں کسی جرم کا ارتکاب کرے گا یا کسی مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اور اس کا قیامت کے دن نہ کوئی فرض قبول کیا جائے اور نہ کوئی نفل۔ (متفق علیہ واللفظ للبخاری)
مسلم شریف میں ''المدینة حرم ما بین عیر الی ثور ....'' کے الفاظ ہیں ایک اور روایت میں بخاری ومسلم میں ''نفس'' کا لفظ ہے۔

۳۳- عبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَ دَعَا لِاَ هْلِهَا وَاِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَةَ كَمَا حَرَّمَ اِبْرَاهِیْمُ مَكَّةَ اِنِّیْ دَعَوْتُ فِیْ صَاعِهَا مُدِّهَا بِمِثْلَیْ مَا دَعَابِهِ اِبْرَاهِیْمُ لِاَ هْلِ مَكَّةَ

(بخاری مسلم)

''حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور مکہ والوں کے لئے دعا فرمائی اور میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں مدینہ طیبہ کے صاع اور مد کے لئے حضرت ابراہیم کی دعا سے دو چند کی دعا کرتا ہوں۔''

۳۴- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْمَدِيْنَةُ حَرَمٌ مِنْ كَذَا اِلٰى كَذَا لَا يُقْطَعُ شَجَرُهَا وَلَا يُحْدَثُ فِيْهَا حَدَثٌ وَمَنْ اَحْدَثَ حَدَثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (متفق علیہ)

''مدینہ طیبہ یہاں سے یہاں تک حرم ہے، اس کے درخت نہیں کاٹے جائیں گے اور اس میں کسی جرم کا ارتکاب نہ کیا جائے اور جو اس میں جرم کا ارتکاب کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔''

۳۵- حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَاِنِّيْ اُحَرِّمُ مَا بَيْنَ لَا بَتَيْهَا يُرِيْدُ الْمَدِيْنَةَ (مسلم)

''حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ کو حرم فرمایا اور میں ان دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں یعنی مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔''

۳۶- مروان بن حکم نے لوگوں کو خطاب کیا اس میں مکہ، اہل مکہ اور اس کی حرمت کا ذکر کیا لیکن مدینہ منورہ، اہل مدینہ اور اس کی حرمت کا ذکر نہیں کیا۔

حضرت رافع بن خدیج نے کہا اے مروان کیا وجہ ہے کہ میں تجھ سے مکہ، اہل مکہ اور اس کی حرمت کا ذکر سن رہا ہوں مگر تو نے مدینہ منورہ، اہل مدینہ اور اس کی حرمت کا ذکر نہیں کیا، اور ہمارے پاس خولانی چمڑے پر لکھا ہوا یہ حکم موجود ہے اگر تو چاہے تو میں پڑھ کر سناؤں مروان خاموش ہو گیا اور کہا میں نے بھی سنا تو ہے۔ (مسلم)

۳۷- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا اور میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں ان دو پتھریلے کناروں کے درمیان نہ کوئی درخت کاٹا جائے گا اور نہ شکار کیا جائے گا۔ (مسلم)

۳۸- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا اور نہ اس کا شکار قتل کیا جائے گا۔ (مسلم)

۳۹- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ حرم ہے جو اس میں جرم کا ارتکاب کرے گا یا مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے روز قیامت نہ اس کا کوئی فرض قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی نفل۔ (مسلم)

۴۰- حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں جو جگہ اس کے دونوں پہاڑوں کے درمیان ہے وہ حرم ہے، اس میں نہ خون بہایا جائے گا اور نہ جنگ کی

غرض سے ہتھیار اٹھائے جائیں گے۔ (مسلم)

۴۱- حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ طیبہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ حرم ہے امن کی جگہ ہے۔ (مسلم)

۴۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کا ایک حرم ہوتا ہے اور میرا حرم مدینہ منورہ ہے، اے اللہ! میں تیری حرمت کے ساتھ اسے حرم بناتا ہوں کہ اس میں کوئی مجرم پناہ نہ لے نہ اس کی گھاس کاٹی جائے نہ اس کے کانٹے دار درخت کاٹے جائیں نہ اس میں گرا ہوا مال اٹھایا جائے مگر جو اس چیز کا اعلان کرے اس کے لئے اٹھانا جائز ہے۔

(احمد، ابو نعیم وابن الجعد بسند حسن)

ان احادیث کے علاوہ بھی مدینہ طیبہ کے حرم ہونے پر نصوص موجود ہے، آئندہ سطور میں اپنے اپنے مقامات پر ان شاء اللہ ایسی نصوص آئیں گی جو صراحۃً مدینہ طیبہ کے حرم پر دال ہیں۔

مدینہ منورہ حرم اور امن کی جگہ ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ منورہ کو حرم اور امن کی جگہ بنایا اس کے باشندے مطمئن اور امن وسکون سے رہیں گے نہ ان کو ڈرانا جائز ہے اور نہ ان کو خوفزدہ کرنا روا ہے۔

۴۳- حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا یہ حرم ہے اور امن کا گہوارہ ہے۔

(مسلم، امام احمد اور الطبرانی نے صحیح رجال کے ساتھ اِنَّھَا حَرَامٌ آمِنٌ ، اِنَّھَا حَرَامٌ آمِنٌ کے الفاظ روایت کئے ہیں)

۴۴- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ منورہ حرم اور امن کا گہوارہ ہے، یہاں سے یہاں تک حرم ہے نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا اور نہ اس میں جرم کا ارتکاب کیا جائے گا جو اس میں جرم کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس کا کوئی فرض قبول ہوگا اور نہ نفل۔ (بیہقی)

اس حدیث شریف میں جمہور علماء کے مذہب کی دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ حرم ہے اس کا شکار اور درخت کاٹنا منع ہے۔

ہر نبی کا حرم ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا حرم مدینہ منورہ ہے

اللہ تبارک تعالیٰ نے ہر نبی کے لئے حرم بنایا ہے جس کی طرف وہ پناہ لیتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس کے ذریعے حرم فرمایا۔

ان شاء اللہ وضاحت بعد میں آئے گی۔

۴۵- حضرت ابن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کے لئے حرم ہوتا ہے میرا حرم مدینہ منورہ ہے اے اللہ میں تیری حرمت کے ساتھ اسے حرم بناتا ہوں۔

(احمد، ابن جریر، ابو نعیم، باسناد حسن)

۴۶- ابن زنجویہ نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتاب اللہ کے سوا کوئی کتاب نہ تھی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیام میں ایک صحیفہ تھا جس میں یہ تھا کہ ہر نبی کے لئے حرم تھا اور میرا حرم مدینہ ہے میں نے اسے حرم بنایا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا۔

مزید تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آئے گی۔

۴۷- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے ایک اپنی تلوار منگوائی اور تلوار کی نیام سے ایک عربی چمڑا نکالا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ کے علاوہ جو کچھ چھوڑا میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے مگر یہ صحیفہ جس میں ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ لِکُلِّ نَبِیٍّ حَرَمٌ وَ حَرَمِیَ الْمَدِیْنَۃُ

"اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے محمد اللہ کے رسول ہیں، ہر نبی کا حرم تھا اور میرا حرم مدینہ طیبہ ہے۔"

اس اثر کو طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں اور بعض پر کلام بھی کی گئی ہے، الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم علیہ وآلہ وسلم صلی اللہ کی زبان پر مدینہ طیبہ کو حرم فرمایا

مدینہ منورہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے حرم نہیں فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس کی تحریم کا اظہار اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر فرمایا جس طرح مکہ مکرمہ کی حرمت کا حال ہے، مکہ مکرمہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے حرم بنایا، اسے لوگوں نے حرم نہیں بنایا لیکن مکہ مکرمہ کا حرم ہونا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ظاہر فرمایا اسی وجہ سے مکہ مکرمہ کی حرمت کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی ہے۔

۴۸- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو میری زبان سے حرم قرار دیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنی حارثہ کے پاس آئے اور فرمایا تم حرم سے نکل گئے پھر توجہ فرمائی اور فرمایا تم حرم میں ہی ہو۔

(بخاری)

۴۹- امام احمد، ابن ابی شیبہ اور الطبرانی نے الاوسط میں بخاری کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری زبان پر مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ حرم بنانے والے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حرمت کو ظاہر فرمانے والے ہیں۔

۵۰- امام نسائی نے حضرت ابو سعید الخذری سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

۵۱- حضرت عاصم سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا ہے، انہوں نے فرمایا ہاں، یہ حرم ہے، اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم بنایا ہے، اس کی گھاس نہیں کاٹی جائے گی اور جو اس کی حدود میں ایسا کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی۔ (احمد، ابن شیبہ، بیہقی)

حرم کی حدود

مدینہ طیبہ کی تحریم کے متعلق احادیث تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں جیسا کہ پہلے بھی میں نے ذکر کیا ہے اور یہ احادیث کسی ایک جہت کو بیان نہیں کرتیں بلکہ حرم کی چاروں سمتوں کو بیان کرتی ہیں، اسی طرح مدینہ طیبہ کے ممنوعہ علاقہ کے بیان میں بھی احادیث وارد ہیں ہیں پہلے میں چاروں جہات کو بیان کروں گا پھر اس کی ممنوعہ حدود کو بیان کروں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مشرق سے مغرب تک حد

حرم مدینہ کی مشرق سے مغرب تک کی حدود کے بیان میں احادیث وارد ہیں اور اس بیان میں ''اللابتین'' کا لفظ ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد سیاہ بکھرے ہوئے پتھروں کے ڈھیر ہیں اور یہ آج بھی مدینہ طیبہ کے لوگوں میں معروف ومشہور ہیں اگرچہ اب مدینہ طیبہ کے رہنے والے اس کے دونوں کناروں کی طرف پھیل رہے ہیں، اس کے متعلق نصوص کثرت سے وارد ہیں۔

حضرت رافع بن خدیج، حضرت جابر، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم تمام کی احادیث میں صراحت ہے کہ ان دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کا حصہ حرم ہے۔

۵۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں ان دونوں کناروں کے درمیان کسی ہرن کو پاؤں تو میں اسے خوف زدہ نہ کروں گا اور مدینہ طیبہ کے ارد گرد بارہ میل کا علاقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوعہ قرار دیا ہے یعنی حرم قرار دیا ہے۔ (متفق علیہ)

۵۳- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

میں ان دو پتھر یلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ (متفق علیہ)

۵۴- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیانی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔

یہ مفہوم متعدد صحابہ کرام سے مروی ہے، مثلاً زید بن ثابت، عبادہ بن الصامت، کعب بن مالک، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوالحسن المازنی، ابوقتادہ وغیرھم رضی اللہ عنہم

''مَا بَیْنَ لَا بَتَیْھَا اَیْ مَدِیْنَہ حَرَام'' یہ مدینہ طیبہ کے شرقاً غرباً حرم ہونے کا بیان ہے۔اگرچہ آج ۸ ۱۴۲۰ھ میں مدینہ طیبہ کا شہر حرم سے تجاوز کر چکا ہے۔

حرم مدینہ کی شمالاً جنوباً حد

حرم مدینہ کی شمالاً جنوباً حد بندی کے متعلق احادیث دو اعتبار سے وارد ہیں ایک وہ احادیث ہیں جن میں دونوں حدوں کا بیان ہے یعنی عیر سے ثور تک، سوائے عبداللہ بن سلام کی حدیث کے اس پر ان شاء اللہ مفصل بیان آگے آئے گا۔

دوسری احادیث وہ ہیں جن میں حد کا بیان نہیں ہے بلکہ (یہاں سے یہاں تک) کے الفاظ ہیں، ایک تیسری حیثیت کی احادیث بھی ہیں جن میں صرف ایک طرف کی حد کا بیان ہے، ان تمام کو ان شاء اللہ تفصیل سے بیان کروں گا۔

حضرت ابراہیم التیمی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب فرمایا اور کہا جو یہ کہے کہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس صحیفہ کے سوا بھی کوئی چیز پڑھنے کے لئے ہے وہ جھوٹا ہے، راوی فرماتے ہیں وہ صحیفہ آپ کی تلوار کی نیام کے ساتھ لٹکا ہوا تھا۔اس صحیفہ میں اونٹوں کی عمروں اور زخموں کے متعلق کچھ احکامات تھے، اور اسی صحیفہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے جو اس میں جرم کا ارتکاب کرے گا یا مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نہ اس سے کوئی فرض قبول کرے گا اور نہ کوئی نفل۔متفق علیہ

یہ ایک ایسی حدیث پاک ہے کہ بخاری کے اندر بھی اس میں ثور کا لفظ صراحت سے آیا ہے اور باقی روایات کا ذکر ان شاء اللہ بعد میں آئے گا۔

۵۶- امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے جو اس میں جرم کرے گا یا مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔امام بیہقی نے اسے صحیحین کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں عیر، ثور کا ذکر نہیں ہے، بلکہ بخاری کی تمام

روایات میں ''مِنۡ عَیۡرٍ اِلٰی کَذَا یَا مِنۡ عَائِرٍ اِلٰی کَذَا'' کے الفاظ ہیں۔

۵۷- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ کو فرمایا میرے لئے کوئی لڑکا لاؤ جو میری خدمت کیا کرے، حضرت انس فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھا کر لے گئے جب بھی کہیں اترتے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا، فرماتے ہیں پھر آپ آرہے تھے کہ احد پہاڑ سامنے آیا تو فرمایا یہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں، جب مدینہ طیبہ کو دیکھا تو فرمایا:

اے اللہ میں ان دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا اے اللہ اہل مدینہ کے مد اور صاع میں برکت عطا فرما۔ مسلم)

۵۸- بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں حضرت عاصم سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں میں نے حضرت انس سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے انہوں نے کہا ہاں، یہاں سے یہاں تک جو جگہ ہے اس سے درخت نہ کاٹا جائے گا اور جو اس میں جرم کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، مکمل حدیث کا ذکر بعد میں ہوگا پہلی روایت میں ''ما بین جبلیھا'' کے الفاظ کی تفسیر حضرت علی کی روایت میں ''مَا بَیۡنَ عَیۡرٍ اِلٰی ثَوۡرٍ'' کے الفاظ ہیں، یا حرتین مراد ہیں اس قول کے مطابق کہ ان سیاہ بکھرے ہوئے پتھروں میں پہاڑ ہے، ''مِنۡ کَذَا اِلٰی کَذَا'' کے الفاظ مبہم تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ''مِنۡ'' اور ''اِلٰی'' کے الفاظ اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی، اے اللہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں ان دو پہاڑوں کے درمیان حرم ہے، ان میں نہ خون بہایا جائے گا نہ جنگ کے لئے ہتھیار اٹھایا جائے گا، نہ اس میں درختوں کے پتے کاٹے جائیں گے مگر جانور کے لئے (مکمل حدیث ان شاء اللہ بعد میں آئے گی)۔

''ماٗزم'' ہمزہ کے ساتھ زاء مکسورہ کے ساتھ امام نووی نے اس کا معنی پہاڑ لکھا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں دو پہاڑوں کے درمیان تنگ راستہ، پہلا معنی ہی درست ہے ''ماٗزِمَیۡھَا'' کا مطلب ''جَبَلَیۡھَا'' یعنی دو پہاڑ ہے جیسا کہ حدیث انس رضی اللہ میں گزر چکا ہے۔

جبلین اور ''ماٗزمَین'' کا ذکر عیر اور ثور کے الفاظ والی حدیث کے متعارض نہیں ہے کیونکہ عیر اور ثور ہر ایک پہاڑ ہے اور اس کو ماٗزم بھی کہا جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ کے حرم کی حدود شمالاً جنوباً عیر پہاڑ اور ثور پہاڑ ہیں۔

لفظ عیر اور ثور پر اعتراض اور اس کا جواب

قدیم علماء اجلہ نے ''ثور'' کے کلمہ کے ذکر پر اعتراض کیا ہے جیسا کہ بعض علماء نے عیر کے کلمہ کے ذکر پر بھی اعتراض کیا ہے، اعتراض یہ ہے کہ یہ دو مشہور پہاڑ مکہ میں ہیں مدینہ طیبہ میں یہ معروف ہی نہیں ہیں، اس لئے ان علماء نے عیر اور ثور کی روایت کو وہم قرار دیا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت مصعب بن زبیر وغیرہ نے فرمایا کہ مدینہ میں عیر اور ثور پہاڑ نہیں ہیں بلکہ ثور مکہ کا پہاڑ ہے، قاضی موصوف فرماتے ہیں اکثر راویوں نے بخاری میں عیر کا لفظ ذکر کیا ہے لیکن ثور کے لفظ کو صراحۃً ذکر نہیں کیا بلکہ بعض نے کنایہ استعمال کیا اور بعض نے کچھ بھی ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ ثور کے ذکر کو غلطی سمجھتے تھے۔

علامہ المازری نے فرمایا، کہ بعض علماء ثور کا ذکر راوی کا وہم سمجھتے ہیں ثور مکہ میں ہے اور صحیح ''اِلٰی اُحُدٍ'' ہے۔

حضرت ابوعبید نے فرمایا ''مَا بَیْنَ عَیْرٍ اِلٰی ثَوْرٍ'' کے الفاظ یہ اہل عراق کی روایت ہے اور اہل مدینہ کے نزدیک ثور نام کا پہاڑ مشہور و معروف نہیں ہے، بلکہ ثور تو مکہ میں ہے، ہمارے خیال میں حدیث کے اصل الفاظ ''مَا بَیْنَ عَیْرٍ اِلٰی اُحُدٍ'' تھے۔

اسی طرح ابوبکر حازمی الحافظ وغیرہ نے کہا ہے کہ اصل عبارت ''مِنْ عَیْرٍ اِلٰی اُحُدٍ'' تھی۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہوسکتا ہے کہ ثور مدینہ طیبہ میں بھی ایک پہاڑ کا نام ہو خواہ احد ہی ہو یا کوئی اور جس کا نام مخفی ہو۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح علماء نے اسے مجاز پر محمول کیا ہے یا یہاں مضاف محذوف ہے بعض علماء نے کہا ہے کہ عبارت میں ''الی'' بمعنی ''مع'' ہے گویا مدینہ طیبہ کا حرم مکہ تک ہے۔

ابن اثیر نے فرمایا ہوسکتا ہے کہ یہ مراد ہو کہ مدینہ کے حرم کی مقدار اتنی ہے جتنی مکہ کی عیر اور ثور کے درمیان ہے یا اس کا مطلب ہے کہ مدینہ طیبہ کی حرمت ایسی ہی ہے جیسی مکہ کی حرمت عیر اور ثور کے درمیان ہے اس طرح کہ مضاف بھی حذف ہے اور مصدر محذوف کی صفت بھی ہے اور عبارت یوں ہے ''حَرَّمَ الْمَدِیْنَۃَ تَحْرِیْمًا مِثْلَ تَحْرِیْمِ مَا بَیْنَ عَیْرٍ وَثَوْرٍ بِمَکَّۃَ''۔

ابن قدامہ نے اسی طرح کا قول کیا ہے، یہ اعتقاد جائز نہیں ہے کہ عیر پہاڑ جو مدینہ میں ہے اس کے اور ثور کے درمیان حرم ہے جو مکہ میں ایک پہاڑ ہے، بے شک یہ بھی بالاجماع مباح ہے۔

مجھے معلوم نہیں کہ ان علماء اجلہ سے یہ وہم کیسے واقع ہوا شاید پہلے بعض متقدمین علماء جیسے ابوعبید اور مصعب سے یہ قول صادر ہوا تو پھر بعد میں آنے والے بھی وہی قول کرتے رہے، یا تو سابقہ علماء کی تقلید کی بناء پر یا بغیر کسی غور و فکر کے یا ایسے شخص سے سوال کے بعد جو حقیقت حال سے کورا تھا۔

علماء اجلہ کی کلام کا جواب

۱- پہلی چیز یہ ہے کہ کسی چیز سے انسان کی ناشناسی اس چیز کی حقیقت کو نہیں بدلتی اور اس چیز کے جاننے والے کے خلاف اس کی ناواقفیت و ناشناسی حجت اور دلیل نہیں بلکہ جاننے والا نہ جاننے والے پر حجت اور دلیل ہے، اس بات کی وضاحت بعد میں ہوگی۔

۲- دوسری حقیقت یہ ہے کہ بعض جگہوں کے نام ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں بلکہ بعض مقامات کے نام بعینہ ایک جیسے ہوتے ہیں، حالانکہ وہ مقامات ایک دوسرے سے کافی مسافت پر ہوتے ہیں مثلاً طرابلس شام میں بھی ہے اور لیبیا میں بھی ہے، بصرہ جنوبی عراق کا شہر بھی ہے اور بصرہ شمالی افریقہ میں بھی ایک شہر کا نام ہے۔ دومہ دمشق کے قریب شام کا ایک شہر بھی ہے اور دومہ شمالی جزیرہ عربیہ کا بھی ایک شہر ہے، قارا دمشق اور حمص کے درمیان شام کا ایک شہر بھی ہے اور قارا شمالی جزیرہ عربیہ کا بھی ایک شہر ہے، اسی طرح الجوف ایک دیہات شمالی جزیرہ میں ہے اور ایک دیہات جنوبی جزیرہ میں ہے، جب دو جگہوں کے نام ایک جیسے ہوں یا دو پہاڑوں کے نام ایک جیسے ہوں تو کیا ہم ایک کے وجود کی نفی کر دیں گے نہیں، ہرگز نہیں۔ تیسری چیز یہ ہے بہت سے مقامات کے نام گردش زمانہ کے ساتھ ساتھ بدل بھی جاتے ہیں بلکہ بعض مملکتوں کے نام ہمارے زمانہ میں بھی بدل چکے ہیں مثلاً تنزانیا اشیوبیا، ان کے پہلے نام اور تھے۔

علامہ فیروز آبادی اپنی کتاب المغانم المطابہ میں لکھتے ہیں، مجھے یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ جو بات حدیث صحیح میں ثابت ہے اس کو ان علماء اجلہ نے صرف اس وجہ سے کیوں وہم قرار دیا ہے کہ اہل مدینہ اس پہاڑ کو نہیں جانتے جسے ثور کہا گیا ہے۔

اس وہم کے قائلین کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اہل مدینہ سے اتنا طویل عرصہ کے بعد اس پہاڑ کے متعلق پوچھا ہے اور وہ نہیں جانتے تھے، یہ ایک حقیقت ہے کہ علم قطعی مشاہدہ اور عیان سے حاصل ہوتا ہے اور اختلاف، تغیر اور نسیان کی وجہ سے جگہوں اور شہروں کے نام بدل جاتے ہیں کئی ایسے حادثات اور اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے اس جگہ یا شہر کا اصلی نام چھوڑ دیا جاتا ہے اور نئے نام سے ملقب ہوتا ہے اور پہلا نام کلیۃً بھول جاتا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ ذوالحلیفہ اہل مدینہ کے لئے میقات متعین ہے مگر آج بیار علی کے نام سے مشہور ہے، آج اگر کوئی اس جگہ کو ذوالحلیفہ کہے تو وہ مخترع اور نام کو بدلنے والا شمار ہوگا۔

جو شخص المغانم المطابہ از فیروز آبادی، آثار المدینہ از عبدالقدوس الانصاری المدینہ بین الماضی والحاضر از ابراہیم العیاشی رحمہم اللہ تعالیٰ کا مطالعہ کرے گا وہ اس قسم کی متعدد مثالیں پائے گا۔

۴- یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بہت سے مقامات، پہاڑ، نشیبی اور ہموار جگہیں ایسی ہیں جنہیں لوگ بالکل

بھول چکے ہیں مگر ان کا ذکر کتب میں موجود ہے اور یہ ایک واضح اور کھلا امر ہے (جسے ہر عالم و جاہل جانتا ہے)۔

مثلاً اب کوئی ایسا شخص ہے جو سقیفہ بنی ساعدہ کی حد بیان کرے یا جبل قزح کو جانتا ہو حالانکہ وہ شعائر اللہ میں سے ہے مناسک حج سے اس کا گہرا تعلق ہے۔ کوئی ہے جو باغ فدک کی نشان دہی کرے، بلکہ بہت سی ایسی نشانیاں اور علامات جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں تھیں، ان کا ذکر امہات الکتب میں بھی ہے، لوگوں کی زبانوں پر منتقل ہوتی رہی ہیں مگر آج شاید ہی کوئی انہیں پہچانتا ہو، کوئی اگر جانتا بھی ہے تو ظن و تخمین سے جانتا ہے تحقیق و تعیین کسی کو بھی نہیں ہے، مثلاً خندق، مختلف کنویں اور حدود حرم وغیرہ۔

علامہ فیروز آبادی فرماتے ہیں بڑی تعجب انگیز بات ہے کہ میں نے مدینہ طیبہ کے اشراف و امراء، فقہاء و جہلاء سب سے باغ فدک کے متعلق پوچھا تمام نے ایک ہی جواب دیا ہم تو کوئی ایسا شہر نہیں جانتے جسے فدک کہا جاتا ہو، یہ ایک ایسا دیہات ہے جو امراء و خلفاء کے ہاتھوں نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا دور عباسی تک پہنچا، یہ کیفیت تو ایک بڑے قصبے یا دیہات کی ہے، تو ایک چھوٹا سا پہاڑ جو احد پہاڑ کے پہلو میں واقع تھا اور اسکے ساتھ کوئی اہم واقعہ اور حادثہ بھی معلق نہ تھا تو اس کا بھول جانا کوئی اچنبے کی بات نہیں میں نے اہل فضل اور معتبر لوگوں سے مدینہ طیبہ کے مختلف مقامات کے متعلق پوچھا جن کا ذکر سیرت کی کتب میں بکثرت موجود ہے، تو کسی نے بھی تسلی بخش جواب نہ دیا اور کسی کو بھی علم نہ تھا، یہ کتنی بڑی کوتاہی ہے۔

۵- اس پہاڑی کا وجود آج بھی قائم ہے میں نے بیس سال پہلے اسے دیکھا تھا اس کے ان اوصاف کی تصدیق کی جنہیں مؤرخین و علماء نے ذکر کیا ہے، میں اس پہاڑی کے پاس گیا اور بہت سے لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا تو تمام نے میری تائید و تصدیق کی۔

۶- عوام الناس اور بعض علماء کا ثور پہاڑ کا نہ جاننا اس شخص کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا جس نے اسے خود دیکھا ہے، جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا عوام الناس جانیں یا نہ جانیں، اعتبار تو جاننے والے کا ہوگا نہ کہ اس کا جو بے خبر اور ناواقف ہے، علماء اور اہل علم کی عبارات اس پہاڑ کے وجود اور اس کے مشاہدہ پر کثرت سے موجود ہیں۔

المحب الطبری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، علامہ فیروز آبادی نے القاموس میں عالم، حافظ ابو محمد عبدالسلام البصری کی سند سے لکھا ہے کہ احد کے سامنے ایک جھکا ہوا چھوٹا سا پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے اور انہوں نے یہ بھی بتایا کہ میں نے مدینہ طیبہ کی آبادی کو جاننے والوں سے کئی بار سوال کیا تو تمام نے مجھے یہی کہا یہاں ایک پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے۔

المحب الطبری لکھتے ہیں، ثور کا ذکر تو ہمیں حدیث صحیح سے معلوم ہوا اور اکابر علماء کا نہ جاننا اس کی عدم شہرت یا عدم توجہ کی وجہ سے ہے فرماتے ہیں یہ ایک فائدہ جلیلہ ہے۔

الحافظ ابن حجر فرماتے ہیں میں نے القطب الحلبی کی شرح میں پڑھا ہے وہ فرماتے ہیں ہمیں شیخ امام ابو محمد عبدالسلام بن مزروع البصری نے بتایا کہ وہ ایک دفعہ عراق کی طرف بطور سفیر گئے جب وہ مدینہ طیبہ لوٹے تو ان کے ساتھ ایک راہنما تھا جو انہیں مختلف مقامات اور پہاڑوں کا تعارف کرا رہا تھا فرماتے ہیں جب ہم احد پر پہنچے تو اس کے قریب ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی میں نے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا اسے ثور کہا جاتا ہے، فرماتے ہیں اس کے بتانے سے مجھے حدیث کی صحت کا پتہ چل گیا۔

الحافظ ابن حجر فرماتے ہیں گویا ان کا سوال ہی اس بات کے متعلق تھا۔ حضرت علامہ شمس الدین محمد بن ابوالفتح بن ابی الفضل بن برکات الحنبلی معالم السنن کے حاشیہ پر لکھتے ہیں ثور ایک چھوٹا سا احد کے پیچھے پہاڑ ہے لیکن لوگ اسے بھول چکے ہیں سوائے چند عربوں کے اسے کوئی نہیں جانتا اس کی دلیل شیخ عفیف الدین عبدالسلام بن محمد بن مزروع البصری الحنبلی کا کلام ہے جو چالیس سال سے زیادہ مدینہ طیبہ میں رہے، وہ فرماتے ہیں میں عربوں کے ساتھ ہوتا تو میں جب کبھی کسی جگہ سے گزرتا تو ان سے اس جگہ کے متعلق پوچھتا ایک دفعہ میں بنوہشم کی قوم کے ساتھ سوار ہو کر گزر رہا تھا کہ میں نے ان سے جبل احد کے پیچھے والے پہاڑ کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ ثور پہاڑ ہے، پھر میں نے پوچھا تم اسے کب سے جانتے ہو انہوں نے بتایا ہم نے اپنے اباءواجداد سے جانا ہے، میں وہاں اترا اور بطور شکرانہ دو نفل ادا کئے۔

شیخ ابوبکر بن حسین المراغی ساکن مدینہ اپنی تحقیق النصرہ میں لکھتے ہیں متاخرین اہل مدینہ اپنے متقدمین سے نقل کرتے ہیں کہ احد پہاڑ کے پیچھے شمالی جہت میں ایک چھوٹا سا گول الحمرہ کی طرف جھکا ہوا ایک پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے اسی طرح الحافظ نے الفتح میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں میں نے اس کا مشاہدہ کر کے تحقیق کی ہے اور وعیر اس کی شرقی جانب ہے پھر علماء کا ذکر کیا جنہوں نے ثور پہاڑ کا ذکر کیا ہے پھر فرماتے ہیں پس ثابت ہوا کہ مخالف کی بات کا کوئی وزن نہیں ہے۔

امام جمال الدین محمد بن احمد المطری اپنی کتاب التعریف میں لکھتے ہیں جبکہ پہلے انہوں نے ابوعبید اور المازری کی کلام کو ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں میں کہتا ہوں احد پہاڑ کے پیچھے شمالی جانب ایک چھوٹا گول پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے اہل مدینہ اسے جانتے ہیں اخلاف اپنے اسلاف سے نقل کرتے آئے ہیں اور وعیر اس کی شرقی جانب ہے اور یہ دو حرم کی حدیں ہیں جیسا کہ پہلے نقل کیا گیا ہے، شاید ابوعبید اور المازری کو یہ نام نہیں پہنچا اگر یہ نام معروف نہ ہوتا تو خلف اپنے سلف سے نقل نہ کرتے۔

امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب معرفتہ السنن والاثار میں ابوعبید کا قول ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں، مجھے ابوعبیدہ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے کتاب الخیل میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے۔

الحافظ محمد بن محمود بن النجار متوفی ۶۴۳ھ اپنی کتاب تاریخ مدینہ میں ابوعبید کے قول کو ذکر کرنے کے بعد

لکھتے ہیں میں کہتا ہوں، اہل مدینہ ثور پہاڑ کو جانتے ہیں وہ احد پہاڑ کے پیچھے ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے وہ اس کا انکار نہیں کرتے۔

محمد الاقشہری فرماتے ہیں ہم نے جبل ثور کی پوری تحقیق کی ہے عربوں کے نزدیک احد کے قریبی پہاڑ کو ثور کہا جاتا ہے، اسے قدیم اہل مدینہ پہنچانتے تھے جبکہ نئے اہل مدینہ ناواقف ہیں اور جو جانتا ہے اس کی بات نہ جاننے والے کے خلاف حجت ہے۔

شیخ ابن تیمیہ مجموع الفتاوی میں لکھتے ہیں، اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیا، لکھتے ہیں اللابۃ کا مطلب الحرۃ ہے اور اس سے مراد وہ زمین ہے جس میں سیاہ پتھر ہیں اور یہ ''برید في برید'' ہے، اور برید چار فرسخ کا ہوتا ہے اور یہ عیر سے ثور تک ہے اور ''وَعَیْر'' یہ بھی میقات کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ یہ عیر کے مشابہ ہے، جس کا مطلب گدھا ہے، اور ثور احد کے قریب ایک پہاڑ ہے اور یہ اس ثور پہاڑ کے علاوہ ہے جو مکہ میں ہے۔

امام الرملی فرماتے ہیں ثور احد کے پیچھے ایک پہاڑ ہے۔

علامہ بن حجر المکی ابو عبید کے قول پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ثور کو مکہ کے ساتھ مخصوص کرنا ممنوع ہے کیونکہ متعدد محققین جیسے زمخشری وغیرہ نے مدینہ طیبہ کی زمین کو جاننے والوں سے نقل کیا کہ ثور احد پہاڑ کے پیچھے ایک چھوٹے سے پہاڑ کا نام ہے، اور اس سے واضح ہوا کہ احد بھی حرم سے ہے۔

شیخ احمد بن عبد الحمید العباسی اپنی کتاب عمدۃ الاخبار میں لکھتے ہیں ''وعیر'' احد کے پیچھے مشرقی جانب ہے اور ثور احد کے پیچھے وعیرہ سے مغربی جانب شام کی جانب جھکا ہوا ہے، میں احد کی چوٹی پر چڑھا تو میں نے ثور اور وعیرہ کو دیکھا لیکن وعیرہ احد سے چھوٹا ہے اور ثور وعیرہ سے چھوٹا ہے، اور اس کے قریب ایک اور چھوٹا سیاہ پہاڑ ہے وہ مشرق کی طرف سے حرم کی حد ہے، اور حرم کی غربی حد ''ثنیۃ الحضرۃ'' ہے، حضرہ ابو کبیر کی وادی کا نام ہے جو مسجد حرم سے اوپر کی طرف ہے۔

اس عبارت سے تھوڑا پہلے لکھتے ہیں ثور احد کے پیچھے بہت چھوٹا سا پہاڑ ہے، بعض حفاظ حدیث نے فرمایا احد کے پیچھے شمالی جانب ایک چھوٹا گول پہاڑ ہے جسے ثور کہا جاتا ہے اور اہل مدینہ اسے پہچانتے ہیں۔

میں کہتا ہوں، میں بھی ان لوگوں سے ہوں جنہوں نے ثور کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ خبر مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتی۔

علامہ سمہودی کہتے ہیں ثور گائے کے نر کو بھی کہتے ہیں اور یہ احد پہاڑ کے پیچھے ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے، جیسا کہ ہم واضح کریں گے، متعدد علماء سے یہ بات مخفی رہی اس لئے انہوں نے حدیث میں وارد لفظ ثور پر کئی اشکال اٹھائے ہیں، پھر انہوں نے سابقہ علماء سے جبل ثور کے اثبات پر عبارات نقل کی ہیں کہ یہ احد کے پیچھے ایک پہاڑ ہے، آخر میں لکھتے ہیں ہمارے زمانہ میں اور ہم سے قبل لوگوں میں مدینہ طیبہ میں ثور کے وجود

کی جو شہرت ہے، اس کی قدیم زمانہ میں بھی اصل ہے اگرچہ بعض علماء پر یہ حقیقت مخفی رہی مجھے کئی خواص لوگوں نے ثور پہاڑ کے متعلق بتایا اور احد کے پیچھے مجھے انہوں نے اس کا مشاہدہ بھی کرایا ہے۔

ان تمام اقوال وعبارات سے واضح ہوگیا کہ مدینہ طیبہ میں جبل ثور موجود ہے، وہ شمالی جانب احد پہاڑ کے پیچھے گول چھوٹا سا پہاڑ ہے اور یہ میں نے خود دیکھا بھی ہے۔

بعض جدید علماء نے لکھا ہے کہ ثور ایک پہاڑ ہے جو ایئر پورٹ پر جانے والے کی دائیں جانب پر ہوتا ہے اور اس پر پانی سٹور کرنے کے لئے ٹینک بنے ہوئے ہیں، مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ وہ جبل احد کی بائیں جانب نہیں ہوگا بلکہ وہ مشرق سے جنوب کی طرف ہے، وہاں احد کے پیچھے اور نچلی جانب ثور پہاڑ ہے۔

حدیث شریف کی صحت اور اس کا ثبوت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث جو پہلے گزر چکی ہے اس میں ہے "مَا بَیْنَ عَیْرٍ اِلٰی ثَوْرٍ" اور یہ حدیث متفق علیہ ہے یعنی بخاری ومسلم دونوں نے تخریج کی ہے اور علماء حدیث کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ جس حدیث کی تخریج پر یہ دونوں متفق ہوجائیں وہ صحت میں اعلیٰ درجہ پر فائز ہے۔

اور اس حدیث کو جنہوں نے روایت کیا ہے وہ ابومعاویہ محمد بن حزم ہیں جو احفظ الناس کے لقب سے ملقب ہیں اعمش سے روایت کرتے ہیں، ان کے طریق سے امام مسلم، ترمذی اور احمد نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، یہی حدیث مسلم میں علی بن مسہر سے بھی روایت ہے، بخاری ومسلم میں جریر سے بھی روایت ہے، مسلم، ابوداؤد اور احمد نے سفیان ثوری سے بھی یہی حدیث روایت کی ہے، یہ چاروں افراد اعمش سے روایت کرتے ہیں جو ثقہ، حافظ، عالم متقی ہیں، اعمش سے ابراہیم بن یزید التیمی روایت کرتے ہیں جو ثقہ ہیں وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے باپ یزید بن شریک التیمی ثقہ ہیں، ان کو مخضرمین میں شمار کیا جاتا ہے اور یزید بن شریک حضرت علی سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث پاک کی اس سند کے علاوہ اور بھی ایک سند ہے، جو ابوداؤد نے حضرت محمد بن المثنی سے روایت کی ہے جو ثقہ اور ثبت ہیں، انہوں نے فرمایا ہمیں عبدالصمد بن عبدالوارث نے بیان کیا ہے۔ عبدالصمد ثقہ، صدوق اور آئمہ میں شمار ہوتے ہیں وہ ھمام بن یحییٰ بن دینار سے روایت کرتے ہیں جو ثقہ ہیں انہوں نے قتادہ بن دعامہ السدوسی سے روایت کی ہے جو ثقہ اور ثبت ہے وہ ابوحسان مسلم بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں جو صدوق ہیں، حضرت ابوحسان حضرت علی سے روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث حسن لذاتہ ہے۔

احمد اور نسائی نے الکبریٰ میں ایک اور سند سے بھی روایت کی ہے یہ محمد بن جعفر سے مروی ہے، جو ثقہ ہیں وہ شعبہ بن الحجاج سے روایت کرتے ہیں جو حدیث میں امیر المومنین ہیں وہ اعمش سے اور اعمش ابراہیم التیمی سے روایت کرتے ہیں جو ثقہ ہیں وہ الحارث بن سوید التیمی الکوفی سے روایت کرتے ہیں جو ثقہ اور ثبت

ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اس حدیث پاک کی ایک اور سند بھی ہے، پس ثابت ہو گیا کہ اس حدیث کی سند بلکہ اسانید انتہائی جودت وصحت کی حامل ہیں، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث کو روایت کرنے میں منفرد نہیں ہیں، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت بھی ذکر کی گئی ہے۔

بعض حفاظ حدیث نے یہ لکھا ہے کہ امام بخاری کو جبل ثور میں شک تھا اس لئے انہوں نے صراحۃ ذکر نہیں کیا بلکہ ''الی کذا'' کے ساتھ کنایہ کیا ہے، حتیٰ کہ علامہ عینی نے فرمایا بخاری کی تمام روایات اسی طرح ہیں (یعنی ان میں لفظ ثور نہیں ہے) لیکن یہ مردود ہے، جن کو اس میں شک ہوا وہ امام بخاری سے پہلے کے راوی ہیں، امام بخاری نے اس لفظ کو پانچ مرتبہ ذکر کیا ہے، کتاب الحج میں، ابن مہدی عن الثوری کی سند سے روایت کیا ہے کتاب الجزیہ میں دو مرتبہ ایک مرتبہ ابن مہدی سے اور دوسری جگہ وکیع سے اور وہ دونوں الثوری سے روایت کرتے ہیں، چوتھی مرتبہ کتاب الفرائض میں جریر کے طریق سے پانچویں مرتبہ الاعتصام میں عمر بن حفص عن ابیہ کے طریق سے یہ تمام اعمش سے روایت کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اغماض راویوں کی طرف سے ہے، کتاب الحج اور کتاب الجزیہ میں ابن مہدی عن سفیان الثوری کے طریق میں من عائر الی کذا کے الفاظ روایت کئے ہیں، جبکہ امام احمد نے اسی طریق سے الی ثور کے الفاظ روایت کئے ہیں مسلم اور ابو داؤد نے بھی یہی الفاظ روایت کئے ہیں لیکن ابو داؤد کی سند ابن مہدی کی سند نہیں ہے، بلکہ وہ ابن کثیر کی سند ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث مدینہ طیبہ میں ارشاد فرمائی اور آپ سے متعدد صحابہ نے سنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان اشخاص میں سے ہیں جنہوں نے خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ بات سنی اور آپ اس حدیث کی حفاظت میں نہایت حریص تھے حتیٰ کہ آپ نے اپنی تلوار نیام میں رکھی ہوئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کسی ایک شخص سے نہیں بلکہ متعدد لوگوں نے سنی اور وہ تمام کے تمام ثقہ ہیں۔

قوت اور صحت، واقع کی موافقت، حفاظ حدیث کے اثبات، مدینہ طیبہ کے واقف لوگوں کی وضاحت کے بعد تو اس قسم کی روایت سے شک دور ہو جانا چاہئے اور اس شک کا مدار بھی صرف یہی ہے کہ مکان کا پتہ نہیں چل سکا، یا ایسے لوگوں سے پوچھا گیا جو جانتے نہیں تھے، یا مکہ کے جبل ثور کے ساتھ التباس ہو گیا ہے، یہ مدار بہت ضعیف اور بعید ہے اور عجیب تر بات تو یہ ہے کہ اب بھی ہمارے زمانہ تک کے کئی لوگوں کو شک باقی ہے، بہتر یہی ہے کہ علم کا بھروسہ اسی پر کیا جائے جو جانتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

زائد حرم کی مقدار

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح حرم کی حدود اور نشانیاں بیان فرمائیں اسی طرح اس کی

اردگرد کا علاقہ، طولاً، عرضاً، اس کی حدود اور تمام اطراف سے اس کی حدود کی کل مسافت بھی بیان فرمائی۔ کل مسافت بارہ میل ہے، کبھی پوری مسافت بیان فرمائی اور کبھی فرمایا "بریداً فی بریداً" اس کا مطلب بھی بارہ میل ہی ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

۵۹- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر میں ہرن کو ان دو کناروں کے درمیان پاؤں تو میں اسے خوفزدہ نہیں کروں گا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ کے اردگرد کا ممنوعہ علاقہ بارہ میل فرمایا۔ متفق علیہ

۶۰- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی ہر جانب ۳ میل کا فاصلہ قرار دیا۔

اس حدیث پاک کو البزار نے الفضل بن مبشر کی سند سے بیان کیا ہے جو صالح الحدیث ہیں، میں کہتا ہوں سابقہ حدیث سے بھی اس حدیث کے لئے استشہاد ہے۔ البرید چار فرسخ کو کہتے ہیں اور ایک فرسخ ۳ میل کا ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی حدیث کی طرح اس حدیث میں بھی کل مسافت ۱۲ میل ہی ہے۔

۶۱- حضرت عدی بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی ہر جانب سے ایک ایک برید ممنوعہ علاقہ قرار دیا، نہ اس میں درخت کاٹا جائے گا نہ اس کے پتے جھاڑے جائیں گے مگر یہ کہ اونٹ ہانکنے کے لئے کوئی چھڑی وغیرہ توڑی جاسکتی ہے، اس حدیث کو ابوداؤد نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے مگر حدیث سابق سے اس کا استشہاد ہوسکتا ہے، یہ حدیث ابوہریرہ کی حدیث کے موافق ہے، اس کی متابع بھی ہے الحافظ المزی نے تحفۃ الاشراف میں ذکر کی ہے۔

البرید: اس کا مطلب خچر ہے، اس کی اصل فارسی ہے یعنی برید دم جس کی دم نہ ہو اور اکثر خچر دم کٹے ہوتے ہیں اسے برید کہتے ہیں، پھر اسے عربی بنایا گیا تو اس میں تخفیف کی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس سواری پر سوار ہوتے تھے اسے بھی برید کہا جاتا تھا، دو سٹاپوں کے درمیان کی مسافت کو بھی برید کہتے ہیں (جامع الاصول) البرید کی مسافت چار فرسخ ہے اور ہر فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔

۶۲- حضرت سعد بن ابی وقاص سے غلام کے قصہ میں مروی ہے کہ آپ نے عقیق میں ایک غلام کو دیکھا وہ درخت کے پتے توڑ رہا تھا تو آپ نے اس غلام سے تمام چیزیں چھین لیں بعد میں غلام کے مالک آپ کے پاس آئے تو آپ نے فرمایا میں نے رسول ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جس کو تم مدینہ طیبہ کے ان بارہ میلوں میں درخت کاٹتا ہوا پاؤ تو اس کا مال تمہارا ہے، پھر فرمایا میں وہ مال قطعاً تمہیں واپس نہیں کروں گا جو آپ ﷺ نے مجھے عطا فرمایا ہے۔ (مسلم)

۶۳- حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے اردگرد بارہ میل کا علاقہ ممنوعہ قرار دیا۔

اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اس میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ہے جسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے، مگر امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے، لیکن سابقہ حدیث سے اس کو تقویت مل جاتی ہے۔

۶۴- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے شجر کو بارہ میل کے احاطہ میں کاٹنے سے منع فرمایا، پھر مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھیجا اور میں نے حرم پر نشان لگائے۔ ذات الجیش کے اوپر، شریب پر مخیض کے ٹیلے پر اور شیب کی پہاڑی پر۔

اس حدیث کو طبرانی نے الاوسط میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے، دوسری روایات میں اس تعیین کے خلاف بھی ذکر ہے تو مدینہ طیبہ کی چاروں اطراف کی تحدید اس طرح ہوگی۔

ذات الجیش سے بیداء کے قریب بیار علی کے علاقہ میں شمال تک پھر مشیرب یعنی ذات الجیش کے شمال میں ہے، پھر مخیض کی بلندی یہ مدینہ طیبہ کے مغرب شمال میں پہاڑ ہیں، بعض علماء نے فرمایا وہ وادی جسے عیون حمزہ کہا جاتا ہے یہ شام سے آنے والے کی دائیں جانب پر آتی، پھر الحفیاء یہ غابہ میں ہے یا غابہ سے پیچھے ہے، پھر ذوالعشیرہ یہ الحفیاء کی مشرقی اطراف میں ہے پھر شیب یہ مدینہ کے مشرق میں شمالی جہت تک ایک پہاڑ ہے اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ پھر وعیرہ جبل ثور کے قریب مشرقی جانب چھوٹا سا پہاڑ ہے یہ جبل ثور سے بڑا ہے مگر جبل احد سے چھوٹا ہے، پھر ثنیۃ المحدث پھر مضرب القبہ پھر ثرید، مجھے ان کا مکان معلوم نہیں سوائے مضرب القبہ کے، اس میں بھی اختلاف ہے۔

ان تمام مقامات کی تحدید اس بات کی تائید کرتی ہے مجموعی حرم ایک برید ہے زائد مقدار کی سابقہ تحدید جو شمالاً جنوباً عیر سے ثور تک ہے اور شرقاً غرباً بین اللابتین ہے، اس کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔

۱- جمہور علماء فرماتے ہیں حرم مدینہ جس میں شکار کرنا، درخت کاٹنا، ہتھیار اٹھانا خون بہانا حرام ہے، وہ دو پتھریلے کناروں کے درمیان اور عیر سے ثور تک کا علاقہ ہے، اور ان کا استدلال سابقہ قوی نصوص ہیں اور ان میں حرمت کی حیثیت سے شکار اور درخت کاٹنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۲- حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے شکار اور درخت کاٹنے میں تفریق کی ہے انہوں نے البرید کو درخت کاٹنے کے لئے حرم بنایا ہے اور بین اللابتین کو شکار کے لئے حرم بنایا ہے۔

مدینہ طیبہ کی تحریم کب ثابت ہوئی

حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مگر جو چیز مطالعہ سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ غزوہ خیبر سے واپسی کے بعد ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیا۔ حافظ ابن حجر نے بھی اسی پر جزم کیا ہے۔

ہمارے اس قول پر دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوطلحہ کو فرمایا میرے اس خیبر کے سفر کے لئے کوئی جوان لاؤ جو میری خدمت کرے، حضرت انس فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ مجھے اپنے پیچھے سواری پر بٹھا کر لے گئے اس وقت میں قریب البلوغ تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جگہ اترتے تو میں آپ کی خدمت بجالاتا، اور میں اکثر آپ سے یہ دعا سنتا تھا ''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَالْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَالْبُخْلِ وَالْجُبْنِ وَ ضَلْعِ الدَّیْنِ وَ غَلْبَۃِ الرِّجَالِ'' اے اللہ قلبی رنج اور ظاہری دکھ، سستی و عاجزی، بخل اور بزدلی، قرض کے بوجھ اور لوگوں کے غلبہ میں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

پھر ہم خیبر پہنچے جب اللہ تعالیٰ نے قلعہ کی فتح عطا فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صفیہ بنت حی بن اخطب کے حسن و جمال کا ذکر کیا گیا، جس کا خاوند قتل ہو چکا تھا اور وہ ابھی تک دلہن ہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے لئے خاص فرمالیا جب ہم صہباء کے بند پر پہنچے تو حضرت صفیہ حیض سے پاک ہوئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ازدواجی تعلقات قائم فرمائے، صبح ایک چھوٹے سے دسترخوان پر مخصوص حلوہ رکھا گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا اپنے ساتھیوں کو بلاؤ یہ حضرت صفیہ کا ولیمہ تھا پھر ہم مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کے لئے اونٹ پر چادر ڈالی پھر اونٹ کے پاس بیٹھے، حضرت صفیہ نے آپ کے گھٹنے پر پیر رکھا اور سوار ہوئیں، پھر ہم چلتے رہے حتیٰ کہ جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو آپ نے احد پہاڑ کو دیکھتے ہوئے فرمایا یہ پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں پھر آپ نے مدینہ طیبہ کی طرف دیکھ کر فرمایا اے اللہ میں ان دو پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اے اللہ اہل مدینہ کے مد اور صاع میں برکت عطا فرما۔ متفق علیہ (اس کے بعد مولف نے حدیث پاک کے الفاظ کی تشریح کی ہے، جو ترجمہ میں بیان ہو چکی ہے) (مترجم)۔

حدیث پاک میں قلعہ سے مراد القموص کا قلعہ ہے جو بنو ابی الحقیق کا قلعہ ہے جس میں صفیہ تھی اور پہلے یہ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق کی بیوی تھی، قلعہ قموص خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ تھا۔

اکثر اہل مغازی کے قول کے مطابق غزوۂ خیبر ۷ھ کو واقع ہوا تھا، یہ محرم کا آخر اور صفر کا اول تھا مگر ابن التین نے ابن الحصار سے حکایت کیا ہے کہ یہ ۶ھ کا آخر تھا، امام مالک سے بھی یہی منقول ہے، ابن حزم کا جزم بھی یہی ہے، ان دونوں قولوں کو جمع کرنا ممکن ہے، کیونکہ معاملہ آسان ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ذیشان ''اللّٰھم اِنِّیْ اُحَرِّمُ مَا بَیْنَ لَا بَتَیْھَا'' دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ کی تحریم اس وقت ہوئی تھی، جیسا کہ اس پر حافظ ابن حجر کا جزم بھی گزر چکا ہے، لیکن مجھے یوں لگتا ہے کہ تحریم اس سے بھی کئی مہینے پہلے ۶ھ میں واقع ہوئی تھی۔

۶۶- حضرت ابوسعید مولی المہری سے مروی ہے فرماتے ہیں اہل مدینہ تنگی اور قحط میں مبتلا ہوئے تو وہ ابو سعید الخدری کے پاس آئے اور کہا میرے بہت سے بچے ہیں اور ہم بڑی تکلیف میں ہیں میں چاہتا ہوں کہ کسی سرسبز جگہ پر اپنے بچوں کو لے جاؤں حضرت ابوسعید خدری نے فرمایا ایسا ہرگز نہ کر اور مدینہ طیبہ کو ہی لازم پکڑو، ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک سفر پر تھے، جب مقام عفان پر پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں چند راتیں قیام فرمایا تو لوگ کہنے لگے، قسم بخدا ہمارے پاس یہاں کچھ نہیں ہے، ہمارے بچے پیچھے ہیں ان پر بھی ہمیں کوئی امن نہیں ہے، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میں کیسی باتیں سن رہا ہوں، راوی فرماتے مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ نے کیا الفاظ فرمائے، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں چاہوں یا فرمایا اگر تم چاہو تو میں اپنی اونٹنی پر پالان کسنے کا حکم دوں پھر مدینہ طیبہ پہنچنے تک اس کا تنگ نہ کھولوں، پھر فرمایا اے اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں ان دو پہاڑوں کے درمیان حرم ہے، اس میں نہ خون بہایا جائے گا، جنگ کیلئے نہ ہتھیار اٹھایا جائے گا اور نہ اس کے درختوں کے پتے توڑے جائیں گے سوائے چارے کی غرض کے، اے اللہ ہمارے مدینہ میں ہمارے لئے برکت عطا فرما، اے اللہ ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت عطا فرما اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت عطا فرما اے اللہ، اس میں تین برکتیں عطا فرما، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مدینہ کی کوئی گھاٹی یا درہ ایسا نہیں ہے جس پر دو فرشتے نہ ہوں، اور تمہاری واپسی تک اس کی حفاظت کرتے رہیں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کوچ کرو، پھر ہم چل پڑے، مدینہ طیبہ پہنچے تو قسم ہے اس ذات کی جس کی ہم قسم کھاتے ہیں ہم نے سامان اتارا تو بنو غطفان نے ہم پر حملہ کر دیا۔ اس سے پہلے ان کو جنگ پر آمادہ کرنے والی کوئی چیز بھی نہ تھی۔ (مسلم)

یہ غزوہ غزوۂ بنی لحیان کے نام سے مشہور ہے اور یہ حملہ غطفانیوں نے صحابہ کرام کی مدینہ واپسی کے چند دن بعد کیا تھا، ان کا قائد عیینہ بن حصن تھا اور انہوں نے الغابہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اونٹنیوں پر حملہ کیا تھا اور ان کے چرواہے کو قتل کر کے ان کو ہانک کر ساتھ لے گئے تھے یہ چرواہا قبیلہ غفار سے تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا پیچھا کیا حتیٰ کہ وہ ذی قرد تک پہنچ گئے تھے اس غزوہ کو غزوۂ ذی قرد بھی کہا جاتا ہے اس غزوہ اور غزوۂ خیبر کے درمیان تین دن کا عرصہ ہے۔

۶۷- سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ غزوۂ ذی قرد کے بیان میں فرماتے ہیں ابھی ہم مدینہ میں تین دن ہی ٹھہرے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر روانہ ہو گئے (مسلم) یعنی غزوۂ قرد کے بعد خیبر روانہ ہو گئے۔

اس حدیث کی ابتداء صلح حدیبیہ اور اس سے مدینہ طیبہ کی طرف واپسی کا بیان ہے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث خیبر سے پہلے مدینہ کی تحریم پر دلالت کرتی ہے اور حدیث انس رضی اللہ عنہ خیبر کے بعد پر، لیکن ان دونوں نصوں کے درمیان میرے نزدیک کوئی خاص تعارض نہیں ہے اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا مختلف اوقات میں اعلان فرمایا تھا، حضرت ابو سعیدؓ کی حدیث میں پہلے اعلان کا ذکر ہے، حضرت ابو سعید اور حضرت انس کی احادیث کے درمیان کچھ مہینوں کا فرق ہے اور حضرت ابو سعیدؓ کی حدیث کا اعلان اس شخص کے نزدیک ہے جو یہ کہتا ہے کہ غزوۂ خیبر ۷ھ میں ہوا تھا۔ واللہ اعلم

مدینہ طیبہ کب حرم بنا

اس عنوان سے میری مراد یہ ہے کہ کیا مدینہ طیبہ کو حرم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد نے بنایا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے پہلے بھی حرم تھا، اس مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔

پہلا قول یہ ہے کہ مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے ساتھ حرم بنا جیسا کہ احادیث اس موضوع پر گزر چکی ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث ہے۔ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لئے دعا فرمائی، میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں جیسا حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا۔ متفق علیہ

حضرت انس کی حدیث میں ہے، اے اللہ میں ان دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں جیسا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا تھا۔ متفق علیہ

اسی طرح مسلم شریف کے حوالہ سے حضرت ابو سعید، حضرت جابر اور حضرت رافع بن خدیج کی احادیث بھی گزر چکی ہیں۔

یہ تمام نصوص اور ان کے علاوہ کئی نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مدینہ طیبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے پہلے حلال تھا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے حرم بنا، جیسا کہ مکہ کی تحریم کا حال ہے کہ مکہ مکرمہ بھی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے پہلے دوسرے شہروں کی طرح حلال تھا پھر حضرت ابراہیم علی نبینا الصلوٰۃ والسلام وعلیہ کی دعا کے ساتھ حرم بنا۔ (احکام السلطانیہ للماوردی...... ۱۶۵)

دوسرا قول یہ ہے کہ مدینہ طیبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے پہلے بھی حرم تھا مگر اس کی حرمت کا اظہار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے کیا گیا، پہلے اس کی تکلیف کو مؤخر رکھا گیا، یہ اس کے مکمل حرم ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مؤخر رکھا پھر تمام انبیاء مرسلین سے معزز و مکرم کی زبان سے اس کی حرمت کا اعلان کروایا ''صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم''، جیسا کہ مکہ کی تحریم میں ہوا، کہ یہ حرم تو زمین و آسمان کی تخلیق سے تھا مگر اس کی حرمت کا اعلان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے کروایا۔ (وفاء الوفاء)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پاک پہلے گزر چکی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو میری زبان سے حرم قرار دیا گیا ہے۔ (بخاری)

حضرت امام احمد، ابن ابی شیبہ، الطبرانی اور اسماعیلی کی روایت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری زبان سے مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیا ہے۔ پس حقیقت میں حرم بنانے والا اللہ تعالیٰ خود ہے، مگر تحریم کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے، جیسا کہ مکہ کی تحریم کی نسبت حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے، چونکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی تحریم ان کے زمانہ میں ظاہر ہوئی تھی اور ان کے ذریعے ظاہر ہوئی اس لئے نسبت بھی ان کی طرف کردی، اس کی مثال قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔

''اللّٰہ یتوَ فیّ الانفس'' اس آیت کریمہ میں موت دینے کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی طرف کی ہے، دوسری آیت ''یتو فّٰکم مَلَکُ الْمَوْتِ'' میں موت دینے کی نسبت ملک الموت کی طرف کی ہے اور تیسری آیت ''الذین یتو فّٰھم الملائکۃُ'' میں موت دینے کی نسبت فرشتوں کی طرف ہے، حقیقت میں موت دینے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر ملک الموت یا فرشتوں کی طرف نسبت اس لئے کی ہے کیونکہ موت دینے کا فعل ان سے سرزد ہوا۔

مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ حرمت میں برابر ہیں

جتنی احادیث طیبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ تمام بڑی واضح اور صریح دلیل ہیں کہ مدینہ طیبہ حرمت میں مکہ مکرمہ کی طرح ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیا ہے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اور یہ حرمت شکار کے قتل کرنے، جنگ و جدل کرنے، درخت کاٹنے اور درخت اکھیڑنے کے متعلق ہے، اور یہ دونوں شہروں کے متعلق ہے، بلکہ مدینہ طیبہ کی حرمت میں کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو حرم مکی میں نہیں ہیں، مثلاً مدینہ طیبہ کے بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اس میں جرم کرے گا یا مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے (مگر یہ چیز مکہ مکرمہ کے متعلق نہیں ہے)

پیچھے چند ایسی احادیث بھی گزر چکی ہیں جن میں ان دونوں معزز شہروں کی تحریم میں مماثلت کا ذکر تھا مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھ سے کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں سے علیحدہ کوئی بات نہیں کی مگر ایک چیز جو میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنی ہے جو اس صحیفہ میں ہے جو میری تلوار کی نیام میں ہے، اس میں ہے کہ بے شک حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں، دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ حرم ہے امام احمد نے بسند صحیح اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کی اصل صحیحین میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لئے دعا فرمائی اور بے شک میں مدینہ منورہ کو حرم بناتا ہوں

جیسے حضرت ابراہیم نے مکہ مکرمہ کو حرم بنایا۔ (متفق علیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں۔ (مسلم)

امام احمد نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں ''هِيَ كَمَكَّةَ حَرَامٌ مَا بَيْنَ حرتيها و حماها'' یعنی مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کا حصہ اور ممنوعہ علاقہ کے درمیان کی جگہ مکہ کی طرح حرام ہے۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَاِنِّيْ اُحَرِّمُ مَا بين لَا بَتَيْهَا'' ترجمہ گزر چکا ہے

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَمًا'' ترجمہ گزر چکا ہے

''وَاِنِّيْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا بَيْنع مَا زِمَيْهَا'' (رواہ مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہ کو فرمایا میرے لئے کوئی جوان لے آو، اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ کو دیکھ کر فرمایا:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُحَرِّمُ مَابَيْنَ لَابَتَيْهَا بِمِثْلِ'' ترجمہ گزر چکا ہے

''مَا حَرَّمَ اِبْرَاهِيْمُ مَكَّةَ ......'' متفق علیہ

یہ تمام احادیث پہلے گزر چکی ہیں۔ ان احادیث کے علاوہ بھی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

۶۸- حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو فرمایا پھر السقیا کے گھروں کے قریب پتھریلے ٹیلے پر سعد کی زمین پر نماز پڑھی پھر یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلَكَ وَعَبْدَكَ وَنَبِيَّكَ دَعَاكَ مَكَّةَ وَاَنَا مُحَمَّدٌ عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ وَ رَسُوْلُكَ اَدْعُوْكَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مِثْلَ مَا دَعَاكَ بِهٖ اِبْرَاهِيْمُ لِاَ هْلِ مَكَّةَ نَدْعُوْكَ اَنْ تُبَارِكَ لَهُمْ فِيْ صَاعِهِمْ وَ مُدِّهِمْ وَ ثِمَارِهِمْ، اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَمَا حَبَّبْتَ اِلَيْنَا مَكَّةَ وَاجْعَلْ مَا بِهَا مِنْ وَبَاءٍ بِخُمٍّ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ قَدْ حَرَّمْتُ مَا بَيْنَ لَا بَتَيْهَا كَمَا حَرَّمْتَ عَلٰى لِسَانِ اِبْرَاهِيْمَ الْحَرَمَ رواه احمد برجال الصحيح

''اے اللہ بے شک حضرت ابراہیم تیرے خلیل، تیرے برگزیدہ بندے اور تیرے نبی نے تجھ سے مکہ کے لئے دعا کی تھی اور میں محمد تیرا برگزیدہ بندہ، تیرا نبی اور تیرا رسول ہوں میں تجھ سے

اہل مدینہ کے لئے ویسی ہی دعا مانگتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم نے اہل مکہ کے لئے دعا مانگی تھی ہم تیری بارگاہ سے ہم دعا کرتے ہیں کہ تو اہل مدینہ کے صاع، مد اور ان کے پھلوں میں برکت عطا فرما اور ہمارے لئے مدینہ کو ایسے ہی محبوب بنا دے جیسے مکہ کو ہمارے لئے محبوب بنایا ہے اور اس میں جو وباء ہے اس کو خم کے چشمہ میں ڈال دے، اے اللہ میں مدینہ طیبہ کے دونوں کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں جیسے مکہ مکرمہ کو تو نے حضرت ابراہیم کی زبان سے حرم بنایا تھا۔''

۷۹- حضرت عبداللہ بن عباد الزرقی سے مروی ہے کہ میں بئر اھاب پر چڑیاں شکار کرتا تھا، مجھے عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا کہ میں نے چڑیاں شکار کی ہوئی ہیں، آپ نے مجھ سے چھین چھین کر وہ سب چھوڑ دیں اور فرمایا اے بیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بنایا ہے جیسے حضرت ابراہیم نے حرم بنایا ہے۔

اس حدیث پاک کو امام احمد، البزار، الطبرانی اور البیہقی نے روایت کیا ہے، اس کے راوی عبداللہ بن عباد الزرقی کے علاوہ سب ثقہ ہیں، امام بخاری نے ان کا ذکر اپنی تاریخ میں اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں کیا ہے، لیکن ان پر کوئی جرح وتعدیل نہیں کی۔

سابقہ احادیث سے اس کی شہادت ملتی ہے اس طرح اس کی اور بھی شواہد موجود ہیں۔ یہ تمام احادیث جو حضرت علی، ابو ہریرہ ابن عباس وغیرہم سے مروی ہیں صراحۃ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی تحریم میں مماثلت اور برابری پر دلالت کرتی ہیں۔ تعجب ہے ان علماء حدیث پر جو ان احادیث کی صحت، تواتر اور مشہور ہونے کو جانتے بھی ہیں جنہیں اٹھائیس صحابہ نے روایت کیا ہے، پھر بھی اپنے مذہب کی تقلید کرتے ہوئے اور نصوص کے محمل ترک کرتے ہوئے ان احادیث کو تحریم کے بجائے تعظیم پر محمول کرتے ہیں۔ اگر ان احادیث کے ساتھ حضرت علی اور ابن عباس کی حدیث ''لِکُلِّ نَبِيٍّ حَرَمٌ وَحَرَمِيُ الْمَدِیْنَةُ'' حضرت سہل بن حنیف اور حضرت انس کی حدیث ''حرم آمن - حرام آمن'' اسی طرح شکار کرنے، درخت کاٹنے، جنگ کے لئے ہتھیار اٹھانے کی تحریم کی احادیث کو ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو بڑا واضح اور بین ثبوت مل جاتا ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ تحریم میں برابر ہیں اور جو بعض احکام میں تفاوت اور اختلاف ہے وہ طبعی ہے، جیسا کہ آگے بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مدینہ طیبہ میں شکار کرنا حرام ہے

وہ تمام احادیث جو مدینہ طیبہ کی حرمت اور تعظیم پر دلالت کرتی ہیں ان میں شکار کرنے اور شکار کو ڈرانے کی تحریم کا بھی ذکر ہے اور یہ حکم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دس صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔ میں اس موضوع کی چند روایات کے ذکر پر

اکتفاء کروں گا اور بعض کی طرف صرف اشارہ کروں گا۔

۷۰- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اِنِّیْ اُحَرِّمُ مَابَیْنَ لَا بَتَیِ الْمَدِیْنَةِ، اَنْ یُقْطَعَ عِضَا هُهَا اَوْ یُقْتَلَ صَیْدُهَا''

میں مدینہ منورہ کے پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرام قرار دیتا ہوں، نہ کانٹے دار درخت کو کاٹا جائے گا اور نہ شکار کو قتل کیا جائے گا۔

۷۱- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ حَرَّمَ مَکَّةَ وَ اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَةَ، مَا بَیْنَ لَا بَتَیْهَا لَا یُقْطَعُ عِضَا هُهَا وَلَا یُصَادُ صَیْدُهَا''

بے شک حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا۔ مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں اس کا نہ کانٹے دار درخت کاٹا جائے گا اور نہ شکار کیا جائے گا۔

(رواہ مسلم)

۷۲- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

مَا عَهِدَ اِلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَیْأً خَاصَةً دُوْنَ النَّاسِ اِلَّا شَیْئٌ سَمِعْتُهُ مِنْهُ فَهُوَ فِیْ صَحِیْفَةٍ فِیْ قِرَابِ سَیْفِیْ ...... وَاِذَاً فِیْهَا اَنَّ اِبْرَاهِیْمَ حَرَّمَ مَکَّةِ وَ اَنِّیْ اُحَرِّمُ الْمَدِیْنَةَ حَرَمٌ مَا بَیْنَ حَرَّهِیْهَا وَ حَمَاهَا کُلُهٗ اِلَّا لِمَنْ اَشَارَبِهَا وَلَا تُقْطَعُ مِنْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا اَنْ یَعْلِفَ رَجلٌ بَعِیْرَهٗ وَلَا یُحْمَلُ فِیْهَا السِلَاحُ لِقِتَالٍ رواہ احمد واللفظ له – ابو داؤد واصل الحدیث فی الصحیحین

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی لوگوں سے علیحدہ کوئی خاص بات نہیں کی سوائے اس بات کے جو میں نے خود آپ سے سنی ہے وہ اس صحیفہ میں ہے جو میری تلوار کی نیام میں ہے، اس میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور میں نے مدینہ کو حرم بناتا ہوں دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان تمام کا تمام علاقہ حرم ہے، اس کا نہ گھاس کاٹا جائے گا، نہ شکار کو ڈرایا جائے گا نہ اس کا گرا پڑا مال اٹھایا جائے گا مگر اس کے لئے اٹھانا جائز ہے جو اس کا اعلان کرے نہ اس کا کوئی درخت کاٹا جائے گا مگر اس شخص کے لئے کاٹنا جائز ہے جو اپنے اونٹ کو کھلائے، اس میں جنگ کی خاطر نہ ہتھیار اٹھایا جائے گا۔''

اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد نے روایت کیا ہے، الفاظ امام احمد کے ہیں اور اس کی اصل بخاری مسلم میں ہے۔

۷۳- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرام قرار دیا ہے، نہ اس کا درخت کاٹا جائے نہ اس کا شکار ڈرایا جائے گا۔ (بخاری مسلم، الطحاوی، ابن الجارود)

۷۴- شیخین کی روایت میں یہ زائد ہے کہ اگر میں ان کناروں کے درمیان ہرن کو پاؤں تو اسے خوفزدہ نہ کروں گا۔

۷۵- حضرت شرحبیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، حضرت زید بن ثابت ہمارے پاس تشریف لائے، جبکہ ہم اپنے باغ میں پرندے پکڑنے کے لئے جال لگائے ہوئے تھے آپ نے ہمیں آواز دے کر للکارا، اور ہمیں بھگایا اور فرمایا کیا تمہیں علم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے شکار کو حرام قرار دیا ہے۔

اس روایت کو امام شافعی، ابن ابی شیبہ، احمد، الحمیدی، الجندی، ابو عوانہ، الطحاوی اور الطبرانی نے کبیر میں ذکر کیا ہے۔

۷۶- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی سعید الخدری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا میں نے مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم قرار دیا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں حضرت ابو سعید الخدری ہمارے ہاتھوں سے پرندے لے کر چھوڑ دیتے تھے۔ (مسلم)

۷۷- حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک لومڑ کو بچے ایک کونے میں پھنسائے ہوئے ہیں تو آپ نے اسے ان بچوں سے چھڑایا۔

حضرت امام مالک فرماتے ہیں میں نہیں جانتا مگر یہ کہ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں بھی ایسا ہی کیا جائے گا؟

اس روایت کو امام مالک، الطحاوی، الطبرانی نے الکبیر میں ذکر کیا ہے اور امام مالک کی سند صحیح ہے۔

۷۸- یحییٰ بن عمارہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، میں اسواف میں داخل ہوا، اور میں نے دو چھوٹے چھوٹے پرندے دیکھے جنہیں ان کی ماں اپنے آپ سے دور کر رہی تھی میں نے ان کو پکڑنے کا ارادہ کیا تو اوپر سے ابو الحسن المازنی آ گئے انہوں نے کھجور کی ایک چھڑی کھینچی اور مجھے مارنے لگے، ہمارے خاندان کی مریم نامی عورت نے کہا تو ایسی چھڑی کی وجہ سے ہلاک ہوا ہے۔

اور ابو الحسن نے مجھے فرمایا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بنایا ہے۔

اس روایت کو عبداللہ نے زوائد المسند میں، الطبرانی نے الکبیر میں ذکر کیا ہے، المسند کے رجال صحیح

کے رجال جیسے ہیں۔

۷۹- حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں۔

''مَا بَيْنَ كَذَا وَاُحُدٍ حَرَامٌ''

یعنی جو یہاں سے احد تک ہے وہ حرام ہے اور الطبر انی میں ہے۔

''مَا بَيْنَ عَيْرٍ وَاُحُدٍ حَرَامٌ''

یعنی جو عیر پہاڑ اور احد پہاڑ کے درمیان سے وہ حرام ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرام قرار دیا ہے، میں اس کا نہ درخت کاٹوں گا اور نہ کوئی پرندہ قتل کروں گا۔

اس روایت کو احمد اور الطبر انی نے الکبیر میں نقل کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۸۰- حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے قنبلہ (جگہ کا نام) میں ایک پرندہ شکار کیا، میں اسے ہاتھ میں پکڑ کر نکلا تو میرے والد عبدالرحمٰن بن عوف مجھے ملے انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے، میں نے کہا یہ قنبلہ سے پرندہ شکار کیا ہے، والد صاحب نے میرا کان پکڑ کر سختی کے ساتھ مروڑا اور پرندہ میرے ہاتھ سے لے کر چھوڑ دیا، پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان شکار کرنا حرام قرار دیا ہے۔

اس روایت کو الطحاوی، البیہقی اور البزار نے روایت کیا ہے۔

۸۱- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے کناروں کے درمیان کسی جانور کو شکار کرنا حرام قرار دیا ہے۔

یہ روایت طبرانی نے الاوسط میں نقل کی ہے خارجہ بن عبداللہ کے علاوہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن سابقہ احادیث سے اس کو تقویت مل جاتی ہے۔

یہ تمام احادیث وروایات جمہور علماء کے مذہب کی تائید پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ مدینہ طیبہ کا شکار حرام ہے اور مجھے سمجھ نہیں آتی کہ مخالف ان اشادات کا کیا جواب دے گا۔ ''حرّم ، لا ينفر صيدُها ، انى اُحرّم ...... اَنْ يُقْطَعَ عضاهها اَوْيقتَلُ صَيْدُهَا وَ حَرّمَ صَيْدَها''

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ کو حرم قرار دیا ہے، اسکا شکار خوفزدہ نہ کیا جائے گا میں اس کا درخت کاٹنا، شکار کرنا حرام قرار دیتا ہوں۔ بڑا تعجب ہے اس شخص پر جو اتنا کہہ کر مدینہ کے حرم کا اقرار نہیں کرتا کہ مدینہ کے حرم ہونے پر کوئی نص صریح نہیں ہے، حالانکہ تو متعدد روایات کا مطالعہ کر چکا ہے جن کو تواتر معنوی حاصل ہے، یہ حکم دس سے زیادہ صحابہ نے روایت کیا ہے، واللہ اعلم

مدینہ طیبہ کا درخت کاٹنا، اکھیڑنا اور گھاس کاٹنا حرام ہے

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حرم مدینہ میں شکار کرنے اور، شکار کو خوف زدہ کرنے کی حرمت تواتر سے ثابت ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ کے درخت کاٹنے، اکھیڑنے اور گھاس کاٹنے کی حرمت بھی تواتر سے ثابت ہے، صرف بعض صورتوں میں گھاس یا درخت کاٹنے کا جواز ہے، ان شاء اللہ بہت جلد اس کی تفصیل بیان ہوگی، بعض صورتیں احادیث کے بیان کے دوران واضح ہو جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

درخت سے مراد وہ درخت ہے جس کے اگانے میں انسان کا دخل نہیں ہوتا۔

حضرت سعد کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان درخت کاٹنے کو حرام قرار دیتا ہوں۔

حضرت جابر کی حدیث میں تھا مدینہ طیبہ کا کانٹے دار درخت نہ کاٹا جائے گا۔

حضرت علی کی حدیث میں تھا، مدینہ طیبہ کی نہ گھاس کاٹی جائے گی، نہ درخت کاٹا جائے گا مگر انسان اپنے اونٹ کو چارہ ڈالنے کے لئے کاٹ سکتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں تھا، اس کا درخت نہ کاٹا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن سلام کی حدیث میں تھا میں اس کا درخت نہ کاٹوں گا۔

ان احادیث کے علاوہ مندرجہ ذیل احادیث بھی مدینہ طیبہ کے گھاس کاٹنے اور درخت کاٹنے کی منع پر بڑی واضح دلیل ہیں۔

۸۲- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ یہاں سے یہاں تک ہے، اس کا نہ درخت کاٹا جائے گا، اور نہ اس میں جرم کیا جائے گا جو اس میں جرم کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (متفق علیہ)

۸۳- حضرت عاصم الاحول سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو حرم قرار دیا ہے انہوں نے فرمایا ہاں حرام ہے اس کا گھاس نہ کاٹا جائے گا جو ایسا کرے گا اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے، جس میں غزوہ بنی لحیان کا ذکر تھا، اس میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کے پہاڑوں کے درمیانی علاقہ کو حرم بناتا ہوں اس میں نہ خون بہایا جائے نہ اس میں جنگ کیلئے ہتھیار اٹھایا جائے گا، نہ اس کے درختوں کے پتے جھاڑے جائیں گے، مگر چارے کے لئے جائز ہیں۔ (مسلم)

۸۴- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رسول اللہ

صلی اللہ وسلم کے حرم کا نہ درخت کاٹا جائے گا نہ اس کے پتے جھاڑے جائیں گے مگر آہستہ آہستہ جھاڑے جاسکتے ہیں۔

اس حدیث پاک کو ابوداؤد، الطبرانی، البیہقی نے روایت کیا ہے، الہیثمی نے اسے حسن فرمایا ہے اور ابن حبان نے صحیح لکھا ہے۔

پیچھے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پاک گزر چکی ہے جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ذیشان تھا کہ ہر نبی کر حرم ہوتا ہے، میرا حرم مدینہ ہے نہ اس کا گھاس کاٹا جائے گا نہ اس کا کانٹے دار درخت کاٹا جائے اور نہ اس کا گرا پڑا سامان اٹھایا جائے گا، بشرطیکہ اٹھانے والا اعلان کرے۔

۸۵- حضرت عدی بن زید سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی ہر جانب تین میل کا علاقہ ممنوعہ قرار دیا، اس کے درخت کے پتے بھی نہ جھاڑے جائیں گے مگر اونٹ ہانکنے کے لئے کوئی ٹہنی توڑی جاسکتی ہے۔

اس حدیث کو ضعیف سند کے ساتھ ابوداؤد نے روایت کیا ہے، مگر اس کی متابعات پہلے گزر چکی ہیں۔

مدینہ طیبہ کی حرمت پر دلالت کرنے والی جو عبارات احادیث میں مذکور ہیں بعینہ وہ الفاظ وعبارات مکہ مکرمہ کی حرمت کے لئے وارد ہیں، مثلاً مدینہ طیبہ کی حرمت پر یہ الفاظ وارد ہیں، مدینہ طیبہ کا درخت نہ کاٹا جائے گا، اس کا کانٹے دار درخت نہ کاٹا جائے گا، اس کا گھاس نہ کاٹا جائے گا، اس کا درخت نہ کاٹا جائے گا مگر اونٹ کو چارہ ڈالنے کے لئے، عربی متن ملاحظہ ہو" لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا، لَا يُقْطَعُ عِضَاهُهَا، لَا يُخْتَلَى خَلَاهَا، وَلَا تُقْطَعُ مِنْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا اَنْ يَعْلِفَ رَجُلٌ بَعِيْرَهُ، لَا يُخْبَطُ فِيْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلَفٍ، لَا يُخْبَطُ وَلَا يُعْضَدُ ...... وَلٰكِنْ يُهَشُّ هَشًّا رَفِيقاً، لَا يُعْضَدُ شَوْكُها لَا يُخْبَطُ شَجَرُهُ وَلَا يُعْضَدُ اِلَّا مَا يُسَاقُ بِهِ الْجَمَلُ"

اب بعینہ یہی الفاظ اور عبارات حرم مکہ کے متعلق ملاحظہ کریں۔

۸۶- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا" لا هجرة ولكن جهاد ونية"۔

وَاذا اسْتُنْفِرتم فَانفِرُوْا فَاِنَّ هٰذَابَلَدٌ حرّمَ اللّٰهُ لا يُعضَد شوكُهُ ولا يُنَفَّرُ صيدُه ولا يُلتقط لُقَطَتُهُ اِلَّا من عرَّفها ولا يُختلٰى خَلَاهَا قَالَ العَبَّاسُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا الْاِذْخَرُ فَاِنَّهٗ لِقَيْنِهِم وبيوتهم قَالَ ، قَالَ اِلَّا الْاِذْخَرُ

(متفق علیہ)

اب مکہ سے ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے جب تمہیں جہاد کیلئے بلایا جائے تو جاؤ۔ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، اس کے کانٹے دار درخت نہ کاٹے جائیں نہ اس کے شکار کو بھگایا جائے

جائے اس کی گری ہوئی چیز کو نہ اٹھایا جائے مگر اس کے لئے اٹھانا جائز ہے جو اعلان کرے، اس کی نہ گھاس کاٹی جائے حضرت عباس نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھاس کو مستثنیٰ کیجئے کیونکہ یہ لوہاروں اور سناروں کے کام آتی ہے اور اس سے گھر بنائے جاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے، گھاس مستثنیٰ ہے۔

ایک روایت کے الفاظ میں ہے" لا یعضد شجرھا" یعنی اس کا درخت نہ کاٹا جائے گا۔

۸۷- یہ مفہوم حضرت ابوہریرہ سے بھی مروی ہے، اس کے نہ کانٹے توڑے جائیں گے نہ درخت کاٹے جائیں گے اور نہ اس کی گھاس کاٹی جائے گی۔ (متفق علیہ)

یہ معنی ومفہوم متعدد صحابہ کرام سے وارد ہے۔

علماء نے مکہ مکرمہ میں درخت کاٹنے، گھاس کاٹنے، کی حرمت کا حکم جن الفاظ کی بناء پر لگایا ہے، بعینہ وہی الفاظ حرم مدنی کے متعلق وارد ہیں اور جمہور علماء امت کا مسلک بھی یہی ہے۔

جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکی میں گھاس کاٹنے کو مستثنیٰ قرار دیا اسی طرح حرم مدنی میں گھاس کاٹنے کو بھی جائز قرار دیا مزید وضاحت ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

حرم مدینہ میں شکار کرنے اور درخت کاٹنے والے کی سزا

حرم نبوی شریف سے درخت کاٹنے والے اور شکار کرنے والے کے مال کو چھین لینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

۸۸- حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص سے مروی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ عقیق میں سوار ہو کر اپنے مکان کی طرف گئے تو ایک غلام کو دیکھا کہ وہ درخت کاٹ رہا تھا یا کانٹے توڑ رہا تھا تو آپ نے اس کا سارا مال چھین لیا جب حضرت سعد واپس آئے، تو غلام کے مالک آئے، آپ سے اس غلام کے متعلق بات چیت کی کہ ان کے غلام کو یا انہیں چھینا ہوا سامان واپس کردیں، آپ نے فرمایا معاذ اللہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمائی ہے وہ میں واپس کردوں، یہ کہہ کر آپ نے سامان واپس کرنے سے انکار کردیا۔ (مسلم)

۸۹- حضرت سلیمان بن ابی عبداللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو دیکھا کہ انہوں نے ایک شخص کو پکڑا ہوا ہے جو حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شکار کررہا تھا، آپ نے اس کے کپڑے چھین لئے پھر اس کے مالک آئے، انہوں نے غلام کے متعلق بات چیت کی تو آپ نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقہ کو حرم بنایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جسے تم شکار کرتا ہوا دیکھو اس کا سامان چھین لو، پس جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمائی ہے وہ میں تمہیں ہرگز واپس نہ کروں گا، لیکن اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس کی قیمت

دے دیتا ہوں۔

اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے، امام نووی نے المجموع میں لکھا ہے یہ صحیح ہے یا حسن ہے۔

۹۰- حضرت محمد بن زیاد رحمہ اللہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میرے داداعثمان بن مظعون کے غلام تھے، آپ حضرت عثمان کی زمین پر کام کرتے تھے، جس میں سبزیاں اور ککڑیاں تھیں وہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس اکثر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت تشریف لاتے تھے آپ نے سر پر کپڑا رکھا ہوا ہوتا، آپ حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھ بھال کے لئے آتے تھے، تاکہ اس کا درخت نہ کاٹا جائے اور نہ ان کے کانٹے توڑے جائیں آپ میرے پاس آکر بیٹھتے اور گفتگو فرماتے تھے میں انہیں ککڑیاں اور سبزیاں پیش کرتا تھا ایک دن آپ نے مجھ سے پوچھا تم یہاں سے باہر نہیں جاتے ہو؟ میں نے کہا ہاں آپ نے مجھے فرمایا میں تمہیں یہاں کا نگہبان مقرر کرتا ہوں، جس کسی کو تم درخت کاٹتا ہوا یا کانٹے توڑتا ہوا دیکھو تو اس کی کلہاڑی اور رسی چھین لو میں نے کہا کہ اس کی چادر بھی چھین لوں فرمایا نہیں۔

اس روایت کو امام بیہقی، عبدالرزاق، المفضل الجندی نے نقل کیا ہے اور ان کا نام ابوعبداللہ ذکر کیا ہے۔ ابن حزم نے المحلی میں بھی ذکر کی ہے اور وہ فرماتے ہیں ابن عمر سے بھی اسی طرح مروی ہے یہ تمام نصوص دو امور پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱) پہلا یہ کہ حرم مدینہ میں شکار کرنا، درخت کاٹنا، جسے انسان نہیں اگاتا، حرام ہے اور اس کی حرمت، مکہ کی حرمت کی طرح ہے، اور جمہور علماء کا مسلک بھی یہی ہے مگر امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا مسلک اس کے خلاف ہے، امام صاحب کا مسلک، ان کے دلائل اور ان کے جوابات ان شاءاللہ تعالیٰ آئندہ ذکر ہوں گے۔

(۲) دوسرا امر یہ کہ ان نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ جو مدینہ طیبہ کے حرم میں شکار کرے گا یا درخت کاٹے گا، اس کا سامان چھین لیا جائے گا۔

شکار کرنے اور درخت کاٹنے والے کے متعلق علماء کے مختلف اقوال

۱- احناف کے نزدیک شکار کرنا، درخت کاٹنا مکروہ ہے، ان کے مذہب کا ذکر بالتفصیل بعد میں آئے گا۔

۲- جو حرم مدینہ میں شکار کرے گا یا درخت کاٹے گا وہ گناہ گار ہے اس پر توبہ استغفار کرنا لازم ہے، لیکن اس پر کوئی جزا نہیں ہے کیونکہ اس کے متعلق کوئی نص نہیں، یہ اکثر علماء کا مذہب ہے۔

۳- جس نے حرم مدینہ میں شکار کیا یا درخت کاٹے اس پر جزا ہے۔

یہ ابن ابی ذئب، ابن ابی لیلیٰ، امام شافعی کا قول قدیم، امام احمد کا ایک قول جو حنبلیوں نے درست کہا

ہے اور ابن المنذ رکا مسلک ہے، ابن نافع مالکی کا بھی یہی قول ہے، القاضی عبدالوہاب نے بھی اس کو زیادہ قرین قیاس کہا ہے، ان کے بعد بھی علماء کی جماعت نے اسی قول کو پسند کیا ہے، ابن حزم نے بڑی شدت سے اس مسلک کی تائید کی ہے پھر اس مسلک کے علماء دو حصوں میں منقسم ہیں۔

(۱) حرم نبوی کے درخت کاٹنے والے کی جزا حرم مکی سے درخت کاٹنے والے کی جزاء کی طرح ہے، یہ ابن ابی ذئب، ابن ابی لیلیٰ اور کئی مالکی علماء کا مسلک ہے اور دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا، جب حرمت میں مساوی ہیں تو جزاء میں بھی مساوی ہوں گے۔

(۲) دوسرا مسلک یہ کہ شکار کرنے والے اور درخت کاٹنے والے کا سامان سلب کر لینا اس کی جزا ہے، اور دلیل حضرت سعد اور عمر رضی اللہ عنہما کی احادیث ہیں امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے، حنابلہ نے اس کی تصحیح کی ہے، ابن قدامہ نے المغنی میں دوسرا کوئی قول ذکر ہی نہیں کیا، جمہور شافعیہ اور محققین نے اس قول کو ترجیح دی ہے، صحابہ کرام کی ایک جماعت ظاہریہ اور ابن حزم کا بھی یہی قول ہے امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا، یہ مختار ہے کیونکہ اس کے متعلق حدیث واضح ہے اور صحابہ کرام کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے اور اس کا مخالف قول ثابت نہیں ہے۔

المازری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم مالکیوں میں مشہور یہ ہے کہ حرم مدینہ کے شکار میں جزاء نہیں ہے، حرمت کا ثبوت جزاء کو واجب نہیں کرتا۔ اصل ذمہ کی برأت ہے ابن نافع اور ہمارے بعض شیوخ نے حرم مکہ پر قیاس کرتے ہوئے جزاء کو واجب قرار دیا ہے۔

قاضی عیاض لکھتے ہیں ابن القصار نے ہمارے بعض مالکیوں سے حکایت کیا ہے جو مذہب مالک کے زیادہ مشابہ قول ہے۔

القاضی ابو محمد فرماتے ہیں، امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کا مذہب مدینہ طیبہ کو مکہ مکرمہ سے فضیلت دینا اس بات کا متقضی ہے کہ جو حرم مدینہ میں شکار کرے اس پر جزاء ہو، ابن ابی ذئب کا بھی یہی مذہب ہے۔

مدینہ طیبہ کے شکار میں جزاء کے نہ ہونے کی علت مالکیوں کے نزدیک دو امروں میں سے ایک امر کی طرف لوٹتی ہے۔

(۱) مدینہ طیبہ کی حرمت کا مکہ مکرمہ کی حرمت سے زیادہ ہونا، اس صورت میں شکار کرنا یمین غموس کی مانند ہوگا جس میں کفارہ نہیں ہوتا، اس لئے نہیں کہ حرمت کم ہے، اسی چیز پر مالکیوں کے قواعد دلالت کرتے ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ مکہ سے افضل ہے، تو انہوں نے اپنے اس قول کی علت یہ بیان کی ہے، کیونکہ مدینہ منورہ کو حرم بنانے والے ہمارے نبی مکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور مکہ کو حرم بنانے والے حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

خلیل علیہ السلام سے افضل واعظم ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حرم نبوی میں شکار کرنا، حرم مکی میں شکار سے خفیف اور ہلکا امر ہے حرم نبوی میں درخت کاٹنے پر جزاء نہیں کیونکہ حرم مکی میں بھی درخت کاٹنے پر جزاء کے بارے نص ثابت نہیں، اس وجہ سے انہوں نے حرم نبوی میں درخت کاٹنے کی جزاء نہ ہونے کو حرم مکی میں درخت کاٹنے کی جزاء کے نہ ہونے پر قیاس کیا ہے۔

دونوں حالتوں میں یعنی خواہ حرم نبوی کی حرمت شدید ہو یا کم ہو انہوں نے امام کے تعزیر لگانے کے ساتھ ساتھ اس پر توبہ واستغفار کرنے کو واجب کیا ہے۔

علامہ ابن قدامہ ''المغنی'' میں لکھتے ہیں'' یہی وجہ ہے کہ جو شکار کو پکڑنے والے یا قتل کرنے والے کو پائے یا درخت کاٹنے والے کو پائے تو اس کے لئے اس کا سامان چھیننا مباح ہے وہ اس کے کپڑے بھی لے لے حتیٰ کہ اس کی شلوار بھی چھین لے، اگر وہ سواری پر ہو تو چھیننے والا سواری کا مالک نہ ہوگا، کیونکہ سواری سلب میں سے نہیں ہے جہاد میں کافر کے قاتل کا سواری کا مالک بن جانا اس لئے ہے کہ اس سے تو جنگ میں مدد حاصل کی جاتی ہے، بخلاف ہمارے مسئلہ کے، اگر کوئی اس کا سامان سلب نہ کرے تو اس پر استغفار و توبہ کے علاوہ کوئی جزاء نہیں۔

پس یہی جزاء ہے جو شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مختار ہے اور امام مالک کے مذہب کے بھی یہی زیادہ مشابہ ہے، ظاہریہ کا بھی یہ قول ہے۔

مندرجہ ذیل امور کی وجہ سے یہی قول راجح ہے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۱) اس کے متعلق صحیح حدیث وارد ہے۔

(۲) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کے بعد کئی صحابہ کرام کا فتویٰ بھی اس کے مطابق ہے۔

(۳) اس کے مخالف ومعارض نہ کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے نہ دوسرے صحابہ کرام سے کوئی قول مروی ہے، مخالف قول نہ ہونا اقرار کی دلیل ہے، خصوصاً جن صحابہ کرام نے شکار کرنے اور درخت کاٹنے سے منع فرمایا ہے وہ تمام فقہاء صحابہ ہیں جیسے زید بن ثابت، ابوہریرہ، ابوایوب، حضرت عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۴) حرم مکی پر قیاس کرنا: احناف، شوافع، حنابلہ حرم مکی میں درخت کاٹنے کی جزاء کو شکار پر قیاس کرتے ہیں اور درخت کاٹنے کی جزاء کے وجوب کو شکار کی جزاء پر قیاس کرتے ہیں اور یہ دونوں حرام ہیں اور امام مالک اور ان کے متبعین لباس پہننے اور خوشبو لگانے والے پر جزاء کے وجوب کو سر کا حلق کرانے والے کی جزاء پر قیاس کرتے ہیں اور حرم مکہ میں درخت کاٹنے اور حرم مدینہ میں درخت کاٹنے کی جزاء کے وجوب کو حرم مکہ میں شکار کی جزاء کے وجوب پر قیاس نہیں کرتے، مگر ہیں دونوں حرام۔

واللہ اعلم۔

سلب میں بھی صحیح یہی ہے کہ کافر مقتول کی سلب کی طرح ہے، اس میں بھی اس کا گھوڑا، ہتھیار، نفقہ وغیرہ سلب میں داخل ہوگا۔

حرم نبوی میں قتال کرنا اور خون بہانا حرام ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حرم مدینہ میں جنگ وجدل اور خونریزی کی نہی ثابت ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا خون بغیر کسی سبب کے بہانا ہر جگہ حرام ہے، تو حرمین شریفین میں بدرجہ اولیٰ حرام اور قبیح ہو گا، خونریزی نہ کرنے سے مراد اس لڑائی اور جنگ سے منع کرنا ہے جو خونریزی کا سبب بنے چونکہ جنگ اور لڑائی ہتھیار سے ہوتی ہے اس لئے ہتھیار اٹھانے سے بھی منع فرمادیا، چونکہ خونریزی ہر جگہ حرام ہے تو مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں شدید حرام ہوگی، (مرقاۃ المفاتیح)۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذیشان تھا کہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا ہے میں مدینہ طیبہ کے دو پہاڑوں کے درمیان کے علاقہ کو حرم بناتا ہوں اس میں نہ خون بہایا جائے گا اور نہ جنگ وجدل کے لئے ہتھیار اٹھایا جائے گا۔ (مسلم)

حضرت علی کی حدیث پاک میں بھی اسی طرح تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا ہے میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں، اس کا درخت نہ کاٹا جائے گا، مگر اونٹ کے چارہ کے لئے، اس میں جنگ کے لئے ہتھیار نہ اٹھایا جائے گا۔ (ابوداؤد اور احمد نے روایت کی ہے)

۹۱- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مدینہ بھٹی کی مانند ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں یہ مکہ کی طرح حرم ہے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کوئی درخت نہ کاٹا جائے گا مگر چارے کے طور پر ان شاء اللہ الطاعون کا مرض اور دجال اس میں داخل نہ ہوگا ملائکہ اس کے دروازوں اور دروں پر حفاظت کرتے ہیں۔

میں نے یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ کسی کے لئے جنگ کے لئے ہتھیار اٹھانا حلال نہیں ہے۔ امام احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے اس کی اصل صحیحین میں ہے۔

حضرت حمید اور عاصم احول حضرت انس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ طیبہ یہاں سے یہاں تک حرم ہے، جو اس میں جرم کریگا یا مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول فرمائے گا اور نہ نفل، حمید کی روایت میں یہ زائد ہے کہ جنگ کے لئے ہتھیار نہ اٹھایا جائے گا۔ (مسلم)

امام احمد نے یہ دو سندوں سے روایت کی ہے۔ امام احمد کی سند میں موملٰ بن اسماعیل ہے جو ثقہ ہے

کیونکہ یحیٰی بن سعد، اسحٰق بن راہویہ، دار قطنی، ابو حاتم اور الساجی نے ان کی توثیق کی ہے۔

ابن زنجویہ نے حمید کے طریق سے روایت کی ہے اس کی سند میں ابن ابی اویس ہے جو صدوق ہیں اور شیخین کے رجال سے ہیں۔

یہ نصوص مدینہ طیبہ کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں اسی طرح قتال کیلئے ہتھیار اٹھانے کی تحریم پر بھی دلالت کرتی ہیں۔

لیکن اگر مدینہ طیبہ یا باہر کے لوگ اگر بغاوت کریں تو پھر کیا ان سے جنگ کی جائے گی بعض علماء تو منع فرماتے ہیں، وہ فرماتے ہیں ان کا گھیرا اس طرح تنگ کیا جائے کہ وہ حرم سے باہر نکلنے پر یا اطاعت کرنے پر مجبور ہو جائیں، جیسا کہ حرم مکہ میں کیا جاتا ہے، مگر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ باغیوں سے جنگ کی جائے گی کیونکہ باغیوں سے جنگ کرنا حقوق اللہ میں سے ہے، اس لئے اس حق کو ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ حرم میں اس کی حفاظت اولیٰ ہے اور حرم کسی مجرم کو پناہ نہیں دیتا، لیکن اگر جنگ کے بغیر ان کا اطاعت کی طرف لوٹانا ممکن ہو تو یہ بہتر ہے، کیونکہ جب آسانی سے مسئلہ حل ہو سکتا ہو تو شدت وسختی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ابن رسلان ''لَا يَصْلُحُ لِرَجُلٍ اَنْ يُحْمَلَ فِيهَا السِّلَاحُ'' (ابوداؤد)

(یعنی کسی آدمی کے لئے مدینہ طیبہ میں ہتھیار اٹھانا جائز نہیں ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اہل علم نے اس مفہوم کو بغیر ضرورت اور بغیر حاجت کے ہتھیار اٹھانے پر محمول کیا ہے، اگر ضرورت ہو تو ہتھیار اٹھانا جائز ہے علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں اسی طرح لکھا ہے۔

مدینہ طیبہ میں گری پڑی چیز کا اٹھانا حرام ہے مگر جو اس کا اعلان کرے

حرم مکی میں گری پڑی چیز کے اٹھانے کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔

(۱) پہلا قول مالکیوں اور حنفیوں کا ہے، امام احمد اور امام شافعی سے بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے، وہ یہ ہے کہ حرم مکی اور مقام حل کی گری ہوئی چیز کا حکم برابر ہے، اٹھانے والا اس کا ایک سال تک اعلان کراتا رہے، پھر اس کا مالک بن جائے گا اور اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اس کے مالک کیلئے اس کی حفاظت کرتا رہے، اس کی وجہ یہ کہ حدیث پاک میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ عام ہے، اس میں حرم وحل کی کوئی تفریق نہیں ہے۔

۹۳۔ حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں گری پڑی چیز کا حکم پوچھنے کے لئے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس تھیلی کے سر کو باندھنے کی رسی اور اس تھیلی کی پہچان کر لو، پھر ایک سال تک اس کا اعلان کرو اگر اس کا مالک آ جائے تو بہتر ورنہ تم اپنے پاس رکھ لو، پھر اس نے پوچھا حضور، گم شدہ بکری کا کیا حکم ہے، آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیری ہے، یا تیرے بھائی کی ہے یا بھیڑیئے کے لئے ہے، پھر اس نے پوچھا حضور گم شدہ اونٹ کا کیا حکم ہے، فرمایا اس سے تجھے کیا کام اس کے ساتھ اپنا پانی کا برتن بھی ہے (یعنی پیٹ کا پانی) اس کے ساتھ اس کا جوتا بھی ہے، پانی کے گھاٹ پر جائے گا درختوں کے پتے کھائے گا یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پکڑ لے گا۔ (متفق علیہ)

اس حدیث پاک میں لقطہ (گری پڑی چیز) کا لفظ عام ہے، حل کے لقطہ کے ساتھ خاص نہیں، اس لئے انہوں نے اس کے ظاہر کو دلیل بنایا ہے، اور آگے آنے والی حدیث کو اعلان میں مبالغہ پر محمول کیا ہے، کیونکہ حاجی اپنے شہر کی طرف لوٹ آتا ہے اور دوبارہ آنے کا اسے موقع بھی نہیں ملتا یا آتا تو ہے مگر کئی سال کے بعد خصوصاً جبکہ اس کا شہر بہت دور ہو، اس لئے اٹھانے والے کو اعلان میں مبالغہ کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسرا مسلک امام شافعی اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہما کا ہے اور بعض مالکیوں کا بھی یہی قول ہے، بلکہ الحافظ نے الفتح میں اس کو جمہور کی طرف منسوب کیا ہے، وہ یہ ہے کہ حل اور حرم کی گری پڑی چیز کے احکام مختلف ہیں، حرم کی چیز کبھی بھی تملیک کے لئے نہ اٹھائی جائے گی بلکہ صرف اعلان کے لئے اٹھائی جائے گی اور اس کے مالک کے لئے اس کی حفاظت کی جائے گی اس کا اٹھانا حلال نہیں مگر صرف اس کے لئے جو ہمیشہ اس کا اعلان کرتا رہے اور مالک نہ بنے، ایک سال اعلان کرنے کے بعد بھی اٹھانے والا حرم کی چیز کا مالک نہ بنے گا، اس کا صرف یہی حکم ہے کہ ہمیشہ اعلان کرتا رہے، یہ اس شخص کے لئے ہے جو حرم میں ہو یا اہل حرم سے ہو، اگر کوئی دور کا ہو تو واپس جاتے وقت حاکم وقت کے حوالے کر دے۔

اس مسلک کے علماء نے حرم اور حل کے لقطہ کے درمیان تفریق پر دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کو بنایا ہے، جس میں ہے کہ حرم کا لقطہ اعلان کرنے والے کے لئے اٹھانا حلال ہے، چونکہ حرم کے لقطہ کا ہمیشہ وہ اعلان کرتا رہے گا، ملکیت کی غرض سے نہیں اٹھائے گا بلکہ مالک کی خاطر حفاظت کرنے اور اعلان کرنے کے لئے اٹھائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ حرم کا لقطہ نہ اٹھایا جائے گا، مگر اس کے لئے جائز ہے جو اس کا اعلان کرتا ہے۔

۹۴- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ کی فتح عطا فرمائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء فرمائی پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو کعبہ سے روک دیا تھا مگر اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کو اس پر غلبہ عطا فرمایا ہے، مکہ مکرمہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھا، اور میرے لئے بھی دن کی ایک گھڑی کے لئے مباح کیا گیا ہے میرے بعد کسی کے لئے مباح نہ ہوگا، اس کے شکار کو

بھگایا نہ جائے گا، نہ اس کے کانٹے توڑے جائیں گے، اس کی گری پڑی چیز حلال نہیں مگر اس کے لئے جو اعلان کرے اور جس کا کوئی رشتہ دار قتل ہو جائے اس کے لئے دو صورتیں ہیں یا فدیہ یعنی دیت لے لے یا قاتل کو قصاصاً قتل کر دے، حضرت عباس نے عرض کی یا رسول اللہ الا الاذخر (گھاس) کو مستثنیٰ فرما دیجئے ہم اسے قبور اور گھروں میں استعمال کرتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا الاذخر مستثنیٰ ہے۔ یہ اور اس کے علاوہ نصوص حرم کے ساتھ خاص ہیں اور سابقہ لقطہ کے بارے جو نص ہے اس کے لئے مخصص ہیں۔

اور حرم مدینہ کے لقطہ کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا تھا میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں، گھاس نہ کاٹی جائیگی نہ اس کا شکار بھگایا جائے گا، نہ اس کی گری ہوئی چیز کو اٹھایا جائے گا مگر اس کے لئے جو اعلان کرے۔

اس روایت کو امام احمد، ابو داؤد، البیہقی نے ذکر کیا ہے اس کی اصل بخاری مسلم میں ہے اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تھا کہ ہر نبی کا حرم ہوتا ہے اور میرا حرم مدینہ ہے، نہ گھاس کاٹی جائے گی اور نہ کانٹے توڑے جائیں گے اور نہ اس کی گری ہوئی چیز اٹھائی جائے گی مگر جو اعلان کرے۔

امام احمد، ابن الجعد، ابو نعیم اور ابن جریر نے اس حدیث کو روایت کیا ہے، یہ دونوں احادیث حرم مدنی کی گری پڑی چیز اٹھانے کی حرمت پر واضح دلیل ہیں مگر یہ صرف ہمیشہ اعلان کرتے رہنے کیلئے اٹھائی جائے گی اور یہ حل کی گری پڑی چیز سے حکم میں مختلف ہے۔

جن علماء نے حرم مکی اور حل کی گری پڑی چیز کا ایک حکم کا قول کیا ہے انہوں نے حرم مدنی اور حل کی گری ہوئی چیز کا حکم برابر بیان کیا ہے۔ وہ علماء جنہوں نے حرم کی گری پڑی چیز کو اٹھانے کی حرمت کا قول کیا ہے ان میں سے اکثر نے حرم مدنی کی گری پڑی چیز کو ایک سال اعلان کرنے کے بعد تملیک کے طور پر اٹھانے کے جواز کا قول کیا ہے، اور ان دونوں نصوں کو اعلان میں مبالغہ پر محمول کیا ہے، جیسا کہ حرم مکی کی گری ہوئی چیز کا حکم ہے، امام البلقینی نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ دونوں کی گری پڑی چیز کے حکم کو برابر قرار دیا ہے۔

امام سمہودی لکھتے ہیں کہ ہمارے اصحاب میں سے صاحب الانتصار نے حرم مکہ اور حرم مدینہ کو برابر قرار دیا ہے یعنی ملکیت کے لئے گری ہوئی چیز نہ اٹھائی جائے گی بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کی حفاظت کے لئے اٹھائی جائیگی۔

داری نے لکھا ہے کہ حرم مدنی کی گری ہوئی چیز کو حرم مکی کی گری ہوئی چیز سے لاحق نہیں کیا جائے گا، علامہ سمہودی فرماتے ہیں دلیل پہلے قول کی تائید کرتی ہے کیوں اس کے متعلق احادیث میں نص وارد ہے اگرچہ علماء نے مکہ کے ذکر میں خاص کیا ہے جو الفاظ سابقہ نصوص میں وارد ہیں وہی الفاظ حرم مکی کے متعلق وارد ہیں۔

حرم مدنی کے متعلق احناف کی رائے، ان کے دلائل اوران کے جوابات

احناف کا مسلک یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے لئے حرم تو ہے مگر مکہ مکرمہ جیسی حرمت نہیں ہے لیکن اس میں شکار کرنا اور درخت کاٹنا مکروہ ہے اور اس قول میں احناف جمہور علماء امت کے مخالف ہیں کیونکہ جمہور کے نزدیک مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ کی طرح حرم ہے اور اس میں درخت کاٹنا اور شکار کرنا حرم مکی کی طرح حرام ہے۔

احناف نے اپنے مذہب کی تائید کے لئے کئی دلائل پیش کئے ہیں، جن کو میں ترتیب سے ذکر کروں گا اور پھر ہر دلیل کا جواب دوں گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پہلی دلیل

علماء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کی تحریم سے متعلق خبر واحد ذکر ہے اور خبر واحد عموم بلوی میں قبول نہیں کی جاتی۔

جواب:- یہ قول مردود ہے کیونکہ مدینہ کی تحریم متواتر ہے، خبر واحد نہیں ہے بیس سے زیادہ صحابہ سے متعدد سندوں کے ساتھ مروی ہے، علامہ ابن قیم "اعلام الموقعین" میں لکھتے ہیں۔

چھتیسویں مثال یہ ہے کہ حرم مدینہ کے متعلق جو سنت صریحہ محکمہ جسے بیس سے زیادہ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے اس کو رد کرتے ہیں اور دعویٰ یہ کہ یہ اصول کے خلاف ہے اور اس کے معارض حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول "یا ابا عُمیر ما فَعِلَ النُغَیر" پیش کرتے ہیں۔ بڑا تعجب ہے، وہ کون سا اصول ہے جس کی مخالفت سنت نے کی ہے حالانکہ احادیث بڑا اصول ہیں، اور پھر ابو عمیر کی حدیث کو اس اصول کی وجہ سے رد کیوں نہیں کیا جاتا۔

میں کہتا ہوں میں نے پچیس صحابہ کرام کو شمار کیا ہے، اور یہ ان تابعین کے علاوہ ہیں جن کی مراسیل احادیث مدینہ طیبہ کی تحریم کے متعلق وارد ہیں، ان صحابہ کرام کے نام یہ ہیں۔

(۱) جابر بن عبداللہ، (۲) رافع بن خدیج، (۳) سعد بن ابی وقاص، (۴) ابو سعید الخدری، (۵) سہل بن حنیف، (۶) ابو ہریرہ، ان تمام کی احادیث مسلم وغیرہ میں ہیں، (۷) علی بن ابی طالب، (۸) انس بن مالک، (۹) عبداللہ بن زید بن عاصم ان صحابہ کی روایات بخاری، مسلم دونوں میں ہیں، ان تمام کی احادیث یا تو بخاری و مسلم دونوں میں ہیں یا کسی ایک میں ضرور موجود ہیں اور جن صحابہ کی روایات بخاری و مسلم کے علاوہ کتب میں ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ (۱۰) کعب بن مالک، (۱۱) عبادہ بن الصامت، (۱۲) عبادہ الزرقی، (۱۳) ابو الحسن المازنی، (۱۴) ابو قتادہ، (۱۵) عبداللہ بن سلام، (۱۶) زید بن ثابت، (۱۷) عبداللہ بن عباس، ان تمام صحابہ کرام کی روایات مسند احمد وغیرہ میں ہیں۔ (۱۸) عبدالرحمٰن بن عوف اور (۱۹) ابو ایوب انصاری کی احادیث الطحاوی وغیرہ میں ہیں۔ (۲۰) ابو الیسر، (۲۱) عمرو بن عوف کی احادیث الطبرانی

وغیرہ میں ہیں۔(۲۳)عمر بن الخطاب کی حدیث ابن حزم اور بیہقی نے نقل کی ہے۔(۲۴)عدی بن زید کی حدیث ابوداؤد میں ہے، (۲۵)عبداللہ بن عمر کی حدیث عبدالرزاق اور ابن حزم نے روایت کی ہے۔

یہ پچیس صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جنہوں نے مدینہ طیبہ کی تحریم روایت کی ہے ان پچیس صحابہ کرام سے ان کی احادیث کے ہم معنی مفہوم بھی منقول ہیں لیکن میں نے صرف ان کی ایک ایک حدیث کے ذکر پر اکتفا کیا ہے۔

تعجب تو امام الطحاوی رحمتہ اللہ علیہ پر ہے کہ تحریم مدینہ کے متعلق گیارہ صحابہ سے متعدد روایات نقل کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں یہ خبر واحد ہے۔ مدینہ طیبہ کی تحریم خبر واحد نہیں بلکہ خبر متواتر ہے شاید کم ہی کوئی متواتر حدیث ہوگی جس کے راوی، تحریم مدینہ کی حدیث کے راویوں سے زیادہ ہوں۔

دوسری دلیل

مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز نہیں۔ جبکہ مدینہ طیبہ کے متعلق علماء کا اجماع ہے کہ اس میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے۔

جواب:- اس دلیل کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

(۱) فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام بغیر احرام کے داخل ہوئے تھے۔

۹۵- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر خود تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اتارا تو ایک شخص نے کہا، حضور! ابن خطل کعبہ کے پردوں سے لٹکا ہوا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے قتل کردو۔ (متفق علیہ)

۹۶- حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام بھی نہیں باندھا ہوا تھا۔ (مسلم)

یہ دونوں احادیث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے پر واضح دلیل ہیں، دوسری حدیث کے الفاظ ''بغیر احرام'' کی وجہ سے تو کوئی خفا رہتا ہی نہیں ان کے علاوہ بھی نصوص موجود ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا دو وجوہ میں سے کسی ایک وجہ سے ہو سکتا ہے۔

(۱) جب عبادت کا ارادہ نہ ہو تو مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونا جائز ہے۔

(۲) جنگ کے لئے۔

جب نص تخصیص کر رہی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جنگ کے لئے داخل ہوئے تھے کیونکہ مکہ مکرمہ اس گھڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مباح کیا گیا تھا تو واضح ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا حکم باقی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عبادت کا ارادہ نہیں فرمایا تھا اور تخصیص کی دلیل یہ حدیث ہے۔

۹۷- حضرت ابو شریح العدوی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا جب وہ مکہ پر حملہ کے لئے لشکر بھیج رہا تھا، اے امیر اگر اجازت ہو تو میں تجھ سے ایک حدیث پاک بیان کروں جو فتح مکہ کے دن صبح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمائی تھی جن کو میرے کانوں نے سنا، میرے دل نے یاد رکھا اور میں اب بھی وہ منظر دیکھ رہا ہوں جب آپ یہ حدیث بیان فرما رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرمائی پھر فرمایا مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنایا ہے لوگوں نے اسے حرم نہیں بنایا کسی ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے، حلال نہیں کہ وہ اس میں خون ریزی کرے اور اس کے درخت کاٹے، اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کو بنیاد بنا کر یہاں قتال کو جائز سمجھتا ہو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت مرحمت فرمائی تھی تمہیں نہیں۔ مجھے دن کی ایک گھڑی کے لئے اجازت دی تھی پھر آج اس کی حرمت لوٹ آئی ہے جیسے کل تھی۔ (متفق علیہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد" کہ کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ کی بناء پر قتال کو جائز سمجھے تو اسے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دی تھی تمہیں نہیں، دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کی رخصت دی گئی تھی، پھر آپ کا ارشاد کہ آج مکہ کی حرمت کل کی طرح لوٹ آئی ہے، دلیل ہے کہ مکہ قیامت تک اسلام کا قلعہ رہے گا ایسا نہیں جیسے الطحاوی نے فرض کیا ہے کہ اگر مشرک پھر مکہ پر غالب آجائیں تو اسے قتال جائز ہو گا۔ مکہ کی حرمت آج بھی کل کی طرح ہے، مشرکین کی طرف ہرگز نہ لوٹے گی۔ جب اجازت صرف قتال کے لئے تھی تو مطلب یہ ہوا کہ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے جو عبادت کے ارادہ سے داخل نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے بعد الجعرانہ سے عبادت کے ارادہ سے مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام باندھ کر داخل ہوئے۔

مندرجہ ذیل حدیث ہمارے اس قول کی دلیل ہے۔

۹۸- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ کو اہل شام کے لئے جحفہ کو اہل نجد کے لئے قرن المنازل کو اہل یمن کے لئے یلملم کو میقات مقرر فرمایا، اور فرمایا یہ میقات ان علاقوں میں رہنے والوں کے لئے ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی

ہیں جو حج و عمرہ کے ارادہ سے دوسری جگہوں سے ان علاقوں میں آئیں اور جو ان میقات کے اندر ہوں وہ اس جگہ سے احرام باندھ لیں حتیٰ کہ اہل مکہ، مکہ سے احرم باندھ لیں۔ (متفق علیہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد کہ "جو حج و عمرہ کے ارادہ سے آئے" اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو حج و عمرہ کے قصد کے بغیر آنے جانے والا ہو اس پر احرام لازم نہیں ہے۔

(۲) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مسلمان مکہ مکرمہ میں اپنی حاجات وضروریات کے لئے آتے جاتے تھے مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کوئی منقول نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو احرام باندھنے کا حکم دیا ہو۔

۹۹- مثلاً حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، ہم (صلح حدیبیہ) کے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے، میں نے دیکھا کہ میرے دوست کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں، میں نے بھی ادھر دیکھا تو وہ جنگلی گدھا تھا میں نے اپنے گھوڑے پر زین ڈالی نیزہ اٹھایا اور سوار ہو گیا، ہوا یہ کہ میرا چابک مجھ سے گر پڑا، میں نے اپنے ساتھیوں سے جو احرام باندھے ہوئے تھے، چابک مانگا تو انہوں نے کہا بخدا ہم تمہاری بالکل مدد نہیں کریں گے میں خود اترا اور اٹھالیا پھر سوار ہو گیا، میں نے اس وحشی گدھے کو ایک ٹیلے کے پیچھے پایا میں نے اسے نیزہ مار کر اس کی کونچیں کاٹ دیں، اسے اٹھا کر اپنے ساتھیوں کے پاس لایا بعض نے کہا کھالو بعض نے کہا نہ کھاؤ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے آگے تھے میں نے گھوڑا دوڑایا اور آپ کو مل گیا (میں نے اس وحشی گدھے کا حکم پوچھا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ حلال ہے اسے کھاؤ۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہارے پاس اس میں سے کچھ باقی ہے؟ صحابہ نے عرض کی حضور اس کی ایک ٹانگ باقی ہے، راوی فرماتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی اور اسے تناول فرمایا۔ (متفق علیہ)

اس حدیث پاک سے دو اہم مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ حضرت ابوقتادہ نے بغیر احرام کے میقات سے تجاوز کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور صحابی نے ان پر انکار نہیں کیا تھا، یہ چیز دلیل ہے کہ عبادت کا ارادہ نہ ہو تو بغیر احرام کے انسان مکہ جا سکتا ہے۔

دوسرا یہ کہ حلالی شخص کا شکار محرم کے لئے کھانا جائز ہے جبکہ اسی نے محرم کے لئے شکار نہ کیا ہو، اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوقتادہ کو حلالی نہ سمجھتے تو ان کا شکار نہ کھاتے۔

اسی طرح الحجاج بن علاط رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ جانے کی اجازت طلب کی تاکہ اپنا مال جمع کرے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت مرحمت فرمائی، اسی طرح

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے توریہ کرنے کی بھی اجازت عطا فرمائی، حالانکہ وہ مسلمان تھے۔(اسد الغابہ)

۱۰۰- اسی طرح الصعب بن جثامہ اللیثی جو کہ مہاجرین میں سے تھے انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحشی گدھا ابواء یا بودان کے مقام پر پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس فرما دیا، جب

• آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے چہرے پر ناگواری دیکھی تو فرمایا ہم آپ کا یہ ہدیہ واپس نہ کرتے مگر ہم محرم ہیں۔ (متفق علیہ)

کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ حضرت الصعب رضی اللہ عنہ محرم تھے، کیونکہ اگر وہ محرم ہوتے تو ان پر شکار کرنا حرام ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بتا بھی دیتے کہ تیرے لئے شکار کرنا جائز نہیں تھا، وہ وحشی گدھا اگر زندہ تھا تو محرم کے لئے اس کا ذبح کرنا بھی جائز نہ تھا اور اگر وہ گوشت کی شکل تھا جیسا کہ مسلم شریف کی روایات میں، تو شاید اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شکار کیا تھا اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کھایا، دونوں میں یہ تو ثابت ہے کہ الصعب محرم نہ تھے۔

۳- جس شخص کا ارادہ حج یا عمرہ کا نہ ہو اس کے لئے بغیر احرام کے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ حج اور عمرہ زندگی میں ایک مرتبہ واجب ہیں، جو ہر مکہ میں داخل ہونے والے پر احرام کو واجب کرتا ہے تو وہ ایسی چیز واجب کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے واجب نہیں کی تھی، اس دلیل کو علامہ العینی اور ان سے پہلے ابن حزم نے نقل کیا ہے۔

۴- مکہ مکرمہ میں احرام کے ساتھ داخل ہونا مشاعر اسلام کی وجہ سے ہے نہ کہ حرم ہونے کی وجہ سے، اس کی دلیل یہ ہے کہ حاجی پر عرفہ میں احرام کے ساتھ ٹھہرنا واجب ہے حالانکہ عرفہ حرم نہیں حل ہے، پس یہ دلیل ہے کہ احرام مشاعر کی وجہ سے ہے نہ مکہ کے حرم ہونے کی وجہ سے، مکہ کے حرم ہونے اور احرام کے درمیان فرق عبادات کی ادائیگی ہے، جیسے منیٰ میں رات گزارنا اور رمی جمار کرنا یہ دونوں افعال متحلل کے لئے بغیر احرام کے ہوتے ہیں حالانکہ منیٰ حرم کا حصہ ہے۔

۵- جو شخص حج یا عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس کا بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا دلیل کے قیام سے پہلے تک براءۃ اصلیہ ہے، اور اس پر دلیل موجود ہی نہیں رہا حضرت ابن عباس کا قول "لا ید خل احدٌ مکۃ الا محرماً" یعنی مکہ میں کوئی شخص بغیر احرام کے داخل نہ ہو تو یہ موقوف ہے جیسا کہ امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔

اور ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک بھی ان لوگوں کے لئے بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہونا جائز ہے جو میقات کے اندر ہیں اور جو میقات سے باہر ہیں ان کے لئے بغیر احرام کے میقات سے گزرنا جائز نہیں، جیسا کہ امام عینی اور دوسرے ائمہ احناف نے نقل کیا ہے۔

جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے یہی صحیح ہے، یہ شوافع کا مسلک ہے، مالکیہ حنابلہ کا دوسرا قول ہے۔ مالکیہ اور

حنابلہ میں سے کسی علماء کا میلان اسی قول کی طرف ہے ان کے مذہب میں اظہر قول بھی یہی لکھا ہے جیسا کہ ان کی فروع میں ہے اور ابن مفلح نے اسے صحیح کیا ہے اسی طرح ظاہر یہ اور کئی صحابہ اور تابعین کا مسلک بھی یہی ہے۔

احناف کی تیسری دلیل

مدینہ طیبہ کی عدم تحریم پر احناف کی ایک دلیل حدیث ''**یا ابا عمیر ما فعل النغیر**'' ہے اس کی اصل حدیث یہ ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے زیادہ حسن اخلاق کے مالک تھے میرا ایک بھائی تھا جس کو ابوعمیر کہا جاتا تھا راوی کہتا ہے میرا گمان ہے وہ اس وقت غذا کھانے لگا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تو فرماتے اے عمر اس نغیر (بلبل) کو کیا ہوا۔ وہ بچہ اس پرندہ سے کھیلتا تھا۔

یہ حدیث احناف کے نزدیک مدینہ طیبہ کی عدم تحریم کی دلیل ہے۔

علامہ الطحاوی لکھتے ہیں اگر مدینہ طیبہ کے شکار کا حکم مکہ کے شکار کے حکم کی مانند ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نغیر کو محبوس کرنے اور اس کے ساتھ کھیلنے کی اجازت نہ دیتے، علامہ تور بشتی لکھتے ہیں اگر مدینہ طیبہ حرم ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس ضرورت کے موقع پر خاموش نہ رہتے، اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ حرم مدنی کا شکار حرام نہیں ہے اور مدینہ طیبہ حرم نہیں ہے۔

اس حدیث کا جواب بعد میں آئے گا ان شاء اللہ۔

احناف کی چوتھی دلیل

مدینہ طیبہ کے حرم نہ ہونے کی ایک دلیل حدیث الوحش ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کے لئے ایک وحشی جانور تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکل جاتے تو وہ کھیلتا کودتا، آگے جاتا، واپس آتا مگر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد محسوس کرتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا چکے ہیں تو بیٹھ جاتا، چھلانگیں نہ لگاتا تا کہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔

اس روایت کو احمد، بزاز، اسحٰق، ابویعلی اور الطحاوی نے ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں اس کی سند صحیح ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں، ابوحاتم اور یحییٰ بن معین نے اس کی سند میں شک ظاہر کیا ہے امام الطحاوی فرماتے ہیں یہ مدینہ طیبہ تھا اور ایسی جگہ میں تھے جو حرم میں شامل تھی وہ وحشیوں کو پکڑتے تھے اور ان کو دروازوں میں بند کرتے تھے یہ دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ کا حکم مکہ کے حکم سے مختلف ہے۔

احناف کی پانچویں دلیل

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے شکار کا واقعہ بھی مدینہ طیبہ کے حرم نہ ہونے کی دلیل ہے۔

۱۰۳۔ حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ شکار کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے ایک دن انہوں نے دیر کر دی، پھر وہ حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کس وجہ سے تاخیر ہوگئی عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم سے شکار بھاگ گیا تھا ہم نے بنت سے قناۃ تک اس کا پیچھا کر کے اسے شکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم عقیق میں شکار کرتے تو میں بھی تمہارے ساتھ جاتا جب تو جاتا اور تجھ سے ملتا جب تو آتا میں عقیق کو پسند کرتا ہوں۔

اس حدیث کو امام طحاوی نے تین طرق سے روایت کیا ہے اور ابن شیبہ نے بھی تین طرق سے اور الطبرانی نے الکبیر میں روایت کی ہے۔

امام طحاوی رحمتہ اللہ علیہ اس حدیث شریف کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، اس حدیث پاک میں مدینہ طیبہ کے شکار کے مباح ہونے پر دلیل ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سلمہ کو مدینہ طیبہ میں ہوتے ہوئے شکار کی جگہ بتائی، حالانکہ ایسا کرنا مکہ میں حلال نہیں، آپ نے پڑھا ہوگا کہ اگر مکہ مکرمہ میں شکار پر کوئی کسی کی رہنمائی کرے تو گنہگار ہوتا ہے، پس ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ حرمت میں مکہ مکرمہ کی طرح نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ کے شکار کا حکم مکہ مکرمہ کے شکار سے مختلف ہے اور اس حدیث میں العقیق کے شکار کی اباحت بھی ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں بڑا تعجب ہے کہ ایک منکر حدیث ذکر کرتے ہیں اور اس سے احکام کی بنیاد رکھتے ہیں اور متواتر حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا احادیث کے جوابات

ثبوت کی حیثیت سے تو حدیث نغیر ثابت ہے اور صحیحین میں موجود ہے لیکن امام الطحاوی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے غیر محمل پر محمول کیا ہے، جیسا کہ تم آگے دیکھو گے اور وحشی جانور والی حدیث، اس میں حضرت عائشہ اور مجاہد کے درمیان انقطاع کا شبہ ہے، کیونکہ یحیٰی بن معین اور ابو حاتم نے حضرت مجاہد کی حضرت عائشہ سے سماع کی نفی کی ہے، لیکن علی بن المدینی نے سماع کو ثابت کیا ہے، اور سماع کی تصریح وارد ہے اسی وجہ سے بخاری و مسلم نے اسے اپنی اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے، بخاری میں اس کی دو یا تین روایات ہیں اور مسلم میں صرف ایک جیسا کہ تحفۃ الاشراف میں ہے، اور اس کی صحت کے ثبوت کا حکم بھی حدیث نغیر جیسا ہے، ان دونوں کا جواب ان شاء اللہ آئندہ ذکر ہوگا۔

رہی سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث، تو یہ موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی کی روایت سے ہے، الطحاوی اور ابن شبہ نے دوسندوں سے روایت کی ہے۔

(۱) موسیٰ اپنے باپ سے اور سلمہ سے روایت کرتے ہیں۔

(۲) موسیٰ اپنے باپ سے اور وہ ابوسلمہ سے اور وہ سلمہ سے روایت کرتے ہیں، یہ الطبرانی میں اسی طرح ہے۔

اس کی سند میں پہلی علت تو یہ ہے کہ محمد بن ابراہیم اور سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے کیونکہ حضرت سلمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد الربذہ کی طرف منتقل ہو گئے تھے اور وفات سے چند دن قبل تک وہاں رہے، پھر مدینہ طیبہ تشریف لائے اور مدینہ طیبہ میں وفات پا گئے ان سے محمد بن ابراہیم نے نہیں سنا ان کی وفات کے بعد کسی اور کے واسطہ کو بیان کئے بغیر ارسال کر دیا۔

دوسری علت یہ ہے کہ اس حدیث کو محمد بن موسیٰ نے ضعیف بنا دیا ہے، کیونکہ یحییٰ بن معین ان کے متعلق لکھتے ہیں "لیس بشئ" (کچھ نہیں) "لا یکتب حدیثه" (اس کی حدیث نہ لکھی جائے گی)۔

امام بخاری فرماتے ہیں اس کی احادیث منکر ہیں، ابوداؤد لکھتے ہیں اس کی حدیث نہ لکھی جائے گی ابو زرعہ، ابوحاتم، نسائی، ابواحمد الحاکم لکھتے ہیں یہ منکر الحدیث ہیں الدارقطنی لکھتے ہیں یہ متروک ہے، الجوزجانی لکھتے ہیں ائمہ اس کی حدیث کا انکار کرتے ہیں امام احمد بن حنبل نے ضعیف کہا ہے، ابن حبان لکھتے ہیں وہ اپنے باپ سے ایسی باتیں روایت کرتے ہیں جو ان کی حدیثیں نہیں ہوتیں۔ مجھے معلوم نہیں وہ معتمد ہے یا اس میں غفلت ہے وہ اپنے باپ سے منکر نقل کرتے ہیں، اور مشاہیر تو ہم کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، کوئی صورت بھی ہو یہ از روئے حجت ساقط ہیں، العقیلی لکھتے ہیں اس کی حدیث کی اتباع نہ کی جائے گی۔ ابن عدی لکھتے ہیں "لَيْسَ بِشَيْئٌ وَلَا يُكْتَبُ حَدِيْثٌ"۔

الحافظ رحمۃ اللہ علیہ التقریب میں علماء کے اقوال کا خلاصہ ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں محمد بن موسیٰ منکر الحدیث ہے۔

پس اسی قسم کی روایت سے خوش نہیں ہونا چاہئے طالب العلم کو ایسی روایت سے مشغول نہیں ہونا چاہئے چہ جائیکہ وہ اس سے استدلال کرے، بڑا تعجب ہے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ پر کہ انہوں نے اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے اور صرف اتنا لکھا ہے کہ تین طرق سے روایت کی ہے۔ اور تمام طرق موسیٰ کے طریق سے ہیں رہا پہلی دو حدیثوں کا جواب تو ملاحظہ ہو۔

(۱) یہ دونوں احادیث تحریم کی احادیث سے مقدم ہیں، اس لئے تحریم کی احادیث کی وجہ سے منسوخ ہیں اور حضرت انس کی حدیث جو امام احمد نے روایت کی ہے وہ حدیث نغیر کے تقدم پر دلالت کرتی ہے۔

(۲) یا یہ دونوں احادیث تحریم کی احادیث سے متاخر ہیں تو اس صورت میں یہ تحریم کی احادیث کے لئے

ناسخ ہوں گی اور یہ باطل اور مردود ہے اور اس کی وجوہ یہ ہیں۔

(۱) احادیث تحریم متاخر الاسلام صحابہ سے مروی ہیں جیسے حضرت ابو ہریرہ وغیرہ بخلاف حدیث نغیر اور حدیث الوحش کے۔

(۲) احادیث تحریم زمانہ ہجرت کے بعد مروی ہوئیں یعنی خیبر اور تبوک کے بعد۔

اور یہ دونوں احادیث خصوصاً حدیث النغیر تحریم کی احادیث سے مقدم ہے اس لئے یہ تحریم کی احادیث کی ناسخ نہیں بن سکتیں۔

(۳) اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ یہ دونوں احادیث تحریم کی احادیث کے متعارض ہیں اور بلحاظ قوت بھی تحریم کی احادیث جیسی ہیں، تو ایسی صورت میں جمع کرنے کی کوشش کریں گے، جب جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ایک کو ترجیح دیں گے اور اگر تاریخ معلوم ہو تو متقدم منسوخ اور متاخر ناسخ ہوگی، علماء کے لئے جمع کرنا ممکن ہوگا تو بہتر اور اگر ہم ترجیح کا اعتبار کریں تو تحریم کی احادیث کو ان دونوں احادیث پر ترجیح حاصل ہے، کیونکہ

(ا) تحریم کی احادیث سند کے اعتبار سے قوی ہیں کیونکہ یہ متواتر ہیں جبکہ یہ دونوں احادیث خبر واحد ہیں۔

تحریم کی احادیث بلحاظ تعداد زیادہ ہیں اور تحریم پچیس صحابہ سے ثابت ہے، جیسا کہ میں نے ان کے اسماء پیچھے ذکر کئے ہیں۔

ج- تحریم کی احادیث کے بعض راوی متاخر الاسلام اور متاخر الہجرہ ہیں اور وہ ان احادیث کو مشاہدہ اسماع اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے ساتھ روایت کرتے ہیں، بخلاف ان دو احادیث کے اگر منکر غور کرے تو یہی دلیل کافی ہے۔

د- تحریم کی احادیث ہجرت کے آخر میں واقعات وحادثات میں واقع ہوئیں یہ تحریم کے استمرار کی دلیل ہے۔

ھ- یہ دونوں احادیث اصل اور اباحت کو بیان کرتی ہیں، جبکہ تحریم کی احادیث متواترہ منع اور اصل کو بیان کرتی ہیں اور منع مباح سے مقدم ہوتا ہے کیونکہ منع والا علم زیادہ رکھتا ہے۔

و- یہ دونوں احادیث اصل کے حکم کو باقی رکھنے والی ہیں جبکہ تحریم کی احادیث اس اصل کو ختم کرنے والی ہیں اور یہ اصول ہے کہ جب اصل کے حکم کو باقی رکھنے والی نصوص اور اس کی نفی کرنے والی نصوص آپس میں متعارض ہوں تو نفی کرنے والی نصوص کو مقدم کیا جاتا ہے، کیونکہ جب نفی کی نصوص کو ترجیح دی جائے تو حکم میں ایک مرتبہ تغیر لازم آتا ہے لیکن اگر ثبوت والی نصوص کو مقدم کیا جائے تو دو مرتبہ تغیر تسلیم کرنا پڑتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ حدیث نغیر اور حدیث الوحش مدینہ طیبہ کی تحریم کی احادیث کے بعد کی ہیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ مدینہ طیبہ کا شکار پہلے حرام تھا اور پھر حلال ہوگیا جبکہ اگر یہ کہا جائے

کہ یہ دونوں احادیث تحریم کی احادیث سے پہلے کی ہیں تو یہی ہوگا کہ تحلیل کے بعد تحریم ہوئی اور تحلیل اصل ہے اور تحریم بعد میں لاحق ہوتی ہے اور یہی حق ہے اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ز- یہ دونوں احادیث ایک خاص واقعہ ہیں ان کا جواب ممکن ہے لیکن احادیث تحریم ایک قاعدہ کلیہ ہیں۔

ح- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام کے درخت نہ کاٹنے اور شکار نہ کرنے کے فتاویٰ بھی احادیث تحریم کے موافق ہیں، جبکہ ان کا مخالف کوئی بھی نہیں، احناف کے مطابق کسی صحابی نے حرم نبوی میں درخت کاٹنے اور شکار کرنے کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ کوئی بھی ایسا صحابی نہیں جس نے حرم نبوی میں تحریم کی نفی کی ہو۔

ط- حدیث نغیر حضرت انس کی روایت ہے، اور یہ حضرت انس کی تحریم کے مطابق متعدد روایات کے مخالف ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، اور یہ علماء حدیث کا اصول ہے کہ جب ایک راوی ظاہراً دو متضاد حدیثیں روایت کرے تو پھر ان کو اگر جمع کرنا ممکن ہو تو دونوں پر عمل کیا جائے گا، ہر ایک مخصوص معنی پر محمول ہوگی ورنہ ایک کو دوسری پر ترجیح دی جائیگی، اگر جمع کرنا ممکن نہ ہو تو ساقط ہو جاتی ہیں اور یہاں جمع کرنا جمہور علماء کے مذہب پر ممکن ہے، تحریم کی احادیث جو حضرت انس سے مروی ہیں وہ حدیث نغیر سے بہت متاخر ہیں کیونکہ یہ فتح خیبر کے بعد کی ہیں جیسا کہ شیخین کی روایت ہے، اور حدیث نغیر ہجرت کے ابتدائی زمانہ کی ہے جیسا کہ امام احمد کی روایت سے ظاہر ہے، جمہور علماء نے دونوں احادیث کو ساقط کرنے کی بجائے ان دونوں کو ایک دوسرے کے معنی پر محمول کیا جیسا کہ آگے آئے گا، اس کو اصل بناتے ہیں اور اس پر بنیاد رکھی اور وہ معنی تحریم کے متعارض نہیں ہے۔

ی- نغیر اور وحش کے متعلق کوئی نص قطعی یا صحیح بلکہ ضعیف نص بھی وارد نہیں ہے کہ وہ حرم کے تھے، اور حرم مدنی کی تحریم میں نصوص متواتر ہیں اگر یہ حرم کے شکار سے ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکار فرماتے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی انکار وارد نہیں، پس واضح ہو گیا کہ وہ دونوں حرم کے جانور نہ تھے۔

ک- جب نص میں احتمال آجائے تو اس سے استدلال کمزور ہو جاتا ہے جیسا کہ معارضت نے اسے کمزور کر دیا ہے، اور احناف کے نزدیک بھی قطعی طور پر وہ نغیر اور وحش حرم کا شکار نہ تھے، اور یہ احتمال ہے کہ دونوں مقام حل کے شکار ہوں پس ان دونوں احادیث کا مدینہ طیبہ کی تحریم کی احادیث کے معارض کرنا جائز نہیں ہے۔

ل- جمہور علماء نے حرم کے شکار اور حل کا وہ شکار، جسے بعد میں حرم میں داخل کیا گیا ہو، کے درمیان فرق کیا ہے، حرم کا شکار حرام ہے کیونکہ اسے حرم کی حرمت حاصل ہے، جبکہ حل کا شکار حلالی کے لئے حلال ہے، پھر جب اسے حرم میں داخل کیا جائے تو اسے حرم کی حرمت حاصل نہیں ہوئی، کیونکہ وہ حل سے

ہے، ان شاء اللہ اس کے متعلق فقہاء کی آراء کا بیان بعد میں آئے گا۔

م- سابقہ بیان سے واضح ہو چکا ہے کہ جب دو نصوص متعارض ہوں اور ان کو جمع کرنا ممکن ہو تو جمع کرنا بہتر ہے، جبکہ نسخ معلوم نہ ہو، اس لئے حدیث نغیر اور حدیث وحش کو حل کے شکار سے محمول کیا جائے، جنہیں بعد میں حرم میں داخل کیا گیا۔ اس طرح اس حکم اور تحریم مدینہ اور مدینہ کے شکار کی تحریم کی احادیث کو جمع کیا جائے گا یہی طریقہ جماہیر علماء کا ہے، اسی پر فقہاء کا عمل ہے اور یہی عام صحابہ کا مذہب ہے۔

ہشام بن عروہ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر مکہ میں نو سال رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب تشریف لاتے پنجروں میں قمریاں اور چکور دیکھتے مگر منع نہ فرماتے۔

ابن حزم فرماتے ہیں یہ ایک قطعی دلیل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب مدینہ طیبہ میں رہے اور مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ کی طرح حرم ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اصحاب کرام کو شکار بطور تحفہ پیش کئے جاتے تھے، شکار مدینہ طیبہ میں زندہ لایا جاتا پھر اسے فروخت کیا جاتا، ذبح کیا جاتا اور کھایا جاتا تھا، ذبح کرنے والا بیچتا اور کھاتا تھا یہ ایک ایسی حقیقت ہے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا اور یہ سلسلہ نسل در نسل چلتا رہا، اسی طرح مکہ مکرمہ حرم ہے اس میں بھی ایسا ہوتا تھا، پھر علامہ ابن حزم نے، چکور اور قمری والی حدیث ذکر کی ہے۔

صالح بن کسان کہتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ مکہ مکرمہ میں حضرت ابن زبیر کے دور میں زندہ شکار بیچا جاتا تھا۔

اس اثر کو عبدالرزاق اور ابن حزم نے روایت کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء کرام جن میں مالکیہ، شوافع اور حنابلہ شامل ہیں فرماتے ہیں جو شخص مقام حل سے حرم نبوی میں شکار لائے اس کے لئے کھانا، بیچنا اور نفع حاصل کرنا جائز ہے۔

مالکیہ، شوافع اور الظاہر یہ وغیر ہم علماء کا مسلک یہ ہے کہ جو حل سے شکار پکڑ کر حرم میں لے آئے اس کے لئے کھانے، بیچنے کا تصرف جائز ہے اور دلیل کے طور پر سابقہ دو احادیث پیش کی ہیں اور حل کے درخت اور گھاس پر قیاس کیا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ اور امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اس مسئلہ میں خلاف ہیں لیکن ابن قدامہ حنبلی پہلے مذہب کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ احناف کے لئے ان دو احادیث میں کوئی سہارا نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں احادیث تحریم سے پہلے کی ہیں جبکہ تحریم ۷ھ یا اس سے تھوڑا قبل وارد ہوئی، اور یہ دونوں احادیث تحریم سے پہلے کی ہیں جیسا کہ امام احمد کی روایت سے واضح ہے، اور اگر تاریخ کی عدم معرفت فرض کر بھی لی جائے تب بھی احادیث تحریم کو ان دونوں احادیث سے مقدم رکھا جائے گا جیسا کہ میں نے تفصیل سے جوابات میں

اس کی وجوہ ذکر کی ہیں۔

احناف کی چھٹی دلیل

احناف مدینہ طیبہ کی عدم تحریم پر تعمیر مسجد کے لئے کھجور کاٹنے کی حدیث کو اور احد کے درخت سے کھانے کی حدیث کو دلیل بناتے ہیں، مکمل احادیث درج ذیل ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوالنجار کو بلا کر فرمایا تم مجھ سے قیمت لے لو انہوں نے عرض کی ہم آپ سے قیمت نہیں لیتے ہم تو صرف اللہ تعالیٰ سے اس کا معاوضہ لیں گے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبور ختم کرنے کا حکم دیا تو وہ اکھیڑ دی گئیں پھر کھنڈرات برابر کر دیئے گئے کھجور کے درخت کاٹ دیئے گئے اور قبلہ شریف کی جانب ان کو گاڑ دیا گیا۔ (متفق علیہ)

احناف فرماتے ہیں اگر مدینہ طیبہ حرم ہوتا تو درخت کاٹنے کا آپ حکم نہ فرماتے۔

۱۰۵- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احد ایک ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں جب تم اس پر چڑھو تو اس کے درختوں سے کچھ کھایا کرو اگرچہ کانٹے دار درخت سے ہو، الطبرانی نے الاوسط میں ابن شبہ نے تاریخ مدینہ میں الجندی نے فضائل مدینہ میں مرفوعاً ذکر کی ہے اور عبدالرزاق نے موقوفاً ذکر کی ہے۔

علماء احناف فرماتے ہیں کھانا کاٹ کر یا اکھیڑ کر ہی ہوتا ہے، اور یہ حرم مکی میں جائز نہیں ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں، ان دونوں احادیث کا جواب ذکر کرنے سے پہلے میں دوسری احادیث کے طعن کو بیان کرتا ہوں۔

(۱) عبدالرزاق کی سند موقوف ہونے کے باوجود ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے جو متروک ہے، ایک راوی اس میں عبداللہ بن تمام ہے، اس کے متعلق کلام آگے آئے گی۔

(۲) ابن شبہ کی پہلی سند میں عبدالعزیز بن عمران الاعرج اور عبداللہ بن زیاد بن سلیمان بن سمعان المخزومی ہے اور یہ دونوں راوی متروک اور متہم بالکذب ہیں۔

(۳) الجندی، الطبرانی اور ابن شبہ کی دوسری سند میں عبداللہ بن تمام ہیں جو ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے غلام ہیں، بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں ان کا ذکر کیا ہے مگر ان کے متعلق کوئی جرح وتعدیل کا لفظ ذکر نہیں کیا۔

عبدالرزاق، الجندی، الطبرانی اور ابن شبہ کی ایک سند میں حدیث کا مدار عبداللہ بن تمام ہے اور دوسری سند میں ابن شبہ کے ہاں مذکورہ بالا متروک راویوں کے علاوہ عبداللہ بن عبید بن زینب ہے اگر اس میں تصحیف نہ ہو تو بھی یہ سند متابعت کے قابل نہیں ہے، جیسا کہ علماء حدیث پر مخفی نہیں ہے اس حدیث کی عمدہ

سند الجندی کی ہے اور ابن شبہ کی دوسری سند ہے اور وہ سند یوں ہے، محمد بن حاتم بن میمون، ابراہیم بن المنذر الحزامی، سفیان بن حمزہ الاسلمی، کثیر بن زید الاسلمی، عبداللہ بن تمام زینب بنت نبیط عن انس۔

لیکن اس سند میں ایسی چیز ہے جو اصل حدیث میں قدح کا باعث ہے وہ یہ کہ حدیث دو قسموں میں منقسم ہے، پہلی مرفوع اور دوسری حضرت زینب کا قول، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو مکمل ذکر کیا جائے تا کہ معاملہ واضح ہو جائے۔

۱۰۶- قَالَ ابْنُ شُبَةَ رَحِمَةَ اللّٰهُ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ حَدَّثَنَا الْحَزَامِيُّ، قَالَ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ حَمْزَةَ عَنْ كَثِيْرِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ تَمَامٍ مَوْلٰى اُمِّ حَبِيْبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ نَبِيْطٍ وَكَانَتْ تَحْتَ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهَا كَانَتْ تُرْسِلُ وَلَا يُدَهَا فَتَقُوْلُ اِذْهَبُوْا اِلٰى اُحُدٍ فَاْتُوْنِيْ مِنْ نَبَاتِهٖ، فَاِنْ لَمْ تَجِدْنَ اِلَّا عَضَاهًا فَأْتَنِيْ بِهٖ فَاِنَّ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ هٰذَا جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ فَقَالَتْ زَيْنَبُ فَكُلُوْا مِنْ نَبَاتِهٖ وَلَوْ مِنْ عِضَاهِهٖ قَالَتْ فَكَانَتْ تُعْطِيْنَا مِنْهُ قَلِيْلًا قَلِيْلًا فَنَمْضَغُهٗ

اس حدیث پاک کے یہ الفاظ "کلوا من نباته ولو من عضاهه" اس روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں ہیں، مرفوع صرف "هذا جبلٌ یحبنا و نحبة" کے الفاظ ہیں جو بخاری و مسلم نے حضرت انس وغیرہ نے نقل کئے ہیں، اس کا ذکر ان شاء اللہ جبل احد کے ذکر میں آئے گا، اس نص نے مرفوع اور موقوف کے درمیان فرق واضح کر دیا جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے، کیونکہ حضرت زینب کے بارے اختلاف ہے کہ وہ صحابیہ ہیں یا تابعیۃ ہیں۔ ابن عبدالبر نے ایسا لکھا ہے حاکم نے اس کی حدیث مستدرک میں روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے، ان کی ماں اور خالہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سونے کے زیور دیئے تھے ابن حزم وغیرہ نے ان کو تابعیہ ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

اس سے یہ واضح ہو گیا کہ احناف کے لئے اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے، مرفوع حصہ صرف جبل احد کی محبت کا ہے، درختوں کا کھانا حضرت زینب کا قول ہے اس حدیث کے راوی اگر چہ الحافظ کے قول کے مطابق صدوق ہیں لیکن تمام وہم اور خطاء کرتے تھے شاید کثیر بن زید نے موقوف کو مرفوع بنایا ہے۔

اب صرف پہلی حدیث کا جواب باقی ہے۔ دوسری حدیث کو صحیح مان لیا جائے تو پہلی حدیث کے ساتھ بھی اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

(۱) کھجور کے درخت کاٹنا ایک فعل ہے جو ہجرت سے پہلے ہوا تھا جیسا کہ حدیث شریف کے الفاظ سے واضح ہے، قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ۔

دوسری روایت بخاری میں ہے اور یہ لفظ مسلم کی حدیث کے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اور بنوعمرو بن عوف کے قبیلہ میں مدینہ کی اوپر والی جانب اترے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ۱۴ دن رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوالنجار کو بلا بھیجا وہ تمام تلوار لٹکائے حاضر ہوئے، میں اب بھی گویا دیکھ رہا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر تشریف فرما ہیں سیدنا ابوبکر صدیق پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں اور بنونجار کے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد تھے، حتیٰ کہ آپ حضرت ابوایوب کے گھر کے صحن میں اترے، اور جہاں نماز کا وقت ہوتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز پڑھ لیتے تھے حتیٰ کہ بکریوں کے باڑہ میں نماز پڑھ لیتے تھے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا اور بنوالنجار کے سرداروں کو بلایا اور فرمایا اے بنونجار تم مجھ سے اپنے اس باغ کی قیمت لے لو، تو انہوں نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا ہرگز نہیں ہوگا، ہم تو صرف اللہ تعالیٰ سے قیمت مانگتے ہیں، حضرت انس نے فرمایا اس میں جو کچھ تھا وہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ (۱) مشرکین کی قبور، (۲) کھنڈرات، کھجور کے درخت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبور کو اکھیڑنے کا حکم فرمایا تو وہ اکھیڑ دی گئیں پھر کھنڈرات برابر کر دیئے گئے، پھر درخت کاٹ دیئے گئے اور کھجور کی لکڑیاں قبلہ کی جانب گاڑھ دی گئیں اوران کی دونوں طرف پتھر لگا دیئے گئے، اس وقت صحابہ کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پتھر لا رہے تھے اور رجز پڑھ رہے تھے۔

اے اللہ بھلائی صرف آخرت میں ہے تو مہاجرین وانصار کی مدد فرما یہ حدیث بڑی واضح ہے کسی قسم کا کوئی التباس نہیں ہے کہ یہ ہجرت کی ابتداء کا واقعہ ہے اس وقت مدینہ طیبہ حرم نہیں بنا تھا اس وقت یہ حل تھا، پہلے گزر چکا ہے کہ مدینہ طیبہ کی حرمت ۷ھ یا ۶ھ کے آخر میں وارد ہوئی، پس اس میں احناف کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔

(۲) وہ کھجور کے درخت جسے انسان خود لگاتا ہے، وہ حرم مکی ہو یا مدنی انہیں انسان کیلئے کاٹنا جائز ہے، یہ احناف کا بھی مذہب ہے بلکہ اس پر انہوں نے اجماع نقل کیا ہے۔

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خشک گھاس کے کاٹنے یا اس سے نفع اٹھانے میں کوئی جرم نہیں ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک حرم کی گھاس چرانا جائز نہیں ہے، امام ابو یوسف فرماتے ہیں چرانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ہدایا حرم کی طرف لے جائے جاتے ہیں اس لئے ان کو چرنے سے روکنا ممکن ہی نہیں ہے، پس اس میں ضرورت ہے۔

وہ کھیتی یا درخت جو لوگ عادۃً اگاتے ہیں ان کو کاٹنے یا اکھیڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک لوگ حرم میں کاشت کرتے ہیں اور کاٹتے بھی ہیں، کسی کا انکار ثابت نہیں۔

اسی طرح جو عادۃً اگاتے نہیں ہیں لیکن اگر وہ اگا دیں جیسے کیکر وغیرہ تو اس کے کاٹنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اگر کوئی کاٹے تو حرم کی وجہ سے اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا کیونکہ اگانے کی وجہ سے اس کی ملکیت میں ہو گیا تھا، پس وہ حرم کا درخت نہ ہوا، یہ گویا اس درخت کی مانند ہوا جو لوگ عادۃً اگاتے ہیں، کئی دوسرے علماء نے اس قول کی موافقت کی ہے، اور اس پر اجماع نقل کیا ہے بلکہ کھنبی کاٹنے کی اجازت دی ہے جو حرم میں پیدا ہوتی ہے حالانکہ لوگ اسے نہیں اگاتے، جب علماء احناف رحمتہ اللہ علیہم دوسرے علماء سے اس بات میں متفق ہیں کہ انسان جو درخت عادتاً اگاتے ہیں، یا عادۃً تو وہ نہیں لگاتے مگر وہ انہوں نے لگا دیئے تو ان کا کاٹنا جائز ہے تو پھر حرم مدنی کی عدم تحریم پر کھجور کاٹنے کی حدیث سے کیسے استدلال کرتے ہیں۔

اسی طرح احناف نے جو احد کے درخت سے کھانے کے بارے حدیث پیش کی ہے اس کا جواب بھی احناف کے اپنے اقوال سے دیا جا سکتا ہے کہ جس درخت سے کھایا گیا تھا وہ ان درختوں سے تھا جو لوگ عادۃً لگاتے ہیں یعنی پھلدار درخت احناف کا یہ دعویٰ کہ کھانا بغیر کاٹے اور اکھیڑے ممکن ہی نہیں، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ منہ کے ساتھ کھانے والا درخت کو نہ کاٹتا ہے اور نہ اکھیڑتا ہے اور پھل کھا لیتا ہے اور یہ حرم مکی میں بھی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

میں نے یہاں دوسرے مذہب کا ذکر نہیں کیا کیونکہ میرا مقصود صرف احناف کے دلائل کا جواب ان کے اپنے اقوال سے دینا تھا۔ بے شک وہ درخت جن کا کاٹنا یا اکھیڑنا حرام ہے وہ ایسے درخت ہیں جنہیں انسان نہیں لگاتے بلکہ خود بخود اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ حرم مکی اور حرم مدنی میں برابر حکم ہے، جس طرح احادیث متواترہ سے ثابت ہو چکا ہے۔

احناف کی ساتویں دلیل

احناف کی ساتویں دلیل مدینہ طیبہ کی عدم تحریم پر یہ ہے کہ درخت کاٹنے والے اور شکاری کے مال چھیننے کا حکم منسوخ ہے، پس نسخ کے دعویٰ سے علماء احناف کی اپنی کلام میں تناقض پیدا ہو گیا کیونکہ پہلے تو وہ خود اس کی حرمت کی نفی کرتے تھے پھر انہوں نے اس کو ثابت کر دیا۔ فرماتے ہیں مدینہ منورہ حرم نہیں ہے، اس کا شکار حلال ہے اور درخت کاٹنا جائز ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں ہے پھر خود ہی فرماتے ہیں، شکار کرنا معصیت تھا مال کے ذریعے اس پر سزا دی جاتی تھی پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

امام الطحاوی شرح معانی الآثار میں فرماتے ہیں کہ حدیث سعد میں مدینہ طیبہ کے شکاری سے مال چھیننے کی اباحت کا حکم ہمارے نزدیک اس وقت تھا جب معاصی کی سزا اموال کے ذریعے دی جاتی تھی۔ اس کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذکاۃ کے بارے مروی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو خوشی سے زکوۃ ادا کرے گا اسے اجر ملے گا اور جو زکوۃ نہیں دے گا ہم اس سے زکوۃ بھی لیں گے اور اس کے

مال کا نصف حصہ بھی، پھر یہ حکم سود کے نسخ کے وقت منسوخ ہو گیا، پھر اشیاء کا مواخذہ ان کی مثل کے ساتھ کرنے کا حکم ہوا اگر ان کی مثل موجود ہو اور اگر مثل نہ ہو تو قیمت کے ساتھ مواخذہ ہو گا اور حرم کی توہین کے ارتکاب کا مواخذہ بدن سے ہو گا، نہ کہ مال سے، مدینہ طیبہ کے شکار کے متعلق جو حکم مروی ہے اس کی یہی وجہ ہے۔

امام الطحاوی کی کلام میں اب بھی تناقض ہے جس سے انہوں نے بچنے کی کوشش کی تھی، شکاری اور درخت کاٹنے والا کیسے گنہگار ہے اور اس سے مال چھیننے کی سزا کیوں ہے جبکہ وہ معصیت کا مرتکب ہی نہیں جبکہ حرم کے لئے تحریم ثابت ہی نہیں اور جب شکاری اور درخت کاٹنے والا اگر مجرم ہے اور اسے سزا دی جاتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ انہوں نے حرام کا ارتکاب کیا ہے جبکہ اے احناف تم حرم کے قائل ہی نہیں ہو۔

یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی نے امام الطحاوی کا شدید رد کیا ہے، میں ان کی ہی عبارت پیش کرتا ہوں (امام بیہقی کی پوری عبارت کا مفہوم وہی ہے جو مولف موصوف نے اپنے الفاظ میں پہلے بیان کر دیا ہے، اس لئے دوبارہ امام بیہقی کے الفاظ کے ترجمہ کی ضرورت نہیں۔ مترجم)

احناف کی آٹھویں دلیل

احناف نے آٹھویں دلیل یہ دی ہے کہ مدینہ طیبہ کے درخت کاٹنے اور شکار نہ کرنے کا حکم اس لئے تھا کہ مدینہ طیبہ کی زینت باقی رہے تاکہ مہاجرین اس سے مانوس ہو جائیں اور جب ہجرت ختم ہو گئی تو یہ حکم بھی زائل ہو گیا، جیسا کہ مدینہ طیبہ کے محلات گرانے کے متعلق بھی وارد ہے میں (مصنف) کہتا ہوں یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ

(۱) اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت کاٹنے اور شکار کرنے سے اس لئے منع فرمایا تھا تاکہ مہاجر مانوس رہیں اور مدینہ طیبہ کی زیب و زینت باقی رہے، بلکہ مدینہ طیبہ میں تو مکہ سے زیادہ درخت تھے اور خدا کرے ہمیشہ زیادہ رہیں کیا مہاجرین کی مدینہ طیبہ سے الفت درختوں کے وجود کی وجہ سے تھی تو پھر شکار سے منع کا کیا مطلب؟ دلیل کا اظہار مخالف پر ہے، اور دلیل تو ہے ہی نہیں۔

(۲) اگر بات اسی طرح ہوتی جیسا کہ احناف علماء کا خیال ہے تو مدینہ طیبہ کی تحریم اور شکار سے منع اور درخت کاٹنے کی تحریم ہجرت کی ابتداء میں ہوتی حالانکہ یہاں تو معاملہ برعکس ہے کیونکہ اس کی تحریم تو ۷ھ میں غزوۂ خیبر کے بعد یا تھوڑا قبل ہوئی تھی اور اس وقت مہاجرین تو مدینہ طیبہ میں مکمل ہو چکے تھے، سوائے چند لوگوں کے یہ بات خود احناف کے قول کی تردید کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) ایک اور چیز جو اس قول کے فساد کی بڑی دلیل ہے وہ یہ کہ اس قول کے راوی وہ ہیں جو مدینہ طیبہ فتح

مکہ کے بعد آئے اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سماع کی تصریح کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریباً تیس سال صحبت اختیار کی وہ فرماتے ہیں میں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اے اللہ میں مدینہ طیبہ کو ان چیزوں کے لئے حرم بناتا ہوں جن کے لئے تو نے مکہ کو حرم بنایا ہے ایک اور جگہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر نبی کے لئے حرم ہے اور میرا حرم مدینہ طیبہ ہے، اے اللہ میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں، الحدیث۔ یہ تمام روایت پہلے گزر چکی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ مدینہ طیبہ میں تاخیر سے تشریف لانے والے اصحاب میں سے تھے فتح خیبر کا موقع تھا۔ وہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا یہ حدیث گزر چکی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔

حضرت ابو ہریرہ کا سماعت کا ذکر کرنا یہ دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی تحریم کا اعلان آخری ایام تک فرماتے رہے، اسی طرح اس میں یہ بھی دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ کی تحریم مدینہ طیبہ کی زینت کی بقاء کے لئے نہ تھی تا کہ مہاجر مانوس ہو جائیں اور یہ سماعت مخالفین کا مکمل رد کرتی ہے۔

تحریم مدینہ پر دلائل

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی پر لعنت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے اور نہایت قبیح فعل کا مرتکب ہو اور یہی چیز ہم نے سابقہ نصوص میں دیکھی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مدینہ میں گناہ کا ارتکاب کرے گا یا مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ نہ اس کا کوئی فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

فرمایا: جو مدینہ طیبہ کے درخت کاٹے گا یا شکار کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

۱۰۷۔ حضرت عاصم الاحول سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا ہے انہوں نے فرمایا ہاں یہ حرم ہے اس کی گھاس نہ کاٹی جائے گی، جو ایسا کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ (مسلم)

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی تحریم کی تصریح فرمائی ہے۔ مثلاً ارشاد فرمایا میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں، میں نے مدینہ کو حرم بنایا۔ میں مدینہ طیبہ کے دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہو، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی اخبار کہ مدینہ عیر سے ثور تک حرم ہے، میں نے دونوں پہاڑوں کے درمیان مدینہ کو حرم بنایا مخالف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کی مخالفت کرتا ہے اور کہتا ہے یہ حرم نہیں ہے۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خبر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا اور اس کا اظہار اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کرایا۔ مدینہ طیبہ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم بنایا۔ مکہ مکرمہ کے متعلق بھی اسی طرح کے الفاظ ہیں اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم بنایا............ پھر مخالف کہتا ہے مدینہ حرم نہیں۔

(۴) مدینہ طیبہ کی تحریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ نہ اس کا کانٹے دار درخت کاٹنا جائز ہے، نہ اس کا شکار کرنا جائز ہے، دونوں پہاڑوں کے درمیان مدینہ طیبہ کو میں نے حرم بنا دیا ہے اس میں خونریزی نہ ہوگی اس میں قتال کے لئے ہتھیار نہ اٹھائے جائیں گے نہ اس کا درخت کاٹا جائے گا مگر چارے کے لئے وغیرہ وغیرہ یہ تمام چیزیں مدینہ طیبہ میں حرام ہیں پھر مخالف کہتا ہے یہ جائز ہیں، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہ حرام ہیں۔

(۵) تحریم مدینہ اور تحریم مکہ میں مشابہت ہے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی اے اللہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لئے دعا فرمائی میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا کہیں فرمایا، میں دونوں پہاڑوں کے درمیان کے علاقہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا۔ (یہ تمام مشابہت کی احادیث گزر چکی ہیں) جبکہ مخالف پھر کہتا ہے مدینہ حرم نہیں۔

۶- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ مدینہ حرم ہے اور امن کی جگہ ہے جیسے مکہ ہے مثلاً آپ کا ارشاد ہے ''المدینہ حرم'' ''انھا حرمٌ آمن'' حضرت جابر کی حدیث میں ہے یہ مکہ کی طرح حرم ہے، پھر بھی مخالف کہتا ہے، یہ حرم نہیں ہے۔

۷- صحابہ کرام نے خبر دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا۔ مثلاً یہ حرم ہے امن والا ہے اس کی گھاس نہ کاٹی جائے گی، اس کے شکار کو بھگایا نہ جائے گا اس کے درخت کو کاٹا نہ جائے گا، اس کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے گی وغیرہ اس جیسی اخبار پہلے کثرت سے گزر چکی ہیں۔

۸- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کے فتاویٰ، حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا اگر میں ان دو پتھریلے کناروں کے درمیان ہرن دیکھوں تو اسے خوفزدہ نہ کروں گا۔ اسی طرح حضرت ابوسعید الخدری اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ اور عمل گزر چکے ہیں کہ وہ پرندے ہاتھ سے لے کر چھوڑ دیتے تھے، اس موضوع پر نصوص پہلے ذکر ہو چکی ہیں۔

پھر مخالف کہتا ہے، یہ تمام امور جائز ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ (وہ کیونکہ انکار کرتا ہے) کاش وہ غور کرتا کہ کس کی مخالفت کر رہا ہے اور کس کے قول کو چھوڑ رہا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے ہر قول، فعل، اعتقاد اور حسن اتباع میں عصمت کا سوال کرتے ہیں بے شک وہ سخی اور

کریم ہے۔

احناف نے حرمت کو تعظیم پر محمول کیا ہے مگر جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے وہ ان کے اس قول کا رد کرتا ہے اور نصوص ان کی تائید نہیں کرتیں۔

اگر متقدمین کے لئے احادیث تحریم کے نہ پہنچنے کا عذر ہو تو متاخرین کے لئے تو کوئی عذر نہیں ہے جنہوں نے تحریم کی یہ تمام نصوص پڑھ لی ہیں اور نصوص ثابتہ کی مخالفت کرنا ایسا ہے جیسے حلال کو حرام کرنا بلکہ اس سے بھی سخت جرم ہے اللہ تعالیٰ سیدھے راستہ کی راہنمائی فرمانے والا ہے۔

مدینہ طیبہ میں جرم کرنا اور مجرم کو پناہ دینا حرام ہے

مدینہ طیبہ میں جو چیزیں حرام ہیں ان میں سے ایک جرم کرنا اور اس میں مجرم کو پناہ دینا ہے، جو مدینہ طیبہ میں جرم کرے گا یا مجرم کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کا نہ فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

الحدث: ابن الاثیر کے مطابق ہر وہ کام ناپسندیدہ ہے جو سنت میں معروف نہ ہو اور معتاد نہ ہو۔

المحدث: دال کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جس نے کسی مجرم کی مدد کی یا مجرم کو پناہ دی، جھگڑے سے اسے بچایا اور اس سے بدلہ لینے میں آڑے آگیا۔

المحدث: دال کے فتح کے ساتھ ہر وہ کام جو نیا اور سنت کے مخالف ہو، اس صورت میں پناہ دینے کا مطلب اس فعل پر راضی ہونا اس پر خاموش ہونا ہے اور اس بدعت پر جو راضی ہوا اور اس بدعت کرنے والے پر کوئی انکار نہ کرے تو گویا اس نے اسے پناہ دی ہے بعض علماء فرماتے ہیں مجرم کو پناہ دینے میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اسلام میں نئی بدعت ایجاد کرنے والے کی حفاظت کرتا ہے اور اس سے کوئی تعرض نہیں کرتا اور اس کو قبول کرتا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں بعض علماء فرماتے ہیں یہاں حدث سے مراد گناہ ہے بعض نے فرمایا یہ تمام جنایات کو شامل ہے اور دین میں ہر بدعت ایجاد کرنے کو شامل ہے۔

پس جس نے دین میں کوئی نیا کام ایجاد کیا یا مجرم و بدعتی کو پناہ دی اور اس کی حفاظت کی تو اس پر اللہ تعالیٰ ..... کی لعنت ہے، جس نے ایسا جرم کیا اس کے لئے نہایت شدید وعید ہے چونکہ لعنت ہمیشہ گناہ کبیرہ پر کی جاتی ہے اس لئے علماء نے اس لفظ سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بھی گناہ کبیرہ ہے، رحمت سے دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی لعنت کافی تھی مگر رحمت سے دوری میں مبالغہ کرنے کے لئے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کو بھی ساتھ ملایا ہے، لعنت کا معنی رحمت سے دور کرنا ہے، لیکن یہ لعنت کافروں کی لعنت کی طرح نہیں ہے کہ وہ پوری طرح رحمت سے دور ہوتے ہیں بلکہ یہاں لعنت سے مراد وہ عذاب ہے جس کا انسان اپنے گناہ کی وجہ سے مستحق ہوتا ہے اور ابتداء میں جنت سے دور ہونا مراد ہے۔

پیچھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ منورہ عیر اور ثور کے درمیان حرم ہے جو اس میں کوئی بدعت کریگا یا بدعتی کو پناہ دے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، قیامت کے روز نہ اس کا فرض قبول ہوگا نہ نفل۔ (بخاری و مسلم)

اس مفہوم کی حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی احادیث گزر چکی ہیں۔ (مؤلف نے دوبارہ وہ احادیث لکھی ہیں بار بار ترجمہ گزر چکا ہے اس لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں ہے)۔

۱۰۸- ابو امامہ ایاس بن ثعلبہ الحارثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے موالی سے اعراض کیا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس کا نہ فرض قبول ہوگا نہ نفل، جس نے کسی مسلمان کا مال اپنے اوپر بغیر حق کے حلال کرنے کے لئے میرے اس منبر پر جھوٹی قسم کھائی اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس کا نہ فرض قبول ہوگا نہ نفل، جس نے میرے اس شہر میں کوئی جرم کیا یا مجرم کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں ذکر کیا ہے، امام سیوطی نے ضیاء اور صنیع المزی کی طرف منسوب کی ہے، نسائی نے الکبریٰ میں روایت کیا ہے، الحافظ الہیثمی نے اس پر کوئی کلام نہیں فرمائی۔

میں مؤلف کہتا ہوں مذکورہ بالا تینوں احادیث اس کی موید ہیں۔

ابن بطال فرماتے ہیں حدیث پاک میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ میں جرم کرنے والے کے لئے جو وعید ہے وہ مدینہ طیبہ کے علاوہ کسی جگہ جرم کرنے والے کے لئے نہیں ہے۔ اگرچہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ جو مجرموں کو پناہ دیتا ہے وہ گناہ میں ان کے ساتھ شریک ہوتا ہے اور جو کسی قوم کے فعل و عمل سے خوشی ہے وہ ان کے ساتھ ملحق ہے لیکن مدینہ طیبہ کے شرف کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ وحی کے نزول کی جگہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرار گاہ ہے، اس سے دین آفاق عالم میں پھیلا، اس لئے باقی تمام شہروں پر اسے فضیلت حاصل ہے، حدیث شریف میں ہے "لا یقبل اللہ منہ یوم القیامۃ صرفاً و لا عدلاً" صرف اور عدل کے مفہوم کی تعیین میں علماء مفسرین کے دس سے زیادہ اقوال ہیں مگر جمہور فرماتے ہیں کہ صرف سے مراد فرض اور عدل سے مراد نفل ہے، تو معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس سے نہ فرض قبول کرے گا نہ نفل لیکن قبول سے مراد رضا کی قبولیت ہے، اگرچہ بطور جزاء کے قبولیت ہوگی جیسا کہ قاضی عیاض نے لکھا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں یہاں قبولیت سے مراد یہ ہے کہ ان کے ذریعے اس کے گناہوں کا کفارہ نہ ہوگا، کبھی اس کا معنی فدیہ ہوتا ہے یعنی مجرم قیامت کے دن کوئی ایسا فدیہ نہ پائے گا جو اپنی خلاصی کے لئے ادا کرے مگر دوسرے مجرم جن پر اللہ تعالیٰ فضل فرمانا چاہیں گے تو انہیں آگ سے خلاصی کے لئے یہودی اور نصرانی فدیہ ادا کرنے کے لئے عطا ہوگا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

وہ حدیث یہ ہے۔

۱۰۹- حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قیامت کا دن ہوگا اللہ عزوجل ہر مسلمان کی طرف ایک یہودی اور نصرانی کو بھیجیں گے اور ارشاد ہوگا یہ آگ سے تمہارا چھٹکارا ہے۔ (مسلم)

۱۱۰- مسلم شریف میں ایک روایت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے روز مسلمان پہاڑوں کی مثل گناہ لے کر آئیں گے، ان گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا اور وہ یہود و نصاریٰ پر ڈال دیئے جائیں گے۔

مدینہ طیبہ کی حرمت کے بیان کے بعد میں چاہتا ہوں کہ اس کے فضائل و احوال بیان کروں، اللہ تعالیٰ سے سعادت و خوشحالی کے ساتھ احسان کا سوالی ہوں اور یہ بھی سوال کرتا ہوں کہ بقیہ عمل میں بھی برکت عطا فرمائے، بے شک وہ سخی اور کریم ہے۔

مدینہ طیبہ کے اسماء

کسی ایسے شخص کا مجھے علم نہیں ہے جس کے نام مدینہ سے زیادہ ہوں۔ یہ اسماء کی زیادتی مدینہ طیبہ کے شرف اور فضل کی دلیل ہے، کیونکہ جب کوئی چیز عظیم ہوتی ہے تو اس کے اسماء کثیر ہوتے ہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ سے زیادہ اسماء والا کوئی شہر نہیں ہے، السناوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کے سو نام ہیں، میں (مصنف) کہتا ہوں اس سے بھی زیادہ اسماء ہیں۔

ابن حجر مکی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض متاخرین نے مدینہ طیبہ کے اسماء ہزار کے قریب ذکر کئے ہیں۔

میں یہاں چند ایسے اسماء کا ذکر کروں گا جن پر مجھے واقفیت ہے پھر بعض اسماء کے دلائل کو بھی ذکر کروں گا، جن کا ذکر نصوص صحیحہ اور محتملہ میں وارد ہے، تمام کو ذکر کرنے کی تو مجھے وسعت نہیں کیونکہ یہ کام انتہائی مشکل اور طویل ہے۔ بہت سے علماء نے مدینہ طیبہ کے اسماء ذکر کئے ہیں کئی علماء نے تھوڑے اور کئی علماء نے زیادہ ذکر کئے ہیں جن پر مجھے واقفیت ہے وہ یہ ہیں۔

اسماء	اسماء	اسماء
اثرب	ارض اللہ	ارض الہجرہ
اکالۃ البلدان	اکالۃ القری	الایمان
البارۃ	البرۃ	البحرہ
البحیرہ	بلد رسول اللہ ﷺ	البلد

البلاط	بیت الرسول ﷺ	تندد
تندر	الجابرۃ	جبار
الجبارہ	جزیرۃ العرب	الجنۃ
الحبرۃ	الحبیبۃ	الحرم
حرم رسول اللہ ﷺ	حسنۃ	الحصینۃ
الخیر	الخیرۃ	الخیرہ
الدار	دار الابرار	دار الاخیار
دار ارض	الہجرۃ	دار الایمان
دار السلام	دار السلامۃ	دار السنۃ
دار الفتح	دار المختار	دار الہجرۃ
الدرع الحصینۃ	ذات الحجر	ذات الحرار
ذات النخل	الرحمۃ	السلقۃ
سیدۃ البلدان	الشافیۃ	مبوأ الحلال والحرام
المبارکۃ	مبین الحلال والحرام	المجبورۃ
الجنۃ	المحبۃ	المجبۃ
المحبوبۃ	المحروسۃ	المحفوظۃ
المحفوفۃ	المختارۃ	مدخل صدق
المدینۃ المنورۃ	المدینۃ النبویہ	طابۃ
طائب	طبابا	طیبہ
طیبہ	طباب	العاصمۃ
العذراء	العروض	الغراء
مدینۃ الایمان	المدینۃ المشرفہ	المرزوقۃ
مسجد الاقصیٰ	المسکینۃ	المسلمۃ
المشکورۃ	النافیہ	النحر
نبلاء	الہذراء	یندد

غلبہ	الفاصمۃ	الفاضحۃ
القاصمۃ	قبۃ الاسلام	القدسیۃ
القریۃ	قریۃ الانصار	قریۃ رسول اللہ ﷺ
قلب الایمان	مضجع الرسول ﷺ	المطیبۃ
المقدسۃ	المقر	المکینۃ
المومنۃ	مہاجر الرسول ﷺ	الموطن
الموفیۃ	الناجیۃ	یثرب
یندر	المرحومۃ	

یہ کل سو سے زیادہ اسماء ہیں میرا خیال ہے کہ ان میں سے بعض ایک دوسرے میں داخل ہیں۔

المدینۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے تو بعد میں اس کا نام مدینہ رکھا پھر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر کا علم بن گیا۔

۱۱۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایسے شہر کی طرف ہجرت کا حکم دیا ہے جو شہروں کو کھا جائے گا لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ یہ مدینہ ہے، یہ برے لوگوں کو دور کرے گا جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے۔ متفق علیہ

الحافظ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں مدینہ اس شہر معروف کا نام ہے جس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور اس میں ہی مدفون ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ (منافقون:۸) وہ کہتے ہیں قسم بخدا اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹے) جب یہ مطلق بولا جائے تو فوراً ذہن اسی شہر کی طرف جاتا ہے اور جب کوئی دوسرا شہر مراد ہو تو قید ذکر کرنی ضروری ہے، یہ نجم اور ثریا کی طرح علم بن گیا ہے، اسکا پہلا نام یثرب تھا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ (الاحزاب:۱۳) (ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے اہل یثرب) یثرب مدینہ کی ایک جگہ کا نام تھا جس کی وجہ سے پورے شہر کو یثرب کہا جاتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے اس کا نام طیبہ اور طابہ رکھا جیسے کہ آگے بیان ہوگا۔ (فتح الباری)

مذکورہ بالا حدیث میں کئی اسماء اور اسماء مشتقہ موجود ہیں مثلاً ''آکلا القری''، ''یثرب''، ''المدینہ''، ''القریۃ'' آئندہ بھی کثیر تعداد میں ایسی احادیث ذکر ہوں گی جس میں لفظ مدینہ وارد ہے۔

تاکل القری کا مفہوم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گزر چکا ہے کہ ''اُمِرْتُ

بِقَرْيَةٍ تَا كُلُ الْقُرىٰ'' (مجھے ایسے شہر کا حکم دیا گیا ہے جو تمام شہروں کو کھا جائے گا) امرت کے لفظ کا مطلب یہ ہے کہ مجھے میرے رب نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا ہے اور اس میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا ہے، یعنی ہجرت سے پہلے حکم ہوا کہ تم مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر جاؤ یا مدینہ طیبہ میں ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔

(تاکل القری) (شہروں کو کھا جائے گا) امام نووی فرماتے ہیں علماء نے دو طرح سے اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔

(۱) مدینہ طیبہ ابتداء اسلام میں لشکر اسلام کا مرکز رہا ہے، اسی سے شہر فتح ہوئے، مال غنیمت اور قیدی اسی کی وجہ سے حاصل ہوئے۔

(۲) مدینہ طیبہ کی خوراک اور کھانا مفتوحہ شہروں کی طرف سے آتا تھا اور غنیمتیں اسی کی طرف لائی جاتی تھیں۔

الحافظ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں یہ غلبہ پانے سے کنایہ ہے، یعنی یہ تمام شہروں پر غالب آجائے گا، جیسے کھانے والا ماکول چیز پر غالب آتا ہے۔

ابن المنیر اور قاضی عبدالوہاب لکھتے ہیں کہ یہاں کھانے سے مراد اس کا دوسرے شہروں پر فضیلت کے اعتبار سے غلبہ ہے یعنی فضائل اس کے مقابلہ میں اتنے کمزور ہیں کہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔

ابن المنیر کہتے ہیں مکہ کو بھی ام القری کہا گیا ہے اور مدینہ کو ام القری کہنا زیادہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ امومیت اس وقت تک ختم نہیں جب تک وہ چیز پائی جائے جس کے لئے وہ ماں ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن الجوزی نے ایک تیسرا معنی بھی ذکر کیا ہے، یہ تمام شہروں کو ختم کرنے والا ہے کیونکہ اس کی طرف ہجرت کرنا واجب ہے گویا اس نے تمام شہروں کو کھایا۔

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں، تمام شہر اس سے فتح ہوئے مکہ مکرمہ مدینہ سے فتح ہوا اسی طرح مدینہ کا ارد گرد بھی مدینہ سے فتح ہوا۔

ابن حبان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ بطور تمثیل ذکر ہوا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام کی ابتداء مدینہ طیبہ سے ہوئی پھر تمام شہروں پر غالب آگیا اور تمام ملکوں پر چھا گیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ مدینہ تمام شہروں کو کھانے والا ہے۔

میں (مؤلف) کہتا ہوں جو علماء نے فرمایا ہے وہ سب درست ہے۔

طیبہ وطابہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا نام طیبہ اور طابہ رکھا پاکیزہ چیز سے اشتقاق کر کے یہ نام رکھا گیا ہے بعض علماء نے فرمایا اس کو طیبہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی مٹی پاک ہے بعض نے فرمایا اس لئے کہ اس

کے رہنے والے پاک ہیں بعض نے فرمایا اس میں پاکیزہ زندگی کی وجہ سے اسے طیبہ اور طابہ کہا جاتا ہے۔

۱۱۲- ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے .... جب ہم وادی القری میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مجھے جلدی ہے جو چاہے میرے ساتھ جلدی چلے اور جو چاہے ٹھہر جائے جب ہم مدینہ کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ طابہ ہے یہ احد پہاڑ ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

۱۱۳- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا نام طابہ رکھا۔ (ابن حبان، الطبرانی، احمد)

۱۱۴- حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا نام طابہ رکھا۔

اس روایت کو ابن شبہ نے تاریخ مدینہ میں ذکر کیا ہے، اس کی سند میں یحیٰی بن بسطام ہے ابو حاتم نے اسے صدوق لکھا ہے اور بخاری نے ضعیف مگر سابقہ حدیث اس کی موید ہے۔

طیبہ

یہ نام بھی احادیث میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔

۱۱۵- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کی طرف تشریف لے گئے تو کچھ لوگ واپس آ گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب دو حصوں میں بٹ گئے ایک گروہ کہتا کہ ہم ان سے جنگ کریں گے ایک گروہ کہتا ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے؟ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "فما لکم فی المنافقین فئتین واللہ ارکسھم بما کسبوا"۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ طیبہ ہے یہ خبیث لوگوں کو یوں دور کرے گا جیسے آگ چاندی کے میل کچیل کو دور کرتی ہے۔ متفق علیہ

بخاری کے الفاظ میں ہے کہ یہ گناہوں کو دور کرے گا اور ایک دوسری روایت میں الرجال کا لفظ ہے۔

۱۱۶- حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حساسۃ کے قصہ میں روایت کرتی ہیں۔ حدیث کے آخر میں دجال نے کہا میں تمہیں ایسی خبر دیتا ہوں میں مسیح ہوں عنقریب مجھے خروج کی اجازت دی جائے گی اور نکل کر زمین کی سیر کروں گا اور چالیس دنوں میں مکہ اور مدینہ کے سوا ہر بستی میں جاؤں گا۔ ان دونوں جگہوں میں جانا میرے لئے حرام قرار دیا گیا ہے جب بھی میں ان دونوں میں یا کسی ایک میں داخل ہونے کا ارادہ کروں گا تو فرشتہ تلوار سونت کر مجھے روکے گا، ہر

گھاٹی اور درہ پر فرشتے ہیں جو حفاظت کر رہے ہیں۔فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی منبر پر مار کر فرمایا یہ طیبہ ہے، یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے یعنی مدینہ منورہ۔(مسلم)

۱۱۷- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، لوگ مدینہ کو یثرب کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام طیبہ رکھا۔

اس حدیث کو ابو داؤد الطیالسی، احمد اور ابن شبہ نے صحیح رجال کے ساتھ مسلم کی شرط پر روایت کیا ہے۔

۱۱۸- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں اعرابی کا قصہ ہے جو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آیا تو اسے بخار ہو گیا، اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ طیبہ کو چھوڑنے کی اجازت طلب کی پھر بغیر اجازت کے ہی چلا گیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے چلے جانے کی خبر دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ طیبہ ہے یہ برے لوگوں کو اس طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کرتی ہے۔

اس حدیث کو ابو یعلی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس حدیث کی اصل بخاری و مسلم میں ہے سوائے ''انها طيبة'' کے الفاظ کے، یہ ابو یعلی نے ذکر کئے ہیں بخاری و مسلم کی حدیث کا ذکر آئندہ آئے گا۔

۱۱۹- حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا نام طیبہ رکھا۔

اس حدیث کو ابن شبہ نے اپنی تاریخ میں الطبرانی نے الکبیر میں ذکر کیا ہے اس کی سند میں بدیح مولی عبداللہ بن جعفر ہے جس کا ذکر بخاری اور ابن ابی حاتم نے کیا ہے مگر اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ابن حبان نے اسے ثقات میں لکھا ہے، سابقہ احادیث اس حدیث کی مؤید ہیں۔

منافقین مدینہ کو یثرب کہتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام طیبہ اور طابہ رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کا نام طابہ اور طیبہ رکھا

حقیقت میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کا نام طابہ اور طیبہ رکھا اور یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طیبہ رکھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اظہار فرمایا۔

۱۲۰- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۲۱- الطبرانی نے الکبیر میں مسلم کی سند کے ساتھ حضرت جابر بن سمرہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں مدینہ کا نام طیبہ رکھوں، ابو بکر بن ابی شیبہ کی روایت میں طابہ ہے۔طیبہ، طابہ یہ دونوں طیب سے مشتق ہیں جس کا مطلب عمدہ خوشبو

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ
(الحشر:۹)

''اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین کی امداد سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں۔''

بعض علماء فرماتے ہیں مدینہ کو ایمان اس لئے کہا گیا کیونکہ یہ ایمان کو ظاہر فرمانے والا تھا۔ اس کے علاوہ بھی علماء نے کئی وجوہ ذکر کی ہیں۔

البحرہ البحیرۃ

مدینہ طیبہ کو بحرہ اور بحیرہ بھی کہا جاتا ہے، جیسا کہ عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین کے قصہ میں وارد ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے مدینہ طیبہ تشریف لانے سے عبداللہ بن ابی بڑا لال پیلا ہوا کیونکہ اوس وخزرج قبائل مل کر اسے اپنا سربراہ بنانے والے تھے، لیکن جب اسلام کا آفتاب چمکا تو اس کی بادشاہی کا سارا قصہ ختم ہو گیا، اس لئے وہ بہت ناراض ہوا۔

۱۲۵- حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دراز گوش پر سوار تھے جس کے اوپر فدک کا کپڑا تھا اور آپ نے اسامہ بن زید کو اپنے پیچھے بٹھایا ہوا تھا اور آپ بنی حارث بن الخزرج میں سعد بن عبادہ کی عیادت کے لئے جارہے تھے یہ جنگ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ راوی فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس سے گزرے جس میں عبداللہ بن ابی بن سلول بھی تھا...... اس حدیث کے آخر میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم چل پڑے حتیٰ کہ سعد بن عبادہ کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد کیا تو نے سنا ہے کہ ابوحباب نے کیا کہا ہے، یعنی عبداللہ بن ابی نے اس سے ایسا ایسا کہا ہے۔ سعد بن عبادہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے معاف کیجئے اس سے درگزر کیجئے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں حق عطا فرمایا ہے جو تم پر نازل کیا ہے وہ بھی حق ہے اس بحیرہ (یعنی مدینہ) والے لوگ اس کے لئے تاج بنانے کا مشورہ کر چکے تھے، اس کو شاہی تاج پہنانے والے تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حق عطا فرما کر اس کو مسترد کر دیا ہے تو یہ جل بھن گیا ہے یہ سب کچھ جو آپ نے دیکھا ہے اس کی وجہ یہی ہے۔ (متفق علیہ)

یہ لفظ تصغیر کے ساتھ بحیرہ بھی ہے اور مراد مدینہ ہے۔ یہ حموی کی روایت میں ہے اور یاقوت نے نقل کیا ہے کہ یہ مدینہ طیبہ کے اسماء سے ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں لفظ البحرہ مکبر بھی ہے یہ بخاری کی روایت ہے جو کتاب الادب اور کتاب

الاستیذان میں ہے اور کتاب التفسیر اور کتاب المرضیٰ میں البحیر ہ تصغیر کے ساتھ ہے اور مسلم میں بھی تصغیر کے ساتھ ہے۔

لیکن قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہم نے مسلم کے علاوہ سے مکبر روایت کیا ہے دونوں کا معنی ایک ہی ہے، اس کی اصل قریہ ہے اور مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہے۔

الدرع الحصینہ : (مضبوط ذرہ)

مدینہ طیبہ کو الدرع الحصینہ بھی کہا جاتا تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے درع حصینہ کی تاویل مدینہ منورہ سے کی ہے، حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار ذوالفقار بدر کے دن اپنے لئے لے لی اور اس کے متعلق احد کے دن خواب دیکھا اور فرمایا میں نے خواب میں اپنی تلوار کند دیکھی ہے میں نے اس کی تاویل یہ کی کہ تم میں کچھ عزیمت کے آثار ہوں گے، میں نے دیکھا کہ میرے پیچھے ایک مینڈھا ہے، میں نے اس کی تاویل مدینہ سے کی ہے، میں نے ایک گائے دیکھی جو ذبح کی جارہی ہے اور اللہ تعالیٰ خیر ہے قسم بخدا گائے خیر ہے، گویا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام درع حصینہ رکھا اس حدیث کو امام احمد، بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، امام ترمذی نے روایت کی ہے اور اسے حسن کہا ہے۔ الطبرانی، حاکم نے بھی روایت کی ہے اور تصحیح کی ہے۔

۱۲۷- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مضبوط ذرہ میں ہوں اور میں نے ایک گائے دیکھی جسے ذبح کیا جارہا ہے، میں نے درع سے مراد مدینہ لیا ہے اور گائے سے مراد مسلمانوں کا گروہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بہتر ہے اس حدیث کو الدارمی، احمد، نسائی، ضیاء مقدسی اور الہیثمی نے مجمع الذوائد میں روایت کیا ہے اور لکھتے ہیں اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

قبۃ الاسلام

مدینہ طیبہ کو قبۃ الاسلام بھی کہا گیا ہے کیونکہ یہ نام بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

۱۲۸- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ اسلام کا قبہ ہے ایمان کا گھر، ہجرت کی زمین اور حلال وحرام کے اترنے کی جگہ ہے۔

یہ حدیث الطبرانی نے الاوسط میں حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

دار السلامہ (سلامتی کا گھر)، دار السنۃ (سنۃ کا گھر)، دار الہجرہ (ہجرت کا گھر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سقیفہ کے قصہ میں مدینہ طیبہ کو سلامتی کا گھر، سنت کا گھر اور ہجرت کا گھر کہا گیا ہے۔

۱۲۹- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اپنے اہل کی طرف لوٹے جبکہ وہ منی میں تھے۔اس آخری حج میں جس سال حضرت عمر نے بھی حج کیا تھا۔میری حضرت عمر سے ملاقات ہوئی میں نے حضرت عمر سے کہا اے امیرالمومنین موسم حج میں ضعیف العقل اور بیوقوف قسم کے لوگ بھی جمع ہوتے ہیں میں تمہیں اس معاملہ کو ڈھیل دینے کا مشورہ دیتا ہوں یہ معاملہ اس وقت لوگوں کے سامنے پیش کریں جب آپ مدینہ شریف پہنچ جائیں، کیونکہ وہ ہجرت کا گھر، سنت کا گھر اور سلامتی کا گھر ہے، وہاں آپ اہل فقہ، اہل الرائے اور معتبر شخصیات کو علیحدہ کر کے مسئلہ پیش کریں تو حضرت عمر نے فرمایا ان شاء اللہ مدینہ طیبہ میں میں پہلا کام یہی کروں گا۔ (بخاری)

ذات النخل (کھجوروں والا)

مدینہ طیبہ کو ذات النخل بھی کہا گیا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے۔

۱۳۰- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت ابوبکر صدیق کے جوار اور ہجرت کی ابتداء کے بارے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ارشاد فرمایا میں نے تمہاری ہجرت کی جگہ دیکھی ہے، میں نے کھجوروں والی زمین دیکھی ہے جو دو پتھریلے کناروں کے درمیان ہے۔ (بخاری)

۱۳۱- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے قصہ کی حدیث کے آخر میں ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے کھجوروں والی زمین دکھائی گئی ہے میں اس سے یثرب سمجھتا ہوں۔(مسلم)

ذات الحرار

پہلے گزر چکا ہے کہ وہ دو پہاڑوں اور دو پتھریلے کناروں کے درمیان ہے، اس لئے اسے ذات الحرار بھی کہا گیا ہے۔الشفاء بھی کہا گیا ہے، اس کی وضاحت مدینہ طیبہ کی مٹی اور پھل کے ذکر میں آئے گی مدینہ طیبہ کو دارالایمان، یعنی ایمان کا گھر بھی کہا گیا ہے، جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں تو فرشتے اسے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔

۱۳۲- حضرت عبداللہ بن سلام کی طویل حدیث میں ہے .... اس نے اس کے لئے مدینہ کو پسند فرمایا اور مدینہ کو دارالہجرۃ بنایا اسے دارالایمان بنایا قسم بخدا ہمیشہ سے مدینہ طیبہ کو فرشتے گھیرے ہوئے ہیں جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تلوار تمہاری طرف سے نیام میں ڈال دی گئی ہے۔جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے ہیں اس حدیث کو الطبرانی نے ثقہ رجال سے روایت کیا ہے۔

مدینہ طیبہ کو القریۃ اور قریۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر بھی کہا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَاكُلُ الْقُرىٰ'' (مجھے اس شہر کا حکم ملا ہے جو تمام شہروں کو کھا جائے گا)۔

قریۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کی دلیل یہ ہے۔

۱۳۳۔حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ جو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے، سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا، مجھ سے پہلے ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا، اس کی بائیں آنکھ کانی ہے، دائیں آنکھ کے اردگرد موٹا چمڑہ ہے اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان کافر لکھا ہوا ہے، اس طویل حدیث کے آخر میں ہے '' پھر وہ مدینہ طیبہ کی طرف آئے گا، اس میں داخل ہونے کی اسے اجازت نہ ہوگی وہ کہے گا یہ '' قَرْيَةُ ذَالِكَ الرَّجُلِ '' یعنی یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر مدینہ ہے پھر وہ شام میں آئے گا اور اللہ تعالیٰ اسے عقبہ افیق کے قریب ہلاک کر دے گا۔

اس حدیث کو احمد، الطبرانی نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور الطیالسی نے اپنی مسند میں اور ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے۔

المحفوظۃ : (یعنی حفاظت کیا گیا)

مدینہ طیبہ کو المحفوظہ اس لئے کہا گیا ہے کہ فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

باقی کچھ اسماء کا ذکر تو آئندہ احادیث میں آجائے گا اور تمام کی تشریح ہماری کتاب کی شرط نہیں ہے۔

تمام شہروں پر مدینہ طیبہ کی فضیلت

اس بات پر اجماع ہے کہ وہ جگہ جو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے مس ہے تمام جگہوں سے فضیلت رکھتی ہے حتیٰ کہ کعبہ شریفہ پر بھی فضیلت رکھتی ہے اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بقیہ تمام شہروں سے افضل ہیں لیکن علماء کا اختلاف اس بات پر ہے کہ مکہ افضل ہے یا مدینہ۔

حضرت عمر بن الخطاب حضرت عبداللہ بن عمر، امام مالک، اکثر مدنی علماء اور کئی تابعین اہل بغداد، اہل بصرہ اور ایک روایۃ کے مطابق امام احمد کے نزدیک مدینہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے، بعض شوافع کا بھی یہی قول ہے۔

جمہور علماء جن میں امام ابوحنیفہ امام الشافعی اور اصح روایت کے مطابق امام احمد اور بعض مالکیہ کے نزدیک مکہ مکرمہ مدینہ سے افضل ہے۔

بعض علماء کا یہ قول بہت عمدہ ہے کہ اختلاف کعبہ شریفہ کے علاوہ میں ہے، کیونکہ کعبہ مدینہ سے افضل ہے مگر جو جگہ اعضاء شریفہ سے متصل ہے وہ کعبہ سے افضل ہے اور اس پر اجماع ہے۔

میرا موضوع اب دونوں محترم شہروں کا موازنہ کرنا نہیں ہے، یہ دونوں ایک سر کی آنکھوں کی طرح ہیں، لیکن یہ بحث میں نے مدینہ طیبہ کی فضیلت کے بیان کے لئے خاص کی ہے۔ مدینہ اور مکہ میں موازنہ اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینا نہیں۔ ہر مذہب کے اپنے اپنے دلائل ہیں، میں اب اس نزاع و جھگڑے میں داخل ہونا نہیں چاہتا بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ دونوں ایک سر کی آنکھیں ہیں لیکن رہا محبت اور دل کا میلان تو اس کا انسان مالک نہیں، اس کی مزید بحث ان شاء اللہ آئندہ آئے گی۔

علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ جمہور علماء سے مشہور یہ ہے کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے مگر جو جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کے ساتھ ملی ہوتی ہے وہ ہر مکان سے افضل ہے علامہ ابن قیم نے مدینہ طیبہ کی مٹی کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب یہ فضیلت ان مٹیوں میں ہے تو اس مٹی کے متعلق تمہارا کیا گمان ہے جو تمام زمین سے زیادہ پاک اور زیادہ بابرکت ہے، یعنی مدینہ طیبہ کی مٹی۔

۱۳۴ - حضرت عمر کے غلام اسلم سے مروی ہے فرماتے ہیں انہوں نے عبداللہ عیاش المخزومی کی زیارت کی، ان کے پاس نبیذ دیکھی۔ وہ مکہ کے راستہ پر تھے۔ اسلم نے اسے کہا یہ شراب عمر بن خطاب کو بڑی پسند ہے، حضرت عبداللہ عیاش نے پیالہ اٹھایا اور عمر بن خطاب کے پاس لے آئے اور ان کے سامنے رکھ دیا، حضرت عمر نے پیالہ اپنے منہ کے قریب کیا پھر سر اٹھا کر فرمایا یہ بڑی عمدہ شراب ہے، آپ نے اس سے کچھ پیا پھر وہ اپنی دائیں جانب بیٹھے ہوئے شخص کو عطا فرما دیا جب عبداللہ واپس لوٹے تو حضرت عمر نے اسے بلایا اور فرمایا، کیا تم کہتے ہو کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے حضرت عبداللہ نے کہا، میں کہتا ہوں یہ اللہ کا حرم ہے اس نے اسے امن کا گہوارہ بنایا ہے، اس میں اس کا گھر ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا میں بیت اللہ یا حرم کے متعلق نہیں پوچھ رہا، پھر حضرت عمر نے کہا کیا تو کہتا ہے کہ مکہ مدینہ سے افضل ہے، حضرت عبداللہ نے کہا میں کہتا ہوں یہ اللہ کا حرم ہے اسے اللہ نے امن کا گہوارہ بنایا ہے، اس میں اس کا گھر ہے حضرت عمر نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے حرم اور اس کے گھر کے متعلق نہیں پوچھ رہا پھر وہ واپس چلے گئے۔

(موطا امام مالک)

الامام الباجی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد مدینہ طیبہ کی رہائش پسند فرمائی ہے، اگر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ طیبہ میں رہنا فرض کیا گیا تھا تو رہائش کے لئے افضل ترین جگہ ہی فرض کی گئی ہوگی اور اگر یہ رہائش فرض نہیں تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جگہ خود پسند فرمائی تھی، تو پھر بھی اپنے لئے اور فضلاء صحابہ کے لئے افضل جگہ کو ہی پسند فرمایا ہوگا۔

پھر لکھتے ہیں حضرت عبداللہ بن عیاش کا صرف یہ کہنا کہ یہ اللہ کا حرم ہے .... اس میں مکہ کی فضیلت جو ان کے نزدیک تھی اس کا اظہار ہے۔

محمد بن عیسیٰ فرماتے ہیں اگر عبداللہ بن عیاش مکہ کی فضیلت کا اقرار کرتے تو حضرت عمر انہیں سزا دیتے

یعنی انہوں نے مکہ کی افضلیت کی تصریح نہیں کی، انہوں نے صرف مکہ کی فضیلت کا اقرار کیا اور فضیلت میں تو کوئی اختلاف نہیں، اس لئے تو حضرت عمر نے فرمایا میں فضیلت کا تو انکار نہیں کرتا، میں تجھ سے یہ پوچھتا ہوں کہ کیا تیرے نزدیک مکہ مدینہ سے افضل ہے؟ حضرت عبداللہ بن عیاش نے پھر وہی پہلا قول دہرایا اور مزید کچھ نہ کہا جو حضرت عمر نے پوچھا تھا اس کا جواب ظاہر نہیں کیا اور واپس چلے گئے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر نے اس قول پر اس کے اقرار کو غلط نہ سمجھا جبکہ اس کے علاوہ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔

حضرت اسماء بن عبید سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حج کے زمانہ میں امام الشعبی سے پوچھا میں کوفہ آتا ہوں جہاں میرے اہل اور میری وادی ہے؟ کون سا شہر افضل ہے انہوں نے کہا کیا مدینہ نہیں ہے، میں نے کہا کیوں نہیں۔

اس حدیث کو عبدالرزاق نے دو صحیح سندوں سے روایت کیا ہے۔

امام شعبی متوفی (۱۰۱-۱۰۳) کا یہ کہنا کہ مدینہ افضل ہے اور حضرت اسماء بن عبید کا ثبوت اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ طیبہ کی افضلیت مشہور و معروف تھی ورنہ وہ سوال ہی نہ کرتے، پھر جب شعبی نے مدینہ کی افضلیت کو ثابت کیا تو عبداللہ نے بھی تصدیق کی۔

حجرہ مقدسہ کو کعبہ سمیت پورے مکہ پر افضلیت حاصل ہے کیونکہ مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کعبہ کی حرمت سے زیادہ ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ ہے اور انسان اسی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس مٹی سے اس کی تخلیق ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ مکان جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دونوں خلفاء مدفون ہیں یہ وہی مٹی ہے (جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کی تخلیق ہوئی ہے) پس وہ تمام جگہوں سے عظیم ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے احسن ترین اور افضل ترین جگہ کا چناؤ کیا ہوگا۔

اسی وجہ سے الامام الباجی، قاضی عیاض، ابن عساکر رحمہم اللہ نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدینہ طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کی ہجرت کے لئے منتخب فرمایا

جب کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تکلیف پہنچانے میں حد کر دی اور ہر قسم کی اذیتوں سے دوچار کر دیا یہاں تک کہ نہ کوئی شریف محفوظ تھا اور نہ کوئی ضعیف۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اذیت دینے لگے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ ہجرت حبشہ کی وجہ سے مشرکین کی اذیتوں سے تخفیف نہ ہوئی تھی بلکہ مزید اضافہ ہو گیا تھا پھر ہجرت مدینہ کا حکم ہوا۔

ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین شہروں میں سے کسی ایک شہر کی طرف ہجرت کرنے کا اختیار دیا تھا، جس کی طرف آپ ہجرت کریں وہی آپ کی ہجرت گاہ ہوگا۔

۱۳۵- حضرت جریر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری طرف

- وحی فرمائی کہ ان تینوں شہروں میں سے جس شہر میں تم نزول فرماؤ وہی تمہاری ہجرت کا گھر ہے، المدینہ منورہ، البحرین، قسرین۔

اس حدیث کو ترمذی، الحاکم، الطبرانی اور البیہقی نے روایت کیا ہے۔

امام بیہقی لکھتے ہیں اہل علم فرماتے ہیں پھر مدینہ طیبہ کا، خصوصی حکم فرمایا تو آپ نے اپنے اصحاب کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے خواب میں آپ کو اپنی ہجرت گاہ دکھائی کہ وہ کھجوروں والی جگہ ہے لیکن واضح بیان نہیں فرمایا کہ وہ کون سی جگہ ہے، آپ کا پہلا خیال اس طرف گیا کہ یہ مدینہ ہے یا یمامہ ہے یا ہجر ہے۔

۱۳۶- حضرت ابوموسیٰ الاشعری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب دیکھا کہ میں مکہ سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں، تو میرا پہلا گمان اس طرف ہوا کہ یہ یمامہ یا ہجر ہے، یہ تو مدینہ تھا جسے یثرب کہا جاتا ہے۔ متفق علیہ

مذکورہ بالا دونوں احادیث میں تعارض نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی حدیث میں خواب کا ذکر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا اور پہلی میں وحی کا ذکر ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پہلے آپ نے خواب دیکھا ہو پھر آپ کو اختیار دیا گیا ہو اور آپ نے مدینہ کو پسند فرمایا ہو۔

۱۳۷- حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہاری ہجرت کی جگہ دیکھی ہے وہ ایسی زمین ہے جو دو پتھریلے کناروں کے درمیان ہے، وہ یا تو ہجر ہے یا یثرب ہے۔

اس حدیث کو حاکم، الذہبی اور الطبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں ایک قریبی دلالت ہے کہ یہ مدینہ ہے کیونکہ یمامہ اور قسرین دو پتھریلے کناروں کے درمیان نہیں ہیں اور نہ ہی البحرین ایسی زمین ہے کیونکہ بحرین میں تو کوئی پہاڑی ہے ہی نہیں جس کا مشاہدہ آج بھی ہو رہا ہے واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے لئے مدینہ کو پسند فرمایا نہ بحرین کو نہ یمامہ کو نہ کسی اور شہر کو۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے تمہاری ہجرت گاہ دیکھی ہے جو کھجوروں والی زمین ہے اور دو پتھریلے کناروں کے درمیان ہے، حدیث

ابی ذر میں تھا مجھے کھجوروں والی زمین کی طرف متوجہ کیا گیا ہے میرا پختہ خیال ہے کہ وہ یثرب ہے۔ (مسلم)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہجرت کا حکم ہجرت گاہ کی تعیین کے بعد دیا گیا تھا حضرت ابوہریرہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ مجھے ایسے شہر کا حکم دیا گیا ہے جو تمام شہروں پر غالب آئے گا جسے لوگ یثرب کہتے ہیں۔ متفق علیہ

تو یہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ تھا جس نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہجرت گاہ مسکن اور مضجع کے طور پر مدینہ طیبہ کو پسند فرمایا، یہ اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ اسے حرمت، عظمت اور سعادت حاصل ہے۔ واللہ اعلم۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ﷺ کی آرام گاہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو منتخب فرمایا

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے لئے منتخب فرمایا اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی آرام گاہ کے لئے بھی مدینہ طیبہ کو پسند فرمایا وہ مٹی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیق ہوئی وہ مدینہ طیبہ کی تھی، یہ چیز مدینہ طیبہ کے بلند مرتبہ، رفیع منصب اور سعادت و کرامت کی دلیل ہے، آئندہ ان شاء اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ذیشان آئے گا کہ میری زندگی اور موت تمہارے ساتھ ہے، اس ارشاد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک عظیم معجزہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی خبر دے دی کہ میرا وصال مدینہ طیبہ میں ہوگا جو انصار کا مسکن ہے۔

۱۳۸- حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازہ کے پاس سے گزرے جو قبر کے قریب رکھا ہوا تھا، پوچھا یہ کس کی قبر ہے، صحابہ کرام نے عرض کی حضور! یہ فلاں حبشی کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا الہ الا اللّٰہ، لا الہ الا اللّٰہ" یہ اپنی زمین اور آسمان سے اس مٹی پر لایا گیا ہے، جس مٹی سے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔

اس حدیث کو حاکم اور الذہبی نے روایت کیا ہے، ذہبی نے لکھا ہے کہ اس کی اور بھی صحیح شواہد ہیں۔

۱۳۹- حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس سے گزرے جبکہ ہم قبر کھود رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کر رہے ہو، ہم نے عرض کی اس اسود کی قبر کھود رہے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی موت اسے اپنی مٹی کی طرف لے آئی ہے۔

ابوسامہ نے فرمایا اے اہل کوفہ تم جانتے ہو میں نے تمہیں یہ حدیث کیوں بتائی ہے؟ اس لئے کہ سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی سے تخلیق کئے گئے تھے۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے، اور اس کے اور بھی شواہد ہیں حضرت ابواسامہ نے اہل کوفہ کو یہ حدیث اس لئے بیان کی کہ ان کے اکثر لوگوں پر شیعیت غالب تھی۔

حضرت ابن سیرین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر میں قسم اٹھاؤں تو سچی یقینی اور بغیر کسی استثناء کے قسم

اٹھاؤں گا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک مٹی سے پیدا فرمایا اور پھر اس مٹی کی طرف لوٹا دیا۔

اس اثر کو حکیم الترمذی نے روایت کیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی زمین میں موت دینے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے لئے اس زمین میں کام پیدا فرما دیتے ہیں۔

۱۴۰-مطر بن عکامس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی زمین میں موت دینا چاہتے ہیں تو اس کے لئے اس زمین میں کوئی کام اور حاجت پیدا فرما دیتے ہیں۔

اس روایت کو ترمذی، احمد، حاکم، الطیالسی اور الذہبی نے روایت کیا ہے۔

۱۴۱- حضرت ابوعزہ یسار الہذلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کی کسی زمین میں روح قبض کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے اس زمین میں حاجت پیدا فرما دیتے ہیں اس حدیث کو احمد، ترمذی، حاکم اور ذہبی نے روایت کیا ہے، حاکم اور ترمذی نے اسے صحیح لکھا ہے۔

یہ حدیث بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہے مثلاً جندب بن سفیان، ابن مسعود، عروہ بن مضرس رضی اللہ عنہم۔

حکیم ترمذی نے حضرت ابن مسعود کی روایت پر تعلیقاً لکھا ہے کہ اس کی موت وہاں ہوتی ہے کیونکہ وہ اس مٹی سے پیدا کیا گیا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (طٰہٰ:۵۵) اس مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے، یعنی جہاں سے پیدا کیا اسی جگہ لوٹا دیا گیا۔

حضرت امام احمد کی روایت جو مطر بن عکامس سے ہیں اس میں ''حببت الیه'' کے الفاظ ہیں یعنی وہ زمین اسے محبوب کردی جاتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مدینہ طیبہ کے محبوب بنانے کے متعلق آئندہ آئے گی، عرض کی اے اللہ مدینہ طیبہ ہمیں محبوب بنادے جیسے ہمیں مکہ محبوب ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے۔

اللہ تعالیٰ کسی نبی کی روح کو قبض نہیں فرمایا مگر اس جگہ جہاں وہ دفن ہونا پسند فرماتا ہے۔

۱۴۲-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کرنے کے متعلق اختلاف ہو گیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کسی نبی

کی روح قبض نہیں کی جاتی مگر اس کی محبوب ترین جگہ میں۔ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں دفن کرو جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا ہے۔ (یہ الفاظ ابو یعلی کے ہیں)۔

ترمذی کے الفاظ کا ترجمہ یوں ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنا ہے وہ بھولا نہیں فرمایا کسی نبی کی اللہ تعالیٰ روح قبض نہیں فرماتے مگر اس جگہ جو اسے دفن کیلئے پسند ہوتی ہے، اس لئے آپ کو اپنی آرام گاہ میں ہی دفن کر دو۔

اس حدیث کو ترمذی نے اور النسائی نے الکبریٰ میں اور البیہقی نے دلائل میں سالم بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا، لوگوں نے پوچھا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا۔ صدیق اکبر نے فرمایا ہاں پھر لوگوں نے پوچھا کہاں؟ فرمایا اس جگہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نبی کی روح قبض نہیں فرمایا مگر پاکیزہ مکان میں۔ پس صحابہ کرام نے جان لیا کہ آپ نے سچ کہا ہے۔ (اس کی سند صحیح ہے)۔

۱۴۴- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتے ہیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی تو صحابہ کرام کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن کے بارے اختلاف ہو گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی زمین کا ٹکڑا اس زمین سے معزز نہیں ہوتا جس میں وہ اپنے نبی کی روح قبض فرماتا ہے۔

اس حدیث کو ابن الجوزی نے الوفاء میں اور السیوطی نے خصائص میں ابو یعلی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یا مہاجرین میں سے کسی کی موت مکہ میں آئے حتیٰ کہ ہجرت کا حکم ہو گیا، تمام مدینہ طیبہ میں مہاجر ہو کر مرنا پسند کرتے تھے۔

۱۴۵- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوتے تو یوں مانگتے، "اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ مَنَايَانَا بِهَا حَتّٰى تُخْرِجَنَا مِنْهَا" اے اللہ ہمیں مکہ میں موت نہ دینا یہاں تک ہمیں یہاں سے نکال دے۔

اس حدیث کو احمد، بزاز نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی موت پر برانگیختہ کیا ہے۔

تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آئے گی مگر یہاں صرف دو روایات ذکر کرتا ہوں۔

۱۴۶- حضرت یحییٰ بن سعید سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور مدینہ طیبہ کے قبرستان میں قبر کھودی جارہی تھی ایک آدمی نے قبر میں جھانک کر کہا یہ مومن کی بری جگہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے غلط کہا ہے اس شخص نے عرض کی حضور! میرا یہ ارادہ نہیں تھا میں نے تو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہید ہونا مراد لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے راستے

میں شہید ہونا بھی اس کی مثل نہیں ہے، مدینہ طیبہ سے زیادہ زمین کا کوئی ایسا ٹکڑا نہیں ہے جو مجھے محبوب ہو کہ اس میں میری قبر ہو۔ یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

۱۴۷-حضرت حفصہ بنت عمر اور اسلم مولی عمر سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت عمر یہ دعا مانگتے تھے ''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَةً فِیْ سَبِیْلِکَ وَ اجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ'' اے اللہ مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما اور مجھے اپنے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت عطا فرما۔

اسی عنوان کے تحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ذیشان جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں رہتے ہوئے انصار کو فرمایا قابل ملاحظہ ہے۔ ''اَلْمَحْیَا مَحْیَا کُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُکُمْ'' (یعنی میری زندگی تمہاری زندگی کے ساتھ ہے اور میری موت تمہاری موت کے ساتھ ہے) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال وہاں ہوگا جہاں انصار کی وفات ہوگی، یعنی مدینہ میں، جیسا کہ آپ زندگی وہاں گزاریں گے جہاں انصار گزار رہے ہیں، اس نعمت پر انصار بہت شاداں وفرحان رہتے تھے۔

اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار کو حنین کے روز فرمایا، تم اس پر خوش نہیں ہو کہ لوگ مال غنیمت گھروں میں لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھروں میں لے کر جاؤ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ سے انتہائی محبت و پیار تھا، جس کی وضاحت آئندہ آئے گی۔

ایمان مدینہ طیبہ میں داخل ہو جائے گا

مدینہ طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ عزت واکرام بخشا ہے کہ ایمان اس میں پھیلا اور اس کے ذریعے تمام زمین پر پھیلا، پھر آخر میں اسی شہر کی طرف لوٹ آئے گا، جب بھی ایمان لوگوں کے دلوں میں کمزور ہوگا مدینہ طیبہ کی طرف لوٹ آئے گا تا کہ نئی زندگی اور تازگی حاصل کرے۔ حتیٰ کہ یہ اسلام کے شہروں میں سے آخری شہر ہوگا، ایمان کا معاملہ سانپ جیسا ہوگا کہ کبھی اسے کوئی حادثہ لاحق ہوتا ہے تو وہ اپنی بل کی طرف لوٹ آتا ہے تا کہ آرام وسکون حاصل کرے پھر نکلتا ہے جبکہ اس کی زندگی اور نشاط تازہ ہو چکی ہوتی ہے اس چیز کا مشاہدہ آج بھی ہو رہا ہے، ایمان کی بقاء مدینہ طیبہ میں ہے کیونکہ یہی مقدس شہر اس کا مستقر، ملجا اور پناہ گاہ ہے، سانپ کے لئے بل ہوتی ہے، جب چاہتا ہے اپنی بل میں گھس جاتا ہے۔

۱۴۸-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اِنَّ الْاِیْمَانَ لَیَارِزُ اِلَی الْمَدِیْنَةِ کَمَا تَارِزُ الْحَیَّةُ اِلٰی جحرھا'' (بخاری مسلم) ایمان مدینہ طیبہ میں یوں سمٹ کر داخل ہوگا جیسے سانپ سمٹ کر اپنی بل میں داخل ہوتا ہے۔

۱۴۹-حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان مدینہ طیبہ میں یوں سمٹ جائے گا جیسے سانپ اپنی بل میں سمٹ کر چلا جاتا ہے، اس حدیث کو البز ار

اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

۱۵۰- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَدَءَ الْإِسْلَامُ غَرِيْبًا وَ سَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبَىٰ يَوْمَئِذٍ لِلْغُرَبَاءِ وَالَّذِىْ نَفْسُ اَبِىْ الْقَاسِمِ بِيَدِهَا اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَارِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا

''اسلام ابتداء میں اجنبی تھا اور عنقریب اجنبی ہو جائے گا جیسے ابتداء میں اجنبی تھا، مبارک ہو اس دن اجنبیوں کے لئے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابوالقاسم (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے ایمان مدینہ میں یوں سمٹ جائے گا جیسے سانپ بل میں سمٹ کر داخل ہو جاتا ہے۔''

اس حدیث کو الدورقی نے مسند سعد میں ابن مندہ نے الایمان میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اسی سند کے ساتھ دوسرے الفاظ میں آگے آئے گی۔

یہ بھی وارد ہے کہ ایمان دو مسجدوں میں سمٹ جائے گا یعنی مکہ اور مدینہ میں، اور اس میں شک نہیں کہ مدینہ طیبہ اس حدیث میں داخل ہے۔

۱۵۱- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام ابتداء میں اجنبی تھا اور عنقریب اجنبی ہو جائے گا جیسے ابتداء میں اجنبی تھا دو مسجدوں میں چلا جائے گا جیسے سانپ اپنی بل میں چلا جاتا ہے۔

اس روایت کو مسلم نے ذکر کیا ہے۔

۱۵۲- حضرت ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ایمان ابتداء میں اجنبی تھا پھر پہلے کی طرح اجنبی ہو جائے گا ان اجنبیوں کو خوشخبری ہو جب لوگ بدعقیدہ ہو جائیں گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابوالقاسم کی جان ہے ایمان ان دو مسجدوں میں داخل ہو جائے گا جیسے سانپ اپنی بل میں سمٹ کر داخل ہو جاتا ہے۔

اس حدیث کو احمد، البزاز اور ابویعلی نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ان نصوص کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ ایمان جیسے مکہ اور مدینہ میں ابتداء اجنبی تھا پھر حجاز میں پھیل گیا، تو آخر زمانہ میں بھی ایمان حجاز میں سمٹ جائے گا، اس کے بعد ان دو شہروں میں بند ہو جائے گا پھر کعبہ کے خراب ہونے کے بعد صرف مدینہ میں رہ جائے گا، کیونکہ یہ اسلام کے شہروں میں سے آخری خراب ہونے والا شہر ہو گا اور اس میں مزینہ کے دو چرواہے غش کھا کر مریں گے سب سے پہلے ان دو پر قیامت کے روز غشی طاری ہو گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد ''اِن الایمان لیأرِزُ الی المدینہ''

دو معانی کا احتمال رکھتا ہے۔

(۱) ایمان مدینہ میں سمٹ جائے گا تا کہ نئی زندگی حاصل کرے، اس کی نشاط اور قوت واپس آجائے گی اور ایمان والا قوی اور طاقتور ہو جائے، یہ اس وقت ہوگا جب صاحب ایمان کا ایمان کمزور ہو جائے گا، اور یہ حقیقت ہے کہ ایمان صاحب ایمان کے دل میں کمزور اور پرانا ہو جاتا ہے، وہ تجدید کا محتاج ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمرو اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے اور یہ حکم خاص نہیں بلکہ عام ہے۔

۱۵۳- حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان تم میں کسی ایک دل میں پرانا ہو جاتا ہے جیسے کپڑا پرانا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ سے اپنے دلوں میں ایمان کی تجدید کا سوال کرو (متن ملاحظہ ہو)۔

''اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَخْلُقُ فِيْ جَوْفِ اَحَدِ كُمْ كَمَا يَخْلُقُ الثَّوْبُ الْخَلِقُ فَاسْئَلُوْا اللّٰهَ اَنْ يُجَدِّدَ اِيْمَانَ فِيْ قُلُوبِكُمْ''

اس حدیث کو الحاکم اور الطبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں ذہبی نے بھی ثقہ کہا ہے، العراقی اور الہیثمی نے اسے حسن کہا ہے۔

۱۵۴- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے ایمان کی تجدید کرو عرض کی گئی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایمان کی تجدید کیسے ہوگی فرمایا کثرت سے ''لا الہ الا اللہ'' کا ذکر کیا کرو۔

اس حدیث کو امام احمد اور الحاکم نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے السیوطی نے بھی صحیح کہا ہے الہیثمی نے اس کی سند کو جید لکھا ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔

مدینہ طیبہ ایمان کی بل اس کا مستقر اور پناہ گاہ ہے جب بھی کمزور ہوگا یا تھک جائے گا تو مدینہ طیبہ میں اس کی تجدید ہوگی جس طرح سانپ کی چستی اور نشاط بل میں تازہ ہو جاتی ہے۔ فِيْ جُحْرِهَا اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا مفہوم یہ کہ ایمان جس طرح ابتداء میں چند لوگوں میں تھا پھر پھیل گیا اسی طرح فتنوں کے ظہور کے وقت یہ تمام زمین سے سمٹ کر مدینہ طیبہ میں آجائیگا جس طرح پہلے تھا سابقہ روایات اس مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔

پھر اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایمان کا مدینہ میں آنا یہ خاص زمانہ میں ہے الداودی رحمہ اللہ کا یہی جزم ہے، کہ وہ خاص زمانہ فضیلت والی صدیوں کا زمانہ ہے، وہ فرماتے ہیں اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا زمانہ ہے اور وہ صدی جوان سے متصل ہے اور وہ صدی جو ان سے متصل ہے۔

لیکن اکثر علماء کا خیال ہے کہ یہ عام ہے تمام زمانوں کو شامل ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''هُوَ يَا رِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ'' اس کا مطلب یہ کہ ایمان اول وآخر اس صفت میں ہوگا کیونکہ اسلام کے ابتدائی دور میں جس کا ایمان خالص تھا اور اسلام صحیح تھا وہ مدینہ طیبہ پہنچا، یا مہاجر ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق دیدار میں، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرنے کے لئے یا آپ کے ذریعے قرب الٰہی کے لئے پھر اس کے بعد خلفاء راشدین کے زمانہ میں اس طرح ہوا، ایمان والے ان سے سیرت سیکھنے کے لئے یا جمہور صحابہ کی اقتداء کرنے کیلئے آتے تھے، پھر ان کے بعد علماء کے پاس آتے جو وقت کے آفتاب اور ہدایت کے امام تھے، ان سے سنن سیکھنے کے لئے آتے تھے ہر ثابت الایمان منشرح الصدر مدینہ کی طرف رخت سفر باندھتا تھا۔ پھر اس کے بعد ہمارے وقت تک یہ سلسلہ رہا ہے۔ (قاضی کا کلام ختم ہوا)۔

الحافظ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے ہر مومن کا نفس مدینہ طیبہ کی طرف راغب ہوتا ہے۔ پس یہ حکم تمام زمانوں کو شامل ہے پھر انہوں نے قاضی کی کلام کا خلاصہ ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں الفاظ میں تغایر معنیٰ میں تغایر پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ (فی) کا لفظ استقرار اور انجماع پر دلالت کرتا ہے اور لفظ ''الی'' صرف لوٹنے پر دلالت کرتا ہے۔

ابن حبان نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث پر عنوان باندھا ہے ''**بَابُ شَهَادَةِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْاِيْمَانِ لِمَنْ سَكَنَ الْمَدِيْنَةَ**''۔

مدینہ کو محبوب بنانے کے لئے نبی علیہ السلام ﷺ کا دعا کرنا اور محبت کا ہو جانا

مدینہ مقدسہ کی فضیلت پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ مدینہ طیبہ کو لوگوں کے نزدیک مکہ سے بھی زیادہ محبوب بنادے یا مکہ کی طرح اسے محبوب بنادے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے انتہائی محبت و پیار فرماتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ محبت کثرت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و احوال میں ظاہر ہوتی تھی۔

۱۵۵- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو حضرت ابوبکر اور حضرت بلال کو بخار ہو گیا فرماتی ہیں میں ان دونوں کے پاس آئی پوچھا ابا جان کیا حال ہے، اے بلال تمہارا کیا حال ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب حضرت سیدنا ابوبکر کو بخار ہوتا تو آپ یہ شعر پڑھتے ہر آدمی اپنے اہل وعیال میں خوشی سے صبح کرتا ہے حالانکہ موت جوتی کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

اور جب حضرت بلال ری اللہ عنہ کا بخار اترتا تو آپ بلند آواز سے یہ شعر پڑھتے اے کاش کہ میں

رات گزارتا وادی اور میرے ارد گرد اذخر اور جلیل گھاس ہوتی اور کیا میں کبھی مجنہ کے گھاٹوں پر وارد ہوں گا، کبھی مجھ پر شامہ اور طفیل ظاہر ہوں گے۔ پھر فرمایا اے اللہ شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، امیہ بن خلف پر لعنت فرما جیسے انہوں نے ہمیں اپنی زمین سے اس وبائی زمین کی طرف نکال دیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی ان کی کیفیت بتائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ و صَحِّحْهَا لَنَا وَ بَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَ مُدِّهَا وَ انْقُلْ حُمَّاهَا فَا جْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ

"اے اللہ مدینہ ہمیں محبوب بنا دے جیسے مکہ ہمیں محبوب ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، اس کو ہمارے لئے صحیح کر دے، ہمارے لئے اس کے صاع اور مد میں برکت دے اور اس کا بخار دور فرما اور یہ بخار جحفہ میں ڈال دے۔

اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور مسلم نے مختصراً نقل کی ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضرت بلال کے پاس جانا حجاب حکم سے پہلے تھا جیسا کہ دوسری حدیث میں وضاحت ہے اور یہ ہجرت کی ابتداء کا واقع ہے جیسا کہ یہاں بھی وضاحت ہے۔

بخار کو جحفہ کی طرف نقل کرنے کی دعا اس لئے فرمائی کہ وہاں یہودی رہتے تھے جیسا کہ ابن حبان وغیرہ نے بیان کیا ہے وہ وباء اب بھی جحفہ میں باقی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۶ - حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا پھر سقیا کے گھروں کے پاس سعد کی زمین میں پتھروں پر نماز پڑھی پھر یہ دعا مانگی اے اللہ حضرت ابراہیم تیرا خلیل، تیرا عبد اور تیرا نبی اس نے اہل مکہ کے لئے دعا کی میں محمد تیرا بندہ تیرا نبی اور تیرا رسول تجھ سے اہل مدینہ کے لئے اسی کی مثل دعا کرتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لئے کی تھی، میں تجھ سے مانگتا ہوں کہ تو ان کے لئے ان کے صاع اور مد میں برکت دے، ان کے پھلوں میں برکت دے اے اللہ مدینہ طیبہ کو ہمارے لئے محبوب بنا دے جیسا مکہ کو تو نے ہمارے لئے محبوب بنایا ہے اور اس کی وباء کو خم کے چشمہ میں ڈال دے، اے اللہ میں دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کو حرم بناتا ہوں جیسے تو نے مکہ کو حضرت ابراہیم کی زبان پر حرم بنایا۔

اس حدیث کو احمد، الجندی، الرویانی اور سعید بن منصور نے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں رائی برابر شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور مدینہ طیبہ کو محبوب بنا دیا، جس محبت کا اظہار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی افعال میں ہوتا تھا۔

آپ ﷺ کا مدینہ طیبہ کی طرف جلدی آنا

مدینہ طیبہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کا ایک مظاہرہ یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر ہوتے پھر واپس آتے تو مدینہ طیبہ کی طرف جلدی فرماتے۔

حضرت ابو حمید الساعدی کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ ''اَنِّی مُسْرِعٌ''، یعنی میں جلدی جا رہا ہوں۔

۱۵۷- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس آتے اور آپ کی نظر مدینہ کے درودیوار پر پڑتی تو اپنی سواری کو تیز کرتے اور اگر سواری پر ہوتے تو اسے تیز چلنے کے لئے حرکت دیتے پر یہ سب کچھ مدینہ طیبہ کی محبت کی وجہ سے تھا اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور جب مدینہ طیبہ کی دیواریں آپ کو نظر آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز چل پڑتے خواہ اونٹنی پر ہوتے یا کسی اور سواری پر، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیز چلنا مدینہ کی فضیلت اور مدینہ طیبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گہری محبت کی دلیل ہے۔

۱۵۸- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے معلوم تھا کہ مکہ مکرمہ اللہ کے نزدیک محبوب ترین شہر ہے اگر میری قوم مجھے وہاں سے نہ نکالتی تو میں نہ نکلتا، اے اللہ ہمارے دلوں میں مدینہ طیبہ کی محبت ویسی ہی پیدا فرما دے جیسی تو نے مکہ کی محبت ہمارے دلوں میں ڈالی تھی۔

جب کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کو دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارکہ پر فرحت و مسکراہٹ ظاہر ہوتی۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر میں نقل کیا ہے، اس کی سند میں میمون بن زید ہے اسے ابن حبان نے ثقہ شمار کیا ہے اور ابو حاتم نے لین ذکر کیا ہے، اس کی سند میں دوسرا راوی وہب بن یحیٰی ہے، اس کی تعریف و تنقیح مجھے نہیں ملی لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انس کی احادیث اس کی شاہد ہیں، پس یہ حسن لغیرہ ہوئی۔

یہ مشاہدہ ہے کہ مومن دل مدینہ طیبہ کے لئے مشتاق و راغب رہتے ہیں اور فراق و ہجر کی وجہ سے پھٹنا چاہتے ہیں، جیسا کہ مکہ کے لئے تڑپتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے سوال ہے کہ اپنے کرم و احسان کے طفیل ہمیں مدینہ طیبہ کی زندگی سے محروم نہ فرمائے۔

مدینہ طیبہ شرک سے پاک ہے اور شیطان مایوس ہے کہ اس میں اس کی عبادت کی جائے گی

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو ایمان کی قرارگاہ اور پناہ گاہ بنایا ہے تو اسلام تا قیام قیامت باقی رہے گا، اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اسلام کے شہروں میں سے آخری خراب ہونے والا شہر مدینہ ہوگا، اس لئے شیطان مایوس و ناامید ہے کہ اب دوبارہ کبھی اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی جبکہ اللہ نے اس کو پاکیزہ کر دیا ہے یہ اسلام کا قلعہ، ایمان کی پناہ گاہ اور منبع نور وہدایت ہے۔

۱۵۹- حضرت ابن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ طیبہ سے نکلا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف مڑ کر دیکھا اور فرمایا

إِنَّ اللّٰهَ قَدْبَرَ اَهَذِهِ الْجَزِيْرَةَ مِنَ الشِّرْكِ

بے شک اللہ تعالیٰ نے اس جزیرہ کو شرک سے پاک کر دیا ہے۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں۔

قَدْ طَهَّرَ اللّٰهُ هَذِهِ الْقَرْيَةَ مِنَ الشِّرْكِ اِنْ لَمْ تُضِلَّهُمُ النُّجُوْمُ

''اللہ تعالیٰ نے اس شہر کے لوگوں کو شرک سے پاکیزہ کر دیا ہے اگر انہیں ستاروں نے گمراہ نہ کر دیا۔''

اس حدیث کو ابو یعلی، البزاز، الطبرانی اور الطبری نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ابو یعلی کے رجال ثقہ ہیں۔

۱۶۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْاَيِسَ اَنْ يُعْبَدَ بِاَرْضِكُمْ هَذِهِ وَلٰكِنْ رَضِيَ مِنْكُمْ بِالْمُحَقَّرَاتِ

بے شک شیطان تمہاری اس زمین میں اپنی عبادت سے مایوس ہو گیا ہے مگر تمہارے چھوٹے گناہوں سے خوش ہے۔

اس حدیث کو احمد، البزار نے صحیح کے رجال سے روایت کیا ہے۔

۱۶۱- حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک شیاطین میرے اس شہر میں اپنی عبادت سے مایوس ہو چکے ہیں۔ یعنی مدینہ سے اور جزیرہ عرب سے لیکن ان کو آپس میں لڑانا ان کیلئے ممکن ہوگا۔

اس حدیث کو البزار نے روایت کیا ہے اس کی شواہد سابقہ احادیث ہیں، پس یہ حدیث حسن ہے جزیرہ عرب سے شیطان کے مایوس ہونے والی حدیث کئی صحابہ سے مروی ہے مثلاً حضرت جریر، ابوالدرداء

اور عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم، ان کی اسانید حسن ہیں۔

نبی کریم ﷺ کا مدینہ طیبہ کیلئے دعا کرنا جیسی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کیلئے دعا کی تھی

۱۶۱- اس مقدس معطر شہر مدینہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ایک عزت عطا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اس کے پھلوں میں برکت عطا فرمائی ہے مدینہ طیبہ کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دعائیں فرمائی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ تھی، جیسی دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے مانگی ہے میں بھی مدینہ کے لئے ایسی دعا مانگتا ہوں۔

۱۶۲- حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اس کیلئے دعا کی، میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں اس کے مد، صاع کیلئے اسی طرح دعا کرتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے کی تھی۔ متفق علیہ

حضرت ابوقتادہ کی مروی گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا سقیا کے گھروں کے قریب پتھریلے ٹیلے پر حضرت سعد کی زمین میں نماز پڑھی پھر یوں دعا فرمائی۔

اے اللہ حضرت ابراہیم تیرا خلیل، تیرا عبد مکرم، تیرا نبی محتشم اس نے تجھ سے اہل مکہ کے لئے دعا کی، میں محمد تیرا بندہ، تیرا نبی تیرا رسول، میں تجھ سے اہل مدینہ کے لئے ویسی دعا مانگتا ہوں جیسی حضرت ابراہیم نے اہل مکہ کے لئے مانگی تھی، ہم تجھ سے دعا کرتے ہیں کہ تو ان کے صاع، مد اور پھلوں میں برکت دے، اے اللہ مدینہ ہمارے لئے محبوب بنا دے جیسے تو نے مکہ کو ہمارے لئے محبوب بنایا اور اس کی وباء کو خم کے کنویں میں ڈال دے، اے اللہ میں دونوں پتھریلے کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں جیسے تو نے مکہ کو حضرت ابراہیم کی زبان پر حرم بنایا۔

اس حدیث کو احمد، الجندی، سعید بن منصور اور الرویانی نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

۱۶۳- سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ان کا گھوڑا عقیق میں چلنے سے عاجز آ گیا جبکہ وہ اس لشکر میں تھے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا تھا تو وہ سواری لینے کے لئے لوٹ آئے، سفیان کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ اونٹ کی تلاش کے لئے نکلے تو اونٹ ابوجہم بن حذیفہ العدوی کے پاس پایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سودا کیا لیکن ابوجہم نے کہا حضور صلی

اللہ علیہ وسلم! میں آپ کو یہ ہرگز فروخت نہیں کروں گا، آپ یہ لے لیں، جسے چاہیں سوار فرما دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ اونٹ لے لیا پھر آپ نکل پڑے حتیٰ کہ بئر اھاب پر پہنچ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریب ہے کہ عمارات یہاں تک پہنچ جائیں قریب ہے شام فتح ہو اس شہر کے لوگ آئیں۔ انہیں اس شہر کی شادابی اور خوشحالی پسند آئے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ حقیقت سمجھ لیں پھر عراق فتح ہوگا، ایک قوم اپنے اونٹوں کو ہانکتے ہوئے اور اپنے اہل اور اپنے فرمانبرداروں کو ساتھ لئے چل پڑیں گے حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے اگر یہ حقیقت سمجھ لیں۔

بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لئے دعا فرمائی، میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت دے، ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت دے جیسی اس نے اہل مکہ کے لئے برکت دی۔

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے، اس کی اصل بخاری مسلم میں ہے اس کا بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لئے جو دعا فرمائی اس کا ذکر قرآن کریم میں دو مقامات پر ہے۔

(۱) وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ﴿۱۲۶﴾ (بقرہ:۱۲۶)

''یاد کرو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس شہر والوں کو پھل عطا فرما۔''

(۲) وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴿۳۶﴾ رَبَّنَاۤ اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْىٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ﴿۳۷﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَ مَا نُعْلِنُ وَ مَا یَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ﴿۳۸﴾ (ابراہیم:۳۵۔۳۸)

''اور (اے حبیب) یاد کرو جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب بنا دے اس شہر کو امن

والا اور بچا مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی۔ اے میرے پروردگار ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ پس جو میرے پیچھے چلا تو وہ میرا ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس کا معاملہ تیرے سپرد ہے) بے شک تو غفور رحیم ہے۔ اے ہمارے رب! میں نے بسا دیا ہے اپنی کچھ اولاد کو اس وادی میں جس میں کوئی کھیتی باڑی نہیں تیرے حرمت والے گھر کے پڑوس میں۔ اے ہمارے رب یہ اس لئے تا کہ وہ قائم کریں نماز۔ پس کر دے لوگوں کے دلوں کو کہ وہ شوق و محبت سے ان کی طرف مائل ہوں اور انہیں رزق دے پھلوں سے تا کہ وہ تیرا شکر ادا کریں۔"

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا چار امور میں منحصر ہے۔

(۱) مکہ کو امن کی جگہ بنا، یہ خصوصیت مدینہ طیبہ کو بھی حاصل ہے اس کا بیان گزر چکا ہے الحمد للہ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

(۲) پھلوں سے اہل مکہ کو رزق عطا کرنا، یہ عظمت و فضیلت مدینہ طیبہ کے لئے بھی ہے کیونکہ ایک تو ان کے لئے بھی حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکیال، صاع اور مد میں برکت کی خبر دی دوسرا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے بھی پھلوں سے رزق ملنے کی دعا کی ہے، اس کی وضاحت ان شاء اللہ آئندہ ہوگی۔

(۳) لوگوں کے دل اہل مکہ کی طرف راغب اور میل ہوں، یہ شرف بھی اہل مدینہ کو حاصل ہے، اس کی وضاحت بھی آئندہ آئے گی۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی کہ انہیں اور ان کی اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچانا، اگرچہ آپ کی یہ دعا عام ہے مگر اہل مدینہ بھی تو اس میں شامل ہیں، پہلے ایسی احادیث گزر چکی ہیں جن میں یہ ذکر تھا کہ شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ مدینہ میں اس کی عبادت کی جائے گی، مدینہ طیبہ ایمان کا مستقر اور پناہ گاہ ہے۔

مدینہ طیبہ میں رزق کی فراوانی کے لئے دعا

کثرت سے ایسی احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاع، مد، ثمر اور مکیال میں برکت کی دعا کا ذکر ہے، بعض تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں مثلاً حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں یہ دعا ہے۔

اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، اے اللہ ہمارے مد میں برکت عطا فرما۔

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تھا اے اللہ ان کے لئے ان کے مسعر اور صاع میں

برکت عطافرما۔ (مسلم)

۱۶۴- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتی ہیں۔ہم مدینہ پہنچے جبکہ وہ وبائی تھا۔حضرت ابوبکر اور حضرت بلال بیمار ہو گئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی تکلیف دیکھی تو یوں دعا کی۔ اے اللہ ہمارے لئے مدینہ محبوب بنادے جیسے تونے مکہ ہمارے لئے محبوب بنایا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے اور مدینہ طیبہ کو ہمارے لئے صحیح فرمادے،اے اللہ ہمارے لئے اس کے صاع اور مد میں برکت عطافرما اور اس کے وبائی بخار کو جحفہ کی طرف منتقل کردے۔ (مسلم)

۱۶۵- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی " اے اللہ ان کے لئے ان کیل (ماپنے کے پیمانہ) میں برکت دے، اور ان کے لئے ان کے صاع میں برکت دے،ان کے لئے ان کے مد میں برکت دے"۔ متفق علیہ

۱۶۶- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، جب لوگ اپنے باغ پر پہلا پھل دیکھتے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نذرانہ پیش کرتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ پھل قبول فرماتے تو یوں دعا دیتے۔ " اے اللہ ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں برکت دے، ہمارے لئے ہمارے شہر میں برکت دے، ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت دے،اور ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت دے"۔ (مسلم)

۱۶۷-حضرت ابوہریرہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا دی۔" اے اللہ اہل مدینہ کے مد میں برکت عطافرما"۔ (مسلم)

۱۶۸-حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا کرتے ہوئے سنا۔اے اللہ ہمارے لئے ، ہمارے شہر، ہمارے صاع، ہمارے یمن اور ہمارے شام میں برکت عطافرما، پھر آپ نے مشرق کی طرف چہرہ مبارک کیا اور فرمایا اس طرف سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا یہاں سے زلزلے آئیں گے۔

اس حدیث کو امام احمد اور الطبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے،اس کے رجال ثقہ ہیں۔

۱۶۹- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف دیکھا اور دعا کی یا اللہ ان کے دلوں کو متوجہ کردے اور ہمارے صاع اور ہمارے مد میں ہمارے لئے برکت عطافرما۔

اس حدیث کو ترمذی، امام احمد، سعید بن منصور اور الطبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں برکت کا معنی نمو اور زیادتی ہے اور ثبات اور لزوم کے معنی میں ہے۔

فرماتے ہیں، بعض علماء نے فرمایا ہوسکتا ہے کہ یہ دعا دینی برکت کے لئے ہو یعنی ان مقادیر میں برکت ہو جسکا تعلق حقوق اللہ سے ہے یعنی زکوٰۃ و کفارات وغیرہ یعنی جس طرح شریعت کا حکم باقی ہے اس طرح ان کی زکوٰۃ و خیرات میں بھی بقاء و ثبات رہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دنیوی برکت مراد ہو، یعنی ان مقداروں اور پیمانوں میں برکت عطا فرما جو مدینہ طیبہ کے علاوہ کسی دوسری شہر میں نہیں ہوتی یا اس برکت کا مرجع ان پیمانوں کے ساتھ تصرف کرنا ہو جیسے کثرت تجارت اور کثرت نفع اور ان پیمانوں کے ساتھ جو چیزیں، غلہ، پھل وغیرہ پیمائش یا وزن کی جاتی ہیں ان سے زیادتی ہو یا تنگ دستی اور فقر کے بعد مسلمانوں کی زندگی مین کثرت وسعت کی وجہ سے اس پیمانہ میں اضافہ ہو جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات عطا فرمائیں اپنے فضل سے ان پر رزق کے دروازے کھول دیئے اور ان کو سرسبز و شاداب علاقوں کا مالک بنا دیا جیسے شام، مصر، عراق وغیرہا۔ حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کی طرف کثرت سے مال آنے لگا، زندگی خوشحالی ہوگئی حتیٰ کہ اس پیمائش اور وزن کے آلہ میں ہی برکت پیدا ہوگئی اور ان کا مد بڑھ گیا اور وہ مد ھاشمی بن گیا اس مد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مد دو یا ڈیڑھ آمتے تھے۔

یہ تمام صورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت کا ثمر تھیں۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس تمام صورتحال سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفس مکیال (آلہ پیمائش) میں برکت ہوگئی تھی کیونکہ مدینہ طیبہ کا مدا تنے آدمیوں کے لئے کفایت کرتا تھا جبکہ مدینہ طیبہ کے علاوہ کسی شہر میں وہ مدا تنے آدمیوں کے لئے کفالت نہیں کرتا تھا۔ واللہ اعلم۔

مدینہ طیبہ کیلئے اس دعا کے دو مثل جو حضرت ابراہیم نے مکہ مکرمہ کیلئے مانگی تھی

مدینہ طیبہ کے ساتھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور مدینہ کے بلند مرتبہ کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کیلئے دوگناہ دعا مانگی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کیلئے مانگی تھی۔

۱۷۰- حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کو حرم بنایا اور اہل مکہ کے لئے دعا کی اور میں مدینہ طیبہ کو حرم بناتا ہوں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ طیبہ کے صاع اور مد میں اس دعا کے دوگنا اضافہ کی دعا کرتا ہوں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کیلئے دعا کی تھی۔

(مسلم)

دونوں شہروں کی تحریم ایک ہے، پہلے کو حرم بنانے والے حضرت ابراہیم ہیں اور دوسرے کو حرم بنانے والے مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

پھر اس کے لئے مکہ سے دوگنا دعا کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۷۱- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگ اپنے باغ کا پہلا پھل دیکھتے تو توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرما لیتے تو اس طرح دعا فرماتے۔ اے اللہ ہمارے پھل میں برکت عطا فرما، ہمارے شہر مدینہ میں برکت عطا فرما ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت عطا فرما، اے اللہ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے عبد مکرم، تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے میں تیرا عبد، تیرا نبی ہوں انہوں نے تجھ سے مکہ کیلئے دعا کی، میں تجھ سے مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں اسی کی مثل جو انہوں نے مکہ کے لئے دعا کی تھی اور اس کے ساتھ ایک مثل اور بھی، پھر آپ چھوٹے بچے کو بلاتے اور وہ پھل اسے عطا فرما دیتے۔ (مسلم)

مدینہ طیبہ کے لئے مکہ مکرمہ سے دوگنا زیادہ دعا ہوئی ہے یعنی اس کے پھل، مد اور صاع میں بلکہ پورے شہر میں دوگناہ برکت کی دعا ہوئی ہے، جب کہ مکہ کے لئے ایسی کوئی بات نہیں۔

۱۷۲- حضرت ابوعبداللہ القراظ جن کا نام دینار تھا فرماتے ہیں انہوں نے حضرت سعد بن مالک یعنی سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کو یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اے اللہ اہل مدینہ کے لئے ان کے مدینہ میں برکت عطا فرما، ان کے لئے ان کے صاع میں برکت عطا فرما، ان کے لئے ان کے مد میں برکت عطا فرما، اے اللہ حضرت ابراہیم تیرے عبد (مکرم) تیرے خلیل تھے اور میں تیرا عبد اور تیرا رسول ہوں، حضرت ابراہیم نے تجھ سے اہل مکہ کے لئے سوال کیا میں تجھ سے اہل مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں جیسا حضرت ابراہیم نے مکہ والوں کے لئے کیا تھا اور اس کے ساتھ ایک مثل اور بھی، مدینہ طیبہ میں فرشتوں کی کثرت ہے ہر نقب اور درے پر فرشتے ہیں جو اس کی حفاظت پر مامور ہیں۔

مدینہ طیبہ میں طاعون کا مرض اور دجال داخل نہ ہوگا، جو آدمی مدینہ طیبہ کے متعلق برا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے یوں پگھلا دیں گے جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔

اس حدیث کو احمد، حاکم نے روایت کیا ہے، اور اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے ذہبی نے اس حکم کو قائم رکھا ہے۔ البیہقی اور ابویعلی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ بخاری اور مسلم نے اس کے چند اجزاء نقل کئے ہیں اس کے بعد حضرت علی کی حدیث بھی آئے گی جو دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ اور اہل مکہ کیلئے مانگی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور اہل مدینہ کے لئے اس کے دو مثل مانگی ہے، آخری احادیث مدینہ طیبہ کے لئے دعا کے دوگنا ہونے میں صریح ہیں، یہ سب برکت کے لئے ہے۔ واللہ اعلم۔

جو برکت مکہ میں ہے اس کا دوگنا مدینہ طیبہ میں ہونا

مدینہ طیبہ میں برکت مکہ سے دوگنا ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ہے، کیونکہ مکہ کو اللہ

تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی زبان سے حرم قرار دیا اور مدینہ طیبہ کو اپنے نبی اور صفی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر حرم قرار دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار، نبیوں کے امام، روشن پیشانیوں والوں کے قائد ہیں، حضرت آدم اور ان کے علاوہ تمام لوگ آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔

۱۷۳- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اے اللہ جو برکت مکہ میں ہے اس کا دوگنا مدینہ میں عطا فرما۔ (متفق علیہ)

۱۷۴- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلا پھل دیا جاتا تو آپ یہ دعا فرماتے، اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مدینہ، ہمارے پھلوں، ہمارے مد، ہمارے صاع میں برکت کے ساتھ برکت عطا فرما پھر بچوں میں سے کوئی موجود ہوتا تو وہ پھل اسے عطا فرما دیتے اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۷۵- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جو دو پتھریلے کناروں کے درمیان میں ہے حرام ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حرم قرار دیا ہے جس طرح حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا اے اللہ مدینہ میں دوگنا برکت فرما اور ان کے صاع و مد میں برکت عطا فرما۔ اس حدیث کو حسن سند کے ساتھ امام احمد نے روایت کیا اصل حدیث صحیحین میں ہے۔

۱۷۶- حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی
اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مد اور صاع میں برکت عطا فرما اور دوگنا برکت عطا فرما۔

اس حدیث کو امام احمد نے مسلم کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، مسلم کی حدیث بعد میں آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مکہ کی نسبت مدینہ میں کئی گنا زیادہ برکت

سابقہ احادیث میں مکہ کی نسبت مدینہ طیبہ میں دوگنا برکت کا ذکر تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے اہل مدینہ کو اس سے کئی گنا زیادہ برکت بھی عطا فرمائی حتیٰ کہ چھ گنا تک زیادہ برکت کا ذکر بھی ملتا ہے۔

۱۷۷- حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی: اے اللہ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ طیبہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں، اس میں نہ خونریزی ہوگی نہ جنگ کے لئے ہتھیار اٹھایا جائے گا نہ اس میں درختوں کے پتے توڑے جائیں گے مگر چارہ کے لئے۔ اے اللہ ہمارے لئے مدینہ میں برکت عطا فرما، اے اللہ ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت عطا فرما، اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت عطا فرما،

اے اللہ اس برکت کے ساتھ دو برکتیں اور عطا فرما قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے قدرت میں میری جان ہے، مدینہ طیبہ کی کوئی گھاٹی اور درہ ایسا نہیں جس پر دو ایسے فرشتے نہ ہوں جو اس کی حفاظت کر رہے ہیں حتیٰ کہ تم اپنے سفر سے واپس آ جاؤ۔ (مسلم)

۱۷۸- ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی اے اللہ ہمارے لئے ہمارے صاع اور مد میں برکت عطا فرما اور اس برکت کے ساتھ دو برکتیں اور عطا فرما۔

۱۷۹- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں نکلے یہاں تک کہ ہم سقیا کے پہاڑی ٹیلے پر پہنچے جو حضرت سعد بن وقاص کی ملکیت میں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وضو کے لئے پانی لاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا پھر قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوئے اور یہ دعا کی ''اے اللہ حضرت ابراہیم تیرا بندہ اور تیرا خلیل تھا انہوں نے اہل مکہ کے لئے برکت کی دعا مانگی اور میں تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں، میں تجھ سے اہل مدینہ کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ تو ان کے لئے ان کے مد اور صاع میں اہل مکہ کی نسبت دوگنا برکت عطا فرما اور اس برکت کے ساتھ دو برکتیں اور عطا فرما۔

اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ان دونوں نے صحیح کہا ہے النسائی نے الکبریٰ میں اور الطبرانی نے الاوسط میں صحیح کے رجال ساتھ روایت کی ہے۔ بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے لئے بغیر کسی حدود وقیود کے دعا فرمائی۔

۱۸۰- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارا صاع دوسرے صاعوں سے چھوٹا ہے اور ہمارا مد دوسرے مدوں سے چھوٹا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی: ''اے اللہ ہمارے لئے ہمارے صاع اور ہمارے مد ہمارے تھوڑے، اور ہمارے زیادہ میں برکت عطا فرما اور اس برکت کے ساتھ دو برکتیں مزید عطا فرما۔

اس حدیث کو ابن حبان نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔

ایک برکت کو دوہرا فرمانا اور پھر اس برکت کے ساتھ دو برکتیں عطا فرمانا، یہ سب مدینہ طیبہ میں زیادتی اور کثرت کی دلیل ہے، خواہ یہ زیادتی و کثرت دنیا اور رزق کے متعلق ہو یا آخرت کے امور کے متعلق خواہ نیکیوں کے کئی گنا کرنے کے متعلق ہو یا کوتاہیوں کو معاف کرنے کے متعلق جیسا کہ امام الباجی نے صراحت فرمائی ہے۔

مدینہ طیبہ سراپا یمن و برکت ہے

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے لئے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس کے مکیال صاع، مد

اور پھلوں میں برکت عطا فرمائے .... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے لئے برکت کی دعا کو عام فرمایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے لئے برکت کی دعا مانگی تو یہ تمام چیزوں میں برکت کو شامل ہوگی یہ پھل، کیل اور صاع کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر چیز کو شامل ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ابھی گزری ہے جس میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کے دونوں پہاڑوں کے درمیان کی جگہ کو حرم بناتا ہوں، اس میں نہ خونریزی ہوگی نہ جنگ کے لئے ہتھیار اٹھایا جائے گا نہ درختوں کے پتے گرائے جائیں گے سوائے چارہ کے۔ اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت دے، اے اللہ ہمارے صاع میں برکت دے، اے اللہ ہمارے مد میں برکت دے، اے اللہ ہمارے صاع میں برکت دے اے اللہ ہمارے مد میں برکت دے، اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت دے، اے اللہ اس برکت کے ساتھ دو برکتیں مزید عطا فرما۔ (مسلم)

اسی طرح حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما کی احادیث گزر چکی ہیں، جس میں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: "اے اللہ اہل مدینہ کے لئے ان کے مدینہ میں برکت عطا فرما، ان کے لئے ان کے صاع میں برکت عطا فرما، ان کے لئے ان کے مد میں برکت عطا فرما۔"

اس حدیث کو احمد اور الحاکم نے روایت کیا ہے اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے، ابویعلی اور البیہقی نے بھی روایت کی ہے، بخاری، مسلم نے ان کے اجزاء روایت کئے ہیں۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ لوگ جب اپنے باغ کا پہلا پھل دیکھتے تو توڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے آتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرماتے تو یہ دعا دیتے۔ اے اللہ ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت عطا فرما، ہمارے لئے ہمارے صاع میں برکت عطا فرما، ہمارے لئے ہمارے مد میں برکت عطا فرما۔ (مسلم)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث گزر چکی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں دعا مانگتے ہوئے سنا اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت عطا فرما ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت عطا فرما۔

اس حدیث کو امام احمد، الطبرانی نے الاوسط میں ثقہ راویوں کے ساتھ روایت کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ کہ اے اللہ ہمارے لئے ہمارے مدینہ میں برکت دے، کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کی ذات میں برکت دے، یہ برکت دنیویہ، اخرویہ، حسیہ، معنویہ ہر برکت کو شامل ہے، مد، صاع اور ثمر میں برکت کا ذکر بھی موجود ہے۔

دلوں کا مدینہ طیبہ کی طرف میلان

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کے لئے دعا کی فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ (ابراہیم: ۳۷) (لوگوں کے دل ان کی طرف میل کر دے) اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ اور مدینہ طیبہ کے لئے دعا مانگی کہ اے اللہ دلوں کو اس کی طرف میل کر دے، اسی طرح دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مکہ کی طرح مدینہ کو محبوب بنا دے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنا دے، پہلے ایک مستقل عنوان کے تحت یہ مفہوم گزر چکا ہے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف دیکھا اور یہ دعا کی اے اللہ ان کے دل متوجہ فرما دے پھر دوسری جانب چہرہ مبارک کیا اور دعا کی اے اللہ ان کے دل متوجہ فرما۔ اس حدیث کو احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے اور سعید بن منصور اور الطبرانی نے الاوسط میں روایت کی ہے۔

۱۸۱- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف دیکھا اور دعا فرمائی اے اللہ ان کے دل متوجہ فرما، شام کی طرف دیکھا اور دعا کی اے اللہ ان کے دل متوجہ فرما۔ عراق کی طرف دیکھا اور اسی طرف دعا کی ہر افق کی طرف دیکھا اور اسی کی مثل دعا کی پھر یہ دعا فرمائی اے اللہ ہمیں زمین کے پھلوں سے رزق عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے مد اور صاع میں برکت عطا فرما۔

اس حدیث کو بخاری نے الادب المفرد میں، امام احمد اور البزار نے مسلم کی شرط پر صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے، الہیثمی نے اسے حسن کہا ہے۔

۱۸۲- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شام، عراق اور یمن کی طرف دیکھا اور یہ دعا کی اے اللہ ان کے دل اپنی طاعت کی طرف متوجہ فرما دے ان کے علاوہ لوگوں کو ترک فرما، اور ان کے علاوہ کو ساقط کر دے۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الصغیر اور الاوسط میں صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے سوائے علی بن بحر ین بری کے یہ بھی ثقہ ہے۔

ہمارے زمانہ تک یہ چیز مشاہد ہے کہ کوئی ایسا مسلمان نہیں ہے جس کا دل مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کی طرف مشتاق نہ ہو اور ان کے دیکھنے کے لئے تڑپتا نہ رہتا ہو کہ کاش زندگی میں ایک لمحہ کے لئے ہی زیارت نصیب ہو جائے، ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں ہر موسم میں حج کا سماں ہوتا ہے اور کوئی دن زائرین سے خالی نہیں ہوتا۔

اہل مدینہ کو زمین کے پھلوں سے رزق ملنا

مدینہ طیبہ کو یہ برکت بھی حاصل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ انہیں زمین کے پھلوں سے رزق عطا ہو، حالانکہ اس کی اپنی زمین پر پھل نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی، بحمد اللہ تعالیٰ اس قبولیت کا مشاہدہ ہر کس نا کس کر رہا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث ابھی گزری ہے جس میں یہ تھا کہ انہوں نے منبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف دیکھا اور دعا فرمائی، ہر افق کی طرف دیکھا اور اسی طرح دعا فرمائی۔ پھر یہ دعا کی اے اللہ ہمیں زمین کے پھلوں سے رزق عطا فرما اور ہمارے لئے ہمارے مد اور صاع میں برکت عطا فرما۔

اس کو بخاری نے الادب المفرد میں، امام احمد، البزار نے مسلم کی شرط پر صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کی ہے، الہیثمی نے اسے حسن کہا ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں اس دعا کی قبولیت کا ملاحظہ ہم اپنے زمانہ ۱۴۰۸ھ میں بھی کر رہے ہیں کیونکہ اہل مدینہ امریکہ، کینیڈا، برازیل، یورپ، افریقہ، ایشیاء، جنوب مشرق ایشیاء کی زمینوں کے پھل، گوشت، انڈے اور مرغیاں کھا رہے ہیں جو سبزیوں اور پھلوں کے بازار میں جائے تو حیران رہ جائے کیونکہ وہ ایسے ایسے پھل دیکھے گا جن کے اسے نام بھی نہ آتے ہوں گے وہ سب کے سب دور دور کے مختلف علاقوں سے آئے ہیں۔ الحمد للہ تعالیٰ شاید جتنی کثرت سے مختلف قسم کے پھل مدینہ طیبہ میں پائے جاتے ہیں وہ کسی دوسرے شہر میں نہیں پائے جاتے۔

ایک کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہے

مدینہ طیبہ کی برکت کا ایک مظاہرہ یہ ہے کہ ایک آدمی کا کھانا دو کیلئے اور دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے کافی ہوتا ہے۔

۱۸۳- حضرت عبداللہ بن عمر اپنے باپ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں مدینہ طیبہ میں قیمت بہت چڑھ گئی، انتہائی مشقت کا دور تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبر کرو اور خوشیاں مناؤ میں نے تمہارے صاع اور مد میں برکت کی دعا کی ہے کھاؤ اور جدا جدا نہ ہو جاؤ بے شک ایک آدمی کا کھانا دو کے لئے کافی ہے اور دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لئے کافی ہے، چار کا کھانا پانچ اور چھ کے لئے کافی ہے، بے شک جماعت میں برکت ہے جو مدینہ طیبہ کی سختیوں اور مصیبتوں پر صبر کرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا یا اس کے لئے گواہی دوں گا۔

اس حدیث کو ابن ماجہ نے مختصر روایت کیا ہے اور یہ الفاظ البزار کے ہیں الہیثمی نے مجمع الزوائد میں

لکھا ہے کہ اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

میں (مصنف) کہتا ہوں، ایسا نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں عمرو بن دینار قہرمان آل زبیر ہے، جو ضعیف ہے بخاری اور مسلم نے اس کی روایت نہیں لکھی، لیکن حدیث کے شواہد موجود ہیں جن کی وجہ سے اسے قوت حاصل ہو جاتی ہے پس یہ حسن ہوئی، اس حدیث کی اصل صحیح میں ہے جیسا کہ آنے والی احادیث میں ہے، الحافظ نے ترغیب وترہیب میں جید سند لکھا ہے۔

البوصیری نے مصباح الزجاجہ میں لکھا ہے کہ یہ عمرو بن دینار کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے، اس کی اصل صحیحین وغیرہما میں جابر بن عبداللہ کی حدیث ہے اس کی شاہد سمرہ بن جندب کی حدیث ہے، البزار نے اپنی مسند میں، عبد بن حمید نے اپنی مسند میں اور الطبرانی نے الاوسط میں ابن عمر کی حدیث روایت کی ہے۔

۱۸۴۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ایک کا کھانا دو آدمیوں کے لئے کافی ہے دو کا کھانا چار کے لئے کافی ہے چار کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لئے کافی ہے۔ (مسلم)

۱۸۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو کا کھانا تین کے لئے کافی ہے اور تین کا کھانا چار کے لئے کافی ہے۔ (متفق علیہ)

حضرت جابر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ جو کھانا چار کے لئے کافی ہوگا وہ تین کے لئے بدرجہ اولیٰ کافی ہے۔ جو کھانا زیادہ کے لئے کافی ہوتا ہے وہ کم کے لئے بدرجہ اولیٰ کافی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ: الامام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے اس حدیث کی اصل حضرت جابر سے بخاری و مسلم میں ہے لیکن یہ وہم ہے امام بخاری نے حضرت جابر کی حدیث کو نقل کیا ہے لیکن حضرت ابو ہریرہ سے دونوں نے تخریج کی ہے۔ واللہ اعلم۔

مدینہ طیبہ ملائکہ سے گھرا ہوا ہے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کی خود حفاظت کا انتظام فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ہر گھاٹی اور ذرے پر فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں یہ مدینہ طیبہ کو خصوصی عنایت اللہ تعالیٰ کی طرف حاصل ہے۔

۱۸۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ کے ہر درے پر فرشتے ہیں، اس میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوگا۔ متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن سلام کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ مدینہ کو دارالایمان بنایا ہے قسم بخدا جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آئے ہیں فرشتے اس وقت سے آج تک مدینہ طیبہ کو گھیرے

ہوئے ہیں۔

اس حدیث کو الطبرانی نے ثقہ رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ مدینہ فرشتوں سے گھرا ہوا ہے ہر نقب پر دو دو فرشتے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اس حدیث کو احمد اور الحاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے اور الذہبی نے تصدیق کی ہے البیہقی اور ابو یعلی نے بھی روایت کی ہے۔

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مدینہ کی ہر گھاٹی اور درے پر دو فرشتے ہیں جو تمہاری واپسی تک مدینہ کی حفاظت کرتے ہیں۔ (مسلم)

۱۸۷- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ کی طرف دجال آئے گا مگر وہ فرشتوں کو اس کی حفاظت کرتے ہوئے پائے گا دجال اور طاعون مدینہ طیبہ کے قریب نہ آئیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے ایک اور روایت بھی آئے گی جو اس سے مختلف ہے۔

۱۸۸- فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث جساسہ کے قصہ کے آخر میں روایت فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طیبہ مدینہ ہے اللہ تعالیٰ نے میرے حرم کو دجال پر حرام کر دیا ہے کہ وہ اس میں داخل ہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھائی قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی تنگ یا وسیع راستہ نہیں ہے ہموار زمین میں اور پہاڑ میں مگر اس پر ایک فرشتہ قیامت تک تلوار سونت کر کھڑا رہے گا۔ دجال مدینہ میں کبھی داخل نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث کو امام احمد، ابن ابی شیبہ، الحمیدی، مسلم اور اصحاب سنن اربعہ وغیرہم نے روایت کیا ہے اور یہ الفاظ امام احمد کے ہیں۔

۱۸۹- حضرت ابی بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ طیبہ میں مسیح دجال کا رعب داخل نہ ہوگا، اس دن مدینہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گے۔ (بخاری)

۱۹۰- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ مکہ کی طرح حرمت والا ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل فرمائی، مدینہ طیبہ کے درہ پر فرشتے ہیں جو شیطان سے اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔

اس حدیث کو عبد بن حمید اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

اس عنوان کی کچھ احادیث آئندہ آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ جو یہاں ذکر نہیں کی جاتیں تا کہ تکرار نہ ہو۔

مدینہ طیبہ کی فرشتوں کے ذریعے حفاظت متواتر ہے، متعدد صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو روایت کیا ہے، یہ حفاظت دشمنوں سے، دجال سے اور طاعون سے ہے، واللہ اعلم۔

یہ تمام مدینہ طیبہ کی اہمیت اور اس کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عظمت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فرشتے مقرر فرمائے ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس اہتمام وانتظام کی وجہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود ہے۔

مدینہ طیبہ میں دجال داخل نہ ہوگا

اس شہر مقدس کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت حاصل ہے، اس نے دجال کے داخلہ کو اس میں ممنوع قرار دیا ہے جس طرح مکہ مکرمہ اور بیت المقدس میں اس کا داخلہ ممنوع فرمایا ہے، نصوص کا ظاہر دجال کے دمشق میں بھی داخل نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ میں نے "اخبار الدجال" میں بیان کیا ہے، میں نے اس کتاب میں وہ تمام نصوص بالاستیعاب لکھ دی ہیں جو دجال کے متعلق وارد ہیں وہ حد تواتر کو پہنچتی ہیں۔

دجال کے مدینہ میں داخل نہ ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث پہلے بھی گزر چکی ہیں جیسے حدیث حضرت ابو ہریرہ، حدیث حضرت سعد و ابو ہریرہ، حدیث انس، حدیث فاطمہ وغیرہم رضی اللہ عنہم میں اب وہ احادیث ذکر کروں گا جو پہلے ذکر نہیں ہوئیں۔

۱۹۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے مکہ اور مدینہ کے ہر شہر میں دجال جائے گا مدینہ طیبہ کا کوئی راستہ ایسا نہیں جس پر فرشتے صفیں باندھے اس کی حفاظت نہ کر رہے ہوں، پھر وہ شورزدہ زمین میں اترے گا ایک روایت میں ہے کہ وہ جرف کی شورزدہ زمین میں آئے گا اور اپنا خیمہ لگائے گا، مدینہ طیبہ تین مرتبہ لرزے گا اس کی طرف ہر کافر اور منافق نکل جائے گا، دوسری روایت میں ہے، ہر منافق مرد اور ہر منافقہ عورت اس کی طرف نکل جائے گا۔ (مسلم، بخاری)

۱۹۲- امام احمد اور ابو یعلی نے حضرت انس سے یوں روایت کیا ہے کہ کسی شخص نے پوچھا یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا دجال مدینہ میں داخل ہوگا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ارادہ تو کرے گا لیکن ہر راستہ اور ہر دروازہ پر ایسے فرشتے پائے گا جو صفیں باندھے دجال سے مدینہ طیبہ کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔

۱۹۳- حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے دجال کے متعلق بڑی طویل گفتگو فرمائی۔ اس گفتگو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ دجال آئے گا مگر اس پر مدینہ طیبہ کے راستوں سے داخل ہونا حرام قرار دیا گیا ہے، وہ مدینہ سے متصل کسی

شوریدہ زمین میں اترے گا، ایک دن اس کی طرف ایک شخص نکلے گا جو تمام لوگوں سے بہتر ہوگا وہ کہے گا میں گواہی دیتا ہوں تو وہی دجال ہے جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔ دجال کہے گا تمہارا کیا خیال ہے اگر میں اس شخص کو قتل کر دوں پھر اسے زندہ کر دوں کیا تم اس معاملہ میں شک کرو گے وہ کہیں گے نہیں، پس وہ اسے قتل کر دیگا پھر اسے زندہ کرے گا، جب اسے زندہ کرے گا تو وہ شخص کہے گا قسم بخدا آج سے قبل مجھے تیرے متعلق اتنی بصیرت نہ تھی، دجال اسے دوبارہ قتل کرنا چاہئے گا لیکن اس پر غالب نہ آئے گا۔ (بخاری و مسلم)

عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں یہ زیادہ لکھا ہے کہ معمر نے کہا مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اس کی گردن میں تانبے کی ہو جائے گی اور مجھے یہ خبر بھی پہنچی ہے کہ وہ حضرت خضر علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں گے جنہیں دجال قتل کرے گا پھر زندہ کریگا۔

میں (مصنف) کہتا ہوں اس کی گردن کا تانبے کا بن جانا، اس کا ذکر امام مسلم نے ایک دوسری روایت میں حضرت ابو سعید کے حوالہ سے بھی کیا ہے اور اس شخص کا حضرت خضر ہونا یہ حدیث کے بعد ابو اسحاق نے ذکر کیا ہے جو صحیح مسلم کے راوی ہیں۔

۱۹۴- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسیح دجال مشرق کی طرف سے آئے گا اس کا ارادہ مدینہ طیبہ کا ہوگا حتیٰ کہ احد کے پیچھے اترے گا پھر ملائکہ اس کا چہرہ شام کی طرف پھیر دیں گے وہاں ہلاک ہو جائے گا۔ (مسلم)

۱۹۵- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسیح دجال اور طاعون مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہوگا۔ (بخاری)

۱۹۶- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ اور مکہ ملائکہ سے گھرے ہوئے ہیں، مدینہ طیبہ کے ہر راستہ اور نقب پر ایک فرشتہ ہے اس میں دجال اور طاعون داخل نہ ہوگا۔

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

۱۹۷- فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا حدیث جساسہ کے آخر میں روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مسیح دجال نے کہا میں تمہیں اپنے متعلق خبر دیتا ہوں میں مسیح ہوں، اور عنقریب مجھے خروج کی اجازت دی جائے گی، میں نکلوں گا پوری زمین پر چلوں گا، مکہ اور مدینہ طیبہ کے علاوہ ہر بستی میں جاؤں گا یہ دونوں شہر مجھ پر حرام کر دیئے گئے ہیں جب بھی میں ان میں سے کسی ایک میں داخل ہونا چاہوں گا تو ایک فرشتہ اپنے ہاتھ میں تلوار لئے آگے کھڑا ہوگا جو مجھے روک لے گا اور مدینہ کی ہر گھاٹی اور درے پر ملائکہ کھڑے پہرہ دے رہے ہیں۔

حضرت فاطمہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر انگلی مار کر فرمایا یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے یہ طیبہ ہے۔یعنی مدینہ منورہ۔

۱۹۸- حضرت محجن بن الادرع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لئے بھیجا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے مدینہ طیبہ کے ایک راستہ پر ملے، پھر احد پہاڑ پر چڑھے اور میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چڑھ گیا، آپ مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مدینہ کے لئے کچھ فرمایا، اس کے بعد فرمایا بڑا تعجب ہے بڑا افسوس ہے کہ مدینہ کے لوگ پکے ہوئے پھل چھوڑ جائیں گے اور انہیں بھوکے پرندے اور درندے کھا جائیں گے، اس کا پھل کھا جائیں گے اور دجال اس میں ہرگز داخل نہیں ہوگا ان شاء اللہ، جب کبھی داخل ہونے کا ارادہ کرے گا ہر راستہ پر تلوار سونتے ہوئے ایک فرشتہ اس کو روکے گا۔

اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے امام احمد نے بھی سی طرح روایت کی ہے ابن ابی شیبہ، الطیالسی، الطبرانی نے الاوسط میں صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کی ہے۔

۱۹۹- حضرت محجن بن الادرع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطاب فرمایا اور کہا نجات کا دن نجات کا دن کیا ہے۔ یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا عرض کی گئی یا رسول اللہ، خلاصی کا دن کون سا ہے فرمایا دجال آئے گا، احد پہاڑ پر چڑھ جائے گا پھر وہ مدینہ کی طرف دیکھے گا، اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے کہے گا کیا تم اس سفید محل کی طرف نہیں دیکھتے؟ یہ احمد کی مسجد، پھر وہ جرف کی شورزدہ زمین پر آئے گا، اپنا خیمہ لگائے گا پھر مدینہ تین جھٹکے لے گا ہر منافق مرد اور عورت اس دجال کے پاس آجائے گا مدینہ خالص ہو جائے گا وہی دن خلاصی کا دن ہے۔

اس حدیث کو الحاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، احمد اور الطیالسی نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کی ہے۔

تنبیہ: میں کہتا ہوں چوتھے باب میں اس روایت اور دجال کے دخول کی تحریم کی روایت کو جمع کرنے پر کلام آئے گا، لیکن میں کہتا ہوں کہ احد حرم سے ہے اور دجال کا حرم میں دخول حرام ہے، اس لئے اس لفظ پر اعتراض ہوتا ہے، اسی طرح اس کا ذباب پر چڑھنا یہ بھی محال ہے، ذباب الجبل سے مراد مشرقی سلع کا قریبی پہاڑ ہوگا، وہ حل میں ہے حرم میں نہیں ہے۔

۲۰۰-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میں رو رہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تجھے کس نے رلایا ہے میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے دجال کے بارے میں سوچا تو رونا آ گیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دجال میری حیات ظاہری میں نکلے گا تو میں تمہاری اس سے کفایت کروں گا اور اگر میرے بعد نکلے گا

تو تمہارا رب ذوالجلال کانا نہیں ہے، دجال یہودیہ اصبہان میں نکلے گا حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کے پاس آئے گا، اس کے قریب اترے گا اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے ہر نقب پر دو فرشتے ہوں گے، اس کی طرف مدینہ طیبہ کا ہر شریر آدمی نکل جائے گا، پھر شام کے گھر فلسطین میں باب لد سے آئے گا ابوداؤد نے کہا ہے کہ وہ فلسطین باب لد پر آئے گا، پھر عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور اسے قتل کر دیں گے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال زمین پر امام عادل اور حاکم عادل کی حیثیت سے رہیں گے۔

اس حدیث کو امام احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے حضری بن لاحق کے سوا باقی تمام صحیح کے رجال ہیں لیکن حضری بھی ثقہ ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کی ہے۔

۲۰۱- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال مکہ اور مدینہ میں داخل نہ ہوگا۔

اس حدیث کو احمد، نسائی نے الکبریٰ میں اور اسحٰق بن راہویہ نے روایت کیا ہے یہود اصبہان کی تعداد بہت زیادہ ہے، لیکن مدینہ منورہ کے آج تو سات دروازے نہیں ہیں اگر تو دروازوں سے مراد بڑے راستے ہیں تو ان کی تعداد بھی ابھی پانچ ہے مثلاً تبوک کا راستہ، مکہ کا راستہ، ہجرت جدیدہ کا راستہ، ریاض کا راستہ، اس کے ساتھ ایک تبوک کا پرانا راستہ، یہ ایئر پورٹ کے راستہ کے قریب ہے مگر اب وہ استعمال نہیں ہوتا، چھوٹے راستے تو متعدد ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲۰۲- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، الحرہ کی ہموار زمین پر تشریف لائے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مدینہ بہت اچھی زمین ہے، جب دجال نکلے گا تو مدینہ کے ہر راستہ پر ایک فرشتہ ہوگا، وہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا، جب اس طرح ہوگا تو مدینہ اہل مدینہ کے ساتھ تین جھٹکے لے گا تو ہر منافق مرد اور عورت اس کی طرف نکل جائے گا اور زیادہ تر اس کی طرف عورتیں نکلیں گی، اور وہ دن تخلیص کا دن ہے مدینہ طیبہ اس دن خبیث لوگوں کو دور پھینک دے گا جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے دجال کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے اور ان میں سے ہر ایک پر چادر اور مزین تلوار ہوگی دجال سیلابوں کے جمع ہونے کی جگہ کے قریب اپنا خیمہ لگائے گا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ایک فتنہ ہوگا اور قیامت تک دجال کے فتنہ سے بڑا فتنہ نہ ہوگا۔

اس حدیث کو احمد اور الطبرانی نے روایت کیا ہے اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

۲۰۳- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین کی خفت اور علم کی نایابی کے وقت دجال نکلے گا اس کے لئے چالیس راتیں ہوں گی جن میں وہ پوری زمین کی

سیاحت کرے گا، اس کا ایک دن سال کا ہوگا ایک دن مہینہ کا ہوگا اور ایک ہفتہ کا ہوگا باقی تمام دن تمہارے دنوں کی طرح ہوں گے .... (اس حدیث میں ہے) کہ وہ ہر چشمہ پانی اور گھاٹ پر اترے گا مگر مکہ اور مدینہ میں داخل ہونا اس پر اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے۔

اس حدیث کو امام احمد نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۲۰۴-حضرت عبداللہ بن شقیق سے مروی ہے فرماتے ہیں میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل رہا تھا کہ ہم البصرہ کی مسجد تک پہنچ گئے وہاں حضرت بریدہ بیٹھے ہوئے تھے اور سکبہ صحابی جو اسلم قبیلہ سے تھے چاشت کی نماز پڑھ رہے تھے حضرت بریدہ نے کہا اے عمران تم ایسی نماز نہیں پڑھ سکتے ہو جیسی سکبہ پڑھ رہے ہیں اور یہ انہوں نے فرمایا کہ وہ اس کو بڑی مشقت سے ادا کرتے تھے۔ راوی فرماتے ہیں عمران خاموش رہے اور ہم چل پڑے عمران نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا ہم احد پہاڑ کے پاس پہنچے تو اس کے اوپر چڑھ گئے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف دیکھا اور فرمایا بڑا تعجب ہے کہ لوگ اس شہر کو اس کی خیر و بھلائی کے باوجود اسے چھوڑ جائیں گے، دجال آئے گا مگر اس میں داخل نہ ہو سکے گا، اس کے ہر راستہ پر تلوار سونتے ہوئے ایک فرشتہ پائے گا۔

اس حدیث کو الطبرانی نے معجم کبیر میں صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۲۰۵-حضرت جنادہ بن ابی امیہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں اور ایک انصاری صحابی جا رہے تھے ہم نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو دجال کا ذکر سنا ہے وہ ہمیں سنائیں اس کے علاوہ کوئی بات ہمیں نہ سناؤ اگرچہ وہ سچ ہو، فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا میں نے تمہیں دجال سے ڈرایا (یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا) فرمایا کوئی نبی مجھ سے پہلے نہیں گزرا مگر اس نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا اور وہ تم میں ہے اے میری امت .... ایک دوسری روایت میں ہے وہ ایک نفس پر غالب آئے گا اور اسے قتل کر دے گا کسی دوسرے پر پھر غالب نہ آئے گا وہ زمین میں چالیس دن رہے گا وہ ہر گھاٹ پر پہنچے گا اور وہ چار مساجد کے قریب نہیں جائے گا یعنی مسجد حرام، مسجد مدینہ، مسجد الطور اور مسجد اقصیٰ۔ وہ دجال تم پر مشابہ نہ ہوگا کیونکہ تمہارا رب کانا نہیں ہے۔

اس حدیث کو احمد، ابن ابی شیبہ نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے، اس کی کئی اور بھی روایات ہیں۔

۲۰۶-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دجال مدینہ میں نہیں اترے گا، لیکن خندق کے درمیان، اور مدینہ کے ہر راستہ پر ملائکہ ہیں جو اس کی حفاظت کر رہے ہیں سب سے پہلے عورتیں اس کی اتباع کریں گی، لوگ اسے اذیت دیں گے وہ غصہ میں آ کر واپس لوٹ

جائے گا حتیٰ کہ خندق میں اترے گا، اس وقت عیسیٰ بن مریم اتریں گے۔

اس حدیث کو عقبہ بن مکرم بن عقبہ الضبی کے علاوہ صحیح کے رجال سے روایت کیا گیا ہے مگر عقبہ بھی ثقہ ہیں۔

۲۰۷- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دجال قناۃ کی اس شوریدہ زمین میں اترے گا اور اس کی طرف اکثر عورتیں جائیں گی حتیٰ کہ ایک آدمی اپنے گھر ے دوست کی طرف لوٹے گا، اپنی ماں، بیٹی، بہن اور پھوپھی کی طرف جائے گا اور انہیں سختی سے باندھ دے گا اس خوف سے کہ کہیں یہ دجال کی طرف نکل نہ جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس پر مسلط فرما دے گا اور وہ اسے اور اس کے حواریوں کو قتل کر دیں گے حتیٰ کہ یہودی درخت یا پتھر کے نیچے چھپے گا تو پتھر اور درخت مسلمان کو کہے گا یہ میرے نیچے یہودی چھپا ہوا ہے اسے قتل کر دو۔

اس حدیث کو احمد، الطبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں، اس کی دوسری روایت صحیح میں ہے۔

اس کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں احادیث ہیں جیسے ابوامامہ کی حدیث جو ابن ماجہ وغیرہ میں ہے حدیث سعد بن ابی وقاص جو الجندی میں ہے، حضرت حذیفہ بن اسید، مسلمہ بن الاکوع، ابوسعید، ابن عمرو اور سمرہ بن جندب کی احادیث وغیرہ۔

اس سے پہلے حضرت سفینہ، سعد، ابوہریرہ رضی اللہ عنہم کی احادیث گزر چکی ہیں یہ تمام احادیث مدینہ طیبہ کی عظمت، رفیع منزلت پر دلیل ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی اس فتنہ سے بھی حفاظت فرمائی ہے جس سے بڑا فتنہ نہ اس سے پہلے تھا نہ بعد میں آئے ہوگا۔

دجال کا رعب مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہوگا

جس طرح اللہ تعالیٰ نے دجال پر مدینہ طیبہ میں داخل ہونا حرام کر دیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو یہ عظمت و کرامت بھی عطا فرمائی ہے کہ اس میں دجال کا رعب بھی داخل نہ ہوگا، جب رعب ہی داخل نہ ہوگا تو وہ خود بدرجہ اولیٰ داخل نہ ہوگا حضرت ابوبکرہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ دجال کا رعب مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہوگا۔ (بخاری)

۲۰۸- حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں مسیلمہ کذاب کے بارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے پہلے لوگ اس کے بارے بہت کہہ چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا جس شخص کے متعلق تم بہت کچھ کہہ سکتے ہو وہ ان تیس کذابوں میں سے ہے جو قیامت سے پہلے آئیں گے، کوئی شہر ایسا نہ ہوگا جس میں مسیح دجال کا رعب نہ پہنچے گا سوائے مدینہ طیبہ کے، کیونکہ اس کے ہر راستہ پر دو فرشتے ہیں جو مسیح کے رعب سے مدینہ کا

دفاع کریں گے۔

اس حدیث کوعبدالرزاق، الطبرانی، احمد اور ابن شبہ نے صحیح کے رجال کے ساتھ اور الحاکم نے شیخین کی شرط پر روایت کیا ہے ابن حبان نے اس کو صحیح کہا ہے۔

۲۰۹- الطبرانی کی روایت جو الاوسط میں ہے، حضرت ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں بصرہ آیا اور ابوبکر سے ملا انہوں نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر شہر میں دجال کا رعب، گھبراہٹ داخل ہوگی سوائے مدینہ کے اس میں داخل ہونے کے لئے آئے گا مگر ہر دروازے پر ایک فرشتہ پائے گا جو تلوار سونتے ہوئے ہوگا اور اس کو مدینہ سے روک دے گا۔

اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں لیکن اس میں عنعنہ ابن اسحاق ہے اور اس کی شاہد گزشتہ احادیث ہیں۔

مدینہ طیبہ میں طاعون داخل نہ ہوگا

مدینہ طیبہ کو دوسرے تمام شہروں سے حتیٰ کہ مکہ سے بھی یہ انفرادیت ہے کہ اس میں طاعون کا مرض نہ کبھی پہلے داخل ہوا اور ان شاء اللہ نہ کبھی بعد میں داخل ہوگا کیونکہ اس کا داخلہ بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ یہ بھی اس شہر مقدس کو اللہ تعالیٰ کی طرف خصوصی عزت و عظمت ملی ہے، اس کے متعلق احادیث حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اس سے پہلے حضرت ابوہریرہ، انس، سعد اور سعد اور ابوہریرہ کی احادیث گزر چکی ہیں رضی اللہ عنہم جمیعا۔

۲۱۰- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ میں طاعون اور دجال داخل نہ ہوں گے۔

الجندی نے مسلم کے رجال سے روایت کی ہے۔

۲۱۱- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مدینہ بھٹی کی مانند ہے، حضرت ابراہیم نے مکہ کو حرم بنایا میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں مکہ کی طرح اس کے پتھریلے کناروں کے درمیان اور اس کے ارد گرد کا تمام علاقہ حرام ہے اس کا درخت نہ کاٹا جائے گا مگر جو شخص چارہ کے لئے لے لے، اس میں ان شاء اللہ نہ طاعون داخل ہوگا اور نہ دجال، ملائکہ اس کے دروں اور دروازوں پر محافظ ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ کسی شخص کے لئے مدینہ میں جنگ کے لئے ہتھیار اٹھانا حلال نہیں ہے۔

اس حدیث کو امام احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اس کی اصل صحیح میں ہے اور اس شواہد بھی ہیں۔

انقاب نقب کی جمع ہے اور ابواب باب کی جمع ہے حدیث کا سیاق دلالت کرتا ہے نقب اور باب میں

تغایر ہے۔ کیا اس وقت مدینہ طیبہ کے خارجی راستوں پر نقب ہوں گے، جبکہ نقب کا معنی اہل لغت کے نزدیک دو پہاڑوں کے درمیانی راستہ اور دو پہاڑوں کے درمیان سوراخ ہے اسی سے دیوار کا سوراخ ہے یہ جمع قلت ہے۔

ان شاء اللہ کا قول حدیث میں تبرک کے لئے ہے، بقیہ احادیث میں جزم کے ساتھ تھا۔

۲۱۲- حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک ایسے شخص کا ذکر ہوا جو کسی سر سبز علاقہ سے آیا تھا جب مدینہ طیبہ کے قریب کسی راستہ پر پہنچا تو اسے وبا لگ گئی راوی فرماتے ہیں، لوگوں کو اس نے ہراساں کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ وہ مدینہ طیبہ کے نقب سے ہم پر داخل نہ ہوگا۔

اس حدیث کو احمد، ابوداؤد الطیالسی، الطبرانی نے الکبیر میں، اور رویانی نے روایت کی ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

جو وباء اس شخص کو لگی تھی وہ طاعون کا مرض تھا اس لئے لوگ خوفزدہ ہوئے تھے پس وہ مدینہ میں داخل نہ ہوا، مدینہ طیبہ میں طاعون کا داخل نہ ہونا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہے کسی راوی، مورخ سے نہ پہلے اور نہ اب منقول ہے کہ کبھی مدینہ طیبہ میں طاعون داخل ہوا ہو، یا ظاہر ہوا ہو، حالانکہ ینبع، جدہ، مکہ، الفرع اور الصفراء میں کئی مرتبہ ظاہر ہوا ہے اور ان شہروں میں کئی لوگ طاعون کی وجہ سے ہلاک ہو گئے لیکن مدینہ میں طاعون کا داخل ہونا منقول نہیں ہے، لیکن دوسرے شہروں میں اس کا کئی دفعہ کا ظہور کثیر علماء نے نقل کیا ہے۔

حضرت علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ طیبہ میں طاعون کے داخل نہ ہونے کے متعلق بڑی طویل بحث کی ہے، کیونکہ یہ جنوں میں سے کفار ہیں ان کا مدینہ طیبہ میں داخلہ حرام ہے جیسا کہ انسانوں میں سے کفار کا داخلہ مدینہ طیبہ میں حرام قرار دیا گیا ہے، اس لئے ان کے داخلہ سے محفوظ ہے۔

اسی طرح علامہ موصوف نے وباء اور طاعون کے درمیان بھی اپنی کتاب ''بدل الماعون فی فضل الطاعون'' میں بڑی طویل بحث کی ہے، انہوں نے طاعون کے بارے میں سب نصوص بیان کی ہیں۔ تفصیل کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے اس میں طاعون کے متعلق کافی وشافی مواد موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

بخار کا مدینہ سے جحفہ کے علاقہ میں منتقل ہونا

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ طیبہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں سب سے زیادہ وبائی جگہ تھی، کثیر تعداد میں صحابہ اس وباء سے دوچار ہوئے حتیٰ کہ انتہائی پریشان ہو گئے اور مدینہ زمانہ جاہلیت اور صدر اسلام میں ہجرت کے بعد تک وباء کے ساتھ مشہور تھا اسی وجہ سے عمرۃ القضاء کے موقع پر مشرک صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرنے لگے جیسا کہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔

۲۱۳-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مکہ میں آئے تو یثرب کے بخار کی وجہ سے کمزور ہو چکے تھے مشرک کہنے لگے کل تمہارے پاس ایک قوم آئے گی جنہیں بخار نے کمزور کر دیا ہے اور انتہائی مصیبت سے دوچار ہیں مشرک حطیم کے پاس بیٹھ گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو طواف کے تین چکروں میں رمل (کندھے ہلا کر چلنا) کرنے کا حکم فرمایا اور دو رکنوں کے درمیان آہستہ آہستہ چلنے کا حکم فرمایا تاکہ مشرک صحابہ کرام کی قوت کو دیکھیں۔ مشرک آپس میں کہنے لگے تم تو کہتے تھے کہ بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے یہ وہ فلاں فلاں سے بھی زیادہ طاقتور ہیں۔ متفق علیہ واللفظ لمسلم

یہ بات مشرکوں نے مسلمانوں پر حسد کرتے ہوئے کہی تھی جیسا کہ مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ جب انہوں نے انہیں رمل کرتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے یہ تو فلاں فلاں سے بھی طاقتور ہیں صحابہ کرام ہرنوں کی طرح چھلانگیں لگا رہے تھے پس مشرک اپنی بات سے رجوع کر گئے۔

مورخین ومحدثین کا اتفاق ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہاں سخت وباء تھی جن کی دلیل یہ حدیث طیبہ ہے۔

۲۱۴-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتے ہیں جب ہم مدینہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی زمین میں سب سے زیادہ وبائی جگہ مدینہ تھی، فرماتی ہیں بطحان کا پانی بھی وباء شدہ تھا۔

۲۱۵-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو وہ بخار والی جگہ تھی، لوگوں کو بخار ہو گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو لوگ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کا ثواب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کا نصف ہے، تو لوگ تکلیف کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔

اس حدیث کو امام احمد، النسائی نے الکبری میں، ابن ماجہ، عبدالرزق، ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اس کی سند صحیح ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں، یہ الفاظ امام احمد کے ہیں۔

۲۱۶- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں، ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو مدینہ کی سخت وباء نے ہمیں آلیا اور لوگ اکثر نفلی نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے، پھر حدیث انس کی طرح حدیث نقل کی ہے، عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے۔

اس تکلیف کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخار کو مدینہ سے جحفہ کی طرف نقل کرنے کی دعا فرمائی، جحفہ کو مہیعہ بھی کہا جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اسے مدینہ کے رہائشیوں کے لئے صحیح فرما دے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرما دیا جبکہ اس

سے پہلے یہی جگہ پوری زمین سے زیادہ وبائی جگہ تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ اے اللہ ہمارے لئے مدینہ محبوب بنادے جیسے مکہ محبوب ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے اور ہمارے لئے اس کو صحت بخش بنا دے اس کے صاع اور مد میں ہمارے لئے برکت عطا فرما، اس کے بخار کو نقل فرما کر جحفہ میں ڈال دے۔ (بخاری و مسلم)

اسی طرح حضرت ابو قتادہ کی حدیث میں تھا، اے اللہ مدینہ کو ہمارے لئے محبوب بنادے جیسے تو نے مکہ کو ہمارے لئے محبوب بنایا ہے اور اس کی وباء کو خم میں ڈال دے، (خم جحفہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) اس حدیث کو احمد، الجندی، الرویانی، سعید بن منصور نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور بخار جحفہ کی طرف منتقل ہو گیا۔

۲۱۷- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک سیاہ عورت جس کے بال بکھرے ہوئے تھے مدینہ سے نکل گئی ہے اور مہیعہ میں چلی گئی ہے، اور میں نے اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ مدینہ طیبہ کی وباء مہیعہ یعنی جحفہ کی طرف منتقل ہو گئی ہے۔ (بخاری)

۲۱۸- حضرت عائشہ کی حدیث کو امام احمد اور بیہقی نے روایت کی ہے اس کے الفاظ بخاری و مسلم کی روایت سے کچھ زیادہ ہیں فرماتی ہیں جحفہ میں جو بچہ پیدا ہوتا اس کے بالغ ہونے سے پہلے بخار ہو جاتا۔

جحفہ کی طرف منتقل ہونے کی دعا اس لئے فرمائی کہ جحفہ شرک کا گھر تھا۔ الخطابی فرماتے ہیں، وہاں یہودی رہتے تھے، اس وقت سے آج تک جحفہ میں تمام شہروں سے زیادہ بخار ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس کے چشمہ کے پانی پینے سے بھی اجتناب کیا جاتا ہے، اس چشمہ کو "عین خم" یعنی خم کا چشمہ کہا جاتا ہے، جو اس سے پانی پیتا ہے اسے بخار ہو جاتا ہے، بعض علماء نے فرمایا، جحفہ کا کوئی آدمی بخار سے نہیں بچا۔

بخار کی شدت، دباء اور کثرت جس کی وجہ سے موت واقع ہوتی ہے وہ تو منتقل ہو گی لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا کہ بخار آئے گا ضرور ہلکا پھلکا یہ بخار بطور رحمت ہو گا، تا کہ مدینہ کے رہائشی اس کے ثواب سے محروم نہ رہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخار اور طاعون میں اختیار دیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے بخار کو اختیار فرمایا اور اس کا زیادہ دباؤ قباء کے علاقہ میں ہوتا ہے۔

۲۱۹- حضرت ابو عیسب رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل امین بخار اور طاعون لے کر میرے پاس آئے تو میں نے بخار کو لے لیا

مگر طاعون کو شام کی طرف بھیج دیا طاعون میری امت کے لئے شہادت اور رحمت ہے مگر کافروں کے لئے عذاب ہے۔

اس حدیث کو احمد، الطبر انی اور ابن سعد وغیرہم نے صحیح سند کے ساتھ روایت فرمایا ہے۔

۲۲۰-حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں بخار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کون ہے، اس نے کہا بخار، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اسے اہل قباء کے پاس جانے کا حکم دیتا ہوں، اہل قباء بخار سے اتنی مدت دوچار رہے جتنا اللہ تعالٰی کو معلوم ہے پھر وہ شکایت لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم کیا چاہتے ہو اگر تم چاہو تو میں اللہ تعالٰی سے تمہارے لئے دعا کروں اور وہ تم سے اس تکلیف کو دور کر دے اور اگر تم چاہو تو تمہارے لئے یہ گناہوں سے پاکیزگی کا باعث بن جائے انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسا کریں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ تو انہوں نے کہا پھر اسے ہمارے ہاں رہنے دیں۔

اس حدیث کو احمد، ابو یعلی ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے حاکم نے اسے صحیح کہا ہے احمد اور ابو یعلی کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خفیف سا بخار باقی رہا، یہ گناہوں کا کفارہ اور گناہوں کو صاف کرنے والا ہے، انسان خطاء کا پتلا ہے، اگر تکلیف نہ ہو تو گناہ بہت بھاری ہو جاتے ہیں اور انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں، امراض اور احزان گناہوں کو مٹانے والے اور انسان کو پاک کرنے والے ہیں۔

۲۲۱-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تجھے کبھی بخار بھی ہوا ہے اس نے پوچھا بخار کیا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جلد اور گوشت میں گرمی اور حرارت۔ اس نے کہا یہ تو مجھے کبھی نہیں ہوا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے یہ پسند ہو کہ وہ دوزخی آدمی دیکھے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے۔

اس حدیث کو امام بخاری نے الادب المفرد میں، امام احمد، البزار، ابن حبان اور الحاکم نے مسلم کی شرط پر روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مریض بھی ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سر درد کئی کئی دن متواتر ہوتا، جسے بخار اور سر درد نہ ہو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ کافر ہے اور ہمیشہ ہمیشہ آگ میں رہے گا۔ واللہ اعلم۔

مدینہ طیبہ کے سانپوں کو قتل کرنا منع ہے جب تک کہ پہلے انہیں ڈرایا نہ جائے

اس کا جاننا بھی ضروری ہے کہ مدینہ منورہ میں مسلمان جن رہتے ہیں اور جن سانپوں کی شکل اختیار کرتے ہیں اس لئے مدینہ طیبہ کے سانپ قتل نہیں کرنے چاہیں حتیٰ کہ انہیں تین دن تک خبردار کیا جائے، اگر پھر بھی باہر نکلیں تو تم اسے قتل کردو کیونکہ وہ مسلمان جن نہ ہوگا بلکہ شیطان ہوگا۔

۲۲۲-حضرت ابوالسائب بیان کرتے ہیں کہ میں ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ نماز پڑھ رہے تھے میں ان کی نماز سے فراغت کا انتظار کرنے لگا یہاں تک کہ انہوں نے نماز مکمل کر لی میں نے چارپائی کے نیچے حرکت کی آواز سنی تو دیکھا وہ سانپ تھا میں اسے مارنے کے لئے اٹھا تو ابوسعید نے مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ فرمایا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے انہوں نے ایک مکان کے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا اس گھر کو دیکھا ہے، میں نے کہا ہاں انہوں نے فرمایا یہاں ایک نوجوان رہتا تھا اس کی نئی نئی شادی ہوئی تھی، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خندق کھودنے کے لئے نکلا، ہم خندق کھود رہے تھے کہ وہ نوجوان آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرنے کے لئے آیا۔ عرض کی یارسول اللہ مجھے اجازت فرمایئے میں گھر والی سے بات کر آؤں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمائی اور ساتھ ارشاد فرمایا کہ اپنے ہتھیار لے کر جاؤ مجھے خدشہ ہے کہ بنو قریظہ تم پر حملہ نہ کر دیں وہ نوجوان گھر گیا تو اس نے اپنی بیوی کو دروازے پر کھڑا دیکھا اس کو غیرت کی وجہ سے نیزہ مارنے لگا، بیوی نے کہا، جلدی نہ کرو پہلے اپنے گھر کی کیفیت دیکھو وہ اندر گیا تو زمین پر لیٹا ہوا سانپ دیکھا۔ اسے اس نے نیزہ مارا پھر اسے باہر لے آیا اور نیزہ کو گھر میں نصب کر دیا، سانپ نیزے کے اوپر تڑپنے لگا اور جوان بھی مردہ ہو کر گر پڑا، معلوم نہ ہوا کہ سانپ پہلے مرا ہے یا نوجوان۔ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ذکر کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ کے جن مسلمان ہو چکے ہیں جب تم ان میں سے کوئی دیکھو تو انہیں تین دن تک خبردار کرو۔ پھر اگر ظاہر ہوں تو انہیں قتل کردو کیونکہ وہ شیطان ہے اس حدیث کو امام مالک اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ ان گھروں کو آباد کرنے والے ہیں جب ان میں سے کسی چیز کو پاؤ تو تین دن تک تنگ کرو اگر وہ چلا جائے تو فبہا ورنہ اسے قتل کردو کیونکہ وہ کافر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا جاؤ اپنے ساتھی کو دفن کردو۔

۲۲۳-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سانپوں اور کتوں کو قتل کر دو اور دو دھاریوں والے اور دم بریدہ سانپ کو قتل کرو کیونکہ یہ دونوں آنکھوں کی بصارت زائل کر دیتے ہیں اور حمل گرا دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں میں جو سانپ دیکھتا اسے قتل کر دیتا میں ایک دن گھریلو سانپ کا پیچھا کر رہا تھا زید بن خطاب یا ابولبابہ میرے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا، اے عبداللہ رک جاؤ۔ میں نے کہا ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو سانپوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔ متفق علیہ

بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ مجھے ابولبابہ بن منذر اور زید بن الخطاب نے دیکھا تو کہا گھریلو سانپوں کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۲۲۵-حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھریلو سانپوں کو مارنے سے منع فرمایا۔ (متفق علیہ)

الجنان جمع ہے جان کی، یہ چھوٹا سانپ ہے، بعض نے فرمایا باریک سانپ ہوتا ہے، بعض نے فرمایا سفید باریک سانپ ہے۔

ذات البیوت سے مراد وہ گھر ہیں جن میں جن رہتے ہیں ان کو عوامر اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ یہ گھروں میں طویل عرصہ رہتے ہیں، یہ عمر سے مشتق ہے جس کا مطلب طویل عرصہ باقی رہنا ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے ابن المبارک سے روایت کیا ہے وہ فرماتے تھے کہ سانپوں کو قتل کرنا مکروہ ہے، اس سانپ کا قتل کرنا جو چھوٹا سا چاندی کی مانند ہوتا ہے اور چلتے وقت دوہرا نہیں ہوتا۔

''ذو الطفیتین'' طفیۃ کا تثنیہ ہے علماء فرماتے ہیں یہ دو دھاریاں ہیں جو سانپ کی پیٹھ پر ہوتی ہیں۔ طفیہ اصل میں آنکھ کے ڈھیلے کی سفید اور سیاہ دھاری کو کہتے ہیں پھر اس خط کو بھی طفیہ کہا گیا جو سانپ کی پیٹھ پر ہوتا ہے۔

''الابتر'' یہ بھی سانپ کی ایک قسم ہے جس کا دم بالکل چھوٹا ہوتا ہے، النضر بن شمیل نے کہا ہے کہ نیلے رنگ کا سانپ ہے، جس کا دم کٹا ہوا ہوتا ہے، حاملہ عورت اسے دیکھے تو اس کا حمل گر پڑتا ہے۔ (نووی)

ان احادیث سے واضح ہوا کہ دھاری دار سانپ اور دم بریدہ سانپ جن کا ذکر احادیث میں ہے یہ مدینہ کے سانپ ہیں اور مسلم کی احادیث جو اس باب میں مذکور ہیں ان میں غیر مدینہ کے سانپوں کا حکم ہے۔ اسی وجہ سے علماء کا اختلاف ہے۔

المازری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے سانپوں کو قتل نہ کیا جائے گا مگر ان کو ڈرانے کے بعد جیسا کہ ان احادیث میں تھا جب ان کو ڈرائے اور پھر بھی نہ جائیں تو ان کو قتل کر دیا جائے لیکن مدینہ طیبہ کے علاوہ کسی جگہ کے سانپ خواہ وہ گھروں میں ہوں یا کمروں میں ان کو بغیر تنبیہ کے مارنا مستحب ہے۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں ان کو مطلقاً مارنے کا حکم ہے، اس باب کی احادیث میں مطلقاً سانپوں کو مارنے کا حکم ہے

اور دوسری حدیث میں ہے کہ پانچ جانوروں کو حل وحرم میں قتل کر دیا جائے ان میں سے ایک سانپ ہے اور ان کو تنبیہ کرنے کا ذکر نہیں ہے، ایک حدیث میں منی سے نکلنے والے سانپ کو قتل کرنے کا حکم دیا اور اس میں تنبیہ کا ذکر نہیں ہے کوئی منقول نہیں ہے کہ انہوں نے پہلے اس کو تنبیہ کی تھی۔ (یہ بھی صحیح مسلم میں ہے)۔

علماء فرماتے ہیں ان احادیث کی وجہ سے مطلقاً سانپوں کو قتل کرنا مستحب کہا گیا ہے اور مدینہ کے سانپوں کو تنبیہ کرنا خاص ہے کیونکہ حدیث میں صراحت ہے کہ جنوں کا ایک طائفہ مسلمان ہو چکا ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ بغیر تنبیہ کئے مطلقاً گھروں کے سانپوں کو مارنا منع ہے مگر جو گھروں میں نہیں ہوتے انہیں بغیر تنبیہ کے قتل کرنا چاہئے۔

مسلم جن کا بغیر حق کے قتل کرنا جائز نہیں ہے مگر جب وہ خوفناک اور اذیت ناک شکل اختیار کرے تو اسے اعذار کے بعد لرنا جائز ہے۔

شیخ ابوالعباس ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ جن کا بغیر حق کے قتل کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ انسان کا بغیر حق کے قتل کرنا جائز نہیں ہے، ظلم ہر حال میں حرام ہے، کسی آدمی کے لئے حلال نہیں کہ وہ کسی پر ظلم کرے اگرچہ وہ کافر ہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫

(مائدہ:۸)

"کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ اکسائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہی تقوی کے قریب ہے۔"

جن مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں، گھروں میں رہنے والے سانپ جن ہوتے ہیں ان کو تین دن کا تنبیہ کی جائے گی اگر چلے جائیں تو فبھا ورنہ قتل کئے جائیں گے اگر اصل سانپ ہو تو انہیں قتل کیا جائے گا اگر سانپ جن ہوگا تو دشمنی پر اصرار کرے گا اور خوفناک شکل میں آکر لوگوں کو ڈرائے گا، جو حملہ کرے اس کو دور کرنا جائز ہے اگرچہ قتل ہی کرنا پڑے، مگر بغیر سبب کے قتل کرنا جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابوسعید کی حدیث میں ہے کہ مدینہ کے جن مسلمان ہو گئے ہیں، یہ جملہ خصوص کا فائدہ دیتا ہے، جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ جنوں کا اسلام لانا عہد مکی سے شروع ہوا تھا سورۂ جن کا نزول بھی مکی ہے۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْۤا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّهْدِیْۤ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾

(جن:۱-۲)

"آپ فرمایئے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے۔ پس انہوں نے (جا کر دوسرے جنوں کو) بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا

ہے راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم (دل سے) اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو اپنے رب کا۔"

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے سانپوں کو تنبیہ کرنے کا یہ جملہ فرمایا ہے۔

اُحَرِّج علیک باللّٰہ والیوم الاخران لا تبدو لنا ولا تو ذینا

میں تجھ پر اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کے طفیل حرام کرتا ہوں کہ تو ہمارے لئے ظاہر ہو اور ہمیں اذیت دے۔

ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ یہ کہے، تو تنگی میں ہے اگر تو ہماری طرف دوبارہ لوٹا تو تو ہمیں پھر ملامت نہ کرنا کہ ہم نے تیرا پیچھا کیا ہے اور قتل کیا ہے۔

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اسے یہ کہنا چاہئے، اگر تو ہمارے پاس رہا یا ہمارے سامنے آیا یا ہماری طرف لوٹا تو تو تنگی میں ہوگا۔

میں کہتا ہوں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سانپوں کو تنبیہ کرنے کا ایک طریقہ وارد ہے، اور وہ یہ ہے۔

۲۲۶-حضرت ابویعلی الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھروں کے سانپوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم اپنے گھروں میں ایسی چیز دیکھو تو یوں کہو۔ میں تمہیں اس عہد کی قسم دیتا ہوں جو تم سے حضرت نوح علیہ السلام نے لیا میں تمہیں اس عہد کی قسم دیتا ہو جو تم سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے لیا کہ تم ہمیں اذیت نہ دینا اگر پھر وہ لوٹیں تو انہیں قتل کردو۔

یہ ابوداؤد، الترمذی، النسائی، البغوی نے روایت کی ہے، ترمذی نے اسے حسن کہا ہے یہ سابقہ اقوال سے قوی ہے۔

مدینہ طیبہ کے محلات گرانا منع ہے

مدینہ طیبہ کے محلات گرانا منع ہے، محلات سے مراد ہر بلند تعمیر ہے، بعض علماء نے فرمایا ہر مربع شکل کا گھر مراد ہے کیونکہ وہ مدینہ کی زینت ہیں ہر وہ چیز جو مدینہ طیبہ کے لئے زیب و زینت کا باعث ہو اس کا گرانا یا مٹانا ناجائز ہے۔

۲۲۷-حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے محلات کو گرانے سے منع فرمایا ہے، ایک روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ کے محلات نہ گراؤ کیونکہ یہ مدینہ کی زینت ہیں۔

اس حدیث کو الطحاوی اور البزار نے روایت کیا ہے الطحاوی کے رجال صحیح کے رجال ہیں، اسی طرح

المز ار کے بھی سوائے ان کے شیخ کے۔

ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں انصار نے بہت سے محل بنا رکھے تھے مدینہ کے بازار پر ٹیکس نہ لگایا جائے گا

مدینہ طیبہ کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے بازار پر ٹیکس نہ لگایا جائے گا۔

۲۲۸-حضرت ابی اسید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبیط کے بازار میں تشریف لے گئے اس کے حالات دیکھے پھر فرمایا یہ تمہارا بازار نہیں ہے پھر آپ ایک اور بازار میں تشریف لے گئے اسے بھی دیکھ کر فرمایا یہ تمہارے لئے نہیں ہے پھر آپ مدینہ طیبہ کے بازار کی طرف آئے اس میں چکر لگایا پھر فرمایا یہ تمہارا بازار ہے نہ اس کو توڑا جائے گا اور نہ اس پر ٹیکس لگایا جائے گا۔

اس حدیث کو ابن ماجہ اور الطبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اور یہ حسن لغیرہ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جلوہ گری سے مدینہ روشن ہو گیا

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس کی ہر چیز روشن ہو گئی۔

۲۲۹-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ کی ہر چیز روشن ہو گئی اور جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اس دن مدینہ کی ہر چیز پر تاریکی چھا گئی۔ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے فارغ ہوئے تو ہمارے دل انکار کر رہے تھے۔

اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن حبان، الحاکم، ابن ماجہ، الدارمی اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے تمام نے اسے صحیح کیا ہے۔

مدینہ خوشی کی وجہ سے روشن ہوا اور غم کی وجہ سے تاریک ہوا، اسی وجہ سے مدینہ طیبہ کو مدینہ منورہ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

مدینہ طیبہ میں نیک اعمال کا اجر کئی گنا ہوتا ہے

مدینہ طیبہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں اعمال کا اجر ہزار تک بڑھ جاتا ہے جبکہ مسجد حرام کے علاوہ کسی شہر میں اتنا اجر نہیں ہوتا۔

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مکہ مکرمہ کے بعد زمین کا کوئی خطہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہے، اس میں اعمال کا اجر کئی گنا ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری اس مسجد کی نماز مسجد حرام کے علاوہ ہر جگہ کی نماز سے ہزار درجہ بہتر ہے۔

اسی طرح مدینہ طیبہ میں ہر عمل کی یہی صورت حال ہے۔

الامام زبیدی شارح احیاء العلوم فرماتے ہیں کہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدینہ میں اعمال کی فضیلت نماز کی فضیلت کی طرح ہے، ہرعمل ہزار عمل کے برابر ہے۔

امام غزالی اور علامہ زبیدی کی تائید درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے۔

● ۲۳۰-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مسجد کی نماز دوسری جگہوں سے ہزار درجہ افضل ہے سوائے مسجد حرام کے میری مسجد کا رمضان دوسری مساجد کی نسبت ہزار رمضان کے مہینہ سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے اس حدیث کو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے، السیوطی نے اسے حسن کہا ہے ابن عمر کی حدیث اس کی شاہد ہے، حدیث بلال بن الحارث جو الطبرانی کی الکبیر میں الضیاء نے المختارہ میں الدیلمی اور ابن عساکر نے نقل کی ہے اس کی شاہد ہے، امام سیوطی نے اسے صحیح کہا ہے مگر اسی پر اعتراض کیا گیا ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں اس کی بہترین شاہد حدیث ابی ہریرہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہم ہے جو صحیحین میں ہے، اس کا ذکر تیسرے باب میں آئے گا، اس میں ہزار درجہ نماز کا ذکر ہے، یہ حدیث کثرت اسانید کی وجہ سے حسن ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مدینہ طیبہ حاضری کے لئے ذی الحلیفہ میں قیام کرنا

جب کوئی شخص مکہ مکرمہ کی جانب سے حج کرنے یا عمرہ کرنے کے بعد مدینہ طیبہ آئے تو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ وہ ذی الحلیفہ اترے، اگر دن ہو تو دو رکعت نماز نفل ادا کرے اور اگر رات ہو تو یہاں رات گزارے پھر صبح کو دن کے وقت مدینہ طیبہ میں داخل ہو۔

۲۳۱-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ علیہ السلام نے ذی الحلیفہ کی پتھریلی زمین میں اونٹ بٹھایا اور نماز ادا فرمائی نافع فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر ایسا کرتے تھے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحلیفہ کے مقام پر مسجد کی جگہ میں درخت کے نیچے قیام فرماتے تھے جب کبھی حج کرتے یا عمرہ کرتے تھے اور جب کسی غزوہ یا حج وغیرہ سے اس راستہ پر واپسی ہوتی تو آپ وادی کے بطن میں اترتے جب وادی کے بطن سے نکلتے تو وادی کے مشرقی کنارہ پر پتھریلی جگہ پر اونٹ بٹھاتے اور صبح تک یہاں ہی رات گزارتے، پتھروں کے ساتھ والی مسجد کے پاس یا اس ٹیلا پر رات نہ گزارتے جس پر مسجد قائم ہے، وہاں ایک نہر تھی جس میں حضرت عبداللہ نماز پڑھتے تھے، اس کے بطن میں ٹیلے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز پڑھتے تھے، سیلاب نے پتھروں کو ہموار کر دیا حتیٰ کہ اس جگہ کو ڈھانپ دیا جہاں حضرت عبداللہ نماز پڑھتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل قصداً اور ارادۃً تھا آپ مدینہ طیبہ میں رات کو داخل نہ ہوتے تھے، کیونکہ رات کو داخل ہونے سے منع کیا گیا تھا، اس کی دلیل حدیث کے الفاظ ("فَعَرَّسَ ثُمَّ حَتّٰی یُصْبِحَ"

وہاں رات گزاری یہاں تک کہ صبح ہوگئی) ہیں۔

۲۳۳- بخاری کی دوسری روایت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے نکلتے تو مسجد الشجرہ میں نماز ادافرماتے پھر جب واپس تشریف لاتے تو ذی الحلیفہ میں وادی کے بطن میں نماز پڑھتے اور صبح تک یہاں رہتے۔

اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے ایک راستہ سے نکلتے اور دوسرے راستہ سے داخل ہوتے جیسے عید کے موقع پر کیا جاتا ہے۔

(۲) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لاتے تو ذی الحلیفہ میں اترتے اور نماز ادافرماتے اور یہیں رات گزارتے، یہاں تک کہ صبح ہوجاتی ہے۔

(۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بڑی وقت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کی اتباع کرتے تھے، یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی عظمت ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت کا اظہار ہے۔

آگ کا خروج

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ حجاز سے ایک آگ ظاہر ہوگی جو بصری کے اونٹوں کی گردنوں کو روشن کر دے گی۔ یہ آگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ظاہر ہوئی، لوگ انتہائی گھبراہٹ کا شکار ہو گئے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعض صحابہ کرام کو اپنے ساتھ لے جاتے اور وہ اسے اس غار میں داخل کر دیتے جہاں سے وہ نکلی ہوتی تھی، حتیٰ کہ جب ۶۵۴ھ کو مدینہ طیبہ کے قریب سے ظاہر ہوئی تو انتہائی شدید تھی، مخلوق خدا کو اس کے احوال و مناظر نے انتہائی خوفزدہ کر دیا، حتیٰ کہ لوگوں نے توبہ کی اور رجوع الی اللہ کیا۔ شام کے شہروں میں بصریٰ نظر آتا تھا اور اسی طرح مکہ اور تیماء بھی دکھائی دیتا تھا جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ اس کی خبر یقین اور تواتر کو پہنچ چکی تھی، یہ کئی ایام تک باقی رہی پھر بجھ گئی تھی یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی کہ وہ مدینہ طیبہ کے جوار میں ظاہر ہوئی، جب حرم نبوی تک پہنچی تو آگے تجاوز نہ کر سکی اور حدود حرم نبوی میں داخل نہ ہوئی، شمال کی طرف پھیل گئی اس نے ہر خشک و تر، پتھر اور شجر ہر چیز کو جلا دیا۔ اس زمانہ کے علماء نے اس کے متعلق بڑی بڑی کتب تحریر فرمائی ہیں۔

یہ انتہائی خطرناک آگ تھی، اس کے بعد متصل بغداد غرق ہوا، اس سے اگلے سال بغداد کا سقوط اور خلافت کا سقوط تاتاریوں کے ہاتھوں ہوا۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کے متعلق اور اس کی جگہ کے متعلق خبر دی تھی بعینہ اسی طرح ہوا۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سچی

دلیل تھی۔

۲۳۴-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ حجاز کی زمین سے آگ نکلے گی جو بصری کے اونٹوں کو روشن کردے گی۔(متفقہ علیہ)

۲۳۵-حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ حجاز کی وادیوں میں سے ایک وادی آگ کے ساتھ بہہ پڑے گی جس کی وجہ سے بصری کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہوجائیں گی۔

اس حدیث کو ابن عدی، الدیلمی، البخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عمر بن سعید ہے جن کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے ابن عدی اور الدارقطنی نے اسے لین کہا ہے لیکن سابق حدیث کے شاہد ہونے کی وجہ سے یہ حدیث حسن ہے۔

وہ وادی واقعۃً آگ کے ساتھ بہنے لگی جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی اس آگ کا وصف، خروج کی جگہ، اس کی ہولناکیوں اور ان وادیوں کا ذکر جن میں یہ آگ چلے گی اور پھر یہ آگ کہاں ختم ہوگی ان تمام واقعات وحالات کا ذکر ان شاء اللہ آئندہ سطور میں ہوگا۔

آگ کے نکلنے کی جگہ اور اس کی حدود

۲۳۶-حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری رحمتہ اللہ علیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ الحجاز میں بنی سلیم کی ایک وادی سے آگ نکلے گی جس سے بصری کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہوجائیں گی۔

اس حدیث کو بخاری نے اپنی تاریخ میں دو طریق سے روایت کیا ہے اور یہ صحیح لغیرہ ہے اور یہ مرفوع حدیث ہے۔

بنو سلیم مدینہ منورہ جنوب مشرق میں ہے۔

۲۳۷-حضرت رافع بن بشر السلمی اپنے باپ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قریب ہے کہ ایک آگ حبس سیل سے نکلے گی جو اونٹ کی سست رفتار سے چلے گی دن کے وقت چلے گی اور رات کو ٹھہر جائے گی صبح کے وقت جائے گی اور شام کو واپس آئے گی کہا جائے گا لوگو! آگ آئی ہے نکلو، آگ کہے گی قیلولہ کرو، آگ واپس چلی گئی ہے تم بھی واپس چلو جس کو وہ آگ پالے گی اسے کھا جائے گی۔

اس حدیث کو احمد، الطبرانی نے روایت کیا ہے احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے رافع کے مگر وہ بھی ثقہ ہیں۔ الحاکم، ابن حبان، ابویعلی اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں روایت کی ہے۔

۲۳۸-حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ہم سے پوچھا حبس سیل کہاں ہے، ہم نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! ہم تو نہیں جانتے پھر بنی سلیم کا ایک شخص میرے پاس سے گزرا، میں نے اس سے پتہ پوچھا تو اس نے کہا میں حبس سیل کا رہنے والا ہوں، میں نے اسے اپنی نعل کے ساتھ بلایا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے گیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ہم سے حبس سیل کے بارے پوچھا تھا مگر ہم نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا یہ شخص میرے پاس سے گزرا تو میں نے اس سے حبس سیل کے متعلق پوچھا ہے یہ کہتا ہے کہ میں وہاں کا رہنے والا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس سے پوچھا تو کہاں کا رہنے والا ہے، اس نے کہا حبس سیل کا رہنے والا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر والوں کو وہاں سے نکال لے کیونکہ قریب ہی وہاں سے ایک ایسی آگ نکلے گی جس سے بصری کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔

اس حدیث کو الطبرانی اور الحاکم نے روایت کیا ہے اور ان کی اسناد میں ابراہیم بن اسماعیل بن مجمع ہیں جو ضعیف ہیں لیکن سابق حدیث اس کی شاہد ہے۔

حبس سیل بنی سلیم اور السوارقیہ کے پتھریلے ٹیلے کے درمیان ہے بنی سلیم کے ایک ٹیلے کو بھی کہا گیا ہے، بنی سلیم کے دو حرے یعنی پتھریلے ٹیلے ہیں جن کے درمیان کھلا علاقہ ہے۔ شاید یہ بنی سلیم کی وادیوں میں سے وادی ہو جس کا ذکر حدیث سابق میں گزرا ہے لیکن راوی نے نام نہیں لیا یا کہا جاتا ہے کہ یہ بنی سلیم کی وادیوں میں سے ایک وادی ہے جسے حبس سیل کہا جاتا ہے۔

۲۳۹-حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ رومان یا رکوبہ سے آگ نکلے گی جس سے بصری کے اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر میں اس حدیث کے بعد ذکر کیا ہے جسے اصحاب صحیح نے روایت کیا ہے (قیامت قائم نہ ہوگی حتیٰ کہ دس علامات ظاہر ہو جائیں)۔

رکوبہ ایک مشکل ترین گھاٹی ہے جو ورقان اور قدس ابیض کے درمیان ہے اور یہ مدینہ کے علاقہ میں ہے اور مدینہ طیبہ کی ہجرت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی راستہ اختیار فرمایا تھا۔

الحافظ ابن حجر نے جو لکھا ہے کہ یہ مدینہ سے شام کے راستہ پر ایک مشکل گھاٹی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں اس راستہ سے گزرے تھے، ان کا یہ قول غریب ہے اور اگر البکری، جس سے ابن حجر نے نقل کیا ہے، کا قول صحیح بھی ہو تو یہ کوئی دوسری گھاٹی ہوگی یہ وہ گھاٹی نہیں ہے جس کا ذکر حدیث میں مذکور ہے کیونکہ علماء و مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ وادی ورقان اور قدس ابیض کے درمیان ہے۔ یہ

السیجید سے پہلے واقع ہے اور اسی نام سے معروف ہے۔

جیسا کہ الاستاذ حمد الجاسر نے المغانم المطابہ پر اپنی التعلیق میں لکھا ہے ان نصوص میں تعارض نہیں ہے کیونکہ جبس سیل بنی سلیم کے علاقہ میں ہے اور رکوبہ اس سے مغربی جانب ہے اور وہ آگ جو ۶۵۴ھ کو نکلی تھی وہ مدینہ طیبہ کے مشرقی جنوبی جانب جبس سیل سے نکلی تھی جیسا کہ وضاحت آگے آئے گی۔

حضرت تمیم الداری کی کرامت

یہ آگ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں نکلی تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں اس آگ کے پاس لے گئے حتیٰ کہ حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ اس آگ کو ہانکتے گئے اور اسے اس غار میں داخل کر دیا جہاں سے وہ نکلی تھی۔

اس لئے ابن سید الناس رحمتہ اللہ علیہ حضرت تمیم الداری کی کرامت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں تمیم الداری وہ عظیم شخصیت ہیں کہ جب آگ غار سے بجلی کی طرح چمکدار ہو کر نکلی اور لوگوں کو کھانے کا ارادہ کیا تو آپ نے اسے ہانک کر اپنی جگہ غار میں لوٹا دیا اور پھر کبھی ظاہر نہ ہوئی یہ قصہ بہت سے مصادر میں وارد ہے۔

۲۴۰ - حضرت معاویہ بن حرمل سے مروی ہے فرماتے ہیں میں مدینہ طیبہ آیا اور تین دن میں مسجد میں ٹھہرا رہا اور کوئی چیز نہ کھائی پھر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی اے امیر المومنین، توبہ کرنے والا وہ ہے جو پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرے۔ امیر المومنین حضرت عمر نے پوچھا تو کون ہے میں نے کہا معاویہ بن حرمل مسیلمہ کا داماد، حضرت عمر نے کہا تو جا اور اہل مدینہ کے بہتر لوگوں میں قیام کر۔ فرماتے ہیں تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے نماز (عصر) پڑھی اپنے دائیں بائیں ہاتھ مارا پھر آپ دو آدمیوں کو ساتھ لے کر چلے میں نے بھی آپ کے پہلو میں نماز پڑھی تھی مجھے بھی آپ ساتھ لے گئے ہمارے پاس کھانا لایا گیا تو میں نے خوب سیر ہو کر کھایا اسی دن الحرہ میں آگ ظاہر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت تمیم کے پاس آئے اور کہا اس آگ کی طرف چلو حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے امیر المومنین میں کون ہوں اور میری شان کیا ہے۔ آپ پہلے تو یہ جملہ بار بار دہراتے رہے مگر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ چل پڑے۔ میں بھی ان دونوں کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔

وہ دونوں آگ کی جانب چلے پھر حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے آگ کو ہانکنا شروع کیا تو وہ گھاٹی میں داخل ہوگئی اور حضرت تمیم بھی اس کے پیچھے داخل ہوگئے۔

حضرت عمر کی زبان پر یہ جملہ تین بار نکلا، جس نے دیکھا ہے وہ بن دیکھے کی مانند نہیں۔

اس حدیث کو البیہقی، ابن سید الناس، ابن عساکر، الذہبی، ابن کثیر اور الحافظ نے الاصابہ میں ذکر کیا ہے۔

لیکن امام الذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابن حرمل معروف نہیں۔

الحافظ ابن حجر نے الاصابہ میں امام الذہبی کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ معاویہ بن حرمل الحنفی مسیلمہ کذاب کا داماد ہے، وہ جانی پہچانی شخصیت ہے، وہ ردت میں مسیلمہ کے ساتھ تھا مگر پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں توبہ کی تھی، پھر انہوں نے یہی قصہ امام البغوی کے طریق سے الجریری عن ابی العلاء عن معاویہ بن حرمل کی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

آگ کا ظہور ۶۵۴ ہجری میں

پھر یہ آگ ۶۵۴ھ کو بڑی بھیانک اور خوفناک شکل میں ظاہر ہوئی جس کی نقل تواتر کو پہنچی ہوئی ہے، اس کا ذکر بہت سے علماء نے کیا ہے جیسا کہ قطب الدین محمد بن احمد بن القسطلانی متوفی ۶۸۶ھ نے بھی نقل کیا ہے وہ کتب جو مدینہ طیبہ سے دمشق وغیرہ بھیجی گئیں ان میں بھی اس آگ کے ظہور اور اس کی کیفیت کا ذکر ہے، ابوشامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ذیل الروضتین میں ان کتب کی اکثر عبارات نقل فرمائی ہیں۔

آگ کے ظہور کے بارے میں منقولہ عبارات کا خلاصہ:

۶۵۴ھ یکم جمادی الاخرۃ کو سوموار کے روز تھوڑے تھوڑے زلزلے کے جھٹکے محسوس ہوئے جنہیں تمام لوگوں نے محسوس نہ کیا مگر منگل کے روز شدید قسم کے جھٹکے محسوس ہوئے پھر تین جمادی الاخرہ کو بدھ کی رات تو انتہائی قسم کا زلزلہ آیا جس سے تمام لوگ خوفزدہ ہو گئے پھر یہ زلزلوں کا سلسلہ جمعہ کی رات تک جاری رہا۔ بادل کی گرج سے بھی زیادہ خوفناک آواز سنائی دیتی تھی۔ دیواریں کانپتی تھیں اور زمین لرز رہی تھی، حتیٰ کہ ایک دن کو اٹھارہ جھٹکے واقع ہوئے حتیٰ کہ مسجد نبوی کے مینار بھی لرزنے لگے، اس کی چھت سے ایک سخت قسم کی آواز سنائی دیتی تھی جمعہ کے روز چاشت کے وقت سے نصف النہار تک زلزلے کچھ تھم گئے۔

پانچ جمادی الثانی جمعہ کے روز دوپہر کو یہ آگ ظاہر ہوئی، اس کے ظہور کی جگہ تہہ در تہہ دھواں اٹھنے لگا جس نے اپنی سیاہی سے پورے افق کو گھیر لیا ہر طرف تاریکی ہی تاریکی چھا گئی، رات ہوگئی تو آگ کے شعلے چھانے لگے، یوں لگتا جیسے شہر کو ایک فصیل گھیرے ہوئے ہے جس پر بڑے بڑے برج اور مینار ہیں اور یوں محسوس ہوتا کہ لوگ اسے جلا رہے ہیں، وہ آگ پہاڑ پر چڑھتی تو اسے ہلا دیتی اور پگھلا دیتی، اس کیفیت میں صرف اور صرف سرخ اور نیلی آگ ہی نکلتی نظر آئی اس میں آواز ایسی جیسے کڑک کی آواز، بڑی چٹانوں اور پتھروں کو نگلتی جاتی تھی۔

اس آگ کا خروج مدینہ کی مشرقی جانب بنی سلیم کے شہروں میں سوارقیہ کے راستہ سے مدینہ طیبہ سے نصف دن کی مسافت پر بنی قریظہ اور احیلین کے درمیان سے ہوا پھر یہ احیلین کے قریب تک مشرق کی جانب بڑھنے لگی پھر شمال کی طرف چلی گئی مشرقی جانب وادیوں میں چلی حتیٰ کہ سامنے پہاڑ آ گئے پھر وادی الشظاۃ میں پہنچی پھر مدینہ کے مشرقی پتھریلے کنارے تک پہنچ گئی مگر اللہ تعالیٰ نے پھر اسے وادی الشظاۃ میں

واپس موڑ دیا۔ اس کا طول چار فرسخ اور عرض چار میل تھا اور گہرائی ڈیڑھ قامت، جیسا کہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے، چٹانیں یوں بہنے لگیں جیسے کوئی پگھلی ہوئی دھات ہو، پھر وہ کوئلوں کی طرح ہو گئی یہاں تک کہ جبل دعیرۃ تک پہنچ گئی جو جبل احد کے مشرق میں ہے اس جگہ کو قرن الارنب کہا جاتا ہے، پھر وادی الشظاۃ یعنی وادی سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ میں سے گزری اور حرم نبوی کے سامنے جا کر رک گئی مگر اندر داخل نہ ہوئی۔

القطب القسطلانی فرماتے ہیں مجھے ایک معتمد علیہ شخصیت نے بتایا کہ میں نے خود مدینہ طیبہ کے قریب بڑی بڑی چٹانیں دیکھیں جن کا ایک حصہ حرم نبوی میں شامل تھا اور ایک حصہ باہر تھا، آگ اس حصہ تک پہنچی تو حرم نبوی کی حدود سے جو حصہ باہر تھا اسے تو وہ آگ کھا گئی لیکن جب اس حصہ تک پہنچی جو حرم نبوی کی حدود میں شامل تھا تو وہ وہاں یکدم بجھ گئی۔

امام ابوشامہ القاضی الشریف سنان کی کتاب کے حوالے سے لکھتے ہیں جو اس وقت مدینہ طیبہ میں تھے کہ اس آگ کا سیلان وادی الشظاۃ سے ہوا حتیٰ کہ جبل احد کے مقابل پہنچ گئی قریب تھا کہ حرہ عریض کے قرب میں پہنچ جاتی مگر اس کی مدینہ طیبہ والی طرف جو عریض کے قریب تھی بجھ گئی اور مشرق کی طرف چل پڑی پس وہ آگ وادی الشظاۃ کے وسط میں جبل دعیرہ کی جانب پتھریلے ٹیلے تک جمع ہوتی رہی، حتیٰ کہ مذکورہ وادی آگ کے ذریعے جمع ہونے والے پتھروں کی وجہ سے بند ہو گئی اس پتھریلے بند کو الحبس کہا جاتا ہے۔

وادی الشظاۃ اسی پتھریلے بند کی وجہ سے ختم ہو گئی اور بارشوں کے سیلاب کا پانی اسی بند کے قریب رک جاتا حتیٰ کہ حد نظر تک طولاً عرضاً پانی دکھائی دیتا تھا۔

یہ آگ ۵ جمادی الثانی جمعہ کے دن سے نکلنا شروع ہوئی اور ستائیس رجب اتوار کے دن تک بھڑکتی رہی پھر کئی دن بجھی رہی پھر ظاہر ہوئی پھر بجھ گئی اس طرح متواتر بجھتی اور بھڑکتی رہی یہ سلسلہ تقریباً تین ماہ تک جاری رہا۔ مؤرخین نے یہی مدت ذکر کی ہے کہ یہ آگ متواتر ستائیس دن رہی پھر ختم ہو گئی اور پھر ظاہر ہوئی حتیٰ کہ تین ماہ کے بعد بالکل ختم ہو گئی۔

اس آگ کے شعلوں کی شدت کا بیان انتہائی مشکل ہے۔ قطب القسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معتمد علیہ شخص سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے امیر (عزالدین منیف بن شیحہ) نے کئی شہسوار بھیجے کہ وہ اس آگ کی خبر لے آئیں تو وہ گھوڑے اس کی گرمی کی وجہ سے آگے نہ جا سکے تو شہسوار گھوڑوں سے اتر کر اس آگ کے قریب گئے انہوں نے واپس آ کر بتایا کہ وہ آگ تو بڑے بڑے محلوں کی مانند شعلے نکالتی ہے وہ شہسوار اس کی پوری خبر لانے سے عاجز آ گئے تو امیر مدینہ نے خود جانے کا عزم کیا مگر وہ بھی آٹھ سو قدم دور رک گیا، گرمی اور حرارت کی وجہ سے آگے نہ جا سکا زمین کے اندر کیلوں کی مانند پتھر تھے جن کے نیچے بھی

آگ لگی تھی اور سامنے بھی شعلے آسمان سے باتیں کررہے تھے جس کی وجہ سے آگے جانا انتہائی مشکل تھا۔ اس نے دیکھا کہ آگ کے شعلے پہاڑوں کی طرح اور ٹیلوں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ پتھروں کی وجہ سے جھاگ ابل رہی ہے جیسے موجزن سمندر جھاگ نکالتا ہے اور شعلے پورے افق کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے حتیٰ کہ دیکھنے والا یوں دیکھتا کہ چاند اور سورج گرہن لگ چکے ہیں ان کی روشنی اور چمک ختم کردی گئی ہے، اگر اللہ تعالیٰ مہربانی نہ فرماتا تو وہ حیوانات، نباتات اور تمام پتھروں کو نگل جاتی۔

القسطلانی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس آگ کی روشنی وادی کے تمام پتھروں، چٹانوں پر چھا گئی یوں لگتا سورج مدینہ طیبہ کے اوپر چمک رہا ہے اور مدینہ طیبہ کے تمام مکانات اس کی روشنی میں لپٹے ہوئے تھے۔ اس آگ کے شعلے متواتر بھڑکتے رہے اور سورج کا نور زمین پر زرد دکھائی دیتا تھا اور آگ کے شعلوں کے سبب اس کے رنگ پر سرخی غالب تھی۔ چاند یوں لگتا جیسے اس کا نور ختم کردیا گیا ہے۔

ابوشامہ رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس کسوف کا اثر دمشق میں بھی ظاہر ہوا، دیواروں پر روشنی بہت کم دکھائی دیتی تھی، ہم سب حیران و ششدر تھے کہ وجہ کیا ہے، پھر ہمیں اس آگ کی خبر پہنچی تو ہمیں اس اندھیرے کا سبب معلوم ہوا۔ ابوشامہ یہ تمام کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں اس آگ کے عجائب اور اس کی بڑائی اتنی تھی کہ قلم اس کے بیان سے عاجز ہے اور تقریر وکلام اس کی وضاحت سے قاصر ہے۔

اس آگ کا ظہور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی اس کے مطابق یہ آگ ظاہر ہوئی ایسی آگ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ظاہر ہوئی اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے ظاہر ہوئی۔

(اس کے بعد مصنف نے امام قرطبی، ابن کثیر، القاشانی کے حوالہ سے اس آگ کی شدت تپش، وغیرہ کو بیان کیا ہے، تقریباً یہی مفہوم اور الفاظ ہیں جن کا ترجمہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں دوبارہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا مترجم)

آگ کے واقعہ سے چند امور کا استنباط

(۱) معجزہ نبوی کا تحقق: جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آگ کے متعلق خبر دی تھی بعینہ اس طرح اس آگ کا خروج اور ظہور ہوا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا مقام اور حدود بیان فرمائی تھیں وہاں سے ہی اس کا ظہور ہوا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر صادق ہونے کی بڑی دلیل ہے۔

(۲) مدینہ طیبہ کی عظمت: اس آگ کی اتنی شدت، حجم، شعلوں اور گرمی کے باوجود، مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہوئی۔ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ کر بھسم ہوگئی۔ یہ مدینہ طیبہ کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو عظمت و منزلت ہے اس کا بہت بڑا ثبوت ہے، کیونکہ یہ آگ حرم نبوی کے قریب پہنچ گئی مگر اندر داخل نہ ہوئی، اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں وہ جیسے چاہتا ہے اپنی مخلوق میں تصرف فرماتا ہے، اس

نے اسے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے روک لیا۔

جب وہ آگ مدینہ طیبہ کے احترام و اجلال میں اندر داخل نہ ہوئی تو پھر انسان پر اس شہر مقدس کا کتنا احترام و تکریم لازم ہوگی، اتنی بڑی آگ جس نے پہاڑوں، چٹانوں، خشک و تر سب کو جلا دیا مگر حدود حرم نبوی کے پاس رک گئی حالانکہ یہ بے عقل تھی، تو پھر عقلمندوں پر اس حرم نبوی اور حرم مکی کی کتنی تعظیم و تکریم واجب ہوگی۔

(۳) یہ آگ صرف اہل مدینہ نے ہی نہیں بلکہ اس آگ کا ان لوگوں نے بھی مشاہدہ کیا تھا جو مدینہ سے بہت دور تھے، مثلاً بصری، تیماء، مکہ وغیرہ کیونکہ اس آگ کے دھویں اور شعلوں کی وجہ سے چاند اور سورج گہنا گئے تھے اور یہ حقیقت ہے کہ جس نے بھی اس آگ کو دیکھا اس نے اپنے رب کریم کے حضور خلوص دل سے توبہ کی جس میں اہل مدینہ بھی شامل تھے۔

یہ تو دنیا کی آگ تھی جس نے سب کچھ جلا دیا تھا تو سوچیں آخرت کی آگ کا عالم کیا ہوگا ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے عذاب و عقاب سے ہمیشہ محفوظ فرمائے۔

(۴) اس آگ کے دنیوی اخروی فوائد بھی ظاہر ہوئے، اس آگ کی وجہ سے وادی الشظاہ میں ایک بند بن گیا تھا جس سے کوئی انسان یا جانور نہیں گزر سکتا تھا اور اجڈ بدو اس جہت سے آکر مدینہ طیبہ میں فساد نہیں پھیلا سکتے تھے انہوں نے اس جانب سے آنے کی کوشش کی مگر اس بند کو کراس نہ کر سکے۔

اس بند کی بلندی کی وجہ سے بارشی سیلاب یہاں رک جاتا تھا حتیٰ کہ حد نظر تک پانی ہی پانی نظر آتا تھا۔

۶۹۰ھ میں یہ بند ٹوٹا تھا تو دو سال تک وادی میں پانی چلتا رہا، پھر اس کے بیس سال بعد ٹوٹا تھا، پھر کچھ عرصہ بعد تیسری مرتبہ ٹوٹا تھا، اس وقت بہت زیادہ بارشیں ہوئی تھیں پانی بہت زیادہ بلند ہوگیا تھا اگر ایک ہاتھ اور بلند ہوتا تو مدینہ طیبہ غرق ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے خصوصی مہربانی سے اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مقدس کو محفوظ فرمالیا۔

اس آگ کی وجہ سے اتنا خوف اور ڈر پھیلا کہ لوگ قرب قیامت کا گمان کرنے لگے، گناہوں اور معاصی سے توبہ و استغفار کرنے لگے، مدینہ طیبہ ہر قسم کے ظلم و جبر سے پاک ہوگیا، طاؤس و رباب کی محافل مینا و صراحی، شراب و جام کے سارے تذکرے یکدم ختم ہو گئے، شاید اگر یہ آگ ظاہر نہ ہوتی لوگ فساد و عصیان، ظلم و تعدی میں مدہوش رہتے اور عاقبت سے بے خبر رہتے۔

(۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خصوصی رحمت ہوئی کہ اس آگ کو مدینہ طیبہ کے قریب ظاہر فرمایا اگر یہ کہیں اور جگہ ہوتی تو نہ کوئی انسان اس کی زد سے بچتا اور نہ کوئی جانور، اور لوگوں کو انتہائی تکلیف اٹھانا پڑتی، لیکن اللہ تعالیٰ جو رحمٰن، رحیم اور لطیف ہے اس نے اس ذات کے حرم کے پاس اسے ظاہر فرمایا جو سراپا رحمت ہے، مومنین پر ہمیشہ نگاہ کرم فرمانے والے ہیں، اس

امت کی فلاح کے بہت حریص ہیں، امت کی تکلیف ان پر بہت شاق ہے، گنہگاروں کی شفاعت فرمانے والے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ برے انجام سے ڈرانے والے ہیں، ان کی برکت سے یہ آگ لوگوں سے دور رکھی گئی، حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب میں آگ کے ظہور کا شاید یہی راز تھا کہ اس نبی مکرم کی تربت اور اس کے حرم پاک کی برکت امت پر ظاہر ہو جائے۔

(۶) بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آگ مصیبت کی صورت میں نعمت تھی کہ اس آگ کی بلندی اور طویل مدت کے باعث اس کی خبریں دور ونزدیک پھیل گئیں مخلوق خدا ڈر گئی، دل کانپنے لگے، اور یہ آگ آخرت کی آگ کے لئے علامت بن گئی۔

(۷) مدینہ طیبہ کے قریب اس آگ کا خروج عالم اسلامی کو ڈرانے کے لئے تھا اور مسلمانوں کے مصائب کے سلسلہ کی یہ پہلی کڑی تھی، کیونکہ اس کے بعد اسی سال یکم رمضان کو مسجد نبوی جل گئی۔ ۶۵۵ھ کو بغداد غرق ہوا، اس کے بعد ۶۵۶ھ کو بغداد کے سقوط اور مسلمانوں کی ہلاکت کا واقعہ پیش آیا یعنی ہلاکو تاتاری کے ہاتھوں مسلمان علماء، خلفاء، عوام کی ہلاکت ہوئی۔

اس آگ میں قیامت کے قرب کی بہت بڑی علامت تھی اور یہ ایسی زمین میں ظاہر ہوئی جو پتھریلی تھی جہاں نہ کوئی درخت اور نہ کوئی بوٹی تھی، اس کا بعض بعض کو کھا رہا تھا، پتھر پگھل رہے تھے، حتیٰ کہ تر مٹی کی طرح پھیل رہی تھی، پھر اسے ہوا لگتی تو اس لوہے کے زنگ کی طرح ہو جاتے جو بھٹی سے نکلتا ہے، پھر خفیف سیاہی مائل ہو جاتے، خوش بخت وہ ہے جو اپنی زندگی کو غنیمت سمجھے اور اپنے معاملے کو سدھارے، اصلاح و صلاح کو مرنے سے پہلے اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا دے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری خود حفاظت فرمائے اور ہمیں اخلاص، صلاح اور جنت کی کامیابی کی توفیق عطا فرمائے اور اس کی رحمت بے پایاں ہمارے شامل حال رہے، اور اگر وہ اپنے بندوں کو کسی آزمائش میں مبتلا کرے تو ہمیں بغیر آزمائش کے اپنی جناب میں بلا لے، ہمیں سعادت دارین عطا فرمائے ہماری دنیا و آخرت کی اصلاح فرمائے مفسدین کی اصلاح فرمائے ہم سب کی توبہ قبول فرمائے وہ اس تمام پر قادر ہے ہم صرف اسی سے سوال کرتے ہیں۔

مدینہ طیبہ کی مٹی اور اس کے پتھروں کو حرم سے نکالنے کی تحریم

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو حرم بنایا تو اس کی ہر چیز جو اس میں قرار پذیر ہے اس کو بھی حرام قرار دیا ہے، اسی وجہ سے اس کے درختوں کا کاٹنا اور اس میں شکار کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس کی مٹی اور پتھر بھی حرام ہیں حل کی طرف لے جانا جائز نہیں ہیں کیونکہ یہ حرام ہیں اور ان کی حرمت ثابت ہے۔

امام الزرکشی فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کی مٹی اور پتھر حرم مدینہ سے باہر لے جانا حرام ہے اور مدینہ طیبہ کی مٹی سے بنی ہوئی اشیاء لوٹے وغیرہ بھی باہر لے جانا جائز نہیں ہے۔

امام نووی نے شرح المہذب میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے اور مکہ کی اشیاء کی تحریم یا کراہت میں اختلاف حکایت کیا ہے اور ان کی کلام میں تردد ہے۔

مدینہ طیبہ حرم ہے اور اس کا خطہ باقی تمام خطوں سے حکم میں مختلف ہے جیسا کہ مکہ مکرمہ ہے مدینہ طیبہ کو دوسرے شہروں پر شرف وبزرگی حاصل ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کا شکار اور درخت کاٹنا حرام ہے، پس یہ حرمت اس کی مٹی سے ختم نہ ہوگی۔

مدینہ طیبہ کے آداب

یہاں مدینہ طیبہ کے آداب ذکر کئے جاتے ہیں جن کا کرنا مستحسن ہے کیونکہ ان آداب کا اہتمام ہمارے سلف صالحین نے کیا ہے اور بعض اداب کے متعلق تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے نص بھی موجود ہے۔

مدینہ طیبہ میں سوار نہ ہونا اور مسجد میں آواز بلند نہ کرنا

امام الزرکشی رحمتہ اللہ علیہ نے امام مالک کے متعلق لکھا ہے کہ آپ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے تھے آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا میں اس شہر میں سوار ہو کر چلنا نہیں چاہتا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چلے ہیں اور آپ مسجد میں آواز بلند نہیں کرتے تھے اور فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وصال سے پہلے اور بعد برابر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ (الحجرات:۲)

”اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی کریم کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔“

مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا مستحب ہے

امام الزرکشی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کے وقت غسل کرنا مستحب ہے یہ قول ابوبکر الخفاف نے اپنی کتاب الخصال میں ذکر کیا ہے اور امام نووی نے مناسک میں اس کی تصریح کی ہے۔

امام نووی لکھتے ہیں، مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے غسل کرنا اور اچھے کپڑے پہننا مستحب ہے۔

اچھے کپڑے پہننا اور خوشبو لگانا

جو شخص مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو اس کے لئے سنت یہ کہ وہ عمدہ لباس پہنے، سفر کے اثار زائل کرے

اور اگر خوشبو پاس ہو تو وہ بھی لگائے پھر مدینہ میں داخل ہو، جیسا کہ اشج عبدالقیس نے کیا تھا جو اس وفد کے ساتھ آئے تھے جو بارگاہ رسالت میں حاضری کے لئے آیا تھا۔ مزید تفصیل آئندہ ہو گی۔

مدینہ طیبہ پہنچنے کے وقت پیدل چلنا اور سواری سے اتر جانا

مدینہ طیبہ کی حرمت و تعظیم کے لئے مدینہ طیبہ یا اس کے حرم کو دیکھنے کے وقت قادر لوگوں کا سواری سے اترنا اور پیدل چلنا مستحسن ہے۔

البدر ابن جماعہ رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بعض لوگ مدینہ طیبہ کو دیکھ کر سواری سے اتر پڑتے ہیں اور پیدل چلنا شروع کر دیتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ عبدالقیس کے وفد نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا تو وہ سواریوں سے اتر پڑے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہیں فرمایا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی تعظیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی اسی طرح ضروری ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں ضروری تھی۔

۲۴۱۔ حضرت مزیدہ العبدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس طرف سے اہل مشرق کے نیک لوگوں کا ایک گروہ آ رہا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور اس طرف متوجہ ہو گئے آپ کو تیرہ سوار ملے، آپ نے انہیں خوش آمدید کہا، پھر پوچھا تم لوگ کون ہو انہوں نے کہا عبدالقیس کی قوم سے ہمارا تعلق ہے۔

پوچھا کیا تم تجارت کی غرض سے یہاں آئے ہو، انہوں نے کہا نہیں۔

پھر پوچھا تم یہ تلواریں بیچنے آئے ہو، انہوں نے کہا نہیں۔

پھر پوچھا، کیا تم اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی ملاقات کے لئے یہاں آئے ہو۔

انہوں نے کہا ہاں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے باتیں کرتے ان کے ساتھ چل پڑے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا وہ ہے جس کی ملاقات کے لئے تم آئے ہو، وہ تمام اپنی سواریوں سے اتر پڑے، کچھ تیز چلنے لگے کچھ دوڑنے لگے، کچھ آہستہ آہستہ چلے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے تو ہر ایک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کو بوسہ دیا اور قریب ہی بیٹھ گئے، مگر اشج جو تمام لوگوں سے عمر میں چھوٹے تھے وہ پیچھے رہ گئے، انہوں نے اونٹوں کو بٹھایا ان کو باندھا، قوم کا سامان جمع کیا، پھر بڑے پروقار انداز اور عقیدت و ادب کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کو بوسہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اشج تم میں دو ایسی خصلتیں ہیں جنہیں اللہ

تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں۔

اس حدیث کو الطبرانی، ابویعلی، البیہقی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا۔

۲۴۲-اشج العصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ عبدالقیس کی ایک جماعت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور یہ تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آئے تھے۔ جب وہ پہنچے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دکھائے گئے تو انہوں نے اپنی سواریاں بٹھائیں اور جلدی جلدی سفر کا لباس پہنے آپ کے پاس پہنچ گئے اشج ٹھہر گئے اور اپنے ساتھیوں کی سواریوں اور اپنے اونٹ کو باندھا پھر اپنے بیگ سے کپڑے نکالے (اور پہنے) یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا۔ اس حدیث کو ابویعلی اور ابن حبان نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۲۴۳-حضرت الزارع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ وفد میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے (یہ ایک طویل حدیث ہے اس میں ہے کہ ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو ہمیں بتایا گیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں ہم تمام بے ساختہ اپنی سواریوں سے کود پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دوڑ پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پاؤں چومنے شروع کر دیئے مگر المنذر نے اپنی سواری کو بٹھایا پھر اس کو باندھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس منظر کو دیکھ رہے تھے، پھر منذر ہماری سواریوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں بٹھایا اور ان کے گھٹنے باندھ دیئے پھر اپنے بیگ سے کپڑے نکالے اور سفر کے کپڑے اس میں رکھ دیئے بن سنور کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اشج تجھ میں ایسی دو خصلتیں ہیں جنہیں اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند کرتے ہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ خصلتیں کون سی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلم اور خودی۔

اس حدیث کو البزار اور البیہقی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۲۴۴-نافع العبیدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو الطبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں نقل کی ہے اس میں یہ زیادتی ہے کہ باقی وفد کے تمام لوگ ہتھیاروں سمیت گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام نیاز پیش کیا مگر منذر (اشج) نے اپنے ہتھیار اتارے، میلے کپڑے اتارے، داڑھی پر تیل لگایا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے کپڑے پہننے اور بننے سنورنے پر اشج کو کوئی تنبیہ نہیں فرمائی بلکہ ان کے اس عمل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی۔

مدینہ طیبہ ایک مرتبہ جس راستہ سے جائے دوبارہ اس راستہ کو اختیار نہ کرے

سنت یہ ہے کہ جب انسان مدینہ طیبہ سے سفر کرے تو جس راستہ سے جائے، واپس اس راستہ سے نہ آئے اور جس راستہ سے نکلا تھا اس راستے سے اس میں داخل نہ ہو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا لیکن اگر دوسرا راستہ مشکل ہو یا دوسرا راستہ ہی نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت عبداللہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درخت کے راستہ سے نکلتے اور معرس کے راستہ سے داخل ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف نکلتے تو مسجد شجرہ میں نماز پڑھتے اور جب واپس تشریف لاتے تو ذی الحلیفہ میں وادی کے بطن میں نماز پڑھتے اور صبح تک وہاں ہی رہتے۔

مکہ مکرمہ میں بھی اسی طرح کا معمول ہے کہ اس میں بھی ایک راستہ سے داخل ہونا اور دوسرے راستہ سے نکلنا سنت ہے۔ واللہ اعلم۔

دن کے وقت مدینہ طیبہ میں داخل ہونا

مدینہ طیبہ کے فضائل میں یہ چیز بھی شمار کی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر، حج، عمرہ یا کسی غزوہ سے واپس تشریف لاتے اور رات کے وقت پہنچتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رات کے وقت داخل نہ ہوتے بلکہ رات مدینہ طیبہ سے باہر گزارتے پھر صبح چاشت کے وقت مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے۔ رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی داخل نہ ہوئے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ کرام رات کو مدینہ طیبہ کے قریب پہنچتے تو وہ بھی داخل نہ ہوتے، اس کی وجہ ان شاء اللہ آگے بیان ہوگی، اگر سورج کے غروب ہونے کے وقت پہنچتے اور اہل مدینہ کو ان کی آمد کا پتہ چل جاتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں عشاء کے وقت جانے کی اجازت عطا فرما دیتے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بخاری کے حوالہ سے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ کرتے یا حج کرتے تو ذی الحلیفہ میں درخت کے نیچے مسجد والی جگہ پر پڑاؤ فرماتے جب حج و عمرہ یا غزوہ سے اس راستے سے واپس آتے وادی کے بطن میں اترتے پھر وادی کے کنارہ پر جب پہنچتے تو اونٹنی کو وادی کے مشرقی کنارہ پر بٹھا دیتے اور صبح تک وہاں ہی رات گزارتے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی طرف جاتے تو مسجد الشجرہ میں نماز پڑھتے اور واپس آتے تو ذی الحلیفہ میں وادی کے بطن میں نماز پڑھتے اور صبح تک وہاں رہتے۔

اس حدیث کی اصل متفق علیہ ہے۔

۲۴۵-حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی توبہ کے قصہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس نہ آتے مگر دن میں چاشت کے وقت۔ جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے تو پہلے مسجد میں

تشریف لے جاتے دو نفل ادا فرماتے پھر مسجد میں بیٹھ جاتے.........متفق علیہ۔

۲۴۶-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت گھر تشریف نہ لاتے، صبح یا شام کے وقت گھر میں داخل ہوتے۔متفق علیہ

۲۴۷-حضرت ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم ذی الحلیفہ میں اترے، چند افراد مدینہ کی طرف جلدی چلے گئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہم نے وہاں رات گزاری، جب صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق پوچھا تو بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! وہ مدینہ رات کو جلدی چلے گئے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور انہوں نے مدینہ اور اپنی بیویوں کی طرف جلدی کی ہے مگر وہ اس کی عمدگی کے باوجود اس کو چھوڑ جائیں گے.........الحدیث۔

اس حدیث کو امام احمد، ابن شبہ، ابن ابی شیبہ نے صحیح کے رجال سے روایت کیا ہے، ابن حبان، الحاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

۲۴۸-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت ابوطلحہ کے صاحبزادے جو ام سلیم کے بطن سے تھے، وفات پا گئے حضرت ام سلیم نے اپنے گھر والوں کو کہا کہ ابوطلحہ کو اس کی خبر نہ دیں حتیٰ کہ میں خود ان سے بات کرلوں (طویل حدیث ہے) اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے اور ام سلیم بھی آپ کے ساتھ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے مدینہ طیبہ پہنچتے تو رات کو گھر نہ تشریف لاتے۔

۲۴۹-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز کے بعد گھر آنے سے منع فرمایا۔

اس حدیث کو امام احمد نے اپنی سند میں صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔مگر زہری نے سعد سے ملاقات نہیں کی، لیکن سابقہ حدیث اس کی شاہد ہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا قول کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت دن کو سفر سے واپس آتے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو گھر نہ تشریف لاتے یہ عموم پر دال ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت تشریف لاتے خواہ صبح ظہر سے پہلے تشریف لاتے یا ظہر کے بعد مغرب تک کے وقت میں تشریف لاتے حضرت انس کی پہلی حدیث کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح یا شام کو تشریف لاتے۔اس کا سابقہ احادیث سے تعارض نہیں ہے۔

عشیہ کا معنیٰ: علامہ جوہری فرماتے ہیں مغرب سے عشاء تک کا وقت ہے بعض علماء نے فرمایا یہ زوال سے عشاء تک ہے الحافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں پہلا معنیٰ مراد ہے، گویا امام بخاری نے باب القدوم

بالغداۃ کے ساتھ باب الدخول بالعشی ذکر کیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ صبح کے وقت گھر آنا متعین نہیں ہے بلکہ صرف رات کے وقت آنا منع ہے، دن کے کسی وقت گھر آ سکتا ہے۔

الحافظ نے جو جوہری سے نقل کیا ہے یہ اس کی الصحاح کتاب میں ہے لیکن جوہری کا یہ قول، اپنے ہی قول کے معارض ہے جو اس نے دوسری جگہ ذکر کیا ہے۔

تہذیب اللغۃ، مختار الصحاح، ابن منظور، المطرزی نے المغرب میں ابن جوزی نے غریب الحدیث میں نقل کیا ہے کہ صلاتا العشی کا مطلب ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں۔

مختار الصحاح میں ہے کہ الازہری نے فرمایا، العشی سے مراد زوال سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کا وقت ہے، صلاتا العشی سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں جب سورج غروب ہو جائے تو عشاء کا وقت شمار ہوتا ہے۔

الجوہری نے الصحاح میں لکھا ہے العشاء عین کے کسرہ کے ساتھ اور مد کے ساتھ ہے۔ العشی والعشاء ان، مغرب اور عشاء کی نمازیں ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عشاء زوال سے فجر کے طلوع ہونے تک کا وقت ہے عرب شعر کہتے ہیں۔

غدونا غدوۃ سحرا بلیل عشاء بعد ما انتصف النھار

القاموس المحیط میں ہے، صلاتا العشی ظہر اور عصر کی نمازیں، العشاء ان مغرب اور عشاء کی نمازیں۔

ابو الہیثم نے ایسا لکھا ہے کہ جیسا کہ لسان العرب میں ہے، جب سورج زائل ہو جائے تو اس وقت کو العیشی کہا جاتا ہے۔

الازہری نے لکھا ہے کہ عشی کا اطلاق سورج کے زوال سے غروب تک کے وقت پر ہوتا ہے، یہ پورا وقت عشی ہے اور جب سورج غروب ہو جائے تو وہ عشاء کا وقت ہے۔

اللسان میں ہے العشی والعشیۃ دن کے آخر کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے مغرب کی نماز سے عشاء تک کے وقت کو کہتے ہیں۔

ابن فارس نے لکھا ہے العشی سورج کے زوال سے صبح تک کا وقت ہوتا ہے اور العشاء مغرب سے عشاء تک کا وقت ہے۔ مفردات راغب فی غریب القرآن میں بھی اسی طرح لکھا ہے۔

مجاہد فرماتے ہیں الابکار فجر کے اول وقت کو کہتے ہیں العشی سورج کے میلان سے غروب تک کے وقت کو کہتے ہیں ابو حیان نے البحر میں یہی قول نقل کیا ہے۔

ابو حیان نے النہر میں لکھا ہے کہ عشی سے دن کا آخر مراد لیا گیا ہے اور ابکار دن کا اول وقت ہے۔ عشی اعمال کے اٹھانے کا وقت ہے اور ابکار اعمال کے شروع کرنے کا وقت ہے۔

حدیث کے الفاظ احدی صلاتی العشی، اس کا مطلب ابن الاثیر نہایہ میں فرماتے ہیں ظہر یا عصر کی نماز

ہے، کیونکہ زوال سے مغرب تک کا وقت عشی ہے، بعض علماء نے فرمایا زوال سورج سے صبح تک کا وقت ہے۔ بعض نے فرمایا مغرب اور عشاء کی نماز کے لئے عشاءان بولا جاتا ہے اور مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیانی وقت کو عشاء کہا جاتا ہے۔

حدیث کے الفاظ حضرت العشاء والعشاء، عشاء سے مراد مغرب کی نماز ہے، بعض نے فرمایا یہ مغرب ہے، کیونکہ افطار کا وقت ہے اور اس کا وقت تنگ ہے۔

اس کے متعلق نصوص کثیر ہیں۔

العشی والعشیۃ اہل لغت کے نزدیک اصل میں سورج کے زوال سے غروب تک کا وقت ہے عشاء عین کے کسرہ کے ساتھ یہ مغرب یا دوسری عشاء ہے اور عشاءان سے مراد مغرب اور عشاء ہے۔ احادیث کی نصوت کثرت سے پہلے معنی پر وارد ہیں، عشی اور عشیۃ، سورج کے زوال سے غروب ہونے تک کا وقت ہے۔

حدیث شریف کے الفاظ ''احدی صلاتی العشی'' الحافظ رحمۃ اللہ نے جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ عشی سے مراد ظہر اور عصر کی نمازیں ہیں کیونکہ صحیحین یا ان میں سے ایک میں ظہر یا عصر کی تعیین ہے۔ اس کے علاوہ قول مروی نہیں ہے۔

حضرت سعد کی حدیث کے قصہ میں ''أُصَلِّیْ بِهِمْ صَلَاةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَیِ الْعَشِیِّ'' میں ان کو ظہر اور عصر کی نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق پڑھاتا تھا۔

حضرت ابن عباس کی حدیث میں ''عشیه الترویه'' کے بارے الحافظ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے آٹھ ذی الحجہ کی ظہر کے بعد۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے الفاظ ''وَلَمْ يَرِدْ عَلَيْنَا يَوْمٌ اِلَّا يَاتِيْنَا فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَّ عَشِيَّةً'' کے تحت لکھتے ہیں بعض علماء نے فرمایا العشی، زوال سے عشاء تک کا وقت ہے، بعض نے فرمایا صبح تک کا وقت ہے، ابن الفارس نے کہا ہے کہ العشاء عین کے فتح اور مد کے ساتھ ہو تو اس کا مطلب کھانا ہے اور عین کے کسرہ کے ساتھ ہو تو زوال سے عشاء تک کا وقت ہے والعشی زوال سے فجر تک کا وقت ہے۔

حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ ملاحظہ کریں ''وَ هُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاقِفٌ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ'' اس کے علاوہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ ہیں ''فَشَرِبَ مِنْهُ وَالنَّاسُ يَنْظُرُوْنَ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبکہ لوگ دیکھ رہے تھے، یہ دن کے وقت پر دال ہیں، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ سے غروب آفتاب کے بعد فوراً چل پڑے تھے۔

اسی طرح قاسم بن محمد رحم اللہ علیہما کا قول جو موطا میں ہے، ''مَا اَدْرَكْتُ النَّاسَ اِلَّا هُمْ يُصَلُّوْنَ

الظُّهْرَ بَعَشِيٍّ'' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد ظہر کو ٹھنڈا کرنا ہے۔ فرماتے ہیں اہل ھواء ظہر کو زوال سورج کے وقت پڑھتے ہیں، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں اس کے خلاف پر مامور کیا۔ حافظ بن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے ابراد کا حکم بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ظہر کی نماز گرمیوں میں زوال سورج کے بعد سورج کے ٹھنڈا ہونے کے وقت پڑھی جائے نہ کہ سورج کے زائل ہونے کے ساتھ پڑھ لی جائے۔

اس پوری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ عشی سے مراد زوال سورج سے مغرب تک کا وقت ہے نہ کہ مغرب سے عشاء تک وہ عشاء کہلاتا ہے نہ کہ عشی۔

حدیث انس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں چاشت کے وقت داخل ہوتے یا غروب شمس سے پہلے زوال کے بعد تشریف لاتے۔ واللہ اعلم۔

تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت گھر تشریف لاتے تھے تمام روایات عموم اور استمرار کے صیغہ کے ساتھ وارد ہیں، مثلاً حدیث کعب میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت گھر تشریف لاتے تھے۔ حضرت ابن عمر کی حدیث میں ہے کہ آپ ذی الحلیفہ میں رات گزارتے اور صبح مدینہ طیبہ تشریف لاتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول مبارک تھا، رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام تو وہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے اور غروب سے پہلے مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تھوڑا روک لیتے پھر جب ان کے گھر والوں کو ان کی آمد کی خبر ہو جاتی تو وہ مدینہ طیبہ غروب آفتاب کے وقت چلے جاتے اور اگر رات کو مدینہ طیبہ کے قریب پہنچتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بھی مدینہ طیبہ سے باہر رات گزارنے کو کہتے اور صبح مدینہ طیبہ جاتے۔

۲۵۰- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ انسان زیادہ دن گھر سے غائب رہے اور پھر رات کے وقت گھر واپس آئے۔

متفق علیہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی زیادہ دیر گھر سے غائب رہے تو رات کو گھر واپس نہ آئے۔

مدینہ طیبہ کے قریب پہنچنے کے بعد داخل ہونے میں تاخیر کرنے کے دو سبب ہیں۔

(۱) بیوی اپنے خاوند کے لئے تیار ہو جائے کنگھی کر لے اور غیر ضروری بال صاف کر لے۔

(۲) تاکہ آنے والا شخص کسی ناپسند حادثہ سے دوچار نہ ہو۔

۲۵۲- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ ایک غزوہ میں تھے جب ہم واپس لوٹے اور مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ چکے تو میں نے اپنے اونٹ کی طرف جلدی کی، جب شہر کی طرف جانے لگے تا کہ مدینہ طیبہ داخل ہو جائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یارک جاؤ، رات کے وقت چلے جانا تا کہ جس عورت کے بال بکھرے ہوئے ہیں وہ اپنے بال درست کر لے اور جس عورت کا شوہر غائب تھا وہ زیر ناف بال صاف کر لے۔

(متفق علیہ)

۲۵۳- بخاری اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رات کو سفر سے واپس آئے تو رات کو گھر والوں کا دروازہ نہ کھٹکھٹائے یہاں تک کہ جس عورت کا خاوند غائب تھا وہ زیر ناف بال صاف کر لے اور بکھرے بالوں کو کنگھی کر لے۔

یہ احادیث عشاء کے وقت گھر آنے کے جواز پر دلالت کرتی ہیں جبکہ اس سے پہلے والی احادیث عشاء کے وقت آنے سے منع پر دلالت کرتی ہیں، علماء نے ان میں تطبیق اس طرح کی ہے کہ جب گھر والوں کو اس کی آمد کا پتہ چل چکا ہو تو وہ عشاء کے وقت بھی آ سکتا ہے، لیکن اچانک رات کے وقت آنا منع ہے۔

دوسری وجہ رات کو نہ آنے کی یہ ہے۔

۲۵۴- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقیق میں اترے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کو اپنی عورتوں کے پاس جانے سے منع فرمادیا، دو جوانوں نے نافرمانی کی، تو دونوں نے مکروہ چیز دیکھی۔

اس حدیث کو احمد، البزار، الطبرانی اور ابن خزیمہ نے ثقہ راویوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۲۵۵- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کو سفر سے واپس آ کر اپنی بیویوں کے دروازے نہ کھٹکھٹاؤ۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لائے دو نوجوان (رات کو نہ جانے کے حکم کے باوجود) چلے گئے، جب دونوں گھر پہنچے تو ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد دیکھا۔

اس حدیث کو الطبرانی اور البزار نے مختصر روایت کیا ہے، علامہ الہیثمی نے لکھا ہے کہ اس کی سند میں زمعہ بن صالح ضعیف راوی ہے، حالانکہ اس کی توثیق بھی کی گئی ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں مسلم اور باقی اصحاب سنن نے ان سے متصل روایت کی ہے لیکن ابوداؤد نے مراسیل میں روایت کی ہے۔ الحافظ رحمتہ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ابن خزیمہ کی طرف منسوب کی ہے، سابقہ حدیث اس کی شاہد ہے، الترمذی نے حضرت جابر کی حدیث کے بعد اسے ذکر کیا ہے۔

۲۵۶- حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، کہ وہ رات کو سفر سے واپس آئے اور اپنی بیوی کی طرف جانے میں جلدی کی، ان کے گھر میں چراغ چل رہا تھا۔ انہوں نے اپنی بیوی کے پاس کوئی

چیز محسوس کی، تو فوراً تلوار نکال لی، بیوی نے کہا مجھ سے دور ہو جاؤ وہ فلاں عورت مجھے کنگھی کر رہی ہے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے پورا واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا کہ کوئی شخص سفر سے واپس آئے تو رات کو اپنے گھر والوں کے پاس پہنچے۔

اس حدیث کو امام احمد اور الطبرانی نے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے اور حاکم نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کی ہے لیکن مرسل ہے، کیونکہ ابا مسلمہ بن عبدالرحمٰن نے ابن رواحہ سے ملاقات نہیں کی، لیکن ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں محارب کی حدیث حضرت جابر سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن رواحہ اپنی بیوی کے پاس گئے۔ یہ دلیل ہے کہ یہ حدیث مسند جابر سے ہے نہ کہ مسند ابن رواحہ سے رضی اللہ عنہما۔ واللہ اعلم۔

قریب تھا کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اس عورت کو قتل کر دیتے جس کا سوائے اس کے کوئی گناہ نہیں تھا کہ ان کی بیوی کو رات کے وقت کنگھی کر رہی تھی، یہ رات کو جلدی آئے جب کپڑے کی سفیدی دیکھی کیونکہ چراغ روشن تھا۔ انہوں نے غلط گمان کیا، غیرت کی وجہ سے قریب تھا کہ ایک بے گناہ عورت کو قتل کر دیتے۔ اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت گھر آنے سے منع فرمایا، خصوصاً جبکہ اس کی آمد کا علم نہ ہو اور گھر والوں کو اس کے پہنچنے کی خبر نہ ہو اگر کوئی اس لئے اچانک جلدی گھر آتا ہے تاکہ اپنے گھر والوں کے حالات جانے اور ان کی عفت و امانت کی کیفیت معلوم کرے، یہ بالکل جائز نہیں ہے، اس کی دلیل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان ہے۔

۲۵۷- حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی شخص اپنے سفر سے رات کے وقت اپنے گھر والوں کے پاس آئے تاکہ ان کے حالات جانے اور ان کی غلطیوں کو تلاش کرے۔

پس مسافر خاوند کے لئے جائز نہیں کہ رات کے وقت اپنے گھر داخل ہو تاکہ اپنے گھر والوں کی جاسوسی کرے یا ان کی کوتاہیوں کی تلاش کرے۔

جب اہل اور گھر سے غیبت کے طویل ہونے کی وجہ سے اس کی آمد سے مامون ہو چکے ہوں، تو رات کو آنا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منع فرمایا ہے تاکہ رات کو مدت طویل کے بعد آنے والا کوئی ناپسند چیز نہ دیکھے۔ رات کو سفر سے آنے کی ممانعت اس لئے ہے تاکہ گھر والوں کو صفائی و تزئین کے بغیر نہ پائے جو نفرت کا سبب بن جائے اس علت کی طرف اشارہ پہلی حدیث میں تھا۔ ''جس کا خاوند غائب ہے وہ زیر ناف بال صاف کرلے اور پراگندہ بالوں کو کنگھی کرلے۔'' یا اس لئے رات کو آنے سے منع فرمایا تاکہ غیر پسندیدہ حالت کو نہ پائے، کیونکہ شریعت نے پردہ پوشی پر برانگیختہ کیا ہے، اس چیز کی طرف اشارہ اخری حدیث میں ہے کہ ''وہ اپنے گھر والوں کی جاسوسی کرے یا ان کی کوتاہیوں کو تلاش کرے۔'' اور وہ برا گمان کرے ایسی جگہ میں جو بری نہیں ہے، جیسا کہ عبداللہ بن رواحہ کی حدیث میں گزرا ہے۔

ان اسباب وعلل کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو منع فرمایا کہ جب وہ سفر میں ہوں تو رات کے وقت واپس نہ آئیں مگر جب گھر والوں کو آمد کا علم ہو خواہ اس نے کوئی پیغام رساں بھیجا ہو یا پہلے ہی خود بتایا ہو کہ فلاں وقت آؤں گا تو رات کے وقت آنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ایک شخص بھیجتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دیتا تھا۔

۲۵۸-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ سے واپس آئے تو ارشاد فرمایا رات کو گھر والوں کے پاس نہ جاؤ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی بھیجا جو لوگوں کو آگاہ کرے کہ لشکر واپس آرہا ہے، اس حدیث کو ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہوتے جب کہ آپ رات کے وقت مدینہ کے قریب پہنچ چکے ہوتے بلکہ رات مدینہ کے باہر گزارتے پھر صبح کو مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب غروب سے پہلے پہنچتے تو غروب کے بعد تک داخلہ کو مؤخر کرتے تا کہ ان کے گھر والے ان کی آمد کی خبر سن لیں اور جب رات کو آتے تو داخل نہ ہوتے مگر جب ان کے گھر والوں کو ان کی آمد کا پہلے ہی علم ہوتا۔

صحابہ کرام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیفیت میں اختلاف کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امہات المومنین میں سے کوئی ایک ہوتی تھیں، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نفس پر گرفت بھی صحابہ کرام سے زیادہ تھی۔

۲۵۹-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے، جس کا قرعہ نکلتا اسے سفر میں ساتھ لے جاتے۔ متفق علیہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے جن کا قرعہ نکلتا انہیں ساتھ لے جاتے خواہ ایک کا قرعہ نکلتا یا دو کا، جیسا کہ حضرت حفصہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی طرح اپنے اہل کی طرف جلدی جانے والے نہ تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حد درجہ اپنے اہل سے دور رہنے میں صبر اور تحمل حاصل تھا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ظاہر ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے بارے فرمایا کہ انہوں نے مدینہ طیبہ اور اپنی بیویوں کے پاس جانے میں جلدی کی ہے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض صحابہ کرام نے ذی الحلیفہ میں رات گزاری تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس پر حد درجہ کنٹرول حاصل تھا۔

۲۶۰-حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتی ہیں تم میں سے کون شہوت پر ضبط رکھتا ہے جیسا کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نفس پر ضبط تھا۔ متفق علیہ۔

۲۶۱- روزہ دار کی مباشرت کے متعلق حضرت عائشہ سے مروی ہے فرماتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تم تمام سے زیادہ نفس پر ضبط رکھتے تھے۔ متفق علیہ

یہی وجہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ رات کو تشریف نہیں لاتے تھے بلکہ رات باہر گزارتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں بھی یہی معمول تھا، مکہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک مرتبہ جعرانہ کے موقع پر رات کو تشریف لائے تھے پھر آپ جعرانہ واپس تشریف لے گئے تھے اور مکہ میں رات گزاری تھی جیسا کہ میں نے ''مکانة الحرمین الشریفین'' میں بیان کیا ہے۔

نبی کریم علیہ کے مدینہ طیبہ میں رات کو داخل نہ ہونے میں کئی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

دوسرا باب

مدینہ طیبہ کے باشندے

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو اپنے حبیب صفی، نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہجرت گاہ بنایا پھر آپ کی اسے آرام گاہ بنایا تو ضروری تھا کہ مدینہ طیبہ کے باشندے اعلیٰ اخلاق اور عمدہ صفات کے مالک ہوں ان کا ادب بے مثال ہو ان کا اخلاق عظیم ہو ان کا تقویٰ بے نظیر ہو، ذمہ دار اور فرض شناس ہوں اپنے فرائض کو عمدگی اور بہتری کے ساتھ ادا کرنے والے ہوں کیونکہ وہ زندگی اور وصال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی تھے مسلمانوں کے دل ان کی طرف مائل تھے تاکہ لوگ ان سے علم حاصل کریں اور اپنے مسائل سمجھیں، کیونکہ مدینہ ہی دارالسنۃ اور دارالہجرت تھا۔

یہ بھی لازمی تھا کہ صدق اخلاص محبت وایثار کے وہ پیکر جمیل ہوں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شان بیان فرمائی ہے۔

مدینہ طیبہ میں سکونت ومجاورت ایک عظمت اور فضیلت تھی تو مجاور وساکن کے لئے ضروری تھا کہ وہ خوشحالی اور تنگی میں صبر کرنے والا ہو اور اس عظمت وشرف کی قیمت ادا کرنے والا ہوتا کہ مجاورت و پڑوس کا اسے پورا پورا شرف حاصل ہو وہ شرف وعظمت اس کے لئے شفاعت اور شہادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور جو اس کا اہل نہ ہوگا وہ خبیث ہوگا اسے مدینہ طیبہ دور پھینک دے گا کیونکہ وہ اس میں رہنے کے قابل ہی نہ تھا، کیونکہ اس کے رہنے والے تو وہ ہونگے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سب سے پہلے اٹھیں گے۔

ایسی صورت میں ہم مسلمانوں کو مدینہ طیبہ کے باشندوں کے لئے کیا کرنا ہے جبکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی اور مجاور بن چکے ہیں، صرف اور صرف یہی کہ ہم ان کا احترام واکرام کریں، ان سے دل وجان سے محبت کریں ان سے کسی قسم کی زیادتی نہ کریں ان کو اذیت وتکلیف نہ پہنچائیں اور ان کو تکلیف دینے اور خوفزدہ کرنے کا ارادہ بھی نہ کریں جو انہیں تکلیف دے گا یا انہیں خوفزدہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی طرف سے لعنت کا مستحق ہے۔

ان تمام باتوں کی وضاحت ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ طیبہ کی مجاورت پر برانگیختہ کرنا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رہنے پر برانگیختہ کرتے تھے کیونکہ یہ اسلام کا گہوارہ ہے

تا کہ مجاور شرف مجاورت کو حاصل کر لے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں مرنے پر بھی ابھارا ہے اور جو مدینہ طیبہ میں وفات پائے گا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پائے گا یہ شفاعت خاص ہے، یہ وہ شفاعت نہیں جو تمام مسلمانوں کو حاصل ہوگی، اس شہر مقدس میں مرے گا وہ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھے گا۔

۲۶۲۔حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ یمن فتح ہوگا ایک قوم اپنے اونٹوں کو ہانک کر اور اپنے گھر والوں اور خادموں کو ساتھ لا کر یہاں آئے گی حالانکہ مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے اگر انہیں اس میں رہائش کی فضیلت معلوم ہو جائے پھر عراق فتح ہوگا ایک قوم اپنے اونٹوں کو ہانکتے ہوئے اپنے گھر والوں اور خادموں کے ساتھ لئے یہاں آئے گی حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے اگر انہیں اس کی فضیلت معلوم ہو جائے۔ متفق علیہ۔

ابن عبدالبر وغیرہ فرماتے ہیں یمن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ زندگی میں فتح ہوا اور شام بعد میں فتح ہوا اور عراق اس کے بعد فتح ہوا۔ اس حدیث میں نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ جیسی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی ویسا ہی ہوا۔ لوگ دوسرے شہروں میں بکھر گئے ان میں خوشحالی اور وسعت تھی اگر وہ مدینہ طیبہ میں ٹھہرے رہتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

اس حدیث پاک میں دوسرے شہروں پر مدینہ طیبہ کی فضیلت کا بیان ہے اور اسی پر علماء کا اجماع ہے۔
اس حدیث پاک میں یہ بھی دلیل ہے کہ بعض مقامات دوسرے مقامات سے افضل ہوتے ہیں۔ علماء کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مدینہ طیبہ کو دوسرے شہروں پر فضیلت حاصل ہے۔ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان فضیلت میں اختلاف ہے۔

اس کے بعد مصنف نے حدیث کے الفاظ کی وضاحت کی ہے اس کے لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ حدیث کے ترجمہ میں میں نے اس مفہوم کو پیش نظر رکھا ہے۔ (مترجم)
لیکن جو شخص تجارت تعلیم، جہاد یا کسی اور غرض کے لئے نکلے تو وہ اس حدیث کے معنی میں داخل نہیں، صحابہ کرام کا مدینہ طیبہ سے نکلنا جہاد اور تشہیر علم کی خاطر تھا یا اس کے علاوہ کوئی مخصوص غرض تھی، دنیاوی کوئی مقصد نہیں تھا۔

۲۶۳۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں ایک شخص اپنے چچازاد بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کو بلائے گا، خوشحالی کی طرف آؤ، خوشحالی کی طرف آؤ، حالانکہ مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ اس کی فضیلت کو سمجھیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، جو شخص اس سے اعراض کر کے نکلے گا اللہ

تعالیٰ اس میں اس سے بہتر بھیج دے گا کیونکہ مدینہ طیبہ بھٹی کی مانند ہے خبیث کو باہر نکال دے گا اور قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ مدینہ طیبہ اپنے رہائشیوں میں سے برے لوگوں کو نکال نہیں دیتا، جس طرح بھٹی لوہے کے خبث (زنگ) کو نکال دیتی ہے۔ (مسلم)

۲۶۴-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں مدینہ طیبہ کے پتھریلے کناروں کے درمیان جو جگہ ہے اسے حرم بناتا ہوں نہ اس کے درخت کاٹے جائیں گے اور نہ اس کا شکار قتل کیا جائے گا۔

اور فرمایا مدینہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ اس کی بہتری کو سمجھیں جو اس سے اعراض کر کے نکلے گا اللہ تعالیٰ اس میں اس سے بہتر بھیج دے گا.......... (مسلم)

۲۶۵-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ طیبہ پر ایک ایسا وقت آئے گا لوگ مختلف آفاق میں خوشحالی کی تلاش میں اس کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور وہ وہاں خوشحالی پالیں گے، پھر وہ واپس آ کر اپنے گھر والوں کو بھی خوشحالی کی طرف لے جائیں گے حالانکہ مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ اس کی بہتری کو سمجھیں۔

اس حدیث کو امام احمد، البزار نے روایت کیا ہے، اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں، الحاکم نے اس کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور الذہبی بھی خاموش رہے ہیں۔

۲۶۶-حضرت افلح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ زید بن ثابت اور ابو ایوب کے پاس سے گزرے جبکہ وہ دونوں مسجد الجنائز کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک نے دوسرے سے کہا تمہیں وہ حدیث یاد ہے جو ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مسجد میں بتائی تھی، دوسرے نے کہا ہاں، مدینہ کے متعلق؟ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں زمین کی فتوحات ہوں گی، لوگ ایسی زمینوں کی طرف نکل جائیں گے جہاں وہ خوشحالی، آرام کی زندگی اور اچھے کھانے پائیں گے، پھر وہ اپنے بھائیوں کے پاس حج یا عمرہ کی خاطر آئیں گے اور انہیں کہیں گے، تمہیں اس تنگ زندگی اور بھوک کی شدت پر کون سی چیز روکے ہوئے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں گے اور کچھ یہاں رکے رہیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد تین مرتبہ فرمایا۔ مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے، اس کی مصیبتوں اور شدتوں پر جو مرتے دم تک قائم رہے گا میں قیامت کے روز اس کا گواہ یا شفیع ہوں گا۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

ذاہب وقاعد سے مراد یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے باشندے دو حصوں میں منقسم ہو جائیں گے کچھ لوگ مفتوحہ علاقوں میں چلے جائیں گے اور دوسرے مدینہ طیبہ میں ٹھہرے رہیں گے اور سخت اور تنگ زندگی کے

باوجود ٹھہرے رہیں گے، یہی لوگ ہیں جن کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہادت دیں گے اور شفاعت کریں گے۔اس کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

۲۶۷-حضرت ابواسید الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے دفن کے وقت حاضر تھا،لوگ آپ کے چہرے پر کپڑا کھینچتے تو قدم ننگے ہو جاتے ہیں،قدموں کی طرف کھینچتے تو چہرہ کھل جاتا،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کپڑا ان کے چہرے پر ڈالدو اور قدموں پر حرمل کے پتے ڈال دو۔ راوی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھا کر دیکھا تو صحابہ کرام رو رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ سرسبز وشاداب علاقوں میں نکل جائیں گے وہ وہاں کھانا، رہائش اور سواریاں پائیں گے پھر وہ اپنے اہل کو خط لکھیں گے کہ ہماری طرف آ جاؤ، تم ایک بنجر زمین میں ہو، مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ اس کی فضیلت کو جان لیں، جو اس کی سختی اور شدت پر صبر کرے گا میں اس کا قیامت کے دن شفیع یا شہید ہوں گا۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر میں اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن سعد نے الطبقات میں روایت کیا ہے، بخاری اور الطبرانی کی سند حسن ہے۔

ابن سعد کی روایت میں الشجر کی وضاحت ہے کہ وہ حرمل تھا۔

۲۸۸-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مدینہ طیبہ سے لوگ اعراض کر کے چلے جائیں گے حالانکہ مدینہ طیبہ ان کیلئے بہتر ہے اگر وہ اس کی افضلیت کو جان لیں۔

اس حدیث کو امام احمد، الطیالسی، ابویعلی، ابن الجعد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند صحیح کی شرط پر ہے،اس کے کئی طرق ہیں اور الفاظ متقارب ہیں۔

یہ تمام نصوص مدینہ طیبہ کی مجاورت کے استحباب اور بغیر سبب شرعی کے مدینہ سے نہ نکلنے پر دلالت کرتی ہیں،اسکے متعلق سلف میں اختلاف کا مجھے علم نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث (جو مدینہ طیبہ کی تکلیفوں اور شدتوں پر صبر کرے گا میں قیامت کے روز اس کا گواہ اور شفیع ہوں گا) کے بعد شرح مسلم میں امام نووی لکھتے ہیں۔علماء فرماتے ہیں اس بات کی تمام احادیث میں مدینہ طیبہ کی رہائش پر فضیلت اور مدینہ طیبہ کی شدتوں اور تنگی پر صبر کرنے پر دلالت ظاہری ہے اور مدینہ طیبہ کو یہ فضیلت قیامت تک کے لئے حاصل ہے۔

مکہ اور مدینہ میں رہائش رکھنے کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے

امام ابوحنیفہ اور کچھ دوسرے علماء فرماتے ہیں مکہ میں رہنا مکروہ ہے۔

امام احمد اور کچھ علماء کا خیال ہے کہ مکہ میں رہنا مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔

جن علماء نے مکہ میں رہائش کو مکروہ کہا ہے، ان کے نزدیک اس کی کئی وجوہات ہیں مثلاً اکتاہٹ کا خوف، زیادہ مانوس ہونے کی وجہ سے حرمت کا خیال نہ رہنا، گناہوں کا خوف، کیونکہ مکہ میں گناہ زیادہ قبیح ہے بنسبت دوسرے شہروں کے جیسا کہ دوسروں شہروں کی نسبت اس میں نیکی کا اجر زیادہ ہوتا ہے۔

اور جنہوں نے اس کو مستحب کہا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس میں دوسرے شہروں کی نسبت نمازوں اور نیکیوں کا اجر زیادہ ہوتا ہے۔

مختار یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ دونوں میں مجاورت اور رہائش مستحب ہے، مگر جسے گناہوں وغیرہ میں ملوث ہونے کا خدشہ ہو تو اسے ان میں مجاورت نہیں کرنی چاہئے، بہت اجل علماء و مشائخ نے ان میں رہائش رکھی ہے جو قوم کے مقتدا اور پیشوا تھے۔

مگر مجاور کے لئے ضروری ہے کہ ان محذورات اور ان کے اسباب سے پرہیز کرے۔ واللہ اعلم۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے مجاورت میں اختلاف کا ذکر کیا ہے لیکن یہ اختلاف مکہ مکرمہ کے متعلق ہے مگر مدینہ منورہ کی رہائش کے متعلق جو مخالف قول ہے وہ ضعیف ہے کیونکہ مدینہ طیبہ میں رہائش رکھنے پر برانگیختہ کیا گیا ہے جیسا کہ امام الزرکشی نے فرمایا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں مختار یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ میں رہائش مستحب ہے کیونکہ اس کے متعلق کثرت سے نصوص وارد ہیں اور اس کی مخالفت میں کوئی نص نہیں ہے، نیز صحابہ کرام کا رہائش رکھنا بھی اسی چیز کا پتہ دیتا ہے۔

مدینہ طیبہ میں مرنے پر ابھارنا اور مدینہ طیبہ میں مرنے والے کیلئے آپ ﷺ کی شفاعت کرنا

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں رہائش رکھنے اور یہاں سے منتقل نہ ہونے پر اور مدینہ سے اعراض کر کے نکلنے والوں پر ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں مرنے کی بھی ترغیب دی ہے، کیونکہ جو مدینہ طیبہ میں مرے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے شفاعت فرمائیں گے اور اس کے لئے گواہی دیں گے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھے گا۔

۲۶۹- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مدینہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے مدینہ طیبہ میں ہی مرنا چاہئے جو اس میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔

اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور بیہقی نے الشعب میں روایت کیا ہے ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

۲۷۰- حضرت الصمیتہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو تم میں مدینہ طیبہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہے اسے مدینہ طیبہ ہی میں مرنا چاہیئے جو مدینہ طیبہ میں مرے گا ہم اس کی سفارش کریں گے اور اس کے لئے گواہی دیں گے۔

اس حدیث کو ابن حبان، الطبرانی نے الکبیر میں، ابن جمیع نے معجم الشیوخ میں، البیہقی نے الشعب میں اور النسائی نے الکبریٰ میں روایت کیا ہے۔

۲۷۱- سبیعہ الاسلمیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تم میں سے مدینہ طیبہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے اسے مدینہ طیبہ میں ہی مرنا چاہیئے جو مدینہ طیبہ میں مرے گا میں اس کا قیامت کے دن شفیع یا شہید ہوں گا۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر میں البیہقی نے الشعب میں روایت کیا ہے اور یہ حسن حدیث ہے۔

۲۷۲- ایک یتیم عورت سے مروی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مدینہ طیبہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہے اسے مدینہ طیبہ میں مرنا چاہیئے جو مدینہ طیبہ میں مرے گا میں قیامت کے روز اس کا شفیع یا شہید ہوں گا۔

اس حدیث کو الطبرانی صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۲۷۳- الداریہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں تھی فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو مدینہ طیبہ میں مرنے کی طاقت رکھتا ہے اسے اس میں مرنا چاہیئے جو اس میں مرے گا میں اس کا قیامت کے دن شہید یا شفیع ہوں گا۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عورت بھی الصمیتہ ہی ہے لیکن وہ بنی لیث سے ہیں اور یہ بنی عبدالدار سے ہے۔

ان احادیث سے اخذ ہونے والے امور

(۱) مدینہ طیبہ میں مرتے دم تک مقیم رہنے پر برانگیختہ کرنا۔

الحافظ المناوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں انسان مدینہ طیبہ میں ٹھہرا رہے یہاں تک کہ اسے موت آ جائے، مدینہ طیبہ میں قیام پر برانگیختہ کرنا ہے کہ اس میں ہی اسے موت آئے مسبب کا اطلاق سبب پر ہے جسے آیت کریمہ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (بقرہ: ۲:۱۳۲) میں ہے۔

(۲) موت پر برانگیختہ کیا ہے حالانکہ یہ انسان کی مقدور میں نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے امام الطیبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہاں اسے مرنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ اس کی انسان کو طاقت ہی

نہیں ہے، بلکہ یہ کام تو اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، لیکن اس میں اقامت اور لزوم کا حکم اس لئے ہے تا کہ وہ مدینہ طیبہ سے جدا نہ ہو، پس یہ اس میں مرنے کا سبب ہوگا، گویا مسبب بول کر سبب کا ارادہ فرمایا جیسے ارشاد ہے فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔

(۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے حصول کے لئے کئی اسباب ہیں، ان میں سے یہ بھی ہے مدینہ طیبہ میں ٹھہرنا اور اس ذات کریمہ کی مجاورت حاصل کرنا، یہ اعمال کے ثواب کی طرح ہے یہ نکتہ قاضی ابوبکر ابن عربی نے عارضۃ الاحوذی میں لکھا ہے۔

(۴) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ میں اس کی شفاعت کروں گا جو مدینہ طیبہ میں مرے گا۔ یہ مخصوص شفاعت ہے، اس شفاعت عامہ کے علاوہ ہے جس میں تمام امت شامل ہوگی، یہ ایک اضافی کرامت ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی وجہ سے مدینہ طیبہ میں اقامت کو مستحب کہا ہے جب کہ وہ مدینہ طیبہ کی حرمت اور مدینہ طیبہ کے باشندوں کی حرمت کی رعایت رکھے۔

ابن الحاج فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے استطاعت کے ہونے پر اس میں مقیم رہنے پر برانگیختہ کیا ہے استطاعت کا مطلب ہے اپنی پوری توانائی خرچ کرنا، اس میں رہنے کے لئے خصوصی اہتمام کرنا ہے اس حدیث شریف میں دلیل ہے کہ افضلیت میں مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ سے ممتاز ہے، کیونکہ اس کا انفرادی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

(۵) ان احادیث میں مدینہ طیبہ کے رہنے والوں کے لئے بشارت وخوشخبری ہے، جبکہ انہیں اسلام پر موت آئے کیونکہ یہ شفاعت مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے اور یہ فضیلت انسان کے لئے کافی ہے، پس جو مدینہ طیبہ میں حالت اسلام پر مرے گا اس لئے یہ بشارت ہے۔ واللہ اعلم۔

میں (مصنف) کہتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو دو قیود کے ساتھ مقید کرنا ضروری ہے پہلی یہ کہ وہ حالت اسلام میں مرے تا کہ منافقین کے وجود سے متعارض نہ ہو اور دوسری یہ کہ وہ مدینہ میں باقی رہے اور یہاں سے ہی اس کا حشر ہو، تا کہ خبیث کے مدینہ طیبہ سے نکلنے کے ساتھ متعارض نہ آئے۔

جو شخص کسی اور جگہ مرے اور پھر نقل کر کے مدینہ طیبہ میں دفن کیا گیا ہو کیا وہ اس شفاعت سے حصہ پائے گا، ظاہر تو یہی ہے کہ اسے بھی حصہ ملے گا۔ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

انسان اس مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے اس کی تخلیق کی جاتی ہے، گویا مدینہ طیبہ ہی اس کی تربت اور اس کی تخلیق کی اصل ہے اس کی وضاحت آئندہ آئے گی۔

علامہ السمہودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بالجملہ مدینہ طیبہ میں موت کی ترغیب ایسی چیز ہے جو کسی دوسرے شہر کے لئے ثابت نہیں ہے اور اس میں رہائش اس میں موت کا سبب ہے پس اس میں مرنا اس میں رہنے کی ترغیب ہے اور دوسرے شہروں پر اس کی فضیلت کا بیان ہے۔ مدینہ طیبہ میں رہائش رکھنا سلف

صالحین کا اختیار ہے، اس میں تو شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں مقیم ہونا اجماعاً افضل ہے، پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم مستحب سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس پر اجماع ثابت ہے۔

(۶) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں تھا کہ میں اس کا شفیع ہوں گا یا شہید ہوں گا۔ اس میں لفظ ''او'' کے دو معانی ہو سکتے ہیں یا تو شک کے لئے ہے، یا تقسیم کے لئے ہے پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم گنہگاروں کے لئے شفیع ہوں گے اور نیکوکاروں کے لئے شہید ہوں گے یا اس کا مطلب ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں فوت ہوگا اس کے لئے شہید ہوں گے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فوت ہوگا اس کے لئے شفیع ہوں گے۔ ہر صورت میں یہ شفاعت اور شہادت اس شفاعت کے علاوہ ہے جو قیامت کے روز گنہگاروں اور نیکوکاروں کے لئے ہوگی یا جو شہادت تمام امتوں پر ہوگی، پس یہ ایک فضیلت اور عظمت ہے جو ساکنین مدینہ کے لئے خاص ہے، تفصیل آئندہ ہوگی۔

(۷) جن لوگوں نے استطاعت کی تفسیر بیان کی ہے اس میں ایک لطیف مذہب یہ بھی ہے کہ بعض علماء نے فرمایا، موت کی استطاعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان مدینہ طیبہ میں شادی کر لے اور گھر بنا لے، کیونکہ لوگوں کی یہ عادت ہے کہ جہاں گھر اور بیوی ہو وہاں سے دوسری جگہ منتقل ہونا اس کے لئے مشکل ہوتا ہے، پس وہ مرنے تک یہاں ہی رہے گا اور استطاعت کا یہی معنی ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں یہ شرط نہیں ہے کیونکہ کتنے ہی ایسے انسان ہوتے ہیں جو کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں، اس میں زندگی بسر کرتے ہیں، شادی نہیں کرتے مگر اس میں مرتے ہیں اور کئی ایسے انسان بھی ہوتے ہیں جو ایک شہر میں داخل ہوتے ہیں، شادی بھی وہاں کرتے ہیں لیکن پھر وہاں سے نکل جاتے ہیں لیکن محبت بقاء اور مجاورت کے اسباب بناتا ہے، نکاح کرنا، گھر بنانا، جوار میں رغبت اور استقرار کی علامت ہے۔ واللہ اعلم۔

میں (مصنف) کہتا ہوں، یہ سب فضیلت اس کے لئے ہے جو مدینہ طیبہ میں رہا، یا پیدا ہوا، مگر جو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کر کے آیا یہاں کی مجاورت اختیار کی اس کے لئے دوسرا اجر ہے وہ یہ کہ اس کی ولادت اور اس کی موت کی جگہ کی پیمائش کی جائے گی پھر جنت میں اسی کی مثل حساب لگایا جائے گا۔

۲۷۴- حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک شخص جس کی مدینہ طیبہ کی پیدائش تھی وہ فوت ہو گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی پھر فرمایا کاش یہ اپنے مولد کے علاوہ کسی اور جگہ مرا ہوتا۔ صحابہ کرام نے عرض کی یا رسول اللہ ایسا کیوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے پیدائش کی جگہ کے علاوہ دوسری جگہ فوت ہوتا ہے تو جنت میں اس کے لئے اس کی پیدائش اور موت کی جگہ کی پیمائش کی جاتی ہے۔

اس حدیث کو النسائی، ابن ماجہ، احمد اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے اس کی سند تمام کے نزدیک حسن ہے۔

یعنی کاش کہ یہ کسی اور جگہ پیدا ہوا ہوتا پھر مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آتا اور یہاں آ کر مرتا تا کہ مدینہ طیبہ کی موت کی فضیلت والی احادیث سے موافق ہو جائے۔

مدینہ طیبہ میں وفات پائے گا وہ قیامت کے دن امن والوں سے ہوگا

مدینہ طیبہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ جس کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخصوص شفاعت فرمائیں گے یقیناً وہ قیامت کے روز امن میں ہوگا اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے اٹھایا جائے وہ بھی قیامت سے ان اللہ تعالیٰ کے حکم سے امن میں ہوگا کیونکہ وہ لپٹا ہوا ہوگا اور جو مدینہ طیبہ میں وفات پائے گا وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھے گا، اس کا بیان آگے آئے گا۔

۵۔۲۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دونوں حرموں میں سے کسی ایک میں مرے گا وہ قیامت کے دن امن کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الاوسط اور الصغیر میں حسن سند کے ساتھ، ابن سعد، ابو الشیخ البیہقی نے شعب میں روایت کیا ہے، اس کی شواہد بھی ہیں۔ مثلاً حضرت عمر بن الخطاب کی حدیث، الطیالسی اور البیہقی نے ذکر کی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیہقی نے شعب میں ذکر کی ہے، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی حدیث جو الطبرانی نے الکبیر میں اور البیہقی نے الشعب میں روایت کی ہے، العجلونی نے اس کی نسبت الکشف میں امام احمد کی طرف کی ہے کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے اور ابن عمر سے فردوس نے روایت کی ہے۔

جو مدینہ طیبہ کو ناپسند کرتے ہوئے نکلے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر شخص کو مدینہ میں بھیجے گا، جو مدینہ طیبہ کو ناپسند کرتے ہوئے اس سے نکل جائے گا اور اس پر کسی دوسرے شہر کی رہائش کو ترجیح دے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے بہتر شخص کو مدینہ میں رہائش عطا فرمائے گا، یہ سخت اور شدید قسم کی وعید ہے اس شخص کے لئے مدینہ کو چھوڑ کر مر جانے والا ہے اور یہ خوف ہے کہ وہ خبث ہو جسے مدینہ طیبہ نے باہر پھینک دیا گیا ہو۔

۲۷۶۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مدینہ طیبہ کو ناپسند کر کے چھوڑ جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر شخص مدینہ طیبہ کو عطا فرمائے گا مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ اس کی فضیلت کو سمجھیں۔

اس حدیث کو الحاکم نے روایت کیا ہے اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور البزار نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کی ہے۔

اس سے پہلے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ مدینہ ان کے لئے

بہتر ہے کہ وہ اس کی عظمت کو سمجھیں اس کو جو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑ جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اس میں بھیج دے گا، اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، جو شخص ان میں سے مدینہ کو ناپسند کرتے ہوئے نکلے گا، اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اس میں بھیج دے گا۔

۲۷۷- حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں مدینہ طیبہ میں مہنگائی ہوگئی اور مشقت بڑھ گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صبر کرو اور تمہیں بشارت ہو...... اس حدیث کے آخر میں ہے جو مدینہ طیبہ کی شدت اور مصیبت پر صبر کرے گا میں اس کا قیامت کے دن شفیع ہوں گا یا شہید ہوں گا اور جو اس کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑ جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اس میں بھیج دے گا اور جو مدینہ کے متعلق برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے یوں پگھلا دے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔

اس حدیث کو البزار نے مسند میں روایت کیا ہے۔

الحافظ الہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

میں (مصنف) کہتا ہوں اس کے راوی صحیح کے نہیں ہیں کیونکہ اس میں عمرو بن دینار قہرمان آل زبیر ہے جو ضعیف ہے شیخان نے اس سے کوئی حدیث روایت نہیں کی لیکن اس حدیث کی شواہد ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں پس یہ حدیث حسن ہے۔

۲۷۸- حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مدینہ طیبہ کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑ جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اس میں بھیج دے گا۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ معن بن عیسیٰ نے اس کو متصل ذکر کیا ہے، مؤطا نے اس کی سند یوں بیان کی ہے عن مالک عن ہشام عن ابیہ (عروہ) عن عائشہ، مؤطا میں اس کے علاوہ کسی نے سند بیان نہیں کی، ہشام کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے مسند کے طور پر ذکر کی ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں معن کی روایت کے مطابق شیخین کی شرط پر حدیث صحیح ہے اور یحیٰ اللیثی اور عبدالرزاق کی روایت کے مطابق یہ حدیث اپنے طرق کی وجہ سے صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''لَا یَخرُجُ عَنھَا'' یعنی جو مدینہ کو وطن بنائے گا۔ الباجی فرماتے ہیں جس نے اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر کو وطن بنایا مگر جس کا کوئی دوسرا شہر وطن ہو پھر اس میں وہ قربت کے لئے آئے پھر اپنے وطن واپس لوٹ جائے تو وہ اس کو ناپسند کرتے ہوئے نہیں جا رہا۔

اسی طرح جو شخص زمانے کی شدت یا فتنہ کے باعث نکلے گا تو وہ ناپسند کرتے ہوئے نکلنے والا

نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "رَغْبَةً عَنْهَا" کا مطلب یہ ہے کہ ناپسند کرتے ہوئے، یہ رغبت عن الشیٔ سے مشتق ہے جس کا مطلب یہ کہ میں نے اس کو ناپسند کیا۔ یہ المازری اور القرطبی نے لکھا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ طیبہ سے نکلنا اس کو ناپسند کرنے یا کسی دوسرے شہر کو فضیلت دینے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کا نکلنا جہاد، تعلیم اور احکام اسلام کو قائم کرنے کی مصلحت کی وجہ سے تھا، اس لئے صحابہ کے خروج کی وجہ سے اعتراض نہیں ہو سکتا۔

(۳) علماء کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ خروج اور اس کا نعم البدل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا یا یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد کو بھی شامل ہے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کے ساتھ خاص تھی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد صحابہ کرام نکلے تھے اور ان سے بہتر کوئی نہیں آیا تھا۔

زرقانی نے ان صحابہ کرام کے نام لکھے ہیں جو مدینہ طیبہ سے بعد میں چلے گئے تھے، جیسے ابو موسیٰ، ابن مسعود، معاذ، ابو عبیدہ، علی، طلحہ، الزبیر، عمار، حذیفہ، عبادہ بن الصامت، بلال، ابی الدرداء، ابوذر وغیرہ رضی اللہ عنہم انہوں نے مدینہ طیبہ کے علاوہ دوسرے شہروں کو جا بسایا مگر ان کی مثل کوئی بھی نہیں آیا چہ جائیکہ ان سے افضل آتا۔ پس یہ دلیل ہے کہ یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص تھا۔

ب: لیکن اظہر اور اصح وہ ہے جو قاضی عیاض، النووی، الابی وغیرہ نے لکھا ہے کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات اور بعد الوصال دونوں میں عام ہے، اس عموم کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ انسان اپنے چچا زاد بھائی اور قریبیوں کو بلائے گا، خوشحالی کی طرف آؤ، حالانکہ مدینہ طیبہ ان کے لئے بہتر ہوگا اگر وہ اس کی فضیلت کو سمجھیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو اس کو ناپسند کرتے ہوئے اس کو چھوڑ جائے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اس میں بھیج دے گا۔ (اس کو مسلم نے روایت کیا ہے)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "يَاتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ" "لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا۔ یعنی مستقبل میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے زمانہ کی بات نہیں ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نکلنا مدینہ طیبہ کو ناپسند کرنے کی وجہ سے نہ تھا جیسا کہ ابھی میں نے ذکر کیا ہے تاکہ ان کی مثل یا ان سے بہتر کوئی آتا، بہتر تب آئے گا جب کوئی اسے ناپسند کرتے ہوئے چھوڑے گا۔ مطلقاً نکلنے کی وجہ سے نہیں آئے گا۔ یہ چیز بھی تعمیم پر دلالت کرتی ہے۔

(۴) بدل کا طریقہ کیا ہوگا یا تو کوئی اس نکلنے والے سے بہتر باہر سے منتقل ہو کر مدینہ طیبہ آئے گا اور یہاں مقیم ہو جائے گا یا کوئی بچہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر پیدا فرما دے گا، یہ الباجی نے لکھا ہے۔

یہ حدیث شریف مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر جانے والے کے خطرے پر دلیل ہے، خصوصاً جبکہ کسی دنیوی امر کے لئے نکلے کیونکہ نکلنا شر ہے اور یہ خبث سے شمار ہوگا، اس کی وضاحت ان شاء اللہ آگے آئے گی، اور اس سے بہتر آ جائے گا۔ واللہ اعلم۔

(۵) جو مدینہ طیبہ کو اپنے خبث کی وجہ سے ناپسند کرتے ہوئے نکلے گا وہ اس کی فضیلت و مقام سے جاہل ہے اور اس کی عظمت کا منکر ہے، امام القرطبی نے جیسا کہ ذکر کیا ہے کہ جو مدینہ طیبہ کو ناپسند کرتے ہوئے چھوڑے گا وہ اس کی عظمت کا منکر ہے، جو بھی اس سے نکلے گا وہ ایسا ہی ہوگا اور جو مسلمان باقی رہیں گے وہ اس سے ہر حال میں بہتر اور افضل ہوں گے۔

(۶) اس حدیث پاک سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نکلنے والے سے بہتر بھیج دے گا، یعنی مدینہ طیبہ کبھی اہل علم و فضل، اور دینی صلاح سے خالی نہیں ہوگا یہاں تک کہ قیامت آ جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ نکلنے والوں سے بہتر بھیجتا رہے گا۔

یہی وجہ ہے کہ جب صالح لوگ مدینہ طیبہ سے نکلتے اگرچہ بغیر ناپسند کے نکلتے تو وہ ڈر رہے ہوتے تھے کہ کہیں ہم ان لوگوں میں سے تو نہیں جنہیں مدینہ باہر پھینک دے گا وضاحت آئندہ ہوگی۔

مدینہ طیبہ خبث کو دور کر دے گا

مدینہ طیبہ کو ایک انفرادیت حاصل ہے کہ جس شخص کا باطن خبیث ہوگا، ایمان میں اخلاص نہ ہوگا، عہد توڑ دے گا اور اس کا شر زیادہ ہوگا.......... تو مدینہ طیبہ اسے دور کر دے گا جیسے بھٹی لوہے اور چاندی کے خبث یعنی زنگ اور کھوٹ کو دور کر دیتی ہے، پگھلنے کے بعد خالص چاندی اور خالص لوہا رہ جاتا ہے، اسی طرح مدینہ طیبہ میں بھی خالص ایماندار، صاف دل اور عہد کے سچے لوگ ہی باقی رہ جائیں گے۔

۲۷۹۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر اسلام کی بیعت کی، اعرابی کو مدینہ طیبہ میں بخار ہو گیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ میری بیعت واپس کیجئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا پھر وہ آیا اور عرض کی میری بیعت واپس کیجئے آپ نے پھر اعراض فرمایا، پھر اس نے کہا میری بیعت واپس کیجئے آپ ﷺ نے پھر اعراض فرمایا وہ اعراض کر کے مدینہ طیبہ کو چھوڑ کر چلا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ بھٹی کی مانند ہے، خبث کو دور کرتا ہے، خالص پاکیزہ کو باقی رکھتا ہے۔ (متفق علیہ)

ابن التین فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت واپس کرنے سے اعراض فرمایا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصیت پر معاونت نہیں کرتے تھے، ابتداء میں بیعت اس بات پر کی تھی کہ بغیر

اجازت مدینہ سے نہیں نکلے گا، پس اس اعرابی کا نکلنا نافرمانی تھا۔

فرماتے ہیں فتح مکہ سے پہلے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا ہر اس شخص پر جو مسلمان ہوتا اور جو مسلمان ہجرت نہ کرتا اس کا مسلمانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا

(انفال:۷۲)

"(وہ جو ایمان لائے مگر ہجرت نہیں کی تمہارے لئے ان کی وراثت سے کچھ حصہ نہیں حتیٰ کہ وہ ہجرت کریں۔) جب مکہ فتح ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فتح کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ اس سے یہ شعور ملتا ہے کہ اعرابی کی بیعت فتح مکہ سے پہلے کی تھی۔"

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیعت واپس نہ کی کیونکہ جو مسلمان ہو جائے اس کے لئے اسلام کا چھوڑنا جائز نہیں ہے، اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ٹھہرنے کے لئے ہجرت کر کے آئے اسے واپس وطن جانے کی اجازت نہیں ہے، اور یہ اعرابی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے ہجرت کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھہرنے کے لئے بیعت کی تھی۔

القاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس اعرابی کی بیعت فتح مکہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کے سقوط کے بعد ہو۔ اور یہ بیعت اسلام پر ہو اور اس نے اسلام سے لوٹنے کی اجازت طلب کی ہو اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیعت واپس نہ کی، پہلا قول صحیح ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں اسلام سے لوٹنے کا مطالبہ کا قول صحیح نہیں ہے، کیونکہ اسلام سے رجوع ردت ہے اور یہ بالاتفاق قتل کا موجب ہے اگر وہ اسلام سے واپسی کا مطالبہ کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے توبہ طلب کرتے کیونکہ وہ شاکی تھا، اور اس کے لئے وضاحت فرماتے۔ واللہ اعلم۔ مزید بیان آگے آئے گا۔

مدینہ طیبہ بھٹی کی مانند ہے خبث کو دور کرتا ہے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو برے اور شریر افراد کو نکالنے کی وجہ سے بھٹی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو لوہے اور چاندی کے زنگ اور کھوٹ کو دور کر دیتی ہے، الوسخ سے مراد وہ میل ہے جو آگ نکال دیتی ہے اسی طرح مدینہ طیبہ بھی اس کو قطعاً اپنے اندر نہیں چھوڑے گا جس کے دل میں منافقت ہو گی بلکہ اسے قلوب صادقہ سے جدا کر کے باہر نکال دے گا۔ جیسے آگ لوہے کے خبث کو دور کر دیتی ہے۔

۲۸۰۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احد کی طرف نکلے تو کچھ لوگ راستہ سے واپس آ گئے صحابہ کرام میں سے ایک گروہ نے کہا ہم ان سے جنگ

کریں گے بعض نے کہا ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ فَمَا لَکُمْ فِی الْمُنٰفِقِیْنَ فِئَتَیْنِ (نساء:۸۸)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مدینہ برے لوگوں کو یوں دور کردے گا جیسے آگ لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے۔ (بخاری) مسلم نے اسے مختصراً مرفوعاً روایت کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ مجھے ایسے شہر کا حکم دیا گیا ہے جو تمام شہروں پر غالب آجائے گا لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ وہ مدینہ ہے وہ برے لوگوں کو اس طرح دور کردے گا جیسے بھٹی لوہے کے خبث کو دور کر دیتی ہے۔ (متفق علیہ)

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، مدینہ کو ناپسند کرتے ہوئے جو نکلے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر بھیج دے گا یقیناً مدینہ بھٹی کی مانند ہے خبیث کو نکال دیتا ہے، قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مدینہ برے لوگوں کو باہر نہ نکال دے گا، جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے۔ (مسلم)

۲۸۱-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ بھٹی کی مانند خبث کو دور کردے گا جیسے بھٹی لوہے کے خبث کو دور کرتی ہے۔

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ اور البخاری نے اپنی تاریخ میں مختصراً اور امام احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۲۸۲-حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب ہم غزوۂ تبوک سے واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ طیبہ ہے مجھے اس میں میرے رب نے ٹھہرایا ہے یہ اپنے رہنے والوں میں سے خبیثوں کو نکال دے گا جیسے بھٹی لوہے کے خبث کو نکال دیتی ہے اور جب تم میں سے کوئی کسی متکبر سے ملے تو اس سے نہ کلام کرے اور نہ اس سے مجلس اختیار کرے۔

اس حدیث کو ابن شبہ نے تاریخ مدینہ میں روایت کیا ہے اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ہیں جو ضعیف ہیں لیکن اس حدیث کے شواہد بہت ہیں، پس یہ حسن حدیث لغیرہ ہوئی۔ واللہ اعلم۔

ان احادیث سے حاصل شدہ مسائل۔

(۱) احادیث کے ظاہر صحابہ کرام کا مدینہ طیبہ سے خروج اور آیت کریمہ "ومن اهل المدينة مردوا على النفاق" کے درمیان تطبیق اس طرح ہے کہ یہ احادیث مخصوص لوگوں اور مخصوص وقت کے متعلق ہیں، عام نہیں ہیں۔ واللہ اعلم

(۲) المہلب رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے حدیث اعرابی سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ کو دوسرے شہروں پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ خصوصیت عطا فرمائی ہے کہ یہ خبیث کو دور کر دیتا ہے۔

اس قول کی وجہ سے انہوں نے اہل مدینہ کے اجماع کی حجیت کو ثابت کیا ہے۔

الحافظ ابن عبد البر کے قول کے ساتھ المہلب کے قول کا تعاقب کیا گیا ہے کیونکہ اس نے لکھا ہے کہ حدیث پاک مدینہ طیبہ کی فضیلت پر دلیل ہے لیکن یہ وصف تمام زمانوں میں عام نہیں بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ یہ تو یقینی بات ہے کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قیام کو نا پسند کرتے ہوئے مدینہ سے نکل جائے گا اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

القاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اظہر یہی ہے کہ یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ ہجرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ٹھہرنے پر وہی شخص صبر کرے گا جس کا ایمان قوی اور مضبوط ہوگا۔ رہے منافق اور جاہل بدو وہ مدینہ طیبہ کی شدت پر صبر نہیں کرتے اور اس میں جو اجر ہے اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے جیسا کہ اس اعرابی نے بیعت کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا جسے بخار ہو گیا تھا۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے اس قول کا رد کیا ہے وہ لکھتے ہیں قاضی نے اس کے اظہر ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر یہ اظہر نہیں ہے کیونکہ صحیح مسلم کی پہلی حدیث میں ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ مدینہ اپنے شریر لوگوں کو باہر نہیں نکال دے گا جیسے بھٹی لوہے کے خبث کو باہر نکال دیتی ہے۔ یہ دجال کے زمانہ میں ہو گا۔ واللہ اعلم جیسا کہ مسلم کی آخری حدیث میں ہے کہ دجال مدینہ کا قصد کرے گا، پھر مدینہ تین جھٹکے لے گا اور اس سے ہر کافر اور منافق باہر نکل جائے گا پس یہ احتمال ہے کہ یہ دجال کے زمانہ کے ساتھ خاص ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ متفرق زمانوں میں ہو۔ واللہ اعلم۔

الحافظ ابن حجر نے ان دونوں قولوں کو جمع کیا ہے، فرماتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں زمانوں کو شامل ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ہو کیونکہ سبب مذکور ہے اس کی تائید اعرابی کے قصہ سے ہوتی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث اس اعرابی کے نکلنے اور بیعت کے واپس کرنے کے مطالبہ پر ذکر فرمائی اور پھر دجال کے نزول کے زمانہ میں بھی ایسا ہوگا جب مدینہ تین جھٹکے لے گا اور ہر منافق اور کافر اس کی طرف نکل جائے گا، مگر جو درمیان کی مدت ہے اس میں منافق و کافر کا نکلنا نہ ہوگا۔

میں کہتا ہوں حافظ ابن حجر کا یہ قول کہ ''درمیانی مدت میں اخراج کی صفت مدینہ طیبہ میں نہ ہوگی''، اس کا تعاقب کیا گیا ہے۔

(۱) حدیث کا لفظ عام ہے کسی زمانہ کے ساتھ خاص نہیں ہے جیسا کہ ناپسند کرتے ہوئے نکلنے کا لفظ عام ہے اور حدیث اعرابی کے قصہ کے بعد وارد ہوئی ہے اسی طرح مدینہ طیبہ کے دجال کی آمد کے دن جھٹکے لینے کے وقت مشرکین و منافقین کا نکلنا بھی وارد ہے، تو ان دونوں اوقات کے درمیان میں ایسا ہونا بھی مانع نہیں ہے۔

(۲) اہل علم اور اہل فضل و دین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ طیبہ کے نکلنے سے ڈرتے تھے کہ کہیں

ہمیں بھی مدینہ باہر تو نہیں پھینک رہا۔

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ مدینہ طیبہ سے نکلے تو پیچھے مڑ کر دیکھا اور رونے لگ گئے پھر اپنے ساتھی سے کہا اے مزاحم کیا ڈر رہے کہ ہم بھی ان لوگوں میں سے ہوں جن کو مدینہ باہر نکال دے گا کیونکہ یہ بروں کو دور کر دیتا ہے، جیسا کہ پیچھے تفصیل سے گزر چکا ہے۔

الامام الباجی حضرت عمر بن عبدالعزیز کے قول کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ مدینہ طیبہ خبث کو دور کر دے گا۔ پس انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں ہم ان لوگوں میں سے نہ ہوں جنہیں مدینہ دور کر دے گا، خبث یا سنت کی مخالفت یا ہدایت سے گمراہی کی وجہ سے ہوتا ہے اہل فضل ودین ہمیشہ ان کی طرح اپنے نفس پر خوف کھاتے رہے ہیں۔

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس اصحاب کرام کو پایا ہے جو اپنے نفس پر نفاق کا خوف کرتے تھے۔

حضرت الحسن نے فرمایا مومن ڈرتا رہتا ہے، منافق امن میں ہوتا ہے۔

ابراہیم التیمی فرماتے ہیں میں نے جب بھی اپنے قول کو عمل پر پیش کیا تو مجھے جھوٹا ہونے کا خوف ہوا۔ اسی وجہ سے اہل دین وفضل اپنے نفوس پر خوف کرتے تھے اور اپنے نفسوں کو ہی متہم کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

(۳) یہاں جتنی روایات ذکر ہوئی ہیں وہ الفاظ کے اعتبار سے مختلف ہیں، مثلاً "تَنفِیُ الرِّجَالَ، تَنفِیُ الخُبثَ، تَنفِیُ الذُّنُوبَ" یہ الفاظ بخاری میں حضرت زید بن ثابت سے مروی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے "تَنفِیُ النَّاسَ" بخاری ومسلم میں مروی ہیں، مسلم میں "تَنفِیُ شَرَارَهَا" کے الفاظ ہیں۔ حضرت ابو قتادہ کی روایت جو ابن شبہ نے ذکر کی ہے، اس میں "تَنفِیُ خُبثَ اَہلِہَا" کے الفاظ ہیں۔ ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے سوائے تنفی الذنوب کے الفاظ کے، کیونکہ جن لوگوں کو مدینہ نکال دے گا وہی الناس ہیں، وہی اشرار اور وہی خبث ہیں بخلاف تنفی الذنوب کے، الحافظ ابن حجر لکھتے ہیں اس میں احتمال ہے کہ یہاں کچھ الفاظ حذف ہوں اصل میں اہل الذنوب ہو، اس صورت میں اس کا بھی دوسری روایات سے تعارض نہیں رہے گا۔

ان احادیث کا ظاہر یہ ہے کہ مدینہ طیبہ سے نکلنے والے ہر شخص کی مذمت کی گئی ہے مگر یہ علی الاطلاق نہیں ہے۔

ابن المنیر رحمتہ اللہ علیہ نے یہ اشکال اٹھایا ہے اور خود ہی جواب دیا ہے فرماتے ہیں ظاہراً ہر شخص کی مذمت کی گئی ہے جو مدینہ سے خارج ہوگا مگر اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی کثیر تعداد یہاں سے چلی گئی تھی اور دوسرے شہروں میں مقیم ہو گئے تھے اسی طرح تابعین میں سے بھی کئی فضلاء یہاں سے کوچ کر

گئے تھے۔

جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ نکلنا مذموم ہے جو مدینہ کو ناپسند کرتے ہوئے ہو جیسا کہ اعرابی نے کیا تھا، مگر صحابہ کرام یا تابعین کا نکلنا مقاصد صحیحہ کے لئے تھا، مثلاً علم کا پھیلانا، مشرکوں کے شہروں کو فتح کرنا، سرحدوں پر چوکیاں قائم کرنا، دشمنوں سے جہاد کرنا وغیرہ حالانکہ مدینہ طیبہ کی فضیلت اور اس میں رہائش کی عظمت کا انہیں اعتقاد تھا۔

(۵) مدینہ طیبہ کو بھٹی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، مدینہ طیبہ الخبث کو دور کرتا ہے جیسے بھٹی زنگ کو دور کرتی ہے۔

امام القرطبی فرماتے ہیں یہ تشبیہ اس لئے ہے کہ جس طرح دھونکنی آگ سے سیاہی، دھواں، راکھ وغیرہ دور کردیتی ہے حتیٰ کہ خالص آگ اور انگارے رہ جاتے ہیں، یہ اسی صورت میں ہے جبکہ الکیر سے مراد دھونکنی ہو جس کے ساتھ آگ پھونکی جاتی ہے۔

اگر اس سے مراد وہ بھٹی ہو جہاں آگ جلائی جاتی ہے جیسا کہ لغویین کے نزدیک معروف ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سخت شدت وگرمی کی وجہ سے لو ہے، سونے اور چاندی کے خبث کو دور کرتی ہے اور خلاصہ رہ جاتا ہے، مدینہ طیبہ کی بھی یہی شان ہے کہ زندگی کی شدت حالت کی تنگی کی وجہ سے نفوس کو شہوات، لالچ اور حرص سے نکال کر مستحسنات کی طرف خالص کردیتی ہے اور خلاصہ باقی رہ جاتا ہے۔

تمیز کی نسبت بھٹی کی طرف کی گئی ہے کیونکہ یہ آگ روشن کرنے کا بڑا سبب ہے جس کے ساتھ تمیز واقع ہوتی ہے۔

(۶) خبث کی نفی کیسے ہوتی ہے؟ اس کی متعدد وجوہ ہوسکتی ہیں۔

(ا) یا تو اس کا مطلب واقعی دور پھینکنا ہے جیسا کہ اعرابی کو اس نے باہر پھینک دیا پھر دجال کی آمد کے زمانہ میں بھی ایسا ہی ہوگا کہ منافق جو خبث میں مکمل ہوں گے وہ اس کی طرف نکل آئیں گے، ان کے علاوہ جو اہل خبث اور گنہگار ہوں گے اگر وہ اس گناہ کی روش پر ہی باقی رہے تو ان کو دور پھینکنے کی صورت یہ ہو گی کہ فرشتے انہیں مدینہ طیبہ کی مقدس زمین سے کسی دوسرے شہر میں منتقل کردیں گے، جیسا کہ امام القشیری نے اشارہ کیا ہے، اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مدینہ ان لوگوں کو جن کا خبث کامل ہوگا اور گنہگار ہوں گے انہیں باہر نکال دے گا اور ذنوب کے لفظ سے پہلے اہل مضاف محذوف ہوگا۔ واللہ اعلم

ب: ہوسکتا ہے کہ صرف انہیں مدینہ طیبہ باہر نکالے گا جو مکمل خبیث ہوں گے اور یہ اہل کفر اور اہل شقاوت ہیں اہل سعادت اور اہل اسلام مراد نہیں ہیں تو کفار اور شقی لوگ شفاعت ومغفرت کے قابل ہی نہیں ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے شفاعت کا وعدہ فرمایا جو اس میں مرے گا اس لئے

اہل کفر و شقاوت سے اس کی نفی لازمی ہے، کیونکہ شفاعت کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ کفار اور منافقین کے لئے نہیں ہے۔

ج: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نفوس کو شر و حرص سے خالص کر کے مدینہ طیبہ کی شدت و مصیبت کی لذت سے آشنا کر دینا، اس کی تائید زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت کرتی ہے جو بخاری نے کتاب المغازی باب غزوہ احد میں ذکر کی ہے، کہ مدینہ طیبہ گناہوں کو دور کر دے گا جیسے آگ چاندی کے کھوٹ کو دور کر دیتی ہے، اس صورت میں ذنوب کی نفی اپنے ظاہر پر ہوگی خصوصاً جبکہ مدینہ طیبہ میں نیکیاں کئی گنا ہو جاتی ہیں، ثواب اور بدل کئی اعتبار سے دیا جاتا ہے اور پے در پے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، ''اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ'' (نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں) اس کے ساتھ ساتھ اہل مدینہ کے لئے خصوصی شفاعت و شہادت بھی ہے، اور برکات بھی کئی گنا ہیں۔

د: یہ مفہوم بھی ہوسکتا ہے کہ جو شخص منافقت کرے گا اور اپنے خبث کو ظاہر نہیں کرے گا مدینہ طیبہ اس کے راز کو افشا کر دے گا، جیسا کہ مشاہدہ کیا گیا ہے۔

یہ نکتہ علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے اس کی تائید حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کرتی ہے جس میں منافقین کا جنگ احد کے موقع پر نبی کریم کو چھوڑ کر واپس آنا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی اس کا موید ہے کہ مدینہ طیبہ بھٹی کی مانند ہے۔ اسی وجہ سے مدینہ طیبہ کا ایک نام الفاضحہ بھی ہے جیسا کہ میں نے مدینہ طیبہ کے اسماء میں ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اس شخص کو رسوا و ذلیل کرتا ہے جو اپنے خبث کو مخفی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ سمہودی لکھتے ہیں تمام احادیث کے مطالعہ اور اس شہر کے احوال کے استقراء سے مجھ پر جو ظاہر ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ کے خبث کا اخراج چار صورتوں میں ہوگا۔

(۷) ان احادیث کا ایک اہم مسئلہ باقی ہے جس کا ذکر از حد ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ان احادیث کو پڑھنے والا یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور حیات میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی منافق مقیم رہے ہیں۔

الامام الابی رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر جواب لکھا ہے، لکھتے ہیں اگر کوئی منافقین کے قیام کی وجہ سے اعتراض کرے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ موت کے ذریعے نکالے گئے موت دینا تو ہمیشہ کے لئے نکال دینا ہے۔

اگر آپ کہیں کہ رافضی اور اس جیسے لوگ بھی تو مدینہ طیبہ میں رہے ہیں تو میں کہوں گا کہ خبث کی نفی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص تھی، اس صورت میں تو جواب واضح ہے لیکن اگر یہ عام ہو جیسا کہ اظہر قول یہی بتایا گیا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بدعتیوں میں سے جو بدعتی اس میں ہوگا اس کی بدعت

کو مٹا دیا جائے گا اور اس کا ظہور پھیلاؤ نہ ہوگا، اس پر اتفاق نہ ہوگا۔

اس کے جوابات اور بھی ہیں۔ مثلاً

الف: ایسے لوگ مدینہ میں نہیں مریں گے اگر مریں گے تو وہ اس سے نکال دیئے جائیں گے۔

ب: اگر نص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص ہو تو پھر کوئی اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا جیسا کہ ابن عبدالبر اور القاضی عیاض رحمتہ اللہ علیہما نے لکھا ہے کیونکہ اہل بدعت اس وقت مدینہ میں رہے جب چوتھی صدی کے بعد فاطمیوں نے غلبہ کر لیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے اسے پاک فرما دیا۔

ج: اگر حکم عام ہو جیسا کہ نووی اور ابی وغیر ہما نے کہا ہے تو مندرجہ ذیل جوابات دیئے جا سکتے ہیں۔

(ا) اہل بدعت کی بدعت غالب نہ ہوگی بلکہ ان کی دعوت وشرکت ٹوٹی پھوٹی ہوئی موجود ہوگی جبکہ دوسرے شہروں میں وہ غالب ہوگی، یہ جواب ابی نے لکھا ہے۔

اگر ان میں مکمل خبث ہوگا تو وہ مدینہ میں نہیں مریں گے بلکہ وہ یہاں سے نکال دیئے جائیں گے اور اگر کوئی مدینہ میں مر گیا تو مرنے کے بعد فرشتے اسے نکال لیں گے۔ اگر ان کا خبث ناقص ہوگا اور وہ مسلمان گنہگاروں میں سے ہوں گے تو وہ شفاعت کے مستحق ہوں گے، سابقہ چاروں احتمالات میں سے ایک ان کو شامل ہے یا مخصوص کفر ہوگا یعنی کفران نعمت اور عملی نفاق، یہ کفران نعمت اور عملی نفاق انسان کو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتے۔ واللہ اعلم۔

میں (مصنف) کہتا ہوں انصاری مسلمان کا قصہ جو مرتد ہو گیا تھا پھر جب مرا تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا تھا، دوسرے معنی کے موافق ہے۔

۲۸۲- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ایک نصرانی آدمی تھا، مسلم کی روایت میں ہے کہ ہم بنی نجار میں سے ایک آدمی تھا۔ وہ مسلمان ہوا اور اس نے سورہ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کتابت کرتا تھا، پھر وہ نصرانی ہو گیا۔ کہتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے مگر جو کچھ میں لکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے موت دی، لوگوں نے اسے دفن کیا، صبح ہوئی تو زمین نے اسے باہر پھینک دیا تھا نصرانیوں نے کہا یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ ان کا دین چھوڑ گیا تھا، اس لئے انہوں نے قبر کھود کر باہر ڈال دیا ہے۔ نصرانیوں نے قبر پہلے سے زیادہ گہری کھودی، صبح ہوئی تو پھر زمین نے اسے باہر پھینک دیا تھا، کہنے لگے یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کا کام ہے، انہوں نے قبر کھود کر ہمارے ساتھی کو قبر سے باہر پھینک دیا ہے کیونکہ وہ ان کا دین چھوڑ چکا تھا، پھر نصرانیوں نے قبر مزید زیادہ گہری کھودی صبح ہوئی تو پھر زمین نے اسے باہر پھینک دیا، اس دفعہ وہ جان گئے کہ یہ انسانوں کا کام نہیں ہے کہ انہوں نے اسے باہر پھینکا ہو۔ مسلم کے الفاظ میں ہے، زمین نے اسے باہر پھینک دیا

تھا تو لوگوں نے بھی اسے پڑا رہنے دیا۔ متفق علیہ

۲۸۴-ابن حبان کی روایت میں یہ زیادتی ہے کہ ابوطلحہ نے فرمایا میں اس زمین پر آیا جس پر وہ شخص مرا تھا، جبکہ میں جان چکا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، ایسا ہی تھا جیسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ میں نے اسے باہر پڑا ہوا پایا، میں نے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا ہم نے اسے دفن کیا ہے مگر زمین نے اسے قبول نہیں کیا ہے۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ زمین نے اس مرتد خبیث کو باہر پھینک دیا تھا تو کوئی بعید نہیں کہ مدینہ طیبہ سے ہر شخص منتقل ہو جائے جو اس خبیث جیسا ہو۔

مدینہ گناہوں کو دور کرتا ہے

اس سے قبل یہ بیان ہوا کہ مدینہ اشرار اور خبیث لوگوں کو باہر پھینک دیتا ہے اور یہ گناہوں کو بھی دور کر دیتا ہے جیسے آگ چاندی کے خبث کو دور کر دیتی ہے۔

میں نے پہلے وہ تطبیق ذکر کی تھی جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایات میں علامہ ابن حجر نے ذکر کی ہے، پھر ایک اور جواب میرے ذہن میں آیا ہو سکتا ہے وہ مقبول ہو، وہ یہ ہے۔

مدینہ طیبہ کی شدت اور مصیبتوں پر صبر کرنے والے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن شفیع اور شہید ہوں گے، جیسا کہ وضاحت آئندہ آئے گی۔ مدینہ طیبہ کی شدت اور مصیبت کی وجہ سے مدینہ کے رہائشی کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ نفی الذنوب کا یہی معنی ہے۔

حدیث کے الفاظ سے یہی واضح ہوتا ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کی طرف نکلے تو کچھ لوگ (منافق) راستہ سے واپس آ گئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب دو حصوں میں بٹ گئے، ایک گروہ نے کہا ہم ان سے جنگ کریں گے دوسرے گروہ نے کہا ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے تو یہ آیت نازل ہوئی ''فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ طیبہ ہے گناہوں کو دور کرتا ہے جیسے آگ چاندی کے کھوٹ کو دور کرتی ہے۔

(بخاری)، (متفق علیہ)

حدیث پاک میں دو باتوں کا ذکر ہے جیسا کہ الحافظ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے منافقین کا لوٹنا، آیت کا نزول اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ یہ طیبہ ہے پھر تو میرا بیان متعین ہو جاتا ہے، معنی یہ ہوگا۔ مدینہ طیبہ ان کو خالص کرنے اور ان پر شدت کرنے کے بعد ان کے گناہوں کو دور کرتا ہے کیونکہ وہ توبہ کرتے ہیں اس لئے ان کے گناہ دور ہو جاتے ہیں یا ان کی شفاعت ہوتی ہے تو انہیں بخش دیا جاتا ہے، ابو قتادہ کی حدیث اسی معنی کی تائید کرتی ہے جو ابن شبہ نے ذکر کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب نے

مجھے اس میں ٹھہرایا ہے اور یہ اپنے رہنے والوں کے خبث کو دور کرتا ہے۔ اگر حدیث کے لفظ ایک ہوں تو اضافت یعنی (اہل الذنوب) متعین ہو جاتی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے تطبیق کرتے ہوئے ذکر کیا ہے، لیکن جب دو حدیثیں ہوں تو میرا قول متعین ہو جاتا ہے اور ترجیح بھی رکھتا ہے کیونکہ جب ہر گناہ گار کے گناہ ختم کر دیتا ہے تو پھر روف و رحیم نبی گنہگاروں کے لئے شفاعت کا کیا مطلب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزاروں درود و سلام ہوں۔

جو مدینہ کی شدت و مصیبت پر صبر کرے گا اس کے لئے شفاعت و شہادت

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی رہائش اور مجاورت پر ترغیب دی ہے کہ جو اس میں رہائش رکھے اسے زندگی کی تلخیوں اور مصیبتوں سے واسطہ پڑے اور پھر وہ اس شدت پر صبر کرے تا کہ فضیلت کا مستحق ہو جائے تو جو ایسا کرے گا اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور شہادت نصیب ہو گی، اس لئے دوسرے شہروں کی خوشحالی، شادابی کی وجہ سے مدینہ طیبہ کو چھوڑنا نہیں چاہیے، جو مدینہ طیبہ سے نفرت کرتے ہوئے نکلے گا وہ خبیث ہو گا اور مدینہ کو اس سے بہتر شخص مل جائے گا۔

۲۸۵- حضرت یحنّس مولی زبیر سے مروی ہے فرماتے ہیں میں فتنہ کے ایام میں عبداللہ بن عمر کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ان کی لونڈی آئی سلام کیا اور کہنے لگی میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں اے ابا عبدالرحمٰن، کیونکہ ہم پر زمانہ سخت ہو گیا ہے، حضرت عبداللہ نے اسے کہا، بیوقوف بیٹھ جا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو مدینہ طیبہ کی شدت اور مصیبت پر صبر کرے گا وہ گنہگار ہو گا تو قیامت کے روز میں اس کی شفاعت کروں گا اور نیکوکار ہو گا تو میں اس کی شہادت دوں گا۔ (مسلم)

ترمذی کی روایت میں ہے اس نے کہا میں عراق جانا چاہتی ہوں تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا حشر کی جگہ جانا چاہتی ہو، بیوقوف صبر کر۔

حدیث میں فتنہ کے ایام سے مراد حرہ کا واقعہ ہے جو یزید بن معاویہ کے دور میں پیش آیا تھا۔ یہ مدینہ طیبہ میں شام کے لشکر کے حملہ کے وقت کا واقعہ ہے یہ لشکر مسلم بن عقبہ المری المعروف المسرف کی قیادت میں آیا تھا۔ اس نے کثیر تعداد میں صحابہ کرام اور تابعین کو شہید کر دیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے مسرف کو زیادہ عمر نہ دی مدینہ سے نکلنے کے ساتھ ہی مر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پیٹ میں زرد پانی کی بیماری میں مبتلا کر دیا تھا، جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گیا۔

۲۸۷- حضرت ابوسعید مولی المہری سے مروی ہے کہ وہ ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کے پاس الحرہ کی راتوں میں آئے اور مدینہ طیبہ کو چھوڑنے کا مشورہ طلب کیا، مہنگائی اور کثرت عیال کی شکایت کی اور کہا کہ میں مدینہ طیبہ کی شدت اور تکلیف برداشت نہیں کر سکتا تو ابوسعید الخدری نے فرمایا، تجھ پر افسوس ہے، میں تجھے ایسا کرنے کا ہر گز مشورہ نہیں دوں گا کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

یہ فرماتے سنا ہے کہ جو مدینہ کی مصیبت پر صبر کرے گا اور مر جائے گا تو میں اس کا شفیع ہوں گا نیکوکار ہو گا تو میں اس کا شہید ہوں گا بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔ (مسلم)

۲۸۸-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میرا امتی مدینہ طیبہ کی تکلیف اور شدت پر صبر کرے گا (اگر وہ گنہگار ہوگا) تو میں قیامت کے روز اس کا شفیع ہوں گا (اگر وہ نیکوکار ہوگا) تو میں اس کا شہید ہوں گا۔ (مسلم)

۲۸۹-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ ان کے لئے بہتر ہے اگر وہ اس کی فضیلت کو سمجھ لیں جو اسے ناپسند کرتے ہوئے چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اس میں بھیج دے گا جو اس کی مشقت و مصیبت پر صبر کرے گا قیامت کے روز، اگر وہ گنہگار ہوگا تو میں اس کا شفیع ہوں گا، اگر وہ نیکوکار ہوگا تو میں اس کا گواہ ہوں گا۔ (مسلم)

۲۹۰-افلح مولی ابو ایوب الانصاری سے مروی ہے کہ وہ زید بن ثابت اور ابو ایوب کے پاس سے گزرے جبکہ وہ مسجد الجنائز کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ایک نے دوسرے سے کہا تجھے وہ حدیث یاد ہے جو اس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمائی تھی دوسرے نے کہا ہاں۔ مدینہ کے متعلق میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سنی تھی کہ لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا جس میں زمین کی فتوحات ہوں گی۔ لوگ ان زمینوں کی طرف نکل جائیں گے جہاں وہ خوشحالی، کھانا اور زندگی کی تمام سہولیات پائیں گے۔ پھر وہ اپنے بھائیوں کے پاس سے عمرہ یا حج کرتے ہوئے گزریں گے تو کہیں گے تم بھوک کی شدت، زندگی کی مصیبت کیوں برداشت کر رہے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ مدینہ سے جانے والے ہیں کچھ یہاں ٹھہرنے والے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ تین مرتبہ دہرائے۔ مدینہ ان کے لئے بہتر ہے، جو ثابت قدم رہے گا اور اس کی شدتوں اور تکلیفوں پر صبر کرے گا یہاں تک کہ مر جائے گا تو قیامت کے روز وہ گنہگار ہوگا تو میں اس کا شفیع ہوں گا اور اگر وہ نیکوکار ہوگا تو میں اس کا شہید ہوں گا، الطبرانی نے ثقہ راویوں کے ساتھ روایت کی ہے۔

۲۹۱-حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جو مدینہ کی تکلیفوں اور شدتوں پر صبر کرے گا قیامت کے روز اگر وہ گنہگار ہوگا تو میں اس کی شفاعت کروں گا، نیکوکار ہوگا تو میں اس کا شہید ہوں گا۔

یہ امام احمد نے المسند میں النسائی نے الکبری میں اور یحیٰی بن معین نے اپنی تاریخ میں روایت کی ہے اسی طرح ابو اسید الساعدی کی حدیث اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث انہی الفاظ میں گزر چکی ہیں۔

۲۹۲- حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مدینہ کی مصیبت اور مشقت پر صبر کرے گا قیامت کے دن، اگر وہ گنہگار ہوگا تو میں اس کا شفیع ہوں گا اور اگر وہ نیکوکار رہوگا تو میں اس کا گواہ ہوں گا۔

اس حدیث کو عبدالرزاق نے مرسل روایت کیا ہے، اس کی سند بخاری ومسلم کی شرائط پر صحیح ہے، اس کی شواہد پہلے گزر چکی ہیں، پس یہ حدیث بھی صحیح ہے۔

لاداء، مد کے ساتھ ہو تو اہل لغت کے نزدیک اس کا معنی شدت اور بھوک ہے۔

ابن الاثیر فرماتے ہیں اس کا مطلب شدت ہے یعنی ہر امر عظیم ہے جو انسان پر گراں ہو خواہ قحط ہو، خوف، یا زندگی کی تنگی ہو۔ وغیرہ

"کُنتُ لَهُ شَفِیعاً او شَهِیداً یَوْمَ القِیَامَةِ" (میں قیام کے روز اس کا شفیع یا شہید ہوں گا)۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں مجھ سے اس حدیث کا مفہوم پوچھا گیا کہ مدینہ کے ساکنین کو شفاعت کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تو عام ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی تمام امت کے لئے ذخیرہ کیا ہوا ہے۔

میں نے اس کا چند اوراق میں شافی وکافی جواب دیا اور ہر پڑھنے والے نے اس کی صحت کا اعتراف کیا۔ فرماتے ہیں میں اس کا کچھ حصہ مقام کے مناسب ذکر کرتا ہوں۔

ہمارے بعض شیوخ فرماتے ہیں "او" یہاں شک کے لئے ہے۔

(ا) ہمارے نزدیک اظہر یہ ہے کہ شک کے لئے نہیں ہے کیونکہ اس حدیث کو حضرت جابر بن عبداللہ سعد بن ابی وقاص، ابن عمر، ابوسعید، ابوہریرہ، اسماء بنت عمیس اور صفیہ بنت ابی عبید نے روایت کیا ہے، میں کہتا ہوں اسے ابواسید الساعدی، ابوایوب الانصاری، زید بن ثابت اور عمر بن الخطاب نے بھی روایت کی ہے، صاحب الکنز نے ابن عمرو کی طرف منسوب کی ہے۔ عروہ بن زبیر نے مرسلاً روایت کی ہے پس یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ مروی ہے۔ یہ چیز عقلاً بعید ہے کہ تمام راوی شک پر متفق ہوئے ہوں اور ایک ہی صیغہ پر ایک دوسرے کی مطابقت کی ہو، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی او کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ اس جملہ کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے۔ یا یہ "او" شک کے لئے نہیں تقسیم کے لئے ہے، پس آپ بعض اہل مدینہ کے لئے شہید ہوں گے اور دوسروں کے لئے شفیع ہوں گے یا گنہگاروں کے لئے شفیع اور اطاعت شعاروں کے لئے شہید ہوں گے یا جو آپ کی زندگی میں وصال کر گیا اس کے لئے شہید اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فوت ہوا اس کے لئے شفیع ہوں گے یا اس کے علاوہ کوئی مفہوم ہوگا۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں وہ شفاعت جو تمام گنہگاروں یا تمام جہانوں کے لئے ہوگی اور وہ شہادت جو

تمام امت پر ہوگی اس سے زائد یہ خصوصیت اہل مدینہ کیلئے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کے لئے فرمایا میں ان پر گواہ ہوں۔

یہ اہل مدینہ کیلئے مقام ومرتبہ کی زیادتی ہے کیونکہ ان کو خصوصی شہادت وشفاعت حاصل ہے۔

(۲) کبھی کبھی ''او'' واو کے معنی میں ہوتا ہے، پھر مطلب یہ ہوگا کہ میں اہل مدینہ کے لئے شفیع اور شہید ہوں گا۔

فرماتے ہیں یہ جملہ اس طرح بھی مروی ہے۔''اِلَّا کُنتُ لَہٗ شَافِعاً وَ شَہِیْداً''

میں کہتا ہوں۔ اس معنی کی وہ حدیث تائید کرتی ہے جو الجندی نے فضائل مدینہ میں روایت کی ہے، حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔''اِلَّا کُنتُ لَہٗ شَافِعاً وَّ شَہِیْداً''

اسی طرح کے الفاظ انہوں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کئے ہیں۔

(۳) اگر ہم ''او'' کو شک کے لئے بنائیں جیسا کہ بعض مشائخ نے بھی لکھا ہے تو پھر اگر صحیح لفظ شہید ہو تو اعتراض اٹھ جاتا ہے کیونکہ یہ شہادت اس شفاعت سے زائد ہوگی جو دوسروں کیلئے ذخیرہ کی گئی ہے۔

اگر لفظ شفیعا صحیح ہو تو یہ شفاعت اہل مدینہ کے لئے مخصوص ہوگی اور یہ شفاعت اس شفاعت کے علاوہ ہوگی جو تمام امت کے لئے ہوگی یعنی امت کو آگ سے نکلنا اور آپ کی شفاعت کی وجہ سے بعض کو قیامت کے دن معافی کا ملنا ہے۔

اہل مدینہ کے لئے یہ شفاعت، درجات کی زیادتی یا حساب کی تخفیف یا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا، یا ان کو مختلف نوعیت کی عزت عطا فرمانے کے لئے ہوگی، جیسے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے عرش کے سایہ میں پناہ دے گا، وہ امن وسکون کے ساتھ منبروں پر ہوں گے، جنت کی طرف جلدی جائیں گے یا اس کے علاوہ ایسی کرامات جو مخصوص لوگوں کے لئے ہوں گی۔

میں کہتا ہوں اگر ''او'' کو شک کے لئے مانا جائے، تو یہ عقلاً بہت بعید ہے، کیونکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ دس سے زیادہ راوی ایک ایسے لفظ پر متفق ہوں جس میں انہیں شک ہو پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ اور اہل مدینہ کو اضافی فضیلت عطا فرمائی ہے اس فضیلت سے زیادہ ہے جو تمام امت کو حاصل ہوگی۔

''او'' شک کے لئے ہو یا تقسیم کے لئے دونوں صورتوں میں اہل مدینہ کے لئے ایک مخصوص فضیلت ہے اس عظمت سے زیادہ ہے جو تمام امت کو میسر آئے گی۔

لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ صبر کرنے والا جس کو عظمت نصیب ہوگی وہ ہوگا جو آپ ﷺ کی امت سے ہو اور مسلمان ہو جیسا کہ مسلم کے حوالہ سے ابوسعید اور ابوہریرہ کی احادیث گزر چکی ہیں۔ واللہ اعلم۔

سب سے پہلے آپ ﷺ اہل مدینہ کی شفاعت فرمائیں گے

فضائل مدینہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اہل مدینہ ہی پہلے لوگ ہوں گے جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم شفاعت فرمائیں گے، یقیناً یہ ایک منقبت اور عظمت ہے، جو اہل مدینہ کے مناقب میں سے ہے اس فضیلت کا کوئی انسان تصور نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ قیامت کی ہولنا کیوں کو ذہن میں حاضر نہ کرے، اس میدان حشر میں لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی جبکہ سورج سروں کے اوپر ہوگا گناہوں کے مطابق ہر انسان اپنے گرم پسینے میں غرق ہوگا، اس وقت انسان کو اس عظمت وفضیلت کا احساس ہوگا، جب وہ اس خوفناک جگہ خلاصی پاکر جنت اور ابدی نعمتوں میں منتقل ہوگا۔

۲۹۳- عبدالملک بن عباد بن جعفر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ سب سے پہلے میں اپنی امت میں سے جن کی شفاعت کروں گا وہ اہل مدینہ ہوں گے پھر اہل مکہ پھر اہل طائف ہوں گے۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں، البخاری نے اپنے تاریخ میں ابن شاہین اور بزاز نے روایت کیا ہے یہ اپنی شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔

اہل مدینہ شفاعت میں اہل مکہ سے مقدم ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثم کا لفظ استعمال فرمایا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ سب سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھیں گے اور اہل مکہ سے بھی پہلے اٹھیں گے جیسا کہ تفصیل چوتھے باب میں ان شاء اللہ آئے گی۔

جس نے اہل مدینہ کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ اسے آگ میں پگھلائے گا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کو ہر قسم کی تکلیف دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ جو انہیں تکلیف دے گا اللہ تعالیٰ اسے آگ میں اس طرح پگھلائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے یا تانبا آگ میں پگھلتا ہے یہ انتہائی تحذیر اور سخت سزا ہے اس شخص کے لئے ہے جو اہل مدینہ کو اذیت پہنچائے گا۔

۲۹۴- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو اہل مدینہ کے ساتھ مکروفریب کرے گا وہ پگھل جائے گا جیسے نمک پانی میں پگھل جاتا ہے۔ (متفق علیہ واللفظ للبخاری)۔

۲۹۵- مسلم کے الفاظ یہ ہیں "اَرَادَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ سُوْءً اَذَا بَهُ اللّٰهُ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ" یعنی جو اہل مدینہ کے لئے برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اس طرح پگھلائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔

۲۹۶- مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اہل مدینہ کے لئے برا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے آگ میں یوں پگھلائے گا جیسے تانبا آگ میں پگھلتا ہے یا نمک پانی میں پگھلتا ہے۔

۲۹۷- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے

اس شہر والوں کے متعلق برا ارادہ رکھا (یعنی اہل مدینہ) سے تو اسے اللہ تعالیٰ یوں پگھلائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔ (مسلم)

۲۹۸- حضرت ابو ہریرہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول ﷺ نے دعا مانگی اے اللہ اہل مدینہ کے مد میں برکت عطا فرما...... اسی حدیث میں ہے کہ جس نے اہل مدینہ سے برائی کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ اسے یوں پگھلائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔ (مسلم)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ.......... جو اہل مدینہ سے برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ آگ میں یوں پگھلائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے، اس کو البزار نے روایت کیا ہے اپنی شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔

۲۹۹- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی اے اللہ اہل مدینہ کی کفایت فرما اس شخص سے جو انہیں تکلیف دے، جو کوئی ان کے متعلق برا ارادہ رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے یوں پگھلائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے یہ بزار نے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

۳۰۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس ظالم نے اہل مدینہ سے برائی کا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ اسے آگ میں یوں پگھلائے گا جیسے نمک آگ میں پگھلتا ہے، اس حدیث کو الحمیدی اور الجندی نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۳۰۱- الجندی کی روایت میں ہے جو اہل مدینہ کو خوفزدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے آگ میں یوں پگھلائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے، یہ حدیث حسن ہے۔

۳۰۲- حضرت زید بن اسلم رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ جو اہل مدینہ سے برائی کا ارادہ کرے اللہ تعالیٰ اسے یوں پگھلائے گا جیسے تانبا آگ میں اور نمک پانی میں پگھلتا ہے یا اھالہ سورج میں پگھلتا ہے۔

اس حدیث کو عبدالرزاق نے مرسلاً صحیح کے رجال سے روایت کیا ہے، شواہد کی وجہ سے حسن ہے یا صحیح ہے۔ واللہ اعلم

علماء کا اختلاف ہے کہ اہل مدینہ طیبہ کے متعلق برائی کا ارادہ رکھنے والے کو یہ سزا دنیا میں ہوگی یا آخرت میں۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد جو حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے آگ میں پگھلائے گا۔ یہ دلیل ہے کہ یہ سزا آخرت میں ہوگی اگرچہ دنیا میں بھی جلدی ہلاک ہوگا۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں یہ زیادتی ''اَذَا بَہُ اللّٰہُ فِی النَّارِ'' ان احادیث کے اشکال کو دور کردیتی ہے جن میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ یہ واضح کرتی ہے کہ یہ سزا آخرت میں ہے۔

یہ بھی مراد لیا گیا ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اہل مدینہ کو تکلیف دینے کا ارادہ کرے گا مسلمان اسے کافی ہوں گے اس کا مکریوں کمزور ہو جائے گا جیسے تانبا آگ میں کمزور ہو جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کبھی لفظ میں تاخیر و تقدیم ہوتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے پگھلائے گا جیسے آگ میں تانبا پگھلتا ہے، یہ دنیا میں ہوگا جو بھی اہل مدینہ کو تکلیف کا ارادہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے مہلت نہیں دے گا اس کو حکمرانی کی قدرت نہ دی جائے گی بلکہ جلد ہی اسے ختم کردیا جائے گا۔ جیسا کہ مسلم بن عقبہ کا ذکر گزر چکا ہے اس نے بنی امیہ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تھا تو وہ واپس جاتے ہی ہلاک ہو گیا تھا پھر یزید بن معاویہ جس نے عقبہ کو بھیجا تھا وہ بھی ہلاک ہو گیا اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی ہلاک ہو گئے جنہوں نے ایسا کیا تھا۔

فرماتے ہیں بعض علماء نے یہ مراد لیا ہے کہ جو دھوکے سے اہل مدینہ کو برائی پہنچانے کا ارادہ کرے گا اس کا خیال اور ارادہ پورا نہ ہوگا لیکن جو جبراً یا ظلماً ایسے کرے گا وہ ممکن ہے ایسے کرنے کی قدرت پالے جیسا کہ کئی امراء نے مدینہ اور اہل مدینہ پر ظلم و جبر روا رکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ''جس نے اہل مدینہ کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا'' یہاں ارادہ سے مراد پختہ عزم ہے جس کا مؤاخذہ ہوتا ہے، یہ مطلب اس لئے ہے تا کہ حدیث قدسی کے معارض نہ ہو جائے جس میں ہے کہ جس میرے بندے نے برائی کا ارادہ کیا تو اس کی برائی کو نہ لکھو.........الحدیث۔ ابی نے یہ فائدہ لکھا ہے۔

تمام روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''جس نے اہل مدینہ کو تکلیف دینے کا ارادہ کیا'' عام ہے ہر اس شخص کو شامل جو مدینہ کے اندر ہو یا باہر ہو، جو بھی اہل مدینہ کی برائی چاہے گا اسے یہ سزا ملے گی، اس نکتہ پر میں نے کسی کی تحریر نہیں دیکھی مگر القاضی عیاض نے یزید بن معاویہ کی وفات سے استدلال کیا ہے، حالانکہ وہ مدینہ سے بہت دور تھا، وہ اس نکتہ کی طرف اشارہ کرتا ہے، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اہل مدینہ کو تکلیف دینے سے احتراز کریں خواہ وہ مدینہ کے اندر ہوں یا مدینہ سے دور ہوں، تا کہ اس عقوبت و سزا کے مستحق نہ ہوں۔ واللہ اعلم۔

تمام روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس نے اہل مدینہ سے برائی کا ارادہ کیا۔'' یہ حدیث قدسی کے مفہوم کے مخالف ہے جس میں ہے کہ جب تک بندہ برائی کر نہ لے اس وقت تک اسے لکھا نہیں جاتا'' میں کہتا ہوں۔ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ سے باہر تو کسی انسان کا وہ گناہ نہیں لکھا جاتا ہے جس کا صرف ارادہ کرتا ہے مگر اس کو عملی جامہ نہیں پہناتا مگر مکہ اور مدینہ میں جو شخص ارادہ کرتا ہے اس کا یہ گناہ لکھا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ''۔

تمام نصوص میں من اراد اہل المدینہ کے الفاظ ہیں۔ اس میں مکہ اور مدینہ ایک جیسے ہیں یا یہ کہا جائے گا کہ یہ حکم اہل مدینہ کے ساتھ برائی کے ارادہ کے ساتھ خاص ہے اور وہ مدینہ اور غیر مدینہ میں عام ہے، اس کی وضاحت میں نے "مکانة الحرمین الشریفین" بیان کی ہے۔

مسلمان کو اہل مدینہ کو اذیت دینے اور ان کے متعلق برائی کا ارادہ کرنے سے بچنا چاہئے تا کہ برائی کا ارادہ لکھا نہ جائے۔ واللہ اعلم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اَذَا بَهُ اللّٰهُ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ" یعنی اللہ تعالیٰ اسے یوں پگھلائے گا جیسے نمک پانی میں پگھلتا ہے۔ الامام الطیبی فرماتے ہیں اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی موجود ہے۔ "وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ" (سورة فاطر-۴۳)

یہاں اہل مدینہ کو وفور علم اور اجلی اجلی فطرت کی وجہ سے پانی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور جو ان سے مکر وفریب کا ارادہ کرتا ہے اسے نمک سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ ان کے مکر وفریب کی سزا ان پر ہی لوٹتی ہے، انہیں اس نمک ک ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو پانی کو گدلا کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر وہ خود ختم ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "مَنْ اَرَادَ اَهْلَ الْمَدِيْنَةِ" یہ ان اہل مدینہ کا احتمال رکھتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں تھے اور ان کا بھی احتمال رکھتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مدینہ میں رہ رہے ہیں، لیکن بشرطیکہ وہ آپ کی سنت واتباع پر ہوں۔ واللہ اعلم۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "اِذَا بَهُ اللّٰهُ ...... " یعنی اللہ تعالیٰ اسے پگھلائے گا اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے یوں ہلاک کر دے گا کہ اس کی حقیقت ہی کلیۃً ختم ہو جائے گی، اور یہ پگھلانا ایک ہی مرتبہ نہ ہوگا بلکہ تدریجاً ہوگا کیونکہ اس میں تکلیف وتعذیب زیادہ ہوتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پگھلنے کو نمک اور رصاص کے پگھلنے کے ساتھ تشبیہ دی ہے (جو آہستہ آہستہ پگھلتے ہیں) واللہ اعلم۔

جو اہل مدینہ کو خوفزدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے خوفزدہ کرے گا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کو ایذاء دینے اور انہیں خوفزدہ کرنے سے منع فرمایا ہے اور بڑے کھلے انداز میں بیان فرمایا کہ جو اہل مدینہ کو خوفزدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے خوفزدہ کرے گا اور جسے اللہ تعالیٰ خوفزدہ کرے گا اسے کون امن دے گا یقیناً کوئی نہیں۔

۳۰۳۔ حضرت السائب بن خلاد الانصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اہل مدینہ کو خوفزدہ کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہوگی، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کا نہ فرض قبول کریگا اور نہ نفل۔

اس حدیث کو احمد، النسائی نے الکبریٰ میں الطبرانی نے الکبیر میں صحیح کے رجال کے ساتھ روایت

کیا ہے۔

۳۰۴- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اہل مدینہ کو خوفزدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے خوفزدہ کرے گا۔

اس حدیث کو ابن حبان نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے، عبدالرزاق اور الجندی نے بعض صحابہ کرام سے روایت کی ہے، عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ذکر آئندہ ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

جو اہل مدینہ کو کسی قسم کا خوف دلائے گا اللہ تعالیٰ بھی اسے کسی مصیبت سے ڈرائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا اس ظالم اور اہل مدینہ کو خوفزدہ کرنے والے کو ڈرانا دنیا میں بھی ہوسکتا ہے اور آخرت میں بھی۔ دنیا و آخرت کسی حالت میں اس کا وقوع ممنوع نہیں ہے، یہ تمام چیزیں اس پاک وطیب شہر کی رفعت و منزلت پر دلیل ہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شہر مقدس کی خود حفاظت فرمائی ہے۔ اور اس کے رہنے والوں پر ظلم یا ان کو اذیت دینا اور خوفزدہ کرنا حرام قرار دیا ہے اور یہ سب کچھ ایک ہی ذات مقدس کی وجہ سے تھا۔ واللہ اعلم۔

اہل مدینہ کو اذیت دینے پر لعنت اور اعمال کی عدم قبولیت

اس پاک طیب مکرم شہر کے فضائل میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ پر ظلم کرنے انہیں اذیت دینے اور انہیں خوفزدہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے، جو ایسا کرے گا وہ ملعون اور رحمت الٰہی سے بہت دور ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ اس کا نہ کوئی فرض اور نہ کوئی نفل قبول فرمائے گا۔ یہ انتہائی خطرناک معاملہ ہے اللہ تعالیٰ ایسے فعل سے محفوظ فرمائے۔

۳۰۵- حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگی اے اللہ جو اہل مدینہ پر ظلم کرے اور انہیں خوفزدہ کرے تو اسے خوفزدہ فرما اور اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کا نہ فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں الضیاء نے المختارہ میں صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں مختصراً ثقہ رجال کے ساتھ روایت کی ہے۔

۳۰۶- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اہل مدینہ کو خوفزدہ کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس کا اللہ تعالیٰ نہ قبول فرمائے گا نہ نفل۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے الکنز میں اس کی نسبت سعید بن منصور کی طرف ہے، الشاشی اور ابن عساکر نے روایت کی ہے، ابن ابی شیبہ کی سند حسن ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے اپنی تاریخ میں محمد اور صالح بن قیس الازرق کے سوا ثقہ کے رجال کے ساتھ روایت کی ہے، امام بخاری اور ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر کیا ہے مگر اس پر کوئی جرح بیان نہیں کی۔ ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے۔

حضرت السائب بن الخلاد کی حدیث قریب ہی گزری ہے جس میں تھا کہ جو اہل مدینہ کو خوفزدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے خوفزدہ کرے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اللہ تعالیٰ اس کا قیامت کے روز نہ فرض قبول فرمائیں گے نہ نفل۔

اس حدیث کو احمد، النسائی نے الکبری میں صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۳۰۷-الطبرانی کی روایت میں ہے۔اے اللہ جو اہل مدینہ پر ظلم کرے اور انہیں خوفزدہ کرے تو بھی اسے خوفزدہ فرما اور اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

۳۰۸-ایک دوسری روایت جو الطبرانی میں ہے، اس میں ہے جو اہل مدینہ کو ڈرائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اسے ڈرائے گا اور اس پر غضب فرمائے گا اور اس کا نہ فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔ یہ حدیث اپنی شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔

۳۰۹-حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اہل مدینہ کو اذیت دے گا اللہ تعالیٰ اسے اذیت دے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ اس کا فرض قبول کرے گا نہ نفل۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر میں روایت کیا ہے، اس کی سند میں ضعف ہے لیکن سابقہ احادیث اس کی شواہد ہیں اس لئے یہ حسن ہے، امام سیوطی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔

ملائکہ اور لوگوں کی طرف لعنت کی نسبت رحمت الٰہی سے دور کرنے میں مبالغہ کرنے کے لئے ہے ورنہ رحمت سے دور کرنے کے لئے تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کافی ہے، جو اہل مدینہ کے ساتھ ایسا کرے گا اس کے لئے یہ شدید وعید ہے کیونکہ لعنت گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے۔ لعنت کا لغوی معنی دھتکارنا اور دور کرنا ہے۔

لیکن کیا یہاں وہی لعنت مراد ہے جو کفار کے لئے ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رحمت الٰہی سے دور کئے گئے ہیں یا وہ عذاب مراد ہے جو کسی گناہ پر دیا جاتا ہے اور جنت میں پہلے لوگوں کے ساتھ داخل ہونے سے روکنا ہے۔

''لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ صَرْفًا وَلَا عَدْلًا'' اس قول کا مطلب بیان کرنے میں علماء کا اختلاف ہے جمہور علماء کا خیال یہ ہے کہ صرف سے مراد فرض اور عدل سے مراد نفل ہے۔

جس نے اہل مدینہ کو خوفزدہ کیا اس نے رسول ﷺ کو خوفزدہ کیا

جس نے اہل مدینہ کو ظلماً خوفزدہ کیا یا انہیں اذیت دی یا ان پر ظلم کیا وہ لعنت، آگ میں پگھلنے، پانی میں نمک کی طرح پگھلنے، آگ میں تانبے کی طرح پگھلنے، اللہ کے غضب عدم قبولیت اعمال اور اللہ تعالیٰ کے خوفزدہ کرنے کا مستحق کیوں نہ ہو جبکہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی اور اسنے آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے دل کو خوفزدہ کیا کیونکہ اہل مدینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں پس مسلمانوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں کا احترام کرنا ضروری ہے نہ کہ انہیں اذیت دیں یا خوفزدہ کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام لیتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں کو بغیر کسی حق کے اذیت دے گا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دے گا اور خوفزدہ کرے گا۔

۳۱۰-حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں فتنہ کے دور کا ایک امیر مدینہ طیبہ آیا۔ اس وقت حضرت جابر آنکھوں کی بینائی سے محروم ہو چکے تھے حضرت جابر کو کہا گیا اگر آپ اس کو چھوڑ جائیں تو بہتر ہے۔ آپ اپنے بیٹوں کے درمیان چل رہے تھے کہ راستہ سے لڑھک گئے تو آپ نے فرمایا ہلاک ہو جائے وہ شخص جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوفزدہ کیا ان کے بیٹوں نے پوچھا اے ابا جان! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کیسے اس نے خوفزدہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ جس نے اہل مدینہ کو خوفزدہ کیا یقیناً اس نے اسے خوفزدہ کیا جو میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔

یہ امام احمد اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن شبہ نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کی ہے، یہ امام احمد کی حدیث کے الفاظ کا ترجمہ ہے۔

محمد بن مسلمہ فرماتے ہیں میں نے امام مالک کو یہ فرماتے سنا کہ میں مہدی کے پاس گیا اس نے کہا مجھے کوئی وصیت فرمائیں، میں نے کہا میں تجھے صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں اور اہل مدینہ پر مہربانی وشفقت سے پیش آنے کی وصیت کرتا ہوں۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ میری ہجرت گاہ، یہی میرا مبعث اور یہاں ہی میرا مزار ہوگا، مدینہ کے رہنے والے میرے پڑوسی ہیں، میری امت پر لازم ہے کہ میرے پڑوسیوں کی حفاظت کریں، جو میری وجہ سے ان کی حفاظت کرے گا میں قیامت کے روز اسکا شہید اور شفیع ہوں گا اور جس نے میری پڑوسیوں کے متعلق میری وصیت کی حفاظت نہ کی اللہ تعالیٰ اسے گندی مٹی سے پانی پلائے گا۔ (ترتیب المدارک)

میں کہتا ہوں وہ حدیث جس کی طرف امام مالک رحمتہ اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے، اسے الطبرانی نے الکبیر میں اور ابن نجار نے معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ ان دونوں کی اسناد میں عبدالسلام بن ابی الجنوب ہے جو ضعیف ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا ہے، اور الضعفاء میں بھی ذکر کیا ہے، الدارقطنی نے الافراد میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی حدیث روایت کی ہے۔ الدیلمی نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی ہے، القاضی ابوالحسن علی الہاشمی نے اپنے فوائد میں خارجہ بن زید عن ابیہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کی ہے، اس کی دوسری شواہد بھی ہیں۔ واللہ اعلم۔

مدینہ طیبہ میں کفار کا داخلہ حرام ہے

مدینہ منورہ اسلام کا پہلا دارالخلافہ تھا۔ اسی سے ایمان کی روشنی پھیلی اور پھر اس کا نور دنیا کے گوشہ گوشہ میں چھا گیا اور آخر میں بھی یہی ایمان کی پناہ گاہ ہوگا۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کفار کا داخلہ ممنوع قرار دیا تھا یہ اسے شرک سے پاک کرنے کے بعد ہوا تھا اب دوبارہ اسے کفار سے پاک کرنا مناسب نہیں کیونکہ اب و عاصمۃ الاسلام، معدن الایمان اور ایمان کی پناہ گاہ بن چکا ہے اگرچہ کفار اس میں موجود بھی ہوں۔

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو اس وقت مدینہ میں یہود اور کفار موجود تھے پھر تھوڑی مدت کے بعد کافر مسلمان ہو گئے اگرچہ بعض لوگوں نے اپنا کفر چھپایا ہوا تھا، یہ منافق تھے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں مشرکین کا داخلہ ممنوع فرما دیا۔ پھر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کو داخلہ کی اجازت دے دی۔ پھر جب یہودیوں کو مدینہ سے جلاوطن فرمایا پھر مدینہ کے اطراف سے بھی جلاوطن کر دیا پھر غزوۂ خیبر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہودیوں کو حجاز سے جلاوطن کرنے کا حکم دیا پھر جزیرہ عرب سے جلاوطن کرنے کا حکم دیا حتیٰ کہ جزیرہ عرب میں صرف اور صرف اسلام باقی رہ گیا۔ موت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ آخری وصیت تھی۔

بعض صحابہ کرام پر معاملہ مخفی تھا تو انہوں نے یہود و نصاریٰ کو حجاز میں داخلہ کی اجازت دی پھر مدینہ میں داخل ہونے کی بھی اجازت دے دی۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کی تحقیق کی تو آپ نے پھر انہیں حجاز سے جلاوطن کر دیا۔ جیسا کہ آپ کی رائے تھی کہ یہود و نصاریٰ کا داخلہ مدینہ میں منع ہے، آپ کی یہ رائے احادیث طیبہ کے موافق تھی۔

یہ میرے اجتہاد و ترتیب کے مطابق نصوص کا خلاصہ ہے اگرچہ بعض کے ظاہر میں تعارض ہے لیکن اس ترتیب کا خیال رکھا جائے تو تعارض ختم ہو جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہود کو مدینہ سے جلاوطن کرنا

جب نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو مدینہ طیبہ کے اندر اور ارد گرد یہود کے مختلف قبائل بستے تھے مثلاً بنو قینقاع، بنو حارثہ، بنو نضیر، بنو قریظہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک معاہدہ طے کرنے کی دعوت دی جس میں کوئی شرائط درج تھیں (تفصیل کے لئے ضیاء النبی جلد سوم کا مطالعہ کریں) لیکن یہود نے اس معاہدہ کو پس پشت ڈال دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مشرکین کی معاونت و مدد کرنے لگے۔ بنو قینقاع کا محاصرہ کیا گیا تو انہوں نے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ ابی بن سلول کی خاطر انہیں چھوڑ دیا۔

پھر بنونضیر نے اپنی بدفطرت کے مطابق دھوکا سے کام لیا اس کا واقعہ یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو عامر کو دو قبیلوں کی دیت کا فیصلہ کرنے کے لئے ان کے ہاں تشریف لے گئے انہوں نے منصوبہ بنایا کہ دھوکا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک چٹان لڑھکا دیں، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس برے ارادہ پر وحی بھیج کر مطلع کر دیا (تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر چلے گئے اور ان کی سازش ناکام ہوگئی) مسلمانوں نے ان کی عہد شکنی اور سازشوں کے باعث ان کا محاصرہ کر لیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں مسلمانوں کی دہشت اور رعب ڈال دیا انہوں نے خود ہی مطالبہ کیا کہ حضور ہمیں جلاوطن کر دیں مگر ہمارے خون نہ بہائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مطالبہ منظور کر لیا اور انہیں مدینہ طیبہ چھوڑنے کا حکم دیا، ان میں سے بعض یہودی خیبر چلے گئے اور بعض شام پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس واقعہ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ۭؔ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاۗءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝ (الحشر: ۲-۳)

''وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت، تم نے کبھی یہ خیال بھی نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ انہیں ان کے قلعے بچالیں گے اللہ (کے قہر) سے پس آیا ان پر اللہ (کا قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے، پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں اور ان کیلئے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہی ہے۔''

اس کے بعد بنو قریظہ نے غزوۂ خندق اور کفار قریش کے مدینہ طیبہ کے محاصرہ کے وقت دھوکا کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیئے ہوئے پختہ عہد کا توڑ دیا اور ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عہد اور معاہدہ تھا اس سے برأت کا اظہار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں مشرکین کی معاونت کی، غزوۂ خندق کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ تسلیم کر لیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کے جنگجوؤں کو قتل کرنے،

ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنانے اور ان کے اموال کو تقسیم کرنے کا حکم دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ (احزاب ۲۶-۲۷)

"اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں، ان کے مکانوں اور ان کے مال و متاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیئے جہاں تمہارے قدم بھی ابھی نہیں پہنچے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

۳۱۱- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہود بنی نضیر اور قریظہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنونضیر کو جلاوطن کر دیا مگر بنوقریظہ کو وہیں قائم رکھا اور ان پر احسان فرمایا مگر بعد میں جب انہوں نے بھی جنگ کی روش اختیار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مردوں کو قتل کیا اور ان کی عورتوں بچوں اور اموال کو مسلمانوں میں تقسیم فرما دیا مگر بعض نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عفو و درگزر کو تھام لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امان دی اور وہ مسلمان ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے تمام یہودیوں کو جلاوطن کر دیا، بنوقینقاع جو حضرت عبداللہ بن سلام کی قوم تھے، یہود بنی حارثہ اور ہر یہودی جو بھی مدینہ طیبہ میں رہتا تھا تمام کو جلاوطن کر دیا۔ (مسلم)

لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ یہودی، بنوقینقاع، قریظہ اور نضیر کی جلاوطنی کے بعد بھی مدینہ طیبہ میں رہ گئے تھے۔ واللہ اعلم

خیبر کے یہودیوں کو نکالنے کا منصوبہ اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انہیں جلاوطن کرنا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے بعض قلعے سختی سے اور بعض صلح سے فتح کر لئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جلاوطن کرنے اور یہ اعلان کرنے کا ارادہ فرمایا کہ زمین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے، مگر یہود نے اپیل کی کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہاں رہنے دیں ہم ان

زمینوں میں کھیتی باڑی کریں گے اور اس کا اناج نصف نصف ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم تمہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں گے جب تک ہم چاہیں گے، تمہیں یہاں ہمیشہ رہنے کا اختیار نہ ہوگا اور یہ مسلمانوں کی مصلحت کیلئے ہے، جب وہ ان کے یہاں رہنے میں مصلحت نہ دیکھیں گے تو انہیں جلاوطن کر دیں گے، واقعۃً ایسا ہی ہوا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان میں مصلحت نہ پائی تو انہیں جلاوطن کر دیا۔

۳۱۲- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حجاز کی زمین سے یہود و نصاری کو جلاوطن کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر پر غالب آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو وہاں سے نکالنے کا ارادہ کیا، جب آپ غالب آگئے تو زمین اللہ تعالی، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ملکیت میں ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نکالنے کا ارادہ فرمایا تو یہود نے ان زمینوں میں رہنے دینے کا سوال کیا کہ وہ اس پر کھیتی باڑی کرتے رہیں گے اور پھل نصف نصف ہوگا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم تمہیں اپنا مزارع رکھیں گے جب تک ہم چاہیں گے پس وہ وہاں ہی رہے حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں تیماء اور اریحا کی طرف نکال دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہود اور دوسرے لوگوں کو حجاز سے نکالنے کی تفصیل آگے آئے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بقیہ یہود کو نکالنے کا ارادہ

فتح خیبر کے بعد مدینہ طیبہ میں بعض یہودی رہ رہے تھے، خواہ وہ خیبر میں مزارعت کرنے والے تھے یا ان کے علاوہ جنہوں نے صلح کر لی تھی پھر انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ہمیں یہاں رہنے دیں تا کہ ہم کھیتی باڑی کرتے رہیں پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت مرحمت فرمادی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیہ یہود کو جلاوطن کرنے کا ارادہ فرمایا اور اعلان کیا کہ زمین میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اس دفعہ جلاوطن کرنے سے کوئی یہودی باقی نہ رہا۔ یہ مدینہ طیبہ میں یہود کی رہائش کی ممانعت سے پہلے کی بات ہے۔ تفصیل ان شاء اللہ آئندہ آئے گی۔

۳۱۳- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں ہم مسجد میں تھے کہ ہمارے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا، یہود کی طرف چلیں، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑے یہاں تک کہ ہم ان کے پاس پہنچ گئے بخاری میں ہے کہ ہم بیت المدراس پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ندا دی اور فرمایا اے گروہ یہود، اسلام قبول کر لو محفوظ رہو گے، انہوں نے کہا اے ابوالقاسم آپ نے پیغام پہنچا دیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں یہی چاہتا ہوں تم اسلام قبول کر لو محفوظ رہو گے۔ انہوں نے پھر جواباً کہا اے ابوالقاسم تو نے پیغام پہنچا دیا ہے،

پھر تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں یہی چاہتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کان کھول کر سن لو زمین اللہ اور اس کے رسول کی ملکیت ہے، میں تمہیں اس زمین سے جلاوطن کرتا ہوں جو تم سے کوئی اپنا مال پائے اسے بیچ دینا چاہے تو بیچ دے ورنہ جان لو زمین تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ متفق علیہ

مشرکین کا مسجد میں داخلہ منع ہے

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں مشرکین کے داخلہ کو منع فرمایا، مگر اہل کتاب اس حکم سے مستثنٰی تھے اس میں شک نہیں کہ مشرکین کو مدینہ طیبہ سے روکنے کے لئے تدریج کے اصول کو مدنظر رکھا گیا۔ اگرچہ ان میں یہود و نصاریٰ بھی شامل تھے یہ اس لئے تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو جلاوطن کرنے کا اعلان فرمایا تو انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا زمین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہے جو اپنے مال کا حریص ہے اسے کوئی خریدنے والا ملے تو اسے بیچ دے کیونکہ زمین یقیناً اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، کافر اس میں کیسے رہ سکتا ہے یہ زمین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان کیا کہ زمین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مشرکین کو مدینہ طیبہ میں رہنے سے مطلقاً منع فرمادیا اور انہیں وہاں سے نکال دیا۔

۳۱۴- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سال کے بعد اہل کتاب اور ان کے خدام کے علاوہ کوئی مشرک ہماری اس مسجد میں داخل نہ ہو۔

اس حدیث کو امام احمد نے مسلم کے رجال سے نقل کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا مدینہ میں صرف مذہب اسلام ہی ہوگا

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمایا کہ کوئی مشرک مسجد نبوی میں داخل نہ ہو تو پھر یہ اعلان فرمایا کہ مدینہ میں صرف مذہب اسلام باقی رہے گا باقی ہر دین کو نکال دیا جائے گا۔

۳۱۵- حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہم مدینہ طیبہ میں دین اسلام کے علاوہ ہر دین کو نکال دیں گے۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے مشرکین کو جزیرہ سے نکلنے کا حکم دیا

جب مدینہ طیبہ حجاز کا ایک بڑا شہر تھا اور جزیرہ حجاز کے ارد گرد کا علاقہ تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو جزیرہ سے نکالنے کا حکم دیا تاکہ جزیرہ میں اسلام کے علاوہ کوئی دین نہ رہے، اور مدینہ ہی اسلام کا

بڑا شہر ہو اور کوئی ایک جاسوسی نہ کرے اور مسلمانوں کے علاوہ کوئی خبر دینے والا نہ ہو۔ اس معاملہ کی اتنی اہمیت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری ارشاد حالت مرض میں یہی فرمایا اور یہ جمعرات کا دن تھا، جب آپ ﷺ نے جزیرہ عرب سے مشرکین کو نکالنے کا حکم دیا تو مدینہ طیبہ سے نکالنے کا حکم بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

۱۶ ۳-حضرت سعید بن جبیر عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرمایا خمیس کا دن، خمیس کا دن کیا تھا پھر آپ رونے لگ گئے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے میں نے پوچھا خمیس کے دن کیا ہوا تھا۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف بڑھ گئی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میرے پاس کاغذ لے آؤ میں تمہیں کتاب لکھ دوں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا............ الحدیث۔ اسی حدیث کے آخر میں ہے میں تمہیں تین چیزوں کی وصیت کرتا ہوں۔ مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو............ الحدیث۔ متفق علیہ۔

امام الطبر ی نے اس حدیث کا وسیع مفہوم بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں یہ حکم جزیرہ عرب کے ساتھ مختص نہیں ہے یہ ہر اس شہر کو شامل ہے جہاں اسلام داخل ہو چکا ہو۔ فرماتے ہیں امام پر ضروری ہے کہ دین اسلام کے علاوہ ہر دین اپنے شہر و مملکت سے باہر نکال دے، بشرطیکہ مسلمانوں کو اس شہر میں غیر مسلمانوں کی ضرورت نہ ہو جیسے ان سے کھیتی باڑی کروانا وغیرہ، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عراق وشام میں انہیں مزارع بنا کر رکھ لیا تھا۔ امام الطبر ی فرماتے ہیں نکالنے کا حکم جزیرہ عرب کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر اس شہر کو شامل ہے جو جزیرہ عرب کے حکم میں ہو، اگر مسلمان امام الطبر ی کے مفہوم اور استنباط پر عمل پیرا ہوتے تو ان مصیبتوں و ہلاکتوں سے راحت پالیتے جو عالم اسلام میں واقع ہوئی ہیں، ان ساری مصیبتوں اور ہلاکتوں کا سبب یہودی، نصرانی اور ان کے ہم جنس بدطینت دوسرے لوگ تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر تو طے شدہ ہے، اس کے حکم کو کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکالنے کا حکم

جس طرح حضرت ابن عباس کی حدیث میں مشرکین کا جزیرہ عرب سے نکالنے کا حکم گزر چکا ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کو بھی جزیرہ عرب سے نکالنے کا حکم دیا تھا تاکہ یہاں صرف دین اسلام ہی ہو، جب جزیرہ عرب میں صرف اسلام کو باقی رکھنے کا حکم دیا تو مدینہ طیبہ سے ان لوگوں کا اخراج بدرجہ اولیٰ ہوگا کیونکہ یہودی حجاز میں رہتے تھے نصاریٰ نجران کے جنوب میں تھے ان کے اخراج پر بھی نص وارد ہے۔

۱۷ ۳-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں مجھے عمر بن الخطاب نے خبر دی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ میں جزیرہ عرب سے یہود و نصاریٰ کو ضرور نکالوں گا حتیٰ کہ صرف مسلمان یہاں رہ جائیں گے۔ (مسلم)

۳۱۸-حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کو جزیرہ عرب سے نکال دو، اس حدیث کو الطبرانی نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۳۱۹-حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری کلام یہ تھی" اہل حجاز اور اہل نجران کے یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور جان لو کہ سب سے برے لوگ وہ ہیں جنہوں نے انبیاء کی قبور کو مساجد بنایا۔

اس حدیث کو الطیالسی، الحمیدی، احمد، الدارمی، ابویعلی اور البیہقی نے ثقہ رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

تمام نصوص حجاز اور جزیرہ سے یہود ونصاری کے اخراج پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں تاکہ اسلام کے علاوہ کوئی دین یہاں باقی نہ رہے، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد تھا کہ جزیرہ میں کوئی دوسرا دین نہ آئے، اور ایک شہر میں دو قبیلے نہ ہوں، صرف اور صرف یہاں اسلام ہو۔

۳۲۰-حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عہد یہ تھا کہ جزیرہ عرب میں دو دین نہ ہوں۔

اس حدیث کو احمد، الطبرانی نے اوسط میں اور احمد نے ذکر کیا ہے، امام احمد کی روایت کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ" لا ینزل .... "اسلام کے ساتھ کسی دوسرے دین کی موجودگی کو منع کرنے پر واضح دلیل ہیں۔ جب پورے جزیرے میں کسی دوسرے دین کا وجود منع ہے تو مدینہ طیبہ میں بدرجہ اولیٰ منع ہوگا۔

۳۲۱-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شہر میں دو قبیلے نہ ہوں گے۔

اس حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے، ان تمام کی اسناد میں قابوس بن ابی ظبیان ہیں، ابن معین وغیرہ نے اسے ثقہ کہا ہے اور دوسرے محدثین نے ضعیف کہا ہے مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس کی شاہد ہے۔

علامہ تورپشتی لکھتے ہیں ایک زمین میں بطور غلبہ و برابری دو دین قائم نہیں ہو سکتے مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ کفار قوم کے درمیان رہائش رکھے کیونکہ مسلمان جب ان میں رہے گا یہ اس ذمی کی طرح ہوگا جو ہمارے درمیان رہتا ہے، پس مسلمان کو خود ذلت و رسوائی کو اپنے نفس پر مسلط نہیں کرنا چاہئے اور وہ شخص جس کا دین دین اسلام کے مخالف ہے اسے جزیہ کے بغیر اسلام کے شہروں میں اقامت کی اجازت نہیں دی جائے گی اور اسے اپنے دین کی اشاعت کی بھی اجازت نہ ہوگی۔

میں (مصنف) کہتا ہوں یہ مسئلہ جزیرہ عرب کے علاوہ کا ہے۔ جزیرہ عرب اور خصوصاً حجاز میں مطلقاً کسی مشرک کو اقامت کی اجازت نہیں ہے خواہ وہ جزیہ ادا کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین اور اہل کتاب کو جزیرہ سے نکالنے کا حکم فرمایا ہے، دوبارہ انہوں نے کبھی اس میں رہائش اختیار نہیں کرنی اور ان کا کوئی عزت واحترام نہ ہوگا۔

امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر کوئی ایسا شخص جس سے ٹیکس لیا جاتا ہے وہ کہے کہ میں ٹیکس ادا کروں گا اور مجھ پر ذمی کا حکم جاری کیا جائے اس شرط پر کہ میں حجاز میں رہوں گا تو تو اسے یہ اجازت نہ ہوگی، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، یمامہ اور ان کے اردگرد کے علاقہ کو حجاز کہتے ہیں۔

۳۲۲- حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حکم کئی طرق اور صحیح اسانید سے مروی ہے مگر تمام مراسیل ہیں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لَا يَجْتَمِعُ بِاَرْضِ الْعَرَبِ اَوْ قَالَ بِاَرْضِ الحِجَازِ دِيْنَانِ" جیسا کہ امام مالک، عبدالرزاق اور البیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے سابقہ احادیث اس کی شاہد ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ کی تحقیق فرمائی تو انہوں نے اس مسئلہ کو یقینی پایا پھر یہودیوں کو جلاوطن فرمایا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی حجاز میں رہنے نہیں دیا یہ یہود کو جلاوطن کرنے کے اسباب میں سے ایک سبب تھا شاید یہ سبب براہ راست نہیں تھا دوسرا سبب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پاؤں توڑنا تھا۔

۳۲۳- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ پاؤں اہل خیبر نے توڑ دیئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس میں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہود کو اپنے اموال پر رہنے دیا تھا اور ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ہم تمہیں اس وقت تک یہاں رہنے دیں گے جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر وہاں اپنی زمین پر گئے تورات کے وقت ان پر یہ زیادتی ہوئی کہ ان کے ہاتھ پاؤں توڑ دیئے گئے ہیں اور یہود کے علاوہ وہاں ہمارا کوئی دشمن نہیں ہے۔ میں ان کو جلاوطن کرنا چاہتا ہوں، تمام صحابہ کرام نے اتفاق کیا۔ جب اجماع ہوا تو بنی ابوحقیق کا ایک شخص آیا اور کہا اے امیر المومنین تو ہمیں یہاں سے نکال دے گا جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں ٹھہرایا ہے اور اموال پر ہمیں مقرر فرمایا ہے اور شروط طے فرمائی تھیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا شاید تو یہ سمجھ رہا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھول گیا ہے، تیرے ساتھ کیا ہوگا جب تو خیبر سے نکالا جائے گا اور تیری اونٹنی کئی راتیں دوڑتی رہے گی، اس شخص نے کہا یہ ابوالقاسم کے ارشادات سے روگردانی اور کوتاہی ہے آپ نے فرمایا تو نے جھوٹ بولا ہے اے اللہ کے

دشمن بس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں جلا وطن کر دیا اور انہیں ان کے پھلوں کی قیمت، اونٹوں اور سامان، رسیوں اور پالانوں کی قیمت عطا فرمائی۔ (بخاری)

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ سے کہا کہ تم اپنا کاتب بھیجو تو مسجد میں کتاب کو پڑھے تو ابو موسیٰ نے کہا وہ مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا فرمایا کیوں۔ کیا وہ جنبی ہے، ابو موسیٰ نے کہا نہیں بلکہ وہ نصرانی ہے، ابو موسیٰ فرماتے ہیں حضرت عمر نے مجھے جھڑکا اور میری ران پر مارا اور فرمایا اسے نکال دو اور یہ آیت کریمہ تلاوت کی "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ؔۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ۝" (مائدہ:۵۱)

اس آیت کریمہ سے استدلال، آپ کا جھڑکنا، مارنا، پھر مدینہ سے اسے نکالنے کا حکم دینا یہ تمام چیزیں دلیل ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں یہود و نصاریٰ کے داخلہ کو ممنوع سمجھتے تھے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی نجاست سے پاک کر دیا ہے۔ یہ جمہور کا مذہب ہے یہود و نصاریٰ کا داخلہ حجاز میں منع ہے اور ان کا یہاں سے نکالنے کا حکم ہے پھر اسی وجہ سے جزیرہ سے نکالنے کا حکم ہے کیونکہ حجاز حرمین شریفین کا ممنوعہ علاقہ ہے، اسی طرح جزیرہ بھی۔ واللہ اعلم

مدینہ کا عالم تمام علماء سے زیادہ علم والا ہوگا

مدینہ منورہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ مدینہ کا عالم دوسرے شہروں کے علماء سے زیادہ عالم ہوگا۔ ایک شخص کامل عالم کی تلاش میں مختلف شہروں میں جائے گا مگر عالم مدینہ سے زیادہ علم والا کہیں نہ پائے گا۔

۳۲۴-قریب زمانہ آئے گا کہ لوگ سفر کی وجہ سے اپنے اونٹوں کے جگر پگھلائیں گے علم کی طلب میں نکلیں گے مگر عالم مدینہ سے زیادہ علم والا کہیں نہ پائیں گے۔

اس حدیث کو احمد، ترمذی، ابن حبان، الحاکم نے روایت کیا ہے اور تمام نے اسے صحیح کہا ہے۔

امام الطیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ضرب الکباد الابل تیز چلنے سے کنایہ ہے کیونکہ جو چیز چلنے کا ارادہ کرتا ہے وہ اونٹ پر سوار ہوتا ہے اور اس کے جگر پر کجاوہ رکھتا ہے۔

اس قول میں تنبیہ ہے کہ طالب علم تمام لوگوں سے زیادہ حریص اور از روئے مطلب عزیز ہوتے ہیں کیونکہ طلب میں شدت، مطلب کی عزت اور حرص کی شدت کی مقدار میں ہوتی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ آئے گا لوگ علم کی طلب میں دور دراز تک کا سفر کریں گے مگر عالم مدینہ سے زیادہ علم والا پوری دنیا میں نہ پائیں گے۔

پھر اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس زمانہ میں کون سا زمانہ مراد ہے، صحابہ کا زمانہ تابعین کا زمانہ یا کوئی اور زمانہ ہے۔

اسی طرح اس عالم کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں۔ بعض نے فرمایا وہ العمری الذاہد ہیں اس

میں بھی اختلاف ہے بعض نے فرمایا وہ عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم ہے۔ بعض نے فرمایا ان کا باپ ہے، بعض نے فرمایا وہ عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن الخطاب ہے، بعض نے فرمایا عمر بن عبدالعزیز ہے، لیکن اس پر اعتراض کیا گیا ہے کیونکہ وہ شامی تھے۔ واللہ اعلم

اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلحاظ شہادت عظیم ترین انسان مدینہ میں ہے

فضائل مدینہ میں سے یہ بھی ہے کہ اس شخص کا وجود بھی مدینہ طیبہ میں ہے جو تمام لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی واحدانیت کی گواہی دینے والا ہے اور تمام لوگوں سے بہتر ہے یہ اس وقت ہوگا جب دجال آئے گا اور وہ جبل احد کے پیچھے سیلاب کے مجمع کی جگہ اپنا خیمہ لگائے گا۔ وہ شخص اس کی طرف نکلے گا دجال کی طرف سے اسے انتہائی تکلیف دی جائے گی مگر وہ دجال کو متواتر جھٹلاتا رہے گا وہ کہے گا کہ تو مسیح کذاب ہے۔

۳۲۵- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دجال کے متعلق ایک طویل حدیث بیان فرمائی۔ اس حدیث کے درمیان فرمایا دجال نکلے گا اور اس پر مدینہ کی گھاٹیوں میں داخل ہونا حرام قرار دیا گیا ہے وہ مدینہ کے قریب بنجر زمین میں چلا جائے گا۔ اس دن اس کی طرف ایک شخص جائے گا جو تمام لوگوں سے بہتر ہوگا وہ دجال کو کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے متعلق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، دجال کہے گا اگر میں اس شخص کو قتل کر کے پھر زندہ کردوں تو کیا تمہیں شک رہے گا لوگ کہیں گے نہیں، پس وہ اس شخص کو قتل کردے گا پھر زندہ کریگا، جب وہ زندہ ہوگا تو وہ کہے گا قسم بخدا مجھے تیرے متعلق جو بصیرت اب ملی ہے وہ پہلے نہیں تھی راوی فرماتے ہیں دجال اسے دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا مگر وہ اب قادر نہ ہوگا۔

ابو اسحاق کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ وہ شخص خضر علیہ السلام ہوں گے۔ متفق علیہ

۳۲۶- حضرت ابو سعید الخدر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال نکلے گا مومنین میں سے ایک شخص اس کی جانب جائے گا اور دجال کے مسلح افراد سے ملے گا وہ اس سے کہیں گے کہاں کا ارادہ ہے وہ کہے گا میں اس شخص کی طرف جارہا ہوں جس کا خروج ہوا ہے، وہ لوگ اسے کہیں گے کیا تو ہمارے رب پر ایمان نہیں لایا، وہ کہے گا ہمارے رب میں کسی قسم کا خفا نہیں ہے، وہ کہیں گے اسے قتل کردو، ان میں سے کچھ لوگ دوسروں کو کہیں گے کیا تمہارے رب نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ اس کے سوا کسی کو قتل نہ کرنا راوی فرماتے ہیں پھر وہ اسے پکڑ کر دجال کے پاس لے جائیں گے جب وہ مومن شخص دجال کو دیکھے گا تو کہے گا اے لوگو! یہ وہی دجال ہے جس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ راوی فرماتے ہیں وہ اس شخص کا سر پھاڑنے کا حکم دے گا اس کی پیٹھ اور پیٹ پر ضربیں لگائی جائیں گی پھر دجال اس شخص سے کہے گا کیا تم مجھ پر ایمان لاتے

ہو وہ شخص کہے گا تو مسیح کذاب ہے، پھر وہ اسے آرے سے چیرنے کا حکم کرے گا سر سے قدموں تک چیر دیا جائے گا پھر دجال اس کے دو ٹکڑوں کے درمیان چلے گا اور اسے کہے گا کھڑا ہو جا تو وہ سیدھا کھڑا ہو جائے گا، پھر دجال پوچھے گا تو مجھ پر ایمان لاتا ہے وہ شخص کہے گا مجھے تیرے دجال ہونے کا یقین ہو گیا ہے۔ وہ شخص کہے گا لوگو! میرے بعد اب دجال یہ کام کسی اور کے ساتھ نہ کر سکے گا۔ دجال پھر اسے ذبح کرنے کے لئے پکڑے گا لیکن اس کے گلے سے لیکر ہنسلی تک کا جسم تانبے کا بن جائے گا وہ اسے ذبح کرنے کا کوئی حیلہ نہ پائے گا پھر وہ اس کے ہاتھ پاؤں پکڑ کر پھینک دے گا، لوگ یہ سمجھیں گے کہ اس کو آگ میں پھینکا ہے حالانکہ وہ شخص جنت میں پہنچے گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی شہادت کا حامل ہے۔ (مسلم)

نواس بن سمعان کی حدیث میں اس شخص کے اوصاف کا بیان ہے جسے دجال قتل کرے گا۔

۳۲۷-نواس بن سمعان سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن دجال کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر کبھی کم اور کبھی زیادہ کیا حتیٰ کہ ہم یہ گمان کرنے لگے کہ وہ کھجوروں کے جھنڈ میں ہے..........اسی حدیث میں ہے کہ پھر وہ ایک کڑیل جوان کو بلائے گا تلوار سے اسے دو ٹکڑے کر دے گا، جیسے نشانہ پر کوئی چیز لگتی ہے، پھر وہ اس مقتول کو بلائے گا تو وہ ہنستے مسکراتے چہرہ کے ساتھ آئے گا۔ (مسلم)

صرف یہی شخص ہو گا جس پر دجال غالب آئے گا اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد وہ کسی کو قتل کرے گا، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آزمائش اور امتحان ہو گا کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ دجال کے ہاتھوں زندہ کرے گا۔

حضرت ابوسعید کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ اے لوگو یہ میرے بعد کسی کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کر سکے گا حضرت ابوامامہ کی حدیث اس سے بھی زیادہ واضح ہے۔

۳۲۸-حضرت ابوامامہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا اس خطبہ میں زیادہ ذکر دجال کے متعلق تھا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے فارغ ہو گئے۔ اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بنی آدم میں سے صرف ایک شخص پر غالب آئے گا اور اسے قتل کر دے گا پھر اسے زندہ کرے گا اس سے آگے نہ بڑھے گا، اس شخص کے علاوہ کسی پر غالب نہ آئے گا..........الحدیث

ان احادیث کی نصوص سے کئی امور اخذ ہوتے ہیں۔

دجال ایک ایسا شخص ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ آخری زمانہ میں اپنے بندوں کو آزمائش میں ڈالے گا اور اس کو امور خارق کی طاقت عطا فرمائے گا۔

دجال کے متعلق مسلم کی روایت کردہ احادیث پر تعلیقاً قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ وہ احادیث جو امام مسلم نے دجال کے متعلق لکھی ہیں وہ اہل الحق کے مذہب کی دلیل ہیں اور اس کے وجود اور ایک ذات ہونے پر واضح نصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرے گا اور بہت سے انہوں نے امور پر اسے قدرت عطا فرمائے گا مثلاً میت کو زندہ کرنے پر قادر ہونا، سبزی و شادابی کا ظاہر ہونا، جنت و دوزخ کا ظاہر کرنا، نہروں کو جاری کرنا، زمین کے خزانوں کا اس کی اتباع کرنا وہ آسمان کو بارش برسانے کا حکم کرے گا تو وہ بارش برسائے گا، زمین کو کچھ اگانے کا حکم دے گا تو وہ اسے اگا دے گی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے اس کے ہاتھوں واقع ہوگا۔

مگر پھر اللہ تعالیٰ اسے عاجز کر دے گا۔ دوبارہ نہ اس شخص کو قتل کر سکے گا نہ کسی اور کو اور اس کے معاملہ کو باطل کر دے گا، حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اسے قتل کریں گے اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت قدمی عطا فرمائے گا۔

یہ اہل سنت و جماعت کے محدثین، فقہاء اور اہل بصیرت کا مذہب ہے مگر خوارج جہمیہ اور بعض معتزلی اس کے منکر ہیں۔

منکرین کہتے ہیں کہ یہ فقط خیالات و تصورات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے وہ کہتے ہیں اگر اس کو حق تسلیم کیا جائے تو انبیاء کے معجزات پر اعتماد نہیں رہتا، مگر یہ شبہ غلط ہے کیونکہ دجال نبوت کا مدعی نہ ہوگا تا کہ جو وہ ظاہر کرے کہ اس کا مصدق ہو جائے بلکہ وہ الٰہ ہونے کا دعویٰ کرے گا، مگر اس ذات کا حدوث، شکل و صورت کا نقص، اپنے کانے پن کو دور کرنے سے عاجز ہونا، آنکھوں کے درمیان ک ف ر کا لکھا ہوا ہونا یہ تمام چیزیں اس کے الٰہ ہونے کے دعویٰ کی مکذب ہوں گی۔

ان دلائل کی بناء پر صرف اور صرف بیوقوف لوگ ہی اس سے دھوکا کھائیں گے، کیونکہ وہ ان کی حاجات کو پورا کرے گا، اور وہ لوگ زندگی کی امید اور اذیت کے خوف کی وجہ سے اس سے دھوکا کھائیں گے کیونکہ اس کا فتنہ انتہائی سخت ہوگا، عقلیں دنگ اور ذہن ماؤف ہو جائیں گے، اس کے بہت جلدی گزرنے کی وجہ سے کمزور دماغ اس کی حالت اور دلائل حدوث اور نقص سے زیادہ غور نہ کر سکیں گے۔ اس حالت میں جو تصدیق کرے گا صرف وہی تصدیق کرے گا۔

تمام انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین نے اس کے فتنہ سے لوگوں کو متنبہ کیا ہے اور اس کے باطل ہونے کے دلائل پیش کئے ہیں۔

اہل توفیق اس کی شخصیت سے اور اس کے انوکھے افعال سے دھوکہ نہ کھائیں گے کیونکہ اس کی تکذیب کرنے والے دلائل اس پر ظاہر ہوں گے اور ان کو اس کی ساری کارروائی کا پہلے علم ہوگا، یہی وجہ ہے کہ وہ مقتول شخص جسے وہ دوبارہ زندہ کرے گا تو وہ کہے گا مجھے تیرے دجال ہونے کی حقیقت کا

مزید علم ہو گیا ہے۔

دجال کے متعلق جن لوگوں نے اختلاف کیا ہے ان میں ایک بخاری معتزلی بھی ہے مگر یہ وہ بخاری نہیں جو صحیح بخاری کا مصنف ہے۔

دجال کا قول کہ میں اگر اس مقتول شخص کو زندہ کردوں تو کیا تم پھر بھی شک کرو گے، تو اس کے پوچھنے کا مقصد یہ تھا کہ کیا تم میرے خدا ہونے میں شک کرو گے، کیونکہ وہ خدا ہونے کا دعویٰ کرے گا۔

یہاں ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے کہ دجال الوہیت کا مدعی تھا اور اس کے ہاتھوں بہت سے امور خارق للعادت ظاہر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھوں ان کا ظہور کر کے اس کی تصدیق کرے گا حالانکہ یہ محال ہے۔

جواب یہ ہے کہ خارق للعادت امور کا ظہور مدعی رسالت کے صدق پر دلالت کرتا ہے کیونکہ وہ ایک امر ممکن کو متحقق کرتے ہیں اور نبی کی ذات میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو اس دعویٰ کے منافی ہو، پس اس کی اللہ تعالیٰ کا تصدیق کرنا صحیح ہے۔ بخلاف مدعی الوہیت کے کہ وہ ایسی صفات سے متصف ہوتا ہے جو اس کے دعویٰ کی نقیض ہوتی ہیں اور اس کا الہ ہونا عقلاً اور شرعاً محال ہوتا ہے کیونکہ وہ حدوث کی علامات سے متصف ہوتا ہے اس لئے اس کی تصدیق کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہوتا ہے کیونکہ کاذب کی تصدیق بھی کذب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے کذب محال ہے، پس یہ امور جو خارق للعادت ہیں یہ صرف اور صرف بطور امتحان اور آزمائش ہوں گے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس امتحان میں مبتلا کرے گا وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے۔

الامام المازری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ جھوٹے کے ہاتھ پر معجزات کا اظہار ممکن نہیں ہے تو پھر دجال کے ہاتھ پر خوارق للعادت امور کیوں ظاہر ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ ربوبیت کا مدعی تھا مگر حدوث کے دلائل اس کے دعویٰ کی تکذیب کرتے تھے، نبی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور یہ دعویٰ بشر کیلئے محال نہیں ہے جب وہ کوئی ایسی دلیل پیش کرے جس کے معارض کوئی چیز نہ ہو تو اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ دجال کا یہ قول کہ اگر میں اس شخص کو قتل کر کے زندہ کردوں تو تم میرے خدا ہونے میں شک کرو گے لوگ کہیں گے نہیں، اس پر اعتراض ہوتا ہے، کیونکہ دجال نے جو ظاہر کیا تھا اس میں اس کی ربوبیت کی کوئی دلیل نہیں تھی، کیونکہ اس پر نقص و عیب کا ظہور تھا اور حدوث کے دلائل، جھوٹ کی شہادت، آنکھوں کے درمیان اس پے کفر کا کندہ ہونا وغیرہ ظاہر و باہر تھا۔

الحافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، دجال میں ان تمام کارروائیوں کے باوجود عقلمند کے لئے اس کے جھوٹا ہونے کے بہت واضح دلائل ہوں گے کیونکہ وہ مرکب اجزاء والا ہوگا اس میں صنعت کی تاثیر ظاہر ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے کانا پن کی آفت بھی ہوگی، جب وہ لوگوں کو کہے گا کہ میں تمہارا رب ہوں اس کی

بری حالت کو دیکھ کر عقلمند سمجھ لے گا کہ جو اپنی تخلیق و عیوب کو درست نہیں کر سکا وہ دوسری مخلوق کی تعدیل و تحسین کیسے کرے گا یہ کوئی بھی نہیں کہے گا کہ اے شخص تو زمین و آسمان کے خالق ہونے کا دعوی کرتا ہے پہلے اپنی شکل وصورت درست کر اور اپنی مصیبت دور کر اگر تیرا خیال ہے کہ رب میں کوئی حدوث نہیں ہوتا، تو پہلے تو اپنی آنکھوں کے درمیان لکھی ہوئی عبارت زائل کر۔

لوگوں کا یہ کہنا کہ ہمیں تیرے خدا ہونے میں شک نہیں، یہ لوگ کیوں کہیں گے حالانکہ وہ اس کی کو جھی شکل وصورت کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے جو اس کے کذب پر بڑی دلیل ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں وہ اس خوف و ڈر کی وجہ سے اور تقیہ کرتے ہوئے کہیں گے نہ کہ تصدیق کے طور پر کہیں گے یا بطور مدافعت کہیں گے اور ان کی طرف سے یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ اس پر اس کو قدرت نہیں عطا فرمائے گا یا وہ بطور توریہ کہیں گے یعنی ان کا ارادہ یہ ہوگا کہ ہمیں تیرے کذب و کفر میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ جو اس کے کذب و کفر میں شک کرے گا وہ بھی کافر ہوگا، وہ اس توریہ کے ساتھ خوف کی وجہ سے اسے دھوکا دیں گے کیونکہ مومن اس کے کذب و کفر میں کوئی شک نہیں کریں گے، اور یہ بھی احتمال ہے یہ وہ بیوقوف لوگ کہیں گے اپنی حاجت وفاقہ کو دور کرنے اور زندگی کی رمق باقی رکھنے کیلئے کہیں گے۔

یہ جواب اس صورت میں ہے کہ جواب دینے والے مسلمان ہوں لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ جنہوں نے کہا کہ ہم تیرے خدا ہونے میں شک نہیں کرتے وہ یہود ونصاریٰ ہوں جن کی شقاوت علم الٰہی میں مقدر ہو چکی ہو۔

میں (مصنف) کہتا ہوں حضرت ابوسعید کی دوسری روایت میں ہے کہ دجال اپنے دوستوں سے کہے گا اور ایک روایت میں دجال اپنے اصحاب سے کہے گا کیا تم دیکھتے ہو کہ میں تمہارا رب نہیں ہوں وہ اس کے لئے شرک کی گواہی دیں گے، اس روایت کو ابو یعلی اور بزار نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت دلیل ہے کہ وہ جواب دینے والے کفار ہوں گے مومنین نہ ہوں گے، پس ان علماء کا قول رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ مومن یہ بات تقیۃً یا توریۃً کہیں گے۔

دجال کا اس شخص کو قتل کرنا پھر اس کو زندہ کرنا اتنی بڑی نشانی کو اللہ تعالیٰ کا اس کے ہاتھ پر ظاہر کرنا اس میں کیا حکمت ہے۔

امام خطابی فرماتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ یہ کیسے جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اتنے بڑے معجزے کو ایک کافر کے ہاتھ پر جاری فرمائے گا کیونکہ مردوں کو زندہ کرنا تو انبیاء کرام کے معجزات وعلامات میں سے ہے۔ دجال اسے کیسے پائے گا حالانکہ وہ مفتری کذاب اور ربوبیت کا دعویدار ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بندوں کی آزمائش کے لئے ہوگا، کیونکہ ان کے پاس ایسے دلائل ہوں گے جس سے بحسن وخوبی ظاہر ہوگا کہ وہ جھوٹا اور باطل ہے، کیونکہ وہ کانا ہوگا، اس کی پیشانی پر کافر لکھا ہوگا جسے ہر مسلمان پڑھ لے گا، اس نشانی کے علاوہ

اس کی ذات اور شکل وصورت میں بھی نقص ہوگا، اگر وہ الہ ہوتا تو پہلے اپنے چہرے سے ان عیوب کو دور کرتا جبکہ انبیاء کرام کے معجزات وعلامات معارضت اور شبہات سے سلامت ہوتے ہیں لیکن خطابی کی کلام کا تعاقب کیا گیا ہے۔

امام قسطلانی الارشاد میں فرماتے ہیں، المصابیح میں اس کا تعاقب کیا گیا ہے فرماتے ہیں یہ سوال و جواب ساقط الاعتبار ہیں۔

سوال اس لئے کہ دجال نے نبوت کا دعویٰ ہی نہیں کیا تھا اور وہ نبوت کے قریب پھٹکا ہی نہیں تھا تا کہ یہ نشانی اس کے صدق کی دلیل ہوتی، اس نے تو الوہیت کا دعویٰ کیا تھا۔ الوہیت کا ثبوت کسی حدوث سے متصف شخصیت کے لئے ممکن ہی نہیں کیونکہ اس کا خود حادث ہونا اس کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے، اگر چہ وہ اس قسم کے لاکھوں دلائل پیش کردے کیونکہ اس کا حدوث اس کی الوہیت کے بطلان کی قطعی دلیل ہے، اس قسم کی علامات اور خوارق اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے۔

جواب اس لئے ساقط الاعتبار ہے کہ انہوں نے دجال کے کانے پن اور آنکھوں کے درمیان کافر لکھے ہوئے ہونے کو اس کے بطلان کی دلیل بنایا ہے، ہم مطلقاً اس کے دعویٰ کے بطلان کا قول کرتے ہیں خواہ یہ بطلان کی ظاہری علامات ہوں یا نہ ہوں، جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔

میں (مصنف) کہتا ہوں، ان کا یہ کہنا کہ اس نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ پہلے وہ نبوت کا دعوی کرے گا، پھر بعد میں الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔ کیونکہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ پہلے کہے گا میں نبی ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا پھر وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں۔

اس حدیث کو الحاکم اور ابن ماجہ وغیرھما نے روایت کیا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ جس دن اس شخص کو قتل کرے گا اس دن اس کا دعویٰ الوہیت کا ہوگا نبوت کا نہیں ہوگا۔

دجال مردوں کو زندہ کرنے پر قادر نہ ہوگا اور نہ یہ اس کی قدرت میں ہوگا کیونکہ وہ مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ پر یہ آسان ہے، ایسے معجزات پر کامل قدرت عطا نہیں فرمائے گا ورنہ اس کے لئے دوبارہ اس شخص کو قتل کرنا جائز ہوگا لیکن یہ قدرت اس کے لئے اس شخص یا کسی دوسرے میں متواتر نہ ہوگی المھلب کے قول کے مطابق مقتول کو صرف ایک لمحہ کے لئے قتل کی تکلیف ہوگی کیونکہ اسے اس پر ثواب حاصل ہوگا۔ کبھی کبھی مقتول کو تکلیف ہوتی ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسی تکلیف کو دور کرنے پر قادر ہے۔

خوارق کا دجال کے ہاتھوں جاری ہونا یہ فتنہ اور آزمائش کیلئے ہوگا، کیونکہ یہ تو جائز ہی نہیں ہے کہ اہل کذب کو رسل وانبیاء کی نشانیاں عطا فرمائی جائیں۔ یہ آزمائش ایسی حالت میں ہوگی جبکہ جو اس کی علامات کو دیکھے گا اس کے لئے کوئی چارہ نہیں مگر یہ کہ اس کو باطل قرار دے یا حق۔ یہ امام الطبری کا قول ہے۔ دجال جو

کچھ دکھائے گا دیکھنے والے کے لئے آزمائش وفتنہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان ہوگا تاکہ شک کرنے والے ہلاک ہوجائیں اور پختہ ایمان والے نجات پاجائیں۔ یہ القاضی ابوبکر بن العربی رحمتہ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ہے۔

وہ شخص کہے گا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تو وہی دجال ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی تھی۔ اس کا یہ کہنا ان علامات کو مکمل طور پر دجال میں دیکھنے کی وجہ سے ہوگا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق بیان فرمائی ہیں، ان علامات کی وجہ سے اس نیک بندے کو یقین حاصل ہوگا کہ یہ وہی دجال ہے۔

جب اسے ان اوصاف کی وجہ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں یقین ہوجائے گا تو وہ کہے گا کہ قسم بخدا مجھے آج سے زیادہ تیرے متعلق پہلے اتنی بصیرت نہ تھی۔ یہ اس لئے ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جملہ علامات کی خبر دی ہے، اس لئے وہ لوگوں کو دجال کی تکذیب کی طرف دعوت دے گا۔ اس شخص کا یہ کہنا کہ اے لوگو! یہ کارروائی میرے بعد کسی اور سے نہ کرسکے گا اس جملہ میں دلیل ہے کہ وہ شخص اکیلا جانتا تھا کہ دجال اسے ہی صرف قتل کرے گا، لیکن اسے یہ علم کہاں سے حاصل ہوگا۔ اس کا جواب کئی وجوہ سے ہے۔

(۱) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے الہام ہوگا، یعنی اس کے دل میں یہ بات ڈالی جائے گی کہ دجال صرف اسے ہی قتل کرے گا اور کسی دوسرے پر غالب نہ آئے گا اور اس الہام کا اسے یقین ہوگیا تھا اس لئے اس نے ایسی کلام کی تھی۔

(۲) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس شخص کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے یہ علم حاصل ہوا ہو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اس امت میں سے صرف ایک شخص پر غالب آئے گا اس کو قتل کر کے دوبارہ زندہ کرے گا پھر کسی دوسرے پر غالب نہ آئے گا جب اس نے اسے قتل کر کے زندہ کیا تو اسے اس حدیث سے یقین ہوگیا۔

(۳) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے یہ علم ومعرفت حاصل تھی جبکہ یہ شخص خضر علیہ السلام ہوں جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کو اہل سفینہ، غلام اور جدار کے بارے علم تھا۔

(۴) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا یہ کہنا اس لئے ہوتا کہ لوگ مرتد نہ ہوجائیں اور فتنہ میں مبتلاء نہ ہوجائیں جب وہ شخص اللہ تعالیٰ کی نشانی دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کے گلے میں تانبے کا طوق ڈال دے گا جب دجال اس کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کرے گا وہ شخص دجال کی کمزوری پر آگاہ ہوجائے گا اور اس کے دعویٰ کے بطلان پر مطلع ہوجائے گا تو یہ بات لوگوں کو حوصلہ دلانے اور دین پر ثابت قدم رہنے کے لئے کہے گا۔ اسی وجہ سے یہ شخص تمام لوگوں سے بہتر ہوگا وہ مدینہ طیبہ سے نکل کر دجال کی طرف

جائے گا۔

یہ قول کہ ابو اسحاق نے کہا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ وہ شخص حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔

علماء کا حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی کے بارے اختلاف ہے یعنی کیا آج تک وہ زندہ ہیں یا وصال فرما چکے ہیں۔ اہل علم کے اس کے متعلق دو قول ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حضرت معمر نے اس حدیث کے بعد ابو سفیان کے قول کی طرح لکھا ہے۔ یہ واضح دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اور یہی قول صحیح ہے ابن صلاح اور معمر نے یہ قول جمہور علماء کی طرف منسوب کیا ہے، بعض علماء نے اس موضوع پر رسائل لکھے ہیں مگر ہم یہاں ان رسائل اور ان کے دلائل کا ذکر نہیں کرتے۔

نوٹ: عمدۃ القاری میں ابو اسحاق السبیعی لکھا ہے، مگر السبیعی کا قول یا تو علامہ عینی کا وہم ہے اور سبقت قلم ہے۔ درست ابو اسحاق ابراہیم بن ابو سفیان ہے۔ امام مسلم سے روایت کرنے والے ہیں، السبیعی اور ابن سفیان کے درمیان زمانہ کے اعتبار سے بڑا فرق ہے۔ امام نووی اور الحافظ ابن حجر وغیرہما نے اس تسامح پر متنبہ کیا ہے۔

مدینہ طیبہ سے جو لشکر رومیوں سے جنگ کرنے کیلئے نکلے گا اس دن وہ اہل زمین سے بہترین لوگ ہوں گے

ایک زمانہ آئے گا کہ مسلمان اور رومی صلح کریں گے مشرقی قوم کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے اور ان پر غلبہ پالیں گے، جب جنگ سے واپس آئیں گے تو رومی مسلمانوں سے دھوکہ کریں گے رومیوں اور مسلمانوں میں سے ہر فریق جنگ کی تیاری شروع کردے گا، مدینہ طیبہ سے ایک لشکر نکلے گا جو روئے زمین کے بہترین لوگ ہوں گے وہ مسلمانوں کی مدد کے لئے نکلے گا اس وقت مسلمانوں کی چھاؤنی شام کے شہروں میں ہوگی۔

۳۲۹۔ حضرت یسیر بن جابر سے مروی ہے فرماتے ہیں کوفہ میں سرخ آندھی چلی ایک شخص آیا جس کا تکیہ کلام یہ تھا کہ سنو اے عبداللہ بن مسعود قیامت آگئی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود ٹیک لگائے بیٹھے تھے، سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی جب تک میراث کی تقسیم اور مال غنیمت کی خوشی کو چھوڑ نہ دیا جائے گا پھر ملک شام کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرکے فرمایا (وہاں) اہل اسلام کے دشمن جمع ہوں گے اور ان کے مقابلہ کے لئے مسلمان بھی جمع ہوں گے، میں نے کہا آپ کی مراد رومی ہیں فرمایا ہاں۔ اس جنگ کی شدت کی وجہ سے بہت سے لوگ پلٹ کر بھاگ آئیں گے، پھر مسلمان ایک ایسا لشکر بھیجیں گے کہ خواہ وہ مر جائیں مگر کامیابی کے بغیر واپس نہ آئیں گے پھر

مسلمان خوب جنگ کریں گے حتیٰ کہ رات کا پردہ ان کے درمیان حائل ہو جائے گا پھر یہ فریق بھی لوٹ آئے گا اور وہ فریق بھی لوٹ آئے گا۔ ان میں سے کسی کو بھی غلبہ نہ ہوگا پھر وہ (پہلا) دستہ ہلاک ہو جائے گا پھر مسلمان ایک اور دستہ بھیجیں گے کہ وہ کامیابی کے بغیر نہ لوٹے خواہ مر جائے پھر وہ جنگ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ ان کے درمیان رات حائل ہو جائے گی پھر یہ دستہ اور دوسرا دستہ واپس لوٹ آئیں گے ان میں سے کوئی کامیاب نہ ہوگا پھر وہ دستہ بھی ہلاک ہو جائے گا، پھر مسلمان ایک اور دستہ بھیجیں گے کہ وہ کامیابی کے بغیر نہ لوٹے خواہ وہ مر جائے پھر وہ شام تک جنگ کرتے رہیں گے پھر یہ اور وہ لوٹ آئیں گے اور کوئی فریق غالب نہ ہوگا اور وہ دستہ بھی ہلاک ہو جائے گا اور جب چوتھا دن ہوگا تو باقی مسلمان ان پر حملہ کر دیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ کافروں پر شکست کو مسلط کر دے گا وہ ایسی جنگ ہوگی کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہ ہوگی حتیٰ کہ پرندے ان کے پہلوؤں سے گزریں گے تو آگے نہیں بڑھیں گے مردہ ہو کر گر پڑیں گے ایک باپ کی اولاد سو تک ہوگی ان میں سے ایک کے سوا اور کوئی نہیں بچے گا اس صورت میں مال غنیمت سے کیا خوشی ہوگی اور کیسے میراث تقسیم ہوگی مسلمان اسی حالت سے دوچار ہوں گے کہ اس سے بڑی افتاد آ پڑے گی ایک چیخ سنائی دے گی کہ مسلمانوں کی اولاد میں دجال آ چکا ہے ان کے ہاتھوں میں جو کچھ ہوگا وہ اس کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور دس گھوڑ سواروں کا ہراول دستہ بھیجیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان سواروں کے نام ان کے باپ دادا کے نام اور ان کے گھوڑوں کا رنگ جانتا ہوں وہ روئے زمین کے بہترین گھوڑ سواروں میں سے ہوں گے۔

اس حدیث پاک میں مسلمانوں اور رومیوں میں سے ہر گروہ کی جنگی تیاری کا بیان ہے اور یہ جنگ شام کے شہروں میں ہوگی جہاں رومیوں کے فوجی حلب کے شہر کے قریب ہوں گے اور مسلمانوں کے فوجی دمشق کے شہر کے قریب ہوں گے اور غلبہ مسلمانوں کو ہوگا۔

۳۳۰۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک رومی اعماق یا دابق نہ پہنچ جائیں پھر ان سے لڑنے کیلئے ایک لشکر مدینہ سے روانہ ہوگا وہ اس وقت روئے زمین پر سب سے نیک لوگ ہوں گے جب دونوں لشکر صف آراء ہوں گے تو وہ رومی کہیں گے تم ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان نہ آؤ جنہوں نے ہمارے کچھ لوگوں کو قیدی بنالیا ہے، مسلمان کہیں گے نہیں بخدا ہم تم کو اپنے بھائیوں سے لڑنے کیلئے نہیں چھوڑیں گے پھر وہ ان سے لڑیں گے تو ان میں سے ایک تہائی مسلمان بھاگ جائیں گے اللہ تعالیٰ ان کی توبہ کبھی قبول نہیں فرمائے گا اور ایک تہائی ان سے قتل کر دیئے جائیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل الشہداء ہوں گے بقیہ تہائی فتح پالیں گے وہ کبھی آزمائش میں مبتلا نہ ہوں گے وہ قسطنطنیہ کو فتح کر لیں

گے، جس وقت وہ مال غنیمت کو تقسیم کریں گے اور اپنی تلواریں زیتون کے درختوں سے لٹکا دیں گے تو اچانک شیطان چیخ مار کر کہے گا تمہارے بچوں کے پاس مسیح دجال پہنچ گیا ہے مسلمان وہاں سے نکل پڑیں گے حالانکہ یہ خبر غلط ہوگی جب یہ ملک شام پہنچیں گے تب دجال نکلے گا...... (مسلم)

۱۳۳۱- حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم بنو اصغر سے قتال کرو گے اور تمہارے بعد والے بھی ان سے جنگ کریں گے حتیٰ کہ ان سے جنگ کرنے کے لئے اسلام کے خوبصورت ترین جوان یعنی اہل حجاز ان کیطرف نکلیں گے جو لومۃ لائم کا خوف نہ کھائیں گے تکبیر و تسبیح کے ساتھ قسطنطنیہ فتح کریں گے اتنا مال غنیمت پائیں گے کہ پہلے اس کی مثل کبھی نہ پایا ہوگا۔ حتیٰ کہ ڈھالوں کو تقسیم کریں گے اچانک آنے والا آئے گا اور کہے گا مسیح تمہارے شہروں میں نکل آیا ہے، سنو یہ جھوٹ ہے، اس کو پکڑنے والا بھی شرمندہ ہے اور چھوڑنے والا بھی شرمندہ ہے۔

ابن ماجہ اور حاکم نے ضعیف سند کے ساتھ روایت کی ہے، لیکن حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اس کی شاہد ہے، پس اس کی تائید سے یہ حسن ہوگئی ہے۔

دونوں فریق اپنی اپنی قوت جمع کریں گے اور جنگ کی تیاری میں مصروف ہوں گے قوت جمع کرنا اس طرح ہوگا کہ مختلف شہروں سے جنگ کی جگہ لوگ اپنی فوجیں بھیجیں گے مسلمانوں کی کمک مدینہ طیبہ سے آئے گی تاکہ اپنے مسلمان بھائیوں کی رومیوں کے خلاف مدد کریں یہ مدینہ سے نکلیں گے اور یہی لوگ بہتر لوگ ہوں اور مسلمانوں سے خوبصورت ترین نوجوان ہوں گے کیونکہ دوسری روایت میں روقۃ الاسلام کے الفاظ ہیں جن کا مطلب بہتر اور خوبصورت لوگ ہیں۔

پہلے جن مسلمانوں کے گروہوں کو شکست ہوگی وہ مدینہ طیبہ سے جانے والے نہ ہوں گے کیونکہ مدینہ والے تو اہل زمین سے بہترین افراد ہوں گے اور جو ایسی صفت سے متصف ہوں وہ میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہیں بھاگتے کیونکہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے کی عقوبت کو جانتے ہیں اور وہ مدینہ طیبہ سے مسلمانوں کی نصرت و مدد کے لئے نکلیں گے اس لئے ان سے بھاگنا دشوار ہوگا، جو بھاگیں گے وہ دوسرے لوگ ہوں گے، جو اشخاص مدینہ طیبہ سے مسلمانوں کی نصرت و مدد کے لئے نکلیں گے ان کی دو حیثیتیں ہوں گی یا تو شہادت کا جام شیریں نوش کریں گے یا فتح و نصرت کا علم بلند ان کے ہاتھ آئے گا۔ اس لئے عمرو بن عوف کی حدیث میں ان کا وصف یہ بیان ہوا کہ وہ لومۃ لائم کی پرواہ نہ کریں گے اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث میں ان کا وصف یہ ہے کہ ان کا ثلث شہید ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک افضل ترین شہداء ہوں گے ان کا ثلث فتح حاصل کرے گا اور وہ فتنہ میں کبھی مبتلا نہ ہوں گے، یعنی وہ شہید اور غالب آنے والوں میں منقسم ہوں گے دنیا کی غنائم سے آزمائے نہ جائیں گے اور قسطنطنیہ فتح کریں گے۔ تو یہ دونوں وصف اہل زمین میں سے بہتر

لوگوں پر منطبق ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

اعماق اور بدائق حلب کے قریب ایک جگہ ہے جو شمالی سوریہ میں ہے اور ہمارے زمانہ میں بھی موجود ہے۔

دجال کے مدینہ طیبہ کے قریب بیٹھنے کے وقت مدینہ طیبہ کا جھٹکے لینا تا کہ اشرار لوگ اس کی طرف نکل جائیں

مدینہ طیبہ میں بعض خبیث لوگ بھی ہوں گے مگر جب دجال ظاہر ہوگا تو وہ مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہوگا کیونکہ ملائکہ اسے اندر جانے سے روک لیں گے وہ مدینہ طیبہ کے باہر جبل احد کے عقب میں سیلاب کی گزرگاہ پر اپنا خیمہ لگائے گا، پھر مدینہ طیبہ تین زوردار جھٹکے لے گا تو ضعیف الایمان اور محروم الایمان لوگ ڈر جائیں گے اور وہ دجال کی طرف نکل جائیں گے، اسی لئے کوئی کافر، منافق، فاسق خواہ وہ مذکر ہو یا مونث ایسا نہ ہوگا جو اس کی طرف نہ نکلے گا۔

۳۳۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دجال ہر شہر میں جائے گا سوائے مکہ اور مدینہ کے ان کے ہر درے پر فرشتے صفیں باندھیں ان کی حفاظت پر مامور ہیں۔ پھر مدینہ طیبہ تین جھٹکے لے گا تو اللہ تعالیٰ ہر کافر و منافق کو مدینہ طیبہ سے باہر نکال دے گا۔ (بخاری، مسلم)

۳۳۳۔ مسلم کی ایک روایت میں اسی طرح مروی ہے مگر آخر میں ہے کہ وہ جرف کی شورزدہ زمین میں آئے گا اور اپنا خیمہ لگائے گا اور اس کی طرف ہر منافق مرد اور عورت نکل جائے گا۔

۳۳۴۔ حضرت محجن بن الادرع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطاب فرمایا، خلاص کا دن،، خلاص کا دن کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملے تین مرتبہ دہرائے، عرض کی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! خلاص کا دن کون سا ہے، فرمایا دجال آئے گا اور احد پر چڑھے گا بلند ہوگا اور مدینہ طیبہ کی طرف دیکھ کر اپنے دوستوں سے کہے گا کیا تم اس سفید محل کو نہیں دیکھ رہے یہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے پھر وہ مدینہ طیبہ آنے کی کوشش کرے گا مگر ہر راستہ پر فرشتہ تلوار سونت کر کھڑا ہوگا، وہ جرف کی شورزدہ زمین پر آئے گا اپنا خیمہ لگائے گا پھر مدینہ طیبہ تین جھٹکے لے گا تو منافق مرد اور منافق عورت اور فاسق مرد اور فاسق عورت اس کی طرف نکل جائیں گے پس مدینہ پاک صاف ہو جائے گا، یہ خلاص کا دن ہے۔

اس حدیث کو امام احمد نے صحیح کے رجال کے ساتھ اور امام الحاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے ذہبی نے اسی حکم کو قائم رکھا ہے، السیوطی نے معجم الصحابہ میں بغوی کی طرف منسوب کی ہے۔

۳۳۵- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرہ کے ایک کنارہ پر چڑھے اور ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مدینہ کتنی اچھی زمین ہے، جب دجال نکلے گا تو اس کے ہر راستہ پر ایک فرشتہ ہوگا وہ دجال اس میں داخل نہ ہوگا جب اس طرح ہوگا تو مدینہ طیبہ اپنے رہنے والوں سمیت زوردار تین جھٹکے لے گا تو منافق مرد و عورت دجال کی طرف نکل جائے گا اور زیادہ اس کی طرف جانے والی عورتیں ہوں گی، یہ تخلیص کا دن ہے مدینہ اس دن خبیث لوگوں کو یوں دور کر دے گا جیسے بھٹی لوہے کے زنگ کو دور کر دیتی ہے.........الحدیث

اس حدیث کو امام احمد اور الطبرانی نے صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے کنز العمال میں طبرانی کی طرف منسوب ہے۔ واللہ اعلم

۳۳۶- الطبرانی کی روایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اہل مدینہ خلاص کے دن کو یاد کرو صحابہ کرام نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! خلاص کا دن کون سا ہے فرمایا دجال آئے گا ذباب میں اترے گا تو ہر مشرک مرد، عورت، کافر مرد، عورت منافق مرد، عورت اس کی طرف نکل جائے گا اور خالص مومنین رہ جائیں گے یہ خلاص کا دن ہے۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔

۳۳۷- حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، جس کا کچھ حصہ گزر چکا ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطاب فرمایا جس کا اکثر دجال کے متعلق تھا اور اس سے ڈرانے کے متعلق تھا۔ اس حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ زمین کے ہر حصہ پر دجال پہنچے گا مگر مکہ اور مدینہ کے اندر نہیں جا سکے گا۔ اس کے ہر راستہ پر فرشتے مقرر ہیں فرشتے تلوار سونت کر کھڑے ہوں گے حتیٰ کہ وہ ظریب احمر کے پاس اترے گا جہاں شورزدہ زمین ختم ہوتی ہے، مدینہ اپنے رہنے والوں سمیت تین جھٹکے لے گا تو ہر منافق مرد اور عورت اس کی طرف نکل جائے گا۔

اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، ابوداؤد، الحاکم نے اس کا ایک جز روایت کیا ہے اور الحاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور الذہبی نے بھی یہی حکم قائم رکھا ہے۔

احادیث میں گزر چکا ہے کہ مدینہ طیبہ اپنے اہل سمیت تین جھٹکے لے گا حتیٰ کہ جس کا ایمان خالص نہ ہوگا وہ نکل جائیگا اور دجال کی اتباع کرے گا یہ لوگ جو نکل جائیں گے وہ شرار لوگ ہوں گے اور دجال سے مل جائیں گے۔

مدینہ طیبہ کے جھٹکوں کی تفسیر تین اعتبار سے علماء نے فرمائی ہے۔

یہاں جھٹکا کا مطلب زلزلہ ہے، یعنی مدینہ طیبہ اپنے رہنے والوں سمیت تین مرتبہ یکے بعد دیگرے

لرزے گا پس جو اس میں منافق یا کافر ہوں گے خوف کھاتے ہوئے نکل جائیں گے تا کہ اپنی جانیں بچالیں پھر دجال سے مل جائیں گے۔

الحافظ ابن حجر فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کے لرزنے کا مطلب یہ ہے کہ یکے بعد دیگرے زلزلہ آئے گا پھر تیسری مرتبہ زلزلہ آئے گا حتیٰ کہ غیر مخلص لوگ نکل جائیں گے اور خالص مومن بچ جائیں گے، ان پر دجال غالب نہ آئے گا۔

(۲) الرجفہ یعنی جھٹکا کو مجازی معنی پر محمول کیا ہے یعنی فتنہ کی اشاعت کرنا اور اس میں گھس جانا منافق اور کفار دجال کی آمد پر خوش ہوں گے اور لوگوں کو اس کی طرف جانے کیلئے متحرک کریں گے مگر مومنین کو ورغلانے کی انہیں طاقت نہ ہوگی۔

امام المازری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں مدینہ تین زوردار جھٹکے لے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ دجال کے آنے کے ساتھ منافقین و کفار مدینہ طیبہ میں حرکت کرنے لگیں گے، ارجف القوم سے مشتق ہے جس کا مطلب فتنہ میں مشغول ہو جانا، گویا وہ دوسرے لوگوں کو بھی نکلنے کی تحریک دیں گے، جیسا کہ حدیث کے آخر میں ہے کہ ہر منافق و کافر اس کی طرف نکل جائے گا۔

الحافظ بن حجر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں رجفہ (جھٹکا) سے مراد دجال کے آنے کی مشہوری کرنا اس کام کی طرف اسے طاقت ہوگی اور وہی اس کام میں کوشش کرے گا جو فسق و نفاق سے متصف ہوگا، اس وقت صحیح مفہوم واضح ہوگا کہ مدینہ نے بھٹی کی مانند خبث کو دور کر دیا ہے۔

(۳) بعض علماء نے فرمایا رجفہ (جھٹکا) سے مراد مومنین کا کفار و منافقین پر غصہ وغیظ کا اظہار کرنا ہے تا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں حتیٰ کہ مدینہ مومنین کے لئے صاف ہو جائے گا اور منافقین مسلمانوں کے ڈر کی وجہ سے نکل جائیں گے۔

الامام المازری فرماتے ہیں یہ بھی کہا گیا ہے کہ رجفات سے مراد اہل مدینہ کا کفار و منافقین کو تنگ کرنا ہے تا کہ وہ مومنین کے ڈر کی وجہ سے دجال کی طرف نکل جائیں۔

میں (مصنف) کہتا ہوں وہ چیز جو احادیث سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ منافقین و کفار دجال کی آمد پر خوش ہوں گے اور اس کے مدینہ میں داخلہ کے متمنی ہوں گے تا کہ ان کو نصرت ملے، مگر سچے مومن غصہ کھائیں گے، پس مدینہ طیبہ کو تین جھٹکے آئیں گے کفار و منافقین جھٹکوں کے ڈر کی وجہ سے نکل جائیں گے اور دجال سے مل جائیں گے اسی وجہ سے مدینہ شریر لوگوں کو نکال دے گا جیسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

۳۳۸- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ......قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک مدینہ شرار لوگوں کو نکال نہیں دیتا جیسے بھٹی لوہے کے

زنگ کونکال دیتی ہے۔ (مسلم)

ظاہراً اس باب کی احادیث حضرت ابوبکرہ کی حدیث کے متعارض ہیں جو پہلے باب میں گزرچکی ہے جس میں تھا کہ مدینہ میں دجال کا رعب داخل نہ ہوگا۔ اس حدیث میں واضح ہے کہ دجال کا رعب مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہوگا جبکہ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ داخل ہوگا لیکن حقیقت میں واقع نہیں ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

الحافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان احادیث کا گزشتہ ابوبکرہ کی حدیث سے تعارض نہیں ہے کیونکہ المدینہ میں دجال کا رعب داخل نہ ہوگا، رعب سے مراد وہ دہشت ہے جو اس کے ذکر کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں واقع ہوگی اور اس کی سرکشی کے خوف سے جو گھبراہٹ واقع ہوگی وہ مراد ہے، اس جھٹکا کا رعب وخوف مراد نہیں جو زلزلہ کی وجہ سے ہوگا تا کہ غیر مخلص لوگ یہاں سے نکل جائیں۔ بعض علماء نے اس حدیث کو جس میں ہے کہ مدینہ طیبہ خبث کو نکال دے گا اسی حالت پر محمول کیا ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حکم خاص زمانہ اور خاص لوگوں سے مختص ہے، کوئی مانع نہیں کہ یہی زمانہ مراد ہو۔ یہ زمانہ مراد لینے سے کسی دوسرے کی نفی لازمی نہیں ہے۔

دوسری جگہ لکھتے ہیں ان احادیث کے جمع کرنے کا حاصل یہ ہے کہ وہ رعب جس کی نفی کی گئی ہیں وہ خوف اور گھبراہٹ ہے، حتیٰ کہ اس کے نزول کی وجہ سے یہ خوف کسی کو لاحق نہ ہوگا یا خوف کی غایت مراد ہے یعنی اس کا غالب آنا ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں جو چیز میرے لئے ظاہر ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ رعب کا نہ ہونا مخلص مومنین کے ساتھ خاص ہے جو دجال کے قریب آنے کے وقت مدینہ میں ہوں گے اور خوف وگھبراہٹ نہ ہونے کی دو وجھیں ہیں۔

(۱) ان کو پہلے اس امر کی معرفت اور یقین ہوگا کہ دجال مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا، ملائکہ تمام اطراف سے اس کی حفاظت کریں گے ہر پہاڑی راستہ میدانی طریق اور گھاٹی پر فرشتے پرے باندھے اور ہتھیاروں سے لیس کھڑے ہوں گے دجال ان کے قریب نہیں آئے گا اور اس بات کا علم انہیں یقین کی حد تک حاصل ہوگا اس لئے اہل مدینہ نہ گھبرائیں گے اور نہ فتنہ میں مبتلا ہوں گے۔

اور مدینہ طیبہ کا جھٹکے لینا یا تو اس لئے ہوگا کہ منافق وکافر اس کی طرف نکل جائیں خواہ جھٹکے کا مفہوم مسلمانوں کا کافر ومنافقین پر غیض وغضب کا اظہار لیا جائے یا منافقین وکفار جھٹکے کے خوف کی وجہ سے نکل جائیں گے یا اس کی آمد کی خوشی میں نکل جائیں گے، کیونکہ وہی لوگ اس دجال کے مددگار و دوست ہوں گے مگر مسلمان نہ مدینہ چھوڑیں گے اور نہ خوفزدہ ہوں گے۔

(۲) اس شہر مقدس ومبارک میں رہنے والوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے ثبات، تائید اور

اطمینان پیدا فرمادے گا، اس کے بعد کہ خبیث لوگ دجال کی طرف نکل چکے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان، نوازش اور کرم گستری ہے اور یہی اس کی عادت مطہرہ ہے کہ تنگی اور حرج کے وقت میں اپنے بندوں سے لطف ومہربانی کا سلوک فرماتا ہے۔

حضرت انس کی روایت میں کافر ومنافق کے الفاظ ہیں جبکہ محجن کی روایت میں منافق، منافقہ، فاسق، فاسقہ اور جابر کی روایت میں مشرک ومشرکہ کے الفاظ ہیں، یہ تمام لوگ خبث کے وصف میں شامل ہیں اور اشرار کا صدق ان تمام پر آتا ہے۔

الامام عینی نے کفار کی تعیین کی ہے وہ فرماتے ہیں مجھے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کافر سے مراد غالی رافضی ہیں اور مدینہ میں رافضی ہوں گے۔ واللہ اعلم

آخر زمانہ میں اہل مدینہ، مدینہ طیبہ کو چھوڑ جائیں گے

مدینہ طیبہ قیامت تک آباد رہے گا اور اس میں زندگی کے آثار ہمیشہ باقی رہیں گے کیونکہ اسلام کے شہروں میں سب سے آخر میں جو شہر خراب ہوگا وہ مدینہ طیبہ ہوگا، لیکن اس میں بسنے والے اس کی عمدگی اور خوشحالی کے باوجود اسے چھوڑ جائیں گے، اور صرف ایک مرتبہ ہی نہیں دو مرتبہ اسے چھوڑ جائیں گے۔ پہلی مرتبہ چھوڑ کر جائیں گے تو جلدی واپس آجائیں گے مگر دوسری مرتبہ چالیس سال اسے چھوڑے رکھیں گے، یہ قرب قیامت میں ہوگا۔ واللہ اعلم

۳۳۹۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ طیبہ کے خیر اور بہتر ہونے کے باوجود لوگ اسے درندوں اور پرندوں کے لئے چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ (مسلم)

۳۴۰۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ لوگ مدینہ طیبہ کی بہتری کے باوجود اسے چھوڑ جائیں گے اور اس پر درندوں اور پرندوں کا غلبہ ہوگا، پھر قبیلہ مزینہ کے دو چرواہے اپنی بکریوں کو ہانکتے ہوئے مدینہ کی طرف آئیں گے تو وہ مدینہ میں وحشی جانور دیکھیں گے جب وہ ثنیۃ الوداع پہنچیں گے تو منہ کے بل گر پڑیں گے۔ (مسلم)

موطا امام مالک میں حضرت ابوہریرہ سے مری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ مدینہ طیبہ کو اس کی بہتری کے باوجود چھوڑ جائیں گے، حتیٰ کہ کتے اور بھیڑیے داخل ہو جائیں گے اور مسجد کے ستونوں اور منبر پر پیشاب کریں گے صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت پھل کس کے لئے ہوں گے فرمایا بھوکے درندوں اور پرندوں کے لئے۔

۳۴۲۔ حضرت محجن بن الادرع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

کسی کام کے لئے بھیجا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آ کر ملے میں مدینہ طیبہ کے باہر راستہ پر تھا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا حتیٰ کہ ہم احد پہاڑ پر چڑھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تعجب ہے اس شہر پر کہ لوگ اس کی بہتری کے باوجود اسے چھوڑ جائیں گے راوی فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس کے پھل کون کھائے گا فرمایا بھوکے پرندے اور درندے............

اس حدیث کو احمد، الطیالسی، الطبرانی، ابن شبہ اور الحاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اسی حکم کو برقرار رکھا ہے، اس کے اور بھی طرق ہیں۔

۳۴۳-حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا کہ ہم احد پر پہنچ گئے ہم اس کے اوپر چڑھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا، تعجب ہے کہ مدینہ طیبہ کو لوگ اس کی بہتری کے باوجود چھوڑ جائیں گے، دجال آئے گا مگر اس میں داخل نہ ہو سکے گا اس کے ہر راستہ پر ایک تلوار لئے ہوئے فرشتہ کو پائے گا......) اس حدیث کو ابن شبہ اور الطبرانی نے الکبیر میں صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۳۴۴-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ مدینہ کو اس کی سرسبزی وشادابی کے باوجود چھوڑ جائیں گے۔عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پھل کون کھائے گا فرمایا بھوکے پرندے اور درندے۔

۳۴۵-حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں تھے کہ ہم ذالحلیفہ میں اترے، کچھ لوگوں نے مدینہ جانے میں جلدی کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں رات گزاری ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات گزاری۔ جب صبح ہوئی تو رات کو چلے جانے والوں کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، بتایا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو جلدی چلے گئے تھے۔ انہوں نے مدینہ طیبہ اور اپنی عورتوں کی طرف جلدی کی ہے جبکہ ایک وقت آئے گا کہ لوگ مدینہ طیبہ کو اس کی بہتری کے باوجود چھوڑ جائیں گے۔ پھر فرمایا کاش! جب یمن میں وراق کے پہاڑ سے آگ نکلے گی تو بصری کے اونٹوں کی گردنیں دن کی روشنی کی طرح چمک اٹھیں گی۔

اس حدیث کو احمد، ابن شبہ نے سوائے حبیب کے جو ثقہ ہیں، صحیح کے رجال کے ساتھ روایت کیا ہے، ابن ابی شیبہ، ابن حبان، الحاکم نے روایت کی ہے۔ البزار نے حبیب سے روایت کی ہے ان کی صحت میں اختلاف ہے۔

۳۴۶-حضرت صفوان بن عمر اپنے شیوخ سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لوگ مدینہ طیبہ کو اس کی بہتری کے باوجود چھوڑ جائیں گے اور اس کا پھل بھوکے پرندے اور درندے کھائیں گے۔

یہ حدیث ابن شبہ نے روایت کی ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔

شیوخ سے مراد صحابہ ہیں، اس کی سند متصل ہے، اگر شیوخ سے مراد کبار تابعین ہوں تو مرسل ہوگی لیکن سابقہ شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔ واللہ اعلم

یہ احادیث اور جو بعد میں ذکر ہوں گی، یہ تمام اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ لوگ مدینہ طیبہ کو چھوڑ جائیں گے۔

بعض روایت میں تترکون ہے یعنی تم چھوڑ جاؤ گے، لیکن الحافظ ابن حجر کے مطابق مراد مخاطبین نہیں ہیں لیکن چھوڑنے والے ان کے شہر سے یا ان کی نسل سے یا ان کی نوع سے ہوں گے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں۔ شاید مراد یا اہل المدینہ یا سکان المدینہ ہو، جو غائب و مخاطب ہر ایک کو شامل ہے۔ دوسری روایات میں یہی ظاہر ہوتا ہے، مدینہ والے چھوڑ جائیں گے وہ مدینہ کو چھوڑ دیں گے ...... مدینہ چھوڑ دیا جائیگا وغیرہ۔ ان تمام سے ثابت ہوتا ہے حاضر و غائب سب کو یہ خطاب شامل ہے۔

کیا یہ ترک واقع ہو چکا ہے؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔

(۱) پہلی رائے یہ ہے کہ یہ خلو اور ترک واقع ہو چکا ہے۔

الامام القاضی عیاض فرماتے ہیں یہ زمانہ اول میں ہو چکا ہے اور فرماتے ہیں یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ہے (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خبر دے دی) مدینہ کو اس کی بہتری کے باوجود چھوڑا گیا ہے جب خلافت مدینہ سے شام و عراق کی طرف منتقل ہوئی حالانکہ دین و دنیا کے اعتبار سے مدینہ بہتر تھا، دین کے لحاظ سے بہتر اس لئے تھا کہ وہاں کثرت سے علماء موجود تھے اور دنیا کے اعتبار سے اس لئے بہتر تھا کہ وہ آبادی، باغات اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔

بعض مؤرخین نے ان فتنوں کا ذکر کیا ہے جو مدینہ طیبہ میں ابھرے تھے اور ان کی وجہ سے لوگ مدینہ طیبہ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور پھل پرندوں اور درندوں کے لئے چھوڑے گئے تھے کچھ مدت مدینہ خالی رہا پھر بعد میں لوگ مدینہ واپس آگئے۔ فرماتے ہیں آج کی حالت بھی اس کے قریب ہے کہ مدینہ کے اطراف بگڑ چکے ہیں۔

امام القرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی عیاض کی مانند قول لکھا ہے فرماتے ہیں۔ یہ ترک واقع ہو چکا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ خلافت کا معدن، لوگوں کی پناہ گاہ اور حفاظت گاہ تھا۔ حتیٰ کہ تعمیرات، باغات میں مقابلہ شروع ہو گیا، مال میں وسعت پیدا ہو گئی ایسی زندگی بسر کرنے لگے کہ ایسی پہلے کبھی میسر نہ آئی تھی، حتیٰ کہ مکانات احصاب تک پہنچ گئے تمام زمین کی خیرات مدینہ میں جمع ہونے لگی،

جب علم وکمال کے اعتبار سے مدینہ انتہاء کو پہنچ چکا تھا تو خلافت شام کو منتقل ہوگئی، مدینہ طیبہ پر بدو غالب آ گئے، فتنے ابھرنے لگے، لوگ خوفزدہ ہو کر یہاں سے کوچ کر گئے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ مدینہ اپنے رہنے والوں سے کچھ مدت خالی رہا، پھل پرندوں اور درندوں کے لئے چھوڑے گئے تھے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا پھر کچھ مدت بعد لوگ پھر مدینہ طیبہ واپس آ گئے تھے۔

امام زرقانی کا میلان بھی اسی طرف ہے جو قاضی عیاض نے نقل کیا ہے اور انہوں نے اکثر لوگوں سے حکایت کیا ہے کہ انہوں نے یہ منظر آنکھوں سے دیکھا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ یہ اخلاء اور ترک ابھی تک واقع نہیں ہوا آخر زمانہ میں واقع ہوگا۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث کا ظاہر ومختار ہی یہ ہے کہ یہ ترک اور چھوڑنا آخر زمانہ میں ہوگا یعنی قیامت کے قریب ہوگا، اور اس کی دلیل مزینہ کے چرواہوں کا قصہ ہے کہ قیامت قائم ہوگی تو وہ منہ کے بل گر پڑیں گے یہ دونوں اٹھنے والوں میں سے آخری ہوں گے جیسا کہ صحیح بخاری میں ثابت ہے یہ ظاہر ومختار ہے۔ واللہ اعلم

امام نووی کی مثل الامام الابی اور ان کے شیخ ابن عرفہ کا قول ہے۔ الامام الابی اپنی تعلیق میں الامام القرطبی رحمتہ اللہ علیہ کے قول پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اس کلام پر غور کر و اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ خلاء اور ترک آخر زمانہ کے قریب ہوگا اور خلافت کے یہاں سے منتقل ہونے کے بعد ہوگا، یہ ابھی تک واقع نہیں ہوا اگر واقع ہوتا تو تواتر سے ثابت ہوتا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ ابھی تک واقع نہیں ہوا۔ معجزہ کی قطعی دلیل بھی تب ہی بن سکتا ہے جبکہ مستقبل میں واقع ہوا گر حدیث صحیح ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ نفخ الصعق کے وقت ہوگا جیسا کہ چرواہوں کی موت دلالت کرتی ہے مدینہ طیبہ کے بہتر ہونے سے مراد یہ ہے کہ مصالح دینیہ پورے کمال پر پائے جائیں گے۔

ہمارے شیخ ابوعبداللہ کا بھی یہی خیال ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں دونوں قولوں کے اختلاف کا سبب حدیث پاک کے یہ الفاظ ہیں کہ آخر میں حشر مزینہ کے دو چرواہوں کا ہوگا، آیا یہ مستقل حدیث ہے اور اس کا ماقبل کلام سے کوئی تعلق نہیں ہے یا ماقبل حدیث کا تتمہ ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے حکم میں اختلاف واقع ہوا ہے۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے اور امام نووی کی اتباع کرتے ہوئے ابن حجر نے بھی یہی میلان ظاہر کیا ہے اور اسی کو ظاہر قول کہا ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں جو احادیث اس مفہوم میں وارد ہیں ان سے خروج کا تکرار ظاہر ہوتا ہے یا کم از کم دو مرتبہ خروج واقع ہوگا آخری اور دوسرا ابھی یقیناً واقع نہیں ہوا کیونکہ اس کی مدت چالیس سال ہے جیسا

کہ میں ان نصوص کو بیان کروں گا جو میرے اس قول پر دلالت کرتی ہیں اور مدینہ طیبہ کی اتنی طویل تاریخ میں یہ واقع نہیں ہوا ہے۔

رہا اس طویل خروج کے علاوہ کوئی اور خروج تو وہ واقع ہوا ہے لیکن وہ نہیں جو قاضی عیاض اور القرطبی رحمہما اللہ نے ذکر کیا ہے۔ زمانہ ماضی میں تھوڑا تھوڑا خروج کثرت سے واقع ہوا ہے جیسا کہ میں آئندہ وضاحت کروں گا مگر جو قاضی عیاض اور ان کے ہم نواؤں نے ذکر کیا ہے وہ مکمل خلو مدینہ میں واقع نہیں ہوا یعنی تمام لوگوں سے مدینہ خالی نہیں ہوا، بعض لوگ اعراب کے غلبہ کے وقت چھوڑ گئے تھے اس کو خلو نہیں کہا جا سکتا ہاں مجازی معنی کے اعتبار سے یہ خلو اور ترک ہے۔ جو میں نے کہا ہے وہ واقع ہوا ہے کیونکہ مدینہ میں صرف پچاس اشخاص باقی رہ گئے تھے مگر آنے والی نصوص سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ طویل ترک اور چھوڑنا واقع نہیں ہوا ہے۔

۳۴۷- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مدینہ کی وادی کے پہلو میں ایک سوار چلے گا اور کہے گا کبھی اس میں بہت مسلمان رہتے تھے۔

اس حدیث کو احمد بن شبہ نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۳۴۸- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ مدینہ طیبہ کے پہلوؤں سے ایک سوار گزرے گا اور کہے گا یہاں بہت سے مسلمان رہتے تھے۔

اس حدیث کو امام احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۳۴۹- حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی گھر سے باہر تھے اور اپنی چادر کھینچ رہے تھے کہ مدینہ کی بنا سلع تک پہنچ جائے گی پھر مدینہ طیبہ پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس کے کسی ایک راستہ سے سوار گزرے گا اور کہے گا کبھی آبادی یہاں تک تھی، یہ اس کا کہنا زمانہ کے لمبا ہونے اور آثار کے مٹ جانے کی وجہ سے ہوگا۔

الطبرانی نے اس حدیث کو انتہائی ضعیف سند سے روایت کیا ہے لیکن دوسرے طرق کی وجہ سے حسن ہے۔

سابقہ احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذیشان کہ ''گزرنے والا کہے گا یہاں مومنوں کی آبادی تھی۔'' یہ تین امور پر دلالت کرتا ہے۔

(۱) مدینہ طیبہ کا اپنے رہنے والوں سے خالی ہو جانا۔

(۲) خلو کا طویل ہونا اور نہ وہ یہ نہ کہتا کہ یہاں کبھی مسلمان رہتے تھے۔

(۳) وہ سوار ایسا ہوگا جو مدینہ طیبہ کو جانتا ہوگا خواہ اس نے خود اس سے پہلے دیکھا ہو کہ مدینہ کی آبادی اتنی تھی یا اس نے اپنے قریبی رشتہ داروں سے سنا ہو کہ یہاں تک مدینہ کی آبادی تھی یا اس نے متروکہ گھروں کو دیکھ کر یہ قول کیا ہو، کوئی وجہ بھی ہوسکتی ہے، یہ خلو و ترک اتنا زیادہ طویل نہ ہوگا کہ اس کے نشان بھی مٹ چکے ہوں گے اس کی حد حدیث عوف بن مالک میں چالیس سال بیان ہوئی ہے۔

۳۵۰۔ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں چھڑی تھی، مسجد میں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے ایک خوشہ ردی قسم کا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوشے کو چھڑی لگائی اور فرمایا اگر اس صدقہ کا مالک چاہتا تو اس سے بہتر صدقہ کرتا بے شک یہ صدقہ کرنے والا قیامت کے دن اس ردی کھجور سے کھائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا قسم بخدا اے اہل مدینہ تم مدینہ طیبہ کو چالیس سال کیلئے عوافی کے لئے چھوڑ جاؤ گے، پھر پوچھا تم جانتے ہو عوافی کیا ہیں صحابہ کرام نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عوافی سے مراد پرندے اور درندے ہیں۔

اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے مختصراً روایت کیا ہے ان الفاظ کے ساتھ احمد، ابن حبان اور الحاکم نے روایت کی ہے اور دونوں نے اسے صحیح کہا ہے الذہبی نے اس حکم کو برقرار رکھا ہے، ابن شبہ اور الطبرانی نے بھی روایت کی ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ مدینہ کو چھوڑنا چالیس سال تک ہوگا، اور یہ ابھی تک واقع نہیں ہوا اور یہ آخر زمانہ میں واقع ہوگا۔

پہلا ترک اور چھوڑنا واقع ہوا ہے لیکن اس وقت نہیں جو قاضی عیاض اور ان کے ہم نواؤں نے ذکر کیا ہے، جو انہوں نے ذکر کیا ہے اس میں مدینہ مکمل طور پر خالی نہیں ہوا، بلکہ کثیر تعداد چھوڑ گئی مگر کثیر تعداد مدینہ میں باقی بھی رہی۔

جس وقت کی طرف انہوں نے اشارہ کیا ہے اس کے بعد بھی ترک کثرت سے واقع ہوا ہے یہ گزشتہ صدی میں واقع ہوا ہے، اس وقت کے لوگ جنہوں نے اس دور کو دیکھا ہے کچھ ابھی باقی ہیں۔ یہ وہ وقت ہیں جسے ہمارے زمانہ میں ''زمن السفر'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی پہلی عالمی جنگ کا زمانہ جو ۱۳۳۴ سے ۱۳۳۷ تک کا دور ہے۔ ان شاء اللہ تھوڑی دیر بعد اس کے متعلق کچھ چیزیں عرض کروں گا۔

یہ وہ وقت ہے جس میں کہا جاسکتا ہے کہ مدینہ طیبہ خالی ہو گیا تھا، صرف مردوں اور عورتوں کی ملی جلی تعداد پچاس سے بھی کم رہ گئی تھی۔

یہ تمام احادیث دلالت کرتی ہیں کہ مدینہ طیبہ سے خروج مکرر ہوگا، پہلا خروج ہو چکا ہے اور آخری خروج آخر زمانہ میں ہوگا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتا ہوں کہ وہ دور ہمیں نہ دکھائے، تعدد خروج پر دوسری

روایات صراحۃً دلالت کرتی ہیں۔

۳۵۱-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت عمر بن الخطاب کو منبر پر یہ فرماتے سنا کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ مدینہ والے مدینہ طیبہ کو چھوڑ جائیں گے پھر لوٹ آئیں گے اور اسے آباد کریں گے حتیٰ کہ یہ بھر جائے گا اور تعمیرات مکمل ہو جائیں گی پھر اسے چھوڑ کر چلے جائیں گے اس کے بعد کبھی واپس نہ آئیں گے۔

اس حدیث کو احمد، ابن شبہ، ابو یعلی، المنذر نے روایت کیا ہے، یہ ترجمہ ابن شبہ کے الفاظ کا ہے، اس کی سند حسن ہے، لیکن امام احمد کی روایت میں مکہ کا لفظ ہے۔

۳۵۲-حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اہل مدینہ مدینہ سے نکل جائیں گے پھر اس کی طرف لوٹ آئیں گے، پھر نکل جائیں گے اور کبھی واپس نہ آئیں گے، لوگ اسے اس کی بہتری کے باوجود چھوڑ جائیں گے، پوچھا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! اس کا پھل کون کھائے گا فرمایا پرندے اور درندے۔

اس حدیث کو ابن شبہ نے ضعیف اسناد کیساتھ روایت کیا ہے لیکن اس کی شواہد نے اسے حسن بنا دیا ہے، سابقہ حدیث بھی اس کی شاہد ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں ۱۳۸۷ھ کو ایک بوڑھے شخص کو ملا جو اہل مدینہ سے تھا اس نے مجھے روضہ شریفہ میں ظہر کی نماز کے بعد پہلی عالمی جنگ کے خروج کے متعلق بتایا کہ میں ساتواں آدمی حرم میں تھا کہ مدینہ میں اس وقت کوئی شخص باقی نہیں تھا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کتے باب السلام سے داخل ہوئے اور مسجد کے ستونوں پر پیشاب کر گئے۔

بزرگ شخصیت زکی ابو ربیعہ نے مجھے بتایا کہ وہ اس وقت سات سال کا تھا مدینہ طیبہ میں چھوٹے بڑے سترہ اشخاص کے علاوہ کوئی شخص باقی نہیں رہا تھا۔

الاستاذ الشاعر عبدالرحمٰن الرفہ جو مدینہ منورہ کے مشہور شاعر ہیں انہوں نے مجھے گزشتہ ۱۴۰۸ھ میں ایک ادبی محفل میں بتایا کہ مدینہ منورہ میں پہلی عالمی جنگ کے وقت مردوں، عورتوں، چھوٹوں۔، بڑوں میں سے صرف ۴۳ اشخاص باقی رہ گئے تھے۔

الاستاذ الشاعر الادیب حسن الصیرفی فرماتے ہیں اس وقت جو بچے پیدا ہوئے ان سمیت کل ۴۵ اشخاص چھوٹے بڑے مرد و عورت موجود تھے۔

الاستاذ عبدالرحمٰن الرفہ نے اس تقریر کے آخر میں بتایا جو میں نے مدینہ منورہ کی ادبی محفل میں کی تھی کہ آخری شخص جو مدینہ طیبہ میں اس وقت باقی رہا تھا اور ان کے گھر میں فوت ہوا تھا وہ اس شخص کی دادی تھی اور ان کی پھوپھی تھی۔ یہ اشارہ اس شخص کی طرف تھا کہ میری تقریر سننے والوں میں پہلی صف کے اندر بیٹھا تھا

مجھے اور بھی کئی لوگوں نے ان حالات کے متعلق بتایا جو اس سفر میں شریک تھے کہ انہوں نے شام، ترکی، ینبع یا جدہ کی طرف سفر کیا تھا۔ اسی طرح بہت سے اہل مدینہ نے مجھے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کر کے بتایا ہے کہ جو اس وقت مدینہ سے نکلے نہیں تھے یہاں چھپ گئے تھے یا جو سفر سے واپس آ گئے تھے............ انہوں نے مجھے پوری تفصیل سے وہ واقعہ بتایا کہ کیسے شروع ہوا تھا اور اہل مدینہ کیساتھ کیا ہوا تھا، لوگ اپنے بیوی بچوں سے جدا ہو گئے تھے۔ مختصر سا تعارف میں بعد میں ذکر کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آخری لوگوں میں سے جو مدینہ طیبہ کی طرف واپس آ گئے تھے ایک الحاج عمر ابراہیم الطیار رحمتہ اللہ علیہ تھے جو مدینہ منورہ ۲۶ رمضان ۱۳۸۵ھ کو پہنچے تھے اور مدینہ منورہ میں پچاس سال غائب رہنے کے بعد اپنی اولاد اور پوتوں کے ساتھ چار سال اور دو دن مقیم رہے پھر ۲۸ رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ کو مدینہ میں ہی ان کا وصال ہوا۔ میں نے انہیں الروضہ الشریفہ میں دیکھا تھا جبکہ میں معتکف تھا۔ میں نے ان کے متعلق جو سن رکھا تھا ان کے بیٹے نے مجھے ان کا تمام قصہ بیان کیا جیسا کہ دوسری اولاد نے بیان کیا تھا۔

میری علمی حدود اور اطلاع کے مطابق آخری شخص مدینہ کو واپس آنے والا الحاج احمد السمان رحمتہ اللہ علیہ تھے لیکن وہ اپنے اہل و اولاد کو حلب چھوڑ کر اکیلے مدینہ طیبہ آئے تھے۔ رجب کے مہینہ میں گزشتہ سال ۱۴۰۹ھ میں وصال کر گئے ہیں میں نے اسے کئی دفعہ دیکھا اور زیارت کی وہ دس سال قبل حرم نبوی میں اپنی اذان کے ساتھ ہمیں محظوظ فرماتے تھے خصوصاً رمضان شریف میں پہلی آذان کیساتھ لطف اندوز کرتے تھے اور ہمیں اہل حلب کی اذان یاد دلاتے تھے جو کئی سال سے میں نے نہیں سنی تھی، وہ مدینہ طیبہ صرف اور صرف موت کے ارادہ سے آئے تھے اور مجھ سے اور دوسرے اپنے پہچاننے والوں سے دعا کرواتے تھے میری موت ایمان پر اور نبی مصطفیٰ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کے شہر مقدس میں آئے تو واقعی اللہ تعالیٰ نے انہیں ۱۴۰۹ھ کو اس مقدس شہر میں یہ سعادت عطا فرمائی، اللہ تعالیٰ ان پر اور ہم پر رحم فرمائے۔

خروج ثانی ظاہر نہیں ہوا اور اس کا وقت ابھی نہیں آیا، اس کی دلیل مدینہ کے خراب ہونے، بیت المقدس کے آباد ہونے اور دجال کے ظہور کی حدیث بھی ہے۔

۳۵۳- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت المقدس کی آبادی، یثرب کی خرابی، جنگ کا خروج، قسطنطنیہ کی فتح، دجال کا خروج، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک اس شخص کی ران یا کندھے پر مارا اور فرمایا یہ امور ایسے ہی یقینی ہیں جیسے تو یہاں ہے یا جیسے تو بیٹھا ہے یعنی حضرت معاذ بن جبل کو آپ نے فرمایا۔

اس حدیث کو امام احمد، ابن ابی شیبہ، ابوداؤد وغیرہم نے عبدالرحمٰن بن ثابت بن ثوبان کے باوجود حسن اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے، ابن ابی شیبہ، الحاکم نے روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے اور الذہبی نے بھی اس حکم کو قائم رکھا ہے لیکن ان کے طریق میں عبدالرحمٰن بن یزید ہیں جو ثقہ ہیں جس طرح امام بخاری نے

ایک دوسرے طریق سے یہ روایت کی ہے لیکن انہوں نے موقوف روایت کی ہے، یہ ابن ثوبان کی حدیث کی شاہد ہے۔ امام ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ نے پہلی روایت کو حسن کہا ہے اور امام الطحاوی نے ایک دوسرے طریق سے مرفوع ذکر کی ہے۔

ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ امام احمد اور ابو داؤد کے طریق سے اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں یہ اسناد جید ہے اور حدیث حسن ہے اور اس پر صداقت کا نور اور نبوت کی جلالت ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ دجال کے خروج سے قبل مدینہ طیبہ کلیۃً تباہ ہو جائے گا یہ آخر زمانہ میں ہوگا جیسے کہ آئندہ احادیث سے ثابت ہوگا، بلکہ بیت المقدس کی تعمیر مدینہ طیبہ کی خرابی کا سبب ہوگی۔ کیونکہ احادیث میں ثابت ہے کہ دجال مدینہ طیبہ میں داخل نہ ہوگا ہر راستہ سے ہاتھوں میں تلواریں لئے ہوئے فرشتے اسے روک لیں گے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں جب کفار (یہود) بیت المقدس پر غالب آ جائیں گے اور اس کی تعمیر کا اہتمام کریں گے اور مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان بڑی جنگ کی ابتداء ہوگی مسلمان اپنے بھائیوں کی مدد کیلئے مدینہ طیبہ سے نکلیں گے تو ان میں سے اکثر قتل ہو جائیں گے اور تقریبا تیسرا حصہ بچ جائے گا اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا وہ قسطنطنیہ کو فتح کریں گے اور وہ اپنی تلواریں زیتون کے درختوں کے ساتھ لٹکائے غنائم تقسیم کر رہے ہوں گے کہ شیطان لعین آواز دیگا کہ دجال تمہارے اہل اور بچوں میں داخل ہو گیا ہے وہ دس شہسواروں کا ہراول دستہ بھیجیں گے وہ جب دمشق پہنچیں گے تو انہیں معلوم ہوگا کہ اس نے جھوٹ بولا تھا پس اسی اثناء میں دجال ظاہر ہو جائے گا پھر حضرت مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا مدینہ طیبہ سے نکلے ہوئے مسلمان یہودیوں سے جنگ کرنے کے لئے آپ کے ساتھ مل جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی معاونت فرمائے گا.......... اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ تمام اس وقت ہوگا جب اہل مدینہ مدینہ طیبہ کو چھوڑ جائیں گے پس ظاہراً مدینہ خراب ہوگا کیونکہ وہ تمام باہر جا چکے ہوں گے جو اس کی تعمیر و اصلاح کا فریضہ سرانجام دیتے تھے اور اب جنگ میں مصروف، قسطنطنیہ کی فتح اور یہود سے قتال میں مشغول ہوں گے اور ان کا ثلث یعنی تہائی حصہ شہید ہو چکا ہوگا ان افراد کی عدم موجودگی کی وجہ سے مدینہ کو خراب کہا گیا ہے۔ کلیۃً مدینہ خراب نہ ہوگا۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی احادیث میں گزر چکا ہے ان کا تہائی حصہ اعراب کے ساتھ جنگ کرے گا اور انہی کو فتح نصیب ہوگی تو اب مدینہ کی تعمیر کرنے والے ہوں گے ہی نہیں وہ تو کئی سال سے مدینہ چھوڑ کر نکل چکے ہوں گے، ان کے جنگوں میں مشغول ہونے اور مدینہ چھوڑ جانے کی وجہ سے مدینہ کے گھر گر جائیں گے، درخت باغات ختم ہو جائیں گے، اس طرح مدینہ خراب ہوگا نہ کہ کلیۃً تباہ ہو جائے گا، کلیۃً خراب صرف قرب قیامت میں ہوگا۔

احادیث کے ظاہر سے جو کچھ میں سمجھا ہوں یہی اس کا خلاصہ ہے اس کے درست ہونے کا میں جزم تو نہیں کرتا لیکن امید ہے کہ حق یہی ہے۔ واللہ اعلم

یہ جو میں نے ذکر کیا ہے اس سے بہتر ہے جو ان علماء نے ذکر کیا ہے جنہیں وہ احادیث یاد نہیں تھیں جو مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان قتال اور دجال کے ظہور کے متعلق وارد ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ بیت المقدس کی آبادی مدینہ کی خرابی پر دلیل ہے، نہیں مدینہ کلیۃً خراب نہ ہوگا مگر اس وقت جب اہل مدینہ اسے چالیس سال چھوڑ جائیں گے جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی حدیث میں ہے اور آخر میں دو مدینہ کے چرواہوں کا حشر ہوگا جیسا کہ حدیث ابی ہریرہ میں ہے۔ اہل مدینہ، مدینہ طیبہ کو کئی مرتبہ چھوڑ جائیں گے جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابوسعید الخدری کی حدیث میں ہے۔ اس کی دلیل آخر زمانہ میں شام کی طرف ہجرت کا وجود بھی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ طلب کرنے والے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف ہجرت کرنے پر برانگیختہ کیا اس کے متعلق احادیث کثرت سے موجود ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

۳۵۴- حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی۔ اہل زمین میں بہتر لوگوں کیلئے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ کو لازم کرتا ہوں اور زمین میں شریر لوگ بچ جائیں گے، ان کی زمینیں انہیں پھینک دیں گی اور اللہ تعالیٰ انہیں ناپسند کریں گے آگ انہیں بندروں اور خنازیر کے ساتھ جمع کر دے گی۔

اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، الطیالسی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے بخاری ومسلم کی شرط کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے اسی حکم کو برقرار رکھا ہے۔

۳۵۵- حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معاملہ یوں ہوگا کہ تم لشکر بن جاؤ گے۔ ایک لشکر شام کو ایک لشکر یمن کو اور ایک لشکر عراق کو۔

ابن حوالہ نے کہا یارسول اللہ اگر یہ معاملہ میں پالوں تو میرے لئے بہتر تجویز فرمایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شام کو جانا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں بہتر زمین ہے اللہ تعالیٰ کے چیدہ بندے یہاں جمع ہوں گے، اگر مجبوری ہو تو تم یمن جانا اور اپنے گھاٹوں سے سیراب ہونا، اللہ تعالیٰ میرے لئے شام اور اہل شام کا وکیل بنا ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد، احمد، الحاکم، ابن حبان، الطبرانی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے، حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور ذہبی نے یہی حکم باقی رکھا ہے اور ابن عساکر نے اسے دس طرق سے روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن حوالہ جب یہ حدیث بیان فرماتے تو کہتے جن کا کفیل اللہ تعالیٰ ہو ان کو کوئی

خسارہ نہیں۔

۳۵۶-حضرت بہز بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ مجھے آپ کہاں جانے کا حکم دیتے ہیں میرے لئے کوئی بہتر جگہ تجویز فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف اشارہ فرما کر فرمایا۔ وہاں۔

اس حدیث کو امام احمد، ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور ان دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔

۳۵۷-حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں حضر موت سے تم پر آگ نکلے گی جو لوگوں کو اکٹھا کرے گی۔ راوی فرماتے ہیں ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ہمیں کہاں جانے کا حکم فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شام کو۔

اس حدیث کو امام احمد، ترمذی، ابن حبان، ابن ابی شیبہ، ابو یعلی نے روایت کی ہے، ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے، ابو یعلی نے بھی صحیح کے رجال کیساتھ روایت کی ہے۔

۳۵۸-حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ کوئی مومن نہ ہوگا مگر وہ شام چلا جائے گا۔

حاکم نے اس کو روایت کیا ہے اور شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور الذہبی نے اسی حکم کو برقرار رکھا ہے۔

اس باب میں احادیث کثرت سے وارد ہیں مگر استشہاد کے لئے جو میں نے ذکر کی ہیں وہ کافی ہیں۔

یہ تمام نصوص اپنے عموم پر لوگوں کے شام کی طرف کوچ کرنے پر دلالت کرتی ہیں یعنی اکثر شہر اپنے رہنے والوں سے خالی ہو جائیں گے۔ خصوصاً آخری دونوں احادیث جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو برانگیختہ کیا ہے کہ وہ شام کی طرف کوچ کریں اور ان میں اہل مدینہ بھی شامل ہیں اور یہ آخر زمانہ میں ہوگا۔

چند امور باقی ہیں جن کا ذکر ضروری ہے اگرچہ بحث بہت طویل ہوگئی ہے اس سے پہلے کہ میں اہل مدینہ کے گزشتہ خروج کا قصہ ذکر کروں۔

اہل مدینہ کے خروج کا سبب کیا تھا اور کس چیز نے انہیں خروج پر برانگیختہ کیا۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ جو راز دان رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور تمام صحابہ کرام سے فتنہ کی احادیث کو زیادہ بیان کرنے والے تھے کیونکہ آپ ہمیشہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شر اور فتنہ کے بارے پوچھتے تھے جس طرح کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق پوچھتے تھے اور میں شر کے متعلق پوچھتا تھا اس خوف سے کہ کہیں وہ شر مجھے آنہ لے۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل مدینہ کے مدینہ چھوڑنے کا سبب نہ پوچھا۔ یہی وجہ ہے کہ

انہوں نے اس کا سبب ذکر نہیں کیا۔

۳۶۰-حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک ہونے والے واقعات وحالات کے متعلق بتایا میں نے ہر بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی مگر میں اہل مدینہ کے خروج کا سبب نہ پوچھ سکا۔ (مسلم)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اہل مدینہ کے خروج کا سبب نہ پوچھا اس لئے اس کا علم ان کے پاس نہ تھا مگر دوسرے صحابہ کرام کو اس کا سبب معلوم تھا۔

۳۶۱-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پوچھا گیا اے ابو ہریرہ مدینہ سے لوگوں کو کون نکالے گا آپ نے فرمایا برے امراء۔

اس اثر کو ابن شیبہ نے روایت کیا ہے اور الحافظ نے النکت میں روایت کی ہے۔

میں (مصنف) کہتا ہوں یہ تمام وہ تھا جو اہل مدینہ کے مدینہ سے نکلتے وقت فعل ہوا تھا اور وہ مدینہ سے خوشی سے نہ نکلے تھے بلکہ وہاں سے انہیں جبراً اور سختی سے نکالا گیا تھا، اسی وجہ سے وہ لشکروں کی صورت میں لوگوں کو لے جاتے اور گاڑیوں کے ڈبوں میں پہنچاتے حتیٰ کہ قبائل وخاندان بکھر گئے تھے یہ تمام چیزیں ان شاء اللہ بعد میں ذکر کروں گا۔

سابقہ احادیث میں تھا کہ مدینہ کو بہتری کے باوجود وہ چھوڑ کر چلے جائیں گے اس بہتری کے تین احتمال ہیں۔

(۱) دین کے امور میں بہتر ہوگا یعنی اس میں کثرت سے علماء اور نیک لوگ ہوں گے۔

(۲) دنیا کے امور کے اعتبار سے بہتر ہوگا، یعنی خوشحالی کا دور ہوگا، لوگ مکانات اور باغات میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہوں گے اور دنیا کے پھل یہاں جمع ہوتے ہوں گے۔

(۳) یا دین ودنیا دونوں کے اعتبار سے مدینہ بہتر ہوگا، قاضی عیاض اور امام القرطبی رحمتہ اللہ علیہما کا رجحان اسی جانب ہے۔

لیکن امام باجی رحمتہ اللہ علیہ کا رجحان دوسرے قول کی طرف ہے فرماتے ہیں میرے نزدیک اظہر یہ ہے کہ مدینہ کے پھل اور بڑھوتری عمدہ ہوگی، اسی وجہ سے تو صحابہ کرام نے پوچھا تھا کہ حضور اس کا پھل اس دن کس کے لئے ہوگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد مدینہ کا حسن ہو، اس صورت میں احسن بمعنی حسن ہوگا جیسا کہ علماء نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "وهو اهون عليه" کے متعلق فرمایا ہے کہ اس کا مطلب ہو ہین علیہ ہے، بمعنی اس پر یہ آسان ہے۔

سابقہ احادیث میں تھا "فَلِمَنْ تَكُوْنُ الثِّمَارُ ذَالِكَ الزَّمَانَ قَالَ لِلْعَوَافِيْ ...." یعنی اس وقت مدینہ کا پھل کس کے لئے ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں اور درندوں کے لئے ہوگا،

مجھے زکی ابو ربیعہ نے بتایا کہ ایک رات ایک عورت نے بچہ جنا اسکا خاوند کھانے کی تلاش میں گھر سے نکلا تو فوجیوں نے اسے پکڑلیا اور گاڑی میں ڈال دیا۔ اس نے ان سے کہا کہ مجھے اپنی بیوی اور بچہ تو ساتھ لے جانے دو۔ انہوں نے اس کی بھی اجازت نہ دی اور گاڑی چلا کر لے گئے۔ اس کی بیوی گھر میں بیٹھی تھی اسے کوئی علم نہیں کہ وہ کہاں چلا گیا ہے اب وہ عورت اپنے گھر کے دروازے پر پانی لینے گئی تو اسے بھی سپاہیوں نے پکڑ کر گاڑی میں ڈال دیا اور اسے اپنا معصوم بچہ بھی اٹھانے کی اجازت نہ دی حالانکہ وہ شدت سے رو رہی تھی اور شدت سے وسیلے پیش کر رہی تھی عورت بھی مجبوراً سفر کر گئی اور پیچھے بچہ روتا بلکتا فوت ہو گیا۔

کوئی آدمی مدینہ طیبہ آنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا کیونکہ پکڑے جانے اور مجبوراً سفر کرنے کا خدشہ رہتا تھا۔ پس ان حالات میں مدینہ طیبہ میں سبزیوں کا آنا بند ہو گیا۔ کوئی شخص باغات میں بھی نہیں جا سکتا تھا کہ کہیں پکڑا نہ جاؤں، سخت گرمی کا موسم تھا، سبزیاں ترکاریاں ختم ہو گئی، کھیتیاں خشک ہو گئیں اور اکثر درخت سوکھ گئے۔

لوگوں پر یہ قبضہ جاری رہا اور ان کو گاڑیوں کے ذریعہ مدینہ سے باہر بھیجنا بھی جاری تھا بعض لوگ خوشی سے سفر کر گئے اور بعض چھپ کر قریبی دیہاتوں میں نکل گئے۔ ینبع جدہ اور حنا کیہ وغیرہ کی طرف نکل گئے۔
یہ تنگی اور بھوک اہل مدینہ پر باقی رہی حتی کہ کوئی ذخیرہ اور کھانے کی چیز مدینہ میں نہیں پہنچتی تھی۔
ریلوے لائن جو الشریف کے لشکر نے بچھائی تھی اس نے تکلیف میں مزید اضافہ کر دیا۔
زکی ابو ربعیہ نے مجھے بتایا کہ تو گھر میں داخل ہوتا تو دروازوں کو کھلا دیکھتا برتنوں اور خزانوں کو بکھرا دیکھتا، ایک کمرہ میں مرد مرا پڑا دیکھتا جو خشک ہو کر سوکھی مچھلی کی طرح پڑا ہوتا، دوسرے کمرے میں عورت کو خشک مچھلی کی طرح مرا پڑا دیکھتا تیسرے کمرے میں ایک یا دو بچے مرے پڑے دیکھتا۔
بھوک پوری طرح چھا چکی تھی۔ لوگ مردے کھا رہے تھے لوگ کتے اور بلیاں کھا رہے تھے مگر والی وقت اہل مدینہ کو کھانا نہیں دیتا تھا ان پر سفر کرنا لازم ہو گیا تھا۔ سوائے چند اشخاص کے کوئی بھی نہیں بچا تھا۔
انہوں نے مجھ سے کئی دوسرے واقعات بھی ذکر کئے ہیں جن کو بیان کرتے ہوئے بھی انسانیت کی جبین پر پسینہ آ جاتا ہے۔

ان حالات میں مدینہ طیبہ خالی ہو چکا تھا کیونکہ کچھ تو خوشی سے نکل گئے تھے اور باقی مجبوراً نکالے گئے تھے یا کچھ فوت ہو گئے تھے، صرف چند لوگ باقی رہ گئے تھے۔ کتے، وحشی، لومڑ راستوں، گھروں اور مساجد میں داخل ہو گئے تھے اور مسجد نبوی میں بھی داخل ہو گئے تھے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ میں نے یہ واقعات ان سے نقل کئے ہیں جنہوں نے ان حالات کا مشاہدہ کیا تھا۔
لشکر میں مرض پیدا ہو گئی مگر والی اپنے موقف پر ڈٹا ہوا تھا حتی کہ دو آدمیوں کے اوپر سے گزرا وہ دونوں

حرم کی مغربی جانب باڑے میں لیٹے ہوئے تھے جیسا کہ انہوں نے مجھے بیان کیا ہے اب وہ جگہ نفق سے اوپر ہے، فخری پاشا اپنے مترجم کی معیت میں ان دونوں کے اوپر سے گزرا ہر ایک اپنے اپنے قلعہ میں تھا، فخری پاشا نے ان سے پوچھا کہ یہ مدینہ سے کیوں نہیں نکلے، اور یہ یہاں کیا کرتے ہیں، ان دونوں نے کہا ہم مدینہ منورہ میں مرنا چاہتے ہیں اس نے ان دونوں کو بقیع بھیجا تاکہ لشکریوں کو دفن کریں دوسرے دن اس نے ان کی طرف ایک روٹی اور اس کے اوپر کھجوروں کو رکھ کر بھیجا۔

مدینہ طیبہ کا محاصرہ سخت ہو گیا اور مدینہ طیبہ خالی ہو گیا صرف ۵۰ سے بھی کم آدمی باقی رہ گئے تھے۔ بعض نے مجھے بتایا کہ صرف ۳۴ آدمی بعض نے بتایا کہ صرف ۱۷ آدمی رہ گئے تھے۔ ایک شخص نے مجھے بتایا کہ حرم میں ساتواں شخص تھا تو لشکر عثمانی میں موت شروع ہو گئی اور بھوک عام ہو گئی ریلوے لائن کی وجہ سے استانہ سے تعلق ختم ہو گیا اور والی یہ سب کچھ تسلیم نہیں کرتا تھا اور کہتا کہ جب ترکی سپاہی اپنی جوتی اتار کر کھائے گا تو اس وقت وہ سمجھے گا کہ لشکر میں بھوک سرایت کر چکی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت اور تکلیف کو دور کرنے کا ارادہ کیا تو فخری پاشا والی کے محافظوں نے اسے قید کر لیا جبکہ وہ حرم نبوی میں اپنی حاجت کے لئے حمام میں داخل ہوا تھا۔ اس وقت وہ باب سیدنا عمر فاروق کے پاس تھا۔ جب وہ حمام سے نکلا تو چار جرنیل اور اس کا مترجم اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہوں نے اسے پکڑا اور اس کے ہاتھ باندھ دیئے، اس کے ہتھیار اتار لئے اور اسے علی بن حسین کی طرف الفریش میں بھیج دیا۔ پھر اس نے اسے اپنے باپ الشریف الحسین بن علی کی طرف بھیج دیا انہوں نے اس کے بازو نہ کھولے اور اسے کشتی میں ڈال دیا جو اسے استنبول لے گئی تو الشریف علی بن الحسین مدینہ منورہ میں ۷ ۱۳۳۷ھ کو داخل ہوا۔

الشریف علی بن حسین کے مدینہ طیبہ داخل ہونے کے ساتھ اہل مدینہ واپس آنا شروع ہو گئے لیکن تمام لوگ جو نکلے تھے وہ واپس نہ آئے صرف ۷ یا آٹھ ہزار افراد چھوٹے بڑے واپس آئے تھے جیسا کہ مجھے بزرگ عبدالحکیم عثمان نے بتایا ہے انہوں نے خود مجھے اپنی تقریر اور تحریر میں بتایا کہ وہ ۸ ۱۳۳ھ کو شعبان کے اوائل میں دمشق سے مدینہ منورہ واپس آیا تھا اور مدینہ طیبہ سے جاتے وقت ان کی عمر تقریباً ۲۰ سال تھی۔ کیونکہ ان کی پیدائش ۱۳۱۴ھ یا ۱۳۱۵ھ میں ہوئی تھی یہ جو کچھ میں نے لکھا تھا مدینہ منورہ میں ان کے گھر جو مشرق حرہ کے علاقہ میں ہے، منگل کی رات ۸ صفر ۱۴۰۱ھ کو میں نے پڑھ کر ان کو سنایا یہ وہ وقت ہے جب کہ کتاب مطبع ہو رہی تھی مجھے اس سے قبل معلوم نہیں تھا کہ یہ بھی اسی خروج کے وقت موجود تھے حالانکہ ان سے میرا پرانا دوستانہ تعلق تھا، میرا گمان تھا کہ یہ شام سے مدینہ خروج کے بعد آئے ہیں اور خروج کے وقت یہ موجود نہ تھے۔

جن لوگوں نے مجھے بتایا ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اکثر اہل مدینہ دمشق میں مقیم ہوئے تھے اور بہت کم حمص

یا حماہ یا حلب یا ترکی یا فلسطین کی طرف گئے تھے۔

اہل مدینہ کی کثیر تعداد مدینہ طیبہ میں یا دوسرے شہروں میں فضا کی تبدیلی، بھوک اور مرض کی وجہ سے وفات پا گئی تھی اسی طرح کئی لوگوں نے انہی شہروں کو اپنا وطن بنا لیا اور واپس نہ آئے۔

میرے علم کے مطابق آخری شخص الحاج احمد السمان تھا جو واپس آیا تھا یہ کچھ عرصہ پہلے وصال کر گئے ہیں اور ان سے پہلے الحاج عمر ابراہیم الطیار پچاس سال غائب رہنے کے بعد واپس آئے تھے، کیونکہ وہ ۱۳۳۵ھ کو نکلے تھے اور ۲۷ رمضان ۱۳۸۵ھ کو واپس آئے تھے اور ستائیس رمضان ۱۳۸۹ھ کو وصال کر گئے تھے مدینہ طیبہ میں صرف ۴ سال اور دو دن زندگی سے لطف اندوز ہوئے تھے میں نے ان کی زیارت بھی کی ہے اور مجلس کا شرف بھی حاصل ہوا ہے، اور ان کی اولاد سے بھی ملاقات ہوئی ہے جو سب کے سب حلب میں پیدا ہوئے وہاں ہی نکاح کئے وہاں ہی بچے جنے اور پھر اپنی اولاد اور بیویوں سمیت مدینہ طیبہ واپس آئے۔ الحاج احمد سمان اور ان کی تمام اولاد مدینہ طیبہ واپس نہ آئی تھی بلکہ کچھ حلب میں ہی مقیم رہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے ملتجی ہوں کہ وہ ہمیں دوسرا خروج نہ دکھائے اور ہم تمام کو امن و امان کی نعمت عطا فرمائے اور اسلام کے شہروں کی خود حفاظت فرمائے اور حیلہ سازوں کی سازشوں، معتدین کی دشمنی اور غاصبین کی طمع سے ہمارے دیار کی خود نگہداشت فرمائے وہ بہتر کارساز اور بہتر مددگار ہے۔

اہل مدینہ کا احترام کرنا کیونکہ وہ نبی ﷺ کے پڑوسی ہیں

اللہ تبارک وتعالیٰ نے پڑوسیوں کا احترام کرنے اور ان سے حسن سلوک سے پیش آنے پر برانگیختہ کیا ہے اگرچہ وہ مسافر واجنبی بھی ہو، حتیٰ کہ اپنی عبادت کے ساتھ اس حکم کو ملا کر ذکر کیا ہے، ارشاد فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَ
الْيَتٰمٰی وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ
وَابْنِ السَّبِيْلِ (نساء:۳۶)

"اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور والدین سے قریبی رشتہ داروں سے، یتیموں، مساکین، رشتہ دار، پڑوسی اور مسافر سے حسن سلوک کرو۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنی عبادت کے بعد والدین، قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں سے احسان کا معاملہ کرنے کا ذکر کیا خواہ وہ قریبی رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پڑوسیوں سے حسن سلوک کی ترغیب دی ہے۔

۳۶۲- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل مجھے پڑوسی کے بارے وصیت کرتے رہے حتیٰ کہ مجھے گمان ہونے لگا وہ اسے وارث بنا دیں گے۔ (متفق علیہ)

۳۶۳- بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے انہی الفاظ میں حدیث

مروی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مہمانوں کے احترام واکرام کی بھی ترغیب دی ہے کیونکہ وہ اسلام کے مہمان ہیں، صحابہ کرام نے یہ حکم پہچان لیا تھا اس لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کے اکرام میں جلدی کرتے تھے، ہر ایک اپنی طاقت کے مطابق مہمانوں کی تکریم وضیافت میں بھرپور کوشش کرتا تھا بلکہ بعض اوقات بعض صحابہ کرام اپنی استطاعت و طاقت سے بڑھ کر بھی مہمان کی مہمان نوازی کرتے تھے۔

۳۶۴- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے کیلئے اپنی ازواج مطہرات کے پاس بھیجا تو ازواج مطہرات نے کہا ہمارے پاس تو سوائے پانی کے کچھ بھی نہیں ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے کہا اس مہمان کو کون ساتھ لے جائے گا، ایک انصاری نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں ساتھ لے جاؤں گا۔ وہ اسے اپنے گھر والوں کی طرف لے کر چل پڑا۔ اپنی بیوی سے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کی عزت وتکریم کر، بیوی نے کہا بچوں کے کھانے کے بغیر تو ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے، صحابی نے فرمایا کھانا تیار کر چراغ جلا، بچوں کو سلا دے، جب کھانے کا ارادہ کیا تو اس خوش نصیبہ بیوی نے کھانا لگایا، چراغ جلایا اور بچوں کو سلا دیا پھر اٹھی تا کہ چراغ کو درست کرے تو اسے بجھا دیا وہ میاں بیوی یوں ظاہر کرتے رہے کہ وہ مہمان کیساتھ کھا رہے ہیں مگر وہ خود رات بھر بھوکے رہے جب صبح ہوئی اور وہ صحابی بارگاہ رسالت میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے رات کے عمل پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کا اظہار فرمایا ہے اور یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے۔

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الحشر:۹) متفق علیہ

مسلم کی ایک روایت میں صحابی کا نام ابوطلحہ ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے اکرام پر برانگیختہ کیا ہے کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں اور کریم کے پڑوسی کا احترام اس کے پڑوسی کی کرامت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔ اہل مدینہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور وصال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوس اختیار کیا، پس جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرے گا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پڑوسی ہیں اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاورت اور پڑوس سے مشرف ہوئے پھر جو ان پر حق تھا انہوں نے ادا کر دیا اور اب ان کا حق ہم پر باقی ہے۔

۳۶۵- حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مدینہ میری ہجرت گاہ اور زمین میں میری آرام گاہ ہے، اور میری امت پر حق ہے کہ میرے پڑوسیوں کا احترام کرے جب تک وہ کبائر سے اجتناب کرتے رہیں جو ان کا احترام نہیں کرے گا اسے اللہ تعالیٰ طینۃ الخبال پلائے گا، ہم نے عرض کی اے ابو یسار طینۃ الخبال کیا ہے، فرمایا دوزخیوں کا نچوڑ۔

اس حدیث کو الطبرانی نے الکبیر میں اور ابن النجار نے روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں عبد السلام بن ابی الجنوب ہیں جو ضعیف ہیں۔ الدار قطنی نے الافراد میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے الدیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی ہے۔ القاضی ابو الحسن علی الہاشمی نے اپنی فوائد میں حضرت زید سے روایت کی ہے۔ اس حدیث کے اور بھی کئی شواہد ہیں اس لئے یہ اپنے شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔

اس حدیث کی شہرت پر دلالت کرنے والی وہ روایت ہے جو القاضی عیاض نے ترتیب المدارک میں محمد بن مسلمہ سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں میں نے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں المہدی کے پاس گیا تو اس نے کہا مجھے کوئی وصیت فرمایئے تو میں نے کہا میں تمہیں صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں رہنے والوں پر لطف و مہربانی کرنے کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مدینہ میری ہجرت گاہ ہے، اس سے میرا مبعث ہے یہاں میرا مزار پر انوار ہوگا یہی میری پڑوسی ہیں اور میری امت پر میرے پڑوسیوں کی حفاظت کرنا واجب ہے، جو میری وجہ سے ان کی حفاظت کرے گا میں قیامت کے روز اس کا شہید اور شفیع ہوں گا اور جو میرے پڑوسیوں کے بارے میری وصیت کی حفاظت نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اسے طینۃ الخبال پلائے گا، یعنی دوزخیوں کا نچوڑ۔

اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ کو اذیت دینا اور ان کے متعلق برا ارادہ رکھنے کو حرام قرار دیا ہے اس کے متعلق پہلے کئی احادیث گزر چکی ہیں۔ ۲۹۴ سے ۳۱۰ تک کی احادیث ملاحظہ فرمائیں جو اہل مدینہ کو اذیت دے گا اسے سزا و عقاب ہوگا اور جو ان سے احسان اور حسن سلوک کا برتاؤ کرے گا اسے اجر و ثواب ملے گا۔

میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے حشر اکبر کے روز ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و شہادت سے مشرف فرمائے اور ہمیں روز قیامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء حمد کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے بیشک وہی بہتر کارساز اور بہتر مددگار ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں دعوت اسلام کا سلسلہ شروع کیا تو کفار قریش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بن گئے اور مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو اذیتیں اور تکالیف پہنچانی شروع کر دیں اور انہوں

نے تعذیب وتکالیف کی ہر قسم کو مسلمانوں کے جسموں پر آزمایا اور ان سے کوئی مسلمان بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی محفوظ نہ تھی۔ یہ سب اذیتیں اور تکالیف مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے برداشت کیں۔ اس تعذیب وتکلیف کے نتیجہ میں مسلمانوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ کو چھوڑنے کی اجازت طلب کی تاکہ وہ بغیر کسی رکاوٹ وتکلیف کے اپنے پروردگار کی عبادت کرسکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی، لیکن قریش کی اذیتوں سے وہاں بھی محفوظ نہ تھے کیونکہ کفار نے اپنے دو نمائندے بھیج کر نجاشی سے ان کو واپس کرنے کا مطالعہ کیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی محافظت فرمائی جب یہ خبر پھیل گئی کہ اہل مکہ مسلمان ہوگئے ہیں تو کچھ لوگ یہ خبر سن کر مکہ مکرمہ واپس آ گئے، پوری تفصیل کتب سیر میں موجود ہے۔

مسلمانوں کے واپس آنے کیساتھ ہی مشرکین نے اذیتوں میں اضافہ کر دیا اور انہیں ایسی ایسی تکالیف دینے لگے جنہیں کوئی پہاڑ بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا پس جو فتنہ میں مبتلا کیا گیا وہ فتنہ میں مبتلا کیا گیا اور جس نے صبر کیا اس نے صبر کیا۔

۳۶۶۔ حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے سایہ میں تکیہ لگائے بیٹھے تھے ہم نے عرض کی حضور آپ ہمارے لئے مدد کیوں طلب نہیں کرتے، آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیوں نہیں مانگتے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم سے پہلے ایک شخص کے لئے زمین کھودی جاتی تھی پھر اس کو گھڑے میں دبا کر آری کے ساتھ اس کے دو ٹکڑے کئے جاتے تھے مگر یہ تکلیف بھی اسے اپنے دین سے برگشتہ نہ کرسکی لوہے کی کنگھیوں سے ان کی ہڈیوں اور پٹھوں سے گوشت چھیل لیا جاتا مگر یہ تکلیف بھی انہیں اپنے دین کی پیروی سے نہ روک سکی۔ قسم بخدا یہ اسلام کا امر مکمل ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا خوف نہیں ہوگا یا بکری پر بھیڑیا کا خوف ہوگا لیکن تم جلدی کر رہے ہو۔ (بخاری)

صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا اور نصرت اس لئے طلب کی تھی انہیں انتہائی تکالیف اور اذیتیں دی گئی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کی تکالیف کا ذکر فرما کر انہیں تسلی دی اور ساتھ یہ بھی خوشخبری سنائی کہ یہ امتحان وابتلاء کا تھوڑا وقت ہے اس کے بعد دین حنیف کا علم سربلند ہوگا ہر طرف امن وخوشحالی کا دور ہوگا حتیٰ کہ ایک شخص صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا مگر اسے کسی کا خوف نہ ہوگا اور اپنی بکری پر صرف بھیڑیئے کا خوف ہوگا۔ یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "وَ لٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُوْنَ" سے واضح ہے واقعۃً یہ ایسا ہی ہوا۔

جب صحابہ کرام کی شدت اور تکلیف بڑھ گئی تو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی اجازت ہوگئی بیعت عقبہ

ثانیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی لیکن بعض صحابہ کرام کو بیعت اولیٰ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تعلیم دینے اور اسلام کے پیغام کو پھیلانے کے لئے مدینہ طیبہ بھیج دیا تھا۔

۳۶۷- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں، سب سے پہلے جو ہمارے پاس تشریف لائے وہ مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم تھے پھر عمار بن یاسر اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم ہمارے پاس قدم رنجہ فرما ہوئے۔ (بخاری)

۳۶۸- بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم تشریف لائے وہ لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیتے تھے پھر حضرت بلال، سعید اور عمار بن یاسر تشریف لائے ان کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیس اصحاب کی معیت میں تشریف لائے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہوئے، میں نے اہل مدینہ کو اتنا خوش کسی چیز سے نہیں دیکھا جتنے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خوش ہوئے تھے حتیٰ کہ لونڈیاں کہہ رہی تھیں ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے رسول تشریف لائے..........

مسلمانوں میں سے سب سے پہلے جس گھرانہ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی وہ ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد المخزومی رضی اللہ عنہ کا گھرانہ تھا۔

۳۶۹- حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اجْرِنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلُفْ لِيْ خَيْراً مِنْهَا" کہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔ (اے اللہ مجھے میری مصیبت میں اجر عطا فرما اور مجھے اس کا بہتر بدل عطا فرما)۔ حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں جب ابوسلمہ فوت ہوئے تو میں نے دل میں کہا ابوسلمہ سے بہتر کون ہوسکتا ہے کیونکہ ان کا پہلا گھرانہ ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی پھر میں یہی سوچتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا نعم البدل اپنا رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما دیا۔
(مسلم)

حبشہ کی طرف سب سے پہلے انہوں نے ہجرت کی پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی لیکن ان کی زوجہ محترمہ ام سلمہ مدینہ طیبہ کی ہجرت میں ایک سال پیچھے رہ گئیں جیسا کہ ان کا معروف ومشہور واقعہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے اپنی ہجرت گاہ خواب میں دکھائی گئی اور اس کی علامات بیان کی گئیں لیکن اس کی حدود کا بیان نہ ملا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خواب

میں مکہ سے کھجوروں والی زمین کی طرف ہجرت کرنا دکھایا گیا، پہلے میں سمجھا کہ وہ یمامہ یا ہجر ہے، مگر وہ مدینہ کی زمین تھی۔ (بخاری)

پھر بعد میں اس کی تحدید کی گئی۔

۳۷۰- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں نے اپنے والدین کو دین اسلام پر پایا ہے، اور ہر دن ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام تشریف لاتے، پھر جب مسلمانوں کو تکالیف میں مبتلا کیا گیا...... پھر طویل حدیث پاک میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پھر ابن الدغنہ کی مدد، برک الغماد سے واپس آنے پھر ابن الدغنہ کو اپنا عہد واپس کرنے کا ذکر کیا ہے۔ فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمہاری ہجرت گاہ دکھائی گئی ہے وہ دو پتھریلے کناروں کے درمیان کھجوروں والی جگہ ہے۔ پس لوگوں نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، پھر وہ لوگ بھی مدینہ طیبہ لوٹ آئے جو حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہجرت کا قصہ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (بخاری)

ابن التین رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حضرت ابوموسیٰ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی احادیث کو یوں جمع کیا جائے گا کہ پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دار ہجرت ایک صفت پر دکھایا گیا جس میں مدینہ اور دوسرے علاقے برابر تھے لیکن پھر مدینہ طیبہ مخصوص طور پر دکھایا گیا اور مدینہ طیبہ متعین ہو گیا۔

حضرت ابوموسیٰ کی حدیث کا خواب پہلے ہے جس میں شہر کی تعیین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تردد تھا، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث متاخر ہے اور اس میں مدینہ کی تعیین ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔

۳۷۱- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں نبوت کے اظہار کرنے کا حکم ملا۔ تو اس کے بعد آپ تیرہ سال مکہ مکرمہ میں رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی رہی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا حکم فرمایا اور خود بھی مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال رہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذیشان ہے۔ "مجھے ایسے شہر کی طرف ہجرت کا حکم ملا ہے جو تمام شہروں پر غالب آئے گا لوگ جسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ یہ مدینہ ہے۔ متفق علیہ

ان تمام نصوص سے مدینہ کا ہجرت گاہ ہونا متعین ہو جاتا ہے، اہل مکہ اور دوسرے شہروں کے مسلمانوں پر لازم تھا کہ وہ مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کریں جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات ظاہری تھے پھر فتح

مکہ کے بعد وجوب منسوخ ہو گیا مگر مستحب اب بھی باقی ہے۔

اس سے قبل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ مدینہ کی طرف مسلمانوں نے ہجرت کی اور حبشہ گئے ہوئے لوگ بھی مدینہ طیبہ واپس آ گئے۔ (بخاری)

بلکہ معراج کی رات مدینہ طیبہ کے ہجرت گاہ ہونے کی تعیین کی گئی۔

۳۷۲-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا جانور لایا گیا اس کا ایک قدم منتہائے نظر پر پڑتا تھا میرے ساتھ جبریل امین بھی تھے، میں رات کے وقت چلا تو جبریل نے کہا یہاں اتر کر نماز پڑھیے، میں نے نماز پڑھی، پھر اس نے پوچھا تمہیں معلوم ہے تم نے کہاں نماز پڑھی ہے تم نے طیبہ میں نماز پڑھی ہے اور یہی تمہاری ہجرت گاہ ہے۔ اسراء کے قصہ میں طویل حدیث ہے، یہ نسائی کے الفاظ ہیں، اصل حدیث صحیحین میں ہے۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے، تو بعض انصار نے کہا اپنے شہر کی رغبت اور اپنے خاندان کی محبت نے کام دکھایا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔

۳۷۳-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وحی آئی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تو ہم پر مخفی نہ ہوئی جب وحی ختم ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے انصار کے گروہ انصاریوں نے کہا لبیک یارسول اللہ! اے اللہ کے رسول ہم حاضر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے وطن اور رشتہ داری کی محبت غالب آ گئی ہے، ہرگز نہیں میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ تعالیٰ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔ میری زندگی تمہاری زندگی کے ساتھ ہے اور میری موت تمہاری موت کے ساتھ ہے۔ انصار روتے ہوئے آئے اور عرض کی حضور! قسم بخدا ہم نے یہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں کلام کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہیں معذور سمجھتے ہیں۔ (مسلم)

اس حدیث سے بھی معلوم ہو گیا کہ مدینہ طیبہ دارالہجرۃ ہے، اسی طرح السقیفہ کے قصہ میں حضرت ابن عباس کی حدیث اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے گفتگو گزر چکی ہے جس میں تھا کہ اے امیر المومنین یہ حج کا موسم ہے یہاں بیوقوف لوگ جمع ہیں میرا خیال ہے کہ تم اپنے فیصلہ میں تاخیر کرو یہاں تک کہ تم مدینہ پہنچ جاؤ کیونکہ وہ دارالہجرت ہے۔............ (بخاری)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کے متعلق کثرت سے نصوص وارد ہیں۔

۳۷۴- الحارث الاشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن ذکریا کو پانچ چیزوں کا حکم دیا کہ وہ خود بھی ان پر عمل پیرا ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی ان کا حکم دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے۔ سننا، طاعت کرنا، جہاد کرنا، ہجرت کرنا اور جماعت کے ساتھ رہنا جو جماعت سے ایک بالشت بھی جدا ہوا اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ اتار دیا مگر یہ کہ وہ واپس آجائے۔

اس حدیث کو احمد، ترمذی، النسائی، ابن حبان، الحاکم اور ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے، امام احمد اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے، حاکم نے مسلم و بخاری کی شرط پر اسے صحیح کہا ہے اور الذہبی نے اسی حکم کو برقرار رکھا ہے۔

۳۷۵- حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے جو مجھ پر ایمان لایا اسلام قبول کیا اور ہجرت کی میں اس کے لئے جنت کے وسط میں گھر کا ضامن ہوں اور جو مجھ پر ایمان لایا اسلام قبول کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا میں اس کے لئے جنت کے وسط میں گھر کا ضامن ہوں، اور جنت کے بالا خانوں میں گھر کا ضامن ہوں، جس نے ایسا کیا مگر بھلائی کو مطلب بنا کر اور برائی سے بھاگنے کیلئے گھر کو چھوڑا ہو تو جہاں مرنا چاہے مرے۔

اس حدیث کو نسائی ابن حبان، الحاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم، ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔

۳۷۶- سبرہ بن ابی فاکہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ شیطان انسان کے راستوں پر بیٹھا ہے وہ اسلام کے راستہ پر بیٹھا اور کہا تو اسلام قبول کرتا ہے اپنے اور اپنے اباؤ اجداد کے دین کو چھوڑتا ہے، اس شخص نے اس کی نافرمانی کی اور اسلام قبول کیا پھر وہ ہجرت کے راستہ پر اس کے لئے بیٹھا اور اسے کہا تو ہجرت کرتا ہے اپنی زمین اور اپنا آسمان چھوڑتا ہے ہجرت کرنے والے کی مثال اس گھوڑے کی مثل ہے جو لمبی رسی میں باندھا ہوتا ہے اس شخص نے اس کی نافرمانی کی اور ہجرت کی، پھر وہ اس کیلئے جہاد کے راستہ پر بیٹھا کہا تو جہاد کرتا ہے، اپنے نفس اور مال کو مشقت میں مبتلا کرتا ہے، تو قتل کرے گا اور پھر قتل کیا جائے گا، تیری بیوی سے نکاح کیا جائے گا تیرا مال تقسیم کیا جائیگا۔ اس شخص نے اس کی نافرمانی کی اور جہاد کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ایسا کیا (اور فوت ہو گیا) تو اللہ تعالیٰ پر اسے جنت عطا کرنا حق ہے، جو قتل کیا گیا اسے بھی جنت میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے، اگر وہ غرق ہو گیا تو اسے بھی جنت میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر حق ہے۔

اس حدیث کو احمد، النسائی، ابن ابی شیبہ اور ابن حبان نے روایت کیا ہے، (اس کے بعد مذکورہ بالا

حدیث کے الفاظ کی تشریح ہے، جن کا مفہوم میں نے ترجمہ میں ذکر کر دیا ہے)۔

الشیخ السندی رحمتہ اللہ علیہ نسائی کی شرح میں فرماتے ہیں یہ جملہ شیطان کی کلام سے ہے کہ ''مہاجر باندھے ہوئے گھوڑے کی مثل ہے جو لمبی رسی سے باندھا ہوا ہو'' اس کا مقصود ہے کہ مہاجر اجنبی شہروں میں مقید ہوتا ہے، وہ صرف اپنے گھر میں ہی گھوم پھر سکتا ہے اور صرف اپنے جاننے والوں سے تعلق رکھ سکتا ہے، جس طرح کہ گھوڑا صرف اتنی جگہ پر چل پھر سکتا ہے جتنی رسی کی لمبائی ہوتی ہے جبکہ اپنے شہر و ملک میں رہنے والے آزاد ہوتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ گویا وہ چھوٹے ہوئے گھوڑے کی مانند ہیں۔ مسلمان جب شیطان کا کہنا نہیں مانتا اور اس کی نصیحت کو نہیں سنتا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرماتے ہیں خواہ قتل ہو جائے یا غرق ہو جائے یا اسے کوئی چوپایا پھینک کر اس کی گردن توڑ دے۔ کیونکہ جو اپنے گھر کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتا ہے اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے، واللہ اعلم۔

ہجرت پر بکثرت نصوص وارد ہیں۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تو اس کی طرف ہجرت کرنا واجب ہو گیا اور اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت مطلوب تھی اسی وجہ سے متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس ہجرت کے امر کے مؤکد فرمایا ہے حتیٰ کہ ہجرت کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے درمیان تعلقات کو ہی ختم کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (انفال:۷۲)

''یقیناً جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے راہ خدا میں اور وہ جنہوں نے پناہ دی (مہاجرین کو) اور (ان کی) مدد کی یہی لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی۔ نہیں تمہارے لئے ان کی وراثت سے کوئی چیز یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اگر وہ مدد طلب کریں تم سے دین کے معاملہ میں تو فرض ہے تم پر ان کی امداد مگر اس قوم کے خلاف نہیں کہ تمہارے اور ان کے درمیان (صلح کا) معاہدہ ہو چکا ہو اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ''وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا'' (انفال:۷۲) جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی۔ تمہارے لئے ان کی وراثت سے کچھ نہیں حتیٰ

کہ وہ ہجرت کریں۔ اس میں انصار و مہاجرین کو ان مومنین سے قطع تعلق کرنے کو کہا گیا ہے جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ حتیٰ کہ وہ ہجرت کریں۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سختی فرمائی ہے ان لوگوں پر جو مشرکین کے درمیان زندگی بسر کرتے ہیں جبکہ وہ ہجرت پر قادر تھے، اور یہاں انہیں دین کے احکام پر عمل پیرا ہونا بھی دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور حرام کا ارتکاب کرنے والے ہیں اور اس پر اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ ظَالِمِیْۤ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ قَالُوْۤا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ؕ فَاُولٰٓىٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا ﴿۹۷﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلَةً وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ سَبِیْلًا ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓىٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۹۹﴾ وَ مَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّ سَعَةً ؕ وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ یُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۰﴾

(نساء ۹۷-۱۰۰)

"بے شک وہ لوگ کہ قبض کیا ان کی روحوں کو فرشتوں نے اس حال میں کہ وہ ظلم توڑ رہے تھے اپنی جانوں پر۔ فرشتوں نے انہیں کہا تم کس شغل میں تھے (معذرت کرتے ہو) انہوں نے کہا ہم تو بے بس تھے زمین میں، فرشتوں نے کہا کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تا کہ تم ہجرت کرتے اس میں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جہنم بہت بڑی پلٹ کر آنے کی جگہ ہے مگر واقعی کمزور و بے بس مرد اور عورتیں اور بچے جو نہیں کر سکتے تھے ہجرت کی کوئی تدبیر اور نہیں جانتے تھے وہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ۔ تو یہ لوگ ہیں جن کے بارے امید کی جا سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ درگزر فرمائے گا ان سے اور اللہ تعالیٰ درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے اور جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں پناہ کے لئے بہت جگہ اور کشادہ روزی اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھر آلے اس کو (راہ میں) موت تو ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے کمزور و بے بس لوگوں کی استثناء فرمائی ہے اسی وجہ سے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ان کیلئے قنوت فجر میں ان کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے۔

۳۷۷-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کی قرأت، تکبیر، تحمید سے فارغ ہوتے تو کھڑے ہو کر کہتے اے اللہ الولید بن الولید سلمہ بن ہشام و عشاش بن ربیعہ اور جو مومنوں میں سے کمزور و بے بس ہیں انہیں نجات عطا فرما، اور مصر پر سختی فرما اور ان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کا قحط نازل فرما۔ متفق علیہ واللفظ لمسلم

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے کمزور و بے بس لوگوں کے لئے دعا فرما کر ان کی استثناء کر دی جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کی استثناء کی تھی۔ واللہ اعلم۔

ضروری ہے کہ ہجرت خالصۃ اللہ کے لئے ہو کسی دنیوی یا عارضی غرض کے لئے نہیں ہونی چاہئے، جیسا کہ ام قیس کے لئے ہجرت کرنے والے کی ہجرت تھی۔

۳۷۸-حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے، ہر شخص کے لئے وہی ہے جو اس نے نیت کی، بس جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے پس اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کے حصول کے لئے ہے یا عورت سے نکاح کی غرض کے لئے ہو، اس کی ہجرت اس چیز کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔ (متفق علیہ)

اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی ہجرت خالصۃً اللہ تعالیٰ کے لئے تھی، اس کے متعلق نصوص بکثرت وارد ہیں اور ان کی زندگیاں اس بات کی شاہد عادل ہیں اور حضرت ام قیس کے لئے ہجرت کرنے والے کی ہجرت حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں تھی بلکہ ام قیس سے نکاح کی غرض سے تھی کیونکہ اس نے ام قیس سے نکاح کا ارادہ کیا تو ام قیس نے کہا ہجرت کرو تو میں تجھ سے نکاح کروں گی تو انہوں نے اسی غرض سے ہجرت کی۔ اسی بناء پر حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہجرت کی، اس کی ہجرت اسی غرض کی خاطر ہے۔

۳۷۹-حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی پس ہمارا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ثابت ہے اور ہم میں سے جو چلے گئے ان کے اجر سے کچھ کم نہ ہوگا، ان میں سے ایک مصعب بن عمیر ہیں۔

ان کی ہجرت کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ثابت ہے جیسا کہ مسلم کی حدیث اور مذکورہ حدیث میں گزرا ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس کا وعدہ فرمایا ہے کہ ان کا اجر اللہ تعالیٰ پر ثابت ہے۔

۳۸۰-حضرت مجاشع بن مسعود السلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں اپنے بھائی ابو معبد کے ہمراہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ اس سے ہجرت پر بیعت لیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہجرت کا وقت تو ہجرت کرنے والوں کے

ساتھ گزر چکا ہے میں نے عرض کی اب تم کس چیز پر بیعت لیتے ہو۔ فرمایا اسلام، جہاد اور بھلائی پر۔ متفق علیہ

جس اجر کو اللہ تعالیٰ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کرنے والوں کے لئے بیان کیا ہے اس کے علاوہ بھی کثرت سے ان پر نوازشات کا وعدہ کیا گیا ہے۔ مثلاً مغفرت و رحمت، تکفیر سیات، دنیا میں عمدہ ٹھکانا، آخرت میں بہتر اجر، آخرت میں رزق حسن، اللہ تعالیٰ کی کفالت وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (البقرہ:۲۱۸)

"بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کیا یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔"

ارشاد فرمایا:

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ ۖ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِندِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران:۱۹۵)

"تو وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے اپنے وطن سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور دین (کے لئے) لڑے اور مارے گئے تو ضرور میں مٹادوں گا ان (کے نامہ اعمال) سے ان کے گناہ اور ضرور داخل کروں گا انہیں باغوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں (یہ) جزاء ہے (ان کے اعمال حسنہ کی) اللہ کے ہاں اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔"

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا۔

وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا (نساء:۱۰۰)

"جو شخص ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں پائے گا زمین میں پناہ کے لئے بہت جگہ اور کشادہ روزی اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف پھر لے آئے اس کو (راہ میں) موت تو ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ کے ذمہ اور اللہ تعالیٰ

غفور ورحیم ہے۔"

درجگہ ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ (انفال: ۷۴، ۷۵)

"اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خدا میں اور جنہوں نے پناہ دی اور ان کی امداد کی وہی خوش نصیب لوگ سچے ایماندار ہیں انہیں کے لئے بخشش ہے اور باعزت روزی اور جو لوگ ایمان لائے بعد میں اور ہجرت بھی کی اور جہاد بھی کیا تمہارے ساتھ مل کر تو وہ بھی تمہیں میں سے ہیں۔"

ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ (النحل: ۴۱)

"وہ جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا تو یقیناً ہم انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے کاش یہ جان لیتے۔"

ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النحل: ۱۱۰)

"پھر بے شک آپ کے پروردگار کا معاملہ ان کے ساتھ جنہوں نے ہجرت کی بڑی آزمائشوں سے گزرنے کے بعد پھر جہاد بھی کیا اور مصائب میں صبر سے کام لیا بے شک آپ کا رب ان آزمائشوں کے بعد ان کے لئے بڑا بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔"

ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ (حج: ۵۸-۵۹)

"اور جن لوگوں نے ہجرت کی راہ خدا میں پھر وہی (جہاد میں) قتل کر دیئے گئے یا طبعی طور پر فوت ہوئے تو ضرور عطا فرمائے گا انہیں اللہ تعالیٰ بہترین رزق اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہے

جو سب سے بہتر روزی دینے والا ہے وہ ضرور داخل کرے گا انہیں ایسی جگہ جیسے وہ پسند کریں گے اور یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا مہربان ہے۔"

مہاجرین کا اتنے بڑے اجر اور اتنی بے پایاں نوازشات کا مستحق ہونا فقط اس لئے تھا کہ انہوں نے جان و مال کے ایسے نذرانے پیش کیے جن پر فرشتے بھی انگشت بدنداں ہیں۔

۳۸۱- حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے، ہجرت کا معاملہ بڑا مشکل ہے، کیا تیرے پاس اونٹ ہیں۔ عرض کی۔ ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تو ان کی زکوٰۃ دیتا ہے اس نے عرض کی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندروں کے پار اپنا کام کر و اللہ تعالیٰ تیرے عمل میں سے کچھ کم نہ فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ ہجرت کا معاملہ سخت ہے" علماء فرماتے ہیں یہاں ہجرت سے مراد وہ ہجرت ہے، جس کا اعرابی نے سوال کیا تھا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اپنے اہل، وطن سب کچھ چھوڑ کر مدینہ طیبہ میں رہنا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندیشہ ہوا کہ یہ اس کے حقوق صحیح طور پر ادا نہیں کر سکے گا اور واپس لوٹ جائے گا تو اس اندیشہ کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا کہ اس ہجرت کا معاملہ سخت ہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے وطن میں جہاں تیری رہائش ہے وہاں نیکی کے کام کر یہی تجھے نفع دے گا اور اللہ تعالیٰ تیرے اجر میں سے کچھ کم نہیں فرمائے گا۔ (نووی)

گویا کہ یہ اعرابی کا سوال فتح مکہ کے بعد تھا کیونکہ اس سے پہلے ہجرت فرض عین تھی پھر منسوخ ہوگئی جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۳۸۲- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا۔ فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے لیکن جہاد اور نیت باقی ہے اور جب تمہیں جہاد کے لئے بلایا جائے تو نکل پڑو۔

اس کے متعلق بھی نصوص بکثرت وارد ہیں فتح کے بعد ہجرت کا ختم ہونا اس لئے تھا کہ مکہ اسلام کا شہر بن چکا تھا۔ پہلے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتے تھے تا کہ ان کا دین بچ جائے اور کہیں انہیں کسی آزمائش میں مبتلا نہ کیا جائے، جب مکہ فتح ہوگیا تو لوگ مامون و محفوظ ہوگئے اور اسلام کا نقارہ ہر طرف پھیل گیا اور مومن جہاں چاہتا اپنے پروردگار کی بارگاہ میں اپنی عرض و نیاز اور عبادت کر سکتا تھا۔

۳۸۳- حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عبید بن عمیر اللیثی کی معیت میں زیارت کی تو ہم نے ان سے ہجرت کے متعلق پوچھا تو فرمایا آج کوئی ہجرت نہیں ہے، پہلے مومن اپنے دین کو بچانے کی خاطر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ

علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتا تھا تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے آزمائش میں ڈالا جائے۔ مگر آج اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا ہے، مومن جہاں چاہے اپنے رب کے سامنے اظہار عبودیت کر سکتا ہے، لیکن جہاد اور نیت باقی ہے۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد کہ آج ہجرت نہیں ہے، اس کا مطلب ہے کہ ان کے زمانہ میں ہجرت کا عمل نہیں ہے کیونکہ فتح مکہ کے بعد مکہ سے ہجرت ختم ہوگئی تھی لیکن دوسرے شہر سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک جاری رہا یہ مفہوم اس لئے بیان کیا ہے تا کہ تمام نصوص کو جمع کرنا ممکن ہو۔

۳۸۴- حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ہجرت نہیں ہے۔

اس حدیث کو نسائی اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور یہ حدیث حسن ہے۔ بخاری کے ہاں ابن عمر کی حدیث اس کی شاہد ہے۔

۳۸۵- حضرت مجاہد سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا............ تو آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے۔ (بخاری)

یہ تمام نصوص جن میں ہے کہ "لا هجرة بعد الفتح" فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے، صحیح ہیں اور کثیر التعداد صحابہ سے مروی ہیں، مثلاً ابن عمر، ابن عباس، مجاشع اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم یہ تمام احادیث بخاری مسلم میں ہیں لیکن یہ ان احادیث کے متعارض ہیں جن میں ہے کہ ہجرت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کفار سے قتال باقی ہے۔

۳۸۶- حضرت عبداللہ بن الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی معیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو صحابہ کرام نے کہا تو ہمارے اونٹوں کی حفاظت کر اور تو بعد میں حاضری دینا، کیونکہ آپ تمام سے عمر میں چھوٹے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کرام کی حاجات پوری فرما دیں تو پھر لوگوں نے انہیں کہا اب تم بارگاہ رسالت میں حاضری دے آؤ، جب آپ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارا کیا کام ہے، انہوں نے کہا میری حاجت تو آپ نے بیان کر دی ہے کیا ہجرت ختم ہوگئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیری حاجت ان کی حاجات سے بہتر ہے ہجرت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک دشمنوں سے جنگ ہوتی رہے گی۔

اس حدیث کو امام احمد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

۳۸۷- اسی طرح کی حدیث حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے فرماتے ہیں میں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہجرت ختم نہ ہوگی حتیٰ کہ توبہ کا دروازہ بند ہو جائے اور توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔

اس حدیث کو احمد، ابوداؤد، النسائی، الدارمی، الطبرانی نے روایت کیا ہے اور امام احمد کے رجال ثقہ ہیں۔

امام احمد اور الطبرانی نے الاوسط میں عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن عمر سے بھی روایت کی ہے۔

علماء نے ان احادیث کے درمیان یوں تطبیق دی ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنہ میں لکھا ہے کہ ان احادیث کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں ہجرت مندوب تھی فرض عین نہ تھی اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے، ''وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِیْرًا وَّسَعَةً'' (نساء:۱۰۰) (جو اللہ کے راستہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین زیادہ پناہ اور کشادہ روزی پائے گا) پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما گئے تو مسلمانوں کو آپ کی بارگاہ میں پہنچنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معاونت کریں اور یہ ظاہر کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ایک جماعت ہے اور دوسرا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دین کے متعلق آگاہی حاصل کریں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہجرت نہ کرنے والوں سے تعلقات ختم کرنے کا حکم فرمایا ارشاد فرمایا: ''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰى یُهَاجِرُوْا'' (انفال:۷۲) اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تو تمہارے لئے ان کی وراثت میں سے کچھ حصہ نہیں حتیٰ کہ وہ ہجرت کر کے آجائیں۔

پھر جب مکہ فتح ہو گیا تو ہجرت کا حکم پھر استحباب کی طرف لوٹ آیا ''**لا هجرة بعد الفتح**'' کا یہی معنی و مفہوم ہے۔ (فتح کے بعد ہجرت نہیں)

امام الخطابی۔ امام بغوی کی کلام نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ہجرت کی دو قسمیں تھیں جو ہجرت ختم ہو گئی وہ فرض تھی اور جو ہجرت باقی ہے وہ مستحب ہے۔

القاضی ابوبکر بن العربی نے اپنی کتاب احکام القرآن میں ہجرت کی چھ اقسام ذکر کی ہیں۔

(۱) دارالحرب سے دارالسلام کی طرف ہجرت کرنا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری میں فرض عین تھی اور یہ ہجرت قیامت تک فرض ہو کر باقی ہے اور جو ہجرت ختم ہو گئی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قصد سے جانا (تا کہ دین کی تعلیم حاصل کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جمعیت میں اضافہ کا باعث بنے) پس جو دارالحرب میں مسلمان ہو اس پر دارالسلام کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، جو نہ نکلے گا وہ نافرمان ہوگا پھر امام ابوبکر بن عربی نے دوسری پانچ اقسام لکھی ہیں۔ (۱) اہل بدعت کی زمین سے خروج۔ (۲) ایسی

زمین سے خروج جہاں حرام کو غلبہ ہو۔ ایسی جگہ سے خروج جہاں جسم کو اذیت ہو ایسے شہر سے خروج جہاں وبائی امراض ہوں سوائے طاعون کے، ایسی جگہ سے خروج جہاں مال کا نقصان ہو۔

عارضۃ الاحوذی میں فرماتے ہیں ہم نے الصحیح اور التفسیر کی شرح میں ہجرت کی اقسام بیان کردی ہیں اوران میں سے اصل چھ اقسام ہیں۔

(۱) دین اور نفس پر خوف کی وجہ سے ہجرت، جیسا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت تھی یہ ان پر فرض تھی کیونکہ ایمان اس ہجرت کے بغیر مکمل ہی نہ تھا۔

(۲) جس شہر میں حضور نبی رحمت ﷺ تشریف فرما ہوں، وہاں آپ کی طرف ہجرت کرنا، جس نے آپ ﷺ کی طرف ہجرت کا قصد کیا تھا آپ ﷺ نے اس سے ہجرت پر اور دوسرے سے اسلام پر بیعت لی۔ یہ دونوں ہجرتیں فتح مکہ کے ساتھ ختم ہوگئیں ہیں کفر کی زمین سے ہجرت قیامت تک باقی ہے، اسی طرح حرام اور باطل کا جہاں غلبہ ہو وہاں سے بھی ہجرت ضروری ہے۔

العارضہ میں قسم اول کا اضافہ کیا ہے۔

علامہ موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے دارالکفر سے ہجرت کو مطلقاً لکھا ہے مگر تقیید ضروری ہے۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان احادیث کو ایک دوسرے طریقہ پر جمع کیا ہے فرماتے ہیں "**لا ھجرۃ بعد الفتح**" کا مطلب ہے کہ مکہ سے مدینہ کی طرف کوئی ہجرت نہیں ہے اور "**لا تنقطع الھجرۃ**" (یعنی ہجرۃ ختم نہیں ہوئی) کا مطلب یہ ہے کہ جو دارالکفر میں مسلمان ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس ملک کو چھوڑ کر دارالاسلام میں آجائے کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میں اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان زندگی بسر کرے۔ عرض کی گئی یارسول اللہ آپ کیوں اس سے بیزار ہیں فرمایا تاکہ مشرکین سے مشابہت نہ اختیار کرے۔

الحافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کفر کے شہر سے ہجرت کرنے والوں کی اقسام کے بیان میں لکھتے ہیں۔ دارالکفر سے ہجرت کا حکم مقید ہے، اس شہر سے ہجرت واجب نہیں جسے مسلمانوں نے فتح کیا ہو، مگر فتح سے پہلے جو شخص کفر کے شہر میں ہو اس کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) اس شہر سے وہ ہجرت کرنے پر قادر ہو اور اسے اپنے دین کا اظہار کرنا بھی ممکن نہ ہو، اور اپنے دینی فرائض وواجبات کی ادائیگی بھی نہ کرسکتا ہو تو اس شہر سے اسکے لئے ہجرت کرنا واجب ہے۔

(۲) اس شخص کے لئے اپنے دین کا اظہار ممکن ہو اور اپنے فرائض وواجبات کی ادائیگی بھی کرسکتا ہو تو اس کے لئے اس شہر سے ہجرت کرنا مستحب ہے، مومنین کی کثرت کے لئے ان کی مدد کے لئے کفار سے جہاد کے لئے اور کفار کے دھوکا سے بچنے کے لئے اور کفار کے درمیان غیر شرعی امود کے دیکھنے سے بچنے کی خاطر ہجرت کرنا مستحب ہے۔

(۳) وہ شخص جو کسی عذر کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکتا ہو مثلاً وہ قیدی ہو، مریض ہو یا کوئی اور معقول وجہ ہو جس کی وجہ سے اس کے لئے ہجرت کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے لئے اس شہر کے اندر مقیم ہونا جائز ہے۔ مگر وہ اپنے نفس پر مشقت برداشت کر کے اس شہر کو چھوڑ آئے تو اسے اجر ملے گا۔

مسلمان پر ہجرت کے وجوب کی دو حکمتیں ہیں۔

(۱) ابتداء میں مسلمانوں کی تعداد مدینہ طیبہ میں انتہائی کم تھی اور ضرورت اجتماع کی تھی جب مکہ فتح ہو گیا اور لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج جمع ہو گئے تو یہ فرض ساقط ہو گیا۔ یہ حکمت علامہ الخطابی نے ذکر کی ہے۔

(۲) دوسری حکمت یہ ہے کہ ہجرت کرنے والا کفار کی اذیتوں سے محفوظ ہو جائے، کیونکہ وہ مسلمانوں کو انتہائی تکالیف پہنچاتے تھے تاکہ وہ اپنے دین سے برگشتہ ہو جائیں۔ یہ حکم ہر اس شخص کے لئے باقی ہے جو دار الکفر میں مسلمان ہو اور وہاں سے نکلنے کی قدرت بھی رکھتا ہو۔

یہ حکمت الحافظ ابن حجر نے بیان کی ہے۔

پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے فتح مکہ کے بعد مکہ سے مدینہ طیبہ کی طرف یا مکہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت ختم ہو چکی ہے مگر اس شخص کے لئے دار الکفر سے دار السلام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم باقی ہے جو دار الکفر میں مسلمان ہو اور شعائر دینیہ کو قائم نہ کر سکتا ہو اور وہاں سے خروج کی طاقت بھی رکھتا ہو۔

فتح مکہ کے بعد مہاجرین صحابہ کرام مکہ کرمہ میں وفات پانا پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان کی پسند یہ تھی کہ وہ مدینہ طیبہ میں وفات پائیں چونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی مکہ اور اس کے مال و متاع کو چھوڑ آئے تھے اس لئے وہ مکہ میں وفات کو پسند نہیں کرتے تھے تاکہ ان کی ہجرت ختم نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث گزر چکی ہے جس میں تھا کہ نبی کریم ﷺ جب مکہ میں داخل ہوتے تو یہ دعا کرتے اے اللہ ہماری اموات مکہ میں نہ کرنا یہاں تک کہ تو ہمیں مکہ سے باہر لے جائے۔

اس حدیث کو احمد، البزار نے روایت کیا ہے محمد ربیعہ جو ثقہ ہیں ان کے علاوہ امام احمد کے رجال صحیح کے رجال ہیں۔

۳۸۸- حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں حضرت سعد مکہ مکرمہ میں بیمار ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی کی تیمارداری کے لئے تشریف لائے، حضرت سعد نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ ناپسند نہیں فرماتے کہ ایک شخص ایسی جگہ وفات پائے جہاں سے وہ ہجرت کر گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں۔ شاید اللہ تبارک وتعالیٰ تیرا مرتبہ بلند

فرمائے گا اور تیری وجہ سے کئی لوگوں کو تکلیف ہوگی اور کئی دوسرے لوگ تجھ سے نفع اٹھائیں گے۔

اس حدیث کو البزار اور الطبرانی نے روایت کیا ہے البزار کے رجال صحیح کے رجال ہیں سوائے محمد بن عمر بن مصباح کے۔ وہ بھی ثقہ ہیں۔

۳۸۹- شیخین نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی حدیث روایت کی ہے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ ان کی موت اس جگہ آئے جہاں سے وہ ہجرت کر چکے تھے۔ ایک روایت میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کی بیمار پرسی کے لئے مکہ میں تشریف لائے تو وہ رونے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تم کیوں رو رہے ہو، عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے خدشہ ہے کہ میں اس زمین میں مر جاؤں گا جہاں سے میں نے ہجرت کی تھی جیسا کہ سعد بن خولہ کا وصال ہوا تھا۔

۳۹۰- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر میری اس درد کی وجہ سے عیادت فرمائی جس میں موت کے قریب پہنچ چکا تھا...... الحدیث۔ اس حدیث میں ہے، فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں اپنے ساتھیوں کے بعد پیچھے رہ جاؤں گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ان سے پیچھے نہیں رہے گا تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل کرتا ہے تو تیرا مرتبہ بلند ہوتا ہے، شاید تو پیچھے رہے گا یہاں تک کہ کچھ لوگ تجھ سے نفع پائیں گے اور کچھ لوگوں کو تجھ سے تکلیف پہنچے گی۔ اے اللہ میرے اصحاب کی ہجرت مکمل فرما اور انہیں واپس نہ پلٹا، لیکن سعد بن خولہ فقیر! راوی فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ کے مکہ میں وفات پانے کی وجہ سے اظہار افسوس فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ تو پیچھے نہیں رہے گا اور تو زندہ رہے گا حتیٰ کہ ایک قوم تجھ سے نفع پائے گی...... یہ ارشاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ حضرت سعد اس مرض سے ہرگز فوت نہ ہوں گے ان کی عمر لمبی ہوگی اور لوگ ان سے نفع پائیں گے۔ یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق عراق کی فتح حضرت سعد کی قیادت میں ہوئی کئی لوگ ان کی وجہ سے مشرف باسلام ہوئے اور کئی لوگوں کو ان کی وجہ سے نقصان پہنچا۔ مثلاً جن کو انہوں نے کفر کی وجہ سے ہلاک کیا اور ان کے مقابلہ میں حق کا علم بلند کیا اور حق کو ان میں نافذ فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ اے اللہ میرے صحابہ کی ہجرت مکمل فرما۔ یعنی اے مالک الملک میرے صحابہ کی ہجرت کو مکمل فرما اور انہیں ایسے حالات سے دوچار نہ فرما کہ یہ اپنی ہجرت ترک کر بیٹھیں۔

رثی لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن خولہ کے لئے اظہار افسوس فرمایا) یہ جملہ حضرت زہری کا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں ہے، یہ جملہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے جس کلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے حضرت سعد بن خولہ پر اظہار افسوس فرمایا تھا۔

یہ مفہوم الطیالسی کی روایت میں بالکل واضح ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین کی ہجرت کی تکمیل کے بہت زیادہ حریص تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مکہ میں تین دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

۳۹۱۔ حضرت العلاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہاجر مناسک حج وعمرہ ادا کرنے کے بعد مکہ میں تین دن ٹھہرتا ہے۔

ایک روایت میں یہ زیادتی ہے کہ گویا آپ فرماتے کہ تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے۔ متفق علیہ

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت کرنے والے پر مکہ میں ٹھہرنا حرام تھا لیکن جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے جائے اس کے لئے مناسک ادا کرنے کے بعد تین دن مکہ میں ٹھہرنا مباح ہے۔ اس سے زیادہ نہ ٹھہرے۔ اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن خولہ پر اظہار افسوس فرماتے تھے کیونکہ ان کی وفات مکہ میں ہوگئی تھی، یہی جمہور کا قول ہے۔

اس حدیث سے استنباط کیا گیا ہے کہ تین دن ٹھہرنا مسافر کے حکم سے خارج نہیں کرتا۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ سے پہلے مکہ والوں پر ہجرت کرنا واجب تھا اور مدینہ طیبہ میں رہائش رکھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اظہار ہمدردی کے لئے واجب تھا اور جو ہجرت کرنے والے نہیں ہیں ان کے لئے جائز ہے جہاں چاہیں سکونت اختیار کریں خواہ مکہ میں یا کسی دوسرے شہر میں، جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔

اس سے مدینہ طیبہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ مہاجرین پر مدینہ طیبہ کی سکونت فرض تھی، یہ اس وقت کا حکم ہے جب کہ ابھی مکہ فتح نہیں ہوا تھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقید حیات ظاہری تھے اور مہاجرین کے لئے فتح مکہ کے بعد مکہ کو وطن بنانا یا وہاں مستقل سکونت اختیار کرنے کے لئے مکہ واپس جانا جائز نہیں تھا پس مہاجرین وانصار تمام مدینہ طیبہ کے رہائشی بن گئے۔ اللہ تعالیٰ درود وسلام بھیجے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر زیادہ سے زیادہ۔

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے اپنی تکمیل کو پہنچی یعنی فضائل مدینہ نبویہ منورہ کی پہلی جلد اور ان شاء اللہ تعالیٰ دوسرے جلد اس کے بعد ہوگی جس کا پہلا باب مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات کا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ بے کس پناہ میں التجاء کرتا ہوں کہ اسے شرف قبولیت عطا فرمائے اور نیت وذریت کی اصلاح فرمائے اور اس کتاب کا ثواب میرے لئے اپنی رضا، اور جنت کے اعلیٰ مقام میں اپنے نبی، اپنے حبیب، اپنے خلیل اپنے صفی صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو بنائے۔ بے شک وہ ذات اپنے فضل وکرم سے اس اجر کے عطا کرنے پر قادر ہے اور مجھ پر کسی دشمن اور حاسد کو خوش نہ فرمائے میرے عیوب کا پردہ

چاک نہ فرمائے اور ہمیں بات میں سچائی اور عمل میں اخلاص عطا فرمائے اور مغفرت فرمائے۔ میرے والدین کی اور میرے والدین کے والدین کی، میرے اساتذہ کی، میری رفیقہ حیات کی اور ہر اس شخص کی جس کا مجھ پر حق ہے اور بقیہ عمر میں میری خود حفاظت فرمائے اور اس میں میرے لئے برکت عطا فرمائے اور اولاد، اہل، بیوی اور دوستوں کے معاملہ میں میری حفاظت فرمائے اور ہم تمام کو اپنی رحمت کے سائے میں جمع فرمائے۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اے اللہ قبول فرما۔

اللہ تعالیٰ درود وسلام بھیجے ہمارے آقا و مولا محمد پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے اصحاب پر تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو مرتبہ کمال تک پہنچانے والا ہے۔

اختتام ترجمہ ۲۹ اپریل ۱۹۹۸ء بروز بدھ بوقت ۱۰-۵ بمطابق ۲ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

فضائل مدینہ

جلد دوم

تصنیف

الدکتور ابو ابراہیم ملّا خاطر

زیر نگرانی

ادارہ ضیاء المصنفین

بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ــــ کراچی ــــ پاکستان

فہرست جلد دوم

مہاجرین اور انصار میں مؤاخات	277
مدینہ طیبہ کی طرف سامان لانے والا اور اس میں ذخیرہ اندوزی کرنے والا	284
مدینہ طیبہ میں فتنوں کا وقوع اور ان سے عدم سلامتی	286
مسلمانوں کا اس میں محاصرہ	288
وہ لشکر جو مدینہ پر حملہ آور ہوگا اس کے دھنسا دینے کی بات	289
مکہ مکرمہ کی فتح مدینہ طیبہ والوں سے	293
مدینہ طیبہ میں حدود کو قائم کرنا	318
نبی کریم ﷺ کی بارگاہ اقدس میں درود و سلام پیش کرنے والے کا ثواب	327
مدینہ طیبہ کی مساجد اور جو فضائل انہیں حاصل ہیں	346
مسجد نبوی کی تعمیر اور اس کی تعمیر جو عظمتیں نمایاں ہوئیں	347
نبی کریم ﷺ کا ابوایوب انصاری کے گھر جلوہ فرما ہونا	349
اللہ تعالیٰ کا مسجد کی جگہ کو پسند کرنا۔ نبی کریم ﷺ کا مسجد کی زمین کو خریدنا	350
مسجد کیسے بنائی گئی	352
مسجد کی چھت کو کھجور کی شاخوں سے بنانا	354
پہلی مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف اور پھر کعبہ کی طرف پھیرنا	355
خیبر کے بعد مسجد کی وسعت	357
جبرائیل امین کا قبلہ کی تعین کرنا	360
مسجد بناتے وقت نبی کریم ﷺ کے بعد ہونے والے خلفاء کی طرف اشارہ	363
مسجد کے دروازے	375
بڑے یا عام دروازے	380
باب النبی ﷺ	383
اہل صفہ کی جگہ	384

مدینہ طیبہ کی مسجد جو پہلے روز سے ہی تقویٰ پر بنائی گئی 389
مسجد نبوی انبیاء کی مساجد میں سے آخری ہے 391
مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والے کے لیے اجر میں کئی گنا اضافہ 393
اس آدمی کا ثواب، جس نے لگاتار اس میں چالیس نمازیں پڑھیں 405
اس کی فضیلت جو اس میں معلم و متعلم بن کر آیا 408
اس آدمی کی فضیلت اور اس کے لیے ثواب جو اپنے گھر سے اس کے لیے نکلتا ہے 409
اس مسجد میں آواز بلند نہ کرنے کا حکم 411
جو سفر سے واپس آئے وہ مسجد میں نماز پڑھنے سے قیام شروع کرے 415
مسجد نبوی کی زیارت کے علاوہ اور مساجد کی طرف سفر کرنے میں اختلاف 422
روضہ شریف 428
مسجد کے بعض حصے بعض سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں 432
روضہ کا خصوصی ذکر۔ آپ ﷺ کے ارشاد بَیْتِی کا کیا مفہوم ہے 433
حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد میں رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ کا کیا معنی ہے 434
شمال سے جنوب تک باغیچہ کی حدود 436
روضہ شریف کی وسعت 437
مصلّٰی سے کیا مراد ہے۔ منبر شریف کے فضائل 438
منبر شریف کا بنانا 439
منبر شریف کی تعریف 440
پہلی دفعہ منبر رکھنے پر نبی کریم ﷺ کا اس پر نماز پڑھنا 443
منبر کا جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہونا 443
آپ ﷺ کے قول عَلٰی تَرَعَۃٍ مِّنْ تُرَعِ الْجَنَّۃِ کا معنی 445
منبر کے پائے جنت میں زینے ہوں گے 448
اس آدمی کی سزا جو منبر کے پاس جھوٹی قسم اٹھائے 449
تنے کا رونا 452
جمادات کی رسول اللہ ﷺ سے محبت 462

نبی کریم ﷺ کے معجزہ کی عظمت	463
نبی کریم ﷺ کا خشک تنے کے ساتھ معاملہ اس تنے کا انجام	464
آخرت میں اس جزع کا انجام	465
نبی کریم ﷺ کے نیچے منبر کا کانپنا	466
باغیچہ کے ستون	467
روضہ شریف کے ستون	468
اسطوانہ مصحف شریف۔تسبیح سے مراد نفل نماز ہے	470
اسطوانہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا	471
اسطوانہ توبہ	472
اس آدمی کے لئے ثواب جو گھر سے مدینہ کی مسجد کے ارادہ سے نکلتا ہے	474
مسجد نبوی کے وظائف	474
گندی چیزوں اور بدبو سے اس کو پاک رکھنا	477
مسجد نبوی میں نماز حج کے برابر ہے۔اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی نہی	482
مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنے سے نہی	485
مسجد میں خوشبو لگانا اور مسجد سے سنگریزوں کو دور کرنے میں کراہت	488
حجرہ نبویہ شریفہ	489
نبی کریم ﷺ کے بنائے گئے محراب میں عقلی رائے کو اہمیت نہ دی جائے گی	490
مسجد قباء کے فضائل	491
اس میں نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے	500
مدینہ طیبہ میں موجود دوسری مساجد کے کچھ فضائل	507
مسجد الفتح۔مسجد اجابہ	508
مسجد قبلتین	513

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مہاجرین اور انصار میں مواخات

مدینہ نبویہ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں مہاجرین و انصار کو آپس میں بھائی بھائی بنایا یہ عہد آپ کے اور مہاجرین کے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد ہوا اسی اخوت نے نسب کے رشتہ کی جگہ لی۔ ان میں باہمی وراثت کا سلسلہ بھی چلتا رہا یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

ہم نے ہر کسی کے وارث بنا دیئے ہیں اس چیز میں جو والدین، قریبی رشتہ دار اور موالی چھوڑ جائیں پس انہیں ان کا حق دو اللہ ہر چیز کا گواہ ہے۔ (سورۂ نساء ۳۳) اور ذی رحم بعض بعض سے بڑھ کر ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں۔ (سورۃ انفال ۷۵)

علماء کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ کیا پہلی آیت کا حکم منسوخ ہو گیا یا منسوخ نہیں ہوا۔

قول اول: یہ جمہور علماء کا نقطہ نظر ہے جس میں امام ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اجمعین شامل ہیں کہ آیت ثانیہ (اولوا الارحام) سے، پہلی آیت کا حکم منسوخ ہے۔

قول ثانی: یہ ائمہ احناف یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام زفر اور امام محمد رحمہم اللہ کا نقطہ نظر ہے کہ یہ حکم منسوخ نہیں یعنی جب قریبی رشتہ دار اور موالی نہ ہوں گے تو عقد مواخات میں میراث جاری ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذوالارحام کو زیادہ مستحق قرار دیا ہے جب یہ نہ ہوں گے تو پہلی آیت کے حکم پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جمہور علماء نے امام اعظم کے مسلک کے خلاف متعدد دلائل ذکر کیے ہیں یہاں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں، آپ کتب تفسیر و فقہ میں ان کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ یہ صرف اس معاہدہ کے ذکر کا محل ہے جو انصار و مہاجرین میں ہوا۔

۳۹۲- انس بن مالک راوی ہیں انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش اور انصار کے درمیان ان کے گھر میں عقد مواخات کرایا۔

یعنی حضرت انس کے گھر میں مہاجرین و انصار میں بھائی بننے کا معاہدہ کرایا یہی حضرت ابوطلحہ کا گھر تھا یہ معاہدہ ہجرت کے پہلے سال ہوا جس طرح بعد میں ذکر آئے گا۔

یہ روایت ظاہر مفہوم میں جبیر بن مطعم اور دوسرے راویوں کی روایات سے مختلف ہے۔

۳۹۳- جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ حضور کا ارشاد ہے اسلام میں کوئی حلف (معاہدہ) نہیں دور جاہلیت میں جو حلف (معاہدہ) تھا اسلام نے اس کی قوت میں اضافہ کر دیا۔
(رواہ مسلم)

۳۹۴- ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام میں کوئی حلف نہیں وہ حلف جو زمانہ جاہلیت میں تھا اسلام نے اس کی قوت میں اضافہ کر دیا۔

ابو یعلی اور احمد نے اختصار کے ساتھ اور طبری نے رجال صحیح کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔

انہیں الفاظ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت سے یہ روایت مروی ہے یہ حضرات قیس بن عاصم، ام سلمہ، ابن عمر، ابن عاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم ہیں میں کہتا ہوں ان میں کوئی تعارض نہیں یہ حلف مواخات ہی تھی ہجرت کے پہلے یہاں لوگ اس معاہدہ کی بناء پر ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے پھر اس کے بعد اس کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔

امام طبری رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ نے کہا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حلف کے ثابت کرنے پر جو استدلال کیا ہے وہ جبیر بن مطعم کی روایت کے مخالف نہیں کیونکہ حضرت انس کی روایت میں مروی مواخات ہجرت کے پہلے سال میں تھی جس کے باعث وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے پھر اس میراث کو منسوخ کر دیا گیا اس کا وہ حصہ جو قرآن نے باطل نہیں کیا وہ باقی رہا وہ حق پر ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہے اور ظالم کے ہاتھ کو روکنا ہے جس طرح حضرت عبداللہ بن عباس نے فرمایا مگر مدد، نصیحت، عطیہ اور وصیت میراث کا حکم ختم ہو گیا۔

ابن عیینہ رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ نے کہا ان کے درمیان معاہدہ کرایا یعنی انصار و مہاجرین کے درمیان آپ نے معاہدہ کرایا۔ زمانہ جاہلیت میں جو مفہوم حلف کا تھا وہی مفہوم اسلام میں مواخات کا ہے لیکن اسلام میں یہ اس کے احکام اور حدود کے اندر ہی جاری ہوگا اور زمانہ جاہلیت میں حلف اسی طرح جاری ہوگا جس طرح وہ اپنی رائے سے جاری کرتے تھے ان میں سے جو چیزیں خلاف اسلام ہوں گی وہ باطل ہو جائیں گی اور باقی اپنی حالت پر رہیں گی۔ (یہ فتح الباری میں ہے)

جو چیز مواخات کی وجہ سے باہمی وراثت کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی روایت ہے اس میں اس کی مکمل وضاحت ہے۔

۳۹۵- انہیں (ابن عباس) سے مروی ہے "وَ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ" کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے ہر کسی کے وارث بنا دیئے ہیں "والذین عاقدت ایمانکم" آپ نے فرمایا جب مہاجرین مدینہ طیبہ میں حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تو مہاجر انصاری کا نسبی قرابت کے بغیر محض اس عقد مواخات کی وجہ سے وارث بنا جو حضور نے ان کے درمیان قائم کی تھی۔ جب یہ آیت "وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

مَوَالِیَ'' نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا پھر فرمایا'' وَالَّذِیْنَ عَاقَدَتْ ایمانکم'' مگر باہمی مدد ہبہ اور وصیت باقی رہی میراث کا سلسلہ ختم ہوا وہ اپنے بھائی کے لئے وصیت کرسکتا ہے۔ (رواہ البخاری)
اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

ایسی نصوص جن میں مواخات کا ذکر ہے بہت زیادہ ہیں میں ان میں سے چند پر اختصار کروں گا۔

۳۹۶-انس بن مالک سے مروی ہے کہ حضور نے حضرت ابی عبیدہ بن جراح اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہما کو بھائی بھائی بنایا۔ (رواہ مسلم)

۳۹۷-حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے مروی ہے انہوں نے کہا جب ہم مدینہ طیبہ آئے حضور نے مجھے اور حضرت سعد بن ربیع کو بھائی بھائی بنایا حضرت سعد بن ربیع نے کہا میں انصار میں سے سب سے زیادہ مالدار ہوں میں اپنا نصف مال تیرے حوالے کرتا ہوں میری دو بیویوں سے جو تمہیں اچھی لگے میں اسے تیرے لئے طلاق دیتا ہوں جب وہ عورت تیرے لئے حلال ہو جائے اس سے شادی کر لینا حضرت عبدالرحمٰن نے ان سے کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں کیا یہاں کوئی بازار ہے؟ جس میں تجارت ہوتی ہو حضرت سعد بن ربیع نے کہا قینقاع کا بازار ہے اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

۳۹۸-حضرت انس بن مالک سے مروی ہے انہوں نے کہا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف مدینہ آئے۔ حضور نے انہیں اور حضرت سعد بن ربیع کو بھائی بھائی بنا دیا۔ حضرت سعد بڑے مالدار تھے انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن سے فرمایا میں اپنے مال کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہوں اور اپنی بیویوں میں سے ایک سے تمہاری شادی کرا دیتا ہوں حضرت عبدالرحمٰن نے کہا اللہ تعالیٰ تیرے مال اور اہل میں برکت پیدا فرمائے مجھے بازار کے بارے میں بتا دو پھر اسی طرح بیان کیا ہے۔ (بخاری شریف)

امام مسلم کے ہاں دو سندوں سے روایت کا آخری حصہ مروی ہے وہ ان کے نکاح و ولیمہ کا قصہ ہے۔

۳۹۹-حضرت ابی جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے حضرت سلمان اور حضرت ابو درداء کے درمیان عقد مواخات قائم کی۔ حضرت سلمان ابو درداء کو ملنے کے لئے گئے تو ام درداء کو خستہ حالت میں دیکھا حضرت سلمان نے کہا تو نے کیا حالت بنا رکھی ہے تو ام درداء نے جواب دیا تیرے بھائی ابو درداء کو دنیا سے کوئی غرض نہیں ابو درداء تشریف لائے انہوں نے آپ کے لئے کھانا بنایا۔ انہوں نے فرمایا کھاؤ کہا میں روزے سے ہوں۔

طویل حدیث ہے امام بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی نصوص موجود ہیں۔

اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ صحابہ میں مواخات دو دفعہ ہوئی ایک دفعہ صرف مہاجرین کے درمیان یہ مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی اور دوسری دفعہ مہاجرین و انصار کے درمیان جو مدینہ طیبہ میں ہوئی ہماری بحث میں مقصود دوسری مواخات ہے اس مواخات میں وہ ایک دوسرے کے وارث بنتے تھے۔

ان کی تعداد میں اختلاف ہے بعض نے کہا یہ نو افراد تھے اور بعض نے سو کا ذکر کیا ہے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اللہ کے حکم میں ذی رحم محرم بعض بعض سے زیادہ قریبی ہیں۔ (سورۃ انفال ۷۵)

اس معاہدہ کی وجہ سے جو باہمی وراثت کا سلسلہ جاری تھا وہ ختم ہوگیا حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت اس میں صریح ہے۔ حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی بہتر جانتی ہے تاہم اس میں حکمت یہ ہے جیسے سہیلی نے کہا جب مہاجر صحابہ مدینہ میں تشریف لے آئے تو حضور نے اس لئے یہ مواخات قائم کی تا کہ ان سے بے وطنی کی وحشت دور ہو اور اپنے اہل اور قبیلہ کے لوگوں سے دوری کی بناء پر جو اجنبیت محسوس کر رہے ہیں اسے انس میں بدل دیں اور ایک دوسرے کی قوت میں اضافہ کر دیں جب اسلام غالب آ گیا اور قبیلوں میں اجتماعیت کا شعور پیدا ہو گیا اور وحشت جاتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا۔

کہ اللہ کے حکم میں ذی رحم بعض بعض سے زیادہ قریبی ہیں یہاں مراد میراث میں قریبی ہیں پھر تمام مومنوں کو بھائی بھائی قرار دے دیا اور فرمایا مومن بھائی بھائی ہیں بعض باہم محبت کرنے اور دعوت میں شامل ہونے کے اعتبار سے۔

پہلی آیت اس مواخات کی وجہ سے قائم وراثت کو ختم کرنے والی ہے اور دوسری آیت ایمانی اخوت ثابت کرنے والی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

مہاجرین و انصار میں جاری ہونے والی مواخات کب ہوئی اس میں بھی اختلاف ہے ایک قول یہ ہے کہ ہجرت کے بعد پانچویں مہینے میں دوسرا قول ہجرت کے نویں مہینے میں (۳) جب مسجد بنا رہے تھے (۴) مسجد کی تعمیر سے پہلے (۵) ہجرت کے بعد واقعہ بدر سے پہلے جب ایک سال اور تین ماہ گزر چکے تھے (۶) یہ مسجد میں ہوئی تھی۔ واللہ اعلم۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار میں مواخات کرائی اور کہا جو بات ہمیں پہنچی میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس چیز سے کہ وہ بات کہوں جو آپ نے نہ کہی ہو۔

اللہ کے لئے بھائی بھائی بن جاؤ پھر حضرت علی بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے رسول اللہ صلی الہ علیہ وسلم جبکہ آپ سید المرسلین، امام المتقین اور رب العالمین کے رسول ہیں جن کا بندوں میں سے کوئی نظیر (مماثل) نہیں اور حضرت علی شیر خدا بھائی بھائی ہو گئے۔

حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ''جو اللہ اور اس کے رسول کے شیر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں'' اور حضرت زید بن حارثہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے بھائی بنے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب (ذوالجناحین دو پروں والے) اور جنت میں اڑنے والے اور حضرت معاذ بن جبل جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے بھائی بنے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت خارجہ بن زید بھائی

بھائی بنے۔

حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عتبان بن مالک بھائی بنے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ربیع بھائی بنے۔

حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سلامہ بن سلامہ جو بنی اشہل سے تعلق رکھتے تھے بھائی بنے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت زبیر اور حضرت عبداللہ بن مسعود جو بنی زہرہ کے حلیف تھے بھائی بنے۔

حضرت عثمان بن عفان اور حضرت اوس بن ثابت بن منذر جو بنی نجار سے تعلق رکھتے تھے بھائی بنے۔

حضرت طلحہ بن عبداللہ اور حضرت کعب بن مالک جو بنی سلمہ سے تعلق رکھتے تھے بھائی بنے حضرت سعد بن زید اور حضرت ابی بن کعب جو بنی نجار سے تعلق رکھتے تھے بھائی بنے۔

حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم اور حضرت ابوایوب خالد بن زید جو بنی نجار سے تعلق رکھتے تھے بھائی بنے۔

ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اور عمار بن بشر بن قرش جو بنی اشہل سے تعلق رکھتے تھے بھائی بنے۔

حضرت عمار بن یاسر جو بنی مخزوم کے حلیف تھے اور حضرت حذیفہ بن یمان جو بنی عبدعبس سے تعلق رکھتے تھے اور بنی عبدالاشہل کے حلیف تھے بھائی بنے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے حضرت ثابت بن قیس جو بلحارث بن خزرج کے بھائی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطیب تھے عمار بن یاسر کے بھائی بنے اور حضرت ابوذر "جن کا نام بریر بن جنادہ غفاری ہے" اور منذر بن عمرو جو بنی ساعدہ بن کعب بن خزرج سے تعلق رکھتے تھے بھائی بنے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ اور عویم بن ساعدہ جو بنی عمرو بن عوف سے تعلق رکھتے تھے بھائی بنے۔

سلمان فارسی اور ابوالدرداء جن کا نام عویمر بن ثعلبہ ہے بھائی بنے بلال جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن تھے اور ابورویحہ جن کا نام عبداللہ بن عبدالرحمٰن خثعمی ہے بھائی بنے۔

ابن اسحاق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا یہ وہ ہیں جن کے نام ہمارے سامنے آئے اور یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد مواخات کرائی تھی۔

بعض علماء نے ان میں سے بعض کے متعلق اعتراضات ذکر کئے ہیں اور اس کی وجہ ان کا مدینہ طیبہ میں دیر سے آنا ہے اور علماء نے ان کے اشکال کے جوابات بھی دیئے ہیں اخوت کی ابتداء تو ہجرت کی ابتداء میں ہوئی پھر حضور نے اس سلسلہ کو جاری رکھا اور جو بھی اس کے بعد آتا آپ اس کا بھائی بنا دیتے یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا یہ کوئی ضروری نہیں کہ معاہدہ ایک دفعہ ہی ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے معاہدہ کرانے کے بعد اس طرح مدینہ کے تمام لوگ بھائی بھائی، باہم محبت کرنے والے اور ایک دوسرے کے ساتھ عہد و پیمان میں منسلک ہو گئے۔ یہ مدینہ طیبہ (کے لئے) اور وہاں کے باسیوں کے لئے بہت بڑی فضیلت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ: شیخ ابن تیمیہ نے پہلی مواخات کا انکار کیا ہے جو مہاجرین کے درمیان ہوئی اور یہ گمان کیا ہے کہ یہ بے سروپا بات ہے اور اپنی کتاب منہاج السنہ میں شیعہ کا رد کرتے ہوئے کہا نمبر (۳) حضرت علی شیر خدا کے ساتھ بھائی بننے والی تمام روایات موضوع ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے بھی بھائی نہیں اور نہ آپ نے مہاجرین میں عقد مواخات کرایا تھا پھر کہا نمبر (۹) بعض لوگوں کا گمان ہے کہ مہاجرین کے درمیان مواخات ہوئی کیونکہ اس نے اس میں روایات ذکر کیں لیکن صحیح اور قطعی بات یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا اور جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے وہ سب باطل ہے یا تو اس نے جان بوجھ کر جھوٹ بولا یا اس نے اس میں غلطی کی، یہی وجہ ہے کہ اہل الصحیح (کتب صحاح) نے ان میں سے کچھ بھی ذکر نہیں کیا اور مجموعہ فتاوی میں بھی یہی کہا۔

ان کی اس گفتگو پر کئی مواخذے ہو سکتے ہیں۔

ان کا قول باطل مردود اور غیر صحیح ہے کیونکہ اس میں احادیث صحیحہ ہیں اور صحاح میں موجود ہیں جس طرح تم عنقریب دیکھو گے۔

ان کا یہ قول کہ صحیح اور قطعی بات یہی ہے کہ یہ مواخات نہیں ہوئی اور جو کچھ اس میں ذکر کیا گیا ہے وہ باطل ہے میں یہ کہتا ہوں کہ یہ شیخ کی طرف سے جلد بازی ہے بلکہ یہ امر واقع ہوا ہے اور جس کو انہوں نے قطعی قرار دیا ہے وہ مردود ہے اور اس ضمن میں جو کچھ روایت کیا گیا ہے وہ صحیح ہے۔ وہ باطل نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا شاید انہیں وہ یاد نہیں جو مسند احمد اور مختارہ میں ہے یا صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابو داؤد میں ہے اور یہ اس لئے بھی کیونکہ جب مواخات دو مہاجروں کے درمیان بھی متحقق ہو گئی تو ان کے قول کے رد کے لئے کافی ہے جبکہ اس ضمن میں اور بھی روایات ہیں۔

ان کا یہ قول کہ یہ روایات صریح جھوٹ بولنے والے کی ہیں یا اس کی ہیں جس نے غلطی کی میں اس کے بارے یہ کہتا ہوں کہ اس ضمن میں ثقہ اور قابل اعتماد لوگوں کی روایات ہیں جو نہ جھوٹے ہیں نہ ان کی روایات میں غلطی واقع ہوئی۔ پس ان پر تنقید نہیں کی جا سکتی۔

اور ان کا یہ کہنا کہ صحاح کے مصنفین نے انہیں روایات نہیں کیا یہ بھی شیخ کی طرف سے جلد بازی ہوئی ہے شاید جب وہ کتاب لکھ رہے تھے ان کو وہ روایات مستحضر نہ تھیں جو اس ضمن میں وارد ہوئیں اور رد کرتے ہوئے یہ زیبا نہیں ہوتا کہ ہم ثابت شدہ چیز کی نفی کر دیں جبکہ آپ کے سامنے وہ روایات آ چکی ہیں اور ان کا استیعاب نہیں کیا گیا۔

۴۰۰۔ حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ میں عمرہ

کیا تو اہل مکہ نے آپ کو مکہ آنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا یہاں تک کہ حضور نے ان سے تین دن تک قیام کرنے کا معاہدہ کیا پھر انہوں نے صلح حدیبیہ کا قصہ ذکر کیا اور اس کے آخر میں یہ بھی ہے۔ جب آپ مکہ میں داخل ہوئے اور مدت ختم ہو گئی اہل مکہ حضرت علی کے پاس آئے اور ان سے کہا اپنے صاحب سے کہو کہ اب یہاں سے چلے جائیں کیونکہ مدت گزر چکی ہے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوچ کیا تو حضرت حمزہ کی بیٹی یہ پکارتی ہوئی پیچھے پیچھے ہوئیں۔ یا عم (اے میرے چچا)، یا عم (اے میرے چچا) حضرت علی نے انہیں لے لیا۔ اس کا ہاتھ پکڑا اور حضرت فاطمہ سے فرمایا اپنی چچازاد بہن کو لے لو اور اسے اٹھا لو اب اس میں حضرت علی، حضرت زید اور حضرت جعفر نے جھگڑا کیا حضرت علی نے کہا سب سے پہلے میں نے اسے پکڑا تھا اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے حضرت جعفر نے کہا یہ میری چچازاد ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے حضرت زید نے کہا یہ میری بھتیجی ہے تو حضور نے اس کی خالہ کے حق میں فیصلہ کر دیا اور فرمایا خالہ ماں کے قائم مقام ہے اور حضرت علی سے فرمایا ''انت منی و انا منک'' (تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں) اور حضرت جعفر سے فرمایا تو صورت و سیرت میں میرے جیسا ہے اور حضرت زید سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور مولی ہے۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

۴۰۱- حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے جب ہم مکہ سے نکلے بنت حمزہ ہمارے پیچھے پیچھے آ گئیں اور وہ پکار رہی تھیں یا عم یا عم حضرت علی نے کہا میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ کے حوالے کر دیا میں نے ان سے کہا اپنی چچازاد بہن کو لے لو فرمایا جب ہم مدینہ طیبہ پہنچے تو اس بچی کے بارے میں میں، جعفر اور زید بن حارثہ نے جھگڑا کیا حضرت جعفر نے کہا یہ میری چچازاد ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے یعنی اسماء بنت عمیس حضرت زید نے کہا یہ میری بھتیجی ہے میں نے کہا میں نے اسے پکڑا تھا اور یہ میری چچازاد ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا اے جعفر تو صورت و سیرت میں میرے مشابہ ہے اور اے علی ''انت منی و انا منک'' اور اے زید تو ہمارا بھائی اور مولی ہے اور بچی اپنی خالہ کے پاس رہے گی کیونکہ خالہ بھی والدہ ہوتی ہے الحدیث۔ امام احمد، داؤد نے تین سندوں سے اور حاکم نے اسے روایت کیا اور مسلم کی شرائط پر اسے صحیح قرار دیا ذہبی اور بیہقی نے اس کی توثیق کی ابوداؤد کی سند دونوں کی شرط پر ہے سوائے ان کے اپنے شیخ کے جبکہ وہ ثقہ ہے ابن حبان اور ابن ابی شیبہ نے اس کا بعض ذکر کیا اسحاق بن راہویہ نے روایت کیا جیسے نصب الرایۃ میں ہے۔ ابن ملقن نے اسے بزاز کی طرف منسوب کیا ہے واللہ اعلم۔

۴۰۲- احمد اور ابو یعلی نے حضرت ابن عباس سے اسی کی مثل روایت کیا اور اس میں یہ الفاظ ہیں۔ زید نے کہا یہ میری بھتیجی ہے اور حضرت حمزہ حضرت زید کے بھائی تھے۔ حضور نے ان دونوں کو بھائی بھائی

بنایا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے فرمایا تو ہمارا اور اس کا مولی ہے اس سند میں حجاج بن ارطاط راوی ہے سچا ہے اور زیادہ تدلیس کرنے والا ہے لیکن اس روایت کی تصدیق پہلی روایات کر رہی ہیں جو حضرت براء اور حضرت علی نے روایت کی ہیں اس کی وجہ سے اس روایت کو بھی حضرت احمد شاکر نے صحیح قرار دیا ہے۔

۴۰۳- ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن عوام اور عبداللہ بن مسعود کے درمیان مواخات قائم کی جسے حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا اور ذہبی نے بھی اس کی توثیق کی حافظ نے اسے ابن عبدالبر کی طرف منسوب کیا اور کہا یہ اچھی سند ہے اور طبرانی نے اوسط اور صغیر میں اسے نقل کیا اور اوسط کے رجال ثقہ ہیں۔

میں نے جو ذکر کیا ہے وہ شیخ ابن تیمیہ کے رد کے لئے کافی ہے اور اس لئے کہ صرف دو صحابہ کے درمیان مواخات طرق صحیحہ سے ثابت ہے تو رد کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ زیادہ لوگوں کے درمیان مواخات ثابت ہے۔

اس لئے حافظ ابن حجر نے ابن تیمیہ کا رد کرتے ہوئے کہا یہ تو قیاس کے ذریعہ نص کا رد ہے اور مواخات کی حکمت سے ناواقفی ہے کیونکہ بعض مہاجرین بعض سے مال، قبیلہ اور قوت میں بڑھ کر تھے حضور نے اعلیٰ اور ادنی میں بھائی چارہ قائم کر دیا تا کہ ادنیٰ اعلیٰ کا ساتھی بن جائے اور اعلیٰ ادنی سے مدد لے۔

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت علی سے مواخات ظاہر ہوئی کیونکہ حضور ہی اعلان نبوت سے قبل حضرت علی کی پرورش کرتے تھے اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہا اسی طرح حمزہ اور زید بن حارثہ کی مواخات کیونکہ زید ان کے غلام تھے دونوں کی مواخات ثابت ہوئی اور یہ دونوں مہاجرین سے تھے پھر حضرت ابن عباس کی حدیث ذکر کی پھر کہا ضیاء نے مختارہ میں طبرانی کی معجمہ کبیر سے تخریج کی ہے اور ابن تیمیہ تصریح کرتے ہیں کہ مختارہ کی روایات مستدرک کی احادیث سے زیادہ صحیح اور قوی ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مدینہ طیبہ کی طرف سامان لانے والا اور اس میں ذخیرہ اندوزی کرنے والا

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاحیات مدینہ طیبہ میں رہائش اختیار کرنے کی ترغیب دی۔ وہاں ہی رہنے، اس کی مجاورت اختیار کرنے کی ترغیب دی پس لوگوں کی تعداد زیادہ ہونے لگی جب کہ وہاں بارشیں کم ہوتی ہیں جس کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا انشاءاللہ تعالیٰ۔

آپ نے مدینہ طیبہ اور وہاں کے مکینوں کے لئے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ زمین کی تمام برکات سے انہیں رزق عطا فرمائے جس کا میں نے پہلے باب میں ذکر کیا اس طرح آپ نے اس کی تکلیف پر صبر کرنے کی تلقین بھی فرمائی۔ یہ چیز زندگی میں تنگی اور سختی کے وجود کا تقاضا کرتی ہے اس لئے مدینہ طیبہ کی طرف غلہ لانے کی فضیلت بیان فرمائی اور جو اس میں ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اس کی سزا کا ذکر فرمایا ذخیرہ اندوزی

حرام ہے کیونکہ اس میں عام مسلمانوں خصوصاً فقراء ومساکین کو تکلیف ہوتی ہے اور مدینہ طیبہ کی اکثر آبادی ایسی ہی تھی اسی وجہ سے اس کی سختی پر صبر کرنے پر بھی برانگیختہ کیا۔ واللہ اعلم۔

۴۰۴۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلہ لانے والا مرزوق ہے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والا ملعون ہے۔ اسے ابن ماجہ، دارمی نے اور حاکم نے مختصراً روایت کیا ہے دونوں علی بن سالم بن ثوبان سے وہ علی بن زید بن جدعان سے روایت کرتے ہیں یہ دونوں ضعیف ہیں۔

امام بخاری ادب میں اور مسلم نے علی بن زید سے روایت کیا اور آئمہ نے اس کی حدیث کو حسن قرار دیا۔ ابن حبان نے علی بن سالم کو ثقات میں ذکر کیا ہے لیکن حدیث کے شواہد ہیں حاکم اور زبیر بن بکار نے یسع بن مغیرہ سے روایت کیا ہے سیوطی نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے اسے ضعیف قرار دیا اور یہ مرسل ہے۔

کثیر احادیث میں ذخیرہ اندوزی سے منع کرنے اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے کی سزا کا ذکر آیا ہے۔

۴۰۵۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جس نے مسلمانوں کی خوراک کو ذخیرہ کیا اللہ تعالیٰ جزام اور افلاس کو اس پر مسلط فرمادے گا۔ اسے احمد، ابن ماجہ عبد بن حمید نے روایت کیا بوصیری زوائد بن ماجہ میں کہتے ہیں اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی قابل اعتماد ہیں حافظ منذری نے کہا یہ سند عمدہ اور متصل ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔ امام بخاری نے اسے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے اور حافظ نے فتح میں اسے حسن قرار دیا۔

۴۰۶۔ معمر بن عبداللہ بن نضلہ عدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں صرف گناہ کار ہی ذخیرہ اندوزی کرتا ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

امام مسلم نے ہی آپ سے روایت کیا ہے جس نے ذخیرہ اندوزی کی پس وہ گناہگار ہے۔ لفظ خاطی مشکل ہے لغت عربیہ میں یہ مختلف معانی کے لئے آیا ہے۔

(۱) خطاء کے معنی میں جیسے جب کوئی غلط راہ کا انتخاب کرے جان بوجھ کر یا ارادہ کے بغیر۔

(۲) کبھی ایسے مفہوم میں جس میں گناہ نہ ہو اسی معنی میں رب العالمین کا ارشاد ہے کہ مومن کو زیبا نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر خطاء۔ (سورۃ النساء: ۹۲)

(۳) اس نے دین میں غلطی کی یعنی گناہ گار ہوا۔ (سورۃ الاسراء: ۳۱)

اس آیت میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ان کا قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور اسی سے لفظ خطیۂ ہے۔ اور کبھی اثم (گناہ) کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اس ارشاد میں یہی معنی ہے۔

اے ہمارے رب ہمارا مواخذہ نہ فرما اگر ہم بھول جائیں یا گناہ کریں۔ (سورۃ البقر: ۲۸۶)۔

واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے یہاں اس لفظ سے مراد یہ ہے کہ وہ ہو گیا نافرمان اور گناہ گار امام مناوی اس لفظ کا معنی کرتے ہوئے کہتے ہیں خاطی جو جان بوجھ کر ایسا کام کرے جو مناسب نہ ہو۔

مخطی ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو درست کام کا ارادہ کرے اور غلط کر بیٹھے۔ اور خاطی جس کام سے روکا گیا ہو اس کو جان بوجھ کر کرے۔ اس وجہ سے وہ نافرمان اور گناہگار ہے واللہ تعالیٰ اعلم یہی بات قاضی ابوبکر بن عربی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے عارضہ میں کہی ہے۔

۴۰۷۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے ذخیرہ اندوزی کی تاکہ مسلمانوں پر اس کی قیمت بڑھادے وہ گناہگار ہے۔

امام احمد نے صحیح راویوں سے اسے روایت کیا سوائے ابومعشر کے جو ضعیف ہے حاکم نے اسے ثقہ قرار دیا ایک اور سند سے بھی اسے روایت کیا اس سند میں ایک راوی عیسیٰ ہے جس میں جرح ہے جس طرح منذری نے کہا اور مسلم کی روایت بھی اس حدیث کی تائید کرتی ہے جس کے باعث یہ حسن ہوگئی۔

اس بات میں روایات کثیر ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہمارے بازار میں ذخیرہ اندوزی کی اجازت نہیں وہ لوگ جن کے پاس وافر مال ہے وہ اس رزق (لوگوں کے کھانے کی چیزیں) کو خریدنے کا قصد نہ کریں جو ہمارے شہر میں آئے وہ اس لئے یہ سامان خریدنا چاہتا ہو تاکہ وہ اسے ذخیرہ کرے لیکن جو خون پسینہ ایک کر کے اپنی سواریوں پر ہمارے ہاں سامان لایا موسم سرما ہو یا موسم گرما وہ عمر کا مہمان ہے جسے چاہے فروخت کرے یا اپنا سامان روک لے۔

جب ذخیرہ اندوزی تمام شہروں میں صحیح نہیں اور نہ ہی جائز ہے بلکہ حرام ہے اور ایسا کرنے والا نافرمان گناہگار ہے۔ یہ جمہور مسلمانوں کے نزدیک ہے تو حرمین پاک میں یہ حرام ہے ایسا کرنے والا مسلمانوں کے عام علماء کے نزدیک نافرمان اور گناہگار ہے بلکہ ایسے علماء بھی ہیں جنہوں نے اس کی حرمت کو حرمین اور سرحدوں میں خاص کیا ہے جس طرح امام مالک۔ واللہ اعلم۔

اس میں فتنوں کا وقوع اور ان سے عدم سلامتی

بے شک وہ فتنے جو عموماً مسلمانوں کو پہنچیں گے ان سے مدینہ طیبہ ہرگز محفوظ نہیں ہوگا بلکہ ان میں سے بعض اہل مدینہ کو بھی پہنچیں گے جو عام مومنوں کو پہنچیں گے۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے گھروں میں فتنوں کے یوں وقوع کی خبر دی ہے جیسے بارش کے قطرے گرتے ہیں جب مسلمانوں کو جنگ جمل، صفین اور کربلا میں مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا تو مدینہ طیبہ بھی دو خلفاء راشدین کا مقتل بنا۔ اس سے بڑھ کر واقعہ حرہ نے تو صحابہ و تابعین میں سے باقی ماندہ صالحین کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کے علاوہ اور

مصائب بھی آتے رہے۔ اگرچہ اس خبر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے تاہم مسلمانوں کیلئے تنبیہ بھی ہے کہ وہ مدینہ طیبہ کو ان آزمائشوں سے دور رکھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور جس چیز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آگاہ کر دیا ہے اس سے فرار کیسے ہو اور آپ کی شان یہ ہے کہ آپ خواہش نفس سے گفتگو بھی نہیں کرتے۔

فتنوں کے متعلق خبریں بے حد وحساب ہیں یہ ان کے ذکر کا موقع ومحل نہیں اسی وجہ سے میں بعض کے ذکر پر اکتفا کروں گا۔

۴۰۸- اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعہ پر (تشریف لے گئے) سے جھانکے فرمایا کیا آپ وہ دیکھتے ہیں جو میں دیکھتا ہوں میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنے واقعہ ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں جیسے بارش کے قطرے۔

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے الحم (الحم محل یا قلعہ کی دیوار) سے مدینہ کے اطراف میں فتنوں کے واقع ہونے کو یوں دیکھا جیسے بارش برستی ہے یہ فتنوں کی زیادتی اور ان کے عام ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

حافظ بن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا یہ علامات نبوت میں سے ہے کیونکہ آپ نے آنے والے واقعات کی خبر دی اس کا مصداق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی صورت میں ظاہر ہوا اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے خصوصاً واقعہ حرہ۔

روایت مذکورہ علم کا احتمال بھی رکھتی ہے اور آنکھ سے دیکھنے کا بھی وہ یوں کہ یہ فتنے جسم مثالی میں پیش کئے گئے ہوں آپ نے انہیں دیکھا ہو جس طرح کو جنت و دوزخ قبلہ کی سمت میں جسم مثالی میں پیش کی گئی جسے آپ نے اس وقت دیکھا جب آپ نماز پڑھ رہے تھے۔

میں کہتا ہوں دوسری توجیہ بہتر ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت ایسا کرنے کے مناسب ہے۔

اسی وجہ سے آپ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک اور موقع پر فرمایا روئیۃ بمعنی نظر ہے یعنی میرے لئے ظاہر کئے گئے میں نے انہیں ظاہر و باہر دیکھا۔

پھر آپ فرماتے ہیں مدینہ طیبہ کو اس امر کے لئے خاص کیا گیا کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت یہیں ہوئی پھر اس کے بعد فتنے پھیل گئے جنگ جمل وصفین میں قتل عام آپ کی شہادت کے سبب سے ہی ہوا۔ نہروان کا قتال صفین میں تحکیم کے سبب ہوا یہ تمام جنگیں اسی زمانہ میں ہوئیں یہ سب جنگیں ایک دوسرے سے جنم لیتی رہیں۔

ابن بطال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں فتنوں

کے وقوع کی خبر دی تا کہ لوگ ان کے لئے تیار رہیں اور خود ان میں حصہ نہ لیں وہ اللہ سے صبر اور نجات کا سوال کریں۔ واللہ اعلم۔

ان فتنوں کے بارے میں اور ان کو چھوڑنے میں کثیر نصوص ہیں کہ ان میں بیٹھ رہنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہے کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہے لیکن میں نے صرف یہی حدیث ذکر کی ہے تا کہ اس پر آگاہ کروں کہ مدینہ طیبہ آنے والے فتنوں سے محفوظ نہیں جبکہ وہ محفوظ بھی نہ رہا نیز اہل مدینہ ان سے کیسے محتاط رہیں اور وہ کون سی ذمہ داریاں ہیں جو انہیں ادا کرنا ہیں۔ واللہ اعلم۔

مسلمانوں کا اس میں محاصرہ

وہ امور جن کا وقوع اور انہیں ذکر کرنا ضروری ہے وہ مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کا محصور ہونا ہے یہ محاصرہ حملہ آور لشکر کی طرف سے ہوگا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کی سرحدیں ان کی حفاظت کی جگہ اور ان کے مقدمۃ الجیش خیبر کے قریب ہوں گے واللہ اعلم۔ جو چیز ظاہر ہے وہ یہ ہے کہ یہ حملہ شمال کی جانب سے ہوگا کیا یہ وہی ہے جس کا سامنا اہل مدینہ یزید کے دور میں کر چکے ہیں کیونکہ اس دور میں حرہ کا مشہور معرکہ واقع ہوا تھا جس میں مدینہ طیبہ اور باہر کے صحابہ اور تابعین کے کثیر فضلاء شہید ہوئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کی خبر دی تھی یہ وہی واقعہ ہے۔

یا یہ اس وقت ہوگا جب سفیانی مدینہ طیبہ پر حملہ آور ہوگا وہ بھی شام کی جانب سے آئے گا جو بیت اللہ شریف کی پناہ چاہنے والا کو تلاش کر رہا ہوگا۔ مدینہ طیبہ پر غلبہ پانے کے بعد جب وہ مدینہ طیبہ سے نکلے گا تو اس کا منہ قبلہ کی جانب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس تمام لشکر کو زمین میں دھنسا دے گا اس میں سے کوئی نہیں بچے گا اس کے بعد امام مہدی کا ظہور ہوگا۔

یا اس سے مراد وہ واقعہ لیا جائے جو صلیبی جنگوں میں ہوا جب عیسائیوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور فلسطین سے چلے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں مہلت ہی نہ دی اور مسلمانوں کے لشکر کو صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں ان پر مسلط کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کی کشتیوں اور سامان پر قبضہ کر لیا اور ان میں سے کثیر کو تہ تیغ کر دیا اور دو کو منی کی طرف بھیجا جنہیں وہاں ذبح کر دیا گیا یہی وہ موقع تھا جس نے صلاح الدین ایوبی کو برانگیختہ کیا کہ انہوں نے نذر مانی تھی اگر وہ ارنوط کرک کے بادشاہ پر غالب رہے تو اسے اپنے ہاتھوں سے قتل کریں گے تو معرکہ حطین ۵۸۳ھ میں اس کی گرفتاری کے بعد نذر کو پورا کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس جنگ کا باعث یہی آدمی تھا۔ واللہ اعلم۔

یا اس کے علاوہ کوئی اور ہو سکتا ہے۔ یہ سب ممکن ہے مگر اس سے ابو حمزہ خارجی کا غلبہ مراد نہیں لیا جا سکتا کیونکہ وہ مکہ مکرمہ سے آیا تھا۔

۴۰۹۔ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ مسلمانوں کا مدینہ

طیبہ میں محاصرہ کیا جائے یہاں تک کہ سلاح (جگہ کا نام) ان کی بعید ترین حفاظتی چوکی ہو گی۔

۱۰۴۱۔حضرت ابی ہریرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قریب ہے کہ لوگ مدینہ طیبہ کی طرف پلٹیں کہ ان کی حفاظتی چوکی سلاح ہو۔

اسے احمد اور طبرانی نے صغیر اور حاکم نے مستدرک میں صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

سلاح خیبر کے قریب جگہ ہے، جس طرح ابوداؤد نے زہری سے روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مسالح مسلحہ کی جمع ہے یہ وہ قوم ہوتی ہے جو دشمنوں سے سرحدوں کی حفاظت کرتی ہے اس کا اصل معنی اسلحہ کی جگہ ہے پھر اسے سرحد کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے پھر اس شہر کو کہتے ہیں جو اس کی نگرانی کرتا ہے پھر اس کا اطلاق مقدمہ الجیش پر ہوتا ہے۔

انہیں مسلحہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ اسلحہ والے ہوتے ہیں یا اس بناء پر کہ وہ سرحدی چوکی پر رہتے ہیں جس طرح اسے ثغر اور مرقب بھی کہتے ہیں جہاں ایسی جماعتیں ہوتی ہیں جو دشمن کی تاڑ میں رہتی ہیں تاکہ غفلت کا فائدہ اٹھا کر وہ اندر نہ گھس آئے اور جب وہ دشمن کو دیکھیں تو اپنے ساتھیوں کو آگاہ کریں کہ وہ اس کی تیاری کرلیں۔ (واللہ اعلم)۔

اور اصطلاح حدیث میں اسے خفیر بھی کہتے ہیں۔

مسلمانوں پر یوں تنگی ہو جائے گی کہ وہ مدینہ طیبہ میں محصور ہو جائیں گے کہ ان کی آخری حفاظتی چوکی خیبر کے قریب ہو گی میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ ہم اس زمانہ کو نہ پائیں وہ ہماری ظاہری اور باطنی طور پر حفاظت فرمائے اگر وہ اپنے بندوں کی آزمائش کا ارادہ کرے تو بغیر فتنہ کے ہمیں قبض کرلے بے شک وہ جواد کریم ہے۔

وہ لشکر جو مدینہ پر حملہ آور ہو گا اس کے دھنسا دینے کی بات

آخر زمانہ میں جو فتنے واقع ہوں گے انہیں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک بڑا لشکر آئے گا جو مدینہ طیبہ پر حملہ کرے گا جو اس ہستی کی تلاش کر رہا ہو گا جو بیت اللہ شریف میں پناہ لے گی وہ ہستی آل نبی سے ہو گی لشکر مدینہ طیبہ میں داخل ہو گا اور وہ مطلوبہ ہستی مکہ مکرمہ کی طرف بھاگ جائے گی اور وہ مہدی ہوں گے حملہ آور لشکر مکہ مکرمہ کے ارادہ سے مدینہ طیبہ سے نکلے گا جب وہ بیداء (ذوالحلیفہ) کے مقام پر پست جگہ سے بلند اور کھلی جگہ کی طرف نکلے گا تو اللہ تعالیٰ تمام لشکر کو ہلاک کر دے گا اس سے کوئی بھی نہیں بچے گا صرف ایک الگ تھلگ رہنے والا جو تمام لشکر کے بطور سزا دھنس جانے کی خبر دے گا کیونکہ اس نے حرم اول (مدینہ طیبہ) کو حلال اور مباح جانا پھر دوسرے حرم (مکہ مکرمہ) کو حلال اور مباح کرنے کے لئے ارادہ کیا تھا پس اللہ تعالیٰ اس تاڑ میں ہو گا یہ سب بیت اللہ شریف کی تعظیم، حرم کی تکریم اور مقدس مقامات کی حرمت کا خیال نہ رکھنے والوں سے انتقام لینے کے لئے آئے گا۔

اس موضوع پر بے شمار نصوص ہیں میں ان میں سے بعض کا ذکر کروں گا سب کا احاطہ نہ کروں گا۔ واللہ اعلم۔

۴۱۱- ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک خلیفہ کی موت پر اختلاف واقع ہوگا۔ مدینہ طیبہ کا ایک آدمی مکہ مکرمہ بھاگ جائے گا مکہ والے اس کے پاس آئیں گے وہ اسے گھر سے باہر نکالیں گے جبکہ وہ ناپسند کرتا ہوگا لوگ رکن اور مقام کے درمیان اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ شام کی جانب سے ان کی طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا جسے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان بیداء کے مقام پر دھنسا دیا جائے گا جب لوگ اسے دیکھیں گے تو شام کے ابدال آئیں گے اور اہل عراق کی جماعتیں آئیں گی اور اس کے ہاتھ پر رکن و مقام کے درمیان بیعت کریں گی پھر قریش میں سے ایک آدمی اٹھے گا جس کے ننہال بنو کلب سے ہوں گے جو اس مسلمان جماعت کی طرف لشکر بھیجے گا جس پر یہ مسلمان غالب آئیں گے یہ لشکر بنی کلب کا ہوگا اس کے لئے خسارہ ہے جو بنی کلب کی غنیمت میں حاضر نہ ہوا پس وہ امیر ان اموال کو لوگوں میں تقسیم کرے گا اور اپنے نبی کی سنت کے مطابق عمل کرے گا اسلام اپنی نوازشات زمین کی طرف الثادے گا وہ امیر سات سال یا نو سال رہے گا پھر فوت ہو جائے گا مسلمان اس کا جنازہ پڑھیں گے۔ اسے ابو داؤد، احمد بن حبان نے روایت کیا ہے حاکم نے اسے مختصر روایت کیا ہے اور دونوں کی شروط پر صحیح قرار دیا۔ ذہبی، ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے، طبرانی نے اس کی مثل رجال صحیح سے، ابو یعلی نے ثقات سے روایت کیا ہے اس وجہ سے ابن قیم نے منار منیف میں کہا حدیث حسن ہے اور اس جیسی روایت کو صحیح کہنا بھی جائز ہے۔

جب لشکر مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے گا اور بیداء (ذوالحلیفہ) میں پہنچے گا تو اسے دھنسا دیا جائے گا۔ واللہ اعلم

یہ اس لئے کیا جائے گا کیونکہ وہ ہاشمی مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف نکلے گا پس شام سے ایک لشکر آئے گا جسے دھنسا دیا جائے گا اس ہاشمی کی بیعت کی جائے گی پھر ایک لشکر ایک قریشی کی قیادت میں آئے گا جس کے ننہال بنی کلب سے ہوں گے اور زیادہ تر لشکر بھی بنو کلب کا ہوگا ہاشمی ان پر غالب آئے گا پھر لوگوں کو سنت کے مطابق چلائے گا سات یا نو سال یہاں رہے گا پھر فوت ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔ واللہ اعلم

۴۱۲- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک پناہ لینے والا بیت اللہ شریف کی پناہ لے گا اس کی طرف ایک لشکر بھیجا جائے گا جب وہ بیداء کے مقام پر ہوں گے تو انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ ایک روایت میں کچھ زائد ہے ابو جعفر نے کہا خبردار قسم بخدا یہ

بیداء مدینہ کا بیداء ہے۔ میں نے عرض کی اس کا کیا حال ہوگا جو اس میں نہ چاہتے ہوئے شامل ہوا فرمایا وہ بھی انہیں کے ساتھ دھنسا دیا جائے گا لیکن قیامت کے روز اسے نیت کے مطابق اٹھایا جائے گا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۴۱۳- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تعجب کی بات ہے کہ میری امت کے لوگ قریش کے ایک فرد کی تلاش میں بیت اللہ شریف کا قصد کریں گے جس آدمی نے بیت اللہ شریف میں پناہ لی ہوگی یہاں تک کہ جب وہ بیداء کے مقام پر ہوں گے تو انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا ہم نے عرض کی یا رسول اللہ کیا یہ رستہ سب کو خسف میں جمع کر دے گا۔ فرمایا ہاں ان میں مستبصر، مجبور، مسافر سب ایک ہی دفعہ ہلاک ہو جائیں گے تاہم مختلف انداز میں اٹھیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں نیتوں کے مطابق اٹھائے گا۔ متفق علیہ

قولہ مستبصر: یعنی اس کی وضاحت چاہنے والا ارادۃً قصد کرنے والا۔

قولہ مجبور: جسے مجبور کیا گیا ہو کہتے ہیں میں نے اسے مجبور کیا پس وہ مجبور ہو گیا۔ مشہور لغت یہی ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں جبرتہ فھو مجبور، یعنی مجرد سے بھی استعمال ہوتا ہے فراء نے اور دوسرے لوگوں نے بیان کیا ہے یہ حدیث اس لغت پر آتی ہے جس طرح کہ امام نووی نے کہا۔

ابن سبیل سے مراد وہ مسافر ہے جو ان کے ساتھ چل رہا ہو لیکن اس لشکر کا حصہ نہ ہو۔

آپ کا قول "یصدرون مصادر شتی" یعنی انہیں قیامت کے روز نیتوں کے اعتبار سے مختلف مختلف اٹھایا جائے گا اور نیتوں کے مطابق انہیں جزا دی جائے گی۔ واللہ اعلم۔

۴۱۴- حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ایک لشکر حملہ کی غرض سے اس بیت اللہ شریف کا قصد کرے گا یہاں تک کہ جب وہ بیداء کے مقام پر پہنچے گا تو اس کے درمیانے حصہ کو دھنسا دیا جائے گا تو پہلا آخری کو پکارے گا پھر سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ اس لشکر میں سے کوئی بھی نہیں بچے گا صرف ایک الگ رہنے والا جوان کے متعلق خبر دے گا۔ رواہ مسلم۔

۴۱۵- امام مسلم کی ہی ایک اور روایت میں ہے کہ بیت اللہ شریف میں ایک ایسی قوم پناہ چاہے گی جس کے پاس کوئی لشکر نہ ہو گا ان کے لئے ایک لشکر بھیجا جائے گا جب یہ لشکر بیداء کے مقام پر ہو گا تو اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

پہلی روایت میں یہ بھی تھا کہ پہلے کن کو دھنسایا جائے گا وہ لشکر کا درمیانی حصہ ہے تو لشکر کا آخری حصہ پہلا حصہ کو دیکھے گا اور پہلے حصہ آخری کو دیکھے گا اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے کو بلائیں گے پھر سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

یہ خسف مدینہ کے بیداء میں ہوگا یہ حل کا علاقہ ہے اور حدود حرم میں سے نہیں ہے۔

جس طرح ان روایات میں مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے کے سبب کا بیان ہے وہ یہ ہے کہ پناہ لینے والا مدینہ طیبہ سے نکل کر مکہ جائے گا تا کہ مکہ میں پناہ چاہے اور بیت اللہ شریف میں پناہ لے۔

۴۱۶-حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مغرب کا بادشاہ مشرق کے بادشاہ کی طرف چلے گا وہ اسے قتل کرے گا پھر مدینہ طیبہ کی طرف ایک لشکر بھیجے گا اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا پھر اس مدینہ سے کچھ لوگ اٹھیں گے ایک پناہ لینے والا حرم میں پناہ لے گا لوگ اس کی طرف جمع ہوں گے جس طرح بکھرے پرندے جمع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ ۳۱۴ آدمی جمع ہو جائیں گے ان میں کچھ عورتیں بھی ہوں گی جو ہر جابر اور جابر کے بیٹے پر غالب آ جائیں گے وہ عدل کو عام کرے گا پھر اس کے لئے زمین کے ظاہر کی بجائے زمین کا باطن بہتر ہوگا۔

طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اس سند میں لیث بن ابی سلیم ہے یہ سچا ہے تاہم آخری عمر میں حالات پہلے جیسے نہ رہے باقی سب راوی ثقہ ہیں میں کہتا ہوں بخاری نے اسے معلق روایت کیا ہے۔ مسلم نے اپنی صحیح میں اور اصحاب سنن نے بھی روایت کیا ہے لیکن سابقہ روایات اس کی تائید کرتی ہیں اور اس کے کثیر شواہد ہیں۔ واللہ اعلم

یہ واقعہ بڑی جنگ سے پہلے ہوگا جو جنگ مسلمانوں کے غلبہ کے بعد ان کے اور رومیوں کے درمیان شام میں ہوگی کیونکہ یہی وہ امیر ہوگا جو اس کے بعد شام کی طرف نکلے گا اور مسلمانوں کو بحیثیت امام نماز پڑھائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اس امام کے پیچھے نماز پڑھیں گے یہ سب اس بڑی جنگ کے بعد ہوگا جو مسلمانوں اور روم کے درمیان ہوگی جبکہ انہوں نے پہلے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

یہی وہ لشکر ہوگا جسے مدینہ طیبہ کے قریب زمین میں دھنسا دیا جائے گا یہ ان کے مدینہ طیبہ پر غلبہ پانے اور اسے مباح کر دینے کے بعد ہوگا۔

۴۱۷-ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا ایک لشکر شام کی جانب سے آئے گا یہاں تک کہ مدینہ طیبہ میں داخل ہو جائے گا وہ جنگ کے قابل لوگوں کو قتل کر دیں گے اور عورتوں کے بطن پھاڑ دیں گے اور بطن میں جو حمل ہوں گے ان کے بارے کہیں گے برائی کی باقی ماندہ چیزوں کو بھی قتل کر دو جب وہ ذوالحلیفہ کے مقام سے بلند ہوں گے ان سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔

نیچے والا اوپر والے کو جانے گا نہ اوپر والا نیچے والے کو جانے گا۔

ابن شبہ نے اسے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے ابی مخزم کے (زید بن سفیان) جسے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے جس طرح کہ حافظ ذہبی نے کہا لیکن اس کی تائید بھی سابقہ حدیث

کرتی ہے۔ واللہ اعلم

جب یہ لشکر مدینہ طیبہ میں داخل ہوگا اور قبیح ورذیل اعمال کریں گے پھر اس ہاشمی کی تلاش میں نکلیں گے جس نے مکہ مکرمہ میں پناہ لی ہوگی تو انہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا جب وہ ذوالحلیفہ کے مقام پر میقات سے آگے بڑھیں گے یہ سب سزا بطور انتقام ہوگی اور بیت اللہ شریف کی حفاظت کے طور پر ہوگی۔ واللہ اعلم۔

مکہ مکرمہ کی فتح مدینہ طیبہ والوں سے

مدینہ طیبہ کے فضائل میں سے جو چیزیں شمار کی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ مہاجرین وانصار کے ذریعہ سے مکہ مکرمہ کو فتح کرایا جن کے رئیس سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے یہ مکہ مکرمہ کو شرک، بت پرستی کی آلائشوں سے پاک کرنے کفر و جاہلیت کی ہلاکتوں سے خلاصی دینے اور ضلالت والحاد کی بدعتوں سے صاف کرنے کے لئے اور توحید، ایمان صفا اور عبودیت کی سابقہ عزت کی طرف لوٹا دینے کے لئے ہوا تا کہ یہ بھی مدینہ کی طرح ہو جائے۔

اس میں کوئی شک نہیں اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرام قرار دیا اور امن والا حرم بنا دیا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ کے ساتھ یہاں آئے اور یہ اعلان کیا کہ وہ بیت حرام کے نزدیک اسے بسانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے فرمایا "اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو ایسی وادی میں آباد کیا ہے جہاں کھیتی نہیں ہے تیرے محترم گھر کے نزدیک (سورۃ ابراہیم ۳۷) انہوں نے دعا مانگی تھی جب وہ ان دونوں کو چھوڑ چکے تھے اور لوٹ کر شام جا رہے تھے۔

۴۱۸-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے عورتوں میں سے جس نے سب سے پہلے پٹی بنائی وہ حضرت اسماعیل کی والدہ ہیں انہوں نے منطق بنایا تا کہ اپنے اثر کو سامرہ پر لے جائے پھر حضرت ابراہیم انہیں اور ان کے بیٹے اسماعیل کو جنہیں وہ ابھی دودھ پلاتی تھیں لے آئے اور انہیں بیت اللہ شریف کے پاس چھوڑا مسجد کے بالائی حصہ میں جہاں چاہ زم زم کے پاس بڑا درخت ہے۔ ان دنوں مکہ میں کوئی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی پانی تھا آپ نے اسے وہاں چھوڑا اور ان دونوں کے پاس ایک تھیلا جس میں کھجوریں تھیں اور ایک مشکیزہ جس میں پانی تھا، کو چھوڑا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام واپس چلے گئے حضرت اسماعیل کی والدہ ان کے پیچھے چلیں اور کہا اے ابراہیم علیہ السلام کہاں جا رہے ہو اور ہمیں ایسی وادی میں چھوڑے جا رہے ہو جہاں کوئی انسان ہے نہ کوئی اور چیز یہ بات حضرت ہاجرہ نے کئی بار دہرائی حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی طرف متوجہ تک نہ ہوئے پس حضرت ہاجرہ نے انہیں کہا کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کا حکم دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں تو

حضرت ہاجرہ نے کہا تو پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا پھر واپس پلٹ گئیں۔

حضرت ابراہیم چلتے رہے یہاں تک کہ جب ثنیہ کے پاس پہنچے جہاں سے وہ انہیں دکھائی نہ دیتے تھے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کیا پھر ان کلمات کے ساتھ دعا کی اور اپنے ہاتھ اٹھائے۔ اے ہمارے رب میں نے اپنی اولاد کو ایسی وادی میں آباد کیا جہاں کھیتی نہیں .... وہ شکر کریں۔ حدیث طویل ہے۔ اس میں جرہمین کے آنے کا قصہ اور ان کے وہاں فروکش ہونے کا واقعہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ترکہ کے لئے اور بیت اللہ شریف کی تعمیر کے لئے انہیں تلاش کیا۔ امام بخاری نے اسے مفصل ذکر کیا۔

اس کے بعد کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مکہ مکرمہ کی حرمت کا اعلان بار بار ہوا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد نے اور ان کے ننہال یعنی بنی جرہم نے اسے سمجھا لوگوں نے اس خبر کو ایک دوسرے کی طرف نقل کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت اور لوگوں میں اعلان کے بعد وہ وفد در وفد مکہ مکرمہ حج کرنے کے لئے آنے لگے۔

مکہ مکرمہ میں حالات اور سیاسی احوال اس وقت بدل گئے جب جرہمیوں نے اس پر قبضہ کر لیا او حضرت اسماعیل کی اولاد سے اقتدار کو چھین لیا اور ظلم سے کام لیا تو ان میں فساد و طغیان ظاہر ہوا پس خزاعی آئے اور بنی جرہم کو بھگا دیا اور مکہ مکرمہ پر غلبہ پالیا اس کے باوجود مکہ مکرمہ کی حرمت تمام لوگوں میں باقی رہی اس میں قتال کو مباح خیال نہیں کیا جاتا تھا اور خون نہیں بہایا جاتا تھا اور نہ ہی حرمت کو پامال کیا جاتا تھا۔

لیکن اعتقاد میں معاملہ متغیر ہو گیا اور اسماعیل علیہ السلام کے دین میں تبدیلی واقع ہو گئی اور وہ دین حنیف جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام لائے تھے اسے بدل دیا گیا اور اس کی جگہ بتوں نے لے لی اور کعبہ کے اندر باہر اور ہر طرف بت ہی بت ہو گئے یہ سب کچھ عمرو بن لحی الخزاعی کے ہاتھوں ہوا۔

۴۱۹۔ حضرت ابی ہریرہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ اکثم بن ابی جون کو فرما رہے تھے میں نے عمرو بن لحی کو جہنم میں اپنی انتڑیاں کھینچتے ہوئے دیکھا کیونکہ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے دین اسماعیل کو تبدیل کیا بتوں کو نصب کیا اس نے جانوروں کو سائبہ، بحیرہ، وصیلہ اور حامی بنانے کا رواج شروع کیا اس حدیث کو ابن اسحاق، ابن ابی عاصم، طبرانی، طبری اور حاکم نے روایت کیا۔ ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا اصل حدیث متفق علیہ ہے لیکن دونوں میں اختصار ہے۔

یہ شام کے مقام بلقاء سے بت لایا جس کا نام ھبل تھا اور کعبہ میں رکھا اس کے ساتھ اساف، نائلہ تھے اس نے لوگوں کو ان کی تعظیم اور عبادت اور اسے وسیلہ پکڑنے کی دعوت دی جس طرح کلبی نے کہا یہ کاہن تھا اس کے جن (جو اس کی گرفت میں تھا) نے اسے کہا تھا کہ وہ بت لے آ جنہیں طوفان نے جدہ کے کنارے چھپا دیا ہے اسی عمرو نے ان کو نکالا اور عرب قبائل پر انہیں تقسیم کر دیا جنہوں نے اس کی دعوت کو قبول کیا تھا اس

نے اساف اور نائلہ کو تبرک حاصل کرنے کے لئے خاص کیا جبکہ یہ دونوں اس آدمی کے ہاتھوں ان کی عزت و احترام کے لئے نصب کئے گئے تھے جس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا اور حرم میں فجور کیا۔

عمرو بن لحی اور خزاعیوں کے مکہ مکرمہ سے نکلنے کے بعد اور قریش کے نئے سرے سے غلبہ کے بعد اہل مکہ نے نئے کام شروع کئے جن کے ذریعے دین ابراہیم میں سے جو عبادات باقی تھیں ان کو تبدیل کر دیا اور غیر ملکیوں کے لئے بے لباس طواف کرنے کا رواج دیا اہل مکہ مقام عرفات میں وقوف نہ کرتے بلکہ مشعر حرام میں ٹھہرتے اس کے علاوہ اور چیزوں کو ایجاد کیا۔

قریش کی ان نئی چیزوں کو ان قبائل نے اپنا لیا جو حج کیا کرتے تھے جس طرح کہ انہوں نے عمرو بن لحی کی دعوت کو قبول کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود کعبہ معظمہ محترم رہا جو ان کی عقلوں کو مسحور کئے رہا اور ان سے عزت و فخر پاتا رہا یہ اس کی شان بلند کرتے رہے اگر چہ وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اس لئے وہ اس کا حج اور عمرہ کرنے آتے قربانیاں کرتے اور عبادت کرتے۔

اللہ تعالیٰ نے کعبہ مشرفہ کو اسلام سے قبل بھی محفوظ رکھا اگر چہ اس کے رہائشی عقیدہ، عبادت اور راہ عمل سے انحراف کر چکے تھے کبھی کوئی جابر، ظالم ان پر تسلط قائم نہ کر سکا جس طرح اس پر کوئی اور غلبہ نہ پا سکا جس کسی نے اس کے بارے میں برا ارادہ کیا اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا اس ہلاکت کا سامنا ابرہہ اور تبع کے لشکر کو کرنا پڑا۔

۴۲۰- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا تبع بادشاہ کعبہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے آیا یہاں تک کہ جب وہ کراع الغمیم (جگہ کا نام) کے مقام پر پہنچا اللہ تعالیٰ نے ایسی سخت ہوا بھیجی کہ ایک آدمی مشکل سے ہی اس میں کھڑا رہ سکتا تھا کھڑا ہونے والا بیٹھتا تو ہلاک ہو جاتا۔ یہ ہوا اس طرح چلتی رہی اور اس کی افواج نے بے پناہ مشقت اٹھائی تبع نے اپنے علماء بلائے اور ان سے پوچھا یہ کیا مصیبت ہے جو مجھ پر آ پڑی ہے دونوں نے کہا کیا تو ہمیں امان دیتا ہے اس نے کہا تمہیں امان ہے۔ دونوں نے جواباً عرض کیا تو اس گھر پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جسے اللہ تعالیٰ ہر حملہ آور سے محفوظ رکھتا ہے بادشاہ نے پوچھا کون سی چیز مجھے اس بلا سے محفوظ رکھ سکتی ہے۔ دونوں نے کہا دو کپڑے زیب تن کر لو پھر کہو لبیک لبیک پھر تم اس میں داخل ہو جاؤ اس گھر کا طواف کرو اور یہاں کے مکینوں میں سے کسی کو بھی گزند نہ پہنچاؤ اس نے کہا اگر میں نے اس کا ارادہ کر لیا تو یہ ہوا مجھ سے دور ہو جائے گی۔ دونوں نے کہا ہاں اس نے احرام باندھا پھر تلبیہ کہا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ نے کہا ہوا یوں دور ہو گئی جس طرح تاریک رات ختم ہو جاتی ہے اسے حاکم نے روایت کیا اور صحیحین کی شروط پر اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے اسے بیان کیا۔

جب ابرہہ اشرم نے اس کعبہ مشرفہ کا ارادہ کیا اور ایک بھاری بھر کم لشکر لایا جس کا مقابلہ کرنے کی

قریش میں طاقت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ اور اس کے لشکر کے ساتھ وہ کچھ کیا جس کا ذکر قرآن نے ہمارے لئے یوں بیان کیا۔ (سورہ فیل ۱-۵)

ترجمہ: کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکروفریب کو ناکام نہیں بنادیا اور (وہ یوں کہ) بھیج دیئے ان پر ہر سمت سے پرندے ڈاروں کے ڈار جو برساتے تھے ان پر کنکر کی پتھریاں پس بنا ڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسا۔

ایسا کیوں نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ ہی اسے حرام کرنے والا ہے وہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے اور دفاع کرنے والا ہے۔

۴۲۱-حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیت اللہ شریف کا نام عتیق اس لئے رکھا گیا کیونکہ اسے جابروں سے آزاد کردیا گیا ہے اور اسے کبھی جابر نے اپنے تسلط میں نہیں لیا یا یہ کہا کہ کوئی جابر اس پر قادر نہیں ہوا۔

ایک اور روایت میں ہے کیونکہ اس پر کوئی جابر غالب نہیں آیا اسے ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ذہبی اور بزاز نے اس کی توثیق کی۔

اس وجہ سے اہل مکہ کے نفوس میں خاص کر کعبہ کی عظمت عظیم ہوگئی اور عربوں میں عام طور پر اس کی رفعت وشان ابرہہ کے لشکر کے بعد مزید بڑھ گئی۔ اس کی عظمت کی پہچان اس زبردست حملہ سے ہوئی تھی اس کے باوجود بت اپنی جگہ پر باقی رہے اور لوگوں کا ان سے تعلق بڑھتا رہا ان کی کثرت پر اور دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ کعبہ شریف کے اردگرد تین سو ساٹھ بت موجود تھے۔

۴۲۲-حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز مکہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ شریف کے اردگرد ۳۶۰ بت نصب تھے۔ متفق علیہ اور اس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

اس کے ساتھ یہ بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے کہ دین ابراہیم میں جو منکرات شروع ہوئیں اس کے بہت سے آثار تبدیل ہوگئے اور بہت سے قبیح اعمال کئے گئے یہ سب چیزیں اسے پاک کرنے کا تقاضا کرتی تھیں۔

لیکن ایسا کون ہوا جس نے حرم کو حلال کیا یا اس کا اہل حرم نے مقابلہ کیا؟ جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے اسباب پیدا فرمادیتا ہے اس قسم کا معاملہ فتح مکہ کے موقع پر ہوا۔

غزوۂ خندق کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا تھا کہ قریش کی طرف سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کا سلسلہ اپنی انتہاء کو پہنچا اور اب مسلمانوں کی طرف سے ان کے ساتھ جنگ ہوگی۔

۴۲۳-سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت یہ ارشاد فرماتے سنا جب قبائل واپس چلے گئے اب ہم ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر حملہ آور نہ ہوں گے ہم ان کی طرف چل کر جائیں گے۔ امام بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔

صلح حدیبیہ میں یہ بھی شرط تھی کہ جو قبیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہونا پسند کرے وہ آپ کے ساتھ معاہدہ میں داخل ہو جائے اور جو قریش کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہونا پسند کرے وہ قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہو جائے خزاعہ کا قبیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہو گیا جبکہ خزاعہ پہلے بھی عبدالمطلب کے حلیف تھے اور بنو بکر قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہو گئے۔

صلح حدیبیہ کے بائیس ماہ گزر جانے کے بعد بنو بکر اور قریش نے وعدہ کو توڑ دیا وہ یوں ہوا کہ بنو بکر اور بنو نفاثہ نے قریش کے سرداروں سے افرادی قوت اور اسلحہ کی مدد چاہی تا کہ وتیر (جگہ کا نام) کے مقام پر بنو خزاعہ پر حملہ کریں قریش نے ان کے مطالبہ کو مان لیا بنو بکر نے بنی خزاعہ کے بے شمار لوگوں کو قتل کر دیا۔

پھر قریش اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ انہوں نے وعدہ خلافی کی ہے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی رات خبر دی گئی کہ بنو بکر اور قریش نے خزاعہ کے ساتھ وعدہ خلافی کی ہے۔

پھر بنو خزاعہ کا وفد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں آیا تا کہ اس تمام واقعہ سے آگاہ کریں جو بنی بکر اور قریش کی طرف سے وقوع پذیر ہوا۔ عمرو بن سالم نے کہا اے رب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ دیتا ہوں اس معاہدہ کا جو ہمارے اور اس کے اباء کے درمیان نسل در نسل چلا آرہا ہے۔

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر بن سالم تو منصور ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی تیاری کا حکم دیا اور مدینہ طیبہ کے اردگرد میں رہائش پذیر مسلمانوں کو پیغام بھجوایا کہ وہ جنگ کے لئے مدینہ طیبہ میں اکھٹے ہو جائیں۔ لیکن اس بات سے آگاہ نہ کیا کہ آپ کس کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں اختصار کے ساتھ فتح مکہ کی چند صحیح روایات کا ذکر کرتا ہوں۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف روانگی کا ارادہ کیا تو حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کی طرف ایک خط لکھا جس میں انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کے بارے میں آگاہ کیا خط پہنچنے سے پہلے ہی وحی آگئی۔

۴۲۴-حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے، زبیر اور مقداد (ایک روایت میں مرثد غنوی) کو بھیجا کہ تم جاؤ یہاں تک کہ روضہ خاخ (جگہ کا نام) پہنچو گے وہاں ایک عورت ہوگی جس کے پاس خط ہوگا اس سے وہ خط لے لینا حضرت علی فرماتے ہیں ہم چلے ہمارے گھوڑے ہمیں دوڑاتے جا رہے تھے یہاں تک ہم روضہ خاخ پہنچے پس اچانک ہم اس عورت

پر پہنچ گئے ہم نے اس سے کہا خط نکال دے اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہم نے کہا خط نکال دے ورنہ ہم تیرے کپڑے اتار دیں گے تو اس نے بالوں کے جوڑے سے خط نکال دیا ہم اس خط کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اس میں کیا دیکھتے ہیں کہ اس میں لکھا ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے مکہ کے مشرکوں کے نام اس میں حضور کے بعض معاملات کے بارے میں خبر دی گئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر جلدی نہ کیجئے میں قریش کے ساتھ وابستہ فرد ہوں یعنی میں ان کا حلیف ہوں جبکہ میں ان کے نسب سے تعلق نہیں رکھتا جو آپ کے ساتھ مہاجرین ہیں ان کی قریش میں رشتہ داریاں ہیں جو ان کے اہل اور اموال کی حفاظت کریں گے پس میں نے پسند کیا جب قریش میں میرا نسب نہیں تو میں ان پر ایسا احسان کروں جس کے باعث وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں میں نے اپنے دین سے ارتداد اختیار کر کے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہو کر ایسا کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار اس نے تم سے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی مجھے اس منافق کی گردن اڑانے کی اجازت دیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ بدر میں حاضر ہوئے کیا تم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال پر مطلع ہو کر یہی فرمایا جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے سورت نازل فرمائی۔

اے ایمان والو میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ تم ان کی طرف پیغام محبت بھیجتے ہو جبکہ انہوں نے اس پیغام حق کا انکار کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس لائے؟ سورۃ الممتحنہ (۱)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ وہ قریش پر اس معاملہ کو مخفی رکھے یہاں تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر اچانک حملہ کریں۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰ رمضان شریف کو مدینہ طیبہ سے نکلے اور آپ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا جس میں تمام مہاجرین وانصار تھے۔

۴۲۵- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف میں مدینہ طیبہ سے نکلے اور آپ کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تھا اس وقت آپ کو مدینہ طیبہ میں آئے ساڑھے آٹھ سال ہو چکے تھے پس آپ اور دوسرے مسلمان مکہ کی طرف چلے۔ متفق علیہ

۴۲۶- آپ ہی سے مروی ہے انہوں نے کہا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر روانہ ہوئے اور مدینہ طیبہ پر ابو رھم کلثوم بن حصین بن عتبہ بن خلف غفاری کو نائب بنایا۔ رمضان شریف کے دس دن گزر چکے تھے یہاں تک آپ مر الظہر ان میں دس ہزار مسلمان لشکریوں کے ساتھ فروکش ہوئے۔

اسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور طبرانی نے کبیر میں کچھ زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے۔ مزینہ اور

سلیم سے ایک ہزار نوجوان تھے اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔اس بات پر اہل سیر نے اتفاق کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان شریف کی دس تاریخ کو مدینہ طیبہ سے نکلے اور مکہ مکرمہ میں ۱۹ رمضان کو داخل ہوئے۔

پھر ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کی تفتیش کے لئے نکلے۔

۷۲۴-عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔انہوں نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفتح کو چلے تو قریش کو اس کی خبر پہنچی تو ابوسفیان بن حرب، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبر کی حقیقت کو جاننے کے لئے نکلے وہ چلتے رہے یہاں تک کہ مرالظہر ان تک آ پہنچے اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ہر طرف آگ ہی آگ ہے۔گویا کہ مقامات عرفات کی آگ ہو۔ابو سفیان نے کہا یہ کیا ہے؟ گویا کہ یہ عرفات کی آگ ہو (مراد کثیر اجتماع) بدیل بن ورقاء نے کہا بنی عمرو کا پڑاؤ ہوگا۔ابوسفیان نے کہا بنی عمرو اس سے بہت کم ہیں اس اثناء میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نگرانی پر مقرر لوگوں نے انہیں دیکھ لیا ان تک پہنچے اور پکڑ لیا پھر انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں لے آئے ابوسفیان وہاں ہی مسلمان ہوگئے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے چلے تو آپ نے حضرت عباس سے فرمایا۔ابوسفیان کو پہاڑ کے آگے نکلے ہوئے حصہ پر کھڑا کردو تاکہ یہ مسلمانوں کو دیکھ سکیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو وہاں روک لیا جو قبائل حضور کے ساتھ تھے ایک ایک کر کے گزرنے لگے ایک قبیلہ گزرا تو ابوسفیان نے حضرت عباس سے پوچھا یہ کون ہیں۔حضرت عباس نے فرمایا یہ بنی غفار ہیں ابوسفیان نے کہا مجھے غفار سے کیا سروکار پھر جہینہ گزرے تو ابوسفیان نے پہلے کی مثل پوچھا پھر سعد بن ہذیم گزرے تو پہلے کی طرح گفتگو ہوئی پھر سلیم گزرے تو اسی طرح کہا۔

یہاں تک ایک ایسا لشکر گزرا جس جیسا نہ دیکھا گیا تھا ابوسفیان نے کہا یہ کون ہیں حضرت عباس نے فرمایا یہ انصار ہیں جن پر سعد بن عبادہ امیر ہیں جن کے ہاتھ میں جھنڈا ہے سعد بن عبادہ نے کہا اے ابو سفیان آج جنگ کا دن ہے آج کعبہ حلال ہوگا۔ابوسفیان نے کہا اے عباس یوم الذمار کتنا اچھا ہے (یوم زمار سے مراد ایسا دن جس میں بچاؤ کسی اور کے ذمہ ہو)۔

پھر ایک لشکر آیا یہ لشکروں میں سے معزز ترین لشکر تھا ایک روایت میں قلیل ترین تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تھے آپ کا جھنڈا حضرت زبیر بن عوام کے ہاتھ میں تھا۔

جب حضور ابوسفیان کے پاس سے گزرے تو عرض کی کیا آپ نہیں جانتے سعد بن عبادہ نے کیا کہا۔ پوچھا انہوں نے کیا کہا تو ابوسفیان نے ساری بات عرض کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان سے گفتگوسن کر اس کا رد فرمایا اور اس میں اس بات کا احساس دلایا گیا ہے کہ اس فتح کا مقصود خون اور عزتوں کا حلال کرنا نہیں تھا بلکہ مقصد حرم کی تعظیم و تکریم تھی اس وجہ سے اہل مغازی کے ہاں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں آج رحمت کا دن ہے۔ آج اللہ تعالیٰ قریش کو عزتوں سے سرفراز فرمائے گا۔

پھر آپ نے حضرت سعد بن عبادہ سے جھنڈا لے لیا اور ان کے بیٹے قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دے دیا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو مختلف امراء کی زیر قیادت تقسیم کر دیا حضرت زبیر ایک بازو پر تھے اور حضرت خالد دوسرے پر امیر تھے اور حضرت ابوعبیدہ پیدل لشکر پر امیر تھے۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم ہوا کہ قریش نے مسلمان افواج کے لئے مختلف قوموں سے لشکر اکھٹے کئے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو قتل کرنے کے لئے صرف انصار کو مختص فرمایا ان میں سے کسی کو قتل نہ کیا گیا مگر جن پر اللہ تعالیٰ نے شقاوت لکھ دی تھی پھر وہ لوگ بھاگ گئے یہاں تک کہ لشکر مختلف جگہوں سے داخل ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کے داخل ہونے کے لئے ثنیہ علیاء (کداء) کا راستہ متعین ہوا تمام لشکروں کے اکٹھے ہونے کی جگہ صفا متعین ہوئی۔

۴۲۸-حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا اے انصار میں تمہیں تمہاری ایک بات نہ بتاؤں پھر فتح مکہ کا ذکر کیا اور کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ پہنچے حضرت زبیر کو ایک بازو پر معین فرمایا اور حضرت خالد کو دوسرے بازو پر اور حضرت ابوعبیدہ کو پیدل افواج پر انہوں نے پوری وادی اپنی گرفت میں لے لی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹے لشکر میں تشریف فرما تھے حضرت ابوہریرہ نے کہا حضور نے مجھے دیکھا ادھر ادھر نظر کی اور مجھے دیکھ لیا فرمایا ابوہریرہ میں نے عرض کی لبیک یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا انصار کے علاوہ میرے پاس کوئی نہ آئے اور دوسری روایت میں ہے میرے لئے انصار کو بلاؤ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں پس انصار آپ کے گرد چکر لگانے لگے۔

صفحہ ۴۳: تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سعد نے جھوٹ کہا ہے بلکہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عزت دے گا اور اس روز کعبہ کو آراستہ کیا جائے گا۔

راوی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ آپ کا جھنڈا حجون کے مقام پر گاڑھا جائے۔

حضرت عروہ نے کہا نافع بن جبیر بن مطعم نے مجھے خبر دی۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت عباس سے سنا جو زبیر بن عوام سے کہہ رہے تھے اے ابوعبداللہ یہاں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا گاڑھنے کا حکم دیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا ہاں۔ حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

اس نص میں بہت سارے امور ہیں

اس میں ابوسفیان، اس کے ساتھیوں کی گرفتاری اور ان کے اسلام لانے کا ذکر ہے اس میں بہت مختصر تذکرہ ہے۔

اس میں قبائل کے اعتبار سے لشکر کو ابوسفیان پر گزارنے کا ذکر ہے تاکہ اس پر رعب طاری ہو اور مسلمانوں کی قوت اسے معلوم ہو اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے اسے خوف لاحق ہو، اس میں قبائل کا ذکر بھی بہت مختصر ہے جو قبائل اس دن گزرے ان میں سے بنوسلیم تھے جن کی تعداد ایک ہزار شاہسواروں پر مشتمل تھی اور بنوغفار جن کی تعداد تین صد اور ایک قول میں چار سو پچاس بنواسلم ان کی تعداد چار سو، بنوکعب بن عمرو جن کی تعداد پانچ سو مزینہ جن کی تعداد ایک ہزار جہینہ جن کی تعداد آٹھ سو ایک قول میں ایک ہزار آٹھ سو اشجع جن کی تعداد تین سو لیث ان کی تعداد دو صد پچاس پھر ایک سرسبز لشکر تھا جس میں ہزار زرہ پوش تھے جس میں چھوٹے بڑے جھنڈے تھے انصار کا ہر چھوٹے قبیلہ میں ایک جھنڈا تھا وہ لوہے میں چھپے تھے ان کی آنکھوں کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔

صفحہ ۹۴۵: قریش نے کمینے لوگوں اور پیروکاروں کو جمع کیا انہوں نے کہا ہم ان کو آگے کریں گے اگر ان کے حق میں کوئی چیز ہوئی تو ہم ان کے ساتھ ہوں گے اور اگر انہیں نقصان ہوا تو ہم سے جو مطالبہ کیا جائے گا ہم دے دیں گے۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قریش کے اوباش اور ان کے پیروکاروں کو دیکھو گے پھر ہاتھوں سے اشارہ فرمایا ایک دوسرے پر پھر فرمایا یہاں تک کہ تم مجھے صفا پر ملو گے انہوں نے کہا (راوی) ہم چلے اور جس کو چاہا ان کو قتل کر دیا ان میں سے کوئی بھی ہمیں گزند نہ پہنچا سکا۔

انہوں نے کہا (راوی) ابوسفیان آئے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی سرسبزی مباح قرار دے دی گئی آج کے بعد قریش نہ ہوں گے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے التجا کی کہ ابوسفیان کے اسلام لانے کے بعد آپ ان کے لئے کوئی ایسی چیز بنا دیں جو ان کے امتیاز کا باعث ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ اعزاز عطا کر دیا کہ جو ان کے گھر میں داخل ہو گیا اسے امان ہے۔

۴۲۹۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت عباس ابوسفیان کو لائے جنہوں نے مرالظہر ان کے مقام پر اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عباس نے انہیں کہا یا رسول اللہ بے شک ابوسفیان ایسے آدمی ہیں جو اس فخر کو پسند کرتے ہیں کاش آپ ان کے لئے کوئی اعزاز بنا دیتے۔ فرمایا ہاں جو ابوسفیان کے گھر داخل ہوا وہ امان میں ہے جس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا وہ بھی امن میں ہے۔ دوسری روایت میں اضافہ کیا اور جو مسجد میں اخل ہوا وہ بھی امان میں ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے پہلی روایت کے راوی صحیح کے راوی ہیں لیکن اس میں ابن

اسحاق سے عن عن کے صیغہ سے مروی ہے لیکن ابن اسحاق نے اسے سیرت میں زہری سے تصریح کے ساتھ بیان کیا ہے تو اس کی تدلیس کا امر زائل ہو گیا۔ واللہ اعلم

جس کی دوسری روایت تائید کرتی ہے اس حدیث کے اور بھی شواہد ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں عاجزی سے داخل ہوئے سر جھکا ہوا تھا کتاب اللہ کی تلاوت کر رہے تھے آپ مکہ میں غالب آگئے جابر فاتح کی حیثیت سے داخل نہ ہوئے صلوات اللہ وسلام علیہ وعلیٰ آلہ۔

۴۳۰- انس بن مالک سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز مکہ مکرمہ میں اس حال میں داخل ہوئے کہ آپ کی ٹوڑھی کجاوے پر جھکی ہوئی تھی۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا اور ذہبی اس سے خاموش رہے۔

۴۳۱- عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اونٹنی پر سوار دیکھا اور آپ سورۃ فتح کی آیات تلاوت کر رہے تھے وہ وہی ذات پاک ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے روک دیا بعد میں تمہیں ان پر فتح عطا کر دی۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ (الفتح: ۲۴)

یہ آیت اگرچہ صلح حدیبیہ کے روز قریشیوں کے واقعہ میں نازل ہوئی لیکن یہ فتح مکہ پر بھی پوری طرح منطبق ہوتی ہے یہ دونوں فتح ہی ہیں کیونکہ دونوں میں اللہ تعالیٰ نے قریش کے کفار کو قتال سے روک دیا تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تھا جس طرح مسلمانوں کو روک دیا اور انہوں نے قتال نہ کیا مگر حضرت خالد بن ولید کے لشکر نے جس کا ذکر میں ابھی تھوڑی دیر بعد کروں گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم احتیاطاً قتال کی تیاری کر کے داخل ہوئے تھے کیونکہ قریش کے اوباشوں سے جنگ کا خطرہ تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس کبھی قتال نہیں کیا۔

۴۳۲- حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام فتح کو مکہ میں داخل ہوئے آپ کے سر مبارک پر خود تھا جب آپ نے اسے اتارا تو ایک آدمی آیا کہا ابن خطل کعبہ کے پردوں کے ساتھ چمٹا ہوا ہے آپ نے فرمایا اسے قتل کر دو۔ متفق علیہ۔

ایک روایت ایسی بھی ہے جو خود پہننے کی مخالف ہے وہ یہ کہ آپ نے سیاہ عمامہ پہنا ہوا تھا۔

۴۳۲- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا اور احرام نہیں تھا۔ رواہ مسلم۔

دونوں نصوں کو جمع کرنے کے دو احتمال ہو سکتے ہیں۔

پہلا احتمال: جب آپ پہلی دفعہ داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خود ہو پھر آپ نے اسے اتار دیا ہو اور اس کے بعد پگڑی باندھی ہو اور دونوں صحابیوں نے اسے روایت کیا ہو جو انہوں نے دیکھا، اس چیز پر وہ

روایت بھی دلالت کرتی ہے کہ فتح مکہ پر آپ نے خطبہ دیا اور آپ پر سیاہ عمامہ تھا یہ خطبہ کعبہ کے دروازے پر تھا جونہی آپ اس میں داخل ہوئے تھے جس کا ذکر بعد میں آنے والا ہے۔

۴۳۴- عمرو بن حریث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس کی دونوں طرفیں کندھوں کے درمیان ڈھیلی چھوڑی ہوئی تھیں۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)

بیہقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں اس کے یہ الفاظ ہیں۔ گویا کہ میں فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھ رہا ہوں آپ پر سیاہ حرقانیہ عمامہ ہے آپ نے اس کی دونوں طرفیں اپنے کندھوں کے درمیان لٹکا رکھی ہیں۔

دوسرا احتمال: سیاہ عمامہ آپ نے خود کے اوپر لپیٹ رکھا ہو یا خود کے نیچے ہوتا کہ لوہے کے زنگ سے سر مبارک کو محفوظ رکھیں۔ حضرت انس نے ارادہ کیا ہو کہ آپ خود کا ذکر کریں کیونکہ آپ جنگ کے لئے تیار تھے۔ حضرت جابر نے عمامہ کا ذکر کیا ہوتا کہ یہ بتائیں کہ آپ بغیر احرام کے مکہ میں داخل ہوئے تھے اس وجہ سے ان کی یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بغیر احرام کے داخل ہوئے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول کے ساتھ لوگوں کو امان دی ہو جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوا اسے امان ہے جس نے گھر کا دروازہ بند کر لیا اسے امان ہے جو مسجد میں داخل ہو گیا اسے امان ہے۔ آپ نے اس امان سے چند مردوں اور عورتوں کو الگ رکھا انہیں میں سے ایک ابن خطل تھا جسے کعبہ کے پاس قتل کر دیا گیا تھا ان مردوں کی تعداد دس اور عورتوں کی تعداد چار تھی ان شاء اللہ ان سب کا ذکر کروں گا۔

۴۳۵- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فتح مکہ کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو امان دی مگر چار مردوں اور دو عورتوں کو اس روایت میں یہ بھی ہے کہ فرمایا انہیں قتل کر دو اگرچہ بیت اللہ شریف کے پردوں سے چمٹے ہوں اسے ابوداؤد، نسائی، حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

امام ذہبی نے اس کی توثیق کی ہے، بزار، بیہقی نے دلائل نبوت میں، ابویعلی نے رجال ثقات کے ساتھ اور دارقطنی نے اسے روایت کیا ہے۔

۴۳۶- حضرت سعید بن یربوع سے مروی ہے جنہیں صرم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز فرمایا چار افراد ایسے ہیں جنہیں میں حرم اور حل میں پناہ نہیں دوں گا حویرث بن نقید، مقیس بن صابہ، ہلال بن خطل اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور دو لونڈیوں جو مقیس کی ملکیت تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو گاتی تھیں ان میں سے ایک تو قتل کر دی گئی اور دوسری بچ نکلی پھر

مسلمان ہوگئی اسے ابوداؤد، دارقطنی ،طبرانی نے ثقہ لوگوں سے اور حاکم ،بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے۔

یہاں اور نصوص بھی ہیں

وہ لوگ جن کے خون کو حضور نے مباح قرار دیا وہ یہ ہیں عبداللہ بن خطل جسے ہلال کہا جاتا مقیس بن صبابہ کنانی، حویرث بن نقید حویرث بن طلاطل حزاعی یہ سب قتل کر دیئے گئے،عبداللہ بن سعد بن ابی سرح وحشی بن حرب، اسید بن ابی زنیم، ہبار بن اسود، عکرمہ بن ابی جہل، کعب بن زہیر، ان چھ افراد کو امان دی گئی۔انہوں نے بعد میں اسلام قبول کرلیا سارہ جسے ام سارہ کہتے ہیں عمرابن ہاشم بن مطلب بن عبدمناف کی لونڈی تھی جسے بنی مطلب کی لونڈی کہا جاتا، ہند بن عتبہ جو ابوسفیان کی بیوی تھی ،فرتنی ،قریبہ جو دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں ان میں سے ایک کو قتل کیا گیا اور دوسری مسلمان ہوگئی ایک قول یہ بھی ہے ان لونڈیوں کے علاوہ اور نام بھی تھے۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کداء سے مکہ کی اوپر والی جانب سے داخل ہوئے جبکہ آپ نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ گھوڑوں کے منہ پر اپنی اوڑھنیاں مار رہی ہیں۔

۴۳۷-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے عورتوں کو دیکھا جو اپنی اوڑھنیاں گھوڑوں کے منہ پر مار رہی ہیں آپ مسکراتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا اے ابوبکر حسان نے کیسے کہا تو ابوبکر صدیق نے یہ اشعار پڑھے میری بیٹی مرجائے اگر تم گھوڑوں کو غبار اڑاتے ہوئے نہ دیکھو جو کداء سے ظاہر ہورہے ہیں وہ گھوڑے لگاموں کو کھینچ رہے ہیں ان کی پشتوں پر زین کسی ہیں جبکہ عورتیں اپنی اوڑھنیاں انہیں مار رہی ہیں۔

۴۳۸-سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام فتح کو کداء سے داخل ہوئے جو مکہ مکرمہ کا بالائی حصہ ہے۔ متفق علیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی چلتے رہے یہاں تک کہ حجون کے مقام پر آپہنچے جہاں جھنڈا گاڑنے کا حکم دیا۔

۴۳۸-حضرت عروہ بن زبیر سے مروی ہے انہوں نے کہا مجھے نافع بن جبیر بن مطعم نے بتایا کہا میں نے حضرت عباس کو سنا جو زبیر بن عوام کو کہہ رہے تھے اے ابوعبداللہ یہاں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈا گاڑنے کا حکم ارشاد فرمایا کہا ہاں اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر ابوسفیان پر گزارنے کے بعد تین حصوں میں تقسیم کرلیا تھا۔ (۱) مہاجرین جن پر حضرت زبیر امیر تھے، (۲) انصار جن پر سعد بن عبادہ امیر تھے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے سامنے تھے، (۳) باقی سب قبائل جن پر خالد بن ولید امیر تھے۔

موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر بن عوام کو مہاجرین پر امیر بنایا اور حکم دیا کہ بالائی مکہ سے کداء کے راستے داخل ہو اور حکم دیا کہ وہ اپنا جھنڈا حجون کے مقام پر نصب کرے وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے یہاں تک کہ میں اس کے پاس پہنچ چکا ہوں اور حضرت خالد کو قبائل قضاع، سلیم اور دوسروں پر امیر بنایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ زیریں مکہ سے مکہ میں داخل ہو اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنا جھنڈا گھروں کے قریب گاڑھیں اور حضرت سعد بن عبادہ کو انصار کے لشکر پر امیر بنایا جو حضور کے سامنے چل رہا تھا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو رد کے رکھیں اور کسی سے جنگ نہ کریں یہاں تک جو ان سے لڑے۔

اس نص اور اس نص میں کوئی اختلاف نہیں جو میں نے ابو ہریرہ سے نقل کی ہے جس میں یہ تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو طلب کیا کہ وہ جسے پائیں اسے قتل کر دیں۔

کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام کو حکم دیا تھا کہ وہ پہلے قتال نہ کریں اور مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی سب کو امان دے دی تھی جب یہ فرمایا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اسے امان ہے جو مسجد حرام میں داخل ہو گیا اسے امان ہے جو اپنے گھر میں داخل ہو گیا اسے امان ہے لیکن قریش نے امان کی اس شرط کو پورا نہ کیا بلکہ انہوں نے لشکر اکٹھے کیے تھے جو حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں تھا کہ قریش نے اوباش اور پیروکاروں کو جمع کیا کہا ہم ان کو آگے رکھیں گے جو ان کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو متعین فرمایا کہ اگر یہ لوگ حملہ کریں تو ان کو قتل کیا جائے حضرت خالد بن ولید کے ساتھ مکہ کے جنوب میں خندمہ میں ایسا ہی واقع پیش آیا۔

اس کی مثل کہا جا سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو قتال کے لئے کیسے طلب کیا جبکہ آپ اہل مکہ کو امان دے چکے تھے یہ اس بناء پر تھا کہ امان شرط کے ساتھ مشروط تھی وہ یہ کہ اہل مکہ قتال نہ کریں اسلحہ پھینک دیں گھروں میں داخل ہو جائیں اسلحہ پھینک دیں اور دروازے بند رکھیں اسلحہ پھینک دیں اور بیت اللہ شریف میں داخل ہو جائیں جب اوباش لوگوں کو انہوں نے تیار کیا تو شرط کی مخالفت کی تو ان سے قتال کرنا جائز ہو گیا اسی وجہ سے حضرت خالد بن ولید نے ان کے ساتھ قتال کیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اذاخر سے آئے جو بلند جگہ ہے تو آپ نے سورج کی شعاعوں میں تلواروں کی چمک دیکھی فرمایا کیا میں نے قتال سے منع نہیں کیا تھا عرض کی گئی حضرت خالد پر حملہ کیا گیا تو آپ نے قتال کیا۔

پھر حضرت خالد کے سامنے سے مشرک پہاڑوں اور راستوں میں بھاگ گئے اور حضرت خالد کے شاہسواروں نے ان کا پیچھا کیا۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تشریف لائے اور حجر اسود سے بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔

۴۳۹-حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یہاں تک حجر اسود کے پاس پہنچے اسے بوسہ لیا پھر بیت اللہ شریف کا طواف کیا پھر آپ بیت اللہ شریف کے پہلو میں نصب بت کے پاس آئے جس کی وہ عبادت کرتے تھے حضرت ابو ہریرہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں کمان تھی آپ اس کی ایک جانب پکڑے ہوئے تھے جب آپ اس بت کے پاس پہنچے آپ اس کی آنکھوں میں ضرب لگانے لگے اور فرمانے لگے حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

قریش نے بیت اللہ شریف کے اردگرد بہت سے بت رکھے ہوئے تھے یہاں تک کہ ان کی تعداد ۳۶۰ تھی۔

۴۴۰-حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فتح کو بیت اللہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے اردگرد ۳۶۰ بت نصب تھے آپ اپنے ہاتھ میں موجود لکڑی سے کچوکہ لگاتے اور کہتے۔ ترجمہ: حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے والا ہے (الاسراء ۸۱) فرمایئے حق آ گیا اور باطل کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ (سبا: ۴۹)

ہاں حق آ گیا اور باطل ناپید ہو گیا بے شک باطل ناپید ہونے والا ہے

جب کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ مبارک سے بت کی طرف اشارہ کرتے بت حرکت کرتا اور گر پڑتا۔

۴۴۱-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ میں ۳۶۰ بت نصب تھے۔ تحقیق شیطان نے ان کے قدم سکہ سے مضبوط کئے ہوئے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں ٹہنی تھی آپ اس کے ساتھ جس بت کی طرف اشارہ کرتے تو بت آپ کے سامنے گر پڑتا یہاں تک آپ سب کے پاس گئے۔

اسے فاکھی، طبرانی نے روایت کیا اس کے رجال ثقہ ہیں بزار اور بیہقی نے اختصار سے روایت کیا ہے۔

اسے ابن حبان، فاکھی اور بیہقی نے دلائل میں اسی طرح ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے لیکن اس میں ضعف ہے اور اس کی شاہد ماقبل روایت ہے۔ واللہ اعلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں فوراً داخل نہیں ہوئے کیونکہ اس میں بہت زیادہ بت اور تصویریں تھیں آپ نے صحابہ کو بھیجا تاکہ وہ ان بتوں کو باہر نکال دیں جب بیت اللہ شریف خالی ہو گیا تو آپ اس میں داخل ہوئے۔

۴۴۲-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ آئے تو آپ نے بیت اللہ شریف میں داخل ہونے سے انکار کیا کیونکہ اس میں بت تھے آپ نے انہیں نکالنے کا حکم دیا تو انہیں نکال دیا گیا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی ایک تصویر بھی نکالی گئی جس میں دونوں کے ہاتھوں میں جوئے کے تیر دکھائے گئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ انہیں ہلاک کرے۔ یہ خوب جانتے تھے کہ ان دونوں ہستیوں نے کبھی بھی ان سے جوا نہیں کھیلا۔ پھر آپ بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے بیت اللہ شریف کے اطراف میں تکبیر کہی اور باہر نکلے اور اس میں نماز نہ پڑھی، جس نے بت نکالے تھے وہ حضرت عمر بن خطاب تھے۔

۴۴۳-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے دنوں میں حضرت عمر کو حکم دیا جب کہ وہ بطحاء کے مقام پر تھے کہ وہ کعبہ جائے اور اس میں موجود صورتوں کو مٹا دے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل نہ ہوئے یہاں تک کہ اس سے تمام صورتیں مٹا دی گئیں۔ ابوداؤد اور دوسرے لوگوں نے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ میں داخل ہوئے اور جو تصویریں باقی تھیں ان کو مٹا دیا۔

۴۴۴-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز اپنی سواری پر بالائی مکہ سے تشریف لائے آپ کے پیچھے اسامہ بن زید تھے اور ساتھ حضرت بلال اور عثمان بن طلحہ تھے جو بیت اللہ شریف کے حاجیوں میں سے تھے یہاں تک کہ آپ نے مسجد میں اپنی سواری بٹھائی حکم دیا کہ بیت اللہ شریف کی چابی حاضر کی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہوئے اور آپ کے ساتھ اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ تھے آپ اس میں طویل دن تک رہے پھر آپ نکلے۔ متفق علیہ

۴۴۵-حضرت امام مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے یہاں تک کہ کعبہ کی فنا میں سواری بٹھائی پھر عثمان بن طلحہ کو بلایا پھر فرمایا چابی لاؤ وہ اپنی ماں کے پاس گئے انہوں نے چابی دینے سے انکار کر دیا تو عثمان بن طلحہ نے والدہ سے کہا قسم بخدا چابی دے دو ورنہ یہ تلوار میری صلب سے نکل جائے گی۔ والدہ نے انہیں چابی دے دی وہ چابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے چابی آپ کو پیش کی آپ نے دروازہ کھولا۔

۴۴۶-حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا میں کعبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس میں تصویریں دیکھیں آپ نے پانی کا ایک ڈول منگوایا میں پانی کا ڈول آپ کے پاس لایا آپ ان کو مٹانے لگے اور فرمانے لگے اللہ تعالیٰ اس قوم کو ہلاک کرے جو ان کی تصویریں بناتے ہیں جنہیں پیدا نہیں کرتے۔ اسے طیالسی نے عمدہ سند کے

ساتھ مسلم کی شرط پر روایت کیا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اس پر محمول کی جائے گی جو تصویریں تیل سے بنائی گئی تھیں انہیں مٹا دیا اور جو مخروطی تھیں انہیں نکال دیا اور حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کو اس پر محمول کیا جائے گا کہ کچھ تصویریں باقی رہ گئیں تھیں جس نے انہیں پہلی دفعہ مٹایا اس پر یہ مخفی رہ گئی تھیں۔ واللہ اعلم۔

پھر آپ صفا کی طرف متوجہ ہوئے وہاں آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور وہاں صحابہ نے آگے پیچھے آنے کی وجہ سے کچھ حصہ پایا جبکہ انصار آپ کے اردگرد چکر لگا رہے تھے تو ابوسفیان قریش کے قتل کی شکایت کرتے ہوئے آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروط امان کو موکد کیا پس انصار نے گمان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رافت و رحمت نے آلیا ہے اس لئے شائید آپ یہیں رہ جائیں لیکن آپ نے وہ جواب دیا جس نے انصار کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا۔

۷۴۴- ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر تشریف لے گئے انصار حاضر ہوئے اور آپ کے اردگرد چکر لگانے لگے ابوسفیان آئے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کی سرسبزی کاٹ دی گئی آج کے بعد قریش میں سے کوئی نہیں ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا اسے امان ہے جس نے اسلحہ پھینک دیا اسے امان ہے جس نے اپنا دروازہ بند کر دیا اسے امان ہے۔

انصار نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو قبیلہ کی شفقت نے آلیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ ایک روایت میں ہے وحی آئی جب آپ پر وحی آتی تو معاملہ ہم پر مخفی نہ رہتا جب وحی آتی تو ہم سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر نہ اٹھاتا یہاں تک کہ وحی ختم ہو جاتی جب وحی ختم ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انصار کی جماعت، عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم حاضر ہیں۔ فرمایا تم نے کہا آپ کو تو قبیلہ کی محبت نے آلیا ہے عرض کی یہ بات ہوئی۔ فرمایا ہرگز نہیں میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔

انصار روتے ہوئے آگے بڑھے اور کہتے قسم بخدا ہم نے جو کچھ کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حریص ہوتے ہوئے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہیں معذور جانتے ہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے فرمایا اے گروہ قریش تمہاری کیا رائے ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں۔ انہوں نے عرض کی ہم بھلائی کی امید رکھتے ہیں آپ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاؤ تم آزاد ہو آج تم پر کوئی گرفت نہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں بخش دیا ہے اور وہ بہترین رحم فرمانے والا ہے۔ (یوسف: ۹۲)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوگیا آپ نے غسل کیا اور آٹھ رکعات نماز ادا کی یہ فتح مندی کی نماز تھی۔

۴۴۸-ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے انہوں نے کہا میں عام فتح کو حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئی میں نے آپ کو غسل کرتے ہوئے پایا آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ آپ کو پردہ کئے ہوئے تھیں میں نے آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا کون ہے میں نے عرض کی میں ام ہانی ہوں آپ نے فرمایا ام ہانی کو خوش آمدید جب آپ غسل سے فارغ ہوئے آپ کھڑے ہوئے آپ نے آٹھ رکعت نماز ادا کی جبکہ آپ ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے تھے، جب آپ فارغ ہوئے میں نے عرض کی اے رسول اللہ میرے بھائی علی بن ابی طالب نے ارادہ کیا ہے کہ میں اس آدمی کو ضرور قتل کروں گا جسے میں نے پناہ دی ہے یعنی ابن ہبیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام ہانی جسے تو نے پناہ دی اسے میں نے پناہ دی۔ام ہانی کہتی ہیں وہ چاشت کا وقت تھا۔متفق علیہ

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مرحلہ سے اطمینان ہوا تو آپ نے لوگوں سے اسلام پر بیعت لی۔

۴۴۹-اسود بن خلف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا جبکہ آپ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے آپ کے پاس مرد، عورتیں، چھوٹے بڑے حاضر ہوئے اور اسلام اور شہادت پر بیعت کی۔میں نے کہا شہادت کیا ہے انہوں نے کہا مجھے محمد بن اسود نے خبر دی یعنی ابن خلف کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانے اور اس بات پر گواہی دینے کہ اللہ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بیعت لی اسے احمد نے اور طبرانی نے کبیر واوسط میں اور بیہقی نے دلائل نبوت میں ثقہ لوگوں سے روایت کیا ہے۔

جن لوگوں کے خون مباح قرار دیئے گئے تھے ان کے قتل کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو باتوں کا اعلان فرمایا۔

آج کے بعد کوئی قریشی بطور انتقام قتل نہ کیا جائے گا۔

۴۵۰-مطیع بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتح مکہ کے روز یہ کہتے ہوئے سنا آج کہ بعد تا قیامت قریش کو انتقاماً قتل نہ کیا جائے گا۔اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس کا مطلب ہے جس طرح کہ علماء نے فرمایا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے یہ خبر دینا ہے کہ قریش سب اسلام قبول کرلیں گے ان میں سے کوئی مرتد نہ ہوگا جس طرح کہ دوسرے قبائل بعد میں مرتد ہوگئے جن سے جنگ کی گئی اور انہیں انتقاماً قتل کیا گیا۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں ظلماً قتل نہیں کیا جائے گا،اس کے بعد

قریش پر جو چیز گزری وہ معلوم ہے۔ واللہ اعلم۔ نووی

نمبر ۲: کعبہ شریف پر تا قیامت اسلام پر قائم رہتے ہوئے حملہ نہ کیا جائے گا۔

۴۵۱- حارث بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا اس پر تا قیامت حملہ نہ کیا جائے گا۔ اسے احمد، ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا یہ روایت حسن صحیح ہے۔ حمیدی، ابن ابی شیبہ، طبرانی نے کبیر میں، حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحیحین کے راوی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ''لاتغزی'' کے معنی میں دو احتمال ہیں۔

الاول: غزو کا ظاہری معنی جو مطلق ہے یعنی تا قیامت اس پر حملہ نہ کیا جائے گا۔

الثانی: مسلمان لشکر اس کو فتح کرنے کے لئے دوبارہ حملہ نہ کرے گا یعنی تا قیامت۔

یہ مسلمانوں کا علاقہ رہے گا اسے ضرورت نہ ہوگی کہ مسلمان لشکر اس پر دوسری دفعہ حملہ کرے یہی وہ مفہوم ہے جسے اس روایت کے کثیر راویوں نے بیان کیا ہے امام بیہقی نے اسے نقل کیا ہے اس حدیث میں یہی معنی زیادہ ظاہر ہے۔

ظہر کی نماز کے لئے اس روز کعبہ مشرفہ کی چھت پر حضرت بلال کے اذان دینے میں کئی امور ظاہر ہوئے۔ دوسرے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں مکہ کی حرمت کا اعلان فرمایا اور یہ کہ آپ کے علاوہ کسی پر یہ حلال نہیں ہوا اور نہ ہی آپ کے بعد کسی پر حلال ہوگا اور یہ صرف دن کی مخصوص ساعتوں میں حلال کیا گیا وہ یوم فتح کی صبح سے لے کر اس دن کی عصر تک پھر اس کی حرمت نئے سرے سے لوٹ آئی۔

اس خطبہ کا سبب یہ تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو امان دی تو آپ نے بنو بکر کو اس امان سے مستثنیٰ قرار دیا۔ جنہوں نے دتیر کے مقام پر بنو خزاعہ پر رات کے وقت حملہ کیا تھا اور یہ سلسلہ عصر تک چلتا رہا خزاعہ کے آدمی نے دوسرے روز مزدلفہ میں بنی بکر کے ایک آدمی کو قتل کر دیا جب خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی آپ اس پر سخت ناراض ہوئے اور یہ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں مکہ کی حرمت کا اعلان فرمایا اور مقتول کی دیت ادا کی۔

۴۵۲- عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مکہ فتح ہوا۔ فرمایا اپنے اسلحہ کو روک لو مگر خزاعہ کے لئے اجازت ہے کہ وہ بنو بکر سے بدلہ لے لیں۔ آپ نے اپنی اجازت دی یہاں تک کہ آپ نے عصر کی نماز پڑھی پھر فرمایا اب اپنے اسلحہ کو روک لو تو بنو خزاعہ کا ایک آدمی بنو بکر کے ایک آدمی کو اگلے روز صبح کے وقت مزدلفہ میں ملا تو اسے قتل کر دیا یہ خبر حضور کو پہنچی تو آپ خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے راوی نے کہا میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ کعبہ شریف کے

ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے اور فرمایا بے شک لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ پر سب سے زیادہ حد سے تجاوز کرنے والا وہ ہے جو حرم میں قتل کرے یا غیر قاتل کو قتل کرے یا جاہلیت کی جنایت کی وجہ سے قتل کرے۔ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۴۵۳-ابی شریح کعبی کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار بے شک اے خزاعہ کی جماعت تم نے اس مقتول کو زائد قتل کیا ہے میں اس کی دیت دینے والا ہوں میری اس گفتگو کے بعد جس کو قتل کیا گیا اس کے ورثاء کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہوگا وہ دیت لے لیں یا قصاص کے طور پر قاتل کو قتل کر دیں۔ اسے ابوداؤد، ترمذی نے روایت کیا ہے اسے حسن صحیح قرار دیا اس کی اصل صحیحین میں بھی ہے اس کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔ مکہ کی حرمت اور اس کی حرمت کا لوٹنا تا قیامت ہے۔

۴۵۴-حضرت ابی شریح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا جو مکہ مکرمہ کی طرف لشکر بھیج رہے تھے اے امیر مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو ایک بات بتاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز کھڑے ہوئے میرے کانوں نے سنا میرے دل نے اسے یاد کیا جب آپ محو گفتگو تھے تو میری آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرام قرار دیا اسے لوگوں نے حرام قرار نہیں دیا کسی ایسے آدمی کو کوئی حق نہیں پہنچتا جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کے اوپر ایمان رکھتا ہے کہ وہ اس میں خون بہائے اور نہ ہی اس کا کوئی درخت کاٹے اگر کوئی آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے سے استدلال کرے تو اسے کہو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اس کی اجازت دی تھی تمہیں اس کی اجازت نہیں دی۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے دن کی کچھ ساعتوں میں میرے لئے مکہ مکرمہ کو حلال کیا پھر آج بھی اس کی حرمت یوں ہی لوٹ آئی جس طرح کل اس کی حرمت تھی پس موجود غائب تک اس پیغام کو پہنچادے۔ متفق علیہ

۴۵۵-حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ خزاعہ نے بنی لیث کے ایک آدمی کو فتح کے ساتھ قصاصاً قتل کر دیا اس کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی آپ سواری پر سوار ہوئے آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے ہاتھی کو (ابرہہ کا لشکر) مکہ مکرمہ سے روک دیا تھا اپنے رسول اور مومنین کو اس پر غلبہ دیا۔ خبردار یہ مجھ سے قبل نہ کسی کے لئے حلال کیا گیا نہ اس کے بعد حلال ہوگا۔ خبردار میرے لئے دن کی کچھ ساعتوں میں حلال کیا گیا۔ خبردار بے شک وہ میری ساعت ہے یہ حرام ہے اس کے کانٹے کو نہ روندا جائے اور نہ درخت جھاڑا جائے ایک روایت میں یہ زائد ہے اس کے شکار کو نہ بھگایا جائے اس کی گری پڑی چیز کو کوئی نہ اٹھائے مگر اس لئے کہ وہ اس کا اعلان کرنے والا ہو جن کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے ان کے لئے دو راہیں ہیں انہیں دیت دی جائے یا وہ قصاصاً قاتل کو

قتل کر دیں۔

۴۵۶-حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز فرمایا بے شک اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس روز سے حرام قرار دیا ہے جس روز اس نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے سے حرام ہے اس میں جنگ و جدال مجھ سے قبل بھی حلال نہیں تھی اور میرے لئے بھی دن کی چند ساعتوں میں حلال کی گئی یہ تا قیامت اللہ تعالیٰ کے حرام قرار دینے سے حرام ہے۔ متفق علیہ۔

اس کے باوجود کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اس ساعت میں قتال کو مباح کیا گیا تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس وقت تک جنگ نہ کریں جب تک ان کے ساتھ جنگ نہ کی جائے تا کہ اس کی حرمت کی حفاظت کی جا سکے اور مکہ مکرمہ کے مکان کی رفعت شان کا اظہار ہو سکے اور حرم پاک کی عظمت کی حفاظت ہو سکے۔ اس وجہ سے مسلمانوں سے صرف دو اشخاص شہید ہوئے کرز بن جابر فہری، جیش بن خالد بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ دونوں راستہ بھول گئے تھے پس انہیں قتل کر دیا گیا اور مشرکین میں سے چوبیس مشرکین مکہ سے، چار ہذیل سے قتل کئے گئے ایک قول یہ بھی کیا گیا ہے بلکہ ان میں سے بارہ یا تیرہ افراد قتل کئے گئے۔

لیکن طبرانی کی اوسط میں عطاء بن سائب نے طاؤس سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک روایت کی ہے کہ حضرت خالد نے ستر آدمی قتل کئے حضرت عطاء اگرچہ سچے تھے تاہم ان میں اختلاط (ایک مرض) کا عارضہ لاحق تھا۔

مکہ مکرمہ کے فتح ہونے کے ساتھ ہی ہر علاقہ بھی دارالاسلام بن گیا اسی وجہ سے اس کے بعد جس نے مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی وہ مہاجروں میں شمار نہ کیا گیا۔

۴۵۷-حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز فرمایا اب کوئی ہجرت نہیں بلکہ جہاد اور اخلاص نیت ہے جب تمہیں جہاد کیلئے بلایا جائے تو نکل پڑو۔

۴۵۸-حضرت مجاشع بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بھائی حضرت مجالد بن مسعود کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے تا کہ بیعت ہجرت کریں تو آپ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں لیکن میں تجھ سے اسلام پر بیعت لیتا ہوں۔ (متفق علیہ)

ان کے علاوہ بھی نصوص ہیں ہجرت کے متعلق جو روایات ہیں اس کتاب میں ایک اور جگہ ذکر کر دی ہیں انہیں ملاحظہ فرمالیں یعنی باب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت اور اس کی فضیلت کا بیان۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں انیس دن رہے آپ چار رکعتوں والی نماز میں قصر فرماتے یہاں تک کہ مکہ مکرمہ میں سکون ہو گیا اور اس کے تمام باسی مسلمان ہو گئے سوائے چند کے جنہیں آپ نے کچھ مہلت دی پھر وہ بھی

مسلمان ہو گئے پھر آپ ہوازن، ثقیف قبائل کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے معرکہ حنین کے لئے تشریف لے گئے۔

۴۵۹-حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں انیس دن تک رہے آپ دو رکعتیں ادا فرماتے ابن عباس نے فرمایا ۱۹ دن تک قصر کرتے ہیں جب اس سے زیادہ قیام کریں تو مکمل نماز پڑھتے ہیں۔

عبد بن حمید کی روایت میں ہے کہ آپ نے بیس دن قیام کیا نماز میں قصر ہی کرتے رہے۔ ابی داؤد کی روایت میں سترہ دن کا ذکر ہے۔

ابی داؤد کی ہی ایک روایت میں نیز نسائی اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال مکہ مکرمہ میں پندرہ دن قیام کیا اور نماز قصر کرتے تھے۔

۴۶۰-عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا اور آپ کے ساتھ فتح مکہ میں شامل ہوا آپ نے وہاں اٹھارہ دن قیام کیا آپ دو رکعت نماز ادا فرماتے اور فرماتے اے شہر والو تم چار رکعت مکمل کرلو بے شک ہم مسافر ہیں اسے ابو داؤد، ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا۔

حافظ ابن حجر نے ان مذکورہ روایات کے درمیان فتح الباری اور تلخیص حبیر میں یوں تطبیق دی ہے امام الحرمین اور بیہقی نے ان کے درمیان ان کو یوں جمع کیا ہے کہ یہ احتمال موجود ہے کہ بعض روایات میں آپ کے داخل ہونے اور روانہ ہونے کو شمار نہ کیا ہو پس یہ سترہ دنوں والی روایت بنتی ہے۔ بعض میں دونوں کو شمار کیا یہ انیس دن کی روایت ہے یوم دخول کو تو شمار کیا لیکن یوم خروج کو شمار نہیں کیا یہ اٹھارہ دنوں والی روایت بنتی ہے۔ حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یہ بہترین تطبیق ہے۔

پندرہ دنوں والی روایت شاذ ہوگی کیونکہ وہ ان مذکورہ روایتوں کی مخالف ہے بیس دنوں والی روایت کی سند اگرچہ صحیح ہے تاہم وہ بھی شاذ ہے۔ آپ نے فتح (کتاب کا نام) میں فرمایا کہ امام نووی نے خلاصہ میں پندرہ دنوں والی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔

امام نووی کا یہ قول جید نہیں ہے کیونکہ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں ابن اسحاق اس روایت کو روایت کرنے میں منفرد نہیں کیونکہ امام نسائی نے اسے عراک بن مالک سے انہوں نے عبیداللہ سے اسے روایت کیا ہے جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ صحیح ہے تو چاہیئے کہ اسے یوں محمول کیا جائے کہ راوی نے یہ گمان کیا ہے کہ اصل سترہ دن والی روایت ہے اور اس سے یوم الدخول اور یوم خروج کو نکال دیا اور یہ ذکر کردیا کہ یہ پندرہ دن ہیں بیس کی روایت کو کسر کو پورا کرنے پر محمول کیا جائے۔

پھر فتح میں فرمایا انیس والی روایت دوسری روایات سے راجح ہے اس کو اسحاق بن راھویہ نے لیا ہے

اسے یہ دلیل بھی راجح کرتی ہے۔ روایات صحیحہ زیادہ تر اسی طرح وارد ہوئی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول جب ہم تیرہ دن کا سفر کرتے تو قصر کرتے جب اس سے زیادہ سفر کرتے تو مکمل کرتے اسی طرح کی وہ روایت بھی ہے جس کو تھوڑا پہلے میں نے ذکر کیا ہے ہم ایک اور انیس دنوں کے درمیان کا سفر کرتے تو قصر کرتے جب اس سے زیادہ کرتے تو مکمل نماز پڑھتے اس سے مراد ظاہر مفہوم نہیں کہ جب انیس دنوں سے زیادتی اتمام کو لازم کر دیتی ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب ہم سفر کریں اور اتنے دن اقامت کریں یہ ابو یعلیٰ کی روایت ہے جب ہم سفر کریں اور کسی جگہ انیس دن ٹھہرنے کی نیت کریں اس چیز پر آپ کے قول کا پہلا حصہ دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے اور ترمذی کی روایت بھی حدیث سابق کی تائید کرتی ہے جب اس سے زیادہ قیام کرتے تو چار رکعت پڑھتے اور ابن حبان کے ہاں یہ الفاظ ہیں ابن عباس نے فرمایا جو سترہ دن قیام کرے وہ نماز میں قصر کرے اور جو اس سے زیادہ قیام کرے وہ نماز کو مکمل کرے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

جب انصار نے یہ خوف محسوس کیا کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد یہاں ٹھہر جائیں گے کیونکہ یہ آپ کا شہر اور وطن ہے یہاں آپ کا خاندان اور قبیلہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جواب ارشاد فرمایا ہرگز نہیں میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے، میری زندگی و موت تمہارے ساتھ ہے یعنی وہ ہجرت جو میں نے اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی ہے اس سے نہیں لوٹوں گا بلکہ اپنی ہجرت اس جگہ لازم پکڑوں گا جہاں میں نے ہجرت کی ہے اور وہ تم ہو میری زندگی تمہارے ساتھ ہے میں تمہارے ہاں زندگی بسر کروں گا اور میری موت تمہارے ساتھ ہے میں تمہارے ہاں ہی اس جہاں سے پردہ کروں گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تو وہ روتے ہوئے آگے بڑھے اور ان کے دلوں میں جو کھٹکا پیدا ہوا تھا اس پر معذرت کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے قسم بخدا جو کچھ ہم نے کہا آپ کی صحبت اور دائمی شرف پر بخل کی وجہ سے کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کی اور ان کی معذرت قبول کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہاری معذرت قبول کرتے ہیں۔ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے جسے مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔

مکہ مکرمہ اللہ تعالیٰ کا معزز حرم اور عظیم شہر ہے کعبہ مشرفہ تمام محرمات سے بڑھ کر ہے اور اس کی حرمت دوسرے حرم سے زیادہ موکد ہے یہ سب کا سب مشرکین کی ان آلودگیوں سے بھر چکا تھا جو انہوں نے اس کے اندر اور ارد گرد بت نصب کر رکھے تھے اور دین میں جو منکرات پیدا کر دی تھیں یہاں تک کہ اس کے بعد بہت سارے آثار ناپید ہو گئے اور جو کچھ انہوں نے قبیحات شروع کیں اللہ تعالیٰ کے انکار سے بڑھ کر کیا چیز ہو سکتی ہے اس سے بڑھ کر جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کیا۔

یہ سب چیزیں بلکہ اس سے ادنیٰ چیز سے بھی اس کی تطہیر ضروری ہے لیکن حرم کو کون حلال جانے اور اہل حرم کا مقابلہ کرے۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ حرم اول کی تطہیر کے لئے حرم ثانی (مدینہ طیبہ) کو پسند فرمایا اور حرمین کے سردار، جن وانس کے امام انبیاء ورسل میں سے سب سے عظیم کو پسند فرمایا جو اللہ تعالیٰ کو سب مخلوقات سے بڑھ کر جاننے والے اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں اس لئے مناسب یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی حرمات سے سب سے عظیم کو مخلوقات میں سے سب سے معزز فتح کرے اور اس کے ساتھ حرم ثانی کے مکین ہوں یعنی مہاجرین وانصار اور باقی مسلمان جو رسولوں کے بعد سب سے معزز ہیں۔

مکہ مکرمہ کی عظمتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ مباح نہیں کیا گیا مگر رسولوں میں سے سب سے زیادہ معزز رسول کے لئے اور از روئے شان کے سب سے محترم کے لئے آپ اس کی حرمت کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے جو اس کی قدر پہچانتا ہے ان سب سے آپ بہتر ہیں اس وجہ سے آپ کے لئے چند ساعتوں کیلئے اسے مباح کیا گیا تا کہ ہر امر کو اس کی جگہ رکھیں اور مکہ مکرمہ کو اس کا مقام عطا کریں۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت بنایا اور جہاں بھر کے لئے بھیجا اللہ جل شانہ نے فرمایا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر عالمین کے لئے رحمت بنا کر۔ (الانبیاء:۱۰۷) آپ عالمین کے لئے رحمت ہیں صرف انسانوں کے لئے رحمت نہیں۔

۴۶۱- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے لوگو بے شک میں سراپا رحمت ہوں جو تمہیں بطور تحفہ عطا کی گئی ہے اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور شیخین کی شروط پر صحیح قرار دیا ہے نیز ذہبی نے توثیق کی اور طبرانی اور بزار نے رجال صحیح کے ساتھ بیان کیا ہے۔

پس آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاں بھر کے لئے ہدیہ کی ہوئی رحمت ہیں اور اس قوم سے بڑھ کر اور کون اس رحمت کا مستحق بن سکتا ہے جس قوم میں آپ کے آباء اجداد، چچے خالو اور خاندان شامل ہے اور اس شہر سے بڑھ کر کون رحمت کا مستحق ہوسکتا ہے جو آپ کا وطن یا جائے پیدائش، پروان چڑھنے کی جگہ اور زندگی گزارنے کی جگہ بنا اور اس سے بڑھ کر کون سا منطقہ اس رحمت کا زیادہ مستحق بن سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حرم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آنکھوں کی ٹھنڈک دلوں کا مرکز بنایا۔

جب یہ رحمت دور والوں، بہت دور والوں کو شامل ہے تو قریب والے اور بہت قریبی تو اور زیادہ اس کے مستحق ہیں جب یہ رحمت انہیں شامل ہے جنہیں عالمین کا لفظ شامل ہے تو یہ اس کو بدرجہ اولیٰ شامل ہوگی جسے اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کی طرف بڑے لشکر کے ساتھ تشریف لے گئے تو لشکر کی کثیر

تعداد اس موقع کی تاڑ میں تھی کہ وہ قریش سے اس ظلم کا انتقام لیں جو انہوں نے مسلمانوں سے روا رکھا تھا اور احد اور خندق کے روز جو انہوں نے معاملہ کیا تھا اس چیز کو حضرت سعد بن عبادہ نے حضرت ابوسفیان کے ساتھ اس گفتگو میں بیان کیا جب لشکر ان پر گزارا جا رہا تھا آج جنگ کا دن ہے آج کعبہ حلال ہو گا۔ اہل مغازی کے ہاں یہ الفاظ منقول ہیں آج حرمت کو حلال کیا جائے گا آج اللہ تعالیٰ قریش کو ذلیل کرے گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ جواب دیا جو میں نے ذکر کیا ہے پھر آپ نے ان سے جھنڈا لے لیا اور جھنڈا ان کے بیٹے قیس کو دے دیا جس طرح کہ حضور نے قائدین لشکر اور دوسرے افراد کو جنگ نہ کرنے کا حکم دیا مگر اس صورت میں کہ ان کے ساتھ جنگ کی جائے یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حرم کی تعظیم کے لئے تھا اور اس حرمت کی تکریم تھی جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کے لئے مباح کر دیا تھا اور اس ساعت کو حلال کر دیا تھا۔

تا کہ اللہ تعالیٰ کا احسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان کے ساتھ جمع کر دیا جائے حضور کا ایک نہیں بلکہ ان پر کئی احسانات ہیں جب آپ نے ان سے فرمایا جاؤ پس تم آزاد ہو جب آپ نے معاف کر دیا اور ان کے برے اعمال پر انہیں کوئی سزا نہ دی یہاں تک گھروں میں سے بھی کوئی چیز واپس نہ لی اور نہ ہی مہاجرین کو اس بات کی اجازت دی کہ ان سے کوئی چیز لیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا احسان مخلوق خدا پر مکمل ہوا ایک حرم نے دوسرے حرم کو فتح کیا اور مخلوقات کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی اسے مباح کیا گیا یہ چیز بھی حرم کی حد درجہ توقیر پر دال ہے کہ اس ساعت میں اس کی حصانت (حفاظت) کو لوٹا لیا گیا تا کہ دوسرے حرم والے اس میں داخل ہوں اور ان تمام آلودگیوں کو آپ کی نگرانی میں زائل کر دیں جو حرم اول میں شروع کر دی گئی تھیں جب وہ اپنی اصلی حالت صفائی، پاکیزگی، طہارت، عبودیت اور توحید کی طرف پلٹ آیا تو اس کی دائمی حرمت قیامت تک پھر پلٹ آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف مہاجر کی حیثیت سے نکلے پھر اس کی طرف رحیم، رؤف، مطہر، فاتح اور عزت دینے والے کی حیثیت سے پلٹے جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست حق پرست پر آپ کو فتح عطا فرمائی اور آپ کے دست حق پرست پر اسے عزت دی اور آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو محفوظ رکھا اور آپ کے وسیلہ سے خون، عزت کو محفوظ رکھا اور اللہ تعالیٰ نے مال و حلال کو محفوظ کیا اور اللہ جل شانہ نے کعبہ مشرفہ کو شرک، اصنام کی آلودگیوں سے پاک کیا اور آپ کے ذریعے اپنے دین کو محفوظ کیا اور حضرت ابراہیم کی وراثت کو محفوظ کیا اور آپ کے ذریعہ مکہ مکرمہ کو اس کی بزرگی، عزت، فخر، شان، حرمت اور طہارت کو لوٹا دیا پس مدینہ طیبہ کے بعد یہ دوسرا شہر بن گیا کیونکہ مدینہ طیبہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدہ کا دار الحکومت تھا۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس آلودگی کو یوں ہی رکھا جو آلودگی عمر ابن لحی خزاعی کے زمانہ سے مکہ میں پیدا کی

گئی اور کئی سالوں تک رہی اور یہ بڑھتی ہی رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے نبی، صفی، حبیب، خلیل حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا تا کہ آپ معزز ترین حرم کو پاک کرنے والے ہوں حضور انبیاء میں سے سب سے عظیم، رسولوں میں سے جلیل ترین، چنے ہوؤں میں سے افضل اور بہترین ہیں صلوات اللہ وسلم علیہ، جب تک ذکر کرنے والے ذکر کرتے رہیں گے اور غافل اس کے ذکر سے غافل رہیں گے۔

یہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ کے ہاں عظمت شان اور رفعت مکان پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنے حرم پاک کو مباح کیا جبکہ جب سے زمین وآسمان کو تخلیق فرمایا اسے حرم قرار دیا اور کسی کے لئے پہلے نہ اس کے بعد اسے مباح کیا جس طرح کہ یہ چیز آپ کے ساتھیوں کی عظمت شان پر دال ہے اس وجہ سے یہ لوگ بنی آدم سے سب سے بہترین زمانے والے ہیں جس طرح کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے علی الاطلاق یہ ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہوئے جبکہ آپ سر جھکائے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تلاوت کر رہے تھے مکہ مکرمہ میں جبار، منتقم، قتال سفاک کی حیثیت سے داخل نہیں ہوئے۔

آپ اس میں داخل ہوئے جبکہ آپ کے ساتھ وہ لوگ تھے جن کا اجر اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے رکھا ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے والے تھے اور اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنے والے تھے آپ کے ساتھ جبار منتقم نہ تھے بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے حرم کی تعظیم کرنے والے اللہ تعالیٰ کے حضور سر جھکانے والے اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول کی اطاعت کرنے والے تھے پس اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح سے نواز کر عزتوں سے سرفراز کیا۔

پھر آپ ان سب کے ساتھ دار ہجرت کی طرف پلٹے جبکہ مکہ مکرمہ کے لوگ مسلمان ہو چکے تھے اسے پاک وصاف کیا جا چکا تھا آپ مدینہ طیبہ کی طرف اس لئے لوٹے کیونکہ آپ نے فرمایا تھا میں نے اللہ اور تمہاری طرف ہجرت کی میری زندگی وموت تمہارے ساتھ ہے یوم حنین کو آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے ساتھ پلٹیں اور تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس پلٹو۔

انصار آپ کے ساتھ واپس لوٹے پس آپ کی زندگی وموت ان کے ساتھ ہوئی وعدہ پورا ہو گیا جب عالم میں مقدس ترین جگہ نے آپ کو اپنی آغوش میں لیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مکہ مکرمہ میں آپ کی ولادت، جوانی اور بعثت ہوئی اور مدینہ طیبہ میں ہجرت اور آرام گاہ بنی فتح مکہ میں یہی راز تھا اور دونوں شہروں میں یہی تعلق جو قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ دونوں حرم مکرم ہیں میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ ہمیں ان کا مکین بنائے ہمیں اس کا ادب کرنے کی توفیق نصیب فرمائے یہاں

موت اور یہاں رہنے والوں کے ساتھ حشر عطا فرمائے جبکہ ہم آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء حمد کے نیچے ہوں۔ اللہم امین۔

مدینہ طیبہ میں حدود کو قائم کرنا

مدینہ منورہ اگرچہ حرم ہے اس میں باہمی قتال، خون بہانا، درخت کاٹنا، شکار کو قتل کرنا حرام ہے مگر یہ سب چیزیں حدود کو قائم کرنے سے رکاوٹ نہیں کیونکہ حدود اللہ کو قائم کرنا اللہ تعالیٰ کا حق ہے جن کو کسی صورت ضائع کرنا جائز نہیں اور حرم میں قائم کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد دوسرے خلفاء مختلف قسم کی حدود اس میں قائم کرتے تھے جیسے حد قذف، حد زنا، حد شرب اور قصاص وغیرہ جبکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی محرمات کو زیادہ جاننے والے تھے اللہ تعالیٰ کے حکم کی زیادہ اطاعت کرنے والے تھے اور اللہ تعالیٰ کی حرمات کی تعظیم کے لئے حریص تھے۔

خواہ جنایت حرم میں ہو یا حل میں پھر وہ حرم کی پناہ چاہے اس پر حد جاری کی جائے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں نمونہ کے طور پر ان حدود کا ذکر کروں گا جو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں قائم کیں کیونکہ مقصود تنبیہ ہے اللہ تعالیٰ آسانی پیدا فرمانے والا ہے اور مددگار ہے۔

ارتداد اور ڈاکہ کی حد

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عکل و عرینہ سے کچھ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام کے متعلق گفتگو کی اور کہا اے اللہ کے نبی ہم تو جانور پالنے والے ہیں کاشتکار نہیں ہیں انہیں مدینہ طیبہ میں پیٹ کی امراض لاحق ہو گئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق اونٹوں کے ریوڑ اور چرواہے کے متعلق فرمایا نیز انہیں حکم دیا کہ وہ ریوڑ میں چلے جائیں اور ان کے دودھ اور پیشاب پئیں وہ چلے گئے جب وہ حرہ کی ایک طرف تھے انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی آپ نے ان کا پیچھا کرنے کا حکم دیا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں جب دن خوب بلند ہو گیا انہیں آپ کی خدمت میں لایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے فرمایا صحابہ نے ان کی آنکھیں نکال دیں ان کے ہاتھ کاٹ دیئے اور حرہ کی ایک طرف پھینک دیا گیا یہاں تک کہ وہ اس حالت میں مر گئے۔ متفق علیہ۔

امام بخاری نے ایک روایت میں زائد بیان کیا ابو قلابہ نے کہا انہوں نے چوری کی، انہوں نے قتل کیا، اسلام کے بعد کفر اختیار کیا اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔

ابو داؤد کی روایت میں یہ زائد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تلاش میں قافہ کو بھیجا وہ انہیں لے

آیا فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ حکم نازل کیا ہے۔

ترجمہ: بے شک جزا ان لوگوں کی جو لوگ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں .... کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی پر لٹکایا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ (المائدہ: ۳۳)

انہوں نے چرواہے کو قتل کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کا مثلہ کیا پھر اونٹ بھگا کر لے گئے اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کیا پس وہ ان سب چیزوں کے مستحق بنے یعنی قتل اور ہاتھ پاؤں کو مخالف سمت سے کاٹنا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

مقتول میں قصاص

قاتل کو اسی چیز کے ساتھ قتل کیا جائے گا جس کے ساتھ اس نے مقتول کو قتل کیا ہوگا یہی جمہور کا مذہب ہے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت کرتے ہوئے۔

ترجمہ: ''اگر وہ تمہیں تکلیف دیں تو تم انہیں اس طرح تکلیف دو جیسی تمہیں دی گئی۔'' (النحل: ۱۲۶)

''تم اس پر زیادتی کرلو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو'' (بقرہ: ۱۹۴)

۴۶۳- انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک عورت مدینہ سے نکلی جس نے چاندی کا زیور پہنا ہوا تھا۔ کہا ایک یہودی نے اسے پتھر مارا ایک دوسری روایت میں ہے ایک یہودی نے اس عورت کے سر کو دو پتھروں کے درمیان کوٹ ڈالا۔ حضرت انس بن مالک نے کہا اسے حضور صلی اللہ علیہ ولم کی بارگاہ اقدس میں لایا گیا اس میں زندگی کے کچھ آثار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجھے فلاں نے قتل کیا ہے اس نے اپنا سر اٹھایا۔ حضور نے دوبارہ یہی بات دہرائی تجھے فلاں نے قتل کیا ہے اس نے اپنا سر اٹھایا۔ آپ نے اسے تیسری دفعہ فرمایا تجھے فلاں نے قتل کیا ہے اس نے اپنا سر جھکا دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا بھیجا ایک اور روایت میں یہ زائد ہے آپ اس سے لگا تار گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ اس نے اقرار کرلیا۔ حضور نے اسے دو پتھروں کے درمیان قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ متفق علیہ۔

اس خبیث یہودی نے انصار کی اس بچی کو اس کے زیورات کی وجہ سے قتل کر دیا تھا جب اس نے قتل کا اعتراف کرلیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے اسے پتھروں کے ساتھ قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

جان سے کم میں قصاص

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم جان سے کم میں بھی ہے یعنی دانت کے بدلے دانت۔

۴۶۴-انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ربیع جونضر کی بیٹی تھی نے ایک عورت کے اگلے دانت توڑ دیئے انہوں نے دیت کا مطالبہ کیا جبکہ زیادتی کرنے والوں نے معافی چاہی پھر سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے قصاص کا حکم دیا تو انس بن نضر نے عرض کی کیا (یارسول اللہ) ربیع کے دانت توڑ دیئے جائیں گے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہرگز نہیں قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ ربیع کے دانت نہیں توڑے جائیں گے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اللہ کا حکم تو قصاص ہے تو دوسرا فریق راضی ہو گیا اور انہوں نے معاف کر دیا ایک دوسری روایت میں ہے قوم دیت لینے پر راضی ہوگئی۔تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھا دیں تو وہ ضرور پوری فرمادے۔ یہ بخاری کے لفظ ہیں۔

۴۶۵-امام مسلم کے پاس انہیں سے یہ روایت یوں ہے کہ ربیع کی بہن ام حارثہ نے ایک انسان کو زخمی کر دیا وہ معاملہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں لے گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قصاص ام ربیع نے عرض کی کیا فلانہ سے قصاص لیا جائے گا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم بخدا اس سے ہرگز قصاص نہیں لیا جائے گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ اے ام ربیع قصاص اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فریضہ ہے۔اس نے عرض کی نہیں قسم بخدا اس سے کبھی بھی قصاص نہیں لیا جائے گا وہ یہی بات دہراتی رہی یہاں تک کہ انہوں نے دیت کو قبول کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں اگر وہ اللہ تعالیٰ کی قسم اٹھادیں تو وہ ضرور پوری فرمادے۔

انس بن نضر یا ام الربیع کا قول قسم بخدا اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے حکم کو رد کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد قصاص کے مستحقین کو راغب کرنا ہے کہ وہ معاف کر دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ التجاء کرنا ہے کہ وہ ملزم کی شفاعت فرمائیں اور قسم اس لئے اٹھائی کیونکہ فریق مخالف کے بارے میں یہ اعتماد تھا کہ وہ اسے نہیں توڑیں گے یا اللہ تعالیٰ کے فضل ولطف پر اعتماد تھا کہ وہ اسے نہیں توڑے گا بلکہ انہیں معاف کرنے کا الہام فرمائے گا۔

جو چیز ظاہراً معلوم ہوتی ہے (اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے) کہ یہ دو مختلف واقعات ہیں کیونکہ ان دونوں میں جنایات کرنے والے مختلف ہیں کہ وہ ربیع ہے یا اس کی بہن اور جنایت کی نوعیت بھی مختلف ہے کیا اگلے دانت توڑے گئے یا زخمی کیا گیا اور قسم اٹھانے والا کون تھا کیا وہ انس بن نضر تھا یا ام الربیع اس چیز کو ابن حزم نے یقین کے ساتھ بیان کیا ہے۔امام نووی نے بھی یہی کہا اور حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے احتمال ذکر کیا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے علاوہ بھی قصاص ودیت کے احکام ہیں۔

اب میں حدود کی طرف منتقل ہوتا ہوں۔

شراب پینے والے پر حد

شراب پینے والے پر حد کے بارے میں بہت ساری نصوص وارد ہوئی ہیں میں ان میں سے بعض کا ذکر کروں گا۔

۴۶۶۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شراب پینے میں جوتے اور کھجور کی ٹہنی سے چالیس ضربیں لگاتے تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب پینے میں کھجور کی ٹہنی اور جوتے سے ضربیں لگائیں اور سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ نے چالیس ضربیں لگائیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ایک آدمی کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی آپ نے دوشاخوں والی چھڑی سے چالیس ضربیں لگائیں۔راوی نے یہ بھی کہا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی یہی کیا جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مشورہ طلب کیا تو حضرت عبدالرحمٰن نے کہا ہلکی ترین حد اسی کوڑے ہیں۔ حضرت عمر نے اسی کا حکم دیا۔متفق علیہ۔آخری روایت مسلم کے الفاظ ہیں، پہلی بھی انہیں کی ہے اور دوسری بخاری کی روایت ہے۔

۴۶۷۔حصین بن منذر سے روایت ہے جو ابوساسان ہیں انہوں نے کہا میں حضرت عثمان بن عفان کے پاس حاضر ہوا تو آپ کی خدمت میں ولید کو لایا گیا جو ابن عقبہ بن معیط تھا جس نے صبح کی دو رکعتیں پڑھیں پھر کہا میں تمہیں زائد پڑھاتا ہوں پس دو آدمیوں نے اس کے خلاف گواہی دی جن میں سے ایک حمران تھا کہ اس نے شراب پی ہے اور دوسرے نے گواہی دی اس نے اسے قے کرتے ہوئے دیکھا ہے تو حضرت عثمان نے فرمایا: اس نے قے نہیں کی مگر اس نے شراب پی۔تو آپ نے فرمایا اے علی اٹھو اس پر حد قائم کرو تو حضرت علی نے کہا اے حسن اٹھو اس پر حد قائم کرو تو حضرت حسن نے کہا امارت کے مشکل امور کی ذمہ داری اسے ہی سپرد کرو جو اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے گویا اس پر وہ ناراض ہوئے تو فرمایا اے عبداللہ بن جعفر اٹھو اور اسے کوڑے مارو انہوں نے اسے کوڑے مارے اور حضرت علی شیر خدا گن رہے تھے یہاں تک کہ چالیس کی تعداد پوری ہوئی تو فرمایا اب رک جاؤ۔ پھر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے چالیس کوڑے مارے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی یہ سب سنت ہے یہ مجھے پسند ہے اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوڑے مارنے کا حکم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض کیا ان کی تعظیم کے لئے حضرت علی نے اپنے لخت جگر حضرت حسن کو حد قائم کرنے کا حکم دیا حضرت حسن یہ عمل

کرنے سے رک گئے اور امثال عرب میں سے ایک ضرب المثل ذکر کی تو حضرت علی شیر خدا نے حضرت عبداللہ بن جعفر کو ولید پر حد جاری کرنے کا حکم ارشاد فرمایا حضرت عبداللہ نے اس حکم کو قبول کیا اور اسے چالیس کوڑے لگائے۔

لیکن بخاری شریف میں عبیداللہ بن عدی بن خیار کے واسطے سے ایک روایت ہے کہ حضرت علی شیر خدا نے اسے اسی کوڑے مارے اور دوسری روایت میں ہے اسے چالیس کوڑے مارے جس طرح حصین کی روایت میں ہے۔

لیکن قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ حضرت علی سے مشہور مذہب یہ ہے کہ آپ شراب پینے کے جرم میں اسی درے لگاتے اور آپ سے یہ بھی منقول ہے شراب تھوڑی پی جائے یا زیادہ اسی درے ہیں اور آپ سے یہ بھی مردی ہے کہ جو آدمی نجاشی کے نام سے معروف تھا اسے آپ نے اسی درے لگائے۔

فرمایا یہ بھی مشہور ہے کہ حضرت علی شیر خدا نے ہی حضرت عمر کو مشورہ دیا تھا کہ شراب پینے کی حد اسی درے قائم فرمائیں جس طرح موطا اور دوسری کتب میں یہ روایت ہے۔

فرمایا یہ سب اس بات کو ترجیح دیتی ہیں کہ آپ نے ولید کو اسی درے لگائے۔

فرمایا اس روایت (یعنی اسی دروں والی) اور امام مسلم کی روایت جس میں چالیس دروں کا ذکر ہے میں یوں تطبیق کی گئی ہے کہ وہ چھڑی جس سے اسے مارا گیا اس کی دو شاخیں تھیں اس سے چالیس ضربیں لگائی گئیں تو سب اسی بن گئیں۔

میں کہتا ہوں جو یہ روایت کی گئی ہے کہ اسے ایسی چھڑی کے ساتھ مارا گیا جس کے دو سرے تھے اسے ابن شبر نے اخبار المدینہ میں حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس طرح حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اسی طرف جمہور علماء گئے ہیں جن میں امام مالک، ابوحنیفہ، اوزاعی، ثوری، احمد اور اسحاق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہم ہیں اور ان کے علاوہ ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ اسی درے ہیں۔

امام شافعی، ابوثور، داؤد، ظاہریہ اور دوسرے لوگ ہیں کہ حد چالیس درے ہیں لیکن امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ امام کو حق حاصل ہے وہ اسی تک درے مار سکتا ہے۔ چالیس سے زیادہ بطور تعزیر ہوں گے جو اس کے عقل کے زائل ہونے، تہمت لگانے، قتل، دوسری اذیت کا باعث بننے والی چیزیں نماز کو چھوڑنا اور دوسری چیزوں کی وجہ سے ہے۔ واللہ اعلم

جہاں تک حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کا تعلق ہے رک جا پھر فرمانا یہ سب سنت ہے یہ اس بات پر دلیل ہے کہ حضرت علی شیر خدا حضرت عمر کے آثار عظیم جانتے تھے اور حضرت عمر کا حکم اور قول آپ کے نزدیک سنت کا درجہ رکھتا تھا اور حضرت عمر کا حکم حق ہے اسی طرح حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول اور عمل کی حیثیت ہے یہ چیز اس امر کے سراسر خلاف ہے جو شیعہ جھوٹ بولتے

ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چور کی حد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مجن اور جحفہ (ڈھال کی قسمیں) سے کم قیمت کی چیز پر ہاتھ نہیں کاٹے گئے اور دونوں کی قیمت ایک جیسی ہوتی ہے۔ متفق علیہ

۴۶۹-ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوتھائی دینار اور اس سے زیادہ میں ہاتھ کاٹنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ متفق علیہ

۴۷۰-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈھال کی چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جس کی قیمت تین درہم تھی۔ متفق علیہ

بدکاری پر حد

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان محصن اور مسلمان غیر محصن پر حد جاری فرمائی خواہ وہ مرد تھے یا عورت جس طرح کہ آپ نے اہل کتاب پر حد جاری فرمائی اسی طرح جب غلام مرد اور عورت نے بدکاری کی تو ان پر بھی حد جاری فرمائی۔

غلاموں پر حد جاری کرنے کی روایات

۴۷۱-ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا اے لوگو اپنے غلاموں پر حد جاری کیا کرو جوان میں سے محصن یا غیر محصن ہو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک لونڈی نے بدکاری کی حضور نے مجھے حکم ارشاد فرمایا کہ میں اس پر حد جاری کروں پس میں اس کے پاس آیا اس کے نفاس کو ختم ہوئے ابھی تھوڑا وقت گزرا تھا مجھے خوف ہوا کہ اگر میں اس پر حد جاری کروں گا تو اسے قتل کر ڈالوں گا میں نے اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گزارش کی آپ نے فرمایا تو نے بہت اچھا کیا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

مسلمان محصن (شادی شدہ) پر حد

۴۷۲-حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں اس وقت حاضر ہوا تھا جب آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے اس طرح ندا کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے بدکاری کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اعراض کیا یہاں تک کہ اس نے یہی بات چار دفعہ دہرائی جب اس نے اپنے اوپر چار دفعہ گواہی دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پاس بلایا فرمایا کیا تجھے جنون کا مرض لاحق ہے اس نے عرض کی

نہیں۔فرمایا کیا تو محصن ہے اس نے عرض کی جی ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے لے جاؤ اسے رجم کردو۔ متفق علیہ

شیخین کریمین کے پاس حضرت ماعز کا قصہ متعدد طرق سے مروی ہے جابر بن سمرہ سے، ابن عباس، ابوسعید خدری، بریدہ بن حصب، جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کے ساتھ دوسری روایات بھی ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

مسلمان شادی شدہ عورت پر حد

عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جہینہ کی ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئی جو بدکاری کی وجہ سے حاملہ ہو چکی تھی اس نے عرض کی میں حد کی مستحق ہو چکی ہوں میرے اوپر حد قائم کیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولی کو بلایا فرمایا اس سے حسن سلوک کرو جب یہ بچہ جن دے تو اسے میرے پاس لے آنا اس نے ایسا ہی کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے حکم دیا اس کے کپڑے اس پر باندھ دیئے گئے.......... پھر اس کے بارے میں حکم دیا پس اسے رجم کردیا گیا پھر اس کے اوپر نماز جنازہ پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی آپ اس پر نماز جنازہ پڑھتے ہیں اے اللہ کے نبی جبکہ اس نے بدکاری کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس سے بہتر توبہ بھی پاتے ہو کہ اس نے اپنی جان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قربان کردی۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

مسلم نے اسی کی مثل حضرت بریدہ کی روایت بیان کی ہے لیکن اس میں نام غامدیہ ذکر کیا ہے۔

مسلمان غیر شادی شدہ پر حد

۴۷۴- ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور زید بن خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے دونوں نے کہا کہ ایک بدو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ آپ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور مجھے عرض کرنے کی اجازت عطا فرمائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہو اس نے عرض کی میرا بیٹا اس کے ہاں مزدور تھا اس نے اس کی زوجہ کے ساتھ بدکاری کی مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے بیٹے پر رجم ہے میں نے اسے سو بکریاں اور لونڈی فدیہ کے طور پر دی ہیں میں نے علماء سے پوچھا۔ انہوں نے مجھے بتایا میرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور اس کی بیوی پر رجم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں تمہارے درمیان کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا لونڈی اور بکریاں تجھے واپس ہوں گی اور تیرے بیٹے پر سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہوگی اے انیس اس کی بیوی کے پاس کل جانا اگر وہ اس کا اعتراف کرے تو اسے رجم کر

دینا کہا وہ صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق گئے اس عورت نے اس جرم کا اعتراف کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا اور اسے رجم کر دیا گیا۔ متفق علیہ

اس حدیث میں دو حدیں ہیں ایک حد اس عورت پر جس نے بدکاری کی جو شادی شدہ تھی اور دوسری حد ایسے بدکار پر جو شادی شدہ نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

غیر مسلم پر حد

جب اسلام مملکت کا نظام اور دستور ہو تو اور مسلم مملکت کی رعایا پر لازم ہے کہ وہ اس دستور اور نظام کی پابندی کرے کیونکہ عمومی قوانین مسلمان اور غیر مسلم دونوں پر جاری ہوں گے ان میں دونوں میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔ اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو یہودیوں پر بھی حد زنا جاری کی تھیں جنہوں نے مدینہ طیبہ میں بدکاری کی تھی کیونکہ وہ دونوں مسلم مملکت کی رعایا میں سے تھے یہ واقعہ یہودیوں کے مدینہ سے اخراج سے پہلے تھا۔

۴۷۵-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ایک یہودی مرد اور یہودی عورت کو لایا گیا جنہوں نے بدکاری کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے یہاں تک کہ یہودیوں کے پاس آئے پوچھا جو آدمی بدکاری کرے اس بارے میں تم توراۃ میں کیا حکم پاتے ہو انہوں نے کہا ہم ان کے چہرے سیاہ کرتے ہیں انہیں گدھے پر سوار کرتے ہیں اور دونوں کے منہ مخالف سمت میں رکھتے ہیں اور انہیں بستی میں گھماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو تورات لے آؤ وہ تورات لے آئے اور اسے پڑھا جب رجم کی آیت پر پہنچے تو جو نوجوان تورات پڑھ رہا تھا اس نے اپنا ہاتھ آیت رجم پر رکھ دیا اور اس سے پہلے اور بعد والا حصہ پڑھا۔ حضرت عبداللہ بن سلام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے نے عرض کی اسے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیجئے اس نے ہاتھ اٹھالیا تو اس کے نیچے رجم والی آیت تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو رجم کرنے کا حکم ارشاد فرما دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں میں ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے اسے رجم کیا۔ میں مرد کو دیکھ رہا تھا وہ عورت کو اپنے جسم کے ذریعے پتھروں سے بچا رہا تھا۔ متفق علیہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

ان کے رجم کی جگہ بلاط تھی جس طرح بخاری شریف میں اس کی تصریح ہے اور یہ جگہ مسجد نبوی کے مشرق میں تھی۔

حد قذف

اللہ تعالیٰ نے اپنی معزز کتاب میں قذف کی سزا سے ہمیں آگاہ کیا اللہ جل شانہ نے فرمایا اور ”جو پاکدامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں پھر چار گواہ نہیں لاتے .... مگر اس کے بعد وہ توبہ کریں اور اپنی

اصلاح کریں بے شک اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے"۔ (نور: ۴۔۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حد کو حادثہ افک میں نافذ فرمایا آپ نے دو مردوں اور ایک عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

۷۶ ۴- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرمایا جب میری پاکدامنی کے بارے میں آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے آپ نے اس واقعہ کا ذکر کیا قرآن حکیم کی آیات تلاوت کیں جب آپ نیچے اترے تو آپ نے مردوں اور ایک عورت پر حد جاری کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ ان پر حد جاری کی گئی۔ اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن قرار دیا اور نسائی نے کبریٰ میں اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

حد لعان

قذف کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مرد اپنی بیوی پر بدکاری کی تہمت لگائے اس کے پاس گواہ نہ ہوں جو اس کے دعویٰ پر شہادت دیں شارع نے اس بارے میں لعان کا حکم دیا اگر لعان کرے تو ٹھیک ورنہ اس پر حد جاری کی جائے جس طرح رب العالمین کا ارشاد ہے" اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس گواہ نہ ہوں مگر وہ خود........ اگر وہ سچا ہے۔ (سورۃ نور: ۶۔۹)

۷۷ ۴- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں شریک بن سحماء کے ساتھ بدکاری کرنے کی تہمت لگائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گواہ لاؤ ورنہ تیری پشت پر حد جاری ہوگی اس نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم سے کوئی اپنی بیوی پر کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ گواہ تلاش کرنے کے لئے جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی فرماتے گواہ لاؤ ورنہ تیری پشت پر حد جاری ہوگی تو حضرت ہلال عرض کرتے قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں سچا ہوں، اللہ تعالیٰ ضرور ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری پشت کو حد سے بری کردے گا۔ جبرئیل امین حاضر ہوئے اور یہ آیات پڑھیں (ترجمہ) اور وہ خاوند جو تہمت لگاتے ہیں اپنی بیویوں پر اور نہ ہوں ان کے پاس کوئی گواہ بجز اپنے تو ان کی شہادت کا یہ طریقہ ہے کہ وہ خاوند چار مرتبہ گواہی دے کہ بخدا وہ (یہ تہمت لگانے میں سچا ہے اور پانچویں بار یہ کہے اس پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو اگر وہ کذب بیانی کرنے والوں میں سے ہے اور ٹل سکتی ہے اس عورت سے حد کہ وہ گواہی دے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہ وہ (خاوند) جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ خدا کا غضب ہو اس پر اگر وہ (خاوند) سچا ہے......(جو اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں.........اگر وہ سچا ہے۔ (سورۂ نور ۶۔۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی سے فارغ ہوئے آپ نے ہلال کو بلا بھیجا حضرت ہلال حاضر ہوئے اور

گواہی دی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہی فرماتے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے پھر ان کی بیوی اٹھی اس نے گواہی دی جب پانچویں مرتبہ گواہی دینے لگی انہوں نے اسے روک دیا اور کہا یہ جھوٹے کے لئے سزا کو واجب کرنے والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا اس عورت نے توقف کیا اور گردن جھکائی یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا وہ یقیناً رجوع کرے گی پھر اس نے کہا میں اپنی قوم کو ہمیشہ کے لئے رسوا نہیں کروں گی پس اس نے قسم اٹھا دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھنا اگر یہ عورت ایسا بچہ جنے جس کی آنکھیں سرمگیں، بھاری سرین اور موٹی پنڈلیاں ہوں تو وہ شریک بن سحاء کا ہوگا اس عورت نے ایسا ہی بچہ جنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں معافی کا حکم نہ آیا ہوتا تو میں اسے ایسی سزا دیتا جس کو تم دیکھتے۔

۴۷۸- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا ہم جمعہ کی رات مسجد میں تھے کہ ایک انصاری آیا اس نے کہا ایک آدمی اپنی عورت کے پاس کسی مرد کو پائے وہ بات کرے تو تم کوڑے مارتے ہو، قتل کرے تو اسے قتل کر دیتے ہو اگر خاموش رہے تو غیض و غضب میں خاموش رہنے پر مجبور ہوتا ہے قسم بخدا میں اس بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ضروری سوال کروں گا جب اگلا دن آیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کے پاس کسی غیر مرد کو دیکھتا ہے وہ بات کرے تو تم اسے کوڑے مارتے ہو وہ قتل کرے تو تم اسے قتل کر دیتے ہو وہ خاموش رہے تو غصہ پر خاموش رہنے پر مجبور ہے۔

حد قذف ان کے نزدیک کوڑے مارنا معروف تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے لعان والی آیات کو نازل فرمایا جب گواہ نہ ہوں تو میاں بیوی لعان کریں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود وسلام پیش کرنے والے کا ثواب

اللہ تعالیٰ نے تمام مومن امت کو حکم ارشاد فرمایا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پیش کرے اور اس سے قبل اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے لوگوں کو یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر اور آپ کی آل پر درود بھیجتے ہیں۔

اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی آپ پر درود بھیجو۔ (سورۃ الاحزاب:۵۶)

وہ جملہ جو جملہ اسمیہ کے مشابہ ہو اور جملہ فعلیہ (یصلون) دونوں تجدد اور استمرار کا تقاضا کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کا درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر لمحہ بہ لمحہ جاری رہتا ہے۔

مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر درود وسلام بھیجیں اس میں اس انسان کی

بڑی عظمت بیان کی گئی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود بھیجتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے میں حاضری اور زندگی شرط نہیں۔ بلکہ دونوں عمل اس صورت میں بھی صحیح ہیں کہ صلوٰۃ وسلام پیش کرنے والا آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو اور اس صورت میں بھی صحیح ہیں کہ وہ آپ سے دور ہو جس طرح کہ یہ دونوں عمل صحیح ہیں آپ کے اس جہاں فانی سے پردہ فرمانے کے بعد اور ظاہری زندگی میں بھی کیونکہ اجر دونوں کے لئے ثابت ہے اور نص عام ہے۔ بلکہ بہت ساری نصوص وارد ہوئی ہیں جن میں آپ کے اس جہاں فانی سے پردہ فرمانے کے بعد کی وضاحت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں سلام پیش کرنے والے کی دو حالتیں ہیں اگر وہ آپ کے قریب ہو یعنی حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر سلام پیش کرے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے سلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں اور اس کے لئے یہ فضیلت مبارک ہو۔

اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہو تو فرشتے اس کے سلام کو حضور کی بارگاہ اقدس میں پہنچاتے ہیں تو آپ اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں اسے یہ مبارک ہو بلکہ جو درود بھیجتا ہے اور دور ہوتا ہے تو فرشتے اس کا درود حضور کی بارگاہ اقدس میں پہنچاتے ہیں۔

۴۷۹- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کوئی مسلمان بھی مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح واپس لوٹا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اسے احمد، ابوداؤ، بیہقی، طبرانی نے روایت کیا۔ امام نووی نے اسے صحیح قرار دیا۔ حافظ نے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں ملا علی قاری نے اسے حسن کہا ہے۔

ابن قدامہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی مغنی میں حدیث میں کچھ زیادتی ہے کہ احمد بن حنبل نے عبداللہ کی روایت میں یزید بن قسیط سے اور وہ ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بھی میری قبر کے نزدیک مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح میری طرف لوٹا تا ہے یہاں تک میں اسے سلام کا جواب دیتا ہوں اسے سبکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

اس روایت میں عند قبری کے الفاظ کے بارے میں سخاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا میں نے جو طرق حدیث کے دیکھے ہیں ان الفاظ پر آگاہ نہیں ہوا۔

اگر اس زیادتی (عند قبری) کا پایا جانا درست ہو تو یہ حدیث خاص ہوگی اس آدمی کے ساتھ جو حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر درود وسلام پیش کرتا ہے یہ بڑے فخر والی بات ہے کہ آپ سلام پیش کرنے والے کے سلام کو سنتے ہیں اور بذات خود اسے جواب ارشاد فرماتے ہیں اسی کی طرف امام ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن زید المقبری مائل ہوئے جو بخاری کے شیوخ میں سے ایک ہیں جب انہوں نے یہ فرمایا آپ

صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں جو مجھ پر سلام بھیجتا ہے یہ زیارت میں ہے جب وہ میری زیارت کرے اور مجھ پر سلام پیش کرے اللہ تعالیٰ میری روح میری طرف لوٹا تا ہے یہاں تک کہ میں اسے سلام کا جواب ارشاد فرماتا ہوں۔

صاحب عون المعبود، محمد شمس الحق عظیم آبادی نے کہا صحیح قول یہ ہے کہ یہ اس کے لئے ہے جس نے آپ کی زیارت کی جو روضہ اقدس پر حاضر ہوا اور جو آپ سے دور ہے تو فرشتے اس کا سلام پہنچاتے ہیں۔

علامہ خفاجی شفاء کی شرح میں فرماتے ہیں اصل حدیث پر تعلیق کرتے ہوئے اور حاضر و غائب کے درمیان فرق کرتے ہوئے جو چیز بغیر تکلف کے اس حدیث کی تفسیر سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انبیاء و شہداء زندہ ہیں اور انبیاء کی زندگی قوی ہے جب زمین ان پر غالب نہیں آسکتی تو وہ سونے والوں کی طرح ہوئے سونے والا سنتا ہے نہ بولتا ہے یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ آیت کریمہ ......جو اپنی نیند میں نہیں مرا۔ (سورۃ زمر: ۴۲)

اس وقت اس کا معنی یہ ہوگا کہ جب آپ واسطہ یا بغیر واسطہ کے درود و سلام سنتے ہیں تو بیدار ہیں اور سلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں نہ کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ کی روح کو مردوں کی طرح قبض کیا جاتا ہے پھر اسے پھونکا جاتا ہے اور اسے لوٹایا جاتا ہے جس طرح دنیا کی زندگی اور موت کا تعلق ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ایک مجرد اور نورانی چیز ہے پس یہ اس کے لئے جو زیارت کرے اور جو آپ سے دور ہو فرشتے اس کا سلام پہنچاتے ہیں۔

پس جو آپ کے قریب سے صلوٰۃ وسلام پیش کرے آپ بغیر واسطہ کے اسے سنتے ہیں اور جو دور سے آپ کو صلوٰۃ وسلام پیش کرے معزز فرشتے آپ تک اس کا سلام پہنچاتے ہیں جس طرح کہ ذکر آ رہا ہے ان کی تعداد بے شمار ہے وہ ایک نہیں ہے اس میں کوئی شک نہیں اس میں اس آدمی کے لئے بڑی عزت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں قریب سے صلوٰۃ وسلام پیش کرے اور اگر دوسری صورت ہو تو اس میں بھی فضیلت تو ہے کہ اس میں اس کا درود و سلام پہنچایا جاتا ہے اور اسے جواب دیا جاتا ہے جس کی وضاحت بعد میں آرہی ہے۔

انہیں میں ایک روایت حضرت ابو ہریرہ کی یہ بھی ہے۔

۴۸۰- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے میں اسے سنتا ہوں اور جو دور سے مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ حضرت بیہقی نے شعب اور حیاۃ الانبیاء میں، خطیب نے تاریخ بغداد میں قاضی عیاض نے ابن ابی شیبہ کی طرف اور صاحب عون المعبود نے بھی ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا ہے لیکن بیہقی اور خطیب کی سندوں میں محمد بن مروان سدی ہے جو متہم ہے اور فیروز آبادی نے اسے

طبرانی کی طرف منسوب کیا ہے اور انہیں کی سند سے ابن جوزی نے اسے روایت کیا ہے اور اس کی موضوعات میں شمار کیا جس طرح امام شوکانی نے فوائد مجموعہ میں ذکر کیا اور اس کے کئی شواہد ذکر کئے جس طرح سندروسی نے کشف الٰہی میں ذکر کیا اور ابن دحیہ اور ابن جوزی سے اس پر موضوع ہونے کا حکم نقل کیا۔ ابن کثیر نے کہا اس روایت میں اعتراض ہے اور ابن قیم نے غریب جدا کہا عقیلی نے کہا اعمش کی حدیث کی کوئی اصل نہیں یہ محفوظ نہیں اور اس کی متابعت نہیں کی مگر انہوں نے جو اس سے کم درجہ میں ہیں اور بیہقی نے حیاۃ الدنیا میں کہا اس میں نظر ہے جو اس کی تائید کرنے والی ہے وہ گزر چکی یہ سب اس سند سے روایت کرتے ہیں سدی اعمش سے وہ ابی صالح سے وہ ابی ہریرہ سے مگر جو ابن قیم نے روایت کی میں اس کی سند ذکر کروں گا۔

حافظ سیوطی نے ابن جوزی کا رد کیا ہے اسی طرح ابن عراق کنانی نے بھی رد کیا ہے دونوں نے اس حدیث کے شواہد اور متابعات ذکر کئے اسی وجہ سے ابن عراق نے کہا اس کی پیروی کی جائے۔

اعتراض کیا گیا کہ بیہقی نے اسے شعب میں اس سند سے ذکر کیا اور سدی نے اعمش سے جس سند میں ابو معاویہ ہے اس کی متابعت کی اسے ابوالشیخ نے ثواب میں ذکر کیا میں کہتا ہوں (قائل بن عراق ہے) اس کی سند عمدہ ہے جس طرح سخاوی نے اپنے شیخ حافظ بن حجر سے نقل کی۔ واللہ اعلم

اس کے شواہد ابن مسعود، ابن عباس، ابی ہریرہ کی احادیث ہیں جنہیں بیہقی نے نقل کیا ہے اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت جسے دیلمی نے نقل کیا حضرت عمار کی حدیث جسے عقیل نے ابن قاسم کندی کی سند سے نقل کیا اور کہا علی بن قاسم شیعہ نظریات رکھتا تھا اور اس میں نظر ہے اس کی روایت کی کسی نے متابعت نہیں کی لسان المیز ان میں ہے کہ ابن حبان نے علی بن قاسم کو ثقات میں شمار کیا اور عبدالرحمٰن بن صالح، قبیصہ بن عقبہ نے اس کی متابعت کی جن دونوں کا ذکر طبرانی نے کیا۔

امام سخاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابی الشیخ کی سند جو کتاب الثواب میں ہے جو یہ ہے ابو معاویہ اعمش سے وہ ابی صالح سے وہ ابی ہریرہ سے روایت کرتے ہیں اس سند سے دیلمی نے نقل کیا اس کی سند عمدہ ہے جس طرح ہمارے شیخ نے بیان کیا اور اسے ابن ابی شیبہ کی طرف منسوب کیا اور تیمی نے ترغیب میں اور بیہقی نے حیاۃ الانبیاء میں اور شعب میں بھی ذکر کیا ہے اس پر ابن جوزی نے الوفا با حوال المصطفیٰ میں انحصار کیا۔

میں کہتا ہوں اس موضوع حدیث کی بہترین شاہد وہ روایت ہے جس کو میں نے پہلے ذکر کیا پھر وہ احادیث جن کا میں ذکر کروں گا جن میں یہ بات آتی ہے کہ ان لوگوں کا صلوٰۃ وسلام پیش کرتے ہیں کیونکہ اس میں ایسی چیز ہے جو ہمیں دوسری چیزوں سے اس کی صحت کے بارے غنی کر دیتی ہے۔ تمام تر تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

۴۸۱۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

شک اللہ تعالیٰ کی زمین میں سیاحت کرنے والے فرشتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں اسے احمد، نسائی نے صغریٰ، کبریٰ میں روایت کیا ہے۔ دارمی، عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے اپنی تصنیفات میں اور بزار طبرانی نے کبیر میں صحیح راویوں کے ساتھ اور بیہقی نے حیاۃ الانبیاء میں اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے اس کی توثیق کی قاضی اسماعیل نے فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ......اور ابو شیخ اور ابن قیم نے اسے صحیح قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم کی صورت یہ بھی ہے کہ اس نے ایسے فرشتے بنائے جو زمین میں سیاحت کرتے ہیں تا کہ ان لوگوں کا سلام حضور تک پہنچائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں سلام بھیجیں جب آپ تک ان کا سلام پہنچایا جاتا ہے تو آپ ان کے سلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں جس طرح سابقہ حدیث میں آیا ہے۔

جس طرح یہ فرشتے ان لوگوں کا سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پہنچاتے ہیں اسی طرح وہ ان لوگوں کا درود بھی پہنچاتے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں درود بھیجتے ہیں اور پیش کرتے ہیں۔

۴۸۲- حضرت ابی ہریرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اپنے گھروں کو قبریں نہ دینا دو اور میری قبر کو عید نہ بنا دینا۔ مجھ پر درود بھیجتے رہنا بے شک مجھے تمہارا درود پہنچتا ہے، تم جہاں کہیں بھی ہو۔ اسے احمد، ابوداؤد نے نقل کیا ہے امام نووی نے اسے صحیح قرار دیا ابن نفیل اور بیہقی نے اسے شعب اور حیاۃ الانبیاء میں صحیح سند سے نقل کیا ہے۔

۴۸۱- اوس بن ابی اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایام میں سے سب سے افضل یوم جمعہ ہے اس دن حضرت آدم پیدا ہوئے اس دن آپ کا وصال ہوا اس روز آپ کے جسد اطہر میں روح پھونکی گئی اسی میں قیامت برپا ہوگی اس روز مجھ پر کثرت سے درود پیش کیا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے لوگوں نے عرض کی یارسول اللہ آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جاتا ہے جبکہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ فرمایا وہ کہتے ہیں کہ آپ بوسیدہ ہو چکے ہوں گے (میں بوسیدہ ہو چکا ہوں گا) فرمایا اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ذہبی، نووی، حافظ عبدالغنی اور ابن دحیہ نے اس کی توثیق کی اور فرمایا یہ روایت صحیح محفوظ ہے اور عادل نے عادل سے نقل کی ہے۔ منذری نے اسے حسن قرار دیا اور ابن ابی عاصم نے اسے روایت کیا ہے بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اس کے کئی شواہد ہیں پھر کئی کو ذکر کیا۔

اس میں نصوص بہت زیادہ ہیں۔

انبیاء قبروں میں زندہ ہیں

۴۸۴- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ نماز پڑھتے ہیں اسے ابو یعلی، بزار اور ابو نعیم نے روایت کیا اور ابو یعلی کے راوی ثقہ ہیں اسے بیہقی نے صحیح قرار دیا ہے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قبر میں نماز ادا کرنا بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

۴۸۵- انس بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اسری کی رات کثیب احمر (جگہ کا نام) سے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے گزرا وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

۴۸۶- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو حجر میں دیکھا کہ قریش مجھ سے اسراء کے متعلق پوچھ رہے ہیں اس میں ہے میں نے انبیاء کی جماعت میں اپنے آپ کو دیکھا پس موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، گھنگریالے بالوں والے...... گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ میں سے ایک ہیں کیا دیکھتا ہوں۔ عیسیٰ بن مریم ہیں جو کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں جو عروہ بن مسعود ثقفی کے مشابہ ہیں پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں جو تمہارے صاحب (سرور دو عالم) کے مشابہ ہیں پس نماز کا وقت ہو گیا پس میں نے انہیں امامت کرائی۔

۴۸۷- ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم انصاف کرنے والے امام کی حیثیت سے اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جن میں جدائی ہو گی ان میں صلح کرائیں گے وہ شحناء جائیں گے ان پر مال پیش کیا جائے گا وہ اسے قبول نہ کریں گے پھر اگر وہ میری قبر پر کھڑے ہوں گے اور کہیں گے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو میں انہیں جواب دوں گا۔ اسے ابو یعلی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اس کی سند صحیح ہے آخری جملہ کے علاوہ اس کی اصل صحیحین میں ہے اسے حاکم نے صحیح قرار دیا اور اس کی ذہبی نے توثیق کی ہے اسے ابن ابی عمر نے ثقہ راویوں کے ساتھ مختصر بیان کیا ہے جس طرح بوصیری نے کہا۔ واللہ اعلم

پہلی حدیث میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قبر میں عبادت کرنا یہ ان کی زندگی پر دلیل ہے لیکن ممکن ہے اس میں خصوصیت کا دعویٰ کیا جائے تاہم دوسری حدیث عموم پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے ساتھ ہوں گے جہاں تک عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق ہے وہ تو زندہ ہیں ابھی تک انہیں موت آئی ہی نہیں اور تیسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عیسیٰ علیہ

السلام کو جواب دینے کا ذکر ہے جب وہ قبر انور پر کھڑے ہوکر آپکو ندا کریں گے اور جواب دینا زندگی کی دلیل ہے یہ مشہور امر ہے اس وجہ سے حافظ بیہقی نے اپنی کتاب حیاۃ الانبیاء علیہم السلام تالیف کی۔

اصل زندگی کی کیفیت برزخی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے

جب شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں زمین ان کے جسم نہیں کھاتی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تو بدرجہ اولیٰ اس شان کے مالک ہیں بلکہ وہ توان سے زیادہ کامل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

میت کا زیارت کرنے والے کو پہچان لینا جن کو وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس سے انس حاصل کرنا یہ عام امر ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں۔

۴۸۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی آدمی جو کسی مومن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے دنیا میں وہ پہچانتا تھا وہ اسے سلام کرتا ہے مگر وہ میت بھی اسے پہچان لیتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے اسے اشبیلی اور ابن عبد البر نے روایت کیا ہے اور عبد الحق اشبیلی نے اسے صحیح قرار دیا۔ حافظ عراقی نے کہا اس کی سند صحیح ہے۔

شیخ ابن تیمیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا شہداء بلکہ تمام مومن جب کوئی مسلمان ان کی زیارت کرتا ہے اور انہیں سلام کہتا ہے وہ اسے پہچان لیتے ہیں اور اسے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

ابن قیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا یہ حدیث اور اس جیسے دوسرے آثار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب زائر آتا ہے تو جس کی زیارت کی جارہی ہوتی ہے وہ جان جاتا ہے اس کے سلام کو سنتا ہے اور اس سے انس حاصل کرتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے۔

اس روایت کے عموم پر کئی چیزیں دلالت کرتی ہیں

زیارت کرنے والے کا اہل قبور کو ان الفاظ کے ساتھ سلام کرنا السلام علیکم اگر وہ سلام کو نہ سنتے اور نہ جواب دیتے تو یہ فضول امر ہوتا ابن قیم نے اپنی کتاب روح میں یہ زائد کہا ہے۔ سلف کا اس بات پر اجماع ہے ان سے یہ روایات تواتر سے آئی ہیں میت زیارت کرنے والے زندہ کو پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

......مردوں کا الوداع کہنے والوں کے جوتوں کی آواز کو سننا

۴۸۹۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے کو اس کی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے واپس پلٹتے ہیں وہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔ فرمایا دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں وہ اسے بٹھاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں تو اس ہستی کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ متفق علیہ

آپ کا یہ فرمان بے شک وہ ان پلٹنے والوں کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے یہ میت کے سننے پر دلیل ہے جو زندہ لوگ اس کے قرب وجوار میں عمل کرتے ہیں۔

فرشتوں کا ان سے سوال کرنا جس طرح اس حدیث اور دوسری احادیث میں ہے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر میں شریک مقتولوں کو خطاب کرنا اور آپ کا یہ خبر دینا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو سن رہے ہیں لیکن جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

۴۹۰-حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا:......ہم مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے ہم نے چاند دیکھا پھر آپ ہمیں بدر کے لوگوں کے متعلق بتانے لگے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ سے ایک روز پہلے ہی بدر کے مقتولوں کے مقتل کو دکھا رہے تھے فرماتے کل یہ فلاں کے مرنے کی جگہ ہوگی اگر اللہ نے چاہا۔ کہا حضرت عمر نے فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا جو حدیں (جگہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی تھیں ذرہ برابر وہ ادھر ادھر نہ ہوئے۔

فرمایا انہیں ایک کنویں میں ایک دوسرے کے اوپر ڈال دیا گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے یہاں تک کہ ان تک پہنچے فرمایا اے فلاں بن فلاں اے فلاں بن فلاں کیا تم نے اس کو درست پایا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے تم سے وعدہ کیا بے شک میں نے تو اسے درست پایا جو اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ وعدہ کیا۔

حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان جسموں سے کیسے گفتگو کرتے ہیں جن میں روحیں ہی نہیں حضور نے فرمایا جو میں انہیں کہہ رہا ہوں تم اسے ان سے بڑھ کر سننے والے نہیں ہو، مگر یہ مجھے کچھ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے امام بخاری نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے لیکن وہ حضرت طلحہ سے روایت کرتے ہیں نہ کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے۔

۴۹۱-امام مسلم کی ہی ایک روایت ہے جو حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے حضرت عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنی عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیسے سن سکتے ہیں وہ کیونکر جواب دیں جبکہ وہ مردہ ہو چکے ہیں فرمایا قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جو میں انہیں کہتا ہوں اسے تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ لیکن وہ مجھے جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے اگر وہ سنتے بھی نہ ہوتے تو آپ کا خطاب فرمانا عبث ہوتا اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبث کلام فرمائیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کے روز مشرکین کا مقتولوں سے گفتگو فرمانا کئی صحابہ کرام سے ثابت ہے انہیں میں سے حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن عمر حضرت ابو طلحہ سے صحیحین میں حضرت انس، حضرت ابن مسعود اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں یہ جمہور کا مذہب ہے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہا نے اس کی مخالفت کی اور اس کا انکار کیا جس طرح بخاری شریف میں ایک روایت ہے لیکن آپ سے یہ قول بھی مروی ہے جس طرح ابن اسحاق کے پاس عمدہ سند سے مروی ہے احمد کے ہاں مسند میں سند حسن سے جو اس اعتراض سے مختلف ہے اور اس انکار کا رد کرتی ہے اور دوسروں کی روایت کی موافقت کرتی ہے شائد آپ نے اس انکار سے رجوع کر لیا ہو اس طرح آپ کی دونوں روایتوں کو جمع کرنا اور آپ کی روایت اور دوسروں کی روایت میں جمع کرنا ممکن ہے یہ اس بحث کا موقع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

قریبی اور قبیلہ کے افراد کے اعمال کا میتوں پر پیش کرنا اس میں کثیر نصوص وارد ہوئی ہیں

۴۹۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اعمال تمہارے قریبی اور قبیلہ کے میتوں پر پیش کئے جاتے ہیں اگر اعمال اچھے ہوں تو وہ خوش ہوتے ہیں اگر اچھے نہ ہوں تو وہ یہ دعا کرتے ہیں اے اللہ انہیں موت عطا نہ کرنا یہاں تک کہ تو انہیں ہدایت دے جس طرح تو نے ہمیں ہدایت دی۔ اسے امام احمد نے رجال صحیح سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت منقطع ہے اسے طبرانی نے اوسط اور کبیر میں ابوایوب انصاری سے نقل کیا ہے ان کی سند میں مسلمہ بن علی ہے جو ضعیف ہے لیکن اس روایت کو ابن ابی دنیا نے ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے ان کی سند یہ ہے محمد بن حصن، ابن اسحاق سے وہ ابن المبارک سے وہ ثور سے وہ ابی رھم سے اس کے کئی شواہد ہیں انہیں میں سے ایک حدیث حضرت جابر سے مروی ہے جو طیالسی کے ہاں ہے اور ابن ابی دنیا کے نزدیک حضرات ابی ہریرہ، نعمان بن بشر، ابی داؤد رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی احادیث ہیں امام سیوطی نے ان کی سندیں حاوی میں ذکر کی ہیں ابن قیم نے ان میں سے بعض کتاب الروح میں نقل کی ہیں۔

جس طرح مردے ان افعال سے اذیت محسوس کرتے ہیں جو زندہ لوگ ان کی قبروں کے پاس کرتے ہیں ان کے علاوہ اور چیزیں بھی ایسی ہیں جو ان کے سماع اور شعور پر دلالت کرتی ہیں یہ سب چیزیں عموم امر پر دال ہیں۔

ہاں مردوں کی زندگی ہم زندہ کی زندگی کی طرح نہیں ہے کیونکہ وہ برزخی زندگی ہے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی جانتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابن قیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب الروح میں اس جگہ فرماتے ہیں جس کی طرف پہلے ہی اشارہ کیا گیا مردوں کے سننے اور ان اعمال کا احساس رکھنے جو زندہ لوگ ان کے پاس کرتے ہیں اور ان کا احساس رکھنے کے بارے میں جو ان کے رشتہ دار کام کرتے ہیں اس میں یہی چیز بطور دلیل کافی ہے جو انہیں سلام کرتا

ہے اسے زائر کہتے ہیں اگر وہ احساس نہ رکھتے تو زائر کا نام نہ دیا جاتا کیونکہ زیارت کئے جانے والا اگر زیارت کرنے والے کی زیارت کو نہ جانتا ہو تو اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں کہ اس نے زیارت کی کیونکہ تمام لوگوں کے نزدیک زیارت کا یہی مفہوم ہے اور سلام کا مفہوم بھی یہی ہے کیونکہ جو احساس ہی نہ رکھے اور سلام کرنے والے کو نہ جانے اسے سلام کرنا یہ محال ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی جب وہ قبروں کی زیارت کریں تو یہ کہیں تم پر سلامتی ہو۔ اے مومن و مسلمان گھر والو۔ یہ سلام، خطاب اور نداء اس موجود کے لئے ہوتا ہے جو سنتا ہے جس سے مخاطب ہوا جاتا ہے جو سمجھ بوجھ رکھتا ہے اور معصوم کا جواب دیتا ہے اگرچہ سلام کرنے والا جواب کو نہ سنے۔

جب کوئی آدمی ان کے قریب نماز پڑھتا ہے وہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کی نماز کو جانتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے ہیں پھر اس کے اوپر بطور دلیل کئی آثار ذکر کئے انہیں ملاحظہ کیجئے وہ اس بات میں ہیں۔

جب سروے سلام کو سنتے ہیں سلام کا جواب دیتے ہیں انس محسوس کرتے ہیں خوش ہوتے ہیں یہ سب عام ہے لیکن یہ قریب سے سنتے ہیں تو انبیاء تو بدرجہ اولیٰ اس چیز کے سزاوار ہوں گے اور سید الانبیاء تو اس سے بھی بڑھ کر اس کے مستحق ہیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم دو رامور میں ان سے بڑھ کر ہیں۔

فرشتے ان لوگوں کے درود و سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں جو دور سے یہ ہدیہ بھیجتے ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے اور یہ آپ کی تکریم ہے۔

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرنے والوں کا جواب ارشاد فرماتے ہیں خواہ بغیر واسطہ کے وہ وہ لوگ ہیں جو قریب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں سلام عرض کرتے ہیں آپ اس کے سلام کو سنتے ہیں اور سلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں یا واسطہ کے ساتھ وہ وہ لوگ ہیں جو دور سے حضور کی بارگاہ اقدس میں سلام بھیجتے ہیں فرشتے آپ تک ان کا سلام پہنچاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس وجہ سے زیادہ سے زیادہ سلام بھیجنے کی ترغیب دی گئی ہے اور جو ایک دفعہ آپ کی بارگاہ اقدس میں درود بھیجے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمتیں نازل فرماتا ہے اس کی نیکیوں میں اضافہ کرنے کے لئے اور درجات بلند کرنے کے لئے۔

میں صرف دو حدیثوں پر اکتفا کروں گا کیونکہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

۴۹۳۔ حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۴۹۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ فرما رہے تھے جب تم موذن کو اذان کہتے ہوئے سنو تو اس طرح کہو جس طرح موذن

کہتا ہے پھر مجھ پر درود پڑھو کیونکہ جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر صلوٰۃ سے مراد اس کا بندے کو تاریکیوں سے نور کی طرف نکالنا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وہی تم پر رحمتیں نازل کرتا ہے اور اس کے فرشتے تمہارے لئے استغفار کرتے ہیں تا کہ تمہیں تاریکیوں سے نور کی طرف نکالیں۔ (سورۃ الاحزاب: ۴۳) پس مسلمان کو چاہئے کہ اس عمل کو زیادہ کرے یا کم کیونکہ اس کے لئے سعادت کا راستہ تو واضح کیا جا چکا ہے۔

پس جس نے کثرت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود بھیجا خواہ وہ مدینہ طیبہ میں ہو یا دور وہ قیامت کے روز دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگا۔

۴۹۵- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز میرے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ درود پڑھے گا اسے امام بخاری نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے اور ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا بغوی نے شرح السنہ میں ابن ابی شیبہ سے روایت کیا ابو یعلی اور بزار نے اپنی مسندوں میں اور ابن ابی عاصم اور خطیب نے روایت کیا۔

ان سب کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ درود پڑھنے والے کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور اس کے غموں کے لئے یہی کافی ہو جاتا ہے۔

۴۹۶- حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا جب رات کے دو پہر گزر گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ فرمایا اے لوگو اللہ کا ذکر کرو اللہ کا ذکر کرو راجفہ آ چکی رادفہ آنے والی ہے موت اپنی سختیوں کے ساتھ آ گئی موت اپنی سختیوں کے ساتھ آ گئی۔

حضرت ابی نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ پر اکثر درود شریف پڑھتا ہوں میں آپ پر کتنا درود شریف پڑھا کروں فرمایا جتنا تو چاہے میں نے عرض کی چوتھائی حصہ درود پڑھوں گا فرمایا جتنا چاہے اگر زیادہ کرے گا تو تیرے لئے بہتر ہے میں نے عرض کی دو ثلث درود شریف پڑھوں گا فرمایا جتنا چاہے اگر تو زیادہ کرے تو تیرے لئے بہتر ہے میں نے عرض کی تمام وقت تیری بارگاہ اقدس میں درود پڑھتے ہوئے گزار دوں گا۔

فرمایا پس یہ تیرے غموں کو کافی ہو جائے گا تیرے گناہ بخش دیئے جائیں گے اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا اور حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا اس کی ذہبی نے توثیق کی قاضی اسماعیل، احمد، ابن ابی عاصم اور عبد بن حمید نے اسے روایت کیا۔

پہلی حدیث (جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے) میں عظمت ہے جو آثار کے

راویوں کے ساتھ خاص ہے جس طرح ابونعیم حافظ نے کہا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود وسلام ان سے بڑھ کر کوئی علماء کی جماعت لکھنے یا ذکر کرنے میں مصروف نہیں۔

دوسری حدیث میں جو ان کا قول ہے۔اپنی دعا میں سے آپ کے لئے کتنا حصہ بناؤں ابن قیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہمارے شیخ ابوالعباس ابن تیمیہ سے اس حدیث کی تفسیر کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ابی بن کعب اپنے لئے دعا کرتے تھے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کیا وہ اپنی دعا کا چوتھا حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بنا دیں تو آپ نے فرمایا اگر تو اس سے زیادہ کرے تو بہتر ہے یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہا میں اپنی تمام دعا آپ کے لئے کرتا ہوں یعنی میں اپنی تمام دعا آپ پر درود بنا دیتا ہوں تو آپ نے انہیں فرمایا پس یہ درود تیرے غموں کو کافی ہو جائے گا اور تیرے گناہ کو بخش دیا جائے گا۔

کیونکہ جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک دفعہ درود شریف پڑھا اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمتیں نازل فرمائے گا اور جس پر اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے وہ اس کے غموں کو کافی ہو جاتا ہے اور اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں یہ ان کی کلام کا مفہوم ہے۔

حافظ سخاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ زیادہ کیا ایک قول یہ کیا گیا پہلے حصے میں صلوٰۃ سے مراد درود ہے اور دوسرے حصہ میں صلوٰۃ سے مراد نفس ثواب یا ثواب کی مثل ہے۔

مصابیح کے بعض شراح نے کہا ہے یہاں صلوٰۃ سے مراد دعاء اور ورد ہے اور اس کا مطلب یہ ہوگا میں نے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جس میں میں اپنے لئے دعا کرتا ہوں اس میں سے کتنا وقت آپ پر درود پڑھنے میں صرف کروں۔آپ نے ان کے لئے کوئی حد معین نہ فرمائی تا کہ زیادتی کا دروازہ بند نہ کر دیا جائے آپ زیادتی پر برانگیختہ کرنے کے ساتھ ساتھ اختیار کا معاملہ انہیں ہی سپرد کرتے رہے۔یہاں تک کہ وہ صحابی یہ کہنے لگے میں اپنی تمام دعا آپ پر درود پڑھنے میں صرف کروں گا۔یعنی اپنے لئے دعا کرنے کی بجائے آپ پر درود شریف پڑھوں گا۔

پس آپ نے جواباً فرمایا پس یہ تیرے غموں کے لئے کافی ہوگا غم سے مراد جو چیز تیرے دین اور دنیا کے معاملہ میں تجھے مضطرب کرے گی۔

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم پر مشتمل ہوگا یہ حقیقت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف جو وہ اپنے لئے دعا کرتا ہے جس طرح اس حدیث طیبہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیارے رب کے ایک ارشاد کی حکایت بیان فرماتے ہیں جسے میرے ذکر نے مجھ سے سوال کرنے سے غافل کر دیا میں اسے ان لوگوں کی نسبت بہتر عطا فرماؤں گا جو سوال کرنے والے ہوتے ہیں۔

پس تو نے جان لیا ہوگا اگر تو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود وسلام کو اپنی عبادت

کا بڑا حصہ بنالیا تو اللہ تعالیٰ تیری دنیا اور آخرت کے غموں کے لئے کافی ہو جائیگا۔

اس کے علاوہ بھی کئی روایات ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ درود پڑھنے والے پر درود لوٹایا جاتا ہے۔

جہاں تک سلام کو لوٹانے کا تعلق ہے تو حضرت ابی طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے واضح فرمایا کہ درود و سلام اس آدمی پر لوٹایا جاتا ہے۔

۴۹۷- حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز تشریف لائے اور خوشی آپ کے چہرہ سے عیاں ہو رہی تھی۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم خوشی آپ کے چہرہ سے عیاں دیکھتے ہیں آپ نے فرمایا میرے پاس ایک فرشتہ آیا ایک روایت میں ہے جبرئیل امین آئے اور کہا اے محمد کیا آپ کو یہ بات راضی نہیں کرتی کہ رب العالمین یہ ارشاد فرماتا ہے کہ آپ کی امت کا کوئی فرد آپ پر درود شریف نہیں پڑھے گا مگر میں اللہ اس پر دس رحمتیں نازل فرماؤں گا اور آپ پر کوئی سلام نہیں بھیجے گا مگر میں اس پر دس دفعہ سلام بھیجوں گا، آپ نے فرمایا کیوں نہیں۔ اسے احمد، ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، نسائی، ابن مبارک، دارمی نے روایت کیا۔ ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے اس کی توثیق کی۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تیرا رب تجھے ضرور عطا فرمائے گا پس آپ راضی ہو جائیں گے۔ (والضحیٰ ۵)

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام ہو آپ کی ذات پر آپ کی آل پر آپ کتنے ہی رحیم ہیں کتنے کریم ہیں کتنے شفیق ہیں اپنی امت پر یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس وصف کو جان لیا پس آپ کو اس شان سے نوازا یہاں تک کہ آپ کو راضی کر دیا۔

میں اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اس کا اہل بنا دے اور آخرت میں آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع کرے بے شک وہ جواد کریم ہے۔

مدینہ طیبہ میں سکونت رکھنے والا مقیم ہو مجاور ہو یا زائر اس پر لازم ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ سے زیادہ درود و سلام بھیجے کیونکہ اس کا یہ عمل دنیا و آخرت میں بدلہ عطا کرنے والا ہے اور دنیا میں غموں کے زائل کرنے کے ساتھ سعادت کا باعث اور آخرت میں گناہوں کی بخشش کے ساتھ سعادت کا باعث۔

وہ اپنا وقت قیل و قال میں ہی بسر نہ کرے کیونکہ یہ چیز اس کے لئے حسرت و ندامت کا باعث ہوگی اسے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس شہر میں رہنے کی نعمت سے مالا مال نہیں کیا مگر بطور امتحان۔ پس وہ اطاعت کرنے والا ہے تو شکر گزار ہوگا کوتاہی کرنے والا ہے تو شرمسار ہوگا۔

پس اللہ تعالیٰ جو ہم پر اپنی نعمتوں سے فضل فرمانے والا ہے سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں حسن شکر کی نعمت سے مالا مال کرے اور ہمیں اپنے ذکر اور اطاعت کا اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حسن اتباع کا اہل بنائے اور یہ بھی التجا کرتا ہوں وہ ہمیں ناتجربہ کاری پر نہ پکڑے اور غفلت پر ہماری روحوں کو قبض نہ کرے

اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے اس میں کسی قسم کی آزمائش وابتلاء نہ ہو بے شک وہ جواد وکریم ہے۔

ابن قیم، سخاوی اور فیروز آبادی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے فوائد کو جمع کیا ہے لیکن ابن قیم نے انہیں چالیس فوائد کی صورت میں ترتیب دیا ہے میں اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کرتا ہوں تا کہ اس سے مکمل فائدہ حاصل ہو جبکہ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ضعیف احادیث سے ماخوذ ہیں لیکن ان سے تمسک کیا جاتا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت حاصل ہوتی ہے۔

(۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے وقت ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت کرتے ہیں اگرچہ دونوں عملوں کا مفہوم مختلف ہوتا ہے ہمارے درود کا مطلب یہ ہے کہ ہم دعاء وسوال کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی صلوٰۃ کی مراد یہ ہے۔ وہ ثناء اور شرف عطا فرماتا ہے۔

(۳) فرشتوں کے ساتھ موافقت حاصل ہوتی ہے۔

(۴) ایک دفعہ درود پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس دفعہ رحمتیں نازل ہوتی ہیں اسی طرح سلام پیش کرنے والے پر بھی دس سلام پیش کیے جاتے ہیں۔

(۵) اس کے لئے دس درجے بلند کر دیے جاتے ہیں۔

(۶) اس کے لئے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

(۷) اس کے دس گناہ مٹا دیے جاتے ہیں۔

(۸) جس دعا سے قبل وہ درود وسلام پڑھتا ہے اس کی دعا کی قبولیت کی امید کی جاتی ہے یعنی جس دعا سے پہلے اور آخر میں درود وسلام پڑھا جائے۔

(۹) اس کا درود آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا باعث ہے خواہ وہ وسیلہ کی دعا کے ساتھ اسے پڑھے یا دعا کے بغیر اسے پڑھے۔

(۱۰) یہ گناہوں کی بخشش کا سبب ہے۔

(۱۱) بندے کو جو چیز پریشان کیے ہوتی ہے بندے کے لئے اللہ تعالیٰ کے کافی ہونے کا سبب ہے۔

(۱۲) یہ قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا باعث بن جاتا ہے۔

(۱۳) تنگ دستوں کے لئے یہ صدقہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔

(۱۴) یہ ضروریات کے پورا کرنے کا سبب ہے۔

(۱۵) یہ درود پڑھنے والے پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے درود کا سبب ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے سلام کا بھی سبب ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں سلام پیش کیا۔

(۱۶) یہ درود پڑھنے والے کے لئے طہارت و پاکیزگی کا باعث ہے۔

(۱۷) یہ بندے کو موت سے قبل ہی جنت کی بشارت کا باعث ہے ابو موسیٰ نے اسے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور اس میں ایک حدیث بھی بیان کی ہے۔

(۱۸) یہ یوم قیامت کی ہولناکیوں سے نجات کا سبب ہے ابو موسیٰ نے اسے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور اس میں ایک حدیث ذکر کی ہے۔

(۱۹) یہ درود وسلام پڑھنے والے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درود وسلام لوٹانے کا باعث ہے۔

(۲۰) یہ بندہ جو چیز بھول چکا ہو اس کے یاد دلانے کا باعث ہے۔

(۲۱) یہ مجلس کی پاکیزگی کا باعث ہے اور قیامت کے روز اس مجلس میں بیٹھنے والوں پر حسرت لوٹانے کا باعث نہ ہوگا۔

(۲۲) یہ فقر کی نفی کا سبب ہوگا۔

(۲۳) یہ بندے سے اس بخل کے ازالہ کا باعث ہوگا جب وہ حضور ﷺ کا ذکر ہونے پر وہ درود پڑھے گا۔

(۲۴) جب آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر درود پڑھے تو اس کے حق میں ذلیل ورسوا ہونے کی جو بددعا ہے اس سے نجات پا جاتا ہے۔

(۲۵) یہ عمل کرنے والے کو جنت کی راہ پر لگا دیتا ہے اور تارک کو جنت کے راستہ سے دور کر دیتا ہے۔

(۲۶) یہ عمل مجلس کی بدبو سے نجات دیتا ہے جو بدبو ایسی مجلس میں ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول معظم کا ذکر نہ کیا جائے اس کی حمد وثناء نہ کی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہ پڑھا جائے۔

(۲۷) یہ اس کلام کے مکمل ہونے کا سبب بن جاتا ہے جس کلام کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھا جائے۔

(۲۸) یہ پل صراط پر بندے کے نور میں اضافہ کا سبب ہوتا ہے اس میں ایک حدیث طیبہ بھی وارد ہے جیسے ابو موسیٰ اور دوسرے لوگوں نے ذکر کیا ہے۔

(۲۹) اس کے ذریعہ بندہ جفا سے نکل جاتا ہے۔

(۳۰) یہ عمل اس کا بھی سبب بن جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ درود پڑھنے والے کے لئے آسمان وزمین والوں کے درمیان اس کے اچھے ذکر کو باقی رکھتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ درود پڑھنے والا اللہ تعالیٰ کے حضور یہ التجاء کرتا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان کرے آپ کی عزتوں میں اضافہ کرے اور مزید شرف سے نوازے پھر اچھے عمل کا بدلہ تو ہوتا ہے تو پس ضروری ہے کہ درود پڑھنے والے کو بھی اس کا کچھ صلہ ملے۔

(۳۱) یہ درود پڑھنے والے کی ذات، عمل، عمر اور مصالح کے اسباب میں برکت کا سبب ہوتا ہے کیونکہ درود

پڑھنے والا اپنے رب سے دعا کر رہا ہوتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر برکتیں نازل فرمائے یہ دعا قبول ہوتی ہے اور بدلہ بھی تو اس کی جنس سے ہے۔

(۳۲) یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے پانے کا سبب ہے رحمت یا صلوٰۃ کا معنی ہے جس طرح ایک جماعت کا نقطہ نظر ہے یا یہ اس کے لوازمات میں سے ہے صحیح قول کے مطابق تو آپ پر درود پڑھنے والے کے لئے بھی رحمت ہے جو اسے پہنچے۔

(۳۳) یہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے دوام میں کئی گنا زیادتی کا باعث ہے یہ ایمان کے عقود میں سے ایک عقد ہے جو اس عمل کے ساتھ ہی مکمل ہوتا ہے کیونکہ جب بندہ محبوب کا ذکر زیادہ کرتا ہے اور اپنے دل میں حاضر رکھتا ہے اور اس کے محاسن کو حاضر باش رکھتا ہے تو یہی چیزیں اس کی محبت کو لانے والی ہوتی ہیں۔ اس کی محبت اور شوق کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور اس کے تمام دل کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے محبوب کی رویت سے بڑھ کر محبّ کی آنکھ کو ٹھنڈک عطا کرنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کے ذکر اور محاسن کے استحضار سے بڑھ کر اس کے دل کو قرار عطا کرنے والی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ جب یہ چیز اس کے دل میں قوی ہو جاتی ہے تو اس کی زبان اس کی مدح وثناء میں جاری ہو جاتی ہے۔

جب کسی شے کے ذکر کی کثرت اس کی محبت کے دوام کا باعث ہوتی ہے اور اس کو بھلا دینا اس کی محبت کے زوال اور ضعف کا باعث ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہی وہ ذات ہے جو بندوں سے ہر درجہ محبت وتعظیم کی مستحق ہے اسی طرح وہ کمال محبت، کمال عبودیت، کمال تعظیم اور کمال اجلال کی مستحق ہے اس کا کثرت سے ذکر کرنا بندوں کے حق میں نفع کا باعث ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں کثرت سے توبہ کرنے کا حکم فرمایا اور اسے فلاح کا سبب قرار دیا۔

مقصود یہ ہوا کہ ذکر پر ہمیشگی محبت میں دوام کا سبب ہوتا ہے دل کے لئے ذکر وہی حیثیت رکھتا ہے جس طرح کھیتی کے لئے پانی بلکہ مچھلی کے لئے پانی جس کی زندگی اسی سے ممکن ہوتی ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف ہمیشہ پڑھنا محبت میں دوام کا باعث ہوتا ہے۔

(۳۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود وسلام پڑھنا بندے کے لئے حضور کی محبت کا سبب بن جاتا ہے کیونکہ جب یہ عمل درود پڑھنے والے کے دل میں حضور کی محبت میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم درود پڑھنے والے سے زیادہ محبت کرنے لگتے ہیں۔

(۳۵) یہ بندے کی ہدایت کا سبب ہے اور اس کے دل کی حیات کا سبب ہے کیونکہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زیادہ درود شریف پڑھے گا اور ذکر کرے گا تو آپ کی محبت اس کے دل پر غالب آجائے گی یہاں تک کہ آپ کے احکام میں سے کسی چیز کے ساتھ معاوضہ باقی نہ رہے گا اور جو پیغام

آپ لاتے ہیں اس میں اسے کوئی شک نہیں ہوگا بلکہ جو پیغام حق آپ لائے وہ اس کے دل میں نقش ہوگا اور وہ ہر حال میں اس کا ورد کرتا رہے گا اور وہ اس سے ہدایت، فلاح اور مختلف علوم حاصل کرتا رہے گا اور جب اس میں اس کی بصیرت اور قوت معرفت بڑھتی جائے گی اس کے درود پڑھنے میں اضافہ ہوتا جائے گا۔

پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور جو پیغام حق آپ لائے ہیں اس کا ذکر اور اللہ تعالیٰ نے جو انعام ہم پر کیا ہے اور آپ کو مبعوث فرما کر جو احسان کیا ہے اس پر حمد کرنا یہی حقیقت میں وجود کی زندگی اور اس کی روح ہے جس طرح کہا گیا۔

مجالس کی روح اس کا ذکر ہے اور ہر حیران و پریشان قوم کے لئے ہدایت ہے جب کسی مجلس میں اس کا ذکر نہ کیا جائے حقیقت میں یہی زندوں میں سے مردہ ہیں۔

(۳۶) اس کا یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں اس کا نام اور اس کے ذکر کا باعث ہوگا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گزرا ہے کہ تمہارا درود میری بارگاہ اقدس میں پیش کیا جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر فرشتے مقرر کئے ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پیش کرتے ہیں ایک بندے کی عزت وشرف کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پیش کیا جائے اس مفہوم کی وضاحت میں یہ کہا گیا۔

شعر: جو تیرے خاطر عاطر میں واقع ہوا وہ اس کا مستحق ہے کہ عروج کرے اور آگے بڑھے۔

ایک اور نے کہا۔

اشعار: مبارک باد جب کہ میں اس مقام کا مستحق نہ تھا ایک بشارت دینے والے نے مایوسی کے بعد یہ خوشخبری دی تیرے لئے بشارت ہو جو چیز (افسردگی) تجھ پر غالب ہو چکی ہے اسے اتار پھینک تیرا وہاں (حضور کی بارگاہ میں) ذکر ہوا جبکہ تیرے اندر کئی عیب تھے۔

(۳۷) یہ پل صراط پر اس کے قدموں کے ثابت رہنے اور اس کے گزرنے کا سبب ہوگا۔

کیونکہ عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جسے ان سے سعید بن مسیّب نے نبی کریم ﷺ کی خوابوں میں روایت کی ہے کہ میں نے اپنی امت کے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ پل صراط پر گھٹنوں کے بل گھسٹ رہا ہے کبھی سیدھا ہو جاتا ہے اور کبھی نیچے لٹک جاتا ہے تو اس کا درود مجھ تک پہنچا تو اس درود نے اسے سیدھا کھڑا کر دیا اور اسے گرنے سے بچالیا اسے ابوموسیٰ مدینی نے روایت کیا اور یہ حدیث حسن ہے۔

(۳۸) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود پاک پڑھنے سے ایک طرف تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کی کچھ ادائیگی ہو جاتی ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے بندے پر جو نعمتیں کی ہوتی ہیں اس پر شکر، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو حقوق ہیں وہ شمار سے باہر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے

فضل وکرم کے ساتھ اپنے بندوں سے تھوڑے سے شکر اور تھوڑے سے اداء حق کے ساتھ راضی ہو جاتا ہے۔

(۳۹) اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ذکر اس کے شکر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو انعام فرمایا اس کو شامل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کے ذکر اور اس کے اس سوال کہ جس جزاء کا وہ اہل ہے اسے عطا کی جائے اور اس کے اسماء وصفات اور ہمیں اپنے پسندیدہ طریقہ کی طرف ہدایت کو اپنے ضمن میں لئے ہوتا ہے۔ یہ کامل ایمان کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے بلکہ جس رب کو ندا کی جارہی ہوتی ہے اس کے وجوب، اس کے علم، قدرت، ارادہ، صفات، کلام، اپنے محبوب رسول کی بعثت، تمام اخبار میں اس کی تصدیق اور اس کی کمال محبت کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایمان کے اصول ہیں۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود پڑھنا بندے کے علم، اس کی تصدیق اور اس سے محبت کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے اور یہ اعمال میں سے افضل عمل ہے۔

(۴۰) بندے کی طرف سے آپ کی بارگاہ اقدس میں درود پڑھنا یہ دعا ہے بندے کی دعا اور اپنے رب سے سوال کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) بندے کا اپنی حاجات، مشکلات اور شب و روز جو اسے مصیبتیں لاحق ہوتی ہیں ان کے بارے سوال کرنا، یہ دعا اور سوال بندے کا اپنے محبوب مطلوب کو ترجیح دینا ہے۔

(۲) اس کا یہ سوال کرنا کہ وہ اس کے محبوب پر زیادہ ثنا کرے اور اس کے شرف وکرامت میں اضافہ کرے یہ اس کے ذکر اور رفعت کو ترجیح دینا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا پیارا رسول اس کو پسند کرتے ہیں پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں درود شریف پڑھنے والے نے اپنے سوال، رغبت اور طلب کو اللہ اور اس کے پیارے رسول کی محبت کی طرف پھیر دیا ہے اور اپنی حاجات اور محبتوں کی طلب پر اسے ترجیح دی ہے بلکہ اس کا یہ مطلوب تمام امور سے زیادہ محبوب ہے اور سب سے زیادہ ترجیح یافتہ ہے تو تحقیق اس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ چیز کو اپنی محبت پر ترجیح دی اور اس نے اللہ اور اس کے محبوب کو دوسروں پر فوقیت دی اور جزاء تو جنس عمل سے ہوتی ہے۔

پس جو اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ پر ترجیح دے اللہ تعالیٰ اسے غیر پر ترجیح دیتا ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ اقدس میں درود پڑھنے کے اس کے علاوہ کوئی فوائد نہ ہوتے تو تب بھی مومن کے شرف کے لئے یہ چیز کافی ہوتی۔

میں اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کی عزتوں سے نوازے ہماری زبانوں اور دلوں کو اس کے ساتھ اور اپنے ذکر کے ساتھ نرم کردے اور اس کی اور اپنی محبت کا اہل بنادے۔ بے شک وہ جواد و کریم ہے تمام تر تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں اللہ تعالیٰ کی کروڑ کروڑ رحمتیں ہوں اس ہستی پاک اور اس کی آل پر جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والے ہیں۔

تیسرا باب

مدینہ طیبہ کی مساجد اور جو فضائل انہیں حاصل ہیں

جب اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اس پاکیزہ شہر کو عزت بخشی اور اسے امن والا حرم بنایا اور ہمیشہ کے لئے حرام کردیا اس میں وہ برکتیں رکھیں جو کسی اور شہر میں نہیں نیز مومنوں کے دلوں میں مکہ مکرمہ جیسی یا اس سے بھی بڑھ کر محبت رکھی۔ اس کی مجاورت (ہمسائیگی) اور اس میں موت کی رغبت دلائی جبکہ پہلے اسے اپنے نبی کا مسکن بنایا پھر اس کے بعد اسے آپ کی تا قیامت آرام گاہ بنا دیا پس دل اس کی طرف کھچے چلے آتے ہیں قلوب اس کا اشتیاق رکھتے ہیں روحیں اس کی زیارت کی مشتاق ہیں اور اس کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ جانتی ہیں۔

ان کے علاوہ اس کے بے شمار فضائل ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہو چکا اور بعض کا ذکر آئے گا۔

مدینہ طیبہ کی مسجد (مسجد نبوی) کو انبیاء کی مساجد میں سے آخری مسجد ہونے کا شرف عطا کیا اور اس میں اجر و ثواب کو کئی گنا کردیا اس میں ایک نماز دوسروں مساجد میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار گنا بہتر ہے بلکہ جو اس میں ہمیشہ نماز پڑھتا ہے اس کے لئے کثیر ثواب اور عظیم اجر ہوتا ہے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت میں عظیم عزتوں سے نوازتا ہے جس طرح کہ جو آدمی یہاں خالص نیت کے ساتھ معلم و متعلم بن کر آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا درجہ رکھتا ہے بلکہ جونہی وہ مسجد نبوی کا ارادہ کرتے ہوئے اپنے گھر سے نکلتا ہے اسے ثواب حاصل ہو جاتا ہے اور اس کا اجر جاری ہو جاتا ہے اسی وجہ سے مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف عبادت کی غرض سے سفر نہیں کیا جاتا۔

ایسا کیوں نہ ہو پہلے روز سے ہی اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسے بنایا اور کام اور تعمیر میں خود حصہ لیا۔

اسی مسجد میں ایسا حصہ بھی ہے جسے جنت کا باغیچہ ہونے کا شرف حاصل ہے اور آپ کا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک پر ہے اس میں ایسا تنا بھی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں رویا تھا اگر آپ اسے اپنے سینے سے نہ لگاتے تو وہ تا قیامت روتا ہی رہتا پس وہ تمام مسلمانوں پر دلیل بن گیا اسی باغیچہ میں ایسے ستون ہیں جہاں نماز پڑھنا بڑی شان کی حامل ہوتی ہے اس میں ایسے راز ہیں جن کو ہم نہیں جان سکتے۔

مدینہ طیبہ میں اور مساجد بھی ہیں بعض کے اندر ایک نماز پڑھنا ایک کامل عمرہ کا ثواب رکھتی ہے اور بعض میں دعا مقبول ہوتی ہے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں تلاش کرنا اور ان میں نماز پڑھنا ان کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔

ایک مسلمان پر لازم ہے کہ اس پاکیزہ اور طاہر شہر کی حرمت کو پہچانے اسے زیبا نہیں کہ بے وقوفانہ قول، باطل فعل، ناپسندیدہ عمل اور برے اعتقاد سے اسے آلودہ کرے بلکہ جو گھڑیاں اسے یہاں میسر ہوتی ہیں طاعت اختیار کر کے انہیں غنیمت جانے ہمہ وقت کوشاں رہے سستی کے لباس کو اتار پھینکے ہر اس چیز سے اعراض کرے جو اسے اپنے رب سے دور کرسکتی ہے ہر وقت اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جس نے اسے اس پاکیزہ شہر میں یہ لمحات عطا کئے ہیں جبکہ یہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر کر رہا ہو کہ اس نے اسے یہاں مقع عطا فرمایا.......... بلکہ اگر وہ اس شہر میں اپنے رب کا شکر ادا کرے تو اس کے حق میں دوسرے شہروں کی نسبت کئی گنا اجر ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس میں تھوڑا سا عمل بھی بہت زیادہ اجر کا باعث بن جاتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے التجاء کرتا ہوں جس نے مجھے یہاں چند سال گزارنے کی عزت عطا فرمائی کہ وہ میری باقی ماندہ زندگی کو پہلی زندگی سے بہتر بنائے مجھے اور مسلمانوں کو اطاعت کرنے اور گناہوں سے محفوظ رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور میرے وقت اور صحت میں برکت پیدا فرمائے اور مجھے ثواب سے محروم نہ کرے اور اس پاکیزہ شہر میں میرا خاتمہ بالخیر فرمائے اور یہاں سے ہی مجھے اٹھائے جبکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا نصب ہو بے شک وہ اس پر قادر اور اپنے بندوں پر رؤف ورحیم ہے۔

میں مسجد نبوی کا ذکر شروع کرتا ہوں ان اعمال سے برکت حاصل کرتے ہوئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت کئے جب آپ اس پاکیزہ شہر میں تشریف لائے۔

مسجد نبوی کی تعمیر اور اس کی تعمیر میں جو عظمتیں نمایاں ہوئیں

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ پہنچے جبکہ بعض صحابہ آپ سے پہلے مدینہ طیبہ پہنچ چکے تھے تو سب سے پہلے جو کام آپ نے کیا وہ اس مسجد کی تعمیر تھا اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ قائم رکھے اور اس کی دوسری مساجد کے ساتھ حفاظت فرمائے اسی وجہ سے میں اس کے فضائل ذکر کرنے سے پہلے پسند کرتا ہوں کہ یہ بیان کروں کہ اسے کیسے بنایا گیا اور خیبر کی فتح کے بعد نئی تعمیر سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس کی کیا کیفیت تھی اس میں صحیح احادیث وارد ہیں اگرچہ وہ مربوط نہیں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے آغاز میں قباء میں پہنچے وہاں مسجد کی بنیاد رکھی اور بنی عمرو بن عوف کے پاس دس سے زیادہ دن گزارنے کے بعد آپ مدینہ طیبہ میں منتقل ہو گئے اس لئے میں ہجرت کے احوال کا ذکر نہ کروں گا اور نہ ہی قباء میں ٹھہرنے کا کچھ ذکر کروں گا میں قباء کے بعد کے حالات تحریر کروں گا جیسے

مسجد نبوی کی تعمیر کے لئے آپ کا یہاں تشریف لانا۔

۴۹۸- حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے جو انہوں نے اپنے والد ماجد سے ہجرت کے قصہ کے متعلق روایت کی کہا آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم، بنی عمرو بن عوف کے ہاں دس دن سے زیادہ قیام کیا اور اس مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جسے تقوٰی پر تعمیر کیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی۔

پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے لوگ آپ کے ساتھ چل رہے تھے یہاں تک کہ آپ کی سواری جہاں مسجد نبوی تعمیر کی گئی وہاں بیٹھ گئی اس روز وہاں آپ نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز ادا فرمائی یہاں کھجوریں خشک کی جاتی تھیں اور یہ قطعہ زمین سہیل اور سہل نامی دو یتیم بچوں کا تھا جو اسعد بن زرارہ کے ہاں پرورش پا رہے تھے۔

جب آپ کی سواری یہاں بیٹھ گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی ہماری منزل ہوگی ان شاء اللہ پھر آپ نے دونوں بچوں کو بلایا اس قطعہ زمین کا ان سے سودا شروع کیا تا کہ اس جگہ کو مسجد بنایا جائے دونوں نے عرض کی ہم اس کی کوئی قیمت نہ لیں گے ہم اسے ہبہ کرتے ہیں اے اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، آپ نے بطور ہبہ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ آپ نے ان سے اسے خریدا پھر اسے مسجد بنایا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعمیر کے وقت صحابہ کے ساتھ کچی اینٹیں اٹھانے لگے اور اینٹیں اٹھانے کے دوران یہ ارشاد فرماتے تھے۔

یہ بوجھ خیبر کا بوجھ نہیں اے ہمارے رب یہ بہت نیک اور پاکیزہ کام ہے آپ یہ بھی ارشاد فرماتے۔

اے اللہ اجر تو حقیقت میں آخرت کا اجر ہے اے اللہ انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلمان کا شعر ذکر کیا جس کا نام مجھے معلوم نہیں اسے بخاری نے روایت کیا ہے اس حدیث میں بہت اختصار ہے جو بعد میں روایت آ رہی ہے اس سے صورتحال واضح ہو جائے گی۔

۴۹۹- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث جس میں انہوں نے ہجرت کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کیفیت کا ذکر کیا جس میں یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے جبکہ آپ حضرت ابوبکر صدیق کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے پھر اسی حدیث میں سراقہ بن مالک کے قصہ کا ذکر کیا یہاں تک کہ یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرہ کی جانب اترے پھر آپ نے انصار کی طرف پیغام بھیجا پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق کے پاس آئے اور سلام کیا اور عرض کی سوار ہو جائیے آپ مامون ہیں اور آپ کی اطاعت کی جائے گی اور مسلح ہو کر آپ کو گھیر لیا اور مدینہ میں کہلا بھیجا اللہ کے نبی تشریف لے آئے اللہ

کے نبی تشریف لے آئے مدینہ کے لوگ چشم براہ تھے اور کہہ رہے تھے اللہ کے نبی تشریف لے آئے۔

آپ رواں دواں رہے یہاں تک کہ ابوایوب کے گھر کے پاس اترے اور ارشاد فرمایا کس کا گھر سب سے قریب ہے حضرت ابوایوب انصاری نے عرض کی غلام حاضر ہے یہ میرا گھر ہے اور یہ میرا دروازہ ہے فرمایا چلئے ہماری رہائش کا انتظام کیجئے عرض کی اللہ کی برکت پر کھڑے ہوجائیے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

مدینہ طیبہ کے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے بہت خوش ہوئے اتنے وہ پہلے خوش ہوئے تھے نہ اس کے قریب قریب اپنی زندگی میں خوش ہوئے۔

۵۰۰-براء بن عازب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے سب سے پہلے جو حضرات ہمارے ہاں تشریف لائے وہ مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم تھے وہ لوگوں کو قرآن پڑھاتے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے میں نے اہل مدینہ کو اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر خوش ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ لونڈیاں کہتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابوایوب انصاری کے ہاں فروکش ہونا ان کی تکریم کے لئے تھا کیونکہ وہ آپ کے ننہال سے تعلق رکھتے تھے کیونکہ بنی نجار عبدالمطلب کا ننہالی خاندان تھا

۵۰۱-براء بن عازب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہجرت کے قصہ کے متعلق جو روایت کرتے ہیں اس میں ذکر کیا لوگوں نے آپس میں جھگڑا شروع کر دیا کہ کس کے ہاں آپ فروکش ہوں گے آپ نے فرمایا میں بنی نجار کے ہاں اتروں گا جو بنی عبدالمطلب کے ننہال ہیں میں اسی سبب سے انہیں عزت بخشوں گا مرد عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے بچے اور غلام راستوں میں پھیل گئے یہ ندا کرتے تھے یا محمد یا رسول اللہ یا محمد رسول اللہ یہ مسلم کے الفاظ ہیں اور اصل حدیث دونوں کے ہاں ہے۔

نبی کریم ﷺ کا حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں جلوہ فرما ہونا

ظاہراً تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام حضرت ابوایوب انصاری کے گھر میں نچلی منزل میں تھا لیکن ابو ایوب کے دل نے اس کو گوارا نہ کیا کہ وہ خود بالائی منزل میں رہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نچلی منزل میں رہے آپ لگاتار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے التجا کرتے رہے یہاں تک کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بالائی منزل میں منتقل ہو گئے اور حضرت ابوایوب نچلی منزل میں منتقل ہو گئے۔

۵۰۲-حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہاں فروکش ہوئے تو آپ نچلی منزل میں قیام فرما ہوئے اور حضرت ابوایوب اوپر والی منزل میں تھے ابو ایوب ایک روز رات کو بیدار ہوئے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سروں پر چلتے ہیں تو کرے

کے ایک طرف ہو گئے اور ساری رات اسی طرح گزار دی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نچلی منزل زیادہ موزوں ہے حضرت ابوایوب نے عرض کی میں اس چھت پر کیسے چڑھ سکتا ہوں جس کے نیچے آپ تشریف فرما ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اوپر والی منزل میں منتقل ہو گئے اور ابوایوب نچلی والی منزل میں منتقل ہو گئے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ابوایوب اور دوسرے صحابہ پر رحم فرمائے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا ادب رکھتے تھے ان کے دل نے اس کو گوارا نہ کیا کہ وہ بالائی منزل میں رہیں ساری رات کمرے کی ایک جانب میں گزار دی یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کا مسجد کی جگہ کو پسند کرنا

مسجد کی جگہ کا انتخاب اللہ تعالیٰ کے اختیار اور تقدیر سے ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر سوار تھے اور حضور جب بھی کسی خاندان کے گھروں کے پاس سے گزرتے تو وہ آپ سے جلوہ گر ہونے کی درخواست کرتے حضور انہیں یہ فرماتے سواری کو چھوڑ دو اسے حکم دے دیا گیا ہے یہاں تک مسجد کے دروازہ پر جا بیٹھی۔

نبی کریم ﷺ کا مسجد کی زمین کو خریدنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی زمین کو خریدا جو پہلے کھجوریں خشک کرنے کے لئے استعمال ہوتی تھیں اس سے پہلے یہ باغ تھا یہی دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت ہے۔

بخاری شریف کی روایت جو حضرت عروہ سے مروی ہے وہ گزر چکی ہے جس میں یہ تھا پھر آپ سواری پر سوار ہو گئے لوگ آپ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے یہاں تک کہ آپ کی سواری مسجد کے قریب بیٹھ گئی ان دنوں مسلمان وہاں ہی نماز پڑھتے تھے یہ کھجوریں خشک کرنے کی جگہ تھی جو سہل و سہیل دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی جو اسعد بن زرارہ کے زیر پرورش تھے، جب آپ کی سواری بیٹھ گئی تو آپ نے فرمایا ان شاء اللہ یہی ہماری منزل ہو گی پھر آپ نے دونوں بچوں کو بلایا اور اس جگہ کا سودا کیا تا کہ یہاں مسجد بنائیں دونوں نے عرض کی ہم اس کی قیمت نہ لیں گے بلکہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو ہبہ کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے زمین بطور ہبہ لینے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ آپ نے ان سے زمین خرید لی پھر یہاں مسجد بنائی۔

۵۰۳- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اور اس کے بالائی حصہ میں ایک قبیلہ کے ہاں فروکش ہوئے جسے بنی عمرو بن عوف کہا جاتا تھا آپ وہاں چودہ دن قیام پذیر رہے پھر آپ نے بنی نجار کی طرف پیغام بھیجا وہ گلوں میں تلواریں

لٹکائے حاضر ہوگئے گویا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سواری پر سوار دیکھ رہا ہوں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے ہیں بنی نجار کا قبیلہ آپ کو گھیرے ہوئے ہے یہاں تک کہ آپ ابوایوب کے گھر کے صحن میں اترے جہاں وقت ہو جاتا آپ وہیں نماز پڑھ لینے کو پسند کرتے تھے آپ بھیڑوں کے باڑوں میں بھی نماز پڑھ لیتے تھے۔ آپ نے مسجد بنانے کا حکم دیا اور بنی نجار کو بلا بھیجا فرمایا اس جگہ کی قیمت لے لو انہوں نے عرض کی ایسا ہرگز نہیں ہوگا قسم بخدا ہم اس کی قیمت طلب نہ کریں گے مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اسے پیش کرتے ہیں۔

حضرت انس نے کہا جس طرح میں تمہیں کہہ رہا ہوں اس میں مشرکین کی قبریں ہیں اس میں کھنڈرات ہیں اس میں کھجور کے درخت ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو اکھیڑنے کا حکم دیا تو اکھیڑ دی گئیں پھر کھنڈرات کے بارے حکم دیا گیا جو درست کر دیئے گئے۔ درختوں کو کاٹنے کا حکم دیا گیا وہ کاٹ دیئے گئے کھجور کے تنوں کو قبلہ کی جانب صف در صف کر دیا گیا اور صحابہ پتھر اٹھاتے اور وہ رجزیہ اشعار پڑھ رہے ہوتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہوتے آپ فرماتے اے اللہ آخرت کی بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں تو انصار و مہاجرین کو بخش دے۔

۴۰۵- حضرت ابوداؤد اور دوسرے محدثین نے انہیں سے روایت کی ہے مسجد کی جگہ بنی نجار کا باغ تھا جس میں کھیتی، کھجوریں اور مشرکین کی قبریں تھیں پھر پوری روایت بیان کی۔

اس حدیث میں ہے فرمایا اے بنی نجار مجھ سے اپنے باغ کی قیمت لے لو۔ جبکہ سابقہ حدیث میں تھا یہ کھجوریں خشک کرنے کی جگہ تھی اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ یہ اصل میں باغ تھا کیونکہ دوسری حدیث اس پر دلالت کرتی ہے جس میں کھجور کے درخت تھے اصل میں یہ باغ تھا جو بعد میں کھجوریں خشک کرنے کی جگہ بنا دیا گیا۔

یہ بھی احتمال ہے کھجوریں خشک کرنے کی جگہ اس باغ کا کچھ حصہ ہو جو قطعہ زمین آپ نے خریدنے کا ارادہ کیا ہو وہ مربد سے زیادہ ہو جس میں باغ کا کچھ حصہ بھی آتا ہو گویا مسجد کا بعض حصہ مربد اور بعض حصہ باغ کا تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ابوداؤد کی روایت اس میں صریح ہے کہ وہ باغ ہی تھا اور اس کی سند صحیح کی شرط پر پوری اترتی ہے۔

جس طرح سابقہ حدیث میں گزرا ہے آپ نے ان کے لئے مربد کی قیمت لگائی تاکہ اسے مسجد بنائیں یہاں تک کہ اسے ان سے خرید لیا پھر اسے مسجد بنا لیا جبکہ حضرت انس کی حدیث میں یہ بھی آیا ہے۔ فرمایا اے بنی نجار میرے ساتھ اس باغ کی قیمت لگاؤ۔ انہوں نے عرض کی ایسا ہرگز نہیں ہوگا ہم اس کی قیمت کا مطالبہ نہ کریں گے مگر اسے اللہ کے سپرد کرتے ہیں اب لفظوں میں کوئی تعارض نہ رہا کیونکہ معنیٰ جمع کرنا ممکن ہے۔

یہ یا تو اس لئے کیونکہ ان لوگوں کا نقطہ نظر بھی وہی تھا جو ان نو جوانوں کا تھا کیونکہ دونوں بچوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اسے بیچنے سے انکار کیا تھا بلکہ ہبہ کی پیشکش کی تھی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بطور ہبہ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا یہاں تک کہ اسے خرید لیا ان افراد نے بھی ظاہراً اس کا انکار کیا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خریدنے پر ہی اصرار کیا وہ بعد میں راضی ہو گئے۔

وہاں ایک اور احتمال بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ جگہ خریدنا چاہی تو انہوں نے بیچنے سے انکار کر دیا بلکہ ہبہ کی پیشکش کی وہ اس کی قیمت کسی سے نہیں لینا چاہتے تھے مگر اللہ تعالیٰ سے بدلہ کے خواہاں تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بچوں کو بلا بھیجا ہو اور ان سے یہ جگہ خرید لی ہو۔

اس بنا پر کہ جنہوں نے یہ کہا کہ ہم اس کی قیمت کا مطالبہ نہ کریں گے بلکہ اللہ تعالیٰ سے اجر کے طالب ہوں گے انہوں نے یہ ارادہ کیا ہو کہ وہ دونوں بچوں کو خود قیمت ادا کر دیں گے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر بوجھ ڈالنا پسند نہ کیا ہو

مسجد کیسے بنائی گئی

جس طرح پہلی حدیث میں یہ آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعمیر کے موقع پر اینٹیں اٹھاتے رہے یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس مسجد کی تعمیر کچی اینٹوں سے ہوئی اس کی مثل حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت بھی ہے جو بھی آئے گی۔ جبکہ حضرت انس کی روایت میں کچی اینٹوں کا ذکر نہیں۔ اس میں یہ ہے کہ اس کے ستون پتھروں کے بنائے گئے تھے جس میں چٹان کا ذکر ہے کیا وہ پتھر دو ستونوں کے لئے تھے یا قبلہ کی جانب والی دیوار کے لئے۔

لیکن حافظ نے فتح میں زبیر بن بکار سے وہ حضرت انس سے مدینہ طیبہ کی خبر کے متعلق بیان کرتے ہوئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اسے کھجور کی شاخوں سے بنایا پھر ہجرت کے چوتھے سال کچی اینٹوں سے بنایا اس پر کئی چیزیں دلالت کرتی ہیں۔

(۱) ظاہر امر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعمیر صرف چھپر تھا جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چھپر۔

۵۰۵- راشد بن سعد سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ اور ان کے ساتھیوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھوں میں بانس یا کھجور کی شاخیں تھیں وہ ان کے ساتھ مسجد کو صاف کر رہے تھے عبداللہ بن رواحہ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کاش ہم یہ مسجد شام کی مسجد جیسی بناتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وہ شاخ یا قصبہ لے لیا اور اسے پھینک دیا۔ فرمایا چھوٹی لکڑیاں گھاس اور چھپر جس طرح موسیٰ علیہ السلام کا چھپر تھا معاملہ اس سے بھی تیز ہے یعنی دنیا جلد فنا ہونے والی ہے۔ اسے جندی نے روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں اس کے شواہد میں سے بن سمعان کی حدیث ہے جو عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور حسن کی روایت جو ابن ابی شیبہ کے ہاں ہے۔ صحیح راویوں

کے ساتھ ہے لیکن وہ مرسل ہے بیہقی نے اسے حسن سے مرسل روایت کیا ہے اور عبادہ بن صامت کی روایت بھی ہے عبدالرزاق نے ایک اور سند سے بھی اسے روایت کیا جو ابی بن کعب اور ابی الدرداء سے مروی ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں جو مروی ہے کہ مسجد کے قبلہ کی طرف کھجوریں صف در صف کردو وہ تعمیر شدہ دیوار نہ تھی۔ واللہ اعلم۔

یہ بھی ہوسکتا ہے اینٹوں سے تعمیر بعد میں ہوئی ہو جس طرح بعد میں ذکر آرہا ہے مگر جنہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اینٹوں سے تعمیر پہلی دفعہ ہوئی وہ طلق بن علی کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ روایت یہ ہے۔

۵۰۶-طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد کی تعمیر کی آپ فرماتے سامنے والی دیوار مٹی کی بناؤ بے شک تمہارے لئے مس کرنا اچھا ہوگا۔ اسے ابن حبان نے، طبرانی نے کبیر میں بیہقی نے سنن و دلائل میں روایت کیا اور ہیثمی نے مجمع میں احمد اور طبرانی کی طرف منسوب کیا لیکن احمد کے ہاں میں نے اسے نہیں پایا۔

ابن حبان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا طلق بن علی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ہجرت کے پہلے سال آئے جب مسلمان مسجد نبوی بنا رہے تھے۔

میں عرض کرتا ہوں جو ابن حبان نے کہا یا جس نے ان جیسا قول کیا وہ حقیقت سے بہت دور ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں وفود کی آمد کا سلسلہ ہجرت کے پانچویں سال سے قبل نہیں ہوا تھا جس طرح ابن سعد نے کہا ہے۔

انہوں نے کہا سب سے پہلے وفد ہجرت کے پانچویں سال رجب میں آیا تھا اور حضرت طلق اس وفد میں نہ تھے۔

دوسری بات جو حضرت طلق کے وفد میں واقع ہوئی وہ ہجرت کے پہلے سال قطعی طور پر وقوع پذیر نہ ہوئی تھی جیسے روزہ، ان کی قوم میں مسجد کا ہونا۔ اس کے الفاظ وہ ہیں جو اگلی روایت میں آرہے ہیں۔

۵۰۷-ان سے مروی ہے انہوں نے کہا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں وفد کی صورت میں حاضر ہوئے جب آپ نے ہمیں الوداع کیا آپ نے مجھے حکم دیا تو میں آپ کی خدمت میں پانی کا ایک برتن لایا آپ نے اس سے چلو بھر پانی لیا اس برتن میں تین دفعہ کلی کی پھر اس کا منہ بند کردیا پھر فرمایا اسے لے جاؤ اور اپنی قوم کی مسجد پر چھڑک دینا۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے اور نسائی نے بھی اس کی مثل روایت کی ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مسجد کی جگہ کو منتخب کیا (اس کو چھوڑ دو اسے حکم دے دیا گیا ہے) جس طرح نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود اس مسجد کی تعمیر میں شریک ہوئے۔
نص پہلے گزر چکی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس کی تعمیر کے وقت اینٹیں اٹھاتے اور ارشاد فرماتے۔

یہ بوجھ خیبر کا بوجھ نہیں اے ہمارے رب یہ بڑا نیک اور پاکیزہ ہے اور فرماتے۔

اے اللہ اجر تو آخرت کا اجر ہے۔ تو انصار و مہاجرین پر رحم فرما۔

جس طرح حضرت انس کی روایت گزر چکی ہے جس میں یہ ہے اس کے ستون پتھر کے بنائے گئے فرمایا وہ پتھر اٹھا کر لاتے اور وہ رجز پڑھ رہے ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ یہ فرماتے۔

اے اللہ آخرت کے سوا کوئی بھلائی نہیں تو انصار و مہاجرین کی مدد فرما۔

مسجد کی چھت کو کھجور کی شاخوں سے بنانا

مسجد نبوی کی چھت حضور کی زندگی میں کھجور کی شاخوں کی ہی رہی یہ سلسلہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دور تک یونہی چلتا رہا جبکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے دور میں یہ چھت تبدیل کی گئی جبکہ ان دونوں نے اسے اسی حالت پر رکھا جس پر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھی۔

۵۰۸-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد کچی اینٹوں سے بنی ہوئی تھی اور چھت کھجور کی شاخوں کا تھا اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس میں کچھ اضافہ نہ کیا۔ حضرت عمر نے اس میں کچھ اضافہ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور جن بنیادوں پر اسے تعمیر کیا گیا تھا اسے کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے بنایا اور اس کے ستون لکڑی کے بنائے پھر حضرت عثمان نے اس میں تبدیلی کی اور اس میں بہت زیادہ اضافہ کیا اس کی دیواریں اور ستون منقش پتھروں اور چونے سے بنائے اور چھت ساگوان کی لکڑی کا بنایا اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۵۰۹-حضرت ابوسعید خدری سے منقول ہے انہوں نے کہا ہم نے رمضان کے درمیانی عشرہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتکاف کیا ہم بیسویں رمضان کی صبح کو نکلے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا۔ فرمایا: مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی میں بھول گیا یا مجھے بھلا دیا گیا تم اسے آخری عشرہ میں طاق راتوں میں تلاش کرو میں نے دیکھا کہ میں بادل اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں پس جو آپ کے ساتھ اعتکاف کر رہا تھا اسے چاہئے کہ پلٹ آئے انہوں نے کہا ہم پلٹ آئے ہم آسمان میں پانی کا ایک چھوٹا ٹکڑا بھی نہ دیکھتے تھے۔ فرمایا: پس بادل آیا اور ہم پر بارش ہونے لگی یہاں تک کہ مسجد کی چھت ٹپکنے لگی وہ کھجور کی شاخوں کی تھی نماز قائم کی گئی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہے ہیں۔

یہاں تک کہ میں نے آپ کی پیشانی میں مٹی کا اثر دیکھا۔

ان کا یہ کہنا یہاں تک کہ مسجد کا چھت بہنے لگا اور وہ کھجور کی شاخوں کا تھا یعنی پانی چھت سے بہہ رہا تھا کیونکہ اسے کھجور کی شاخوں سے سایہ دار بنایا گیا تھا۔ اس کی بناء مضبوط نہ تھی کہ زیادہ بارش سے بچاتی یہ پہلے سال میں نہ تھی بلکہ یہ امر بعد میں ہوا کیونکہ اعتکاف بعد کے سالوں میں ہوا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

پہلی مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف اور پھر کعبہ کی طرف پھیرنا

مسجد کا قبلہ جب اسے بنایا گیا تھا مسجد اقصیٰ کی طرف تھا کعبہ مشرفہ کی طرف نہ تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سال سے زیادہ عرصہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔

۵۱۰- براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے سولہ ماہ تک نماز پڑھی یہاں تک کہ سورۃ بقرہ میں یہ آیت نازل ہوئی تم جہاں کہیں بھی ہو بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ (بقرہ: ۱۴۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یہ حدیث متفق علیہ ہے اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

۵۱۱- انہیں دونوں نے حضرت براء سے ہی ایک روایت نقل کی ہے فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ ماہ تک منہ کر کے نماز پڑھی پھر ہم کعبہ شریف کی طرف پھر گئے۔

۵۱۲- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہم نے آپ کے چہرہ کو آسمان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے دیکھا ہم آپ کا چہرہ پھیر دیں گے اس جانب جسے آپ پسند کریں گے آپ چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیرلیں۔ (بقرہ: ۱۴۴) مسلم شریف۔

۵۱۳- امام بخاری کی روایت ہے انہیں صحابی سے مروی ہے انہوں نے کہا جنہوں نے قبلتین کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی میرے سوا اب کوئی باقی نہیں ہے یعنی جنہوں نے بیت المقدس اور کعبہ مکرمہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اب میرے سوا کوئی باقی نہیں ہے اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی وفات کافی دیر بعد ہوئی اور یہ ان احباب سے سب سے آخر میں فوت ہوئے جنہوں نے بیت المقدس اور بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی۔ اسی طرح اس میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز نہیں پڑھی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۵۱۴- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے صورت یہ ہوتی کہ بیت اللہ شریف آپ کے سامنے ہوتا

اور ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ہی نماز پڑھتے رہے پھر کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا اسے احمد طبرانی نے کبیر اور بزار نے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۵۱۵-آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شام (بیت المقدس) سے قبلہ (کعبہ) کی طرف پھیر دیا گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ آنے کے بعد سترہویں ماہ میں رجب میں کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۵۱۶- کثیر بن عبداللہ بن عوف نے اپنے باپ سے انہوں نے دادا سے روایت کی ہے جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ہم آپ کے ساتھ تھے آپ نے سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی پھر اسے (قبلہ) کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا۔ اسے بزار اور طبرانی نے روایت کیا ہے اور کثیر نے جس کی روایت کو امام ترمذی نے حسن قرار دیا ہے سابقہ احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ان احادیث میں تین تاریخیں وارد ہیں سولہ ماہ، سترہ ماہ، سولہ یا سترہ ماہ ان کے درمیان تطبیق آسان ہے جس نے یقین سے سولہ ماہ ذکر کئے ہیں اس نے آنے اور تحویل کے مہینے کو جمع کر دیا ہے اور زائد ایام کو چھوڑ دیا ہے اور جس نے سترہ ماہ کا قول کہا ہے اس نے دونوں کو شمار کیا اور جس نے شک کا قول کیا اسے تردد ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم یقینی طور پر ربیع الاول میں تشریف لائے اور تحویل قبلہ دوسرے سال رجب میں ہوئی اور جمہور نے یہی کہا ہے۔ حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباس سے نقل کیا ہے ابن حبان نے سترہ ماہ اور تین دن ذکر کئے ہیں اس کی صورت یہ ہے کہ آپ کی آمد ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوئی دوسرے اقوال شاذ ہیں۔

میں کہتا ہوں ابن حبان رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے قول کی بناء اس چیز پر رکھی ہے جس طرح انہوں نے سیرت میں لکھی کہ تحویل قبلہ شعبان کے نصف میں بدھ کے روز ہوئی تھی۔ جہاں تک جمہور علماء کا مذہب ہے تحویل قبلہ نصف رجب کو ہوئی تو مدت سولہ ماہ بنتی ہے صحیح کی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسجد کے کئی دروازے تھے اسی طرح پڑوسی صحابہ کے گھروں کی کھڑکیاں تھیں جو مسجد کی طرف کھلتی تھی بعد میں آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو بند کرنے کا حکم ارشاد فرمایا صرف ایک دروازہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کھڑکی، حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے میں اختلاف ہے جس

طرح اس کی وضاحت بعد میں آئے گی۔

مسجد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی منبر نہ تھا جس پر کھڑے ہو کر آپ خطبہ دیتے آپ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے اور ایک تنا کا سہارا لیتے جو آپ کی نماز پڑھنے کی جگہ کے دائیں جانب تھا جس کا بیان ابھی آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

خیبر کے بعد مسجد کی وسعت

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے لوٹے اور مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور مسجد تنگ پڑ گئی تمام مسلمانوں کے لئے اس میں گنجائش نہ رہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وسعت کی طرف توجہ کی۔

۵۱۷- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے روز ''قصہ دار'' میں آپ سے مروی ہے آپ نے بعض صحابہ کو بلا بھیجا اور اپنے بعض فضائل کا ذکر کیا اس میں یہ بھی تھا میں تمہیں اللہ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ مسجد مسلمانوں کے لئے تنگ پڑ گئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون فلاں کی زمین خریدے گا اور مسجد میں اضافہ کا باعث بنے گا جنت میں اس کے لئے اس سے بہتر جگہ ملے گی۔ میں نے اسے اپنے مال سے خریدا تھا آج تم مجھے اسی میں دو رکعت نماز پڑھنے سے روکتے ہو سب نے کہا قسم بخدا بات ایسے ہی ہے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں روایت کیا۔ ابن ابی العاصم اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے حافظ نے اسحاق اور ابن خزیمہ کی طرف اسے منسوب کیا ہے۔

۵۱۸- احنف بن قیس سے ایک اور روایت ہے ہم مدینہ آئے تو حضرت عثمان تشریف لے آئے ہمیں کہا گیا یہ عثمان ہیں ان پر زرد رنگ کی چادر تھی آپ نے اس کے ساتھ اپنا سر ڈھانپ رکھا تھا آپ نے پوچھا یہاں علی ہیں لوگوں نے بتایا جی ہاں پوچھا یہاں طلحہ ہیں لوگ نے عرض کی جی موجود ہیں فرمایا میں تمہیں اس اللہ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فلاں کی زمین خرید کر دی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دے گا۔ میں نے اسے بیس ہزار یا پچیس ہزار میں خریدا میں حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا۔ عرض کی میں نے اس زمین کو خرید لیا ہے فرمایا اسے ہماری مسجد میں شامل کر دو تیرے لئے اجر ہوگا۔ راوی نے کہا سب نے یک زبان ہو کر کہا بات ایسے ہی ہے اس حدیث کو نسائی، ابن حبان، دارقطنی، احمد نے مسند اور فضائل صحابہ میں اور ابن ابی العاصم نے روایت کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچی اینٹوں سے بنایا اور چھت کھجور کی شاخوں کا بنایا اور ستون کھجور

کے تنوں کے بنائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث گزر چکی ہے اور اس میں یہ بھی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کچی اینٹوں کی چھت کھجور کی شاخوں کا اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۵۱۹- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ مسجد کی تعمیر کے لئے کچی اینٹیں اٹھاتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ میں حضور کے سامنے سے آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ نے اپنے بطن پر اینٹیں اٹھائے ہوئے ہیں۔ مجھے گمان ہوا کہ یہ آپ پر شاق ہوگا عرض کی حضور مجھے عطا فرما دیجئے فرمایا ابو ہریرہ اور لے لو زندگی تو آخرت کی زندگی ہے۔ اسے احمد نے صحیح راویوں سے نقل کیا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ خیبر کے روز ہجرت کی اور اس کی فتح کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۵۲۰- طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ انہوں نے کہا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں آیا جبکہ آپ کے صحابہ مسجد تعمیر کر رہے تھے۔ انہوں نے کہا گویا صحابہ کے عمل نے آپ کو خوش نہ کیا کہا میں نے کسی لی اس کے ساتھ گارا بنانے لگا گویا میرا کسی پکڑنا اور میرا عمل آپ کو اچھا لگا۔ فرمایا حنفی مٹی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ مٹی کو بہتر قابو کرنے والا ہے۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے۔ ان کی سند میں ایوب بن عتبہ ہے اس کی توثیق میں اختلاف ہے جس طرح ہیثمی نے کہا لیکن سابقہ حدیث اس کی شاہد ہے۔

۵۲۱- عکرمہ، ابن عباس کے غلام سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے مجھے اور اپنے بیٹے علی کو فرمایا دونوں ابو سعید کے پاس جاؤ اور اس سے حدیث سنو ہم دونوں گئے وہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے انہوں نے چادر لی اور اس کے سہارے بیٹھ گئے پھر وہ ہمیں احادیث بیان کرنے لگے یہاں تک کہ مسجد کے ذکر تک آ پہنچے کہا ہم ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھاتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا آپ ان کی مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا افسوس تجھے ایک باغی گروہ قتل کرے گا یہ انہیں جنت کی طرف دعوت دے رہا ہوگا وہ اسے جہنم کی طرف بلا رہے ہوں گے۔ راوی نے کہا حضرت عمار کہتے ہیں میں فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں آپ کا یہ قول "یدعو هم الی الجنة و یدعونه الی النار" یعنی ان کے قتل کرنے والے۔

اگر یہ کہا جائے ان کا قتل جنگ صفین میں ہوا جبکہ آپ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے جنہوں نے انہیں قتل کیا وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے اور ان کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت بھی تھی تو ان کے حق میں جہنم کی بددعا کیسے درست ہو سکتی ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے۔ فرمایا وہ گمان کرتے تھے کہ ہم لوگوں کو جنت کی طرف بلا رہے ہیں وہ مجتہد تھے اور ظن کی اتباع میں ان پر کوئی ملامت نہیں کی جا سکتی۔ جنت کی طرف دعوت کا مطلب اس کے سبب کی طرف دعوت ہے اور وہ امام وقت کی اطاعت ہے اسی طرح حضرت عمار ان لوگوں کو حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طاعت کی طرف دعوت دیتے تھے وہ اس وقت کے امام تھے اور ان کی طاعت واجب تھی جبکہ ان کے مخالفین اس کے برعکس کی دعوت دیتے تھے لیکن وہ اس تاویل کی وجہ سے معذور تھے جو ان کے لئے ظاہر ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۵۲۲- حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرمایا جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مسجد بنا رہے تھے تو ہر کوئی ایک ایک اینٹ اٹھا رہا تھا اور حضرت عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے ایک اینٹ اپنی طرف سے اور ایک اینٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے ان کی پشت پر ہاتھ پھیرا فرمایا اے ابن سمیہ لوگوں کے لئے ایک اجر ہے تیرے لئے دو اجر ہیں۔ تیری آخری خوراک دودھ ہوگی اور تجھے ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔

اسے عبدالرزاق نے روایت کیا ہے یہ الفاظ انہیں کے ہیں اور امام مسلم نے مختصر نقل کی ہے۔

یہ بات غزوہ خیبر کے بعد دوسری دفعہ مسجد کی تعمیر پر ہوئی نہ کہ ہجرت کے آغاز پر پہلی دفعہ تعمیر کرنے پر اور جو چیزیں اس پر دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہیں۔

۵۲۳- ابی عبدالرحمٰن سلمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے عبداللہ بن عمرو سے سنا جو اپنے باپ سے کہہ رہے تھے اے میرے ابا جان کیا تم نے مسجد کی تعمیر کے وقت آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے نہیں سنا جبکہ ہم ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے اور عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے اور تم آرام کر رہے تھے خبردار اسے ایک باغی جماعت قتل کرے گی اور تو جنتی ہے اسے طبرانی اور احمد نے اختصار سے نقل کیا ہے ابو یعلی نے مفصل بزار نے مختصر احمد، ابو یعلی کے راوی ثقہ ہیں امام نسائی نے خصائص علی میں اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے اور اسے دوسرے لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔

۵۲۴- عبداللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمرو بن عاص نے حضرت امیر معاویہ سے کہا اے امیر المومنین کیا آپ نے نہیں سنا کہ جب آپ مسجد بنا رہے تھے تو آپ نے حضرت عمار سے فرمایا تھا تو جہاد کا حریص ہے تو جنتی ہے اسے طبرانی نے نقل کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اسے نسائی، حاکم، بیہقی نے مختصراً نقل کیا ہے حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ذہبی نے اس کی توثیق کی ہے۔
عمرو بن عاص اور ان کے صاحبزادے نے سن پانچ ہجری میں ہجرت کی تھی اور ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کی ہجرت اس سے بھی بعد کی ہے کیونکہ یہ معلوم و مشہور ہے کہ عبداللہ بن عمرو اپنے والد سے پہلے اسلام لائے تھے۔

۵۲۵-مجمع بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد دو دفعہ تعمیر کرائی ایک دفعہ اس وقت جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ یہ سوضرب سو کم تھی اور جب خیبر فتح ہو گیا تو آپ نے اسی کے مثل اس میں اضافہ کر دیا اور قبلہ کی دیوار اور اس کے درمیان کمرے تعمیر کرائے اسے ابن نجار نے روایت کیا اور حضرت انس سے اسی کی مثل روایت کی مگر اس میں یہ کہا کہ ہجرت کے چار سال بعد کچی اینٹوں سے اسے بنایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مسجد نبوی کی کیفیت کے متعلق وارد ہونے والی احادیث میں سے ایسی بھی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ کچھ چیزیں ایسی بھی تھیں جو پہلی دفعہ نہ تھیں بلکہ اس میں زائد کی گئیں یہاں مقصود اس حالت کو بیان کرنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں تھی نہ کہ اول دور میں جو اس کی حالت تھی اس کی مثال منبر کا ذکر ہے یہ بات مشہور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد ابتدائی دور میں منبر پر خطبہ ارشاد نہیں فرماتے تھے نہ ہی مسجد کی پہلی تعمیر پر اس میں کوئی منبر تھا اس کا ذکر تنے کے رونے اور منبر کی فضیلت میں آئے گا۔

۵۲۶-سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ مسجد کی دیوار منبر کے پاس تھی بکری منبر اور دیوار کے درمیان سے نہیں گزر سکتی تھی۔

۵۲۷-اسماعیلی نے ان الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منبر اور قبلہ کی دیوار کے درمیان اتنا ہی فاصلہ تھا کہ اس میں سے بکری گزر سکے۔

جبرئیل امین کا قبلہ کی تعیین کرنا

جب قبلہ بیت المقدس سے کعبہ معظمہ کی طرف سولہ یا سترہ ماہ کے بعد تبدیل ہوا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے قبلہ کی درستگی کا ارادہ کیا تو جبرئیل امین حاضر ہوئے اور قبلہ کی سمت کو درست کیا اسی وجہ سے مسجد نبوی اور مسجد قبا کا قبلہ تمام مساجد کے قبلوں سے درست ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۵۲۸-زبیر بن بکار رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے عبداللہ بن نافع سے وہ داؤد بن قیس سے وہ نافع بن جبیر سے نقل کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنی مسجد کا قبلہ معین نہیں کیا مگر یہاں تک کہ میرے لئے کعبہ اٹھایا گیا میں نے اسے معین کیا جبکہ وہ میرے سامنے تھا۔

اس کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ مرسل ہے اور زہری کی روایت اس کی شاہد ہے داؤد بن قیس نے ضعیف سندوں سے اسے روایت کیا ہے وہ بھی مرسل ہیں اس کی ایک اور بھی شاہد ہے۔

۵۲۹-خلیل بن عبداللہ اذوی ایک انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی اطراف میں لوگ کھڑے کیئے تا کہ قبلہ کو درست کریں تو جبرئیل امین حاضر ہوئے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی سمت رکھیئے اس حال میں کہ آپ قبلہ دیکھ رہے ہوں پھر اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا تمام وہ پہاڑ جو آپ کے اور قبلہ کے درمیان تھے وہ پست ہو گئے تو آپ نے کعبہ مشرفہ دیکھتے ہوئے مسجد کی چاروں حدود کو متعین فرمایا آپ اور اس کے سامنے کوئی رکاوٹ نہ تھی جب آپ فارغ ہو گئے جبرئیل امین نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو پہاڑوں، درختوں اور دوسری چیزوں کو اسی حال پر کر دیا مسجد کا قبلہ اب کعبہ کے سامنے تھا زبیر بن بکار نے اخبار مدینہ میں روایت کیا ہے اسی سند میں خلیل ہے جو مجہول ہے اس میں جرح و تعدیل مذکور نہیں ہے۔ شموس بنت نعمان کی روایت اس کی شاہد ہے۔

۵۳۰-شموس بنت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد بنائی جبرئیل امین کعبہ مشرفہ کو آپ کے سامنے کر رہے تھے اور مسجد کا قبلہ آپ کے لئے سیدھا کر رہے تھے اسے طبرانی نے ثقہ لوگوں سے روایت کیا ہے اسی طرح سبل الھدی والرشاد میں ہے اور زرقانی علی المواہب میں ہے سہیلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الروض الانف میں شفاء بنت عبدالرحمٰن انصاریہ سے نقل کیا ہے اس کے کئی اور شواہد بھی ہیں۔

یہ دلالت کرتا ہے کہ حدیث کا اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ان شاء اللہ شموس بنت نعمان کی روایت مسجد قباء کے قبلہ کے بارے میں عنقریب آئے گی۔

تحقیق اس میں اشکال ہے کہ ہجرت کے آغاز میں مسجد کی تعمیر پر قبلہ بیت اللہ شریف کی جانب میں نہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور ہجرت کے بعد بھی ایک مدت تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہا۔

حافظ بن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ابن اثیر شابہ کی روایت میں یوم الکعبۃ کی طرف منہ کرنے کو باعث اشکال جان رہے تھے کہ اس وقت قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا پھر اس کے بعد قبلہ کی جانب پھیرا گیا۔

اس کے جواب میں میرے دل میں یہ خیال آیا انہوں نے لفظ تو بولا کعبہ لیکن مراد لیا قبلہ یا حقیقت میں کعبہ ہی مراد تھا جب آپ کے لئے انہوں نے جہت بیان کر دی جب آپ کعبہ کی طرف پشت کرتے تو بیت المقدس کی طرف منہ کرتے اس میں نکتہ یہ تھا کہ عنقریب اسے کعبہ کی طرف پھیرا جائے گا اسے کسی دوسری تقویم کی ضرورت نہیں یہ صورتحال پہلی تعمیر پر تھی مگر تحویل کے بعد یہ صورتحال نہ رہی جس کا ذکر ان شاء

اللہ بعد میں ہوگا۔

امام مالک رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا جس طرح عتبیہ میں ہے میں نے سنا کہ جبرئیل امین نے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے قبلہ کی سمت کو درست کیا۔

ابن رشد نے اس قول کی شرح میں کہا ہے جس طرح زرقانی نے کہا جبرئیل امین نے آپ کو سمت دکھائی اور جہت کو بیان کیا صحیح بات یہ ہے کہ سمت کی درستگی اس وقت ہوئی جبکہ تحویل قبلہ کا مرحلہ آیا نہ کہ مسجد کی تعمیر کے وقت اور جبرئیل امین کا آپ کو اس کی سمت دکھانا بیت اللہ شریف کے اٹھانے کا تقاضا نہیں کرتا۔

زرقانی رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ نے کہا میں اس کا جواب یہ دوں گا اس میں کوئی مانع نہیں کہ آپ جبرئیل امین سے فرمائیں کہ وہ آپ کو بیت اللہ شریف کی سمت دکھائے یہاں تک بیت اللہ شریف آپ کے روبرو ہو جس میں کوئی تردد نہ رہے اور نہ ہی تحیر۔

میں کہتا ہوں جو کچھ زرقانی اور دوسرے علماء نے کہا ہے وہ پہلی تعمیر اور تحویل قبلہ سے پہلی حالت پر جاری ہوگا لیکن تحویل قبلہ کے بعد اس کی حاجت نہیں رہتی یہی وہ بات ہے جسے ابن رشد نے صحیح قرار دیا ہے لیکن جبرئیل امین کا آپ کو سمت دکھانا اس میں یہ معنٰی نہیں ہوگا ہاں یہ معاملہ ہوگا کہ بیت اللہ شریف بھی آپ کو دکھائے جس طرح حافظ رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ نے کہا بیت اللہ شریف کا اٹھانا بیت المقدس کے اٹھانے کی طرح ہے جب کفار مکہ نے سفر معراج کے بعد آپ سے بیت المقدس کے اوصاف بیان کرنے کو کہا تھا۔

۵۳۱-حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو حجر میں دیکھا اور قریش مجھ سے میرے سفر کے بارے دریافت کر رہے تھے انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی چند چیزوں کے بارے میں پوچھا جو میرے ذہن میں محفوظ نہ تھیں مجھے سخت کوفت ہوئی فرمایا اللہ تعالٰی نے میرے لئے بیت المقدس کو اٹھادیا میں اسے دیکھ رہا تھا اب وہ مجھ سے کوئی سوال نہیں کرتے تھے مگر میں انہیں جواب دیتا جارہا تھا۔الحدیث اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

۵۳۲-حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قریش نے میری تکذیب کی میں حجر میں کھڑا ہوگیا اللہ تعالٰی نے بیت المقدس کو میرے لئے ظاہر کردیا میں اس کی نشانیوں کے بارے میں انہیں آگاہ کرنے لگا جبکہ میں اسے دیکھ رہا تھا۔متفق علیہ

دونوں میں فرق یعنی بیت المقدس کے ظاہر کرنے میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کرب سے بچانا تھا جو آپ کو لاحق ہوا تھا تاکہ آپ کا بیان کردہ وصف حقیقت کے مطابق ہو جبکہ بیت اللہ شریف کو سامنے کرنے میں یہ وجہ تھی کہ قبلہ شریف کی تعیین پوری باریک بینی سے ہو نہ کہ صرف جہت کی بنا پر اس میں کوئی شک نہیں کہ بطور دقت قبلہ شریف کی تعیین میں وہ فضیلت ہے جو تعیین جہت میں نہیں۔اللہ تعالٰی بہتر

جانتا ہے۔

مسجد بناتے وقت نبی کریم ﷺ کے بعد ہونے والے خلفاء کی طرف اشارہ

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا آپ نے ایک اینٹ لی آپ نے اسے رکھا پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے پہلو میں اینٹ رکھی پھر حضرت عمر نے اس اینٹ کے پہلو میں اینٹ رکھی جو حضرت ابوبکر صدیق نے نصب کی تھی پھر اس اینٹ کے پہلو میں حضرت عثمان غنی نے اینٹ رکھی یہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پے در پے خلیفہ ہونے کی طرف اشارہ تھا۔

۵۳۳- حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی آپ ایک پتھر لائے اسے رکھا حضرت ابوبکر پتھر لائے اسے رکھا پھر حضرت عمر ایک پتھر لائے اسے رکھا پھر حضرت عثمان غنی ایک پتھر لائے اور اسے رکھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا آپ سے اس بارے پوچھا گیا فرمایا یہ میرے بعد خلافت کا معاملہ ہے اسے ابویعلی نے روایت کیا ہے سند کے راوی وہی ہیں جو صحیح کے ہیں مگر یہ منقطع ہے عوام بن حوشب اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان انقطاع ہے حاکم نے مستدرک میں ایک اور واسطہ سے نقل کیا ہے وہ ہشام بن عروہ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرمایا شیخین کی شرطوں پر حدیث صحیح ہے شیخین نے اسے نقل نہیں کیا یہ ایک کمزور سند سے مشہور ہوگئی ہے جو محمد بن فضل بن عطیہ سے منقول ہے اسے مہجور قرار دیا گیا۔ میں عرض کرتا ہوں امام ذہبی کی تعلیق اور اس کا رد عنقریب آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ امام سیوطی نے مسند عائشہ میں اسے نعیم بن حماد کی طرف منسوب کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا ایک اور مضبوط شاہد موجود ہے۔

۵۳۴- حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنائی ایک پتھر رکھا پھر فرمایا ابوبکر میرے پتھر کے ساتھ پتھر رکھے پھر عمر ابوبکر کے پتھر کے ساتھ اپنا پتھر رکھے پھر عثمان اپنا پتھر عمر کے پتھر کے ساتھ رکھے پھر فرمایا یہ میرے بعد خلفاء ہوں گے اسے بیہقی اور ابن ابی عاصم نے کتاب السنۃ میں روایت کیا ہے اور ابن عدی نے کامل میں روایت کیا ہے اسے یحییٰ بن عبدالحمید کے واسطہ سے حشرج بن نباتہ نے سعید بن جمہان سے انہوں نے سفینہ سے نقل کیا ہے۔

اور بیہقی نے دلائل میں نعیم بن حماد سے انہوں نے عبداللہ بن مبارک سے انہوں نے حشرج بن نباتہ سے اسے نقل کیا ہے عبداللہ بن مبارک کی روایت یحییٰ بن عبدالحمید کی روایت کے متابع ہے۔

اسی طرح حاکم نے مستدرک میں نعیم سے انہوں نے ابن مبارک سے نقل کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس کی توثیق کی ہے۔

اسی وجہ سے امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تناقض میں پڑ گئے ہیں جس طرح آپ ان شاء اللہ

دیکھیں گے۔

امام بوصیری نے کہا جس طرح محقق مطالب عالیہ نے نقل کیا اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کرے حارث اور ابویعلی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے بزار اور حاکم نے دوسرے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا۔

جس طرح میں نے اس حدیث کا ایک متابع بھی پایا ہے اس میں بھی پتھر رکھنے کا ذکر ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حرم پاک کی توسیع کے موقع پر ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ میں پہنچنے پر تعمیر کے وقت نہیں ہوا۔

۵۳۵- ابوملیح اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کے مالک سے فرمایا جسے بعد میں مسجد میں شامل کیا گیا تھا یہ ایک انصاری صحابی تھے تیرے لئے اس جگہ کے عوض جنت میں گھر ہے اس نے معذرت پیش کی حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور اس انصاری صحابی سے فرمایا اس جگہ کے عوض تیرے لئے دس ہزار درہم ہیں اس جگہ کو خریدا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے وہ قطعہ زمین خرید یئے جو آپ نے انصاری سے خریدنا چاہی تھی آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں گھر کے عوض اسے خرید لیا حضرت عثمان غنی نے عرض کی میں نے اسے دس ہزار درہم میں خریدا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اینٹ رکھی پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا انہوں نے ایک اینٹ رکھی پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بلایا انہوں نے اینٹ رکھی پھر حضرت عثمان کو بلایا انہوں نے ایک اینٹ رکھی پھر لوگوں سے فرمایا تم سب اینٹیں رکھو تو لوگوں نے اینٹیں رکھیں اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے۔

ان کی سند میں زیاد بن ابی الملیح ہے امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں ذکر کیا ہے انہوں نے جرح یا تعدیل ذکر نہیں کی ابن ابی حاتم نے اسے جرح وتعدیل میں ذکر کیا ہے کہا اس نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے جس نے اس کے متعلق کہا یہ قوی نہیں لیکن حدیث سابقہ دو شاہدوں کی وجہ سے قوی ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جس طرح معروف ومشہور ہے یہ متابعات کے مناسب ہے اور سابقہ روایت کی شاہد ہے اور سابقہ دونوں احادیث بھی اس کی شاہد ہیں۔

ابی ملیح کے والد کی روایات میں کئی فوائد ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زمین ایک انصار سے خریدی اور اسے مسجد میں شامل کیا اس کا ان پہلے گزر چکا ہے۔

یہ زیادتی پہلی دفعہ تعمیر پر نہیں ہوئی تھی جب آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آئے بلکہ یہ واقعہ بعد میں ہوا

جس طرح اس حدیث میں تصریح ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اینٹیں رکھنا دوسری تعمیر میں ہوا یہ معاملہ خیبر کی فتح کے بعد ہوا نہ کہ پہلی دفعہ تعمیر میں۔

یہاں ہی ذہبی اور دوسرے علماء کو وہم ہوا کہ انہوں نے گمان کیا کہ اینٹیں رکھنے کا عمل پہلی دفعہ تعمیر میں ہوا تھا۔ یہ روایت ان کے خلاف جاتی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا ذکر تھوڑی دیر بعد ہوگا۔

امام حاکم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مستدرک میں قول (یہ کمزور سند سے مشہور ہے جو محمد بن فضل بن عطیہ سے مروی ہے اسی وجہ سے اسے چھوڑ دیا گیا) یہی وہ روایت ہے جسے ابن عدی نے کامل اور ابن حبان رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہما نے روایت کیا ہے لیکن دوسرے صحابی کے واسطہ سے جو قطبہ بن مالک ہیں اور وہ زیاد بن علاقہ کے چچا ہیں۔

۵۳۶- محمد بن فضل بن عطیہ زیاد بن علاقہ سے روایت کرتے ہیں وہ قطبہ بن مالک سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا آپ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی تھی آپ کے پاس یہی تین صحابہ تھے یعنی ابوبکر، عمر، عثمان، ابن حبان کے یہی الفاظ ہیں ابن عدی کے الفاظ یہ ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنانا چاہی آپ نے ایک پتھر رکھا اور اس قصہ کا ذکر کیا یہ حضرت سفینہ کی حدیث ہے۔

محمد بن فضل بن عطیہ کی علماء نے تکذیب کی ہے حافظ تہذیب میں ان کے متعلق کہتے ہیں یہ ساقط الحدیث ہیں یہ حشرج بن نباتہ کے تعارف میں ہے۔

امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے سفینہ کی روایت جو حشرج کے واسطے سے ہے پر اعتراض کیا۔ امام بخاری اپنی تصنیف ضعفاء صغیر میں اس کی سند (حشرج بن نباتہ نے سعید بن جھان سے اور انہوں نے سفینہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر، عمر، عثمان کے بارے فرمایا یہ میرے بعد خلفاء ہوں گے) ذکر کرنے کے بعد فرمایا اس کا کوئی متابع نہیں کیونکہ حضرت عمر اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بتایا۔

میں کہتا ہوں اس قول کا رد تین وجوہ سے ہوسکتا ہے۔

(۱) اس کو صرف سفینہ نے روایت نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ اسے حضرت عائشہ، حضرت اسامہ بن عمیر ہزلی جو ابوملیح کے والد ہیں نے روایت کیا ہے پس سفینہ تنہا نہیں ہیں۔

(۲) حشرج بن نباتہ اس سند اور حدیث میں تنہا نہیں ہیں ابن عدی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کامل میں حشرج سے وہ سعید بن جمہان سے اور وہ سفینہ سے نقل کرتے ہیں۔ سند سے کئی احادیث نقل کرنے کے بعد

حشرج اس حدیث کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے ہیں کیونکہ اس حدیث کو ان کے ساتھ سعید بن جمہان، حماد بن سلمہ، عبدالوارث بن سعید، عوام بن حوشب، یحییٰ بن طلحہ بن ابی شہدہ اور دوسروں نے بھی روایت کیا ہے۔

(۳) حشرج بن نباتہ ضعیف نہیں تھا کہ اس کی روایت رد کر دی جائے یا اس میں توقف کیا جائے اسے کثیر علماء نے ثقہ قرار دیا ہے۔

امام احمد بن حنبل نے کہا یہ ثقہ ہے علی بن مدینی نے کہا ثقہ ہے یحییٰ بن معین نے اسحاق بن منصور کی روایت میں کہا صالح ہے دوری کی روایت میں ثقہ ابن ابی مریم کی روایت میں ثقہ ابن جنید کی روایت میں ہے کوئی حرج نہیں۔

ابوزرعہ رازی نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں مستقیم الحدیث ہے ابو حاتم نے کہا صالح ہے اس کی حدیث لکھی جاتی ہے اس سے حجت نہیں پکڑی جاتی نسائی نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں دوسری جگہ کہا قوی نہیں۔

آجری نے کہا میں نے ابوداؤد سے حشرج کے بارے پوچھا انہوں نے کہا ثقہ ہے کہا میں نے عباس بن عبدالعظیم سے سنا وہ کہتے ثقہ ہے۔ فسوی نے کہا ثقہ ہے ابوزرعہ رازی، عقیلی، ابن حبان اور ساجی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

جن علماء نے اس کی توثیق کی ہے تضعیف کرنے والوں سے ان کی تعداد کئی گنا ہے جنہوں نے اس کی توثیق کی ہے ان میں سختی کرنے والے بھی ہیں جس طرح ابن معین جبکہ جنہوں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے ان میں بھی متشدد ہیں جس طرح ابن حبان اور عقیلی۔

اسی وجہ سے ابن عدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کامل میں کہا ہے حشرج سے جو میں نے روایت ذکر کی ہے اس کے علاوہ بھی روایات ہیں اس کی روایات حسن، فرد اور غریب بھی ہیں علماء نے جو اس پر طعن کیا ہے میں نے اس کے عذر پیش کیے ہیں میرے نزدیک ان میں اور ان کی روایات میں کچھ حرج نہیں کیونکہ امام احمد اور یحییٰ بن معین نے اس کی توثیق کی ہے اسی وجہ سے حافظ نے تقریب میں فرمایا وہ سچا ہے اور اسے وہم ہو جاتا تھا۔ اسی وجہ سے امام ترمذی نے خلافت کے معاملہ میں اس کی روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

۷۵۳- حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں خلافت تیس سال تک ہوگی پھر اس کے بادشاہ ہوں گے پھر سفینہ نے کہا حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کا اندازہ لگاؤ پھر کہا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا اندازہ لگاؤ فرمایا ہم نے اسے تیس سال ہی پایا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا یہ حدیث حسن ہے اسے سعید بن جمہان سے کئی راویوں نے

روایت کیا ہے ہم اسے سعید بن جمہان کی روایت کے سوانہیں پہچانتے۔

اسے احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے مستدرک میں اور بغوی نے شرح السنہ میں نقل کیا ہے سب نے اسے سعید بن جمھان سے نقل کیا ہے۔

احمد اور ترمذی نے اسے حشرج بن نباتہ سے انہوں نے سعید بن جمہان سے اسے نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ایک مسئلہ باقی رہ گیا وہ یہ حضرت سفینہ حضرت عائشہ اور اسامہ بن عمیر کی حدیث اور حضرت امام بخاری نے حضرت عمر اور حضرت علی شیر خدا سے جو روایت ذکر کی ہے اس کے درمیان تعارض ہے وہ روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔

قبل اس کے کہ میں وہ بات ذکر کروں جو اس تعارض کو زائل کر دے میں حضرت عمر اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی روایت ذکر کرتا ہوں۔

۵۳۸- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا میں حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا انہوں نے پوچھا کیا تم جانتے ہو کہ آپ کے والد ماجد کسی کو اپنا نائب مقرر نہیں کر رہے۔ کہا میں نے کہا وہ ویسا نہیں کریں گے حضرت حفصہ نے فرمایا وہ ایسا ضرور کریں گے۔ حضرت عبداللہ نے کہا میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھ سے لوگوں کے بارے پوچھا میں آپ کو بتاتا رہا آخر تک حدیث۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت فرمائے گا اگر میں کسی کو خلیفہ معین نہیں کرتا تو اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا اگر میں کسی کو نائب بناتا ہوں بے شک حضرت ابوبکر نے خلیفہ بنایا ہے۔

فرمایا: قسم بخدا آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کا ذکر کیا میں جان گیا کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم پلہ کسی کو نہیں سمجھتے بے شک آپ کسی کو خلیفہ نامزد نہ کریں گے متفق علیہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

لیکن حضرت عمر نے فتنہ سے بچنے کے لئے درمیانی راہ اپنائی جس طرح ابن بطال نے کہا آپ نے دیکھا کسی کو خلیفہ نامزد کرنا مسلمانوں کے معاملات کو درست رکھنے کے لئے زیادہ مفید ہے تو آپ نے معاملہ کو چھ افراد میں موقوف کر دیا تا کہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر دونوں کی اقتداء کا ترک لازم نہ آئے۔ آپ نے دونوں کے عمل سے کچھ کچھ لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعیین کا ترک اور حضرت ابوبکر کے عمل سے چھ افراد میں معاملہ کو مختص کرنا اگرچہ اس کی وضاحت نہ کی۔ یہ اس بحث کی تلخیص ہے۔

۵۳۹- عبداللہ بن سبیع سے مروی ہے انہوں نے کہا حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا گیا کیا

آپ کسی کو خلیفہ نامزد نہ کریں گے۔ فرمایا نہیں بلکہ میں معاملہ تمہارے سپرد کردوں گا جس طرح حضور چھوڑ گئے تھے اسے احمد اور ابویعلی نے روایت کیا اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے عبداللہ بن سبیع کے ہیثمی نے کہا یہ ثقہ ہے بزار نے اسے حسن سند سے نقل کیا ہے۔

جو چیز ان دونوں روایات میں تطبیق کرتی ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے وہ یہ کہ حضرت عمر اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کو اسماء کی تعیین پر محمول کیا جائے جس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا تھا جبکہ سابقہ احادیث اس امر کی طرف اشارہ پر محمول کی گئی تھیں جس طرح متعدد روایات کا حال ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے معاملے کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہیں، جبکہ ان میں نام کی تعیین نہیں ہے۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کہ آپ نے چھ افراد کو معین کیا کہ خلافت ان میں سے ایک میں ہوگی۔

اس چیز پر دوسری نصوص کی موجودگی دلالت کرتی ہے جو نصوص اس اشارہ کا معنی رکھتی ہیں کہ خلافت حضرت ابوبکر صدیق کی ہوگی انہیں روایات میں سے ایک یہ ہے۔

۵۴۰- حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد ابوبکر، عمر کی اقتداء کرنا، اسے احمد، ترمذی نے روایت کیا امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ نیز ابن ماجہ، حاکم، ابن حبان نے روایت کیا اور آخری دونوں نے اسے صحیح قرار دیا۔ حدیث کے کئی طرق ہیں اور متعدد روایات ہیں اس میں شیخین کی خلافت کی طرف اشارہ ہے جس طرح حضرت ابوبکر کی خلافت کے مقدم ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

۵۴۱- جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی کسی معاملہ میں اپنی عرضداشت پیش کی آپ نے اسے دوبارہ کرنے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بتایئے اگر میں آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو میں کیا کروں گویا وہ آپ کے پردہ فرمانے کا ذکر کررہی تھی آپ نے فرمایا۔ اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جانا یہ روایت متفق علیہ ہے۔

اس روایت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف واضح اشارہ ہے۔

۵۴۲- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں فرمایا ابوبکر اور اپنے بھائی کو میرے پاس بلاؤ تا کہ میں لکھ دوں میں خوف کرتا ہوں کوئی آرزو کرنے والا آرزو نہ کرے یا کوئی کہنے والا یہ نہ کہے میں زیادہ حقدار ہوں اللہ تعالیٰ اور مومن اس معاملہ میں ابوبکر کے سوا ہر کسی کا انکار کرتے ہیں۔ متفق علیہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

۵۴۳- بخاری کے الفاظ یہ ہیں میں نے ارادہ کیا کہ میں ابوبکر اور ان کے بیٹے کو بھلا بھیجوں اور عہد نامہ لکھ دوں

کہ کہنے والے کہنے نہ لگیں یا آرزو کرنے والے آرزو نہ کریں پھر میں کہتا ہوں اللہ تعالیٰ انکار فرماتا ہے اور مومن اس امر کو رو کرتے ہیں یا فرمایا اللہ تعالیٰ اس امر کو رو کرتا ہے اور مومن انکار کرتے ہیں۔

یہ روایت حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کی طرف اشارہ کرنے میں سابقہ دونوں روایتوں سے زیادہ صریح ہے اس میں آنے والے امر کی خبر بھی ہے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنانا ہے جس طرح اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ اس معاملہ میں اختلاف واقع ہوگا لیکن اللہ تعالیٰ اس امر کا انکار کرتا ہے اور مسلمان بھی اس معاملہ کا انکار کرتے ہیں مگر یہ کہ خلافت حضرت ابوبکر صدیق کے لئے ہے تمام امور اسی طرح واقع ہوئے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اور بھی کئی روایات ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ میں زیادہ صریح ہیں اور اس کے بعد حضرت عمر کی خلافت میں لیکن اعتراض سے خالی نہیں اگر چہ سب کا مجموعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان سب کی اصل موجود ہے اس طرح حدیث ترقی کر جاتی ہے لیکن میں خلافت کی بحث کو نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ ان کا احاطہ کرلوں۔

وہ روایات جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

۵۴۴- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا اس اثناء میں کہ ایک روز میں اور حفصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھیں تو آپ نے فرمایا کاش ہمارے پاس کوئی ہوتا جو ہم سے بات چیت کرتا کچھ وقت بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت عثمان آگئے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوئے اور بات چیت کرنے لگے میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا اے عثمان بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا اگر لوگ تجھ سے وہ اتروانا چاہیں تو اسے نہ اتارنا یہ بات آپ نے تین دفعہ کہی۔

اس حدیث کو احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے ترمذی نے اسے حسن قرار دیا نیز ابن ماجہ حاکم اور ابن حبان نے روایت کیا آخری دونوں نے اسے صحیح قرار دیا۔ ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے اوسط میں سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔

۵۴۵- حضرت اقرع جو حضرت عمر بن خطاب کے موذن تھے سے مروی ہے کہا مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسقف کی طرف بھیجا میں اسے بلا لایا حضرت عمر نے اسے فرمایا کیا تو مجھے کتاب میں پاتا ہے اس نے کہا ہاں فرمایا کیسے پاتا ہے میں تجھے ''قرن'' پاتا ہوں حضرت عمر نے اس کی طرف درہ اٹھایا فرمایا ''قرن'' ٹھہر جا اس نے عرض کی قرن حدید امین شدید۔ یعنی دانا، امین، مضبوط فرمایا میرے بعد جو آئے گا اس کو کیسے پاتا ہے اس نے عرض کی میں اسے ایک نیک خلیفہ پاتا ہوں مگر ان میں ایک بات ہوگی وہ اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دیں گے۔ حضرت عمر نے فرمایا اللہ تعالیٰ عثمان پر رحم

فرمائے آپ نے یہ دعا تین دفعہ کی، پوچھا اس کے بعد والے کو کیسا پاتے ہو اس نے جواب دیا میں اسے لوہے کا زنگ پاتا ہوں۔ صدأ حدید۔ حضرت عمر نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور فرمایا یا دفراہ یا دفراہ ہائے افسوس ہائے افسوس اس نے عرض کی اے امیر المومنین وہ ایک صالح خلیفہ ہوں گے لیکن انہیں اس وقت خلیفہ بنایا جائے گا جب تلواریں سونتیں ہوں گی خون بہایا جارہا ہوگا اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے اور راوی ثقہ ہیں مگر ابو داؤد کے شیخ، کئی حفاظ نے اس کی توثیق کی ہے اور حدیث حسن ہے۔

اس روایت میں حضرت عثمان اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی خبر ہے۔

۵۴۶-فضالہ بن ابی فضالہ انصاری سے مروی ہے ابو فضالہ اہل بدر میں سے تھے۔ انہوں نے کہا میں اپنے باپ کے ساتھ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لئے گیا اس مرض میں آپ نڈھال ہو گئے تھے میرے والد نے ان سے عرض کیا کون سی چیز آپ کو یہاں ٹھہرائے ہوئے ہے۔ اگر آپ کو موت آ گئی آپ کا ولی نہیں ہوگا مگر جہینہ کے بدو! مدینہ طیبہ کی طرف چلئے اگر وہاں آپ کو موت نے آ لیا تو آپ کے اصحاب آپ کے ولی ہوں گے اور آپ پر نماز پڑھیں گے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے موت نہیں آئے گی یہاں تک کہ مجھے امیر بنایا جائے گا پھر میرے سر کے زخم سے میری داڑھی خضاب والی ہوگی پس آپ کو بعد میں شہید کیا گیا اور ابو فضالہ کو بھی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جنگ صفین میں شہید کر دیا گیا اسے احمد نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور ایک اور سند سے بھی احمد اور بزار نے نقل کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں حاکم نے روایت کیا اور بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا امام ذہبی نے کسی قسم کی تعلیق نہیں کی طبرانی نے بھی اس کی مثل سند حسن سے روایت کیا ہے۔ بیہقی نے دلائل میں نقل کیا ابن عبدالبر نے استیعاب میں ابن ابی شیبہ نے بھی اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی نصوص ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد ان خلفاء کے خلافت کے اشارات، تلمیحات اور تصریحات ہیں۔

ایک مسئلہ باقی ہے جو موضوع کے متعلق ہے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے متعلق امام ذہبی کی تعلیق ہے اس روایت کا نمبر ۵۳۳ ہے۔

آپ (امام ذہبی) امام حاکم کی سند پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب نے کہا مجھے میرے چچا نے بیان کیا انہیں یحییٰ بن ایوب نے بیان کیا انہیں ہشام بن عروہ نے اپنے باپ سے روایت کیا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔ احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب منکر الحدیث ہے یہ وہی راوی ہے جس کی وجہ سے امام مسلم پر

اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے ان کی روایت کیوں ذکر کی اور یحیٰی اگرچہ ثقہ ہیں تاہم انہیں بھی ضعیف قرار دیا گیا پھر اگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ ان دنوں ابھی آپ کے حرم میں داخل نہیں ہوئی تھیں ابھی وہ چھوٹی تھیں اور محجوب تھیں ان کا یہ قول روایت کے بطلان پر دلالت کرتا ہے۔

جو کچھ انہوں نے کہا کئی وجوہ سے ان پر رد کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ تعجب کا باعث ہے۔ جو کچھ انہوں نے احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب کے متعلق کہا کہ وہ منکر الحدیث ہے۔ یہ حقیقت سے بہت ہی دور بات ہے۔ انہوں نے ہی مغنی میں اس کے متعلق کہا ان میں اختلاف ہے اور علماء نے ان کی تخلیط (روایات کو آپس میں ملا دینا) کی بناء پر منکر کہا اسی وجہ سے ابن خزیمہ سے کہا گیا تو نے ابن رضی ابن وہب سے کیوں روایت کیا اور تو نے سفیان بن وکیع کو کیوں چھوڑ دیا۔ انہوں نے جواب دیا جب علماء نے احمد کی روایات کو منکر کہا تو انہوں نے (احمد) نے ان سے رجوع کر لیا مگر اس حدیث جس کی سند مالک زہری سے وہ حضرت انس سے روایت کرتے ہیں جب عشاء حاضر ہو" بے شک انہوں نے ذکر کیا انہوں نے اسے اپنے چچا کی کتابوں میں پایا جہاں تک سفیان بن وکیع کا معاملہ ہے تو ان کے وراق (لکھنے والے) نے ان پر احادیث کو پیش کیا سفیان نے انہیں دیکھا ہم نے ان سے بات چیت کی انہوں نے رجوع نہ کیا میں نے اللہ تعالیٰ سے خیر چاہی (میں نے استخارہ کیا) اور انہیں چھوڑ دیا۔

کئی افراد نے ان کی توثیق کی اور دوسرے علماء نے اختلاط کے باعث ان پر طعن کیا اس وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے اقوال کو تقریب میں تلخیص کے ساتھ ذکر کیا ہے اور کہا یہ سچے تھے تاہم آخری عمر میں حافظہ میں تغیر واقع ہو گیا تھا جو کچھ امام ذہبی نے کہا یہ اس کی تردید کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۲) ان کا یہ قول انہیں کی وجہ سے امام مسلم پر اعتراض کیا گیا یہ عجیب وہم ہے اور اس آدمی کی جہالت پر مبنی ہے کیونکہ وہ نہیں جانتا ہے کہ امام مسلم نے کسی اور میں ان سے استفادہ کیا یہ وہ لوگ ہیں جو امام مسلم پر اپنی صحیح میں احمد سے روایت کرنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ صحیح بات یہ ہے امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جن دنوں میں احمد بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ان دنوں میں انہیں اختلاط کا مرض نہ تھا بلکہ ان کا حافظہ درست تھا تو امام مسلم پر کس بناء پر اعتراض کیا جا سکتا ہے جبکہ آپ نے اختلاط سے قبل ان سے روایات کی ہیں۔

ابن اخرم نے کہا ہمیں ۲۵۰ھ کے بعد ان کے اختلاط میں کوئی شک نہیں انہیں یہ عارضہ امام مسلم کے مصر سے چلے جانے کے بعد لاحق ہوا۔

میں کہتا ہوں امام حاکم ابو عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ انہیں یہ عارضہ امام مسلم کے مصر سے جانے کے بعد لاحق ہوا۔ امام نووی ابن صلاح کی اتباع میں کہتے ہیں صحیحین میں جو ان سے مروی روایات ہیں ان سے حجت پکڑنے کے یہ مانع نہیں جبکہ وہ روایات ان کے اس مرض کے لاحق ہونے سے

قبل کی گئی تھیں۔

پس جس نے بھی امام مسلم پر اس بناء پر اعتراض کیا ہے اس کا اعتراض مردود ہے کیونکہ انہوں نے اختلاط سے قبل روایت کیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

امام مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا علماء نے ان پر اعتراض میرے مصر سے چلے آنے کے بعد کیا یہ سب بات آپ نے اس وقت حافظ ابراہیم بن ابی طالب سے فرمائی جب انہوں نے ان سے دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب راوی کو اختلاط یا ضعف حافظہ کا مرض کسی عارضی سبب کی وجہ سے لاحق ہو تو اختلاط اور ضعف سے قبل مروی روایات سے حجت پکڑنا درست ہے جبکہ وہ راوی پہلے ثقہ یا مقبول ہو اور احمد بن عبدالرحمٰن بن وہب انہیں علماء میں سے ہے تو اختلاط سے قبل ان سے مروی روایات سے استدلال کیا جائے گا پھر آپ نے ان احادیث سے رجوع کر لیا جن میں آپ سے اختلاط ہو گیا تھا اسی وجہ سے ابوزرعہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جب آپ سے عرض کیا گیا کہ احمد نے اپنی روایات سے رجوع کر لیا ہے تو آپ نے جواب دیا ان کا رجوع کرنا آپ کی حالت کی تحسین کرتا ہے تاہم اس مرض کے لاحق ہونے سے قبل کے مقام تک نہیں پہنچاتا۔ ابوحاتم نے کہا ہم نے ان سے روایات لکھی تھیں جبکہ ان کا حافظہ قوی تھا پھر اس کے بعد انہیں یہ مرض لاحق ہوا پھر ان کے بارے میں یہ خبر آئی کہ انہوں نے ان روایات سے رجوع کر لیا جو اس عارضہ کے لاحق ہونے کے بعد روایت کیں ابوحاتم نے اس کے بعد کہا آپ سچے تھے ان کی وجہ سے امام مسلم پر کیسے عیب لگایا جا سکتا ہے جبکہ ان سے آپ نے اس وقت روایت کی جبکہ ان کا حافظہ درست تھا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۳) ان کا قول یحییٰ اگرچہ ثقہ تھے تاہم انہیں ضعیف کہا گیا یہ حدیث میں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا کیونکہ وہ حدیث روایت کرنے میں تنہا نہیں ابویعلی نے اس سند کے علاوہ دوسری سند سے روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں جس طرح میں نے پہلے بیان کر دیا ہے۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی اس کو روایت کرنے میں منفرد نہیں بلکہ اس کو اور صحابہ نے بھی روایت کیا ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے امام ذہبی نے خود بھی حاکم کی تصحیح کی توثیق کی ہے۔ اس روایت میں جو حضرت سفینہ سے مروی ہے۔

(۴) رہا ان کا یہ قول اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو یہ خلافت میں نص ہوتی یہ صحیح نہیں کئی وجوہ سے اس کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

(ا) میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ یہ اشارہ ہے نص نہیں۔

(ب) کئی اور روایات ہیں جن میں خلافت پر راہنمائی ہے ان میں سے بعض کا ذکر کر دیا ہے ان کی طرف

رجوع کیجئے۔

(ج) ان کا قول لایصح جبکہ میں نے حضرت عمر اور حضرت علی سے مروی دونوں روایات اور اینٹیں رکھنے والی روایات جو خلافت کے معاملہ پر دلالت کرتی ہیں میں تطبیق بیان کردی ہے ساتھ ساتھ وہ روایات جو میں نے اس ضمن میں ذکر کی ہیں جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعیین تو قطعیت کے قریب ہے جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے یہ روایت متفق علیہ ہے جس کا میں نے ذکر کیا اس کی مثل حضرت عثمان اور حضرت علی کا معاملہ ہے کیونکہ ان دونوں نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ولایت کی خبر دی تھی۔

(د) ایک معترض اعتراض کر سکتا ہے اگر یہ نص ہوتی تو حضرت عمر اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیق اور مہاجرین کے مناقب ذکر نہ کرتے اور اس روایت سے استدلال نہ کرتے الائمۃ من قریش ان کے لئے بہتر یہ تھا کہ وہ اس حدیث کو ذکر کرتے۔

یہ استدلال مردود ہے کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ اس لمحہ انہیں یاد نہ ہو جس طرح مرتدوں کے ساتھ جنگ کرنے کے بارے واقع ہوا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وہ حدیث یاد نہ تھی جو اس بارے میں تھی کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا جب انہوں نے یہ کہہ دیا تو انہوں نے اپنے خون، اپنے اموال محفوظ کر لئے سوائے دین کے حقوق اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور اس کی مثل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شام سے طاعون کے باعث پلٹنا ہے کسی صحابی کو یہ حدیث یاد نہ تھی یہاں تک کہ عبدالرحمٰن بن عدف آئے انہوں نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کی۔ یہاں اس موضوع میں کثیر روایات ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

(۵) ان کا یہ کہنا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل نہیں ہوئی تھیں یہ بھی کئی وجوہ سے رد کیا جا سکتا ہے۔

(ا) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کو روایت کرنے میں منفرد نہیں اسے سفینہ، اسامہ بن عمیر ہذلی جو ابوالملیح کے والد ہیں سفینہ کی روایت صحیح ہے اسامہ کی حدیث شواہد کی وجہ سے حسن ہے جب اسے قطبہ بن مالک کی حدیث کے ساتھ ملایا جائے۔

(ب) امام ذہبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود سفینہ کی روایت کی صحت کی توثیق کی ہے تو کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہاں ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ انہیں نسیان لاحق ہو گیا ہو ورنہ اس طرح تو ان کی گفتگو میں تناقض واقع ہو گیا ہے۔

(ج) امام ذہبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حکم کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ میں آنے پر مسجد تعمیر کرنے پہ بنا کی ہے ہر چیز بھی ان کے حق میں دلیل نہیں بن سکتی۔ کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ انہوں

نے خود آپ سے یہ روایت سنی ہو اور یہ بھی احتمال موجود ہے کہ کسی ایسے صحابی سے سنی ہو جو اس وقت آپ کے پاس موجود ہو پس یہ صحابی کی مرسل ہوگی اور صحابی کی مرسل عام علماء کے نزدیک حجت ہے خصوصاً حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں یہ وارد نہیں ہے کہ وہ سائلہ ہے یہاں تک کہ اس پر باطل ہونے کا حکم لگایا جائے۔

(د) جس نقطہ نظر کی طرف امام ذہبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ گئے ہیں وہ باطل اور مردود ہے اگر اسے پہلی دفعہ تعمیر کرنے کا تصور کیا جائے کیونکہ پہلی دفعہ تعمیر کرتے وقت قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا یہ عمل سولہ یا سترہ ماہ جاری رہا جس طرح براء بن عازب کی روایت میں گزر چکا ہے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے پھر قبلہ کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا ہے اور اینٹیں رکھی گئیں کیونکہ اس وقت قبلہ کعبہ کی طرف تھا نہ کہ بیت المقدس کی طرف اس وقت آپ مدینہ طیبہ میں تھیں۔

(ھ) اس سے بڑھ کر معاملہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تحویل قبلہ سے تقریباً ایک سال قبل آپ کی زوجیت میں تھیں اگر تعیین کی جائے تو دس ماہ پہلے آپ کے پاس تھیں کیونکہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے پہلے سال غزوۂ بدر(۱) کے بعد شوال میں اپنے حرم میں داخل کیا جبکہ ہجرت کو تقریباً آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔

۵۴۷-حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں مجھ سے نکاح کیا اور شوال میں ہی مجھے اپنے حرم میں داخل کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں سے کون سی ایسی عورت تھی جو مجھ سے بڑھ کر آپ کے ہاں مرتبہ والی ہو۔

عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پسند کرتی تھیں کہ شوال میں عورتوں کو حرم میں داخل کیا جائے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

تحویل قبلہ تو آپ کے حرم میں آنے کے دس ماہ بعد ہوا۔ اس لئے یہ کوئی بعید نہیں کہ آپ نے خود سوال کیا ہو جبکہ آپ کعبہ شریف کی طرف قبلہ کی سمت کی تعمیر کے وقت حاضر ہوں یا آپ نے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر میں سنا ہو جبکہ آپ (عائشہ) حضور کے پاس موجود ہوں۔

(و) رہا اینٹیں رکھنے کا معاملہ تو یہ خیبر کے بعد دوسری تعمیر کے موقع پر ہوا تو یہ کوئی بعید نہیں کہ آپ خود موجود ہوں یا آپ نے سنا ہو جس طرح یہ کوئی بعید نہیں کہ تحویل قبلہ کی تعمیر کے وقت آپ خود موجود ہوں یا آپ نے سنا ہو، کیونکہ آپ (حضرت عائشہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تھیں۔ خصوصاً اس صورت میں کہ بچپنے سے ہی آپ کی ذہانت وفطانت اور صورتحال سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے سوال کی محبت معروف تھی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اس رد کے بعد جو اشارات (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد خلفاء کی تعیین میں) ملتے

ہیں وہ مسجد کی تعمیر کے دوران واضح ہو گئے یہ وہ فضیلت ہے جو دوسری فضیلتوں کے ساتھ مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسجد کے دروازے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں مسجد نبوی کے دو قسم کے دروازے تھے۔

پہلی قسم: یہ بڑے عام دروازے تھے جو مسجد کے باہر کھلتے تھے لوگ انہیں سے نکلتے اور انہیں سے داخل ہوتے ان کا ذکر تھوڑی دیر بعد آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

دوسری قسم: یہ خاص دروازے تھے یہ ان صحابہ کے گھروں کے دروازے تھے جو مسجد کے پڑوس میں رہتے تھے کیونکہ بہت سے صحابہ کے گھر مسجد کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ ان صحابہ نے گھروں کے دروازے مسجد میں کھول لئے تھے تاکہ مسجد میں داخل ہونے اور اس سے نکلنا قریب ہو جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا تمام قسم کے دروازے بند کرنے کا حکم ارشاد فرمایا کیونکہ ان کے گھر کا کوئی اور دروازہ نہ تھا بعض صحابہ نے مسجد کی جانب کھڑکی نما دروازے بنائے تھے تاکہ مسجد میں داخل ہو سکیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں تمام دروازے اور کھڑکیاں بند کرنے کا حکم فرما دیا سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کھڑکی کے۔

اس روایت میں دروازوں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے جس طرح اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر عنقریب آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

جو روایت خاص دروازوں کی کثرت پر دلالت کرتی وہ یہ ہے۔

۵۴۸۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اس کے لئے انعام ہے اس میں سے جسے چاہے انتخاب کر لے تو بندے نے اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کچھ ہے اسے پسند کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے میں اپنے دل میں کہنے لگا اس بوڑھے کو کیا چیز رلا رہی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو دنیا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اس کے لئے انعام ہے میں اختیار دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اس کے لئے ہے اسے پسند کرے؟ اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول ہی وہ بندے تھے اور حضرت ابوبکر ہم سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔

آپ نے فرمایا اے ابوبکر نہ رو بے شک لوگوں میں سے اپنے مال اور صحبت کے لحاظ سے میرے اوپر سب سے زیادہ احسان کرنے والا وہ ابوبکر صدیق ہے اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن اسلام کی اخوت اور مودت کافی ہے مسجد کا ہر دروازہ بند کر دیا جائے گا مگر ابوبکر کا۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

۵۴۹-انہیں سے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے فرمایا: بے شک ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مال واسباب میں سے جو چاہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے لئے جو کچھ ہے میں اختیار دیا تو اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے ہاں جو اس کے لئے اس کو پسند کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رونے لگے اور عرض کی ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ہم آپ پر متعجب ہوئے لوگوں نے کہا اس بوڑھے کو دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بندے کا ذکر کر رہے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں نعمتوں کے درمیان اختیار دیا اور یہ کہہ رہے ہیں ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اصل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی اختیار دیا گیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بارے میں ہم سے زیادہ جاننے والے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک لوگوں میں سے اپنی صحبت اور مال کے اعتبار سے مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو دوست بناتا مگر اسلام کی خلت کافی ہے مسجد میں کوئی کھڑکی باقی نہیں رہے گی مگر ابوبکر کے گھر کی کھڑکی۔ متفق علیہ۔

۵۵۰-حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس مرض میں تشریف لائے جس میں آپ کا وصال ہوا آپ نے اپنا سر پٹی سے باندھا ہوا تھا آپ منبر پر جلوہ گر ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا لوگوں میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جو ابوبکر سے بڑھ کر اپنی ذات اور مال کے لحاظ سے مجھ پر احسان کرنے والا ہو اگر میں لوگوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن اسلام کی خلت افضل ہے مسجد میں کھلنے والی تمام کھڑکیوں کو بند کر دینا سوائے ابوبکر کی کھڑکی کے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

حدیث طیبہ میں یہ لفظ ''اَمَنّ النَّاسِ عَلَیَّ'' امن یہ من سے مشتق ہے جس کا معنی عطا کرنا اور خرچ کرنا ہے یہ ''منہ'' سے مشتق نہیں جس کا معنی امتنان ہے۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے کہا علماء نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے وہ اپنی ذات اور مال کے معاملہ میں لوگوں سے بڑھ کر ہم پر سخاوت کرنے والے ہیں۔ یہ من سے مشتق نہیں جس کا معنی احسان جتلانا ہے کیونکہ یہ غلط کام ہے جو ثواب زائل کر دیتا ہے کیونکہ احسان تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے کہ وہ اسے قبول کرے۔

اور قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہ یہ امتنان سے مشتق ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ حقوق ہیں اگر کسی اور کے اس کے مثل حقوق ہوتے ''لَا مَتَنَ بِهَا'' تو ضرور ان کا ذکر کرتا۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ ''لَیْسَ اَحَدٌ اَمَنُّ عَلَیَّ'' اس کی تائید کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن اثیر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام نووی جیسی کلام ذکر کرنے کے بعد کہا کلام عرب میں من کا مفہوم

ہے اس آدمی پر احسان کرنا جس سے تم بدلہ کا تقاضا کرو اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ''وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ'' (مدثر:٦) یعنی کسی کو عطا نہ کریں اس ارادہ کے ساتھ کہ تم عطا سے زیادہ لینا چاہتے ہو۔

یہ معنی لینا کیسے درست ہوسکتا ہے حقیقت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر احسان کرنے والے نہیں تھے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول کا ابوبکر اور بعد میں آنے والوں پر احسان ہے احسان جتلانا ثواب کو ضائع کر دیتا ہے اور ایسا کرنے والے پر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز نظر کرم نہیں کرے گا یہ حضرت ابوبکر صدیق کا خلق نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اور آپ کے قول الا باب ابی بکر اور الا خوخۃ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں آپ کے مستحق خلافت ہونے کا قوی اشارہ ہے۔

خطابی، ابن بطال اور دوسرے علماء نے کہا اس حدیث میں حضرت ابوبکر کے لئے اختصاص ظاہر ہے اور اس میں آپ کے مستحق خلافت میں قوی اشارہ ہے خصوصاً جب یہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کرانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اس حدیث میں یہ الفاظ مسجد میں کوئی دروازہ نہ رکھا جائے مگر اسے بند کر دیا جائے اور آپ کا فرمان اس مسجد میں ہر کھڑکی کو بند کر دو مسجد میں صحابہ کے دروازوں اور کھڑکیوں کے موجود ہونے پر دلیل ہے یعنی کچھ کے دروازے تھے اور کچھ کی کھڑکیاں تھیں۔

یہ کہنا ممکن ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دروازے بند کرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو لوگوں نے کھڑکیاں بنالیں تو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض میں یہ حکم ارشاد فرمایا کہ تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں سوائے حضرت ابوبکر صدیق کی کھڑکی کے جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے۔

لیکن وہاں ایک دروازہ کھلا رہتا ہے اس میں کثیر روایات وارد ہوئی ہیں یہاں تک کہ بعض علماء نے اسے متواتر قرار دیا ہے وہ دروازہ حضرت علی شیر خدا کا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کے گھر کا دروازہ صرف یہی تھا وہ مسجد میں ہی کھلتا تھا جبکہ دوسرے صحابہ کے گھروں کے دروازے دوسری سمت میں چھوٹی گلیوں اور بڑی گلیوں میں کھلتے تھے۔ اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بند کرنے اور حضرت علی شیر خدا کے دروازے کو باقی رکھنے کا حکم ارشاد فرمایا جس طرح میں نے وضاحت کی ان کے گھر کا صرف یہی دروازہ تھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اس ضمن میں کثیر روایات وارد ہوئی ہیں میں ان میں سے بعض پر اکتفا کرتا ہوں انہیں میں سے ایک یہ ہے۔

۵۵۱۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں کھلنے

والے تمام دروازے بند کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے دروازے کو چھوڑنے کا۔اسے احمد، ابویعلی اور طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے اور ساتھ یہ اضافہ کیا لوگوں نے عرض کی آپ نے ہم سب کے دروازے بند کرادیئے سوائے حضرت علی کے دروازے کے فرمایا میں نے تمہارے دروازے بند نہیں کرائے بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دروازے بند کرائے۔ہیثمی نے کہا احمد کی سند حسن ہے۔حافظ نے فتح میں اسے احمد اور نسائی کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا اس کی سند قوی ہے اور طبرانی کی زیادتی کے بارے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۵۵۲-عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے دروازوں کے بارے ارشاد فرمایا تو انہیں بند کردیا گیا مگر حضرت علی شیر خدا کا دروازہ۔اسے نسائی نے ،احمد نے مسند اور فضائل میں، ابن ابی عاصم نے السنہ میں ترمذی نے احمد اور نسائی کے علاوہ سند سے، طبرانی نے کبیر اور اوسط میں ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا ہے۔ہیثمی نے کہا احمد کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے ابوبلج فرازی کے وہ ثقہ ہیں اس میں کچھ ضعف ہے حافظ نے فتح میں اسے احمد اور نسائی کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہا ان دونوں کے راوی ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ترمذی نے اسے احمد اور نسائی کے علاوہ سند سے روایت کیا ہے۔

۵۵۳-عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کہا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بہتر ہیں پھر حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر اور حضرت ابن ابی طالب کو تین شانیں عطا کی گئیں ان میں سے ایک بھی اگر میرے مقدر میں ہوتو وہ سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ کا ان سے عقد کیا اور آپ کے بطن سے ان کی اولاد ہوئی حضور نے مسجد میں کھلنے والے تمام دروازے بند کرادیئے سوائے حضرت علی کے دروازے کے اور خیبر کے روز آپ نے انہیں جھنڈا عطا کیا۔اسے احمد اور ابو یعلی نے صحیح راویوں سے روایت کیا حافظ نے فتح میں اسے حسن قرار دیا اور علاء بن عرار کے واسطہ سے اس کی مثل نسائی کی طرف منسوب کیا اس سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے علاء کے یحییٰ بن معین اور دوسرے علماء نے اس کی توثیق کی ہے۔ابن ابی عاصم نے کتاب السنہ میں ابی اسحٰق سبیعی کے واسطہ سے نقل کی ہے کہا میں نے ابن عمر سے حضرت علی اور حضرت عثمان کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب ارشاد فرمایا۔

۵۵۴-زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا تمام دروازے بند کردو مگر حضرت علی شیر خدا کا دروازہ کہ:لوگوں نے اس بارے میں آپ سے عرض کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے

اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی پھر فرمایا امابعد مجھے تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے سوائے حضرت علی شیر خدا کے دروازے کے اس میں تمہیں میں سے کچھ لوگوں نے باتیں کیں۔

قسم بخدا میں نے کوئی دروازہ بند کرایا نہ کھلایا لیکن مجھے حکم دیا گیا پس میں نے اسی کی اتباع کی۔ اسے احمد نے مسند میں اور فضائل صحابہ میں نسائی نے فضائل علی میں حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا ضیاء نے مختارہ میں اس کی سند میں میمون ابوعبداللہ ہے اسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا اور ایک جماعت نے ضعیف قرار دیا جس طرح ہیثمی نے کہا۔ حافظ نے فتح میں اسے احمد، نسائی اور حاکم کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہا اس کے راوی ثقہ ہیں۔

لیکن اس حدیث کی سابقہ احادیث شہادت دیتی ہیں پس یہ حسن لغیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی دوسری نصوص ہیں جن کی مجموعی حالت دلالت کرتی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے ثابت ہے اور اس کی اصل ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حافظ بن حجر نے قول مسدد میں ابن جوزی پر رد کرتے ہوئے کہا جبکہ حدیث کے طرق اور روایات ذکر کیں۔ یہ حدیث مشہور ہے اس کی متعدد سندیں ہیں اس کی ہر سند انفرادی طور پر حسن کے رتبہ سے کم نہیں مجموعی طور پر صحت کا قطعی حکم رکھتی ہے جس طرح اکثر علماء حدیث کا انداز ہے۔

رہا اس روایت کا صحیحین میں مروی روایت کا معارض ہونا تو یہ مسلم نہیں ہے ان کے درمیان کوئی معارضہ نہیں پھر انہوں نے حدیث کی روایات ذکر کیں۔

پھر فرمایا یہ سندیں جو ثقہ لوگوں کی روایات سے باہم قوی ہوگئی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے اور یہی محدث کی نظر وفکر غرض وغایت ہوتی ہے۔

رہا اس کے متن کا صحیحین میں مروی متن کے معارض ہونا جو ابوسعید کی روایت میں ہے یعنی خوخۃ ابی بکر بات ایسے نہیں ان کے درمیان کسی قسم کا معارضہ نہیں بلکہ دروازوں کو بند کرنے والی حدیث کھڑکیوں کے بند کرنے والی حدیث سے بالکل مختلف ہے کیونکہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ کا گھر مسجد کے اندرونی حصہ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ فتح میں یہ بھی زائد کہا ہے کہ دونوں روایتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ دروازوں کو بند کرنے کا حکم دو دفعہ ہوا پہلی دفعہ میں حضرت علی شیر خدا کو اس حکم سے مستثنیٰ کیا گیا اور دوسری دفعہ میں حضرت ابوبکر کو مستثنیٰ کیا گیا۔ لیکن یہ بحث اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک حضرت علی کے قصہ کو حقیقی دروازہ اور حضرت ابوبکر کے قصہ کو مجازی دروازہ پر محمول نہ کیا جائے اس سے مراد کھڑکی ہوگی جس طرح بعض سندوں میں اس کی وضاحت ہے۔

گویا جب انہیں دروازے بند کرنے کا حکم ہوا انہوں نے دروازے بند کر لئے اور کھڑکیاں کھول لیں جن کے ذریعے وہ مسجد میں قریب ترین راستہ سے داخل ہونا چاہتے بعد میں انہیں ان کے بند کرنے کا حکم

بھی دے دیا گیا۔

میں کہتا ہوں ان روایات میں تطبیق کا انداز آنے والی صورت سے بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کے دروازے کے علاوہ تمام دروازے بند کرنے کا حکم ارشاد فرمایا کیونکہ ان کا مسجد کے سوا کوئی دروازہ نہ تھا لوگوں نے کھڑکیاں بنالیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض وصال میں تمام کھڑکیاں بند کرنے کا حکم ارشاد فرمایا سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کھڑکی کے کیونکہ وہی خلافت کے والی بننے والے تھے ان کا مسجد میں داخل ہونا اور نکلنا اسی سے تھا بخلاف دوسرے صحابہ کے۔

ابن کثیر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے البدایہ والنہایہ میں متعدد روایات ذکر کرنے کے بعد کہا یہ اس امر کے منافی نہیں جو صحیح بخاری میں ہے کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وصال میں مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم ارشاد فرمایا سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے کے کیونکہ آپ نے اپنی صحت میں حضرت علی شیر خدا کے حق میں اس کی استثناء کی تھی تاکہ حضرت فاطمہ الزہراء اپنے والد ماجد کے گھر جاسکیں۔ گویا یہ آپ کے لئے سہولت رکھی گئی آپ کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے کے بعد یہ ضرورت ختم ہوگئی اور حضرت ابوبکر صدیق کے دروازے کھولنے کی ضرورت پیدا ہوگئی تاکہ وہ مسجد کی طرف نکل سکیں تاکہ لوگوں کو نماز پڑھائیں کیونکہ آپ ہی سرور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بنے اس میں بھی آپ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے۔

اس طویل بحث کے بعد جس میں بڑے دروازے کے علاوہ اور دروازوں کا ذکر تھا جو صحابہ کے گھروں کے مسجد میں کھلتے تھے یہاں تک کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازے کے علاوہ تمام دروازے بند کرنے کا حکم ارشاد فرمایا جو آپ کے بعد آپ کے خلیفہ تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کے امام بننے والے تھے جس طرح وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض میں مسلمانوں کے امام تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

بڑے یا عام دروازہ

اہل سیر نے ذکر کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی دفعہ مسجد بنائی تو آپ نے اس کے تین دروازے بنائے ایک دروازہ جنوب کی جانب تھا جو باب ابوبکر صدیق کہلاتا، ایک دروازہ مشرق کی جانب تھا جو باب آل عثمان کہلاتا تھا جسے بعد میں باب جبرئیل کا نام دیا گیا اس سے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوتے تھے ایک دروازہ اس کے مقابل مغرب کی جانب تھا جسے باب عاتکہ کہتے اسے ہی باب رحمتہ کہتے ہیں یہ وہ دونوں دروازے تھے جو تحویل قبلہ کے بعد بھی نہیں بدلے گئے

جب قبلہ کو کعبہ شریف کی طرف پھیر دیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دروازے کو بند کر دیا جو

جنوب کی جانب تھا اور باب ابی بکر کے نام سے معروف تھا اب ایک دروازہ اس کے مقابل شمال کی جانب کھول دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں کہتا ہوں میرے لئے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ ان تین دروازوں کے علاوہ بھی دروازے تھے شاید یہ دروازے آپ نے اس وقت بنائے ہوں جب فتح خیبر کے بعد آپ نے مسجد کی توسیع کی۔

۵۵۵- انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے وہ ذکر کرتے ہیں جمعہ کے روز ایک آدمی اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کے سامنے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا عرض کی یارسول اللہ چوپائے ہلاک ہو گئے راستے منقطع ہو گئے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کیجئے یہ حدیث استسقاء ہے اور ایک ہفتہ تک بارش ہونے کا ذکر کیا۔

۵۵۶- حضرت انس بن مالک سے ایک روایت مروی ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے روز اس دروازہ سے مسجد میں داخل ہوا جو دارالقضاء کے دروازے کی جانب تھا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال ہلاک ہو گئے راستے منقطع ہو گئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کیجئے کہ وہ ہمارے اوپر رحمت کی بارش نازل فرمائے۔ متفق علیہ

پہلی روایت میں ان کا قول وہ جمعہ کے روز اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کے سامنے تھا اس میں یہ دلیل ہے کہ ایک دروازہ شمال کی جانب بھی تھا کیونکہ منبر یہ بہت بعد میں بنایا گیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ یہ دروازہ منبر کے سامنے تھا۔

دوسری روایت میں دارالقضاء کا دروازہ یعنی اس جہت سے یہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا آپ نے قرض چکانے کے لئے بیچ دیا۔ اسی وجہ سے اس گھر کا نام دار قضاء دین عمر یعنی حضرت عمر کے قرضہ کو ادا کرنے والا گھر پڑ گیا پھر طویل وقت گزر گیا پھر اختصار کی وجہ سے اس کا نام دار قضاء پڑ گیا۔

یہی وہی دروازہ ہے جس کا ذکر سابقہ روایت میں تھا کیونکہ حدیث ایک ہی ہے بعض شراح نے اس سے مختلف سمجھا ہے کہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا چھوٹا دروازہ تھا جبکہ معاملہ ایسا نہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والا دروازہ منبر کے سامنے نہ تھا بلکہ یہ مغربی جانب تھا اور جو آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اس دروازہ سے داخل ہوا جسے دارالقضاء کہتے ہیں کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر مروان بن حکم کا گھر بن گیا جسے بعد میں دارالامارۃ کہتے جبکہ دارالقضاء اور تھا جو پہلے حضرت فاروق اعظم کا گھر تھا پھر اسے حضرت امیر معاویہ کے ہاتھ بیچ دیا اس بناء پر بعض لوگوں پر یہ معاملہ مشتبہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے یہ دروازہ دوسری دفعہ تعمیر یا تحویل قبلہ کے بعد بنایا گیا۔

وہاں ایک اور دروازہ بھی تھا۔

۵۵۷-حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش ہم یہ دروازہ عورتوں کے لئے چھوڑ دیں۔

حضرت نافع نے کہا عبداللہ بن عمر موت تک اس دروازہ سے داخل نہ ہوئے۔ اسے ابوداؤد اور طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے اور طیالسی، ابونعیم نے عبداللہ بن نافع سے انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے اس روایت کی ابتداء میں یہ زیادتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد بنائی تو ایک دروازہ عورتوں کے لئے مختص کیا اور کہا پھر اس طرح روایت کی۔ لیکن ابوداؤد پہلی جگہ حدیث ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں اسے عبدالوارث کے علاوہ دوسروں نے بھی روایت کیا ہے حضرت عمر نے کہا یہ زیادہ صحیح ہے اور دوسری جگہ فرمایا اسے اسماعیل بن ابراہیم نے ایوب سے اور ایوب نے نافع سے نقل کیا کہ حضرت عمر نے فرمایا۔ یہ زیادہ صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں ابی داؤد کی عبارت میں دو امر ہیں۔

(۱) حدیث حضرت عمر پر موقوف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں۔

(۲) یہ روایت منقطع ہے متصل نہیں کیونکہ حضرت نافع نے حضرت عمر کو نہیں پایا میں کہتا ہوں جو ابوداؤد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا وہ حدیث کو رد نہیں کرتا کیونکہ اسماعیل بن ابراہیم اور عبدالوارث بن سعید دونوں ثقہ ہیں۔ حافظ نے ابن علیہ کے متعلق کہا یہ ثقہ اور حافظ ہے اور عبدالوارث کے متعلق کہا ثقہ ثبت ہے۔ محقق اور دوسرے علماء اس بات کی طرف گئے ہیں کہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ جب بعض ثقہ حدیث کو متصل نقل کریں اور بعض مرسل، بعض موقوف اور بعض مرفوع یا ایک ثقہ اس کو کبھی متصل، مرفوع کبھی مرسل اور موقوف نقل کرے صحیح وہ ہوگی جسے محدثین میں سے محقق فقہاء اور اصحاب الاصول صحیح کہیں گے خطیب بغدادی نے اسے صحیح قرار دیا حکم اس کا ہوگا جس نے اسے متصل یا مرفوع نقل کیا خواہ اس کا مخالف اس کا ہم پلہ تعداد میں زیادہ یا زیادہ حافظ ہو کیونکہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے جو مقبول ہے اس سے قبل ابن صلاح نے بھی یہی کہا اور عراقی اور دوسرے کثیر علماء نے اسے ترجیح دی۔ میں کہتا ہوں ہمارے نزدیک یہاں یہی حال ہے جب عبدالوارث بن سعید نے اسے ایوب سے انہوں نے نافع سے مرفوع نقل کیا اور وہ ثقہ ثبت حافظ ہے۔

عبداللہ بن نافع اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں اگرچہ عبداللہ بن نافع ضعیف ہیں لیکن متابعات وشواہد کے لئے مناسب ہے پس مرفوع نقل کرنے میں یہ ایوب کی متابعت کرنے والے ہیں۔ اگرچہ عبدالوارث کی روایت پر اعتماد کافی ہے۔

اسی کے ساتھ مزید یہ چیز بھی شامل کی جائے گی کہ حضرت عمر کے فعل اور عبداللہ بن عمر کی روایت میں. کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دروازہ کے علاوہ دوسرے دروازوں سے داخل ہونے سے منع کرتے تھے اور مردوں کو اس دروازہ سے داخل ہونے سے روکتے تھے۔ یہ فتویٰ ہے جو نص کے موافق ہے جو کچھ یہاں ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے حدیث کو مرفوع نقل نہیں کیا ہاں اس کے مطابق عمل کیا یہ حدیث کو قوت اور تائید بہم پہنچانے والا ہے یہ اس کے معارض نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

باب النبی ﷺ

جس طرح مشرق کی جانب جنوبی حصہ کے آخر میں ایک دروازہ تھا۔ یہی باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتا تھا۔

جس طرح مراغی نے کہا کہ اس دروازے کا یہ نام اس لئے پڑا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازہ سے داخل ہوتے نیز اس کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تھا یہ دروازہ نئی دیوار تعمیر کرنے پر بند کر دیا گیا اس کی جگہ لکڑی کی ایک کھڑکی لگا دی گئی جہاں سے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ دیکھا جا سکتا تھا اسی جگہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نماز جنازہ پڑھنے کی جگہ بنائی جب جنازہ کو مسجد میں لانے سے منع کیا۔

میں کہتا ہوں یہ دروازہ دو سال قبل کھولا گیا اور اسے باب البقیع کا نام دیا گیا۔

مگر وہ کھڑکی جو باب البقیع اور باب جبرئیل کے درمیان موجود ہے اس دروازہ کو باب علی کہا جاتا تھا جسے بند کر دیا گیا اور اس دروازہ کی جگہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی امارت میں کھڑکی لگائی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دروازے سے داخل نہ ہوئے جس طرح سمہودی نے ذکر کیا یہ بعد میں بنایا گیا جب مسجد کے دروازے بیس ہو گئے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اس وجہ سے میری رائے یہ ہے کہ پانچ بڑے عام دروازے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے ان میں سے ایک باب عاتکہ تھا جو باب رحمت کے نام سے معروف تھا مشرق کی جانب اس کے مقابل باب نساء تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے سامنے تھا کہا جاتا ہے کہ آپ کا وصال اس گھر میں ہوا اسے باب ریطہ بنت ابی العباس سفاح کہا جاتا۔ ایک دروازہ باب آل عثمان تھا جو باب جبرئیل کے نام سے معروف تھا ایک دروازہ منبر کے بالمقابل تھا جو باب دار القضاء کہلاتا ایک دروازہ باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتا جسے نئے سرے سے پھر کھولا گیا اسے باب البقیع کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

انہیں کے ساتھ تین خاص دروازے بھی تھے ان میں سے ایک باب سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، باب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خوخۃ ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسے بعد میں عام دروازہ بنا دیا گیا۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا اور خلافت راشدہ بھی انتہاء کو پہنچ گئی دو اور دروازوں کا اضافہ کر دیا گیا یہ دو دروازے باب مرداں جو باب السلام اور باب آل عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کا محل وقوع قبلہ کی جانب حجرہ شریفہ کے سامنے تھا جب ولید بن عبدالملک نے مدینہ طیبہ کی زیارت کی حضرت عمر بن عبدالعزیز کو یہ دروازہ بند کرنے کا حکم دیا اور اس کی جگہ ایک کھڑکی کھولی گئی وہ کھڑکی آج تک مواجہ شریفہ کے سامنے موجود ہے یہ حضرت سیدہ حفصہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قدیم حرم میں اب بھی موجود دروازے مشرق کی جانب باب النساء باب جبرئیل اور باب البقیع ہیں جسے ابھی باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھولا گیا جس کا ذکر ابھی ہوا مغرب کی جانب باب السلام جو باب مروان بن حکم ہے اور ابواب الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ اس کھڑکی کی جگہ ہے اور باب رحمت رہا حرم جدید اس کے نئے دروازے ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اہل صفہ کی جگہ

تحویل قبلہ کے بعد جب ان مہاجر فقراء کی تعداد زیادہ ہو گئی جن کا کوئی خاندان اور عورت نہ تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مسجد میں ایک جگہ خاص کی یہ جگہ شمال مشرق کی جانب میں تھی اور اہل صفہ کے نام سے معروف تھی۔

اہل صفہ اسلام کے مہمان تھے خواہ وہ مہاجر فقراء ہوں جو ایسے جان پہچان والے لوگ نہ پاتے جو ان کی ضیافت کریں یا باہر سے آئے وفد اس وجہ سے ان کی کوئی مخصوص تعداد نہ تھی بلکہ کبھی وہ زیادہ ہو جاتے اور کبھی کم ہو جاتے جیسے کسی کی شادی ہو جاتی یا کوئی فوت ہو جاتا یا سفر کرتا۔

ابن اعرابی، سلمی، حاکم ابونعیم نے ان صحابہ کے نام جمع کرنے کا اہتمام کیا ہر ایک کے پاس ایسے اصحاب کا ذکر ہے جو دوسرے مصنف کے ہاں نہیں جن بعض لوگوں کا انہوں نے ذکر کیا اس میں اعتراض اور مناقشہ بھی ہے۔

انہیں میں سے بعض کا ابونعیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں ذکر کیا اور ان کی تعداد 97 ہے بعض میں اختلاف اور بعض کے ذکر کرنے پر اعتراض ہے اس کتاب میں مصنف رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے سلمی اور ابن اعرابی کی پیروی کی اور مصنف نے صرف آٹھ اشخاص کا اضافہ کیا۔

سب سے آخر میں جس نے ان کے نام جمع کرنے کی کاوش کی وہ علامہ شیخ ابوتراب ظاہری (اللہ تعالیٰ انہیں محفوظ رکھے) ہیں موصوف نے اپنی کتاب اصحاب الصفہ میں انہیں جمع کیا اور ان کی تعداد ۹۴ تک پہنچی ہے۔ انہوں نے ان چار افراد کو خارج کر دیا جنہیں ابونعیم نے ذکر کیا لیکن شیخ ابوتراب سلمہ اللہ نے کہا کہ یہ پہلا جزء ہے انہوں نے شیخ ابونعیم کی اتباع کی تو ان پر بھی ان افراد کے بارے اعتراض ہوگا جن کے بارے

میں ابونعیم پر اعتراض ہوا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابونعیم رحمتہ اللہ تعالیٰ نے کہا صفہ میں رہنے والوں کی تعداد اوقات واحوال کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوتی رہی کبھی کوئی ان سے مطلق جدا ہو جاتا اور باہر سے آنے والے غرباء اور آنے والے وفود کم ہو جاتے تو ان کی تعداد کم ہو جاتی اور کبھی باہر سے آنے والے فقراء اور وفود جمع ہو جاتے تو ان کے ساتھ مل جاتے پس ان کی تعداد زیادہ ہو جاتی۔

تاہم ظاہر بات یہی ہے کہ ان پر فقر کا غلبہ تھا۔ انہوں نے زندگی میں تنگدستی کو ترجیح دی، ان کے ہاں دو کپڑے جمع نہ ہوئے اور نہ دو قسم کے کھانے اکٹھے ہوئے۔

میں کہتا ہوں بات ایسے ہی ہے جیسے انہوں نے کہا کیونکہ وہ قراء جو بئر معونہ کو قتل کیے گئے ان کی تعداد ستر تھی حضرت ابو ہریرہ کی حدیث آگے آئے گی جس میں ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ستر اہل صفہ کو دیکھا جو قراء نہ تھے کیونکہ بئر معونہ کا واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہجرت سے پہلے واقع ہوا امام سہر دردی نے ذکر کیا کہ ان کی تعداد چار سو کے قریب تھی جن کے مدینہ طیبہ میں مسکن تھے نہ قبائل۔ جنہوں نے اپنے آپ کو مسجد میں محدود کر دیا تھا اور انہوں نے انہیں اکٹھے ذکر نہیں کیا حافظ نے انہیں رقاق کے باب میں ذکر کا وعدہ کیا اور میں نے یہ نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

میں اہل صفہ اور ان کے احوال کے متعلق چند احادیث کے کچھ حصے ذکر کرتا ہوں۔ وہ فقراء تھے اغنیاء نہ تھے۔

۵۵۸- حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرمایا اصحاب صفہ فقراء تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہے وہ تیسرے کو لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ پانچویں یا چھٹے کو لے جائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تین آدمیوں کو ساتھ لائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو لے گئے اور ابوبکر نے تین کو کہا وہ میں میرے والد اور میری والدہ تھے اور میں نہیں جانتا انہوں نے کہا میری بیوی اور میرا خادم جو ہمارے اور ابوبکر کے گھر میں خدمت کرتا تھا حضرت ابوبکر صدیق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں رات کا کھانا کھایا پھر آپ وہاں ہی ٹھہرے یہاں تک کہ عشاء کی نماز پڑھی پھر گھر پلٹے اور ٹھہرے یہاں تک حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کا کھانا تناول فرمایا آپ گھر آئے یہاں تک کہ رات کا کافی وقت گزر چکا تھا آپ کی بیوی نے عرض کی کس نے آپ کو مہمانوں سے روکے رکھا پوچھا کیا تم نے انہیں کھانا نہیں کھلایا۔ بیوی نے عرض کی آپ کے آنے سے پہلے انہوں نے کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا انہیں کھانا پیش کیا گیا لیکن وہ غالب رہے عبدالرحمٰن نے کہا میں چھپنے کے لئے غائب ہو گیا آپ نے مجھے پکارا یا غنثر یعنی ناراضگی کا اظہار کیا اور مہمانوں سے فرمایا تم کھانا کھاؤ میں اسے کبھی

نہیں کھاؤں گا۔

کہا، قسم بخدا ہم کوئی لقمہ نہیں لیتے تھے مگر نیچے سے زیادہ بڑھ جاتا یہاں تک وہ سیر ہو گئے اور کھانا پہلے سے زیادہ موجود تھا حضرت ابوبکر نے اسے دیکھا تو اسے اتنا ہی یا اس سے زیادہ پایا آپ نے اپنی بیوی سے فرمایا اے بنی فراس کی بہن اس نے عرض کی نہیں میری آنکھوں کی ٹھنڈک یہ تو پہلے سے بھی تین گنا زیادہ ہے۔

اس حدیث میں کئی امور ہیں جیسے اہل صفہ کا فقراء میں سے ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان پر رحمت وشفقت فرمانا مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرنا ان کا دوسروں کو اپنے اوپر ترجیح دینا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور آپ کی برکت سے کھانے کا زیادہ ہو جانا۔

۵۵۹-حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا میں نے ستر اصحاب صفہ دیکھے ان میں سے کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جس پر رداء ہو ازار ہوتی یا کساء جس کو انہوں نے اپنی گردنوں میں باندھ رکھا ہوتا، کسی کی پنڈلیوں تک یہ چادر پہنچتی اور کسی کے ٹخنوں تک وہ اس کو جمع کرتے رہتے تاکہ ان کی شرمگاہیں ننگی نہ ہو جائیں۔ رواہ البخاری

یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان کی تعداد ستر سے بڑھ کر تھی کیونکہ حضرت ابو ہریرہ نے من اہل الصفہ کے لفظ استعمال کئے ہیں اور من تبعیض کے لئے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۵۶۰-حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا اللہ الذی لا الہ الا ہو میں بھوک کی وجہ سے منہ کے بل زمین پر لیٹتا میں بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھتا ایک روز میں اس راستہ پر بیٹھ گیا جس راستہ سے لوگ مسجد سے نکلا کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکلے میں نے ان سے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے دریافت کیا۔ میں نے اس لئے پوچھا تھا کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں وہ گزر گئے اور مجھے کچھ نہ کھلایا۔ پھر حضرت عمر میرے پاس سے گزرے میں نے ان سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی ایک آیت کے بارے پوچھا میں نے ان سے بھی نہیں پوچھا تھا مگر اس لئے کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں۔ آپ گزر گئے مگر ایسا نہ کیا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے جب مجھے دیکھا ایک تو تبسم فرمایا اور میرے دل میں اور چہرہ سے جو عیاں تھا اسے بھانپ لیا پھر فرمایا: اے ابو ہریرہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں فرمایا میرے پیچھے پیچھے آؤ آپ چل دیئے میں آپ کے پیچھے ہو لیا آپ گھر میں داخل ہوئے میں نے اجازت چاہی آپ نے اجازت مرحمت فرمائی آپ اندر داخل ہوئے تو ایک پیالے میں دودھ پایا پوچھا یہ دودھ کہاں سے آیا ہے عرض کی گئی فلاں نے آپ کے لئے تحفہ بھیجا ہے فرمایا اے ابو ہر میں نے عرض کی یا رسول اللہ میں حاضر ہوں۔ فرمایا اہل صفہ کے پاس جاؤ اور انہیں ساتھ لے آؤ۔

فرمایا اہل صفہ اسلام کے مہمان ہیں کسی اہل، مال یا کسی فرد کا سہارا نہیں لیتے جب آپ کے پاس صدقہ کا مال آتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں بھیج دیتے خود اس میں سے کوئی چیز نہ لیتے جب کوئی ہدیہ آتا انہیں بھی بھجواتے اور خود بھی استعمال فرماتے انہیں بھی شریک کرتے۔

یہ چیز مجھ پر بڑی شاق گزری۔ میں نے دل میں کہا یہ دودھ اہل صفہ کے کیا کام آئے گا میں اس دودھ کا زیادہ حقدار تھا تاکہ اسے پی کر قوت حاصل کرتا جب سب اہل صفہ آگئے آپ نے مجھے ہی حکم فرمایا میں انہیں عطا کرنے والا تھا اب مجھے امید نہیں تھی کہ اس دودھ میں سے مجھے کچھ حصہ ملے گا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کی بھی کوئی مجال نہ تھی میں ان کے پاس آیا انہیں دعوت دی وہ آئے انہوں نے اجازت طلب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اجازت عطا فرمائی وہ گھر میں اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ فرمایا اے ابو ہر میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں فرمایا پیالہ لو اور انہیں عطا کرو میں نے پیالہ لیا میں ایک ایک آدمی کو عطا کرنے لگا وہ پیتا یہاں تک سیراب ہو جاتا پھر پیالہ مجھے لوٹا دیتا۔ میں دوسرے آدمی کو دیتا وہ اسے پیتا یہاں تک کہ سیراب ہو جاتا پھر پیالہ مجھے لوٹا دیتا پھر اگلے آدمی کو دیتا وہ اسے پیتا یہاں تک کہ سیراب ہو جاتا پھر پیالہ مجھے واپس کر دیتا یہاں تک کہ چلتے چلتے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچا جبکہ تمام لوگ سیر ہو چکے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لیا اپنے ہاتھ پر رکھا میری طرف دیکھا تبسم فرمایا: فرمایا اے ابو ہر میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں فرمایا میں اور تو باقی رہ گئے ہیں میں نے عرض کی آپ نے سچ فرمایا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا بیٹھ جاؤ اور پیو میں بیٹھ گیا اور پیا فرمایا اسے پیو میں نے پیا آپ لگاتار فرماتے رہے پیو یہاں تک کہ میں نے عرض کی اب نہیں قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی اب میں کوئی راہ نہیں پاتا۔ فرمایا مجھے دکھاؤ میں نے پیالہ آپ کو پیش کر دیا آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی بسم اللہ شریف پڑھی اور باقی ماندہ دودھ پی لیا۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

اس حدیث میں بہت فوائد ہیں۔ اہل صفہ کی حالت اور نبی کریم ﷺ کی برکات کا ذکر ہے۔

جس طرح میں نے کہا جب کوئی وفد آتا اور مدینہ طیبہ میں ان کی جان پہچان والا کوئی نہ ہوتا تو اہل صفہ کے ہاں بھی فروکش ہوتا۔

۵۶۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے عکل سے ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا وہ صفہ میں ہی تھے کہ مدینہ طیبہ کی آب و ہوا انہیں راس نہ آئی انہوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں سواریاں عطا کیجئے۔ فرمایا میں تمہارے لئے کوئی سامان نہیں پاتا ہاں تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹوں کے پاس چلے جاؤ وہ وہاں آئے اونٹوں کے دودھ اور پیشاب پیئے یہاں تک صحت مند اور خوب موٹے ہو گئے انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور

اونٹ بھگا کر لے گئے۔ اس میں العرینین کا قصہ ہے یہ روایت متفق علیہ ہے۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو چیز ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے بھی ایک جگہ مخصوص کی ہوئی تھی اس پر روایات دلالت کرتی ہیں۔

۵٦۲ -حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کے ہاتھ کاٹے جس نے عورتوں کے صفہ سے ایک ڈھال چرائی تھی جس کی قیمت تین درہم تھی۔ اسے احمد، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے اسے مسلم نے روایت کیا ہے اور اس کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔

روایت میں صفۃ النساء کے قول کا معنی مسجد کی وہ جگہ ہے جو عورتوں کے لئے خاص تھی اور یہ مردوں کے صفہ سے مختلف تھی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ولیدہ صاحبۃ الوشاح جو مسجد میں سوتی تھی کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

۵٦۳ -حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرمایا ایک سیاہ رنگ کی عورت مسلمان ہوئی اس عورت کا مسجد میں خیمہ تھا۔ ایک روایت میں خباء کے الفاظ ہیں یعنی جھونپڑی۔ آپ فرماتی ہیں وہ ہمارے پاس آتی باتیں کرتی جب گفتگو سے فارغ ہوتی تو کہتی۔

یوم الوشاح ہمارے رب کے عجائب میں سے ہے خبردار اس نے مجھے کفر والے شہر سے نجات دی حدیث طویل ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا اور امام بخاری نے اس کا عنوان نوم المرأۃ فی المسجد ذکر کیا ہے۔

حضرت عائشہ کا یہ فرمان "فكان لها ضباء فى المسجد اور حفش" کا معنی یہ ہے اس کا اون کا بنا ہوا خیمہ تھا یا کسی اور چیز کا۔

حفش: چھوٹا گھر جس کی چھت پست ہو جو الحفاش سے ماخوذ ہے جس کا معنی انضمام ہے یعنی اس عورت کا مسجد میں اون یا کسی اور چیز کا چھوٹا سا گھر تھا۔

یہ عورت کافر تھی اسے سخت امتحان نے آلیا جس طرح تمہ حدیث میں ہے یہاں تک کہ انہوں نے اس کی شرم گاہ کو کھولا اللہ تعالیٰ نے اسے نجات دی۔ پس اس عورت نے ہجرت کی مدینہ طیبہ میں اس کا کوئی رشتہ دار نہ تھا جس کے باعث وہ مسجد میں رہنے پر مجبور تھی اس روایت سے جواز اخذ کیا گیا کہ جب فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو عورت کا مسجد میں رہنا درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جب اہل صفہ فقراء تھے ان کا کوئی مال نہ تھا نہ گھر نہ رشتہ دار آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز خوشحال لوگوں پر انہیں تقسیم کر دیتے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے باغوں کے مالکوں کو برانگیختہ کیا کہ وہ

کھجوروں کا ایک ایک ٹوکرہ دے جسے مسجد میں لٹکا دیا جائے جس سے یہ فقراء کھایا کریں اور اس سے مدد حاصل کریں اس طرح دوسرے خوشحال مسلمانوں پر تخفیف ہو۔

۵۶۴-عوف بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے آپ کے ہاتھ میں عصا تھا اور مسجد میں ٹوکرے لٹکے ہوئے تھے ان میں سے ایک ردی کھجوروں کا تھا۔ آپ نے اپنا عصا اس ٹوکرے میں مارا فرمایا اگر اس صدقہ کا مالک چاہتا تو اچھے مال کا صدقہ کرتا۔ اس صدقہ والا قیامت کے روز ردی کھجوریں کھائے گا۔ اسے احمد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا۔ آخری دونوں اور دوسرے علماء نے بھی اس کو صحیح قرار دیا اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے جس میں ثقہ کی زیادتی کا معاملہ تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں جو اور امور ہوتے تھے مثلاً حلقہ درس، تیمارداری کے لئے خیموں کو نصب کرنا۔ قضاء، لعان وغیرہ کے معاملات جہاد کے لئے جھنڈے عطا کرنا ان کا میں نے ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ چیزیں متعلقات مسجد سے ہیں نہ کہ مسجد کے اہم امور سے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اب میں اس مسجد کے فضائل ذکر کرنا شروع کرتا ہوں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

مدینہ طیبہ کی مسجد جو پہلے روز سے ہی تقویٰ پر بنائی گئی

مدینہ طیبہ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مسجد کو پہلے لمحہ سے ہی تقویٰ پر بنایا اس لئے یہ اس چیز کی زیادہ حقدار ہے کہ وہ اس کے ساتھ قائم رہے یہ کیسے نہ ہو جس نے اسے تعمیر کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے آپ نے خود اپنے معزز ہاتھوں سے اس میں کام کیا اپنے بازوؤں میں اینٹیں اٹھائیں یہاں تک کہ آپ کا سینہ غبار آلود ہو گیا اور آپ کے ساتھ مہاجرین وانصار میں سے عام صحابہ شریک ہو گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمین کو خریدا تا کہ یہ مسجد خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔

اس مسجد کا تقویٰ پر تعمیر ہونا ان روایات کے منافی نہیں جو مسجد قباء کے بارے وارد ہوئیں جس کا ذکر بعد میں آئے گا کیونکہ دوسری مسجد کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً ارشاد فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مسجد تقوی پر تعمیر کی گئی تا کہ معاملے کے اس وہم کو دور فرمادیں کہ یہ حکم صرف مسجد قباء کے ساتھ خاص ہے۔ جس کا ذکر بعد میں آئے گا۔

۵۶۵-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے ایک کے گھر تشریف فرما تھے میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دو مسجدوں میں سے وہ کون سی مسجد ہے جو تقویٰ پر تعمیر کی گئی۔ کہا آپ نے اپنی ہتھیلی میں کنکریاں لیں اور زمین پر انہیں مارا پھر فرمایا وہ تمہاری یہ مسجد ہے یعنی مدینہ طیبہ کی مسجد۔ امام مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔

۵۶۶-ایک اور نے آپ سے روایت کی۔ کہا دو آدمی اس مسجد کے بارے میں جھگڑ پڑے جو تقویٰ پر تعمیر کی گئی ایک آدمی نے کہا وہ مسجد قباء ہے دوسرے نے کہا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ میری یہ مسجد ہے اسے احمد، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا۔ امام ذہبی نے کہا اس کی سند عمدہ ہے نیز جندی اور بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے۔

۵۶۷-آپ سے ہی مروی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ بنی عمرو بن عوف اور بنی خدرہ کے دو آدمیوں نے آپس میں جھگڑا شروع کر دیا اس مسجد کے بارے میں جو تقویٰ پر تعمیر کی گئی خدری نے کہا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے عمری نے کہا وہ قباء کی مسجد ہے کہا دونوں چل پڑے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں پہنچے اس بارے آپ سے دریافت کیا آپ نے فرمایا وہ یہ مسجد ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد اور اس میں بہت زیادہ خیر ہے اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حسن صحیح ہے ابن حبان اور حاکم نے نقل کیا اور امام مسلم کی شرائط پر صحیح قرار دیا امام ذہبی نے اس کی توثیق کی۔ ابن ابی شیبہ اور ابو یعلی نے اسے روایت کیا۔

۵۶۸-حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دو آدمی اس مسئلہ میں الجھ پڑے کہ وہ کون سی مسجد ہے جسے تقویٰ پر تعمیر کیا گیا ان میں سے ایک نے کہا وہ رسول اللہ کی مسجد ہے دوسرے نے کہا وہ مسجد قباء ہے۔ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور پوچھا آپ نے ارشاد فرمایا وہ میری یہ مسجد ہے اسے احمد، ابن ابی شیبہ، طیالسی، عبد بن حمید، ابن حبان اور طبرانی نے کبیر میں رجال صحیح کے ساتھ اور طبری نے روایت کیا

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے ابی سعید خدری کی روایت ''**هو مسجد كم هذا المسجد المدينة**'' پر بحث کرتے ہوئے لکھا یہ اس بارے میں نص ہے کہ قرآن حکیم میں جس مسجد کا ذکر ہے کہ وہ تقوی پر تعمیر کی گئی وہ یہی مسجد ہے۔ اور بعض مفسرین نے جو یہ کہا کہ وہ مسجد قباء ہے اس کا رد ہے۔ رہا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا کنکریاں لینا اور انہیں زمین پر مارنا اس سے مراد وضاحت میں مبالغہ مقصود تھا کہ وہ مدینہ طیبہ کی مسجد ہی ہے۔

حافظ عراقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اس میں احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جو دلالت کرتی ہیں کہ وہ قباء کی مسجد ہے یہ حدیث زیادہ راجح، صحیح اور صریح ہے۔ یہ بحث سیوطی سے منقول ہے۔

شیخ سندی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا یہ روایت اس بارے میں نص ہے کہ قرآن حکیم میں مذکور مسجد سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے وہ قباء کی مسجد تھی جس طرح اصحاب التفسیر نے گمان کیا ہے کیونکہ یہ قصہ کے زیادہ موافق ہے۔

میں کہتا ہوں مسجد قباء کی بحث میں دونوں قولوں کی تطبیق کی بحث آئے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۵۶۹-حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا وہ مسجد جو تقویٰ پر تعمیر کی گئی وہ میری یہ مسجد ہے اسے احمد، ابن ابی شیبہ، عبدالرحمٰن بن حمید، جندی، طبری، حاکم نے نقل کیا موخر الذکر نے اسے صحیح قرار دیا اور امام ذہبی نے اس کی توثیق کی۔

میں کہتا ہوں تمام کی سندوں میں عبداللہ بن عامر اسلمی ضعیف ہے لیکن اس حدیث کی تائید دوسری احادیث کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۵۷۰-حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسجد کے بارے پوچھا گیا جو تقویٰ پر تعمیر کی گئی۔ فرمایا وہ میری یہ مسجد ہے اسے طبرانی نے مرفوع اور موقوف نقل کیا ہے اسی طرح جندی نے موقوف نقل کیا ہے۔ نسائی نے کبریٰ میں روایت کیا موقوف کے راوی وہی ہیں جو صحیح کے ہیں مرفوع روایت میں عبداللہ بن عامر اسلمی ہیں جو ضعیف ہیں موقوف مرفوع کی شاہد ہے اور مرفوع کی تائید احادیث بھی کرتی ہیں۔

۵۷۱-حضرت خارجہ بن زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے روز سے جو مسجد تقویٰ پر بنائی گئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے اسے ابن ابی شیبہ اور جندی نے روایت کیا اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں لیکن وہ مرسل ہے اور سابقہ احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔

یہاں موقوف روایات بھی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں تمام روایات وضاحت کرتی ہیں وہ مسجد جو تقویٰ پر تعمیر کی گئی اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے ابن جریر طبری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تفسیر میں دونوں قول ذکر کرنے کے بعد کہا دونوں قولوں میں سے میرے نزدیک صحیح اس کا قول ہے جس نے یہ کہا کہ وہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے کیونکہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خبر صحیح ہے پھر انہوں نے سہل، ابی اور ابی سعید خدری کی روایات نقل کی ہیں۔

جب میں مسجد کا ذکر کروں گا تو دونوں قولوں میں تطبیق وہاں آئے گی ان شاء اللہ

مسجد نبوی انبیاء کی مساجد میں سے آخری ہے

جب اللہ تعالیٰ نے حضور پر نور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء بنایا آپ کے بعد کوئی نبی ہوگا نہ رسول اور آپ کے دین کو خاتم الادیان بنایا جو دین آپ لائے اس کے بعد کوئی دین نہیں اسی طرح آپ کی مسجد کو آخری مسجد بنایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے بعد کوئی ایسی مسجد نہیں جو کسی نبی کی طرف سے بنائی جائے گی۔ زمین میں سب سے پہلی مسجد حرم مکی ہے پھر مسجد اقصیٰ دونوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہے جہاں تک مسجد نبوی ہے وہ خاتمۃ مساجد الانبیاء ہے اس وجہ سے اس کو بہت بڑی فضیلت ہے۔

۵۷۲-حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

عرض کیا زمین میں سے سب سے پہلے کون سی مسجد بنائی گئی؟ فرمایا مسجد حرام۔ میں نے عرض کی پھر کون سی مسجد؟ فرمایا پھر مسجد اقصیٰ۔ میں نے عرض کی دونوں کے درمیان کتنا عرصہ ہے فرمایا چالیس سال فرمایا جہاں تجھے نماز کا وقت ہو جائے وہاں ہی نماز پڑھ لو ساری زمین تیرے لئے مسجد ہے۔ متفق علیہ۔

سب سے پہلی مسجد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنائی جب آپ کی اولاد زمین میں پھیل گئی تو انہیں میں سے ایک نے مسجد اقصیٰ بنائی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کو نئے سرے سے بنایا جس طرح حضرات داؤد وسلیمان نے مسجد اقصیٰ کو نئے سرے سے بنایا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

کیونکہ یہ کہنا صحیح نہیں کہ سب سے پہلے جس نے کعبہ مشرفہ کی تعمیر کی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور سب سے پہلے جس نے مسجد اقصیٰ بنائی وہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں کیونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے درمیان دو سو سال کا عرصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

رہا مسجد نبوی کا آخری مسجد ہونا وہ اس لئے ہے کہ

۵۷۲-حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز پڑھنا دوسری مساجد میں ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے کیونکہ میں انبیاء میں سے سب سے آخر میں ہوں اور میری یہ مسجد آخری مسجد ہے۔ متفق علیہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

۵۷۴-حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خاتم الانبیاء اور میری مسجد خاتم مساجد الانبیاء ہے مساجد میں سے وہ مساجد جو زیارت کی مستحق ہیں اور جن کے لئے سواریوں کو تیار کرنا چاہئے وہ مسجد حرام اور میری مسجد ہے اسے بزار اور دیلمی نے روایت کیا ہے اور ابن نجار نے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے اور اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ہے وہ ضعیف ہے لیکن سابقہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک شہر کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا ہے جو دوسرے شہروں کو کھا جائے گا (ان پر سردار بنے گا، لوگ اسے یثرب کہتے ہیں جبکہ وہ مدینہ ہے یہ (برے) لوگوں کو یوں نکال دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو نکال دیتی ہے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے مدینہ کا نام طابہ رکھا ہے اسے مسلم نے روایت کیا ہے جو جابر بن سمرہ سے مروی ہے۔

یہ طیبہ ہے یہ برے لوگوں کو یوں نکال دے گا جس طرح آگ چاندی کے میل کچیل کو نکال دیتی ہے

اسے امام بخاری نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا جس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی اسے احمد، ترمذی، ابن حبان، حاکم نے روایت کیا سب نے اسے صحیح قرار دیا نیز ابن ماجہ، دارمی اور ابو یعلی نے بھی روایت کیا ہے۔

مسجد نبوی میں نماز پڑھنے والے کے لئے اجر میں کئی گنا اضافہ

مدینہ منورہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی مسجد میں نماز پڑھنے پر اجر میں کئی گناہ اضافہ کر دیا ہے یہاں تک کہ وہ ایک نماز جو اس میں پڑھی جائے دوسری مساجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں پر فضیلت رکھتی ہے سوائے مسجد حرام کے یہ اجر فرض و نفل دونوں نمازوں میں ہے اس کی وضاحت ان شاء اللہ بعد میں آئے گی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی فضیلت تواتر سے آئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح اسانید، حسن اسانید یا ایسی اسانید جن سے تمسک کیا جاتا ہے ان کے ذریعہ تقریباً بیس صحابہ سے یہ مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ان روایات میں سے ایک یہ ہے۔

۵۷۵- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا میری اس مسجد میں پڑھی گئی ایک نماز دوسری مساجد میں پڑھی گئی ہزار نمازوں کے اوپر فضیلت رکھتی ہے سوائے مسجد حرام کے۔ متفق علیہ

۵۷۶- حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں پڑھی گئی ہزار نمازوں کے اوپر فضیلت رکھتی ہے سوائے مسجد حرام کے اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام احمد نے بعینہ اسی سند سے جس سے امام مسلم نے روایت کیا ہے حدیث روایت کی ہے لیکن اس میں الفاظ کی زیادتی ہے اور اس میں الفاظ یہ ہیں۔

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں پڑھی گئی دو ہزار نمازوں کے اوپر فضیلت رکھتی ہے سوائے مسجد حرام کے۔ اس روایت میں زیادتی دوسری روایات میں مروی زیادتی سے دوگنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۵۷۷- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا ایک عورت نے شکایت کی کہا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی تو میں گھر سے نکلوں گی اور بیت المقدس جا کر نماز پڑھوں گی وہ صحت یاب ہوگئی پھر جانے کے لئے تیاری شروع کر دی پھر حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی آپ کو سلام کیا اور اپنے سفر کے بارے میں بتایا آپ نے فرمایا بیٹھ جا جو کچھ زاد راہ تیار کیا ہے اسے کھا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مسجد میں نماز ادا کر کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھا ہے میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے بیت اللہ شریف کے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۵۷۸- حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اسے احمد، ابن ابی شیبہ، طیالسی، بخاری نے اپنی تاریخ، بزار، ابویعلی اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے سب محمد بن طلحہ بن زیدہ بن رکانہ سے اور وہ حضرت جبیر سے نقل کرتے ہیں۔ یہ سند منقطع ہے کیونکہ محمد بن طلحہ جبیر سے نہیں ملے لیکن طبرانی نے اس سند کے علاوہ دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے اسے حصین بن عبدالرحمٰن سے اور وہ محمد بن جبیر سے وہ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں اس کے یہ راوی صحیح کے راوی ہیں جس طرح انہوں نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے جیسے قیس بن ربیع وہ عبدالملک بن عمیر سے وہ نافع بن جبیر سے وہ اپنے باپ سے اور طبرانی نے اسے محمد بن علی بن غراب کوفی اور یحییٰ بن عبدالحمید حمانی سے وہ قیس سے روایت کرتے ہیں اس طرح حدیث کی صحت اور اس کا اتصال واضح ہو گیا کیونکہ حمانی کے علاوہ سند ثقہ ہے اس راوی میں بہت گفتگو کی جاتی ہے جبکہ یہ حفاظ میں سے ہے لیکن پہلی سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم اسے ابن خزیمہ ابونعیم اور دوسرے لوگوں نے بھی روایت کیا ہے۔

۵۷۹- حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں پڑھی گئی ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اسے احمد اور عبدالرزاق نے صحیح راویوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔

۵۸۰- حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ہزار نمازوں کے اوپر فضیلت رکھتی ہے سوائے مسجد اقصیٰ کے اسے احمد نے صحیح راویوں سے روایت کیا ہے۔

۵۸۱- حضرت ابوہریرہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے اور اس میں لفظ شک نہیں اسے احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں ان کا قول الا المسجد الاقصیٰ معنیٰ صحیح ہے لیکن لفظ اس روایت سے مختلف ہے جو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر سے ثابت ہے وہ ہے الا المسجد الحرام شاید روایت میں وہم حاصل ہوا یا تحویل کتاب کے دوران وہم حاصل ہوا کیونکہ عبدالرزاق نے اسے اپنی مصنفہ میں روایت کیا ہے اسی طرح احمد نے اپنی مسند میں صحیح پر روایت کیا جس طرح پہلی روایت میں تھا مگر مسجد حرام کیونکہ سند ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ

بہتر جانتا ہے۔

۵۸۲-حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔اسے ابن ابی شیبہ، اسحاق، احمد، بزار، ابویعلی اور ترمذی نے علل میں دوسری سند سے اور طحاوی نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں احمد کی سند کے راوی ثقہ ہیں ابن ابی شیبہ، بزار اور طحاوی کی سند کے راوی ثقہ ہیں ابن ابی شیبہ، بزار اور طحاوی کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ہے اور ابویعلی، ترمذی اور اسحاق کی سند میں جابر العلاف ہے ابن حبان نے اسے ثقہ لوگوں میں ذکر کیا۔ بخاری، ابن ابی حاتم نے اس میں جرح وتعدیل ذکر نہیں کی احمد کے واسطہ سے حدیث صحیح ہے دوسری روایات اس کی متابع ہیں۔اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۵۸۳-عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں پڑھی گئی ہزار نمازوں سے بہتر ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز اس مسجد میں پڑھی گئی سو نمازوں سے بہتر ہے۔اسے احمد، ترمذی نے علل میں، طحاوی، طبرانی نے کبیر میں، ابن عبدالبر، عبد بن حمید، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اسی لفظ سے روایت کیا، طیالسی نے اس کا اختصار نقل کیا عبدالرزاق نے آخری جملہ کے بغیر نقل کیا اور بزار نے صحیح روایوں سے اس لفظ کے ساتھ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ فَاِنَّهٗ يَزِيْدُ عَلَيْهِ مِائَةٌ نقل کیا ہے۔بیہقی نے اسے سنن اور شعب میں روایت کیا ہے۔

۵۸۴-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اسے احمد، ابویعلی، بزار اور طحاوی نے روایت کیا ہے احمد اور ابویعلی کی روایت میں عبدالرحمٰن بن ابی زناد ہے کئی علماء نے اس کی توثیق کی ہے اور ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔دونوں نے اس حدیث کو سلیمان بن داؤد ہاشمی کے واسطہ سے نقل کیا ہے اس کی سند حسن ہے بزار، طحاوی اور شاشی نے ایک اور سند سے روایت کیا ہے ان کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی ہیں جو ضعیف ہے وہ ابن ابی زناد کی حدیث کا شاہد ہے لیکن طحاوی نے ایک اور سند سے اس کو ذکر کیا اس میں اس راوی کا ذکر نہیں اور کنز میں اسے سعید بن منصور کی طرف منسوب کیا ہے۔

۵۸۵-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں پر فضیلت رکھتی ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک لاکھ نمازوں سے بہتر ہے۔احمد اور ابن ماجہ نے صحیح

سند کے ساتھ اسے نقل کیا۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابن عبدالبر اور طحاوی نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں الف (ہزار) کا لفظ موجود نہیں اس کے الفاظ یہ ہیں مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مساجد میں سو نمازوں سے بہتر ہے شاید ہزار کا حکم رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۵۸۶-حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اسے بزار نے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اس کی سند میں ابو بحر بکراوی ہے اسے احمد اور ابوداؤد نے ثقہ قرار دیا ہے ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا ہے لیکن سابقہ احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔

۵۸۷-حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد حرام میں ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر میری مسجد میں ایک نماز ہزار نمازوں کے برابر اور بیت المقدس میں ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے۔ اسے بزار، طبرانی اور ابن عبدالبر نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ بزار نے کہا یہ اچھی سند ہے اسے ابن خزیمہ اور دوسرے علماء نے بھی روایت کیا ہے۔

۵۸۸-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اسے احمد، بزار اور طحاوی نے روایت کیا ہے یہی اس کے الفاظ ہیں اسے ابن حبان، بخاری نے اپنی تاریخ اور ابو یعلی نے صحیح راویوں کے ساتھ نقل کیا ہے لیکن اس میں سو کا ذکر ہے۔

میں کہتا ہوں اسے بزار نے ایک سند سے ذکر کیا ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔

۵۸۹-حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔ سوائے مسجد حرام کے اسے بزار نے روایت کیا ہے یہ اسی کے الفاظ ہیں اور ابو ہریرہ کی روایت صحیح میں مکمل ہے اور حضرت علی شیر خدا کی روایت ترمذی میں ہے لیکن اس میں نماز کا ذکر نہیں اسے بزار نے روایت کیا ہے اس میں سلمہ بن وردان ضعیف ہے ہیثمی نے بھی زوائد میں یہی کہا ہے لیکن بزار حضرت ابی ہریرہ کی روایت کے متعلق کہتے ہیں۔ صحیح میں یہ روایت مکمل موجود ہے سوائے لفظ قبر کے وہ اسی طرح ہے۔

بزار کی روایت کی تائید سابقہ احادیث بھی کرتی ہیں۔

۵۹۰-ارقم بن ابی الارقم سے مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تاکہ الوداعی سلام عرض کروں میں بیت المقدس کی طرف جانا چاہتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہاں

کا ارادہ ہے میں نے عرض کی میں بیت المقدس جانا چاہتا ہوں فرمایا سبب کیا ہے کیا تجارت کی غرض سے جانا چاہتے ہو میں نے عرض کی نہیں بلکہ میں وہاں نماز کے لئے جانا چاہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس مسجد میں نماز پڑھنا وہاں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے اسے طبرانی نے صحیح راویوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ حاکم نے مستدرک میں نقل کیا اور صحیح قرار دیا امام ذہبی نے اس کی توثیق کی اسے احمد نے روایت کیا اس کی سند میں یحییٰ بن عمران ہے جسے ابو حاتم نے مجہول قرار دیا۔ ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے جس طرح تعجیل منفعۃ میں ہے لیکن اس کی حدیث میں یہ لفظ ہے یہاں نماز اپنے ہاتھ سے مکہ کی طرف اشارہ کیا ہزار نماز سے بہتر ہے اور اپنے ہاتھ سے شام کی طرف اشارہ کیا۔

اور کنز میں اسے ابو عوانہ اور سعید بن منصور اور دوسرے راویوں کی طرف منسوب کیا۔ اگر یہ اجازت مدینہ طیبہ میں طلب کی گئی جبکہ یہی ظاہر ہے کیونکہ باہمی فضیلت اسی میں ثابت ہے۔ طبرانی کی روایت مدینہ کی مسجد کی تخصیص کرتی ہے۔ واللہ اعلم

۵۹۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا میں طور آیا مجھے جمیل بن بصرہ ملا اس نے مجھ سے کہا کہاں سے آنا ہوا میں نے جواب دیا طور سے آیا ہوں فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔

اگر تم اس مسجد میں نماز پڑھتے تو تمہارے حق میں بہتر ہوتا اسے بزار نے روایت کیا ہے اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے اس کے اپنے شیخ کے اسے احمد اور طبرانی نے کبیر اور اوسط میں دوسری سند سے روایت کیا ہے۔

۵۹۲- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا پھر اس کی مثل ذکر کیا اور اسے مرفوع نہ کیا اسی طرح شرح معانی الآثار میں ہے۔ انہوں نے اسے حضرت عبداللہ بن زبیر کی حدیث کے بعد ذکر کیا اور اس کے الفاظ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام میں ایک نماز اس مسجد میں ایک سو نمازوں سے بہتر ہے حافظ نے اسے مطالب میں حمیدی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اسے اپنی مصنفہ میں ذکر کیا لیکن اس میں الف (ہزار) کی جگہ مأۃ (سو) کا لفظ ہے۔ مسند حمیدی میں سمعت عمر بن خطاب کے الفاظ نہیں اس میں ابن زبیر کا قول ہے مسند یہی ہے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ابن عبدالبر نے تمہید میں اسے حضرت عمر پر موقوفاً ذکر کیا جس طرح ابن زبیر کی روایت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل کہا جس طرح حافظ نے نقل کیا اور اس جیسی بات رائے سے

نہیں کہی جاتی اس حدیث کا حکم مرفوع جیسا ہوگا۔

۵۹۳-قتادہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اسے عبدالرزاق نے رجال صحیح کے ساتھ نقل کیا لیکن یہ مرسل ہے۔ لیکن حدیث سابقہ سندوں کیوجہ سے صحیح ہے۔

۵۹۴-حضرت نافع رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ کی مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے عبدالرزاق نے اسے صحیح کی شرط پر روایت کیا ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے لیکن حدیث سابقہ سندوں کی وجہ سے صحیح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس حدیث میں کئی مسائل ہیں۔

(۱) کیا نماز میں یہ باہمی فضیلت عام مساجد میں نماز کے ساتھ خاص ہے سوائے مساجد انبیاء کے یا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی کیا یہ فضیلت انبیاء کی مساجد کے ساتھ خاص ہے اسی لئے دوسری عام مساجد بھی اس میں شامل ہیں۔

اکثر احادیث اس سلسلہ میں عام ہیں کسی مسجد کے ساتھ مقید نہیں سوائے حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے جو امام مسلم کی روایت ہے اس کے الفاظ یہ ہے میری اس مسجد میں ایک نماز ان ہزار نمازوں سے بہتر ہے جو دوسری مساجد میں پڑھی جائیں سوائے مسجد حرام کے کیونکہ میں آخری نبی ہوں اور میری یہ مسجد انبیاء کی آخری مسجد ہے۔ حدیث کا پہلا حصہ متفق علیہ ہے جس طرح حدیث نمبر ۵۷۵ میں گزر چکا ہے۔

اس روایت کا ظاہر اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز انبیاء کی مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے نہ کہ مطلق مساجد کے ساتھ یہ حکم متعلق ہے۔ واللہ اعلم۔

جب مسجد اقصیٰ میں ایک نماز دوسری مساجد میں نمازوں کی بنسبت پانچ سو یا ہزار نمازوں پر فضیلت رکھتی ہے تو پس مسجد نبوی میں ایک نماز تمام مساجد پر کئی گنا فضیلت رکھے گی جس طرح روایات میں مذکور ہے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں گزر چکا ہے بیت المقدس میں ایک نماز دوسری مساجد میں پانچ سو نمازوں پر فضیلت رکھتی ہے۔

جبکہ ان کے علاوہ دوسری حدیث میں اس سے دوگنا کا ذکر ہے۔

۵۹۵-حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بیت المقدس کے بارے بتائیے فرمایا یہ حشر ونشر کی زمین ہے وہاں آؤ تو نماز پڑھو کیونکہ اس میں ایک نماز ہزار نماز کی طرح ہے اسے احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ اور طبرانی نے روایت کیا ہے اس کے

راوی ثقہ ہیں۔

اس حدیث میں مسجد اقصیٰ میں ایک نماز دوسری عام مساجد میں ایک ہزار نمازوں کے برابر ہے سوائے انبیاء کی مساجد کے۔

جبکہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے پر فضیلت کی نص وارد ہوئی ہے۔

۵۹۶-حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے کہ ہم نے باہم بات چیت شروع کی کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے مسجد نبوی یا بیت المقدس تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز بیت المقدس میں چار نمازوں سے بہتر ہے وہ کتنی ہی اچھی نماز کی جگہ ہے۔اسے طبرانی نے اوسط میں نقل کیا ہے اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا امام ذہبی نے اس کی توثیق کی ہے۔

۵۹۷-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو الوداع کیا فرمایا کہاں کا ارادہ ہے اس نے عرض کی بیت المقدس جانے کا ارادہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں سو نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اسے ابویعلی نے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن حبان نے روایت کیا ہے نیز احمد، بزار اور طحاوی نے روایت کیا اس میں ایک ہزار نمازوں کا ذکر ہے۔

اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے دونوں نصوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں نماز پر کئی گنا اجر کا ذکر کیا اس نماز کی بنسبت جو بیت المقدس میں پڑھی جائے پھر آپ نے اس سے مزید اجر کا ذکر کیا جب بیت المقدس میں ایک نماز ہزار نماز کے برابر ہے تو مسجد نبوی میں ایک نماز دوسری مساجد کی بنسبت ایک لاکھ نمازوں سے بڑھ کر ہے سوائے مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے جب پہلی احادیث میں ایک ہزار نمازوں سے افضل ہونا مسجد اقصیٰ کو بھی شامل ہے جس طرح حضرت ابوہریرہ کی روایت میں ہے جو امام مسلم کے پاس ہے تو مسجد نبوی میں ایک نماز دس لاکھ نمازوں سے بڑھ کر ہوگی اگر وہ (بیت المقدس) شامل نہ ہو تو مسجد نبوی میں ایک نماز دوسری مساجد میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوگی جس طرح ابوسعید کی روایت میں ہے۔شاید یہ فرق نماز پڑھنے والوں کے مقام کے مختلف ہونے، نمازوں کے مختلف ہونے یا اعمال کے مختلف ہونے یا ان نمازوں میں خلوص یا نیت کی صداقت کے اعتبار سے ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

جو تعبیر بھی کی جائے یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اس فضل و زیادتی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اس جیسی فضیلت بلکہ اس سے کم کے لئے بھی سفر کیا جانا چاہئے اللہ تعالیٰ ہی توفیق اور ہدایت دینے والا ہے۔

نمبر ۲: آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں استثناء (الا المسجد الحرام) کا کیا مطلب ہے۔

سابقہ تمام روایات میں یہ بات آئی ہے الا المسجد الحرام اس مفاضلہ سے استثناء کی گئی ہے اس استثناء (الا المسجد الحرام) میں چار طرح کے اقوال ہیں۔

(۱) دونوں مسجدوں میں فضیلت کی برابری ہے یعنی مسجد نبوی اور مسجد حرام دونوں میں نماز ایک جیسی فضیلت کی حامل ہے

ابن بطال رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا اس استثناء میں جائز ہے کہ یہ مراد ہو کہ مسجد حرام مسجد نبوی کے برابر ہے یا فضیلت رکھتی ہے یا اس سے مفضول ہے پہلا قول راجح ہے کیونکہ اگر وہ فاضل یا مفضول ہوتی تو اس کی تعداد دلیل سے ہی جانی جاتی سوائے مساوات کے۔

آپ کے قول پر اعتراض کیا گیا کہ شاید وہ حضرت عبداللہ بن زبیر اور دوسروں کی روایت پر آگاہ نہیں ہوئے جن میں یہ تصریح موجود ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز مسجد نبوی میں نماز سے افضل ہے اس کے اوپر گفتگو بحث کے آخر میں ہوگی۔ ان شاء اللہ۔

(۲) مسجد نبوی میں ایک نماز دوسری مساجد میں ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے کیونکہ مسجد نبوی شریف میں ایک نماز مسجد حرام میں نماز سے افضل ہے مگر ایک ہزار سے کم بعض نے اس کی حد بھی بیان کی ہے کہ مسجد نبوی میں ایک نماز حرم مکی میں نوسو نمازوں سے بہتر ہے جس طرح دوسری مساجد کی بنسبت ایک ہزار گناہ فضیلت رکھتی ہے۔

یہی امام مالک اور آپ کے متبعین کا موقف ہے۔

ان لوگوں نے اس باب کی حدیث اور حضرت عمر بن خطاب کی روایت کو جمع کرنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔

۵۹۸- حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے مسجد حرام میں ایک نماز دوسری مساجد میں سو نمازوں سے بہتر ہے اسے ابن عبدالبر نے روایت کیا ہے پس مسجد نبوی میں ایک نماز مسجد حرام میں نو سو نمازوں کے اوپر فضیلت رکھے گی اور دوسری مساجد میں ہزار نمازوں پر۔ واللہ اعلم۔

لیکن اس روایت میں کوئی دلیل نہیں جس طرح ابن عبدالبر نے کہا کیونکہ اس کی سند میں اور لفظ میں اختلاف ہے اور جو راوی ان سے ثقہ ہیں انہوں نے ان کی مخالفت کی ہے پھر آپ نے صحیح لفظ ذکر کیا ہے۔

۵۹۹- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا مسجد حرام میں ایک نماز مسجد نبوی میں ایک سو نمازوں سے بہتر ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اس سند سے یہی روایت محفوظ ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی مروی ہے جس طرح عبدالرزاق، حمیدی،

ابن عبدالبر اور دوسرے علماء کے ہاں موقوف و مرفوع دونوں طرح مروی ہے نسائی کے ہاں حضرت عبداللہ بن عمر سے مرفوع وارد ہے اور طحاوی کے ہاں حضرت جابر سے مرفوع منقول ہے ان روایات کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

حضرت ابن البر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت کے بارے میں کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قوی یا ضعیف سند سے کوئی ایسی روایت مروی نہیں جو اس حدیث کے معارض ہو نہ ہی کسی صحابی سے کوئی اثر مروی ہے یہ حدیث ثابت ہے اور کسی کی طرف سے بھی اس میں طعن نہیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت جس کا نمبر ۵۸۳ ہے گزر چکی ہے اسے احمد نے، ترمذی نے علل میں، طحاوی نے، طبرانی نے کبیر میں، عبد بن حمید نے، عبدالرزاق، ابن حبان، بزار، طیالسی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسجد نبوی میں نماز دوسری مساجد میں ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے کیونکہ مسجد حرام میں ایک نماز مسجد نبوی میں سو نمازوں سے بہتر ہے۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا امام شافعی اور جمہور علماء کے نزدیک الا المسجد الحرام کا یہ معنی ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز میری مسجد میں نماز سے بہتر ہے اور امام مالک اور آپ کے متبعین کے نزدیک الا المسجد الحرام کا معنی یہ ہے کہ میری مسجد میں ایک نماز مسجد حرام میں نماز سے بہتر ہے لیکن ہزار سے کم۔

(۴) اس مسئلہ میں چوتھا قول توقف ہے امام باجی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا لوگوں نے اس استثناء کے معنی میں اختلاف کیا اس مسئلہ کی بنیاد علماء کے نزدیک اس چیز پر ہے کہ دونوں شہروں میں سے کون سا شہر افضل ہے مگر اس جگہ استثناء جس چیز کا تقاضا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کا حکم فضیلت میں تمام دوسرے شہروں سے خارج ہو جس میں فضیلت کا ذکر خبر میں آیا ہے مکہ کی فضیلت کا حکم اس خبر سے معلوم نہیں پس یہ بھی صحیح ہے مکہ مکرمہ میں نماز پڑھنا افضل ہو اور یہ بھی صحیح ہے کہ دونوں برابر ہوں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے جو چیز دلیل کے اعتبار سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ جمہور کا نقطہ نظر زیادہ راجح ہے اور حرم مکی میں نماز پڑھنا مسجد نبوی میں سو نمازیں پڑھنے سے افضل ہے جبکہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنا دوسری مساجد میں ہزار نمازیں پڑھنے سے افضل ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الثالثة: کیا یہ کئی گنا ثواب فرض نماز کے ساتھ خاص ہے یا نفلوں کو بھی شامل ہیں علماء کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

(۱) امام طحاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقطہ یہ ہے کہ مسجد نبوی، حرم مکی اور بیت المقدس میں نماز کی فضیلت صرف فرضوں کے ساتھ خاص ہے نہ کہ نفلوں کے ساتھ یہی امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ

کا نقطہ نظر ہے۔

اس مسئلہ میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی روایت سے استدلال کیا گیا کہ آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جو گھر میں پڑھی جائے مگر فرض نماز پھر فرمایا جب یہ اسی طرح مروی ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا تو آثار کی تصحیح ثابت کرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز جسے گھروں میں پڑھی جانے والی نماز پر فضیلت ہے وہ وہ نماز ہے جو گھروں میں پڑھی جانے والی نماز سے مختلف ہے پس وہ فرض نماز ہے۔

عقلی طور پر یوں استدلال کیا (جس طرح ان کی رائے ہے) کہ ایک آدمی جب یہ کہے اللہ تعالیٰ کے لئے میرے اوپر لازم ہے کہ مسجد حرام میں دو رکعت نماز پڑھوں پس جو نماز اس نے اپنے اوپر واجب کی ہے وہ عبادت ہوگی جہاں کہیں بھی ہو یہ اس پر واجب ہے اگر اس نے مسجد حرام میں ٹھہرنے کو واجب کیا وہ واجب نہیں ہوگا اگرچہ اس کا ٹھہرنا عبادت ہوگا اگر اس نے ایسا کیا اسی وجہ سے جس نے اپنے اوپر مسجد حرام میں نماز پڑھنے کو واجب کیا اس پر نماز واجب ہوگی لیکن مسجد حرام میں ٹھہرنا واجب نہ ہوگا یہ آپ کے استدلال کی تلخیص ہے جس طرح انہوں نے کہا امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا قول بھی یہی ہے۔

(۲) دوسرا قول: احناف میں سے امام ابو یوسف اور دوسرے علماء کا ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے کہ یہ فضیلت فرض اور نفل دونوں نمازوں میں ہے۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جان لو ہمارا مذہب یہ ہے کہ دونوں مساجد میں نماز کی فضیلت صرف فرض نماز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ فرض اور نفل دونوں کو عام ہوگی یہی بات امام مالک کے اصحاب میں سے مطرف نے کہی ہے اور طحاوی نے کہا یہ صرف فرض نماز کے ساتھ خاص ہے اور ان احادیث صحیحہ کے مطلق ہونے کے خلاف ہے۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا یہ کہنا ممکن ہے کہ اس حدیث کو اپنے عموم پر باقی رکھنے میں کوئی مانع نہیں پس مدینہ یا مکہ کے گھر میں نفل نماز پڑھنا کئی گنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہوتا ہے بنسبت کسی دوسرے شہر میں گھر کے اندر نماز پڑھنے سے یہی صورتحال مسجدوں کی ہوگی اگرچہ گھروں میں نفل نماز پڑھنا مطلق افضل ہے۔

حدیث کے الفاظ ''صلوۃ فی مسجدی ہذا'' جب صلوٰۃ کا لفظ نکرہ آیا ہے پس یہ عموم پر دلالت کرے گا لفظ صلوۃ کو معرف باللام ذکر نہیں کیا کہ اسے کسی معین نماز کی طرف پھیرا جائے پس یہ فرض نماز ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر ۴: کیا یہ کئی گنا اجر مسجد نبوی میں اضافہ کے ساتھ بھی متعلق ہوگا یا صرف اس حصہ کے ساتھ خاص ہے جو صرف زمانہ نبوت میں موجود تھا۔

علماء کے اس مسئلہ میں بنیادی دو قول ہیں

(۱) یہ اجر میں زیادتی صرف اس مسجد کے ساتھ خاص ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی اور اجر کی زیادتی ان اضافوں کے متعلق نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کئے گئے۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جان لو اجر میں کئی گنا اضافہ صرف اس مسجد کے ساتھ خاص ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی نہ کہ وہ حصہ جو بعد میں شامل کیا گیا پس نمازی کو چاہئے کہ وہ صرف اس حصہ کا حریص ہو اور جو میں نے ذکر کیا ہے اس کو ذہن نشین رکھے اس کو میں نے کتاب المناسک میں واضح کیا ہے۔ واللہ اعلم

اور مجموع اور ایضاح میں مزید یہ اضافہ کیا۔" لیکن اگر اس نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی تو فضیلت پہلی صف کو حاصل ہوگی پھر اس کے بعد والی صف کو" جس چیز سے میں نے آگاہ کیا ہے اس کو ذہن نشین کرلو۔

ابن حجر مکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اور ان کی ابن عقیل حنبلی اور سبکی نے موافقت کی۔ ابن تیمیہ نے اعتراض کیا اور خوب طوالت کی اور محب طبری نے مخالفت کی۔ اور ایسے آثار ذکر کئے جن سے دلیل قائم نہیں ہوتی پھر میں نے تقریب الاسانید کی شرح ولی عراقی کو دیکھا انہوں نے امام نووی کے قول کی زبردست تائید کی۔

امام زرکشی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ان کا جس چیز پر انحصار ہے وہ اس قول میں اسم اشارہ ہے۔

ابی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام نووی کا کلام نقل کرنے کے بعد کہا کہ مسجد میں جو اضافہ حضرت عثمان نے کیا وہ فضیلت کو شامل نہیں کیونکہ یہ ان کی تعمیر شدہ ہے جو چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ انہوں نے مسجد بنائی ان کا یہ استدلال ہے کہ جب انہوں نے مسجد نبوی میں اضافہ کا ارادہ کیا تو لوگوں نے آپ کے اس عمل کو ناپسند کیا تو آپ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ جنت اعلیٰ میں اس کے لئے گھر بنائے گا تو انہوں نے اس کی تعمیر کو اپنی طرف منسوب کیا۔

امام قسطلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں مسجدی ھذا میں اسم اشارہ کو غلبہ دیں تو اجر میں کئی گنا اضافہ اس میں محصور ہوگا اور جو بعد میں اضافہ کیا گیا اسے عام نہیں کیونکہ اجر میں تضعیف صرف آپ کی مسجد میں واقع ہوئی ہے اور آپ نے اس ارشاد "ھذا" کے ساتھ اس کی تاکید ذکر کی۔ امام نووی نے اس کی تصریح کی سوائے مسجد حرام کے کیونکہ وہ تمام حرم کو شامل ہے۔

(۲) دوسرا قول: اجر میں زیادتی تمام اضافوں کو بھی شامل ہے یہ صرف اس کے حصہ کے ساتھ خاص نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھی یہی وہ نقطہ نظر ہے جو احناف، بعض شوافع، حنابلہ اور مالکیہ سے اخذ کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

امام عینی رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ نے کہا آپ کا ارشاد ''فی مسجدی ہذا'' اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ مدینہ کی مسجد میں نماز کے اجر میں اضافہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود مسجد کے ساتھ خاص ہے نہ ان کو جو بعد میں خلفاء راشدین کے زمانوں میں اضافے کئے گئے سوائے مسجد حرام کے کیونکہ وہ اس دور کی مسجد کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ یہ تمام مسجد حرام کو عام ہے۔

میں کہتا ہوں یعنی امام عینی، جب اسم اور اشارہ جمع ہو جائیں تو کیا اسم کو غلبہ دیا جائے گا یا اسم اشارہ کو اس میں اختلاف ہے۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ اسم اشارہ کو غلبہ دینے کی طرف گئے ہیں اس وجہ سے فرمایا جب کوئی مقتدی کہے میں نے اس زید کی اقتداء کی تو وہ عمرو تھا تو اسم اشارہ کو غلبہ دینے کی بناء پر اقتداء صحیح ہوگی۔

ابن رفعہ نے عدم صحت کا قول کیا ہے اور کہا جس کی تعیین واجب نہ ہو جس نے اس کی تعیین کی اور تعیین میں غلطی کی تو اس نے عبادت کو فاسد کر دیا۔

رہا ہمارا نقطہ نظر (یعنی احناف کا) جو ان کے قول سے عیاں ہے جب اس نے کسی معین شخص کی اقتداء کی پھر یہ ظاہر ہو کہ یہ اور ہے تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ اسم، اشارہ پر غالب آجاتا ہے۔

اسی طرح محب طبری نے کہا اور یہ قول نقل کیا کہ امام نووی نے پہلے قول سے رجوع کر لیا تھا۔ وفاء الوفاء میں بھی اسی طرح ہے جبکہ انہوں نے اس کی تردید کی کیونکہ احکام میں جو وارد ہوا امام نووی نے اس کی تعیین نہیں کی بلکہ وہ آپ کے دور کے بعض ائمہ تھے ناقل نے گمان کیا کہ وہ امام نووی ہیں حالانکہ معاملہ ایسے نہیں۔

امام سمہودی رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ اس طرف مائل ہوئے ہیں کہ اجر میں اضافے پوری مسجد کو شامل ہیں۔

امام مالک رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ سے پوچھا گیا۔ مسجد کی حد جس میں حدیث وارد ہے کیا وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھی یا جو اس کی اب حد ہے۔

فرمایا: بلکہ وہ حد ہے جو آج ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چیزوں کی بھی خبر دی گئی جو بعد میں وقوع پذیر ہوئیں آپ کے لئے زمین سمیٹی گئی زمین کے مشرق و مغرب آپ کو دکھائے گئے جو واقعات بعد میں ہونے والے تھے ان کی آپ نے خبر دی جس نے اس وقت یاد کر لیا اس نے یاد کر لیا اور اس نے بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔

(۵) کیا یہ تضاعف نماز کے ثواب کے ساتھ خاص ہے یا دوسری نمازوں کے قائم مقام ہونے کی طرف متعدی ہوگا۔

ان احادیث میں ذکر شدہ زیادتی نماز میں ثواب کی زیادتی کی طرف لوٹے گی یہ فوت شدہ نمازوں کے قائم مقام ہونے کی طرف متعدی نہ ہوگی جس کی تھوڑی یا بہت نمازیں فوت ہو جائیں تو مسجد نبوی یا حرم

پاک میں ایک نماز ان نمازوں کے قائم مقام نہ ہوگی بلکہ ان کی قضا ضروری ہوگی۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا علماء نے فرمایا یہ زیادتی صرف ثواب کی طرف لوٹے گی اس میں ایک نماز دوسری مساجد میں ہزار نماز کے ثواب سے بڑھ کر ہوگی یہ فوت شدہ نمازوں کے قائم مقام نہ ہوگی یہاں تک کہ اگر اس کے ذمہ دو نمازیں ہوں اور وہ مدینہ طیبہ کی مسجد میں ایک نماز پڑھے تو یہ نماز ان کے قائم مقام نہ ہوگی اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

(۶) کیا مسجد نبوی میں پڑھی گئی نماز میں زیادتی صرف ہزار کے ساتھ خاص ہے یا اس سے زیادہ بھی اجر ہو سکتا ہے۔

بے شک سابقہ احادیث واضح کرتی ہیں کہ مسجد نبوی میں پڑھی گئی نماز کے اجر میں اضافہ بے شک دوسری مساجد میں ہزار نمازوں سے بڑھ کر ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے واضح ہے۔ **افضل من الف ،خیر من الف۔**

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جان لو مدینہ طیبہ کی مسجد میں پڑھی گئی نماز باقی مساجد میں پڑھی گئی ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اس کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ وہ ہزار نمازوں کے برابر ہے بلکہ یہ ہزار سے زائد ہے جس طرح کہ ان احادیث نے اس کی تصریح کی ہے۔ **افضل من الف صلاۃ، خیر من الف صلوٰۃ** اور اسی کی مثل۔

پس یہ ہزار سے زائد ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے اس کی ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اس کے علاوہ بھی کئی مسائل ہیں جن میں سے بعض پہلے گزر چکے ہیں اور بعض دوسرے بعد میں آئیں گے جس طرح ان تین مساجد میں نذر ماننا ان شاء اللہ تعالیٰ

اس آدمی کا ثواب جس نے لگاتار اس میں چالیس نمازیں پڑھیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مسجد کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جس نے اس میں لگاتار چالیس نمازیں پڑھیں جن میں سے کوئی نماز فوت نہ ہو اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے بڑی شانیں عطا فرمائے گا اور کئی نوازشات سے عزت بخشے گا جیسے جہنم سے رستگاری، عذاب سے نجات، نفاق سے برأت۔

۶۰۰۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جس نے میری اس مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اس کی کوئی نماز فوت نہ ہوئی اس کے حق میں جہنم سے آزادی، عذاب سے نجات اور نفاق سے برأت لکھ دی جائے گی۔ اسے احمد، طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ہیثمی نے کہا ترمذی نے اس کے بعض کو روایت کیا اور منذری نے کہا اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

میں کہتا ہوں ترمذی کی روایت کے الفاظ آنے والی روایت جیسے ہیں۔

۶۰۱- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جس نے چالیس روز تک جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اس حال میں کہ اس نے تکبیر اولی پائی اس کے لئے دو برائتیں لکھ دی گئیں ایک جہنم سے رستگاری نمبر دو نفاق سے رستگاری اس کی سند حسن ہے اور اس کے اور بھی شواہد ہیں۔

بعض لوگوں نے اس امت پر اللہ تعالیٰ کے فضل کو کثیر سمجھا ہے وہ فضل جو اس حدیث میں ظاہر ہے اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنے تھوڑے عمل پر آدمی کو اتنا زیادہ اجر دیا جائے۔

یہ ان لوگوں کی غفلت ہے شائد وہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کے کرم اور فضل واحسان کو نہیں جانتے اور نہ ہی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے افعال کے بارے نہیں پوچھا جائے گا جبکہ ان سے پوچھا جائے گا۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو عزت سے نوازنا چاہے تو وہ اسے عطا فرماتا ہے اس کے فیصلہ پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا اسی طرح وہ اپنے بندوں میں سے کسی کو حقیر سے عمل پر سزا کا ارادہ کرے تو اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کرسکتا کیونکہ وہ فاعل، خالق اور اس کائنات میں تصرف کرنے والا ہے اور تمام اس کی ملک میں ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو چند خصائص میں خاص کیا ہے جو کسی اور شہر میں نہیں پائے جاتے اس کی مثل تو مکہ مکرمہ کے بارے بھی کہہ دے اللہ تعالیٰ نے حرم مکی اور حرم مدنی کو چند خصائص میں خاص کیا جو خصائص کسی اور میں نہیں پائے جاتے جس نے ان میں سے کسی ایک میں نماز پڑھی۔ تو اسے ہزاروں گنا زیادہ اجر ملے گا اس نماز کی بنسبت جو وہ کسی اور مسجد میں پڑھتا جس طرح پہلے گزر چکا ہے یہ مفہوم تواتر سے گزر چکا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عطا کو کیسے عجیب جانا جاسکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ بعض اوقات کسی معمولی چیز پر اپنے ایک بندے کو بہت سی عزتوں سے نوازتا ہے۔ جس طرح ایک معمولی سی غلطی پر ایک بندے کو سخت سزا دیتا ہے یہاں میں بعض امثلہ ذکر کرتا ہوں۔

۶۰۲- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عورت جہنم میں اس بنا پر داخل ہوگی کہ اس نے ایک بلی کو باندھے رکھا اسے کھانا کھلایا نہ اسے آزاد کیا کہ وہ زمین میں رہنے والے کیڑے مکوڑوں سے خوراک حاصل کرتی۔ متفق علیہ۔

۶۰۳- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی اثناء میں ایک کتا چکر لگا رہا تھا قریب تھا کہ پیاس اسے مار ڈالتی کہ اسے بنی اسرائیل کی بدکار عورتوں میں سے ایک نے دیکھا اس نے اپنا جوتا اتارا اور اس جوتے کے ذریعے اس کے لئے پانی نکالا اور اسے پانی پلایا اللہ تعالیٰ نے اسے اس عمل پر معاف کر دیا۔ متفق علیہ

اللہ تعالیٰ نے ایک عورت کو محض اس بناء پر جہنم میں داخل کر دیا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا اور بنی اسرائیل کی ایک زانیہ کو چھوٹے سے عمل کے بدلے جنت میں داخل کر دیا جو بار بار بھی نہ ہوا اس نے ایسے کتے کو پانی پلایا قریب تھا کہ پیاس اسے مار ڈالتی اللہ تعالیٰ نے اس کے عمل کو قبول کیا اور اسے بخش دیا ان دونوں میں سے کوئی اس عطا، رحمت اور عزت اور تعظیم کا مستحق تھا یہ سب کچھ ان امتوں میں تھا جو گزر چکی ہیں تو اس امت کی کیا شان ہوگی۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس امت کو شان سے نوازا ہے کہ اسے تھوڑے سے عمل پر اتنا بڑا اجر عطا فرمایا۔

۶۰۴- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک روز روزہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ستر سال جہنم سے دور کر دیتا ہے۔ متفق علیہ۔

۶۰۵- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ نے ایک برتن منگوایا آپ نے اپنی ہتھیلیوں میں تین دفعہ پانی انڈیلا پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ نے میری طرح وضو کیا پھر فرمایا جس نے میری طرح وضو کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی وضو اور نماز کے دوران کوئی بات چیت نہ کی تو اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے گئے۔ متفق علیہ

۶۰۶- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آدمی جہنم میں داخل نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے رویا یہاں تک کہ دودھ کھیری میں داخل ہوا اور ایک آدمی پر جہاد کا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہ ہوں گے اسے احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ نے روایت کیا۔ امام ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اس کی تصحیح کی۔

۶۰۷- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس اثناء میں کہ ایک آدمی راستہ چل رہا تھا تو راستہ میں ایک کانٹے دار ٹہنی دیکھی تو اس نے اس ٹہنی کو راستہ سے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو اپنی بارگاہ اقدس میں قبول کیا اور اسے بخش دیا۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

میں اس بحث کو اس حدیث پر ختم کرتا ہوں۔

۶۰۸- حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا ہمارے ذمہ اونٹ چرانا تھا میری باری آئی میں انہیں پچھلے پہر واپس لایا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کھڑے کھڑے لوگوں سے بات چیت کر رہے تھے میں نے آپ کا یہ ارشاد سنا کوئی مسلمان وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر کھڑا ہوتا ہے اور دو رکعتیں نماز پڑھتا ہے دل و جان سے ان کی طرف متوجہ رہتا ہے تو جنت اسکے حق میں ثابت ہو جاتی ہے کہا میں نے عرض کیا کتنی اچھی بات ہے تو میرے آگے ایک کہنے

والا کہہ رہا تھا اس حصہ کو جو اجود سے پہلے تھا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر تھے۔ کہا میں نے تجھے دیکھا ہے کہ تو ابھی آیا ہے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی وضو کرتا ہے اور اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر کہتا ہے "اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبدالله و رسوله" مگر اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو جائے۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۶۰۹- حضرت عمر بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت دیکھو جو امام مسلم کے ہاں فضائل وضو اور ہر عضو کو دھوتے وقت جو گناہ گر جاتے ہیں میں ہے جب وہ کھڑا ہوا اور نماز پڑھی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کی اور ایسی شان بیان کی جو اسے زیبا ہے جبکہ اس کا دل ہر چیز سے فارغ تھا تو وہ گناہوں سے یوں پاک ہو جائے گا گویا وہ ابھی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

یہ ان قلیل نصوص کا بعض ہے جن کو میں نے ذکر کیا ہے یہ شہادت پیش کرنے کے لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس امت پر بہت بڑھ کر ہے اور وہ اپنے بندوں کے تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے تو اس آدمی کا کیا حال ہوگا جو پے درپے نمازیں ادا کرتا ہے۔ اور ایسی جگہوں میں جو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہترین جگہیں (مساجد) ہیں۔ جبکہ وہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کا دل خشوع و خضوع سے لبریز ہوتا ہے وہ اپنے رب کی رحمت کا امیدوار اور اس کے عذاب سے ڈرنے والا ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی امید رکھتا ہے اور اس کے احسان اور بخشش کی توقع کر رہا ہوتا ہے۔

یہ تینوں عزتیں یا تو اس نمازی کو اکٹھی دی جاتی ہیں یا نمازیوں کے احوال کے مطابق متفرق طور پر دی جاتی ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اپنے فضل و کرم سے نوازے اور ہمیں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حسن اتباع اور اقتداء کی توفیق ارزانی فرمائے۔

اس کی فضیلت جو اس میں معلم و متعلم بن کر آیا

اس مسجد شریف کی فضیلت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو اس میں معلم و متعلم بن کر آیا وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یہ بہت بڑا درجہ ہے جو عالم اور متعلم دونوں کو شامل ہے۔

۶۱۰- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا جو میری اس مسجد میں آیا (مدینہ طیبہ کی مسجد) وہ نہیں آیا مگر بھلائی کے لئے وہ کسی کو تعلیم دے یا تعلیم حاصل کرے وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور جو اس کے علاوہ کسی اور کام کے لئے آیا تو وہ اس آدمی کے قائم مقام ہے جو دوسروں کا سامان دیکھتا ہے۔ اسے احمد، ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ، ابویعلی نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے دونوں کی شرطوں پر صحیح قرار دیا امام ذہبی نے اس کی توثیق کی اور ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

۶۱۱- حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو میری اس مسجد میں داخل ہوا کہ وہ خیر سیکھے یا سکھائے اس کا مقام اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے جیسا ہے اور جو کوئی لوگوں کی باتوں کے لئے اس میں داخل ہوا وہ اس آدمی جیسا ہے کہ وہ ایسی چیز دیکھتا ہے جو اسے خوش کرتی ہے جبکہ وہ چیز اس کی نہیں۔ اسے طبرانی نے کبیر میں سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے اور سابقہ روایت اس کی شہادت دیتی ہے۔

۶۱۲- حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسجد کی طرف صبح گیا وہ نہیں ارادہ کرتا تھا مگر خیر سیکھے یا سکھائے اسے مکمل عمرہ کرنے والے کا اجر ملے گا اور جو رات کو مسجد میں گیا وہ ارادہ نہیں کرتا تھا مگر اس کا کہ وہ خیر سیکھے اور سکھائے تو اس کے لئے مکمل حج کرنے والے کا ثواب ملے گا۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ذہبی نے اس کی تصدیق کی طبرانی نے کبیر میں نقل کیا اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ ابو داؤد نے بھی اس کی مثل روایت کیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی کئی نصوص ہیں جو ساری کی ساری اس مسجد کے عظیم مکان پر دلالت کرتی ہیں۔

اس آدمی کی فضیلت اور اس کیلئے ثواب جو اپنے گھر سے اس کے لئے نکلتا ہے

تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کو عزت سے نوازا ہے جو اپنے گھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے ارادہ سے نکلے تا کہ اس میں نماز پڑھے تعلیم و تعلم کرے یا اس جیسا کوئی عمل بے شک اللہ تعالیٰ اسے عزتوں سے نوازتا ہے وہ کوئی قدم نہیں اٹھاتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کے لئے نیکی لکھ دیتا ہے اور وہ کوئی دوسرا قدم نہیں اٹھاتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے ایک گناہ کو مٹا دیتا ہے اگر اس کے ہاں گناہ ہوں ورنہ اس کے ہر قدم کے عوض ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کا گھر دور ہو یا نزدیک۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے پھر اس حکم کو مسلمانوں کی تمام مساجد پر جاری فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تو اس کی زیادہ مستحق ہے۔

۶۱۳- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا تم میں سے ہر کسی کے لئے میری مسجد کی طرف گھر سے نکلتے ہی ایک قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے اور دوسرے پر ایک گناہ مٹا دیا جاتا ہے۔

اسے احمد، نسائی، حاکم نے روایت کیا حاکم نے اس کی تصحیح کی امام ذہبی نے اس کی توثیق کی اور ابن حبان اور مروزی نے نماز کی قدر کی تعظیم میں ذکر کیا۔

ابن حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا یہ عنوان باندھا ہے اس خبر کا ذکر جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ میری مسجد کے ارادہ سے اپنے گھر سے نکلنے والا خواہ کسی شہر سے ہو اس کے ایک قدم کے عوض ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور دوسرے قدم پر خطا معاف کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہتا ہے یہاں تک کہ وہ

اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے۔

۶۱۴-حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا ایک انصاری کا گھر مدینہ طیبہ میں سب سے دور تھا وہ کبھی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہیں چھوڑتا تھا۔اس کی کوئی نماز بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے نہ رہی۔کہا ہم اس کے لئے پریشان ہوئے میں نے اس سے کہا اے فلاں کاش آپ گدھا خرید لیتے جو آپ کو اس گرمی سے بچاتا اور زمین کے کیڑے مکوڑوں (موذی جانور) سے بچاتا اس نے کہا خبر دار قسم بخدا میں یہ پسند نہیں کرتا کہ میرا گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے ساتھ ملا ہوتا میں نے اصرار کیا یہاں تک کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا آپ کو اس بارے میں خبر دی کہا آپ نے اس صحابی کو بلایا اس نے پہلی سی مثل عرض کی اور کہا میں اس کے بدلے ثواب کی امید رکھتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے لئے وہی ہے جو تو نے نیت کی۔اسے مسلم نے روایت کیا۔

۶۱۵- آپ کے ہاں یہ روایت بھی ہے میں یہ ارادہ کرتا ہوں کہ میرا مسجد کی طرف چل کر جانا اور لوٹنا لکھا جائے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سب تیرے لئے لکھ دیا ہے۔

۶۱۶- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے گھر مسجد سے دور تھے ہم نے ارادہ کیا کہ ہم ان کو بیچ دیں اور مسجد کے قریب آجائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع کیا فرمایا تمہارے ہر قدم پر تمہارے لئے درجہ ہے۔امام مسلم نے روایت کیا۔

۶۱۷-آپ کے ہاں حضرت جابر سے یہ بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی سلمہ اپنے گھروں میں ہی رہو تمہارے (قدم) لکھے جاتے ہیں۔

۶۱۸-حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنوسلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ مسجد کے قریب آجائیں ایک اور روایت میں ہے کہ اپنے گھروں کو چھوڑ دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ بسیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند کیا کہ مدینہ خالی ہو جائے۔فرمایا اے بنی سلمہ کیا تم اپنے قدموں کا شمار نہیں کرتے۔پس وہ اپنے گھروں میں ٹھہر گئے۔اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آگاہ کیا کہ مسجد کی طرف آنے جانے میں ان کے لئے اتنی فضیلت ہے جو فضیلت مسجد کے قریب گھروں میں ہے یا اس سے بھی زیادہ ہے۔واللہ اعلم۔

یہ فضیلت تمام مساجد کو شامل ہے جو بھی ان مساجد میں سے کسی مسجد میں نماز کے لئے گیا اس کے حق میں ہر قدم پر نیکی لکھی جائے گی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بدرجہ اولی یہ اجر وثواب ہو گا۔واللہ اعلم۔

اس مسجد میں آواز بلند نہ کرنے کا حکم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں اپنی آواز کو بلند نہ کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ وہ اپنی آوازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند نہ کریں اور ان پر سخت ناراضگی کا اظہار کیا جنہوں نے اپنی آواز کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر بلند کیا اور ان لوگوں کی تعریف کی جو اپنی آوازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے پست رکھتے ہیں۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سزا دی کہ ان پر لیلۃ القدر کو مخفی کر دیا محض اس بناء پر کہ دو آدمی اس مسجد میں جھگڑ رہے تھے جبکہ لیلۃ القدر میں خیر کثیر تھا۔

۶۱۹- حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں مسجد میں کھڑا تھا تو ایک آدمی نے مجھے کنکری ماری میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے آپ نے فرمایا جاؤ اور ان دونوں کو بلا لاؤ میں ان دونوں کو بلا لایا فرمایا تم کون ہو یا پوچھا تم کہاں سے آئے ہو دونوں نے کہا ہم طائف کے رہنے والے ہیں فرمایا اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں دردناک سزا دیتا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آواز کو بلند کرتے ہو۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

یہ حدیث مرفوع حکمی ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں سزا دینے کی دھمکی نہیں دی مگر ایک معین امر کی مخالفت کرنے پر اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۶۲۰- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا مجھے عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے تو دو مسلمان آپس میں الجھ رہے تھے فرمایا میں تمہیں لیلۃ القدر کے بارے میں بتانے آیا تھا فلاں فلاں آپس میں جھگڑ رہے تھے وہ اٹھا لی گئی ممکن ہے وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اسے اکیسویں، ستائیسویں یا پچیسویں رات میں تلاش کرو۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

ابن دحیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا یہ دو افراد عبداللہ بن ابی حدرد اور کعب بن مالک تھے۔

۶۲۱- حضرت ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے درمیان عشرہ میں لیلۃ القدر کی تعین سے پہلے لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کے لئے اعتکاف کیا جب یہ دن پورے ہوگئے آپ نے پردہ کے اکھیڑ دینے کا حکم دیا تو وہ اکھیڑ لیا گیا پھر آپ پر ظاہر کیا گیا کہ یہ آخری عشرہ میں ہوگی آپ نے دوبارہ پردہ بنانے کا حکم دیا اسے دوبارہ بنا دیا گیا پھر آپ لوگوں کے پاس تشریف لائے فرمایا اے لوگو میرے لئے لیلۃ القدر ظاہر کر دی گئی میں تمہیں بتانے کے لئے نکلا تھا تو دو آدمی جھگڑا کرتے ہوئے آئے جن کے ساتھ شیطان تھا مجھے بھلا دیا گیا اسے رمضان کے

آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

رہا حضرت کعب بن مالک کا ابن ابی حدرد کے ساتھ قضیہ وہ یہ تھا۔

۶۲۲۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ابن ابی حدرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسجد میں اس قرض کے بارے جھگڑا کیا جو میرا ان پر تھا تو دونوں کی آواز بلند ہوگئی یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر میں آواز کو سن لیا آپ ہماری طرف تشریف لائے آپ نے کمرے کا پردہ اٹھایا ندا دی اے کعب عرض کی میں حاضر ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اس کا کچھ قرض چھوڑ دو اور اس کی طرف اشارہ کیا عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایسا کر دیا دوسرے کو فرمایا اٹھو اس کا قرض ادا کرو۔ متفق علیہ۔

بعض علماء نے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے جواز کا قول کیا ہے کہ اگر مسجد میں آواز کو بلند کرنا ناجائز ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نہ چھوڑتے اور ان کے لئے ضرور وضاحت کرتے۔

اس کا یہ جواب دیا گیا شائد نہی اس سے پہلے ہو چکی تھی تو آپ نے اسی پر اکتفاء کیا اور وہ مخاصمت جو آواز بلند کرنے کا باعث بن رہی تھی اس کی صلح پر اختصار کیا۔

اس سے بڑھ کر سخت سزا کیا ہو سکتی ہے کہ دو عظیم صحابہ کے باہمی جھگڑا کرنے سے لیلۃ القدر اٹھالی گئی اب تا قیامت یہ اسی طرح رہے گی۔

مسجد نبوی میں آواز کو بلند کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی سخت مذمت کی ہے جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر یا آپ کے پاس بلند کرتے ہیں جس طرح ان لوگوں کی مدح بیان کی جو آپ کے ہاں اپنی آواز کو پست کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی (کریم صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز سے نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔ بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے یہی وہ لوگ ہیں مختص کر لیا ہے اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے۔ انہی کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔ بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں اکثر نا سمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔" (سورۃ حجرات ۲ تا ۵)

اہل تفسیر اور اہل سیر نے ذکر کیا کہ یہ حکم بنی تمیم کے بارے میں نازل ہوا جو مدینہ طیبہ آئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات کے حجرات میں سے کسی حجرہ میں آرام کرتے ہوئے پایا تو وہ

پکارنے لگے یا محمد یا محمد ہماری طرف نکلیے پس اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اور وضاحت فرمائی کہ ان کی اکثریت نا سمجھ لوگوں کی ہے اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف تشریف لاتے تو ان کے حق میں بہتر ہوتا لیکن انہوں نے صبر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کے بارے میں علماء کے دو قول ہیں

(ا) امام مالک نے مطلقاً اسے مکروہ جانا ہے یعنی جانتا ہو یا نہ جانتا ہو دونوں صورتوں میں۔ یہی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل تھا۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے موطا میں روایت کیا ہے کہ انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب نے مسجد کی ایک طرف چبوترا بنوایا جسے بطیحاء کہتے اور فرمایا جو فضول بات چیت کرنا چاہے یا شعر پڑھنا چاہے یا بلند آواز سے بات کرنا چاہے پس اسے چبوترے کی طرف نکل جانا چاہیے۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ امام مالک کا یہ قول انہ بلغہ اسی طرح یحییٰ اور دوسرے لوگوں نے بھی کہا مالک نے ابوالنضر عمر بن عبیداللہ سے انہوں نے سالم بن عبداللہ بن عمر سے وہ اپنے باپ سے کہ عمر بن خطاب نے کہا پس سند متصل ہے یہ بلاغ نہیں۔ واللہ اعلم۔

امام باجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے منتقی میں کہا یہ بطیحاء ایک عمارت تھی جو زمین سے ایک ہاتھ بلند تھی اسے چاروں طرف سے ایک چھوٹی سے دیوار سے گھیر لیا گیا تھا اسے صحن کی طرف وسیع کیا گیا تھا اس میں کنکر پھیلائے گئے تھے لوگ اس میں بیٹھنے کے لئے جمع ہوتے تھے۔

جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں لوگوں کے اکثر بیٹھنے اور اس میں ان کی گفتگو کو دیکھا بعض اوقات یہ بات چیت انہیں فضول کلام کی طرف لے جاتی اور بلند آواز کو دیکھا بعض اوقات اسی دوران لوگ شعر وغیرہ بھی پڑھتے تو آپ نے مسجد کی ایک طرف اسے بنوایا اور اس مقصد کے لئے خاص کر دیا تا کہ مسجد صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر اچھے قول کے لئے خاص ہو جائے اور فضول گفتگو، شعر پڑھنے اور آواز بلند کرنے سے پاک رہے۔

آپ نے یہ ارادہ نہیں کیا کہ یہ حرام ہے بلکہ اس بناء پر کہ یہ مکروہ ہے اور یہ مسجد کو آلودگیوں سے پاک کرنے کا باعث ہے۔ خصوصاً مسجد نبوی کیونکہ اس کی تعظیم اور تنزیہ ایسی واجب ہے جو دوسری مساجد کو ثابت نہیں۔

پھر سائب بن یزید کی گزشتہ حدیث ذکر کی اور یہ اضافہ کیا کہ ابن مسلمہ نے مالک سے یہ زائد ذکر کیا ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہماری مسجد میں آواز بلند نہیں کی جاتی۔

ابن قاسم نے مبسوط میں کہا۔ میں نے امام مالک کو دیکھا آپ مسجد نبوی میں اپنے ساتھیوں کو آواز بلند کرنے پر ناراض ہوتے۔

محمد بن مسلمہ نے اس کی دو علتیں بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ مسجد کو اس جیسی چیزوں سے پاک رکھنا ضروری ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد ایک ایسی چیز ہے جس کی تعظیم کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

نمبر ۲: یہ نماز کے لئے بنائی گئی ہے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس میں آئیں تو ہمارے اوپر سکون و وقار ہو اور اس جگہ کو جس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے اسے لازم پکڑیں یہ زیادہ بہتر ہے۔

امام باجی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مسجد میں نماز میں قرأت اور ضرورت کی بناء پر آواز بلند کرنا مباح ہے جیسے لقمہ دینا اس وجہ سے مساجد میں بلند آواز سے خطبہ دینا جائز ہے خواہ وہ حکم پہنچانے کے لئے جو امیر دے یا دنیا کے معاملات میں خبر دینے کے لئے یا لوگوں کے مشورے کے لئے۔

قرأت میں آواز بلند کرنا مخصوص طریقہ پر ہوگا جس طرح امام اکیلے بلند آواز سے قرأت کرتا ہے رہا لوگوں کا آوازوں کو بلند کرنا قرأت میں یہ ممنوع ہے۔

رہا مسجد میں بیٹھنا جس میں کوئی فضول بات نہ ہو اور اس میں آواز بھی بلند نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

امام مالک نے عتبیہ میں کہا حضرت عمر بن خطاب مسجد میں بیٹھتے تھے لوگ بھی آپ کے پاس بیٹھتے تھے آپ ان سے لشکروں کے بارے گفتگو کرتے وہ بھی آپ سے بات چیت میں شریک ہوتے وہ یوں نہیں کہتے تھے کہ تم کیسی باتیں کرتے ہو جس طرح آج کل لوگ بات چیت کرتے ہیں۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا مسجد میں آواز بلند کرنا علم اور دوسری چیزوں میں مکروہ بھی ہے۔

حافظ بن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مسجد میں علم حاصل کرنے کے لئے آواز بلند کرنے کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا علم اور دوسری چیزوں میں آواز بلند کرنے میں کوئی بھلائی نہیں میں نے پہلے دور میں دیکھا ہے کہ وہ ایسے لوگوں پر ناراضگی کا اظہار کرتے تھے میں اسے ناپسند کرتا ہوں اور اس میں کوئی بھلائی نہیں دیکھتا۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں روایت کیا کہ آپ نے ایک آدمی کو مسجد میں آواز بلند کرتے ہوئے سنا فرمایا کیا تو جانتا ہے کہ تو کہاں ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مسجد میں آواز بلند کرنے کو مکروہ جانتے خواہ وہ ذکر کے لئے ہوتا ہم تدریس اور علمی مسائل میں بحث کو جائز قرار دیتے جبکہ یہ بحث نمازیوں کے لئے تشویش کا باعث نہ ہوتی یا وہاں کوئی نمازی نہ ہوتا۔

مسجد میں آواز بلند کرنے اور جھگڑا کرنے سے نہی میں کئی احادیث مروی ہیں۔ امام عینی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا بے شک ضعیف احادیث باہم ایک دوسرے کو قوت بہم پہنچاتی ہیں جب ان کے طرق اور مخارج

مختلف ہوں میں کہتا ہوں جس طرح واثلہ کی روایت ابن ماجہ میں ہے اپنی مساجد کو اپنے بچوں اور جھگڑوں سے محفوظ رکھو اسی کی مثل معاذ بن جبل کی حدیث ابونعیم کے ہاں ہے اور حضرت جبیر بن مطعم کی حدیث ہے کہ اس میں آوازیں بلند نہ کی جائیں اسی طرح ابواحمد کے پاس ابن عمر کی روایت ہے۔

انہوں نے کہا یہ کہنا زیادہ مناسب ہے منع کرنے کی احادیث فحش آواز پر محمول کی جائیں اور اباحت کی احادیث غیر فحش آواز پر محمول کی جائیں۔

(۲) علماء میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے دونوں میں اس طرح فرق کیا ہے جس میں دینی غرض اور دنیاوی نفع ہو وہ جائز ہے اور جس میں کوئی فائدہ نہ ہو وہ ناجائز ہے امر دینی میں آواز بلند کرنے کو مباح قرار دیا جس طرح قرأت، ذکر، وعظ، علم اور نصیحت کو بلند آواز سے کرنا۔ لوگوں کا آپس میں تقاضا کرنا لوگوں کا باہم گفتگو کرنا جس میں معیت اور لغویت نہ ہو ان امور میں آواز بلند کرنے کو مباح قرار دیا جس گفتگو میں غیبت ہو یا ایسے اشعار پڑھنا جن میں عورتوں کا ذکر ہو یا مسلمانوں کی ہجو ہو یا شراب کی تعریف ہو اس جیسے امور سے منع کیا۔

جو سفر سے واپس آئے وہ مسجد میں نماز پڑھنے سے قیام کو شروع کرے

اس عظیم مسجد کی شان یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے نہیں آتے تھے مگر یہاں سے ہی قیام کا آغاز کرتے آپ اس میں دو رکعت نماز ادا کرتے نماز کے بعد آپ اس میں بیٹھے مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے تا کہ وہ آپ کو سلام پیش کریں۔

۶۲۳- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں چاشت کے وقت سفر سے واپس تشریف لاتے جب آپ آتے تو مسجد سے قیام کو شروع کرتے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے پھر آپ اس میں بیٹھتے۔ متفق علیہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

۶۲۴- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اونٹ لیا جب آپ مدینہ طیبہ تشریف لائے آپ نے مجھے مسجد میں آنے کا حکم ارشاد فرمایا اور دو رکعت نماز ادا کرنے کا حکم دیا۔ متفق علیہ

۶۲۵- حضرت جابر سے ہی مروی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلا میرا اونٹ تھک گیا اور میں بھی تھک گیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے تشریف لے آئے اور میں دوپہر کو آیا میں مسجد میں آیا میں نے آپ کو مسجد کے دروازے پر پایا کہا کیا تم اب آئے ہو میں نے عرض کی جی ہاں فرمایا اپنے اونٹ کو چھوڑ دو مسجد میں داخل ہو جاؤ اور دو رکعت ادا کرو کہا میں مسجد میں داخل ہوا دو رکعت نماز ادا کی پھر واپس لوٹ آیا۔

۶۲۶- آپ سے مروی امام بخاری کے ہاں یہ روایت ہے کہا میں ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ تھا جب ہم مدینہ طیبہ آئے آپ نے مجھے فرمایا مسجد میں داخل ہو جاؤ اور دو رکعت نماز پڑھو۔

٦٢٧- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے آتے آپ دو رکعت نماز ادا فرماتے اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے ان کی سند میں حارث ہے جس میں علماء کی آراء مختلف ہیں جمہور اس کی اہانت کی طرف گئے ہیں جبکہ مختلف ابواب میں اس کی روایات بھی لی ہیں جس طرح امام ذہبی نے کہا لیکن اس حدیث کی تائید سابقہ احادیث کرتی ہیں پس یہ حسن ہے۔

٦٢٨- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے لوٹتے وقت وادی میں نماز ادا فرمائی۔

کہا پھر رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے آپ نے مسجد کے دروازے پر اپنی سواری بٹھائی پھر مسجد میں داخل ہوئے آپ نے اس میں دو رکعتیں پڑھیں پھر آپ اپنے گھر کی طرف لوٹے۔

نافع نے کہا حضرت عبداللہ بن عمر اسی طرح کیا کرتے تھے اسے احمد اور ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ جو آدمی سفر سے واپس آئے شہر میں پہنچے مسجد سے قیام کا آغاز کرے اس میں دو رکعتیں نماز ادا کرے پھر نمایاں جگہ پر بیٹھے تا کہ لوگ اسے سلام کریں اگر وہ لوگوں میں مقام و مرتبہ رکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ان احادیث میں یہ ہے کہ سفر سے واپس آنے والے کے لئے مسجد میں دو رکعتیں پڑھنا مستحب ہے اور احادیث مذکورہ اس بات میں صریح ہیں لیکن اس کے ساتھ نماز تحیہ بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ جس طرح حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابہ سے مطالبہ کیا جو جنگل میں رہتے تھے یا مدینہ طیبہ سے باہر رہتے تھے کہ جب ان میں سے کوئی مدینہ طیبہ آئے تو ان میں سے کوئی واپس نہ جائے یہاں تک کہ وہ مسجد نبوی میں آئے اس میں دو رکعتیں نماز پڑھے۔ یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حد درجہ اس کا اہتمام فرماتے تا کہ صحابہ اللہ تعالیٰ سے اس عمل پر اجر کثیر پائیں۔

٦٢٩- مسلم بن اسلم بن بجرہ جو حارث بن خزرج کے بھائی تھے سے روایت ہے آپ بڑی عمر کے تھے انہوں نے خود اس کو بیان کیا اگر وہ مدینہ طیبہ میں آتے شہر میں جو کام ہوتا اسے مکمل کرتے پھر گھر پلٹتے جب اپنی چادر کندھے سے رکھتے یاد آتا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز نہیں پڑھی پس کہتے قسم بخدا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز نہیں پڑھی بے شک آپ نے ہمیں یہ فرمایا تھا تم میں سے جو اس شہر میں آئے وہ اپنے گھر کی طرف نہ پلٹے یہاں تک کہ اس مسجد

میں دو رکعتیں نماز ادا کرے پھر اپنے گھر کی طرف پلٹے۔ اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔

وہ اپنے گھر سے پھر آتے کیونکہ وہ مسجد نبوی میں داخل نہ ہوئے تھے یہاں تک کہ مسجد میں داخل ہوتے اور نماز ادا فرماتے۔

مسجد نبوی کی زیارت کے لئے سواری تیار کرنا

اس مسجد شریف کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ جس نے یہ نذر مانی کہ وہ اس مسجد میں نماز پڑھے گا یا اس نے اپنی ذات پر نماز کو واجب کیا اس پر یہ لازم ہوگا کہ وہ اپنی سواری کو تیار کرے اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کی جگہ کسی اور مسجد میں نماز ادا کرے جس طرح بعد میں آئے گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کرنے کے بارے میں حکم دیا ہے کہ کسی مسجد کی طرف بھی سواری کو تیار نہ کیا جائے جس میں نماز پڑھی جاتی ہے سوائے مسجد نبوی، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مفہوم میں روایات تواتر سے ثابت ہیں اگر چہ جن لوگوں نے متواتر روایات کو جمع کیا ہے اس کو ان میں شمار نہیں کیا جبکہ یہ ان کی شرط پر پوری اترتی ہے یہ ان سے زائد ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۳۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سواریوں کو تیار نہ کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف، میری مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔ متفق علیہ

۶۳۱- امام مسلم آپ سے ایک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مساجد کی طرف سفر کیا جائے کعبہ کی مسجد کی طرف، میری مسجد اور بیت المقدس کی مسجد کی طرف۔

۶۳۲- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سواریوں کی کمریں نہ کسی جائیں مگر تین مساجد کی طرف، میری مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کی طرف۔ متفق علیہ۔ یہ الفاظ امام مسلم کے ہیں۔

۶۳۳- آپ سے ہی مروی ہے کہ آپ کے پاس طور میں نماز پڑھنے کا ذکر ہوا آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مناسب نہیں کہ نماز ادا کرنے کے لئے کسی مسجد کی طرف سواری کی کمر کسی جائے سوائے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد کے پھر امام بخاری کی روایت کی مثل ذکر کیا اسے احمد اور ابو یعلی نے سند حسن سے روایت کیا۔

۶۳۴- حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس جگہ کی طرف جانے کے لئے تم سواری پر سوار ہو ان میں سے بہترین میری مسجد اور بیت اللہ شریف ہے اسے احمد نے دو سندوں سے روایت کیا نسائی نے کبری میں عبد بن حمید، ابو یعلی، بزار، طبرانی نے اوسط میں، ابن حبان، طحاوی نے مشکل الآثار میں نسائی، عبد بن حمید، ابن حبان،

طبرانی، ابو یعلی نے روایت کیا۔ امام احمد کی دوسری سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے مگر ان کا شیخ وہ بھی ثقہ ہے بزار اور طحاوی کی روایت میں ابن ابی الزناد ہے جسے کئی علماء نے ثقہ قرار دیا اور ایک جماعت نے اسے ضعیف قرار دیا اس کے باقی راوی ثقہ ہیں حافظ ہیثمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔ اسے احمد نے اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا جس کی سند حسن ہے۔

میں کہتا ہوں پہلی روایت کی سند وہی ہے جس طرح انہوں نے کہا لیکن امام احمد کی دوسری روایت اسی طرح طبرانی کی روایت وہ مسلم کی شرط پر ہے دونوں نے لیث بن سعد کے واسطہ سے ابو الزبیر سے انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ حضرت لیث سے روایت کرنے والے امام مسلم کے شیوخ ہیں۔ واللہ اعلم۔

۶۳۵ - حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا میں طور کی طرف نکلا میں بصرہ بن ابی بصرہ غفاری سے ملا پوچھا: تم کہاں سے آئے ہو میں نے کہا طور سے فرمایا اگر میں تمہارے سفر کرنے سے پہلے تمہیں پالیتا تو تم نہ جاتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا سواریوں کو کام میں نہ لایا جائے مگر تین مساجد کے لئے مسجد حرام، میری اس مسجد اور مسجد اقصیٰ۔ اس کو مالک طیالسی، عبدالرزاق، حمیدی، احمد، نسائی، ابو یعلی، بخاری نے اپنی تاریخ طبرانی نے کبیر اور اوسط میں، بزار اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ امام مالک احمد، طیالسی، حمیدی، نسائی، ابو یعلی اور ابن حبان کے راوی ثقہ ہیں یہ شیخین کے طریقہ پر صحیح ہے۔

۶۳۶ - حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا: کہ سواریوں کو تیار نہ کیا جائے مگر تین مساجد کے لئے مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں نقل کیا ہے عبدالرزاق اور بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ارزقی نے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۶۳۷ - ابی سعید خدری اور عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سواریوں کو تیار نہ کیا جائے مگر تین مساجد کے لئے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری مسجد ابن ماجہ نے دونوں سے اس حدیث کو روایت کیا اور ابو سعید کی روایت متفق علیہ ہے۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

۶۳۸ - ابو جعد ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سواریوں کی کمریں نہ کسی جائیں مگر تین مساجد کے لئے مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا اور بزار نے بھی روایت کیا اور ضیاء نے فضائل بیت المقدس میں طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے۔

۶۳۹ - حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سواریاں تیار نہ کی جائیں مگر تین مساجد کے لئے مسجد حرام، میری اس مسجد کے لئے اور مسجد اقصیٰ کے لئے اسے بزار نے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور کہا اس میں حبان بن ہلال نے خطا کی۔

میں کہتا ہوں حبان بن ہلال ثقہ اور ثبت ہے وہ روایت کرنے میں منفرد نہیں ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنفہ میں اس سند کے علاوہ قزعہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا میں طور سے ہو آؤں فرمایا طور کو چھوڑ دو وہاں نہ جاؤ ساتھ شد رحال والی روایت بیان کی۔ واللہ اعلم۔

۶۴۰- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا سواریاں تیار نہ کی جائیں مگر تین مساجد کے لئے میری اس مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے لئے کوئی عورت بھی دو دن سے زیادہ مسافت کا سفر نہ کرے مگر اس صورت میں کہ اس کے ساتھ اس کا خاوند ہو یا محرم ہو اسے طبرانی نے صغیر اور اوسط میں روایت کیا انہیں سے ضیاء نے فضائل بیت المقدس میں روایت کیا۔ اس کی سند میں ابراہیم بن اسماعیل بن یحییٰ کہیلی ہے جو ضعیف ہے لیکن اس حدیث کی سابقہ روایات شہادت دیتی ہیں پس یہ حسن ہے۔

۶۴۱- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خاتم الانبیاء ہوں اور میری یہ مسجد انبیاء کی مساجد میں سے آخری مسجد ہے وہ مساجد جو اس بات کا حق رکھتی ہیں کہ ان کی زیارت کی جائے اور ان کے لئے سواریوں کی کمریں کسی جائیں وہ مسجد حرام، مسجد نبوی اور میری مسجد اس میں ایک نماز دوسری مساجد میں پڑھی گئی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ سوائے مسجد حرام کے اسے بزار، دیلمی، ابن نجار نے روایت کیا ہے اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ رندی ہیں اس کے حافظہ کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیا گیا۔ امام ترمذی نے اپنی سنن میں اسے صدوق قرار دیا ہے۔

۶۴۲- شریح بن عبید مقدام بن معدیکرب اور ابی امامہ سے روایت کرتے ہیں دونوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سواریوں کی کمریں نہ کسی جائیں سوائے تین مساجد کی طرف مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کی طرف اور کوئی عورت دو دن کی مسافت پر سفر نہ کرے مگر اپنے خاوند یا ذی رحم محرم کے ساتھ اسے ابونعیم نے حلیہ میں اس سند سے روایت کیا ہے اسماعیل بن عیاش سے وہ زید بن زرعہ سے کہا زید کو میں نہیں جانتا اگر یہ ثور بن یزید سے تصحیف ہے تو حدیث حسن کے درجے سے کم ہوگی مگر اس میں زید ہے جسے میں نہیں جانتا سابقہ احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔ واللہ اعلم

۶۴۳- حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سواریوں کی کمریں نہ کسی جائیں مگر تین مساجد کی طرف مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد بیت المقدس۔ ضیاء نے اسے فضائل بیت المقدس میں روایت کیا ہے اس کی سند میں ایوب بن مدرک بہت ہی ضعیف

ہے۔لیکن سابقہ احادیث اس کی تائید کرتی ہیں پس یہ روایت حسن ہے۔واللہ اعلم۔

۶۴۴-حضرت سعید بن سعید سے مروی ہے فرمایا اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک کسی دوسرے آدمی سے ملا پوچھا کہاں سے آئے ہو کہا طور سے فرمایا اگر میں تجھے پہلے ملتا میں تجھے نہ جانے دیتا پھر روایت ذکر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کجاوے تین مساجد کی طرف کسے جائیں۔مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کی طرف اسے عبدالرازق نے روایت کیا اس کی سند میں ایک مبہم آدمی ہے جو غفار سے تعلق رکھتا ہے لیکن حدیث صحیح ہے جس طرح گزر چکا ہے اس کے شواہد وہی ہیں جو گزر چکے ہیں۔

۶۴۵-عمرو بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کجاوے کسے جائیں تین مساجد کی طرف مسجد ابراہیم، مسجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد اقصیٰ۔ازرقی نے اسے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ مرسل ہے سابقہ احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔

اس حدیث میں کئی مسائل ہیں

نمبر۱: ''لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا'' کا معنیٰ کیا ہے۔

ابن اثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا یہ اسی قول ''لَا تُعْمَلُ الْمَطِیّ'' کی مثل ہے یہ چلنے اور نکلنے سے کنایہ ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت سے کسی جگہ کا قصد نہ کیا جائے مگر ان تین جگہوں کا یہ ان تین جگہوں کی عظمت شان بیان کرنے کے لئے ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اس حدیث میں ان تین مساجد کی فضیلت ہے اور ان کی طرف سفر کرنے کی فضیلت ہے کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان مساجد کے علاوہ اور مساجد کی طرف سفر کرنے میں کوئی فضیلت نہیں۔

شیخ ابو محمد جوینی جو ہمارے اصحاب میں سے ہیں نے کہا کہ ان مساجد کے علاوہ اور جگہوں کی طرف سفر کرنا حرام ہے سراسر غلط ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا: ہمارے اصحاب کے نزدیک ایک صحیح بات یہ ہے اس کو امام الحرمین (امام جوینی) اور محققین نے پسند کیا نہ یہ حرام ہے نہ مکروہ۔فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ مکمل فضیلت ان تین جگہوں کی طرف سفر کرنے میں ہے۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بصرہ بن ابی بصرہ کی حدیث کے ضمن میں فرمایا جس کا ذکر ۶۳۵ نمبر حدیث میں گزر چکا ہے۔آپ کے الفاظ یہ ہیں۔

اس حدیث کی کئی توجیہیں ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے ان جگہوں کی طرف نکلنا جہاں حاضر ہونے

اور نماز پڑھنے میں برکت حاصل کی جاتی ہے جب ان کی برکت ظاہر ہو چکی ہے اس میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول معارض نہیں "**لَا تُعْمَلُ الْمَطِیُّ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ**" حضرت ابو ہریرہ کے مذہب کے مطابق اگرچہ بصرہ بن ابی بصرہ نے اس میں مخالفت کی ہے انہوں نے اس قول "**لَا تُعْمَلُ الْمَطِیُّ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ**" کو عام شمار کیا ہے۔

گویا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تین مساجد کے علاوہ سواریوں کو کام میں لانے کی نہی صرف واجب کے ساتھ خاص کی گویا ان کے نزدیک سنن اور مباح میں سواریوں کو کام میں لانا جیسے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بھائی کی زیارت کرنا سواریوں کو کام میں لانے کی نہی میں داخل نہیں۔

امام مالک اور علماء کی ایک جماعت نے کہا اس آدمی کے متعلق جو یہ نذر مانتا ہے کہ وہ سرحدوں کی محافظت کرے تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ اپنی نظر ایسی جگہ پوری کرے جہاں سرحدوں کی حفاظت کرنی ہو کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

مگر وہ آدمی جو ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانتا ہے جہاں وہ سفر اور سواری کے بغیر نہیں پہنچ سکتا تو وہ ایسا نہ کرے وہ اپنی مسجد میں ہی نماز پڑھ لے سوائے ان مذکورہ تین مساجد کے کیونکہ جس نے ان تین مساجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی وہ ان مساجد کی طرف سفر کرے۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جس نے نذر مانی کہ وہ ایسی مسجد میں نماز پڑھے گا جہاں سفر کے بغیر نہیں پہنچے گا تو وہ اپنی شہر کی مسجد میں نماز پڑھے مگر اس صورت میں کہ وہ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور بیت المقدس کی مسجد میں اگر اس نے ان مساجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر ان کی طرف سفر کرنا لازم ہوگا۔

یہ بھی جائز ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طور کی طرف نکلنا کسی کام کے لئے ہو جو دنیاوی امور سے ہو جس نے آپ کو مجبور کر دیا ہو اگر معاملہ اس طرح ہو تو ان کا یہ سفر کرنا اس باب "**لا تعمل المطی**" سے نہ ہوگا۔

امام باجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ان کا یہ قول میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا "**لا تعمل المطی**" وہ ان کی طرف سفر کرنا ہے کیونکہ یہ عمل مقصود ہوتا ہے۔

ان مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنے کی نہی تقاضا کرتی ہے کہ جس نے بصرہ اور کوفہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی وہ اپنے گاؤں کی مسجد میں ہی نماز پڑھے وہ بصرہ یا کوفہ نہ آئے کیونکہ بصرہ کی حدیث اس میں منصوص ہے۔

یہ اس لئے کیونکہ نذر ایسی چیز میں ہوتی ہے جس میں برکت ہو شہر کی مساجد میں سے بعض کو بعض پر فضیلت نہیں ہوتی جو ان کی طرف سفر کے قصد کا تقاضا کرے سوائے ان تین مساجد کے کیونکہ یہ مساجد

فضیلت میں خاص ہیں۔

مگر وہ آدمی جو سرحدوں کی مساجد میں نماز یا روزے رکھنے کی نذر مانے اس کے اوپر یہاں آنا لازم ہوگا اور اس نذر کو پورا کرنا لازم ہوگا کیونکہ ان کے قصد کی نذر ماننا صرف وہاں نماز پڑھنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سرحدوں کی حفاظت بھی شامل ہو چکی ہے پس اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

ان مساجد کے علاوہ دوسری مساجد میں نہی کے بارے کوئی اختلاف نہیں سوائے امام محمد کے قول کے جو انہوں نے مبسوط میں کہا آپ نے ان مساجد کے ساتھ چوتھی مسجد کو بھی شامل کیا ہے اور وہ مسجد قباء ہے فرمایا جس نے یہ نذر مانی کہ وہ مسجد قباء آئے گا اور اس میں نماز پڑھے گا اس کے اوپر یہ لازم ہوگا۔

امام بیضاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جب ان تین مساجد کے علاوہ تمام مساجد قدر و شرف میں برابر ہیں تو ان مساجد کے لئے سفر کرنا فضول ہوگا جس میں نہی کی گئی کیونکہ انسان کو چاہیے کہ وہ ایسے کاموں میں ہی مشغول ہو جس میں دنیوی یا اخروی فلاح ہو۔

فرمایا جو چیز ان تینوں کے شرف کا تقاضا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ انبیاء کی تعمیر کردہ ہیں اور ان کی عبادت گاہیں ہیں۔

ان تین مساجد کے علاوہ اور مساجد کی طرف سفر کرنے میں علماء کے دو قول ہیں

(۱) ابو محمد جوینی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول ہے کہ حدیث کے ظاہر پر عمل کرتے ہوئے ان تین مساجد کے علاوہ کسی بھی مسجد کی طرف سفر کرنا حرام ہے قاضی حسین شافعی نے بھی اس کی پسندیدگی کی طرف اشارہ کیا ہے یہی بات قاضی عیاض اور ابن تیمیہ نے کہی ان چیزوں میں جن کا تبرک اور عبادت کے لئے قصد کیا جاتا ہے۔

(۲) امام الحرمین اور شافعیہ میں سے محققین مالکیہ، حنفیہ اور حنابلہ میں سے کثیر تعداد اس کے جواز کی طرف گئی ہے یہاں آراء، ادلہ اور مناقشہ پیش کرنے کی گنجائش نہیں اس کا اور محل ہے کتب فروع میں اس کی بحثیں موجود ہیں لیکن اس حدیث کے جو جواب ذکر کیے گئے ہیں اور جس معنی پر اسے محمول کیا گیا ہے وہ ذکر کروں گا قائل کی طرف منسوب کرتے ہوئے عنقریب وہ اقوال ذکر کروں گا۔ اس کے کئی جواب دیئے گئے۔

(۱) یہاں مراد فضیلت تامہ ہے وہ صرف ان مساجد کی طرف سفر کرنے میں ہے سوائے دوسری مساجد کے کیونکہ دوسری مساجد کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔

(۲) نہی صرف اس آدمی کے ساتھ مخصوص ہے جس نے ان مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی۔

امام خطابی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے معالم السنن میں کہا یہ نذر کے بارے میں ہے کہ کوئی انسان کسی مسجد

میں نماز پڑھنے کی نذر مانتا ہے اگر چاہے تو اس کو پورا کرے اگر چاہے تو کسی اور مسجد میں نماز پڑھے مگر جب وہ ان مساجد میں سے کسی ایک میں نماز پڑھنے کی نذر مانے کیونکہ جب اس نے ان میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر وفاء لازم ہوگی کیونکہ اس نے ان مساجد کو نذر کے لئے خاص کیا۔ کیونکہ یہ انبیاء کی مساجد ہیں ہمیں ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔

ابن بطال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا علماء کے ہاں یہ حدیث اس آدمی کے بارے میں ہے جس نے ان مذکورہ مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی۔

امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جس نے کسی ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی جہاں سواری کے بغیر نہیں پہنچا جا سکتا وہ اپنے شہر میں ہی نماز پڑھے مگر جب وہ مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور بیت المقدس کی مساجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو اس پر ان کی طرف چل کر جانا لازم ہوگا۔

ابن بطال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جس نے صالحین کی مساجد میں بطور نفل نماز پڑھنے اور اس سے تبرک حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو یہ مباح ہے اگر چہ وہ ان کی طرف سواری پر سوار ہو کر جائے یا بغیر سواری کے لیکن وہ نہ جائے جس کا ذکر اس حدیث میں ہے۔

ایک قول یہ کہا گیا ہے جس نے ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے یا کوئی اور عمل کرنے کی نذر مانی اس پر وہ نذر لازم ہوگی کیونکہ ان مساجد میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں اس کے لئے کسی مسجد میں نماز پڑھنا کافی ہوگا۔

امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے کہا اس میں کوئی اختلاف نہیں سوائے اس قول کے جو حضرت لیث سے مروی ہے انہوں نے کہا اس کا پورا کرنا واجب ہے حنابلہ سے بھی ایک روایت ہے اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا اس کی نذر منعقد نہ ہوگی مالکیہ سے بھی ایک روایت ہے اگر ایسی عبادت ہو جو اسی جگہ کے ساتھ خاص ہو تو اس پر نذر لازم ہوگی۔ جس طرح سرحدوں کی حفاظت ورنہ لازم نہ ہوگی محمد بن مسلمہ مالکی سے مذکور ہے کہ یہ حکم مسجد قباء کے ساتھ بھی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کو یہاں آتے تھے۔

(۳) انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ عدد کے ساتھ محصور ہو جبکہ عدد کا کوئی مفہوم نہیں۔

امام عینی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ان احادیث میں دوسری مساجد کی طرف سواریاں تیار کرنے کی نہی نہیں مگر اس کے قول پر جو عدد کے مفہوم کی حجیت کا قول کرتا ہے اور جمہور کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ حجت نہیں۔

(۴) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس حدیث سے مراد اعتکاف کا قصد کرنا ہے۔

امام خطابی نے معالم سنن میں فرمایا بعض علماء نے کہا کہ ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد میں بھی اعتکاف صحیح نہیں اسی پر انہوں نے اس خبر کا مفہوم بیان کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا میں اس پر کوئی دلیل نہیں دیکھتا۔

میں کہتا ہوں کیوں نہیں ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود کتاب الاعتکاف کی شرح میں کہا جمہور نے کہا کہ یہ حکم ہر مسجد کو عام ہے مگر اس کے لئے جس پر جمعہ لازم ہو حذیفہ بن یمان نے اسے تین مساجد کے ساتھ خاص کیا حضرت عطاء نے مکہ اور مدینہ کی مساجد کے ساتھ خاص کیا اور ابن مسیب نے مسجد مدینہ کے ساتھ خاص کیا۔

میں کہتا ہوں سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول جسے عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا "لَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِیْ مَسْجِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" کہ مسجد نبوی کے علاوہ اعتکاف نہیں۔

حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول جسے عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے نقل کیا اس کے الفاظ یہ ہیں "لَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِیْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ الثَّلَاثَةِ مَسْجِدِ الْمَدِیْنَةِ، مَسْجِدِ مَكَّةَ، مَسْجِدِ اِیْلِیَا"۔

عطاء کا قول جسے عبدالرزاق نے روایت کیا کہا مکہ مکرمہ کی مسجد اور مدینہ طیبہ کی مسجد اور بیت المقدس کی مسجد کے علاوہ کسی مسجد میں بھی جوار (اعتکاف) اختیار نہ کیا جائے۔

(۵) ان تینوں جگہوں کی ذاتی فضیلت

امام سبکی کبیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا زمین میں کوئی ایسی جگہ نہیں جسے ذاتی طور پر فضیلت حاصل ہو کہ ان کی طرف سفر کیا جائے سوائے ان تین شہروں کے فضیلت سے مراد وہ فضیلت ہے جس کے اعتبار کی شرع نے شہادت دی اور اس پر حکم شرعی مرتب کیا ہو جہاں تک دوسرے شہر ہیں ان کی طرف بالذات سفر نہیں ہوتا بلکہ کسی کی ملاقات، جہاد، علم اور مندوبات اور مباحات کے لئے سفر کیا جاسکتا ہے۔

فرمایا: بعض لوگوں پر یہ معاملہ ملتبس ہو گیا انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان تین کے علاوہ کسی جگہ کی طرف محض کسی کی ملاقات کے لئے بھی سفر کرنا منع میں داخل ہے یہ سراسر اس کی غلطی ہے کیونکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوتا ہے تو اس حدیث کا معنی یہ ہوگا کسی مسجد کی طرف یا کسی مکان کی طرف محض اس مسجد یا مکان کی وجہ سے سفر نہ کیا جائے مگر ان تین مذکورہ چیزوں کی طرف کسی دوست کی ملاقات کے لئے یا طلب علم کے لئے سفر کرنا اس جگہ کی طرف سفر نہیں ہوتا بلکہ جو اس مکان میں مکین ہے اس کی طرف سفر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں اس حدیث کا بہترین معنی یہ ہے کہ اسے مساجد کے ساتھ خاص کر دیا جائے امام کرمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا شد رحل یہ سفر سے کنایہ ہے کیونکہ یہ سفر کو لازم ہوتا ہے یہ استثناء مفرغ ہے۔

......اگر تو کہے تقدیر کلام یوں ہے "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی مَوْضِعٍ اَوْ مَكَانٍ" کسی جگہ اور مکان کی طرف سفر نہ کیا جائے تو اس سے یہ بات لازم آئے گی مستثنیٰ کے علاوہ کسی اور جگہ کی طرف سفر کرنا جائز نہیں کیونکہ استثناء مفرغ میں مستثنیٰ منہ کو اعم مقدر ماننا ضروری ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں (کرمانی) اعم الاعم سے مراد ہے جو نوع اور وصف کے اعتبار سے مستثنیٰ کے مناسب ہو

جس طرح تو کہے میں نے نہیں دیکھا مگر زید کوتو تقدیر کلام یوں ہوگی میں نے کسی ایک آدمی کو بھی نہیں دیکھا مگر زید کوتو یہ نہیں مقدر کرے گا میں نے کوئی چیز یا حیوان نہیں دیکھا مگر زید کو۔

پس یہاں تقدیر کلام یوں ہوگی۔ ''لا تشد اِلی مَسْجِدٍ اِلَّا اِلٰی ثَلَاثَةٍ'' یعنی کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے مگر ان تین مساجد کی طرف۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا بعض محققین نے کہا یہ قول'' الا اِلی ثلاثة مساجد '' اس کا مستثنیٰ منہ محذوف ہے یا تو مستثنیٰ منہ عام مقرر کیا جائے تو تقدیر کلام یہ ہوگی سفر نہ کیا جائے کسی جگہ کی طرف بھی مگر ان تین جگہوں کی طرف یا اس سے خاص مقدر کیا جائے گا۔

پہلے قول کی کوئی صورت نہیں کیونکہ یہ تو تجارت، صلہ رحمی اور طلب علم کے علاوہ اس جیسی اور چیزوں کے لئے سفر کرنے کو روکنے کا باعث ہوگا۔ پس دوسرا قول متعین ہو گیا۔

زیادہ بہتر یہ ہے کہ ایسی چیز مقدر کی جائے جو زیادہ مناسب ہو وہ یہ ہے۔'' لا تشد الرحال الی مسجد للصلوة منه الا الی الثلاثة '' سفر نہ کیا جائے کسی مسجد کی طرف نماز کے لئے مگر ان تین مساجد کی طرف۔

امام عینی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہمارے شیخ زین الدین نے کہا اس حدیث کا بہترین محمل یہ ہے اس میں مراد صرف مساجد کا حکم بیان کرنا ہے معنی یہ ہوگا ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے رہا مساجد کے علاوہ کسی اور کے لئے سفر کرنا جیسے طلب علم، تجارت، کسی چیز سے بچنے، صلحاء کی زیارت، مشاہد کی زیارت، بھائیوں کی ملاقات اور اس جیسی اور چیزیں وہ اس نہی میں داخل نہیں۔

بعض طرق حدیث میں یہ چیز صراحت سے آئی ہے مسند احمد میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ کے پاس طور پر نماز کے بارے میں ذکر ہوا تو کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ صرف نماز پڑھنے کے لئے کسی مسجد کی طرف سفر نہیں کرنا چاہئے سوائے مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے اس کی سند حسن ہے اس حدیث کا ذکر پہلے بھی ۶۳۳ نمبر میں گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں اس کی مثل امام مسلم کے ہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں تین مساجد کی طرف سفر کیا جانا چاہئے۔ مسجد کعبہ، میری مسجد، مسجد اقصیٰ اس کا ذکر بھی نمبر ۶۳۱ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

نمبر ۲: اگر کسی نے ان تین مساجد میں سے کسی ایک میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو کیا یہ نذر متعین ہو جاتی ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کے دو بنیادی قول ہیں

(۱) احناف نے کہا اس کو پورا کرنا مطلقاً واجب نہیں بلکہ وہ کسی جگہ بھی نماز پڑھ لے سوائے امام ابو یوسف

رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے۔

امام طحاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے کہتے ہیں جو حدیث یہ ہے۔

۶۴۲۔حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے یوم فتح کو ایک آدمی نے کہا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھ پر مکہ مکرمہ کو فتح کرے تو میں بیت المقدس میں جا کر نماز پڑھوں گا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا یہاں ہی نماز پڑھ لو۔اس آدمی نے دو یا تین دفعہ یہی بات دوہرائی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا جس طرح تو چاہے۔

ابو جعفر طحاوی نے کہا اس حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کو اور جگہ نماز پڑھنے کا حکم دیا جس نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی۔

امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد بن حسن نے کہا جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے اوپر کسی مخصوص جگہ نماز پڑھنے کو لازم کیا پھر اس نے کسی اور جگہ نماز پڑھ لی یہ اس کے لئے جائز ہوگا احناف نے اس حدیث سے ہی استدلال کیا ہے۔

سوائے امام ابو یوسف کے جنہوں نے اپنی املاء میں کہا جس نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی پھر اس نے مسجد حرام میں نماز پڑھی یا مسجد نبوی میں نماز پڑھی تو اس کے لئے یہ جائز ہوگا کیونکہ اس نے ایسی جگہ نماز ادا کی ہے جو اس سے بہتر ہے جس میں نماز پڑھنا اس نے اپنے اوپر واجب کیا تھا۔

جس نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی پھر اس نے بیت المقدس میں نماز پڑھی تو یہ اس کے لئے جائز نہ ہوگا کیونکہ اس نے ایسی جگہ نماز پڑھی ہے جس میں نماز کی وہ فضیلت نہیں جو اس جگہ نماز پڑھنے میں تھی جس میں نماز پڑھنا اس نے اپنے اوپر لازم کیا تھا اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

پھر امام طحاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے متعدد وہ روایات ذکر کیں جن کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔پھر فرمایا جب ان مساجد میں سے بعض میں دوسری مساجد کی بنسبت نماز پڑھنے میں فضیلت ہے جو ان آثار میں مذکور ہے تو اس آدمی کے لئے جائز نہ ہوگا جس نے اپنے اوپر مسجد میں نماز پڑھنے کو واجب کیا مگر یہ کہ وہ اس جگہ نماز پڑھے جہاں اس نے نماز پڑھنا اپنے اوپر واجب کیا ہے یا ایسی جگہ نماز پڑھے جو اس سے افضل ہو۔

(۲) جس نے ان مساجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی وہ اس پر لازم ہو جائے گی یہی جمہور کا قول بھی ہے تاہم جزئیات میں اختلاف ہے لیکن جس نے بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانی اس کے لئے حرمین شریفین میں نماز پڑھنا جائز ہوگا اور جس نے حرمین میں سے کسی ایک میں نماز پڑھنے کی نذر

مانی اس کے لئے بیت المقدس میں نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا۔

سعید بن مسیب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے فرمایا جس نے بیت المقدس میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی پھر مسجد نبوی میں اعتکاف کیا یہ اس کے قائم مقام ہو جائے گا اور جس نے مسجد نبوی میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی پھر اس نے مسجد حرام میں اعتکاف کیا تو یہ اس کے قائم مقام ہو جائے گا۔

ابن جریج رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہا میں نے عطاء سے پوچھا بتایئے تو اگر ایک آدمی مسجد حرام میں جوار (اعتکاف) کی نذر مانے کیا مسجد نبوی میں جوار کرنا اس کے قائم مقام ہو جائے گا فرمایا نہیں میں نے پوچھا جس نے مسجد نبوی میں جوار کی نذر مانی کیا بیت المقدس میں جوار کرنا اس کے لئے قائم مقام ہو جائے گا فرمایا نہیں میں نے پوچھا جس نے مکہ مکرمہ کے پہاڑوں پر جوار کی نذر مانی کیا اس کا مسجد میں جوار کرنا اس کی نذر کے قائم مقام ہو جائے گا فرمایا ہاں مسجد اس سے بہتر ہے میں نے پوچھا کیا ہر زمین میں یہی صورتحال ہے فرمایا ہاں۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس نے ان تین مساجد میں سے کسی ایک میں عبادت کرنے کی نذر مانی تو اس پر یہ لازم ہو جائے گی یہی بات امام مالک، احمد، شافعی اور بویطی نے کہی اسی قول کو ابواسحاق مروزی نے پسند کیا امام ابوحنیفہ نے کہا مطلقاً واجب نہیں۔

مازری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہمارے بعض مشائخ اس طرف گئے ہیں جو حضرت میمونہ کا موقف ہے وہ وہ حدیث ہے جو ۵۹۵ کے ضمن میں گزر چکی ہے کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کا رہنے والا جب بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانے وہ اس کی طرف نہ نکلے کیونکہ نذر ماننے والے کی مسجد افضل ہے اگر کوئی بیت المقدس میں رہنے والا حرمین کی مسجدوں میں سے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو نذر پوری کرنے کے لئے ضرور آئے کیونکہ یہ مساجد اس کی مسجد سے افضل ہیں۔

اس طریقہ پر امام مالک کے قول کا قیاس یہ ہوگا کہ مدینہ طیبہ کا رہنے والا جب مکہ مکرمہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو مکہ مکرمہ نہ آئے کیونکہ مدینہ طیبہ آپ کے نزدیک افضل ہے۔ اگر مکہ مکرمہ کے رہنے والے نے مدینہ طیبہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو ہمارے بعض شیوخ نے کہا بہتر یہ ہے کہ مدنی اور مکی میں سے ہر ایک دوسری مسجد میں نذر پوری کرنے کے لئے جائے تاکہ ان دونوں مساجد کی باہم فضیلت میں جو اختلاف ہے اس سے بچ سکے۔

امام بغوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اگر کسی نے مسجد نبوی یا مسجد اقصیٰ میں آنے کی نذر مانی تو صحیح ترین قول کے مطابق اس پر آنا لازم ہوگا جس طرح اگر وہ مسجد حرام میں آنے کی نذر مانے تو اس پر نذر کو پورا کرنا لازم ہے پھر جب وہ اعتکاف کرے یا نماز پڑھنے کے لئے آئے یا جب وہ مسجد نبوی میں آئے تاکہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے۔

اس میں ایک اور قول ہے اس پر آنا لازمی نہیں پہلا زیادہ صحیح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد میں سے ان تین مساجد کو اپنے اس ارشاد میں خاص کیا ہے۔ تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی۔

اس بناء پر اگر اس نے ان تین مساجد میں سے کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی اگر اس نے کسی اور مسجد میں نماز پڑھ لی تو نذر سے فارغ نہیں ہوگا اگر اس نے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو جب اس نے مسجد حرام میں نماز پڑھ لی تو نذر سے فارغ ہو جائے گا اور جب اس نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھی تو نذر سے فارغ نہیں ہوگا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے میری مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد میں ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے۔

اگر اس نے مسجد حرام میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے سے نذر سے فارغ نہیں ہوگا۔

اگر اس نے مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانی اس نے مسجد حرام یا مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھی تو نذر سے فارغ ہو جائے گا اس پر دلیل وہ روایت ہے جس کو عطاء بن ابی رباح جابر بن عبداللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نذر مانی تھی اگر اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو آپ کے ہاتھ پر فتح کیا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز پڑھوں گا تو فرمایا یہاں ہی نماز پڑھ لو اس نے پھر عرض کی آپ نے پھر فرمایا یہاں ہی نماز پڑھ لو اس نے پھر عرض کی آپ نے فرمایا یہاں ہی نماز پڑھ لو اس نے پھر گزارش کی تو فرمایا جس طرح چاہو کرو۔

میں کہتا ہوں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہی وہ حدیث ہے جس سے امام طحاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے قول کے حق میں استدلال کیا یہ حدیث ایسی ہے جس سے جمہور کے مذہب کے حق میں استدلال کرنا مناسب ہے نہ کہ امام ابوحنیفہ کے حق میں استدلال کرنا، کیونکہ اس میں یہ تصریح موجود ہے کہ جو بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی نذر مانے تو اس کے لئے بیت المقدس کی طرف نکلنا جائز ہے نیز اس کے لئے حرمین میں سے کسی ایک مسجد میں نماز پڑھنا صحیح ہے جس طرح امام بغوی نے روایت ذکر کی لیکن اس کے برعکس کرنا درست نہیں یہی جمہور کا مذہب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

روضہ شریف

اس مسجد شریف و مسجد نبوی، کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں جنت کا ایک ٹکڑا بنایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی حدود کو معین فرمایا یہ وہ جگہ ہے جو اس منبر شریف جس پر بیٹھ کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور آپ کے گھر کے درمیان جس میں آپ رہتے تھے وہ صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر تھا نہ کہ آپ کے دوسرے گھر، زمین میں کسی ٹکڑے کے متعلق جنتی ہونے کی

نص وارد نہیں ہوئی مگر اس ٹکڑے کے متعلق نص آئی ہے کہ یہ جنت کا ٹکڑا ہے۔

یہ چیز آج تک معلوم و معروف ہے کہ یہ روضہ حجرہ شریفہ سے لے کر منبر شریف کے درمیان ہے جنوبی جانب سے حد لوہے والی جالی ہے جس کے اوپر قرآن حکیم رکھنے والی جگہ ہے کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قبلہ والی دیوار کی جگہ تھی رہا شمالی سمت اس کی حد جہاں سفید ستون ہیں حجرہ شریفہ کی دیوار سے نصف میٹر کے دو سوراخ نکالے گئے ہیں جو حجرہ شریفہ کے دروازے کے شمال میں ہیں جس کے سامنے اب مصاحف کے رفوف ہیں۔ (جہاں قرآن رکھے جاتے ہیں)

اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر نصوص ہیں میں ان میں سے بعض کے ذکر پر اختصار کروں گا۔ ان شاء اللہ۔

۶۴۷- عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ متفق علیہ۔

اسے طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے متعدد طرق سے نقل کیا ہے امام مالک سے اور لیث بن سعد کی سندوں سے جنہوں نے عبداللہ بن زید مازنی سے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے ما بین قبری و منبری۔

۶۴۸- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا:

میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے۔ متفق علیہ۔

۶۴۹- حضرت ابو ہریرہ یا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے اسے امام مالک، احمد اور بغوی نے اپنے شمائل اور طحاوی نے روایت کیا۔

۶۵۰- حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے۔ اسے احمد نے رجال صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔

۶۵۱- ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے اور میرے منبر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں ایک باغیچہ ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں اور امام طحاوی نے روایت کیا یہ حدیث حسن ہے۔

۶۵۲- حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اسے نسائی نے کبریٰ میں حمیدی،

جندی اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا۔

۶۵۳- حضرت علی بن ابی طالب اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے حسن قرار دیا۔

۶۵۴- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اسے بزار اور طبرانی نے کبیر میں ثقہ راویوں سے روایت کیا۔

۶۵۵- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے منبر اور میرے حجرہ کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے اسے احمد، بزار، ابو یعلی، ابو نعیم، خطیب بغدادی، بیہقی نے شعب میں اور دوسرے راویوں نے روایت کیا۔ یہ روایت حسن ہے۔

۶۵۶- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر حوض پر ہے۔ اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۶۵۷- زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اس کی سند میں ابو غزیہ محمد بن موسیٰ ہے جسے ابو حاتم اور دوسرے علماء نے ضعیف قرار دیا۔ حاکم نے اسے ثقہ قرار دیا لیکن حدیث کے اور شواہد بھی ہیں جو گزر چکے ہیں جس کی بناء پر یہ روایت حسن بن جائے گی۔

۶۵۸- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میرے والد حضرت عمر نے مجھے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اسے طحاوی اور ابو نعیم نے حلیہ میں روایت کیا دونوں کی سند میں محمد بن سلیمان قرشی ہیں جسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا۔ ابو حاتم نے اس میں جرح و تعدیل میں سے کوئی چیز ذکر نہیں کی دوسرے علماء نے اسے ضعیف قرار دیا لیکن سابقہ روایات اس حدیث کی تائید کرتی ہیں۔ پس وہ ان کی وجہ سے حسن بن گئی۔

۶۵۹- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرے منبر کے پائے جنت کی

سیڑھیاں ہیں اسے بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔
بیتی کی جگہ لفظ قبری کے ساتھ بھی روایت وارد ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت لفظ قبری کے ساتھ امام طحاوی کے ہاں گزر چکی ہے جس کا نمبر ۶۴۸ ہے اس کے راوی صحیح ہیں تاہم صحیحین کی روایت میں بیتی کے الفاظ ہیں۔

۶۶۰-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اسے احمد، طحاوی، ابویعلی، ضیاء اور خطیب نے تاریخ بغداد میں روایت کیا۔

۶۶۱-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے اسے طبرانی نے اوسط میں، طحاوی اور خطیب نے روایت کیا۔ ہیثمی نے کہا اس کے راوی ثقہ ہیں اسے کبیر کی طرف بھی منسوب کیا لیکن اس میں لفظ بیتی ہے۔

۶۶۲-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اسے بزار، خطیب بغدادی، ابن عساکر نے روایت کیا اس کے راوی ثقہ ہیں عینی نے کہا سند صحیح ہے۔

۶۶۳-حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے ابوہریرہ کی حدیث صحیحین میں ہے اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سنن ترمذی میں ہے لیکن دونوں کے ہاں الفاظ بیتی کے ہیں اسی طرح بزار نے اپنی سند میں روایت کیا اس کی سند میں سلمۃ بن وردان ہے جو ضعیف ہے لیکن سابقہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

۶۶۴-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اسے خطیب بغدادی نے سند ضعیف کے ساتھ روایت کیا لیکن سابقہ روایات اس حدیث کی تائید کرتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

ان نصوص کے درمیان کوئی تعارض نہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کیونکہ بیتہ یعنی آپ کا گھر جو سابقہ روایات میں وارد ہے اس سے مراد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر ہے آپ نے عام بیوی مراد نہیں لی جس طرح حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں مقید طور پر آیا ہے جو طبرانی میں وارد ہے جس میں الفاظ ہیں منبر اور حضرت عائشہ کے گھر کے درمیان اس کا ذکر ۶۵۱ نمبر میں ہو چکا ہے جو حسن ہے جس طرح حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ہے جو امام احمد، بزار، ابویعلی اور

دوسرے راویوں سے مروی ہے میرے منبر اور میرے حجرہ کے درمیان جو روایت نمبر ۶۵۵ میں گزر چکی ہے وہ حدیث حسن ہے۔

سیدہ عائشہ کا گھر وہی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر ہے اگر چہ یہ الفاظ بھی روایت میں آتے ہیں ان گھروں کے درمیان جس طرح تھوڑی دیر بعد آئے گا تو اس روایت کو اس معنی پر محمول کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرمایا کہ آپ کی قبر انور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں ہوگی آپ نے مآل کے اعتبار سے فرمایا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اس حدیث میں ایک راز ہے جس پر آگاہ ہونا ضروری ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے جو ان آثار میں سے اکثر میں گزرا ہے ان کے علاوہ میں یہ الفاظ ہیں میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ ان سب کی تصحیح ثابت کرتی ہے کہ اس سے مراد آپ کا گھر ہے جو آپ کی قبر ہے پس یہ آپ کی نبوت کی علامات میں سے بہت بڑی علامت ہوئی۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ہر کسی پر اس جگہ کو مخفی رکھا جہاں اسے موت نے آنا ہے کیونکہ رب العالمین کا ارشاد ہے کوئی نفس نہیں جانتا کہ اسے کہاں موت آئے گی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ سے آگاہ کیا جہاں آپ پردہ فرمائیں گے اور جہاں آپ کی قبر ہوگی یہاں تک کہ آپ اپنی ظاہری زندگی میں ہی اس سے آگاہ ہو گئے تھے اور آپ نے اپنی امت میں سے جسے چاہا آگاہ کیا۔

یہ وہ مقام ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور مقام نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ آپ کے شرف و منزلت میں اضافہ فرمائے۔

میں کہتا ہوں اس سے بڑھ کر کیا صورت ہو سکتی ہے جبکہ حدیث ما بین بیتی، قبری، و منبری روضہ، متواتر ہے جن اصحاب کا میں نے ذکر کیا ہے اس کے علاوہ بھی اسے ابو بکر، جبیر بن مطعم، ابو واقد لیثی، زید بن ثابت، زید بن خارجہ، انس، عائشہ، معاذ بن حارث اور دوسرے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین نے روایت کیا۔ واللہ اعلم۔

اس حدیث شریفہ میں کئی مسائل ہیں

مسجد کے بعض حصے بعض سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں

ان احادیث نے روضہ شریفہ کو ایسی فضیلت کے ساتھ خاص کیا ہے جو مسجد کے دوسرے حصوں میں نہیں پائی جاتی اس کا مطلب ہوا کہ مسجد کے بعض حصے دوسرے حصوں سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں یہ فضیلت اس بنا پر بھی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ عبادت گزار جن کی عبادتیں مقبول ہوتی ہیں ان کی یہاں کثرت

ہوتی ہے جس طرح پہلی صفوں میں کیونکہ وہ کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوتے اور دوسروں پر رحمت نازل ہونے سے قبل ان پر رحمت نازل ہوتی ہے۔

بعض اوقات ایسی خصوصی فضیلت بھی حاصل ہوتی ہے جو اس بقعہ میں پائی جاتی ہے جسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہیں جانتا اگر ایسی بات نہ ہوتی تو اس روضہ کو کوئی فضیلت حاصل نہ ہوتی جبکہ یہ فضیلت ثابت ہے۔

نمبر ۲: روضہ کا خصوصی ذکر

ہم نہیں جانتے کہ زمین کے قطعات میں سے کسی قطعہ کے بارے میں ایسی نص وارد ہوئی ہو کہ وہ جنت کا ٹکڑا ہے سوائے اس بقعہ شریف کے اور یہ وہ حصہ ہے جو آپ کے منبر اور آپ کے گھر کے درمیان ہے یہ وہ خصوصیت اور فضیلت ہے جو اس امت کے ان فضائل کی طرف منسوب ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو سرفراز فرمایا۔

اس سے بعض مالکیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ پر فضیلت رکھتا ہے کہ مدینہ طیبہ کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے جبکہ مکہ مکرمہ کے بارے میں ایسی کوئی نص وارد نہیں۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے تمہید میں فرمایا کہ ہمارے اصحاب نے استدلال فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے پھر اس نقطہ نظر کا رد کیا اس مسئلہ کا ذکر باب اول میں گزر چکا ہے۔

نمبر ۳: آپ کے ارشاد "بیتی" کا کیا مفہوم ہے

تھوڑا پہلے روایات مابین بیتی و مابین قبری میں تطبیق کی صورت گزر چکی ہے۔

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا لفظ "بیتی" کے معنی میں دو قول ہیں۔

(۱) اس سے مراد قبر ہے زید بن اسلم نے کہا جس طرح صراحۃ مروی ہے بین قبری و منبری۔

(۲) اس سے مراد آپ کی رہائش گاہ ہے جس پر الفاظ کا ظاہر دلالت کرتا ہے ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں مابین حجرتی و منبری۔

طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا دونوں قول موافق ہیں کیونکہ آپ کی قبر آپ کے حجرہ میں تھی جو آپ کا گھر تھا۔

میں کہتا ہوں عبداللہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث جو امام احمد کے ہاں ہے اشکال پیدا کرتی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

۲۶۵-عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان گھروں اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور منبر جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر ہے اسے امام احمد نے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ مشرق کی جانب سے روضہ کی حد ہے پس روضہ میں آپ کا گھر یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر ہی داخل ہوگا اس میں آپ کی قبر ہے مزید بحث تھوڑی دیر بعد آئے گی جب میں مغربی جانب سے روضہ شریفہ کی حدود کی زیادتی کا ذکر کردوں گا۔ واللہ اعلم۔

نمبر ۴: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد روضۃ من ریاض الجنۃ کا کیا معنی ہے:

علماء کی گفتگو کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ لفظ ایسا ہے جس کا معنی سمجھا جا سکتا ہے لیکن اس کے معنی میں علماء نے کئی اقوال پر اختلاف کیا ہے۔

ان میں سے کچھ تو اس طرف گئے ہیں کہ یہاں تشبیہ مراد ہے کچھ مجاز کی طرف گئے ہیں اور کچھ حقیقت کی طرف گئے ہیں ان کی تعداد زیادہ ہے۔

نمبر ۱: تشبیہ: اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ وہ نزول رحمت، حصول سعادت میں جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ کی طرح ہے کیونکہ اس میں ذکر کے حلقے ہمیشہ قائم رہتے ہیں، خصوصاً سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کیونکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ بیٹھا کرتے تھے اور لوگ بھی آپ کے پاس تعلیم و تعلم کے لئے بیٹھا کرتے تھے تو اس جگہ کو روضہ کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ وہ چیز جو اس میں حاصل کی جاتی ہے وہ بڑی معزز ہے اور اسے جنت کی طرف منسوب کر دیا کیونکہ وہ جنت تک پہنچانے والی ہے تو اداۃ تشبیہ کے بغیر تشبیہ ہوگی اداۃ تشبیہ کو مبالغہ کے لئے حذف کر دیا گیا۔

نمبر ۲: مجاز: معنی یہ ہوگا کہ اس میں عبادت جنت کی طرف لے جاتی ہے کیونکہ اس میں رحمت نازل ہوتی ہے، جس طرح مجالس ذکر کو ریاض جنۃ کا نام دیا گیا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جب تم جنت کے باغوں کے پاس سے گزرو تو ان سے فائدہ اٹھاؤ اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جنت تو تلواروں کے سائے میں ہے یعنی یہ ایک ایسا عمل ہے جو جنت میں داخل کرتا ہے اور جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے مریض کی عیادت کرنے والے جنت کے راستے میں ہیں یعنی اس کے لئے جنت کے راستے کی امید کی جا سکتی ہے مسبب کا نام سبب کو دے دیا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس کا مطلب ہوگا بے شک یہ طاعات ہر مواظبت کرنے والے کو جنت میں پہنچا دیں گی پس یہ نتیجہ کے اعتبار سے مجاز ہے۔ واللہ اعلم

نمبر ۳: معنی حقیقت پر معمول ہے یہاں دو قول ہیں۔

(ا) بے شک یہ جنت کا ٹکڑا ہے، جس طرح حجر اسود کا، نیل وفرات کا معاملہ ہے پس یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے جو مسجد نبوی میں زمین میں ظاہر ونمایاں ہے۔

(ب) مسجد نبوی کا یہ حصہ قیامت کے روز جنت کی طرف منتقل کیا جائے گا پس یہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہوگا جس طرح وہ تنا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رویا نیز جس طرح آپ کا منبر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

حافظ بن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الرقاق میں اس حدیث کی شرح میں کہا اس جگہ کو روضہ کا نام دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس قطعہ زمین کو جنت کی طرف منتقل کیا جائے گا پس یہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہو جائے گا۔

یا یہ بطور مجاز فرمایا کیونکہ اس میں عبادت عبادت گزار کو جنت میں پہنچا دے گی اس میں نظر ہے کیونکہ اس میں اس قطعہ زمین کا کوئی اختصاص نہیں جبکہ یہ خبر دوسرے قطعات پر اس قطعہ کی فضیلت کے لئے ذکر کی گئی۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ لفظ کو اپنے ظاہر پر رکھا جائے اور معنی یہ کیا جائے کہ یہ قطعہ جنت کا حصہ ہے اور ان شاء اللہ اسے جنت کے باغیچوں کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

اس کے اوپر کئی امور دلالت کرتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی قدرت اس قسم کا عمل کرنے سے عاجز نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت تو اس سے بھی بڑے کام کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے یہ کیوں نہیں کر سکتی۔

(۲) تمام روایات اداۃ تشبیہ کے ذکر کے بغیر اور مجاز کے بغیر آئی ہیں۔ عام علماء اصول کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نصوص کو ظاہر پر محمول کیا جانا چاہئے جبکہ اس کے خلاف دلیل قائم نہ ہو اس میں کوئی بھی دلیل وارد نہیں ہوئی بلکہ اس میں دلیل کا شبہ بھی وارد نہیں ہوا۔

(۳) معنی کو مجاز پر محمول کرنا یا غیر حقیقی معنی لینا اس قطعہ زمین کے لئے کوئی فضیلت باقی نہیں رکھتا نص تو اس لئے آئی تا کہ اس کے قطعہ زمین کے لئے فضیلت اور اختصاص کو ثابت کرے۔

(۴) اس مکان میں عبادت کی کوئی تخصیص نہیں کیونکہ کسی جگہ بھی عبادت عبادت کرنے والے کو ان شاء اللہ جنت میں داخل کر دے گی بلکہ بعض مقامات پر تو اجر میں کئی گنا اضافہ کر دیا جاتا ہے جس طرح سرحدوں پر انسان کا نماز پڑھنا انساں جہاں کہیں بھی اپنے رب کی عبادت کرے گا اس کی عبادت صحیح ہوگی عبادت کے لئے کسی جگہ میں کوئی تخصیص نہیں۔

(۵) ذکر کے حلقے اور علماء کی مجالس بھی اس جگہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ ہر جگہ عام ہیں جہاں کہیں انسان اپنے رب کی عبادت کرے اور جس وقت عبادت کرے تو یہ عبادت صحیح ہوگی کیونکہ اس مکان

کے ساتھ عبادت کی تخصیص نہیں

(۶) روضہ شریفہ کو جنت سے منتقل کرنے اور اسے پھر جنت کی طرف لوٹانے کو حجر اسود کو جنت سے منتقل کرنے اور پھر اسے جنت میں منتقل کرنے کے مشابہ ہے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان مشابھت ہوگی جب حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حجر اسود'' جو جنت سے لایا گیا'' کے ساتھ خاص کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روضہ شریف'' جو جنت سے لایا گیا'' کے ساتھ خاص کیا گیا اس میں کوئی شک نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بلند و بالا ہے۔

(۷) سب سے قوی دلیل جس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ منبر شریف جو مغربی جانب سے روضہ شریفہ کی حد بیان کرتا ہے یہ جنت میں سیڑھیاں ہوگا جس کا بیان ابھی تھوڑی دیر بعد آئے گا تو جس چیز کی حد بیان کی گئی ہے اس کی بھی یہی صورتحال ہوگی۔

ان اقوال میں تطبیق دینے میں کوئی مانع نہیں کہ یوں کہا جائے کہ روضہ شریف حقیقت میں جنت کا ٹکڑا ہے اور اس میں عمل کرنا عمل کرنے والے کو جنت کا مستحق بنا دیتا ہے اور قیامت کے روز اسے جنت میں منتقل کر دیا جائے گا پس یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شمال سے جنوب تک باغیچہ کی حدود

سابقہ بحث میں گزر چکا ہے کہ روضہ شریف گھر سے لے کر منبر تک ہے اس میں کسی اختلاف سے میں آگاہ نہیں مگر اس چیز سے جو ابھی آرہی ہے مگر شمال سے جنوب تک کی حدود میں علماء کے تین قول ہیں۔

(۱) جمال محمد راسانی ریمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ روضہ شریف تمام مسجد کو عام ہے اس ضمن میں انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام'' **دلالات المسترشد علی ان الروضة هی المسجد** '' ہے۔ جس کے رد میں شیخ صفی الدین کازردونی مدنی نے کتاب لکھی امام سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب'' **دفع التعرض والانکار لبسط روضة المختار** ''میں دونوں کتابوں کی تلخیص بیان کی۔

(۲) روضہ شریف صرف منبر اور حجرہ پر محدود ہے حجرہ شریف کی جانب سے یہ وسیع ہے اور منبر کی جانب سے تنگ ہے تو یہ سیدھے اضلاع والا ہوگا۔ کیونکہ قبلہ کی جانب منبر آگے ہے اور شمال کی جانب سے حجرہ پیچھے ہے تو پس روضہ شریفہ منبر شریف کی جانب مثلث شکل والا ہوگا۔

(۳) روضہ شریف مربع شکل کا ہے مشرق کی جانب سے اس کی حد حجرہ شریفہ ہو جس کا آغاز حجرہ شریفہ سے لے کر ستون وفود تک ہے اور بعض علماء نے اسے اسطوانہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک معین کیا ہے اور وہ چوتھے برآمدے تک ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اور مغرب کی جانب سے منبر شریف سے لے کر

اسطوانہ وفود تک ہے اور اب یہ مکبر یہ کا نصف ہے جو پہلے تینوں برآمدوں کو ملاتا ہے جس پر سفید سنگ مرمر لگایا گیا ہے یہی وہ نقطہ نظر ہے جس پر علماء کی اکثریت اور عام لوگ ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ بعد تک ہے یہاں تک کہ اسطوانہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جاتا ہے یہ حجرہ شریفہ کی جانب وہاں تک ہے جتنا نصف میٹر ہوتا ہے جس طرح میں نے کہا۔ واللہ اعلم۔

روضہ شریف کی وسعت

سابقہ بحث سے قبل بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ روضہ شریفہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ سے لے کر منبر شریف تک ہے لیکن کچھ روایات ایسی بھی ہیں جو اس سے زیادتی پر دلالت کرتی ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے روضہ کا اضافہ کر دیا یہاں تک کہ وہ وسیع مکان کو شامل ہو گیا یعنی مشرق کی جانب سے ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں سے لے کر مغرب کی جانب مسجد غمامہ تک حصہ کو شامل ہو گیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی نعمت ہے۔

عبداللہ بن زید انصاری سے مروی حدیث تھوڑی دیر پہلے گزر چکی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں مابین هذه البيوت الى منبرى روضة من رياض الجنة یعنی ان گھروں سے لے کر منبر تک جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اسے احمد نے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں ازواج نبی کے گھر قبلہ، مشرق اور شمال کی جانب تھے یعنی مواجھہ شریف کے جنوب میں پھیلے ہوئے تھے اور حجرہ شریفہ کے مقابل کھڑکی یہ اس گھر کی تھی جس میں سیدہ حفصہ رہتی تھیں پھر عمارت مشرق کی جانب بقیعہ کے دروازے سے باب النساء تک پھیلی ہوئی تھی اور مسجد کی مغربی جانب کوئی چیز نہ تھی۔

اس سے مقصود حجرہ شریفہ اور اس کے مقابل جگہوں کو روضہ میں داخل کرنا ہے اور روضہ شریفہ کی شمالی جانب بھی روضہ شریفہ کے نام میں داخل ہے۔

مغربی جانب عیدگاہ تک پھیلی ہوئی ہے جسے آج کل مسجد غمامہ کہتے ہیں۔

۶۶۶- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا میرے گھر اور میری جائے نماز کے درمیان جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اسے طبرانی نے کبیر میں، بزار، ابن شبہ اور ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں رجال ثقہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

ابن شبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو ان احادیث کے ضمن میں لیا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عیدگاہ تک جانے اور اس سے واپس آنے کے راہ کی وضاحت کرتا ہے۔

۶۶۷- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے حجرہ اور میری عیدگاہ کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اسے طبرانی نے

اوسط میں بہت ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے کیونکہ اس میں عدی بن فضل موجود ہے لیکن سابقہ روایات اس کی تائید کرتی ہیں۔

جس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بزار اور دوسرے محدثین کے ہاں موجود ہے لیکن اس کی سند میں ابن ابی سبرہ ہے۔ واللہ اعلم

مصلیٰ کے معنی میں دو قول ہیں

(۱) مصلیٰ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں مسجد میں نبی کریم ﷺ نماز پڑھتے تھے یہ خطابی کا قول ہے۔

اس پر اعتراض کیا گیا یہ روضہ کو محدود کر دیتا ہے کیونکہ اس صورت میں روضہ کی حد حجرہ اور محراب کے درمیان ہوئی جبکہ یہی مراد ہے۔ واللہ اعلم

(۲) ایک جماعت کا کہنا ہے اس مصلیٰ سے مراد عیدگاہ ہے۔

دوسرے معنی کی تائید حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ عمل کرتا ہے کہ جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا تو انہوں نے مسجد نبوی اور عیدگاہ کے درمیان اپنا گھر بنایا جس طرح ابن شبہ اور بخاری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔

۶۶۸- جناح نجار سے مروی ہے کہ میں عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص کے ساتھ مکہ کی طرف نکلا آپ نے مجھ سے پوچھا آپ کا گھر کہاں ہے میں نے کہا بلاط میں آپ نے مجھ سے فرمایا اسے لازم پکڑو کیونکہ میں نے اپنے والد ماجد سے سنا آپ فرمایا کرتے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ میری اس مسجد اور میری عیدگاہ کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

بلاط مسجد کی مغرب میں تھا جسے مروان بن حکم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے بنایا تھا۔

یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شہر کی عظمت ہے۔

منبر شریف کے فضائل

جب آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آئے اور مسجد بنائی تو آپ منبر شریف پر خطبہ نہیں دیتے تھے بلکہ آپ ایک کھجور کے تنے کے سہارے خطبہ ارشاد فرماتے لیکن جب آپ کی عمر زیادہ ہوگئی اور مسجد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منبر بنایا گیا تو آپ نے اس تنے کو چھوڑ دیا تو وہ تنا آپ کی محبت میں رونے لگا، جس کا بیان بعد میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اسی وجہ سے میں اس منبر شریف کے فضائل اور تنے کے رونے کے حالات ذکر کروں گا چند فقرات میں تاکہ اس کا سمجھنا اور استیعاب آسان ہو جائے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

منبر کا بنانا

تھوڑی دیر پہلے میں کہہ چکا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے تنے کے سہارے خطبہ ارشاد فرماتے تھے جب آپ کی عمر بڑی ہوگئی اور مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی تو بعض صحابہ نے منبر بنانے کا اشارہ کیا کہ جب آپ خطبہ ارشاد فرمائیں تو اس پر فروکش ہوں تا کہ دور والے صحابہ بھی دیکھ سکیں اور دونوں خطبوں کے درمیان اس پر جلوہ افروز ہوں۔

جس نے اشارہ کیا اس میں بھی اختلاف ہے جس طرح بنانے والے کے بارے میں اختلاف ذکر کیا گیا ہے۔

۶۶۹-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم جب بھاری ہو گیا تو تمیم داری نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا میں آپ کے لئے منبر نہ بناؤں جو آپ کو اٹھائے فرمایا کیوں نہیں تو انہوں نے آپ کے لئے دو درجہ والا منبر بنایا اسے ابو داؤد نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا۔

۶۷۰-حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز کھڑے ہوتے تو آپ اس تنے کے ساتھ ٹیک لگاتے جو مسجد میں کھڑا تھا اور خطبہ ارشاد فرماتے تو ایک رومی آیا اس نے عرض کی کیا میں آپ کے لئے ایسی چیز نہ بناؤں جس پر آپ بیٹھیں تو محسوس ہو گویا آپ کھڑے ہیں تو اس نے آپ کے لئے منبر بنایا جس کے دو زینے تھے آپ تیسرے حصہ پر جلوہ افروز ہوتے اس حدیث کو ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے امام ترمذی نے اس سند کے ساتھ اسی طرح روایت کیا دارمی نے بھی اسے روایت کیا یہ روایت مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا یہ احتمال کیا جا سکتا ہے کہ یہاں رومی سے مراد تمیم داری ہو کیونکہ وہ روم کی سرزمین کی طرف اکثر سفر پر رہتے۔

۶۷۱-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کیا میں آپ کے لئے ایک ایسی چیز نہ بناؤں جس پر آپ جلوہ افروز ہوں کیونکہ میرا غلام نجار ہے فرمایا اگر تو پسند کرے تو اس نے منبر بنوایا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

۶۷۲-سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا کہ اپنے غلام نجار کو حکم دو کہ میرے لئے لکڑیاں جوڑے جس پر میں بیٹھوں۔ امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی طرح روایت کیا یہاں روایت مختصر ہے بعد میں مفصل آئے گی۔

ان نصوص میں کوئی تعارض نہیں کیوں کہ یہ احتمال موجود ہے کہ تمیم داری نے پہلے اشارہ کیا ہو پھر اس عورت نے اس کی پیشکش کی ہو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شئت (اگر تو پسند کرے) کے الفاظ

فرمائے ہوں تو اس نے سستی کی ہو تو اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے متوجہ کیا ہو دونوں حدیثوں میں عورت ایک ہی ہے یہ انصاری تھی جس کی وضاحت حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں آئے گی۔ جو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں ہے۔

جس نے اسے بنایا اس بارے میں بھی اقوال مختلف ہیں ان کی تعداد دس تک پہنچتی ہے۔

جس طرح حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح میں فرمایا صحیح ترین قول وہ ہے جس نے یہ کہا کہ وہ میمون ہے کیونکہ سند سہل بن سعد کے واسطہ سے ہے باقی دوسرے اقوال اپنے ضعف کی وجہ سے کسی شمار میں نہیں ان کو جمع کرنا بہت مشکل ہے نجار کے متعدد نام تھے۔ رہا تمام لوگوں کا اس عمل میں شریک ہونا تو سابقہ روایات میں اس کا یہ قول اس سے مانع ہے کہ مدینہ طیبہ میں صرف ایک بڑھئی تھا سوائے اس کے کہ اس قول کی یہ تعبیر کی جائے اور ایک سے مراد اس فن میں ماہر لیا جائے اور باقی اس کے معاون شمار کئے جائیں۔ واللہ اعلم۔

منبر کی تعریف

۶۷۳- ابی حازم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ لوگ سہل بن سعد کے پاس آئے تا کہ منبر کے متعلق دریافت کریں تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں عورت کی طرف پیغام بھیجا جس کا سہل نے نام بھی لیا کہ تو اپنے غلام نجار کو حکم دے کہ میرے لئے لکڑی سے ایسی چیز بنائے جس پر میں اس وقت بیٹھوں جب لوگوں سے ہم کلام ہوں تو اس عورت نے جنگلی لکڑی طرفاء سے منبر بنانے کا حکم دیا پھر وہ اسے عورت کے پاس لایا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا آپ نے اسے مخصوص جگہ رکھنے کا حکم دیا جسے وہاں رکھ دیا گیا آپ اس پر جلوہ افروز ہوئے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔

۶۷۴- ایک اور روایت میں امام بخاری کے یہ الفاظ ہیں یہ جنگل کی لکڑی سے بنایا گیا تھا جسے فلاں عورت کے غلام نے بنایا تھا۔

ان روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اثل طرفاء ہی ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا دوسرا قول یہ بھی ہے اثل طرفاء کی مثل ہوتی ہے اثل طرفاء سے بڑا درخت ہوتا ہے۔ جس طرح حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔

۶۷۵- امام مسلم کے ہاں ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی طرف پیغام بھیجا اپنے بڑھئی غلام کو کہو کہ میرے لئے لکڑی سے ایسی چیز بنائے جس پر بیٹھ کر میں لوگوں سے بات چیت کروں تو اس نے تین زینوں والا منبر بنایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر کے بارے حکم ارشاد فرمایا تو اسے اس جگہ رکھ دیا گیا یہ جنگل کے طرفاء نامی درخت کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔

اس کی مزید وضاحت بعد میں آئے گی۔ ان شاء اللہ عزوجل۔

اس منبر شریف بنانے کی تاریخ میں اختلاف ہے ابن سعد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یقین سے کہا کہ یہ ہجرت کے ساتویں سال بنایا گیا۔

حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اس میں اعتراض ہے کیونکہ اس میں حضرت عباس اور تمیم داری کا ذکر ہے کیونکہ حضرت عباس مدینہ طیبہ میں فتح مکہ کے بعد آئے جو ہجرت کے آٹھویں سال کے آخر میں ہوئی اور تمیم داری ہجرت کے نویں سال میں آئے۔

ابن نجار رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یقین سے کہا کہ یہ ہجرت کے آٹھویں سال بنایا گیا۔

حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اس میں اعتراض کی گنجائش ہے جب واقعہ افک جو صحیحین میں ہے میں وارد ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے "پس اوس اور خزرج کے قبائل بھڑک اٹھے قریب تھا کہ وہ آپس میں لڑ پڑتے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز تھے پس آپ نیچے اتر آئے اس طریقہ نے ان میں کچھ تخفیف پیدا کی یہاں تک کہ وہ سب خاموش ہو گئے اگر یہاں منبر کے ذکر کو مجاز پر محمول کیا جائے تو ٹھیک ورنہ یہ قول پہلوں سے زیادہ صحیح ہے۔

افک کا حادثہ پانچ ہجری میں ہوا جس طرح ابن عقبہ کے مغازی میں ہے ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے کہا یہ سن چھ ہجری میں ہوا دونوں اقوال کا اعتبار بھی کیا جائے تو یہ آٹھ ہجری میں واقع ہونا صحیح نہیں۔

یہ منبر شریف تین زینوں والا ہی رہا یہاں تک کہ مروان بن حکم نے حضرت معاویہ کے دور حکومت میں نیچے سے چھ زینے اضافہ کر دیا۔

اس کا سبب یہ تھا جس طرح زبیر بن بکار نے اخبار مدینہ میں حمید بن عبدالرحمٰن بن عوف کے واسطہ سے بیان کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے مروان کی طرف پیغام بھیجا جو اس وقت مدینہ طیبہ کا امیر تھا کہ منبر ان کی طرف بھیجا جائے مروان نے حکم کی تعمیل کی جب اس منبر کو اکھیڑا گیا تو مدینہ طیبہ تاریک ہو گیا مروان باہر نکلا اس نے خطبہ دیا اور کہا مجھے امیر المومنین نے حکم دیا تھا کہ میں اسے بلند کروں اس نے بڑھئی کو بلایا جبکہ پہلے منبر تین زینوں والا تھا تو بڑھئی نے اس میں اتنا اضافہ کیا جس حالت پر وہ آج موجود ہے۔

ایک اور واسطہ سے بھی اس نے روایت کیا کہا سورج کو گرہن لگ گیا یہاں تک کہ ہم نے دن میں تارے دیکھے اور کہا اس نے اس میں چھ زینوں کا اضافہ کیا اور کہا میں نے اس میں اس لئے اضافہ کیا کیونکہ لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی۔

ابن نجار اور دوسرے لوگوں نے کہا یہ اسی حالت پر رہا مگر جو اس کو درست کیا گیا یہاں تک چھ صد چون ہجری میں مسجد جل گئی تو یہ منبر شریف بھی جل گیا۔

ابن شبہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جب خلیفہ مہدی ۱۶۱ھ میں مدینہ طیبہ حاجی بن کر آیا اس نے مالک

بن انس سے کہا میں ارادہ کرتا ہوں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کو اس حالت پر لوٹا دوں جس حالت پر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ امام مالک نے اسے فرمایا بے شک وہ طرفاء کی لکڑی کا بنا ہوا تھا ان لکڑیوں میں میخیں لگائی گئیں تو یہ مضبوط ہو گیا جب تو ان میخوں کو نکلوائے گا مجھے ڈر ہے کہ یہ گر پڑے گا اور ضائع ہو جائے گا میری رائے نہیں کہ تو اسے بدل سکے گا تو مہدی نے اس کے بدلنے کی رائے تبدیل کر دی۔

میں کہتا ہوں یہ نص دلالت کرتی ہے کہ منبر تین زینوں والا تھا اس کا مطلب ہے دو زینے اور ایک بیٹھنے کی جگہ یہ روایت صحابہ کی ان روایات کے معارض نہیں جن میں یہ تصریح ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے درجے پر چڑھتے۔

۶۷۶۔ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منبر لاؤ ہم منبر لے آئے جب آپ نے پہلے زینے پر قدم رکھا فرمایا آمین جب آپ نے دوسرے زینے پر قدم رکھا فرمایا آمین جب تیسرے زینے پر قدم رکھا فرمایا آمین جب آپ منبر سے اترے ہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ہم نے آپ سے ایسی بات سنی جو پہلے نہیں سنا کرتے تھے۔ فرمایا جبرئیل میرے سامنے آگئے اور کہا اس کے لئے ہلاکت ہے جس نے رمضان کو پایا اور اسے بخشا نہ گیا میں نے اس پر آمین کہی۔ جب میں نے دوسرے زینے پر قدم رکھا جبرئیل امین نے کہا اس کے لئے ہلاکت ہو جس کے سامنے میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ (حضور) پر درود نہ پڑھا میں نے اس پر آمین کہی جب میں نے تیسرے زینے پر قدم رکھا تو جبرئیل امین نے یہ دعا کی اس کے لئے ہلاکت ہو جس کے والدین نے اس کے ہاں بڑھاپا پایا یا ایک نے اور انہوں نے اسے جنت میں داخل نہ کیا میں نے اس پر امین کہی اسے حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا۔ امام ذہبی نے اس کی توثیق کی اسے ابن حبان، طبرانی نے کبیر، بیہقی نے شعب اور ضیاء مقدسی نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

اس مفہوم کی روایات متعدد صحابہ سے مروی ہیں جن میں سے حضرات مالک بن حویرث، انس بن مالک، جابر بن عبداللہ، عمار بن یاسر، ابن مسعود، ابوذر، بریدہ، جابر بن سمرہ اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

میں کہتا ہوں ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ آپ نے بیٹھنے کی جگہ پر قدم رکھا ہو اور یہی تیسرا درجہ تھا۔ واللہ اعلم۔

رہی منبر کی لمبائی تو ابن نجار رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی لمبائی دو ہاتھ ایک بالشت اور تین انگلیاں اور چوڑائی ایک ہاتھ راجح اس کے صدر کی لمبائی (جس کے ساتھ آپ ٹیک لگاتے) وہ ایک ذراع تھی اور منبر کے درمیان کا حصہ جن میں بیٹھ کر اپنے کریم ہاتھوں سے پکڑتے وہ ایک

بالشت اور دو انگلیاں اور چوڑائی ذراع در ذراع تھی اس کے برعکس بھی قول کیا گیا جبکہ ابن زبالہ نے انہیں سے نقل کرنے میں مخالفت کی۔

پہلی دفعہ منبر رکھنے پر نبی کریم ﷺ کا اس پر نماز پڑھنا

جب منبر شریف کو اپنی جگہ پر نصب کر دیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جلوہ افروز ہوئے آپ نے اس پر نماز پڑھی لوگ آپ کے پیچھے تھے یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت دیکھ رہے تھے اور آپ کی اتباع کر رہے تھے۔

٦٧٧- ابی حازم سے مروی ہے کہ ایک جماعت سہل بن سعد کے پاس آئی وہ منبر کے بارے میں جھگڑنے لگی کہ وہ کس لکڑی کا بنا ہوا تھا تو ابو حازم نے کہا قسم بخدا میں پہچانتا ہوں کہ وہ کس لکڑی کا بنا ہوا تھا اور کس نے اسے بنایا تھا اور میں نے پہلے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر بیٹھے دیکھا۔

٦٧٨- آپ سے ہی روایت ہے کہ انہوں نے سہل بن سعد سے پوچھا منبر کس چیز کا بنا ہوا تھا تو انہوں نے فرمایا مجھ سے بڑھ کر لوگوں میں جاننے والا باقی نہیں بچا یہ جنگل کے اثل نامی درخت کی لکڑی سے بنا ہوا تھا اسے فلاں نے بنایا تھا جو فلاں عورت کا غلام تھا جب اسے بنا دیا گیا اور اپنی جگہ رکھ دیا گیا تو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے آپ قبلہ رو ہوئے تکبیر کہی لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے آپ نے قرأت کی رکوع کیا لوگوں نے بھی آپ کے پیچھے رکوع کیا پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا پھر آپ پیچھے ہٹے اور زمین پر سجدہ کیا پھر آپ منبر پر تشریف لے گئے پھر رکوع کیا پھر اپنا سر اٹھایا پھر پیچھے ہٹے یہاں تک کہ زمین پر سجدہ کیا۔

٦٧٩- پہلی روایت میں یہ زیادہ کیا پھر پلٹے یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوئے پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا اے لوگو میں نے یہ اس لئے کیا تا کہ تم میری اقتداء کرو اور میری نماز کو سیکھو۔ متفق علیہ

ان کا یہ کہنا لوگوں میں سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں بچا کیونکہ انہوں نے یہ روایت زندگی کے آخری حصہ میں کی اور صحابہ میں سے وہ جو اس دن حاضر تھے ان کے علاوہ کوئی نہیں بچا تھا۔

ان کا قول ''هُوَ مِنْ اَثْلِ الغَابَةِ'' جبکہ دوسری روایات میں یہ بھی آیا ہے ''هُوَ مِنْ طَرْفَاءِ الغَابَةِ'' طرفاء چار قسم کی ہوتی ہے ان میں سے ایک اثل ہے جس نے کہا طرفاء اس نے اصل کا ارادہ کیا غابۃ سے مراد کثیر درختوں والا جنگل یہ مدینہ طیبہ کے شمال مغرب میں بالائی حصہ میں واقع ہے۔

منبر کا جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہونا

منبر شریف جس پر بیٹھ کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ جنت کی نہروں میں سے ایک نہر پر ہوگا یہ سب اس امت پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی نعمت ہوگی۔

ابوسعید خدری کی حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں یہ الفاظ تھے ''مِنۡبَرِیۡ عَلٰی تُرۡعَةٍ مِنۡ تُرَعِ الۡجَنَّةِ'' اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے یہ روایت حسن ہے۔

جس طرح جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایت گزر چکی ہے جس میں ہے ''وَاِنَّ مِنۡبَرِیۡ عَلٰی تُرۡعَةٍ مِنۡ تُرَعِ الۡجَنَّةِ'' اسے احمد، بزار، ابویعلی اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے یہ روایت بھی حسن ہے۔

۶۸۰- سہل بن سعد رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے ''مِنۡبَرِیۡ عَلٰی تُرۡعَةٍ مِنۡ تُرَعِ الۡجَنَّةِ''

آپ سے عرض کی گئی اے ابوالعباس ترعہ کیا ہے کہا اس کا معنی دروازہ ہے۔ اسے احمد، طیالسی، طحاوی، طبرانی نے کبیر میں، ابن جعد، بیہقی نے سنن میں رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

جس طرح عبداللہ بن زید کی حدیث گزر چکی ہے جس میں ہے منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہوگا اسے احمد نے صحیح راویوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۶۸۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا یہ منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے اور میرے گھر اور منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ اسے احمد، ابن ابی شیبہ، بیہقی، طحاوی، طبرانی نے صغیر اور بغوی نے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

۶۸۲- معاذ بن حارث رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ کہہ رہے تھے میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہوگا اسے بزار نے روایت کیا اس میں اس کا شیخ عمرو بن مالک ہے جسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا اور دوسرے علماء نے ضعیف قرار دیا لیکن سابقہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

۶۸۳- مسعر بن کدام رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے منقول ہے کہ اہل مدینہ کے انصار میں سے ایک شیخ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہوگا اسے جندی نے روایت کیا اس کی سند صحیح کی شرط پر ہے لیکن وہ مرسل ہے واللہ اعلم۔ اس کی شاہد ما قبل روایت ہے۔

جس طرح متعدد سندوں سے مختلف صحابہ سے مروی ہے جن میں سے ایک حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جن سے ابن نجار اور محمد بن سنجر نے روایت کیا اور انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جن سے ابن نجار نے روایت کیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ ہیں جن سے ابویعلی، بزار اور ضیاء مقدسی نے روایت کیا ہے اور بھی کئی لوگ ہیں جنہوں نے اس روایت کا ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔

آپ کے قول علی ترعة من ترع الجنة کا معنٰی

ابوعبید القاسم بن سلام نے کہا ترعۃ ایسے باغیچے کو کہتے ہیں جو بلند جگہ پر ہوتا ہے جب وہ پست جگہ پر ہوتو اسے روضہ کہتے ہیں ابوعمروشیبانی نے کہا ترعۃ کا معنٰی درجہ یعنی سیڑھی، زینہ ہے۔

ابوعبید نے کہا دوسرے لوگوں نے کہا ترعہ کا معنٰی دروازہ ہے گویا آپ نے ارشادفرمایا میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے پھر سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی جس کا ذکر حدیث نمبر ۶۸۰ میں گزرچکا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں اَتَدْرُوْنَ مَاالتُّرْعَۃُ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے ابوعبید نے کہا یہی توجیہ ہمارے نزدیک بھی ہے۔

ایک روایت یوں بھی آئی ہے "عَلٰی تُرْعَۃٍ مِنْ تُرَعِ الْحَوْضِ" یہ حوض کی طرف پانی داخل ہونے کا دہانہ ہے کہتے ہیں اَتْرَعْتُ الْحَوْضَ یعنی میں نے اسے بھر دیا سَحَابٌ تَرِعٌ یعنی زیادہ بارش والا بادل ایک قول یہ کہا گیا ہے اَلتُّرْعَۃُ الکوۃ یعنی سوراخ

اس سے یہ پتہ چلا کہ ترعۃ پانچ معانی پرواقع ہوتا ہے۔ روضہ، درجہ، باب، مفتح الماء، کوۃ، باغیچہ، زینہ، دروازہ، پانی داخل ہونے کی جگہ، سوراخ پس معنٰی یہ بنا منبر حوض پر ہوگا جو جنت میں داخل ہونے والے دروازہ پر ہے پس جو جنت میں داخل ہوگا وہ حوض سے پیئے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جس طرح یہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر اور آپ کی قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ میں ہے اسی طرح منبر شریف بھی جنت میں ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سہل بن سعد کی حدیث کے ضمن میں کہتے ہیں جو روایت حدیث نمبر ۶۸۰ میں گزرچکی ہے آپ کے الفاظ یہ ہیں اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ کا منبر جنت میں ہے جو ترعہ ہے جو جنت روضہ سے مختلف ہے جس طرح اس حدیث میں ہے پس آپ کی قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ میں ہے لیکن یہ باغیچہ منبروالے باغیچہ سے مختلف ہے جو پہلے (منبروالے) باغیچہ سے ذی شان اور بلند مرتبہ والا ہے کیونکہ جب آپ کے منبر کو جس پر آپ جلوہ افروز ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہاں پہنچایا تو آپ کی قبر انور جو آپ کے جسد اطہر کو سموئے ہوئے ہے اور جو آپ کا ٹھکانہ ہے وہ اس اعزاز کی زیادہ مستحق ہے۔

جنت میں کوئی ایک باغیچہ نہیں بلکہ اس میں بے شمار باغیچے ہیں جس طرح کہ رب العالمین نے ارشاد فرمایا جولوگ ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیئے جنت کے باغیچوں میں ہوں گے ان کے لئے ان کے رب کے ہاں وہ کچھ ہے جووہ چاہیں گے یہ اس کا بہت بڑا فضل ہے۔ (سورۃ الشوریٰ ۲۲)

تو یہ جائز ہے کہ اگر آپ کی قبر انوران باغیچوں میں سے کسی باغیچہ میں ہے تو یہ باغیچہ اس باغیچہ سے بلند مرتبہ والا ہو جو باغیچہ آپ کی قبر انور اور منبر کے درمیان ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ باغیچہ مطلقاً مختلف ہو جو

دوسرے باغیچوں سے بڑا ہو جسے اللہ تعالیٰ نے شرف عطا فرمایا اور بلند رتبہ دیا اور آپ کی ذات کے علاوہ دوسرے تمام لوگوں سے اسے الگ رکھا اور آپ کی ذات کے لئے اسے خاص کیا۔

المنبر علی الحوض، منبر حوض پر ہے

اس منبر شریف جس پر جلوہ افروز ہو کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ یہ منبر قیامت کے روز آپ کے حوض پر نصب ہوگا یہ اس منبر شریف کی بہت بڑی فضیلت ہے کیونکہ اس نے یہ مکان آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب آپ کے اس پر جلوہ افروز ہونے اور اس پر خطبہ دینے کی وجہ سے حاصل کیا۔

یہ معنی اور مفہوم صحابہ کی کثیر تعداد سے ثابت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ''وَ مِنۡبَرِیۡ عَلٰی حَوۡضِیۡ'' متفق علیہ

جس طرح حضرت ابو ہریرہ اور ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات گزر چکی ہیں جس میں یہ الفاظ ہیں ''و منبری علی حوضی'' اسے احمد نے رجال صحیح کے ساتھ اور طحاوی اور بغوی نے روایت کیا۔

جس طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث گزر چکی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں ''و منبری علی حوضی'' جسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا اس کے راوی ثقہ ہیں اور طحاوی نے بھی روایت کیا۔

جس طرح زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری ہے جس میں ہے ''و منبری علی حوضی'' اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور یہ حسن لغیرہ ہے۔

ان نصوص میں کئی مسائل ہیں

(۱) حوض کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کرنا۔

ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کے بارے احادیث متواتر صحیح ثابت اور کثیر ہیں مسلمانوں کے علماء کی ایک جماعت کے نزدیک حوض پر ایمان لانا واجب ہے اور ایک جماعت کے نزدیک اس کا اقرار کرنا لازم ہے اور بدعتیوں وخوارج معتزلہ نے اس کی نفی کی ہے اہل حق اس کی تصدیق پر قائم ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے ثابت ہے۔

پھر فرمایا: حوض کے بارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آثار کا تواتر سے آنا اس نے اہل سنت کو اس بات پر برانگیختہ کیا کہ وہ اس پر ایمان لائیں اور اس کی تصدیق کریں۔ اسی طرح شفاعت، عذاب قبر کے بارے میں روایات متواتر ہیں والحمد للہ رب العالمین۔

میں کہتا ہوں اسے ابن ابی عاصم نے بیس صحابہ سے بیہقی نے چوبیس صحابہ سے ابن عبدالبر نے بائیس

صحابہ سے قاضی عیاض نے تیس صحابہ سے حافظ ابن حجر نے چھپن صحابہ سے سیوطی نے انچاس صحابہ سے زبیدی نے پچاس صحابہ سے اور کتانی نے ستاون صحابہ سے غماری نے انسٹھ صحابہ سے اور حافظ نے بعض متاخرین کی معرفت اسی صحابہ سے نقل کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا مسئلہ اس کا قول ''و منبری علی حوضی'' کا کیا معنی ہے

اس سلسلہ میں تین قول ہیں۔

(۱) آپ کا یہی منبر شریف جس پر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے اسے جنت میں منتقل کر دیا جائے گا اور یہ منبر آپ کے حوض پر ہوگا یہی اکثر علماء کا مذہب ہے کثیر علماء نے اس قول کے علاوہ کا انکار کیا ہے قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا کہنا ہے یہی زیادہ ظاہر ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ آپ کے لئے ایک اور منبر پیدا فرمائے گا جسے آپ کے حوض پر نصب فرمائے گا۔

(۳) آپ کے منبر شریف کا قصد، اس کے پاس حاضر ہونا محض اعمال صالحہ کی ملازمت کے لئے اس کے عامل کو حوض پر لے جائے گا اور اس سے جام نوش کرنے کا مستحق بنا دے گا یہ خطابی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔

(۴) امام سمہودی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے تینوں اقوال ذکر کرنے کے بعد یہ کلام زائد کی میرے سامنے چوتھا معنی بھی ظاہر ہوا کہ وہ جگہ جس پر منبر موجود ہے اسے بعینہ جنت کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس منبر کو اس حالت پر لوٹایا جائے گا جو جنت کے مناسب ہوگی اور اس منبر کو جنت پر حوض کے آخر میں رکھا جائے گا اس چیز کو ''تُرعَة مِنْ تُرَعِ الجَنَّةِ'' سے تعبیر کیا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے اس لئے ذکر کیا تا کہ اس معزز محل کے لئے عمل کرنے کی رغبت دلائیں تا کہ یہ چیز عامل کو وہاں تک پہنچا دے یہ حقیقت میں پہلے دو قولوں میں تطبیق کی صورت ہے۔

میں کہتا ہوں جس طرف اکثر علماء گئے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ منبر شریف جس پر آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں جلوہ افروز ہوتے رہے اللہ تعالیٰ اسے ہی دوبارہ لوٹائے گا جس طرح تمام مخلوقات کو دوبارہ اٹھائے گا وہی منبر اس روز حوض پر ہوگا یہی زیادہ ظاہر وقوی ہے اس پر کئی امور دلالت کرتے ہیں۔

(۱) قدرت الٰہیہ اس قسم کا کام کرنے کے لائق ہے بلکہ اس سے بھی سخت اور قوی کام کرنے کے لائق ہے۔ جس طرح یہ بات مخفی نہیں۔

(۲) تمام روایات میں یہ بات آئی ہے کہ منبر کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا و منبری لفظ کو ظاہر سے نہیں پھیرا جاتا مگر قرینہ کے ساتھ ہی اور یہاں کوئی قرینہ موجود نہیں اور جب تک لفظ کو ظاہر پر محمول کرنا ممکن ہو تو اسے ظاہر سے پھیرنا جائز نہیں ہوتا خصوصا اس

وقت جب باہم تعارض نہ ہو اللہ تعالیٰ کی قدرت اس جیسی چیزوں پر ثابت ہے۔

(۳) بعض روایات میں آیا ہے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ''مِنبَرِیْ هٰذَا عَلٰی تُرْعَةٍ'' جس طرح پہلے گزرا ہے اشارہ کی ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منبر کے ساتھ خاص ہے جس پر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے جس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا اس حدیث میں اشارہ اور اضافت دونوں چیزیں جمع ہو گئیں۔

(۴) جو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت آئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ منبر کے پائے جنت میں سیڑھیاں ہوں گے جس طرح آنے والے پیرا میں آرہا ہے تو اس منبر کے پائے زینے ثابت ہوں گے یعنی ثابت اور جنت میں مقیم ہیں یہ قوی ترین دلیل ہے جس طرف اکثر علماء گئے ہیں کہ منبر شریف بعینہ جنت کی طرف منتقل کیا جائے گا یہ ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت کے روز آپ کے حوض پر ہوگا۔

منبر کے پائے جنت میں زینے ہوں گے

اس منبر شریف جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اس کے پائے جنت میں زینے ہوں گے۔

رواتب راتب کی جمع ہے یہ اس چیز کو کہتے ہیں جو ثابت اور مقیم ہو کہا جاتا ہے کہ رتب فی المکان جب وہ اس مکان میں قائم اور ثابت ہو۔

۶۸۴- ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اس منبر کے پائے جنت میں ثبت ہیں اسے عبدالرزاق، حمیدی، احمد، نسائی، طحاوی، ابن حبان اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا ہے۔

۶۸۵- ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے منبر کے پائے جنت میں ثبت ہیں اسے حاکم، طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہیثمی نے کہا اس میں یحیٰی بن عبدالحمید حمانی ہے جو ضعیف ہے۔

میں نے کہا حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کہا اس میں دقت نظر نہیں کیونکہ طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس روایت کو دو سندوں سے روایت کیا ان میں سے ایک یحیٰی حمانی ہے اور دونوں سندوں کا دارومدار عبدالحمید حمانی پر ہے جو یحیٰی کے والد ہیں اسی واسطہ سے حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور امام ذہبی اس سے خاموش رہے اور عبدالحمید شیخین کے شیوخ میں سے ہیں لیکن دونوں کی سندوں میں عبدالرحمن بن امین ہے جو ضعیف ہے لیکن اس حدیث کی تائید سابقہ حدیث اور آنے والی حدیث کرتی ہے پس یہ روایت حسن ہے۔ واللہ اعلم۔

٦٨٦-سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرے منبر کے پائے جنت میں ثبت ہیں اسے بیہقی نے سنن میں رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

یہ احادیث وضاحت کرتی ہیں کہ آپ کے اس منبر شریف جس پر آپ جلوہ افروز ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اس کے پائے جنت میں ثبت ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ اور یہ ان روایات میں سے ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ منبر شریف بعینہ جنت کی طرف منتقل کیا جائے گا۔

اسی بنا پر باغیچہ اور منبر جنت میں ہوں گے اور دونوں بعینہ جنت کی طرف منتقل کیے جائیں گے۔

اس آدمی کی سزا جو منبر کے پاس جھوٹی قسم اٹھائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منبر شریف جس پر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے کی عظمت شان یہ بھی ہے کہ جو آدمی اس کے پاس جھوٹی قسم اٹھائے اور اس قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا مال حاصل کرے خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو جیسے مسواک تو اسے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنانا چاہئے اور اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فدیہ قبول نہ کرے گا یہ اس کے عظیم الشان ہونے کی انتہا ہے۔

٦٨٧-جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے منبر کے پاس جھوٹی قسم اٹھائی اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا اسے مالک، شافعی اور احمد نے روایت کیا امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام ذہبی نے اس کی توثیق کی ابن حبان اور ابن خزیمہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا۔

٦٨٨-آپ سے ایک روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی آدمی میرے اس منبر کے پاس جھوٹی قسم نہیں اٹھاتا اگر چہ وہ چیز سبز مسواک ہی ہو مگر اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا یا اس کے لئے جہنم واجب ہوگئی۔ اسے احمد، ابن ابی شیبہ، ابن سعد، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ نے روایت کیا۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا امام ذہبی نے اس کی توثیق کی اور بیہقی نے سنن صغریٰ اور ابن عبدالبر نے اسے روایت کیا۔

٦٨٩-ابی امامہ بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میرے اس منبر کے پاس جھوٹی قسم اٹھائی جس قسم کے ذریعے کسی مسلمان کے مال کا ناحق مستحق بنا تو اس پر اللہ تعالیٰ ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس سے معذرت اور فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسے نسائی نے کبریٰ، دولابی نے کنی، طبرانی نے اوسط میں ثقہ لوگوں سے روایت کیا اور حدیث کی اصل مسلم میں ہے۔

٦٩٠-ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کو فرماتے سنا فرمایا کوئی مرد یا عورت اس منبر کے پاس جھوٹی قسم نہیں اٹھائے گی اگرچہ وہ تازہ مسواک کے بارے میں کیوں نہ ہو مگر اس کے لئے آگ واجب ہو جائے گی۔ اسے احمد نے روایت کیا اس کے راوی ثقہ ہیں ابن ماجہ اور حاکم نے روایت کیا اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا۔ امام ذہبی نے اس کی توثیق کی اور ابن سعد نے روایت کیا اور بیہقی نے سنن صغریٰ میں اسے حسن قرار دیا۔

۶۹۱- حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی آدمی منبر کے پاس جھوٹی قسم نہیں اٹھاتا مگر اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا اس کے راوی ثقہ ہیں اور صحیح کے راوی ہیں۔

۶۹۲- عمر بن عطاء بن ابی الخوار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا منبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ میں ہے جس نے اس کے پاس مسواک کے متعلق بھی جھوٹی قسم اٹھائی اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالیا چاہئے کہ موجود غائب کو یہ خبر پہنچادے۔ اسے عبدالرزاق نے روایت کیا یہ روایت مرسل ہے اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں لیکن حدیث صحیح ہے اس کی شواہد سابقہ احادیث ہیں۔

ان نصوص میں کئی مسائل ہیں

(۱) بعض جگہ قسم اٹھانا اسی طرح عظیم ہوتا ہے جس طرح بعض زمانوں میں، نماز عصر کے بعد قسم اٹھانا اس کا معاملہ بہت ذی شان ہے۔ جس طرح رب العالمین کا ارشاد ہے۔ آیات قرآنیہ:

"اے ایمان والو! آپس میں تمہاری گواہی جب آجائے کسی کو موت وصیت کرتے وقت (یہ ہے کہ) دو معتبر شخص تم میں سے ہوں یا دو اور غیروں میں سے اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں پھر پہنچے تمہیں موت کی مصیبت رکھوان دو گواہوں کو نماز پڑھنے کے بعد تو وہ قسم کھائیں اللہ کی اگر تمہیں شک پڑ جائے (ان الفاظ سے) کہ ہم نہ خریدیں گے اس قسم کے عوض کوئی مال اور اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی ہو اور ہم نہیں چھپائیں گے اللہ کی گواہی (اگر ہم ایسا کریں) تو یقیناً ہم اس وقت گنہگاروں میں (شمار) ہوں گے۔" (سورۃ المائدہ:۱۰۶)

اسی طرح مسجد میں قسم اٹھانا اس کا معاملہ عظیم ہے

(۲) منبر شریف جس پر آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے کے پاس قسم اٹھانا اسے عظیم کر دیتا ہے اس امر میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح ابن ترکمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔

منبر نبوی کے پاس قسم اٹھانا جس طرح حجر اسماعیل علیہ السلام یا رکن اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم اٹھانا سب عظیم امر ہیں یہ عظمت اس مکان کی وجہ سے وارد ہوئی ہے جس مکان میں وہ قسم اٹھاتا ہے۔

(۳) منبر شریف کے پاس قسم کی عظمت کی وجہ سے ہی صحابہ اس کے پاس قسم اٹھانے سے خوف کھاتے تھے بلکہ بعض اوقات صحابہ پر اگر قسم لازم آتی تو وہ قسم کا فدیہ دے دیتے محض قدر کی موافقت سے بچنے کے لئے۔

۶۹۳- ابوغطفان بن طریف مری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے انہوں نے کہا زید بن ثابت انصاری اور ابن مطیع کے مابین اس گھر میں جھگڑا ہو گیا جوان کے درمیان تھا اور وہ اپنا جھگڑا مروان بن حکم کے پاس لے گئے جو اس وقت مدینہ طیبہ کا امیر تھا تو مروان نے زید بن ثابت پر منبر شریف کے پاس قسم اٹھانے کا فیصلہ کیا زید بن ثابت نے کہا میں اس کے لئے یہاں قسم اٹھاتا ہوں مروان نے کہا نہیں قسم بخدا ورنہ حقوق ختم ہو جائیں گے۔ راوی نے کہا زید بن ثابت یہ قسم اٹھانے لگے ان کا حق ثابت ہے تاہم منبر کے پاس قسم اٹھانے سے انکار کر دیا۔ راوی نے کہا مروان بن حکم اس سے تعجب کرنے لگا اسے مالک، شافعی اور دوسرے علماء نے رجال صحیح کے ساتھ، بیہقی نے کبری اور صغری میں اور ابن عبدالبر نے روایت کیا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا منبر شریف کے پاس قسم اٹھانے میں ہمارے پرانے اور نئے علماء کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں جتنا میں جانتا ہوں۔

نمبر ۴: اس آدمی کی سزا جو قسم اٹھائے جبکہ وہ جھوٹا اور گناہگار ہو

جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس قسم اٹھائے جبکہ وہ جھوٹا اور گناہگار ہو تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا اور اس پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے اس سے فرض اور نفل قبول نہیں کیا جائے گا یہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ جھوٹا گناہگار ہو یعنی وعید واقع نہ ہوئی مگر اس پر جس نے یمین میں گناہ کا ارادہ کیا اور اس نے قسم کے ساتھ کسی مسلمان کا حق ہتھیانے کا ارادہ کیا ہو۔

یہ شدید وعید ہے اور اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ یہ بہت بڑے گناہوں میں سے ہے اور ایسا کرنے والے کو بدلہ کے طور پر جہنم کا ٹھکانہ ملے گا کیونکہ اس نے اس ذی شان مکان میں جھوٹی قسم کے ساتھ گناہ کا ارتکاب کیا۔

یہ وعید اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اگر چاہے تو اس پر جاری کر دے اور عذاب دے اور اگر چاہے تو بخش دے جس طرح اہل سنت کا مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

نمبر ۵: منبر شریف کے مکان کی عظمت

جب یہ جھوٹی قسم اس شدید سزا کو ثابت کرتی ہے جو جہنم کی آگ اور لعنت ہے تو یہ بھی اس منبر شریف کی

عظمت پر دال ہے ورنہ قسم اٹھانے والا اس سخت سزا کا مستحق نہ بنتا اور منبر شریف نے اس مرتبہ کو نہیں پایا مگر اس لئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر ہے تمام وہ چیزیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں ان کے متعلق یہی بات کہی جاتی ہے اسی وجہ سے اس کے پائے جنت میں آپ کے ذی شان حوض پر ثبت ہیں جو حوض جنت کے دروازے پر ہے جو اس حیثیت کا ہو وہ اسی بلند مقام کا مستحق ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تنے کا رونا (حنین الجزع)

اس بحث کے آغاز میں میں نے کہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر شریف کے بنانے سے پہلے کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے جبکہ آپ کھجور کے تنے کا سہارا لئے ہوتے جب زیادہ دیر کھڑے ہونے کی وجہ سے تھکاوٹ محسوس کرتے تو اس تنے پر ہاتھ رکھ لیتے جب آپ کے لئے منبر شریف بنایا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے تاکہ اس منبر شریف پر پہلا خطبہ ارشاد فرمائیں اور اس تنے کے پاس سے گزرے تو تنا رونے لگا اور دردناک آواز نکالنے لگے قریب تھا کہ وہ پھٹ جائے مسجد لرزنے لگی اور اس کی چھت سے مٹی گرنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے تنے کو آغوش میں لیا یہاں تک کہ وہ پرسکون ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دو باتوں کا اختیار دیا کہ چاہے تو اسے جنت کا درخت بنا دیا جائے اگر پسند کرے تو اسے دنیا میں درخت بنا دیا جائے جس کا پھل مومن کھائیں تو تنے نے اس بات کو پسند کیا کہ وہ جنت کا درخت بنے کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا ارادہ کرتا تھا نہ کہ جدائی کا اگر وہ اس بات کو اختیار کرتا کہ وہ دنیا کی طرف پلٹے پھلدار درخت کی حیثیت سے رہے تو اسے حضور کا قرب نصیب نہ رہتا بلکہ وہ اسی باغ میں رہتا جس سے اسے لیا گیا کچھ عرصہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے جدائی اختیار کر لیتے اور وہ بھی کچھ عرصہ کے بعد ناپید ہو جاتا رہا جنت کا معاملہ تو اس پر موت واقع نہیں ہوئی بلکہ اس میں دائمی بقاء ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال کے ساتھ اس سے جدا ہوئے یا وہ دفن ہونے کے ساتھ تو یہ دار بقاء کی نسبت ایک محدود اور مختصر فراق ہے اگر آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنی آغوش میں نہ لیتے تو یہ تا قیامت روتا ہی رہتا۔

آپ کے الگ ہونے پر اس تنے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رونا تواتر سے ثابت ہے صحیحین اور دوسری کتب میں متعدد صحابہ کرام سے یہ روایت ثابت ہے خصوصی بات یہ ہے کہ یہ واقعہ کثیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کی موجودگی میں ہوا۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے متعدد احادیث ذکر کرنے کے بعد کہا یہ احادیث جو ہم نے ستون کے رونے کے متعلق ذکر کی ہیں سب صحیح ہیں اور حنانہ کا معاملہ ظاہر اور روشن علامات سے ہے جسے بعد میں آنے

والوں نے پہلے لوگوں سے لیا اور اس میں احادیث کی روایت بطور دلیل تکلف کی مانند ہے والحمد للہ علی الاسلام والسنۃ اور اسی کے ساتھ پناہ ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ حنانہ والی روایت بذات خود مشہور ہے اور اس کے متعلق خبر متواتر ہے اہل صحیح نے اسے نقل کیا اور صحابہ میں سے اسے تقریباً دس سے اوپر افراد نے نقل کیا جن میں ابی بن کعب، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ہیں اور پورے دس کا ذکر کیا پھر فرمایا یہ سب اس حدیث کا معنی نقل کرتے ہیں۔

تاج سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا تنے کا رونا متواتر ہے کیونکہ یہ روایت تقریباً بیس صحابہ سے مروی ہے جو صحیح ہے جو اس کے قطعی ہونے کا فائدہ دیتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا تنے کا رونا اور چاند کا ٹکڑے ہونا سب اخبار مشہور ہیں جو قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں جنہیں اس مسئلہ میں کوئی تجربہ نہیں ہوتا میں یہاں بعض ان احادیث کو ذکر کروں گا جو صحابہ سے مروی ہیں۔

۶۹۴- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز ایک درخت کے پاس کھڑے ہوئے تو انصار کی ایک عورت یا مرد نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم آپ کے لئے منبر نہ بنائیں جس پر آپ بیٹھیں بے شک میرا ایک بڑھئی غلام ہے فرمایا اگر تم چاہو تو انہوں نے آپ کے لئے ایک منبر بنا دیا جب جمعہ کا روز آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر بیٹھے جو آپ کے لئے بنایا گیا تھا تو یہ کھجور کا تنا رونے لگا جس کے پاس کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے جو قریب تھا کہ پھٹ جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اترے یہاں تک کہ اسے اپنے دامن میں لیا تو وہ بچے کی طرح رونے لگا یہاں تک کہ وہ پرسکون ہو گیا فرمایا وہ اس ذکر کی وجہ سے روتا ہے جو میں اس کے پاس کھڑے ہو کر کرتا تھا۔ اسے بخاری نے روایت کیا۔

۶۹۵- آپ سے ایک اور روایت مروی ہے فرمایا مسجد کی چھت کھجور کے تنوں پر بنی ہوئی تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو ان تنوں میں سے ایک کے پاس کھڑے ہوتے جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا آپ اس پر جلوہ افروز ہوئے تو ہم نے اس تنے سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی کی آواز جیسی آواز سنی یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے آپ نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ چپ ہو گیا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

۶۹۶- انہیں سے ایک اور سند کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کھجور کے تنوں میں سے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگاتے جب منبر بنایا گیا اور آپ اس پر جلوہ گر ہوئے تو وہ تنا مضطرب، بے چین ہوا وہ اسی طرح رونے لگا جس طرح اونٹنی روتی ہے یہاں تک کہ

اس کی آواز مسجد میں موجود لوگوں نے سنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف اترے آپ نے اسے اپنے دامن میں لیا پس وہ خاموش ہو گیا۔ اسے شافعی، احمد، نسائی، دارمی، ابن ماجہ اور ابونعیم نے روایت کیا اس کی سند صحیح ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا۔

اور ایک روایت میں یہ اضافہ کیا اور فرمایا اگر میں اسے دامن میں نہ لیتا تو یہ قیامت تک روتا رہتا۔ اور ان کا قول عشار جو عشراء کی جمع ہے یہ وہ اونٹنی ہے جو حاملہ ہو اور اسے دس ماہ گزر چکے ہوں۔

اور ان کا قول حنین الناقۃ حنین آواز کو کہتے ہیں جس طرح انین یہ اس وقت ہوتی ہے جب وہ چیز اس سے جدا ہو جس سے وہ محبت کرتا ہے عموماً اونٹ کی اس سے صفت بیان کی جاتی ہے۔

۶۹۷- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تنے کے پاس خطبہ ارشاد فرماتے تھے جب منبر بن گیا تو منبر کی طرف منتقل ہوئے تو یہ تنا رونے لگا آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اپنا ہاتھ اس پر پھیرا اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

۶۹۸- امام ترمذی کی روایت میں یہ زیادہ ذکر کیا آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سینے سے لگایا تو وہ پرسکون ہو گیا۔

امام احمد کے پاس یہ الفاظ ہیں تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی میں یوں آواز نکالنے لگا جس طرح گائے آواز نکالتی ہے تو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دامن میں سمیٹ لیا اور اس پر ہاتھ پھیرا یہاں تک کہ وہ مطمئن ہو گیا۔

۶۹۹- اسماعیلی کی روایت میں یہ زیادہ کہا آپ اس کے پاس تشریف لائے اسے دامن میں سمیٹا پس وہ پرسکون ہو گیا پھر فرمایا اگر میں ایسا نہ کرتا تو وہ پرسکون نہ ہوتا۔

اس قسم کی اور روایات بھی آئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۷۰۰- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تنے کے پاس خطبہ دیا لوگوں نے آپ کے لئے منبر بنایا آپ نے منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا تو وہ تنا یوں رونے لگا جس طرح اونٹنی روتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اترے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ پرسکون ہو گیا اسے ترمذی نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا اور احمد نے اپنی مسند میں صحیح سند کے ساتھ روایت کیا۔

۷۰۱- آپ سے ہی مروی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز کھڑے ہوتے اور اپنی پشت سے ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگاتے جو مسجد میں نصب تھا اور لوگوں سے خطبہ ارشاد فرماتے۔ ایک رومی آیا عرض کی کیا میں آپ کے لئے ایسی چیز نہ بناؤں جس پر آپ بیٹھے ہوئے ہوں تو محسوس ہو گویا آپ کھڑے ہیں اس نے آپ کے لئے منبر بنایا جس کی دو سیڑھیاں تھیں اور تیسری پر

بیٹھا کرتے تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو تنا آپ کے غم میں یوں آواز نکالنے لگا جس طرح بیل آواز نکالتا ہے یہاں تک کہ مسجد کانپنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر کر اس کے پاس تشریف لے گئے اسے اپنے دامن میں لیا جبکہ وہ آواز نکال رہا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے دامن میں لیا تو وہ پرسکون ہو گیا۔ پھر فرمایا خبردار قسم ہے مجھے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اسے اپنے دامن میں نہ لیتا تو یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں قیامت تک یوں ہی روتا رہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دفن کرنے کا حکم دیا تو اسے دفن کر دیا گیا۔ اسے احمد، دارمی، ابن حبان، ابن مبارک، عبد بن حمید نے مختصر ابن ماجہ نے مختصر، بیہقی، حافظ نے اسے ابی عوانہ، ابن خزیمہ، اور ابو نعیم کی طرف منسوب کیا۔ قسطلانی نے اسے ابو یعلی، طبرانی اور حاکم کی طرف منسوب کیا اور حاکم نے اسے امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا اور اس کے متعدد طرق ہیں۔

۷۰۲۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ایک تنے کے پاس نماز پڑھتے جب مسجد چھپر نما تھی اور اسی تنے کے پاس خطبہ بھی ارشاد فرماتے تو آپ کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ پسند فرمائیں گے کہ میں آپ کے لئے ایک منبر بناؤں جس پر آپ جمعہ کے روز تشریف فرما ہوں اور لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمائیں۔ فرمایا ہاں اس آدمی نے اس کے تین زینے بنائے جب منبر بنا دیا گیا اور اس جگہ رکھ دیا گیا جہاں آپ نے حکم ارشاد فرمایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منبر پر جلوہ افروز ہو کر خطبہ کا ارادہ کیا اور اس تنے کے پاس سے گزرے جب آپ اس تنے سے آگے نکل گئے جس کے پاس کھڑے ہو کر آپ خطبہ ارشاد فرماتے تھے تو وہ رونے لگا یہاں تک کہ قریب تھا کہ وہ پھٹ جاتا جب آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے رونے کی آواز سنی تو منبر سے نیچے اترے اور اس پر ہاتھ پھیرا پھر آپ منبر پر تشریف فرما ہو گئے جب مسجد گر گئی تو اس تنے کو ابی بن کعب نے حاصل کر لیا وہ انہیں کے پاس گھر میں رہا یہاں تک کہ وہ بوسیدہ ہو گیا اور دیمک اسے کھا گئی اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اسے شافعی، احمد، دارمی، ابن ماجہ، بیہقی، ابو نعیم (دونوں دلائل نبوت میں) اور عبداللہ بن احمد نے زوائد مسند میں روایت کیا۔

امام شافعی، احمد اور بیہقی کی روایت میں آیا ہے "فصنع له ثلاث درجات الاتی علی المنبر" یعنی وہ تین زینے جو منبر کے اوپر والے حصے میں ہیں اس میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ یہ احتمال موجود ہے کہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پہلی روایت پر روایت کیا اور بعد والے لوگوں نے اسے اس وقت روایت کیا ہو جب اس میں اضافہ کیا جا چکا ہو تو یہ تین درجے منبر کے اوپر ہو گئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

۷۰۳-حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہا جب مدینہ طیبہ میں لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی کبھی ایک آدمی آتا اور کبھی ایک قوم آتی تو وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو نہ سنتے یہاں تک وہ ویسے ہی واپس چلے جاتے لوگوں نے آپ سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تعداد زیادہ ہو چکی ہے آنے والا آتا ہے وہ آپ کا کلام نہیں سن سکتا فرمایا جو تم چاہو تو آپ نے ایک عورت کے بڑھئی غلام کی طرف پیغام بھیجا اور جنگل کی طرفاء نامی لکڑی کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ لوگوں نے آپ کے لئے دو زینوں یا تین زینوں والی چیز بنا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جلوہ گر ہوتے اور لوگوں سے خطبہ ارشاد فرماتے جب انہوں نے ایسا کیا تو وہ لکڑی رونے لگی جس کے پاس آپ کھڑے ہوتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف آئے اپنا ہاتھ اس پر رکھا پس وہ خاموش ہو گئی اسے دارمی اور ابو نعیم نے مختصر روایت کیا۔ دونوں کی سند میں مسعودی ہے لیکن دارمی کے نزدیک عبداللہ بن زید مقری نے بھی روایت کیا یہ ان لوگوں میں سے ہے جس نے ان سے اختلاط سے قبل روایت کیا اس کا کم سے کم درجہ حسن ہے اسے اسحٰق نے مختصراً روایت کیا۔

۷۰۴-بیہقی نے اسے ایک اور سند سے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں کیا تم اس لکڑی کے رونے سے تعجب نہیں کرتے لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اس کے رونے سے لوگوں کے دل بھی نرم ہو گئے یہاں تک کہ لوگوں کا رونا بھی زیادہ ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اترے آپ اس کے پاس تشریف لائے اپنا ہاتھ اس پر رکھا پس وہ پرسکون ہو گئی۔ اسے ابو نعیم نے سند حسن کے ساتھ اسی طرح نقل کیا۔ اور طبرانی نے کبیر میں نقل کیا پس یہ حسن لغیرہ ہے۔

۷۰۵-ابی حازم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ لوگ سہل بن سعد کے پاس آئے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر کس چیز کا بنا ہوا تھا کہا لوگوں میں سے کوئی بھی اس کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں بچا کہا وہ جنگل کی اثل نامی لکڑی سے بنا ہوا تھا اور اسے فلاں عورت کے غلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بنایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ایک تنے کا سہارا لیتے جب خطبہ ارشاد فرماتے نیز اسی کے پاس نماز ادا فرماتے جب منبر بن گیا آپ اس پر جلوہ گر ہوئے تو تنا رونے لگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اس پر ہاتھ رکھا یہاں تک کہ وہ پرسکون ہو گیا۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور حدیث کی اصل صحیحین میں ہے اس کا ذکر گزر چکا ہے اور ابن ابی شیبہ کی سند شیخین کی شرط پر ہے۔

۷۰۶-ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر بننے سے قبل ایک تنے کے پاس خطبہ ارشاد فرماتے تھے جب منبر بن گیا آپ منبر پر تشریف لے گئے تو تنا رونے لگا آپ اس کے پاس تشریف لائے اسے دامن میں لیا تو وہ پرسکون ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر

میں اسے دامن میں نہ لیتا تو یہ تا قیامت روتا ہی رہتا۔ اسے احمد، ابن ابی شیبہ، دارمی، ابن ماجہ اور ابن سعد نے روایت کیا ابن کثیر نے کہا یہ مسلم کی شرط پر ہے۔

۷۰۷۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تنے کے پاس خطبہ ارشاد فرماتے تو ایک رومی آیا اس نے عرض کی میں آپ کے لئے منبر بناتا ہوں جس پر آپ خطبہ ارشاد فرمائیں گے تو اس نے آپ کے لئے وہ منبر بنایا جسے آپ دیکھ رہے ہیں جب آپ خطبہ دینے کے لئے اس پر جلوہ گر ہوئے تو وہ یوں رونے لگا جس طرح ایک اونٹنی اپنے بچے کے فراق میں روتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لئے نیچے اترے اسے اپنے دامن میں لیا تو وہ خاموش ہو گیا تو آپ نے اس کے لئے گڑھا کھودنے اور دفن کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اسے ابن ابی شیبہ، دارمی نے دلائل میں مسلم کی شرط پر روایت کیا۔ بزار نے اسے ایک اور سند سے روایت کیا اس کی سند میں محمد بن ابی لیلی عطیہ سے روایت کرتے ہیں دونوں سے دلیل قائم کرنے میں اختلاف ہے لیکن دوسری سند ان کی تائید کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۰۸۔ آپ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز ایک کھجور کے تنے کے پاس خطبہ ارشاد فرماتے لوگوں نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے وہ پسند کرتے ہیں کہ آپ کو دیکھیں اگر آپ منبر بنواتے جس پر آپ کھڑے ہوں تو لوگ آپ کو دیکھیں فرمایا ہاں ہمارے لئے کون منبر بنائے گا ایک آدمی اٹھ کھڑا ہوا کہا میں پوچھا کیا تو بنائے گا۔ اس نے عرض کی جی ہاں اور ان شاء اللہ نہ کہا پوچھا تیرا نام کیا ہے عرض کی فلاں فرمایا بیٹھ جا وہ بیٹھ گیا۔ پھر کلام دہرایا پوچھا ہمارے لئے کون منبر بنائے گا ایک آدمی اٹھا عرض کی ''میں'' پوچھا کیا تو اسے بنائے گا کہا جی ہاں اور ان شاء اللہ نہ کہا پوچھا تیرا نام کیا ہے کہا فلاں فرمایا بیٹھ جا وہ بیٹھ گیا۔

پھر آپ نے وہی کلام دہرایا فرمایا ہمارے لئے کون منبر بنائے گا تو ایک آدمی اٹھا عرض کی میں فرمایا کیا تو بنائے گا عرض کی جی ہاں اور ان شاء اللہ نہ کہا پوچھا تیرا نام کیا ہے عرض کی فلاں فرمایا بیٹھ جا تو وہ بیٹھ گیا۔

پھر آپ تے دہی کلام دہرایا فرمایا ہمارے لئے کون منبر بنائے گا تو ایک آدمی اٹھا اس نے عرض کی ''میں'' پوچھا کیا تو بنائے گا اس نے عرض کی ہاں ان شاء اللہ پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے عرض کیا ابراہیم فرمایا اسے بناؤ۔

جب جمعہ کا دن آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مسجد کے آخر تک لوگ جمع ہو گئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے لوگوں کی طرف منہ کیا تو کھجور کا تنا رونے لگا میں نے بھی سنا جبکہ میں مسجد کے آخر میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اس تنے سے معانقہ کیا آپ اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ وہ خاموش ہو گیا پھر آپ منبر کی طرف تشریف لے گئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی

پھر فرمایا یہ کھجور کا تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں رویا قسم بخدا اگر میں اس کی طرف نہ اترتا اور اس سے معانقہ نہ کرتا تو یہ تا قیامت روتا ہی رہتا۔ اسے عبد بن حمید نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جو امام مسلم کی شرط پر ہے جس طرح ابن کثیر نے کہا۔

۷۰۹-حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا ایک لکڑی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے وقت اس کا سہارا لیتے آپ کے لئے منبر بنایا گیا جب اس تنے نے آپ کو اپنے قریب نہ پایا تو یوں رونے لگا جس طرح بیل ڈکارتا ہے یہاں تک کہ اس کی آواز مسجد کے تمام لوگوں نے سنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اسے دامن میں لیا پس وہ خاموش ہو گیا۔ اسے بیہقی نے دلائل نبوت، طبرانی نے کبیر میں روایت کیا جس کے راوی ثقہ ہیں اسی طرح ہیثمی نے کہا اور ابن کثیر نے کہا اس کی سند عمدہ ہے۔

۷۱۰-حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک تنے کے پاس نماز پڑھتے اور اس کا سہارا لیتے آپ کے لئے چار زینوں والا منبر بنایا گیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جلوہ افروز ہوئے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا تو تنا یوں رونے لگا جس طرح اونٹنی بلبلاتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اپنا ہاتھ مبارک اس پر رکھا اور فرمایا تجھے کیا ہوا اگر تو چاہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے دنیا کی طرف لوٹا دے اگر تو چاہے تو میں دعا کرتا ہوں کہ تجھے جنت میں داخل کر دے گا تو وہاں ثمر بار ہوگا اور تیرے پھل کو اللہ تعالیٰ کے ولی اور اس کے رسول کھائیں گے۔ اس نے عرض کی جی ہاں تنا خاموش ہو گیا تو آپ چلے گئے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں ابو نعیم نے دلائل نبوت میں روایت کیا۔ دونوں کی سند میں صالح بن حبان قرشی ہے جو ضعیف ہے لیکن سابقہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے پس یہ روایت حسن ہے قسطلانی نے اسے مواہب میں بیہقی کی طرف منسوب کیا۔ واللہ اعلم۔

۷۱۱- حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو کھڑے ہوتے پس آپ نے قیام کو طویل کیا آپ پر قیام شاق گزرتا آپ کے لئے کھجور کا ایک تنا لایا گیا اس کیلئے زمین کھودی گئی اور اس تنے کو آپ کے پہلو میں کھڑا کر دیا گیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے اور قیام طویل ہو جاتا آپ اس تنے سے ٹیک لگاتے اس حالت میں ایک آدمی نے آپ کو دیکھا جو باہر سے مدینہ آیا تھا اس نے آپکو ایک تنے کے ساتھ کھڑے دیکھا تو اس نے اپنے پاس بیٹھے آدمی سے کہا اگر میں جانتا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک معاملہ میں میری تعریف کریں گے اور اس کے ساتھ آسانی محسوس کریں گے تو میں آپ کے لئے بیٹھنے کی جگہ بنا سکتا ہوں جس پر آپ جلوہ افروز ہوں جتنی دیر چاہیں اس پر بیٹھیں چاہیں تو اس پر کھڑے ہوں۔ یہ خبر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی فرمایا اسے میرے پاس لے آؤ اسے وہ لوگ لے آئے تو آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ آپ کے لئے تین یا چار زینے بنائے جو آج مدینہ طیبہ کے منبر میں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں آرام محسوس کیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس تنے سے جدا ہوئے اور اس منبر کی طرف ارادہ کیا جو آپ کے لئے بنایا گیا جب حضور تنے سے جدا ہوئے تو وہ رونے لگا اور یوں بلبلایا جس طرح اونٹنی بلبلاتی ہے۔

ابن بریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس تنے کے رونے کی آواز سنی آپ اس کی طرف پلٹے اپنا ہاتھ مبارک اس پر رکھا اور فرمایا چاہو تو میں تجھے اسی جگہ لگادوں جہاں تو پہلے تھا تو اس میں اس طرح ہو جائے جس طرح تو پہلے تھا اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں لگادوں اور تو اس کے دریاؤں اور چشموں سے پانی پئے تو اچھی طرح اگے تو پھلدار ہو اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء تیرا پھل اور کھجوریں کھائیں تو میں ایسا کردوں۔ انہوں نے گمان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی سنا کہ آپ فرما رہے ہیں ہاں میں نے ایسا کردیا یہ کلام دو دفعہ فرمائی۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے فرمایا اس نے یہ پسند کیا ہے کہ میں اسے جنت میں گاڑوں۔ اسے دارمی نے روایت کیا۔ اس کی سند میں صالح بن حبان ہے لیکن اس کی تائید سابقہ حدیث کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

۱۲ ۷- زبیر بن بکار نے اسے مطلب بن ابی وداعہ کی حدیث سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو مسجد میں موجود ایک تنے سے ٹیک لگاتے جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا آپ اس پر بیٹھے تو اس تنے نے یوں آواز نکالی جس طرح بیل ڈکارتا ہے آپ اس کی طرف تشریف لائے یہاں تک کہ اسے سینے سے لگایا تو وہ پر سکون ہو گیا اور فرمایا اسے ملامت نہ کرنا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز سے جدائی اختیار نہیں کی مگر وہ دکھی ہوا

۱۳ ۷- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس وقت عرض کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر رسیدہ ہو گئے اور وزن بڑھ گیا کیا میں آپ کے لئے ایک منبر نہ بناؤں جس پر آپ جلوہ افروز ہوں یا اس جیسا کچھ کہا۔ انہوں نے آپ کے لئے دو یا تین زینوں والی چیز بنائی جس پر آپ جلوہ افروز ہوئے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جلوہ افروز ہوئے تو وہ تنا رونے لگا جو مسجد میں موجود تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تو اس پر ٹیک لگاتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اترے اور اسے اپنے دامن میں لیا آپ نے اس سے کچھ ارشاد فرمایا میں نہیں جانتا کہ وہ کیا تھا پھر آپ منبر پر جلوہ گر ہوئے ان دنوں مسجد کے ستون کھجور کے تنوں کے تھے اور چھت کھجور کی چھال کی اسے بیہقی، حسن بن سفیان نے روایت کیا۔

امام بخاری نے اس کی سند ابن عمر کی سابقہ حدیث کے بعد ذکر کی اور اس کے الفاظ ذکر نہیں کیے۔
حافظ نے کہا اس کی سند عمدہ ہے ابوداؤد نے حدیث کا پہلا حصہ روایت کیا اور رونے کا قصہ ذکر نہیں کیا اس کے الفاظ پہلے گزر چکے ہیں۔ اسے ابو محمد حسن جوہری نے عبدالعزیز بن ابی رواد سے انہوں نے نافع سے انہوں نے تمیم داری سے بالمشافہ روایت کیا اور اسے تمیم کی مسند سے شمار کیا ابن عمر کی مسند سے شمار نہیں کیا۔ واللہ اعلم۔

اس کے علاوہ بھی کئی نصوص ہیں یہ جانتے ہوئے کہ وہاں بہت زیادہ روایات ہیں جو ان صحابہ سے مروی ہیں جن کا میں نے ذکر کیا ان روایات کو میں نے طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا۔

۱۴۷۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز کھجور کے ایک تنے کے پاس خطبہ ارشاد فرماتے اور اس کے ساتھ ٹیک بھی لگاتے اس کی طرف منہ کر کے نماز نہ پڑھتے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر بنوایا اور اس پر جلوہ افروز ہوئے تو تنا یوں بلبلانے لگا جس طرح اونٹ بلبلاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اسے دلاسا دیا اور اپنا دست شفقت پھیرا یہاں تک کہ وہ پر سکون ہو گیا۔ اسے جندی نے فضائل مدینہ میں اور دارمی نے روایت کیا۔ یہ روایت مرسل ہے اس کے راوی ثقہ ہیں اور صحیح کے راوی ہیں لیکن حدیث کے اور شواہد بھی ہیں وہ وہی ہیں جو گزر چکے ہیں۔ پس حدیث صحیح ہے۔
شعراء نے تنے کے رونے کے بارے میں بہت کچھ کہا اور اس میں کئی قصائد لکھے۔
ایک شاعر نے اپنے قصیدہ میں کہا جو صالح بن حسین ہے۔

(۱) تنا آپ کے شوق و محبت میں رویا۔ یوں اپنی آواز کو دہرایا جس طرح دس ماہ کی گابھن اونٹنی دہراتی ہے۔ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے دامن میں لینے میں جلدی کی وہ اسی وقت پر سکون ہو جاتا ہے ہر ایک انسان کے لئے وہی کچھ ہوتا ہے جس کا وہ عادی ہو۔
ایک اور شاعر نے کہا۔
جمادات میں بھی آپ کی محبت رکھ دی گئی وہ سلام پیش کرنے کے ساتھ آپ کو محبت پیش کرتے۔ آپ ایک تنے سے جدا ہوئے جس کے پاس آپ خطبہ ارشاد فرماتے تو وہ ایک ماں کی طرح رونے لگا کیونکہ اس نے اپنے محبوب کو نہ پایا۔
اے قوم اس طرح ایک تنا آپ کے لئے مشتاق ہوتا ہے خبردار ہم زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ ہم آپ کے فراق کا دکھ محسوس کرتے ہوئے روئیں۔
جب ایک تنا ایک ساعت کی دوری برداشت نہیں کر سکتا ہم آپ کی دوری برداشت کریں یہ وفاء نہیں ہے۔

ان احادیث میں کئی مسائل ہیں۔

(ا) ان احادیث میں جو مختلف الفاظ واقع ہوئے ہیں۔

یہ احادیث ایک ہی قصہ کو بیان کرتی ہیں ہر ایک راوی نے قصہ کے اس حصہ کو اپنے الفاظ میں بیان کیا جو حصہ اس کے سامنے عیاں ہوا۔ راویوں میں سے کسی نے اس کی آواز کو جنین سے تشبیہ دی یہ اکثر واقع ہوا ہے کسی نے اسے بچے کے رونے کے ساتھ تشبیہ دی کسی نے اسے بیل کے ڈکارنے سے تعبیر کیا ہر ایک نے تنے سے جو آواز آرہی تھی اس کی حکایت بیان کی جب آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے جدا ہوئے۔

جس طرح کہ راویوں میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو تعبیر میں اس سے بھی زیادہ دقیق تھے وہ جابر کی حدیث ہے انہوں نے اسے عشار کی آواز سے تعبیر کیا عشار اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کے حمل کو دس ماہ گزر چکے ہوں۔

جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے بارے مختلف الفاظ وارد ہوئے کسی نے کہا آپ نے اس سے معانقہ کیا کسی نے کہا آپ نے اپنا ہاتھ اس پر پھیرا کسی نے کہا اسے سینے سے لگایا کسی نے کہا آپ نے اسے دامن میں سمیٹ لیا اور اسی طرح کے الفاظ میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ اس پر رکھا اس پر پھیرا اسے سینے سے لگایا جس طرح ماں اپنے بچے کو سینے سے لگاتی ہے جب اسے تکلیف میں پاتی ہے جب بچہ ماں کی گود کو پاتا ہے تو پر سکون ہو جاتا ہے جبکہ پہلے وہ اس سے جدا ہوا تھا۔

جس طرح بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سرگوشی کی اور کوئی مشاورت کی اور بعض روایات نے اس کا ذکر نہیں کیا پس جس نے ذکر کیا اس نے مکمل قصہ بیان کیا اور جس نے ذکر نہیں کیا اس نے یا تو اختصار سے کام لیا یا اس نے ذکر تو کیا تھا لیکن اسے آگے بیان نہیں کیا گیا۔

جس طرح بعض روایات میں منبر کے زینوں میں اختلاف وارد ہوا ہے ان میں سے تو کچھ ایسے ہیں جنہوں نے شک کی بناء پر دو یا تین درجوں کا ذکر کیا جب کہ صحیح روایت وہ ہے جس میں بغیر شک کے تین درجوں کا ذکر ہے یہ دوسری روایات پر مقدم ہے۔ جس طرح بعض روایات میں آپ کا یہ قول مروی ہے۔ وہ زینے ہیں جو منبر کے اوپر والے حصہ میں ہیں جو اب مدینہ کے منبر میں ہیں یہ منبر میں اضافہ کے بعد کی حکایت ہے جو مروان بن حکم کی طرف سے کیا گیا جس طرح پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ جس طرح بعض روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تنے کو اختیار دینے کا ذکر ہے کہ آپ اسے نئے سرے سے باغ میں گاڑھ دیں تو وہ پھلدار ہو جائے یا اسے جنت میں لگا دیں تو اس نے جنت کو دنیا پر ترجیح دی۔

جس طرح بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اگر میں اسے اپنے دامن میں نہ لیتا تو یہ تاقیامت روتا ہی رہتا یہ سب کچھ اس کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ محبت اور آپ کے فراق میں غم کی وجہ سے تھا۔

روایات کا خلاصہ کرنے والے پیرہ میں موجود ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بڑی ہوگئی اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعداد زیادہ ہوگئی تو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے منبر بنایا گیا اس سے قبل آپ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے اور مسجد کے اگلے حصہ میں موجود ایک تنے کے ساتھ ٹیک لگاتے جو آج محراب کے دائیں اور منبر رکھنے کے بعد وہ بائیں جانب تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور تنے کے پڑوس میں کھڑے نہ ہوئے تو وہ سخت رونے لگا یہاں تک کہ مسجد میں موجود لوگوں نے اس کی آواز سنی قریب تھا کہ وہ پھٹ جاتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر شفقت کرتے ہوئے نیچے اترے کیونکہ آپ دونوں جہانوں کے لئے رحمت ہیں اپنا ہاتھ مبارک اس پر رکھا اپنے سینہ سے لگایا اس پر اپنا ہاتھ پھیرا یہاں تک کہ وہ پر سکون ہوگیا جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس تنے کے رونے کی آواز سنی تو ان کے دلوں میں رقت پیدا ہوگئی وہ بھی شدت سے رونے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنے کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار دیا تو تنے نے دار بقاء کو دار فناء پر ترجیح دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا میں نے ایسا کر دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے موجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خبر دی کہ اگر آپ اسے دامن میں نہ لیتے تو یہ قیامت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں یوں ہی روتا رہتا۔ اس تنے کے انجام کا ذکر بحث نمبر چھ میں آئے گا۔

نمبر ۲: اللہ تعالیٰ کبھی کبھی جمادات میں بھی ادراک پیدا کر دیتا ہے جس طرح حیوانوں میں اس نے پیدا کیا بلکہ اشرف المخلوقات (انسان) کی طرح پیدا کر دیتا ہے کیونکہ رونا، شوق، محبت اور حزن یہ ذوی العقول کی صفات ہیں بلکہ اشرف ترین مخلوقات کی صفات ہیں یہ بحث ان لوگوں کی تائید کرتی ہے جو رب العالمین کے اس ارشاد کو "وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ" (یعنی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے) (الاسراء: ۴۴) کو ظاہر پر رکھتے ہیں کیونکہ تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق اور محبت میں رویا۔ یہ ایک ایسا ادراک ہے جس سے انسانوں میں سے بھی خاص لوگ پہنچتے ہیں چہ جائیکہ دوسری مخلوق۔ واللہ اعلم۔

نمبر ۳: جمادات کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت

بے شک صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا اظہار کرتے ہیں تو ان پر کسی قسم کی ملامت نہیں کی جا سکتی کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، سنا اور آپ کے مقامات کا ادراک کیا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو صحابہ کی ایک مثال ہے جنہوں نے اپنے شوق، محبت اور اشتیاق میں آکر رونے کی مثالیں قائم کیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے غم میں انہوں نے وہ نقوش ثبت کئے جو رہتی دنیا تک بطور ضرب المثل قائم رہیں گی۔ جو انسان صحابہ کرام رضوان

اللہ علیہم اجمعین کے ان احوال سے واقف ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہان فانی سے پردہ فرماتے وقت ان پر طاری ہوئے تو وہ ان کی محبت شوق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی کے غم کو خوب پہچان چکا ہوگا۔ ان میں سے کچھ صحابہ ایسے تھے جو خوف کا شکار ہو گئے، کچھ بیٹھ گئے، کچھ نے اپنی کمریں دھری کر لیں ان میں سے کچھ وفات پا گئے بلکہ کچھ صحابہ تو ایسے تھے کہ وہ حضور کا ذکر کر کے رونے لگتے حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو ان کی صرف مثالیں تھے۔

جب تنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں روتا ہے اور ایسے محبت کرتا ہے اور جمادات کی آپ کے شوق، محبت اور آپ کے فراق میں رونے کو بیان کیا گیا ہے تو انسان جوذوالعقول ہے اور حس رکھتا ہے تو اس کے رونے کی کیا حالت ہوگی کیونکہ اس پر تو ایسا کرنا واجب ہے بلکہ دوسری چیزوں سے بڑھ کر اسے ایسا کرنا چاہئے لیکن معاملہ عقل وفہم کا محتاج ہے ہم اللہ تعالیٰ سے ثبات واستقامت کا سوال کرتے ہیں۔

نمبر ۴: نبی کریم ﷺ کے معجزہ کی عظمت

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اتنے ہی معجزات عطا کئے جس قدر لوگ ان پر ایمان لائے سابقہ انبیاء کے معجزات حسی اور وقتی تھے جس طرح ان کے مواقع اور قوموں کے احوال تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان کی مثل تمام معجزات عطا فرمائے بلکہ ان سے بھی بڑھ کر معجزات عطا فرمائے۔ ان حسی معجزات کا اثر ان معجزات کے زائل ہونے کے ساتھ ہی زائل ہو گیا یا اس کے مشاہدہ کرنے والے کے زوال کے ساتھ زائل ہو گیا صرف نقل واخبار میں وہ باقی رہ گئے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ باقی رہنے والا ہے اور وہ قرآن ہے یہ اس طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۷۱۵- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو اتنے ہی معجزات دیئے گئے جتنے اس پر لوگ ایمان لائے بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف جو وحی کی ہے میں امید کرتا ہوں کہ میں قیامت کے روز دوسرے انبیاء کی نسبت اتباع کرنے والوں کے اعتبار سے زیادہ ہوں گا۔ متفق علیہ۔

انبیاء کے معجزات حسی اور وقتی تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جیسے معجزات بھی عطا کئے گئے بلکہ ان سے بھی بڑھ کر عطا کئے گئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سب سے بڑا معجزہ جو عطا کیا گیا وہ مردوں کو زندہ کرنا ہے تو خشک تنے کا آپ کے لئے رونا اس سے بھی بڑا معجزہ ہے۔

امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو جو عطا کیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا کیا۔

حضرت عمرو بن سواد نے آپ (شافعی) سے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے کا معجزہ عطا کیا۔

امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خشک تنے کے رونے کا معجزہ عطا فرمایا یہاں تک کہ اس کی آواز سنی گئی یہ معجزہ اس معجزہ سے بڑا ہے۔
مردے کو زندہ کرنا تو اس کو پہلی حالت کی طرف لوٹانا ہے مگر خشک تنے کا رونا اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ خشک تنا جامد ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ادراک والا بنا دیا جس طرح کہ اشرف المخلوقات ہے تو یہ اس سے زیادہ بلیغ ہے اور قدرت الٰہیہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔
ابن عقیل حنبلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ خشک تنے کے رونے اور درختوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہونے پر تعجب نہ کیا جائے کیونکہ جب ذات پاک نے مقناطیس میں اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت رکھی ہے تو اس ذات کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی ہی قوت رکھ دے۔

نمبر ۵: نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خشک تنے کے ساتھ معاملہ

جب تنا حد درجہ رویا قریب تھا کہ پھٹ جاتا مسجد ہلنے لگی لوگوں نے اس کی آواز کو سنا جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں آواز نکال رہا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ حسن معاملہ اور احسان کا ایسا معاملہ کیا جس کا وہ مستحق تھا اور ایسا رویہ اپنایا جو عقلمند کے ساتھ اپنایا جاتا ہے یہ چیز متعدد روایات سے واضح ہے۔ جیسے فَضَمَّہٗ (اسے سینے سے لگایا)، فَالْتَزَمَہٗ (اپنے دامن میں لیا)، فسارہ (سرگوشی کی)، فَخَیَّرَہٗ (اسے اختیار دیا)، اِنْ شِئْتَ (اگر تو چاہے) یہ سب کچھ نہیں ہوتا مگر عقلمند اور جاننے والے کے لئے اس تنے کی کیا شان ہے کتنا یہ سمجھدار ہے کہ وہ کفار اور سرکشوں پر فوقیت لے گیا اور عقلمند اور ادراک کرنے والوں کے مرتبہ پر فائز ہوا۔
کیا مسلمانوں میں سے سخت دل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظمت کے ادراک سے عاجز ہیں اور اپنی طرف سے اس تنے کا بدلہ لاتے ہیں اور اس کی بعض حالت کو ہڑپ کر جاتے ہیں کیا کفار اور منافقین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے علم سے ناواقف ہیں جبکہ جمادات آپ کی ملاقات کے مشتاق ہیں لیکن معاملہ اس طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا۔ آیت کریمہ (سورۃ بقرہ: ۷۴)
ترجمہ: (کیونکہ کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوف الٰہی سے۔
یا تو یہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں یا چوپاؤں سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

نمبر ۶: اس تنے کا انجام

رہا اس دنیا میں اس خشک تنے کا انجام۔ اس میں دو قول ہیں۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس جگہ دفن کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

(۲) حضرت ابی بن کعب اسے اپنے گھر لے گئے تھے یہاں تک کہ وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور دیمک اسے کھا گئی۔

دونوں روایتوں کو جمع کرنا ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی جگہ دفن کرا دیا تھا جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نئے سرے سے تعمیر کرائی اور دیواریں کھدوائیں وہ تنا پھر ظاہر ہو گیا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسے لے گئے تو وہ آپ کے پاس ہی رہا اس کے علاوہ بھی اس میں گفتگو کی گئی۔ واللہ اعلم۔

نمبر ۷: آخرت میں اس جزع کا انجام

متعدد روایات میں یہ بات وارد ہوئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا تھا کہ چاہے تو وہ دنیا میں ایک درخت بن جائے یا جنت میں ایک درخت بن جائے کہ اس کی رگیں جنت کی نہروں سے پانی پئیں اور اس کا پھل انبیاء اور اولیاء کھائیں تو اس نے آخرت کو پسند کیا وہ دار بقاء ہے پس اب وہ جنت میں ہے۔

اس تنے کا جنت کو اختیار کرنا اس کے عقل وادراک کی انتہاء ہے کیونکہ وہ رویا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں رویا اور غمگین ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں غمگین ہوا اگر اسے دوبارہ دنیا کی طرف لوٹایا جاتا تو جدائی قطعی طور پر واقع ہو جاتی یہ امر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے کے ساتھ بھی ہو سکتا تھا اور اس تنے کے فنا ہونے سے بھی ہو سکتا تھا تو اسے یہی حزن دوبارہ لاحق ہوتا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ سخت رہا جنت کا معاملہ تو اس میں فراق کا تصور ہی نہیں کیونکہ وہ دار بقاء ہے اور مومنین کا گھر ہے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے سردار ہوں گے۔

اس پر مزید یہ بات کی جا سکتی ہے کہ مسجد میں باقی رہنے کے ساتھ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں رویا جبکہ وہ مسجد سے باہر نہیں نکلا تھا زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ آپ نے اس کے پاس کھڑا ہونا چھوڑ دیا کیونکہ آپ اس سے چار یا پانچ میٹر دور ہوئے اس کے باوجود وہ مشتاق ہوا تو اس کا کیا حال ہوتا اگر وہ دنیا میں رہتا اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اس باغ میں لگا دیتے جہاں سے حاصل کیا گیا تھا اس میں کوئی شک نہیں تو وہ اس جگہ کی نسبت زیادہ دور ہو جاتا جس میں وہ اب تھا اس کے بعد وہ کیسے صبر کرتا جب وہ اتنے قرب کی بناء پر صبر نہ کر سکا تو اتنی دوری کی بناء پر وہ کیسے صبر کرتا اس کی بناء پر اس نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ اس کے اس تنے کی دانشمندی اور اچھے عمل پر دال ہے کیا مسلمان اس کا ادراک رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر رحم فرمائے کیونکہ انہوں نے یہ ارشاد فرمایا تو بلیغ اور صحیح فرمایا۔

اس خشک تنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں رونا ہمیں اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان، رفعت مقام اور اعلیٰ درجات پر فائز ہونے کی بہترین مثال عطا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے جمادات کو شعور وادراک عطا کر کے اشرف المخلوقات کی طرح بنا دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اور ان کے فراق کے غم میں مضطرب ہوتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس موضوع میں اس بحث کی گنجائش نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے اس شرف سے نوازا ہے میں نے اس کے لئے متعدد کتب خاص کی ہیں۔ الحمد للہ۔

نبی کریم ﷺ کے نیچے منبر کا کانپنا

اس منبر شریف ''جو اللہ تعالیٰ کے اذن سے جنت میں ہوگا'' کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز اس پر جلوہ گر ہوئے اور اس کے اوپر ایک آیت پڑھی تو منبر کو ہیبت، خشیت اور گھبراہٹ نے آلیا تو وہ سخت کانپنے لگا اور سخت حرکت میں آ گیا یہاں تک کہ صحابہ خوف محسوس کرنے لگے کہ کہیں آپ منبر سے گر ہی نہ جائیں۔

۷۱۶- حضرت عبید اللہ بن مقسم سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر کو دیکھا کہ وہ کیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت بیان کر رہے ہیں فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں اور زمینوں کو اپنے قبضہ قدرت میں رکھے ہوئے ہے وہ ارشاد فرماتا ہے میں اللہ ہوں'' اس اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیوں کو بند کرتے ہیں اور کھولتے ہیں'' میں بادشاہ ہوں۔ یہاں تک کہ میں نے منبر کی طرف دیکھا کہ وہ نیچے سے حرکت کر رہا ہے یہاں تک کہ کہنے لگا کہ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دے گا؟

۷۱۷- آپ سے ہی مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا آپ ارشاد فرما رہے تھے جبار اپنے آسمانوں اور اپنی زمین کو قبضہ قدرت میں رکھے ہوئے ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کو بند کر لیا اور پھر اسے بند کرنے لگے اور کھولنے لگے پھر فرمایا وہ ارشاد فرماتا ہے'' انا الرحمن '' میں رحمان ہوں،'' انا الملک '' (میں بادشاہ ہوں)، جبار کہاں ہیں متکبر کہاں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں بائیں دیکھنے لگے یہاں تک کہ میں نے منبر کو دیکھا کہ وہ نیچے سے حرکت کر رہا ہے یہاں تک کہ میں کہنے لگا کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دے گا۔ اسے امام مسلم، ابن حبان اور طبرانی نے کبیر میں روایت کیا اور الفاظ امام مسلم کے ہیں اور دوسرے لوگوں نے بھی اسے روایت کیا۔

۷۱۸- امام احمد، ابن حبان اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی آپ سے ہی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی جبکہ آپ منبر پر تھے'' وَمَا قَدَرُو لَطْرِيَاتٌ اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ، وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا

يُشْرِكُوْنَ ''انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی جس طرح قدر کرنے کا حق تھا قیامت کے روز تمام زمین اس کے قبضہ میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں پڑے ہوں گے وہ پاک ہے وہ بلند وبالا ہے ان سے جن میں وہ اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں۔(سورۃ الزمر ۶۷)۔کہا اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا''اَنَا الْجَبَّارُ''(میں جبار ہوں)،''اَنَا الْمُتَكَبِّرُ''(میں متکبر ہوں)،''اَنَا الْمَلِكُ'' (میں بادشاہ ہوں)،''اَنَا الْمُتَعَالُ''(میں بلند وبالا ہوں)،''اَنَا الْعَزِيْزُ''(میں غالب ہوں،''اَنَا الْكَرِيْمُ''(میں معزز ہوں) وہ اپنی شان بیان کرے گا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کلمات کو دہرانے لگے یہاں تک کہ منبر کانپنے لگا ہم گمان کرنے لگے کہ منبر آپ کو گرا دے گا اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔

۷۱۹-حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کریمہ کے متعلق پوچھا''وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ''فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا''انا الجبار، انا، انا''اور رب العالمین اپنی ثناء بیان فرمائے گا۔کہا منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کانپنے لگا یہاں تک کہ ہم نے کہا آپ ضرور گر پڑھیں گے اسے حاکم نے روایت کیا کہ الفاظ آپ کی روایت کے ہیں اسے صحیح قرار دیا امام ذہبی نے اس کی توثیق کی۔احمد، ترمذی اور نسائی نے کبری میں بیہقی اور دوسرے محدثین نے روایت کیا آخری لفظ کے علاوہ سب نصوص منبر کے کانپنے پر دلالت کرتی ہیں جب اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تمیز و ادراک کو پیدا کیا تو اسے ہیبت اور خشوع نے آلیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے تو منبر بھی پرسکون ہوگیا۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

باغیچہ کے ستون

ایک چیز بعض اوقات کسی چیز کی مجاورت کی وجہ سے فضیلت والی، سعادت مند، ذی شان اور عظمت والی ہوجاتی ہے اسی طرح یہ باغیچہ بھی ہے۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار یہاں تشریف لاتے یہاں بیٹھتے، اعتکاف فرماتے، تحویل قبلہ کے بعد یہاں نماز پڑھتے یا اس جیسے دوسرے اعمال یا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں نماز پڑھنے والے کے لئے زیادہ ثواب کی خبر دی ہے یا اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آرام فرماتے یا یہاں آپ وفود سے ملاقات کرتے۔

وہ مسجد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی اس کے تمام ستون فضیلت والے تھے جس طرح کہ وہ اب ہیں کیونکہ یہ ستون اس کا حصہ ہیں صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین ان کے پاس نماز پڑھنے کیلئے

جلدی کیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔

۷۲۰- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کبار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مغرب کے وقت سواری (ستون) کی طرف جلدی کرتے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے جاتے۔ متفق علیہ۔

۷۲۱- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پچھلے پہر کی دو نمازوں میں سے ایک نماز پڑھائی ظہر کی تھی یا عصر کی آپ نے دو رکعتوں میں سلام پھیرا پھر آپ مسجد کے قبلہ کی جانب ایک تنے کے پاس آئے تو غصہ کی حالت میں اس کے ساتھ ٹیک لگائی۔

۷۲۲- امام بخاری کی روایت میں ہے آپ ایک لکڑی کی طرف اٹھے جو مسجد میں پڑی ہوئی تھی آپ نے اس پر ٹیک لگائی گویا کہ آپ غصہ میں ہیں آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔ حدیث متفق علیہ ہے اور سجود السہو میں ہے۔

ان دونوں روایات میں کوئی منافات نہیں (آپ تنے کے پاس آئے، آپ ایک لکڑی کی جانب اٹھے، کیونکہ خشبہ کو جزعہ پر محمول کیا جاتا ہے یہ منبر بنانے سے پہلے کی بات ہے) جو چوڑائی کی صورت میں پڑی ہوئی تھی۔ بعض شارحین نے یقین سے کہا جس طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ یہ وہی تنا تھا منبر بننے سے قبل جس کے ساتھ آپ ٹیک لگاتے تھے ایک قول یہ کیا گیا ہے نہیں بلکہ یہ کھجور کا ایک اور تنا تھا جو مسجد میں عرضاً پڑا ہوا تھا جس کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے اور اس کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے اور صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم اردگرد بیٹھتے تھے۔ واللہ اعلم۔

روضہ شریفہ کے ستون

جو حجرہ شریفہ کے ساتھ ملے ہوئے تھے جنوب سے شمال کی جانب۔

اسطوانہ سریر: اس ستون کے پاس کھجور کے پتوں کی ایک چارپائی (چٹائی) پڑی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر آرام فرماتے یہ ستون توبہ کے بالمقابل تھا۔

اس کے شمال میں حجرہ شریفہ کے دروازہ کے جنوب میں جو روضہ شریفہ کی جانب کھلتا تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ اسطوانہ حرس (حفاظت والا ستون) پہرے داروں والا ستون بعض صحابہ کرام اس آیت کریمہ ''وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ'' کے نازل ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے یہاں بیٹھتے تھے۔ انہیں صحابہ کرام میں سے حضرت علی بن ابی طالب تھے۔

اس کے شمال میں اسطوانہ وفود ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بیٹھتے تھے تاکہ آپ کی ملاقات کے لئے آنے والے وفود سے ملیں اسے مجلس قلادہ بھی کہتے کیونکہ جلیل القدر صحابہ کرام یہاں تشریف رکھتے تھے۔

واللہ اعلم۔

اس کے شمال میں اسطوانہ مربعۃ القبر ہے جسے اسطوانہ مقام جبرئیل علیہ السلام بھی کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لاتے اور اس کے پاس ٹھہرتے کیونکہ یہیں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا گھر تھا اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نماز کے لئے ارشاد فرماتے یہ ستون حضرت علی اور حضرت فاطمہ کی شادی کی جگہ ہے۔

حجرہ شریفہ کے شمال اہل صفہ کے سامنے، دیوار کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلیٰ ہے یہ ستون سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے پیچھے ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو تہجد کی نماز کے لئے اٹھتے اس ستون کے پاس آپ کے لئے ایک چٹائی بچھادی جاتی اور آپ نماز پڑھتے رہتے جتنا اللہ تعالیٰ چاہتا اس ستون کی جگہ آج محراب ہے اس کے سامنے مصاحف کے لئے الماری رکھ دی گئی جو دوسری الماریوں کے آگے ہے یہ تھوڑی بلند جگہ پر ہے جو حجرہ شریفہ کے پیچھے ہے جو باب جبرئیل سے مسجد سے باہر نکلنے والے کی دائیں جانب ہے۔

روضہ شریفہ کے جنوبی سمت میں اسطوانہ مخلقہ، اسطوانہ جزع اور اسطوانہ مصحف ہے وہ ستون جو روپا تھا اس کی جگہ میں اختلاف ہے اسے حنانہ کے نام سے جانا جاتا ہے کیا وہ محراب کی دائیں جانب تھا یہ اکثر علماء کا قول ہے اور یہی مشہور ہے اور زیادہ صحیح ہے یا یہ محراب کی بائیں جانب جو حجرہ شریفہ کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

رہا اسطوانہ مخلقہ: انہیں خلوق کی خوشبو لگائی جاتی تھی روضۃ میں تین ستون تھے جن پر مخلقہ کا اطلاق ہوتا تھا ایک یہ پھر اسطوانہ سیدہ عائشہ جسے اسطوانہ مہاجرین کہا جاتا اور اسطوانہ توبہ اسے اسطوانہ ابی لبابہ بھی کہتے علماء کی کثیر تعداد کو وہم ہوا کہ انہوں نے مخلقہ کو اسطوانہ عائشہ کے ساتھ خاص کیا جس طرح مطری نے کیا اور اس کے بعد حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس طرح اسطوانہ مصحف میں اختلاف ہے کیا یہ وہ ہے جو مخلقہ ہے یا وہ ہے جو منبر اور محراب کے درمیان ہے۔

روضہ (باغیچہ) کے اندر جو حجرہ شریفہ کے ساتھ ہے اسطوانہ سریر کے مشرق میں اسطوانہ توبہ پایا جاتا ہے یہی اسطوانہ ابی لبابہ کے نام سے معروف ہے۔

دونوں کے مغرب میں اسطوانہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ روضہ (وہ جگہ جسے جنت کا باغیچہ قرار دیا گیا) کا درمیانی ہے ان کے اوپر سنگ مرمر کی تختیاں ہیں مخلقہ، عائشہ، توبہ، سعدیہ، حرس اور وفود یہ تختیاں ان ستونوں کے اوپر نمایاں جگہ ثبت ہیں۔

ان ستونوں میں جو چیزیں وارد ہوئی ہیں ان میں سے بعض کا میں ذکر کروں گا۔ وہ اسطوانہ مصحف، اسطوانہ سیدہ عائشہ، اسطوانہ توبہ۔ واللہ الموفق۔

اسطوانہ مصحف شریف

۷۲۳- یزید بن ابی عبید سے مروی ہے کہ میں حضرت سلمہ بن اکوع کے ساتھ آتا تھا وہ اس اسطوانہ کے پاس نماز پڑھتے جو مصحف کے پاس ہے میں نے پوچھا اے ابومسلم میں تمہیں دیکھتا ہوں تم یہاں نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہو انہوں نے جواب دیا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا وہ اس ستون کے پاس نماز پڑھنے کی کوشش فرماتے۔ متفق علیہ لفظ بخاری کے ہیں۔

۷۲۴- امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ مصحف کی جگہ کو تلاش کرتے وہاں نماز پڑھتے ساتھ ہی ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کو تلاش کرتے اور منبر اور قبلہ کے درمیان بکری کے گزرنے کی جگہ تھی۔

تسبیح سے مراد نفلی نماز ہے

یہ حدیث ظاہر میں ان احادیث کے خلاف ہے جن میں مسجد کی ایک ہی جگہ کو اپنے لئے متعین کرنے سے نہی ہے لیکن دونوں حدیثوں میں تطبیق ممکن ہے یہ اس وقت ہوگا جب اس جگہ میں کوئی فضیلت ہو نہ ہی ضرورت مگر جب اس میں فضیلت ہو تو کوئی حرج نہیں۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اس میں یہ تصریح ہے کہ ایک ہی جگہ ہمیشہ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں تاہم ایک آدمی کو مسجد میں ایک جگہ کو نماز کے لئے معین کرنے سے نہی اس صورت میں ہوگی جب فضیلت نہ ہو اور ضرورت نہ ہو۔

مگر جس میں فضیلت ہو تو پس ہم اس کو ذکر کر چکے ہیں۔ جو اس جگہ کا محتاج ہو کسی غرض کی بناء پر وہ علم کی تدریس ہو فتوی دینا ہو، حدیث کا سماع ہو یا اور امر تو اس میں کوئی کراہت نہیں بلکہ یہ مستحب ہے کیونکہ یہ خیر کے طریقوں میں آسانی کا باعث ہے۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بغیر ضرورت کے مسجد میں ایک جگہ کو معین کرنے میں کراہت کے بارے اسلاف میں اختلاف کا ذکر کیا ہے اور ضرورت کی بناء پر اتفاق کا ذکر کیا اسی کی مثل جو ہم ذکر کر چکے ہیں۔

رہا ان کا قول ''عند الا سطوانة التي عند المصحف '' (یعنی اس ستون کے نزدیک جس کے پاس مصحف ہے اور ان کا قول ''یتحری موضع مکان المصحف '' یعنی وہ مصحف کی جگہ کی تلاش کرتے تھے یہ قول دلالت کرتا ہے کہ مصحف شریف کے لئے خاص جگہ تھی معاملہ ایسے ہی تھا کیونکہ محراب کی دائیں جانب ایک صندوق میں مصحف رکھا گیا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ کی نشانی تھا۔

بعض علماء نے اس ستون کی تعیین میں اختلاف کیا ہے...... حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ مذکورہ ستون کے بارے میں ہمارے بعض مشائخ نے یقین سے ہمیں بتایا کہ وہ باغیچہ میں درمیانی ہے جو اسطوانہ مہاجرین کے نام سے معروف تھا۔

یہ بھی کہا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ آپ فرمایا کرتی تھیں اگر لوگ اسے جانتے تو لوگ قرعہ اندازی کرتے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت ابن زبیر کو رازدارانہ انداز میں بتایا وہ اس ستون کے پاس اکثر نماز ادا فرماتے پھر میں نے ابن نجار کی تاریخ میں دیکھا۔ انہوں نے یہ زیادہ کیا کہ قریش کے اس ستون کے پاس جمع ہوتے ان سے قبل محمد بن حرم نے اخبار مدنیہ میں اس کا ذکر کیا۔

اسی کی مثل امام عینی نے کہا کہ مذکورہ ستون اسطوانہ مہاجرین کے نام سے مشہور تھا میں کہتا ہوں اس کا مرجع وہی ہے جو امام مطری نے ذکر کیا انہوں نے اپنی کتاب **التعریف بما آنست الھجرۃ من معالم دار الھجرۃ** میں اسطوانہ مخلقہ کا ذکر کیا اور وضاحت کی کہ وہ اسطوانہ مہاجرین ہے یہ اسطوانہ عائشہ کے نام سے بھی معروف تھا جو روضہ میں درمیانی ہے اسی کی مثل اس سے پہلے ابن نجار نے بھی کیا ہے۔

اس کے مخلقہ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ یہ اسطوانہ مذکورہ ہے کیونکہ روضہ شریفہ میں تین ستون ہیں جن میں سے ہر ایک مخلقہ ہے وہ یہ ہیں اسطوانہ مصحف، اسطوانہ توبہ، اسطوانہ عائشہ یا مہاجرین۔

ان ستونوں کو مخلقہ کا نام دینے کی وجہ یہ ہے جب ہارون الرشید کی والدہ خیزران نے ۱۷۰ھ میں حج کیا اس نے حکم دیا کہ مسجد کو خوشبو لگائی جائے اور ان ستونوں کو خوشبو لگانے میں زیادتی سے کام لیا گیا پس انہیں مخلقہ سے پہچانا گیا۔

امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا جو ابن نجار نے نقل کیا کہ حجاج بن یوسف نے بڑے شہروں کی طرف مصاحف بھیجے اس موقع پر اس نے مدینہ طیبہ کی طرف ایک بڑا مصحف روانہ کیا جو ایک صندوق میں تھا اسے ستون کی دائیں جانب جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ تھی رکھا گیا تھا اسے جمعہ اور جمعرات کو کھولا جاتا جب صبح کی نماز ہوتی تو اس سے قرأت کی جاتی۔

یہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ ستون وہی ہے جو پہلے محراب کی دائیں جانب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اسطوانہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اسے اسطوانہ مخلقہ اور اسطوانہ مہاجرین کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

یہ منبر اور قبر شریف سے تیسرا ہے اور روضہ شریفہ (باغیچہ) میں درمیانہ ہے محراب کے شمال میں اس سے بائیں جانب اور اسطوانہ توبہ سے دائیں جانب۔

زبیر بن حبیب نے کہا جس طرح ابن نجار نے نقل کیا یہ روضہ کے درمیان میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال فرض نماز اس کی طرف منہ کر کے پڑھی پھر آج کے مصلیٰ کی طرف آگے بڑھے اور اس ستون کو پشت کی جانب کر دیا۔ حضرت ابوبکر، عمر، زبیر، ان کا بیٹا عبداللہ، عامر بن عبداللہ بن زبیر اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے اور قریش کے مہاجرین اس کے پاس جمع ہوتے اس کو مجلس مہاجرین کا نام بھی دیا جاتا۔

۷۲۵- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ستون کے پاس مسجد میں ایک جگہ ہے اگر لوگ اسے جان لیں تو اس میں نماز نہ پڑھیں مگر قرعہ اندازی کے ذریعہ اس وقت آپ کے پاس صحابہ کی جماعت اور مہاجرین کی اولاد بیٹھی ہوئی تھی انہوں نے عرض کی اے ام المومنین وہ کہاں ہے وہ سب آپ کے پاس جمع ہو گئے چند لمحے آپ کے پاس ٹھہرے پھر چلے گئے۔ عبداللہ بن زبیر وہاں ہی ٹھہرے رہے سب نے کہا آپ انہیں اس جگہ کے بارے ضرور بتائیں گی وہ انتظار میں رہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر کہاں نماز پڑھتے ہیں حضرت عبداللہ بن زبیر چند ساعتوں کے بعد نکلے انہوں نے اسی ستون کے پاس نماز پڑھی جہاں ان کے بیٹے عامر بن عبداللہ نماز پڑھا کرتے تھے اسے اسطوانہ قرعہ نام دیا گیا اسے طبرانی نے اوسط میں ذکر کیا ہیثمی نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا اس حدیث کے طبرانی کے علاوہ بھی کئی طرق ہیں۔ الفاظ قریب قریب ہیں بعض بعض کی تائید کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے اس ستون کے پاس جو دعا مانگی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے۔

اسطوانہ توبہ

یہ حجرہ شریفہ کی جانب سے دوسرا ہے یہ اسطوانہ سریر کے مغرب میں اور اسطوانہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کے مشرق میں ہے یعنی اسطوانہ سریر اور اسطوانہ سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان ہے یہ اسطوانہ ابی لبابہ کے نام سے بھی معروف ہے۔

اسے اسطوانہ ابی لبابہ کا نام اس لئے دیا گیا کیونکہ ابی لبابہ نے اپنے آپ کو اس کے ساتھ باندھا تھا اس کی وجہ یہ بنی کہ بنی قریظہ کے یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دھوکہ کیا اور یوم خندق کو وہ قریش کے کفار کے ساتھ مل گئے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کی مدد کی اور لشکروں کو بھگا دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ پر حملہ کر دیا مسلمان افواج نے ۱۵ دن تک ان کا محاصرہ کئے رکھا جس طرح ابن اسحاق نے کہا جب انہیں یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے بغیر واپس پلٹنے والے نہیں تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ ابی لبابہ بن عبدالمنذر کو ہماری طرف بھیجیں تا کہ وہ ان سے اس معاملہ میں مشورہ کریں کیونکہ ابی لبابہ کا ان سے معاہدہ تھا تو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے ابی لبابہ کو ان کی طرف بھیج دیا جب یہودیوں نے ابی لبابہ کو دیکھا تو مردان کے استقبال کے لئے اٹھے عورتیں اور بچے روتے ہوئے آپ کی طرف لپکے تو ابی لبابہ کا دل بھی ان کے لئے پسیج گیا انہوں نے آپ سے کہا اے ابولبابہ تمہاری کیا رائے ہے کہ کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر قلعوں کے دروازے کھول دیں۔ حضرت ابی لبابہ نے جواب دیا ہاں اور اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا کہ وہ فیصلہ تو ذبح کرنا ہوگا۔

حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا قسم بخدا میں اسی جگہ ہی تھا کہ مجھے معلوم ہوگیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کر چکا ہوں۔

پھر حضرت ابولبابہ سیدھے چلتے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے اپنے آپ کو اس ستون کے ساتھ باندھ دیا اور عرض کناں ہوئے میں اس وقت تک اس جگہ سے نہ ہلوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے کئے پر میری توبہ قبول کرے۔

ابن اسحاق نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی جبکہ آپ نے ان کے واپس آنے میں دیری محسوس کی تو فرمایا خبردار اگر وہ میرے پاس آتے تو ان کے لئے میں استغفار کرتا مگر جب اس نے خود ایسا کرلیا ہے تو میں اسے اس جگہ سے آزاد نہیں کروں گا جب تک اللہ تعالیٰ اسے بخش نہ دے۔

پھر اس کی توبہ کے بارے میں حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سحری کے وقت نازل ہوا جبکہ آپ حضرت ام سلمہ کے گھر میں تھے تو حضرت ام سلمہ نے ابی لبابہ کو اس کی خوشخبری دی یہ معاملہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے لوگ آپ کی طرف دوڑے تاکہ انہیں کھول دیں تو ابی لبابہ نے کہا قسم بخدا ہرگز نہیں میں اس وقت تک نہ ہلوں گا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنے ہاتھوں سے مجھے نہ کھولیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لئے باہر تشریف لائے تو آپ نے انہیں آزاد کیا۔

یہ حضرت ابی لبابہ کے قصہ کی تلخیص ہے اس وجہ سے اس ستون کو اسطوانہ توبہ کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول کیا جب ابی لبابہ اس ستون کے ساتھ بندھے ہوئے تھے اسے اسطوانہ ابی لبابہ بھی کہتے ہیں کیونکہ حضرت ابی لبابہ نے اپنے آپ کو اس کے ساتھ باندھا تھا۔ واللہ اعلم۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف فرماتے تو آپ کا بستر یا چارپائی اس کے پیچھے ڈال دی جاتی۔

۷۲۶۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف فرماتے تو آپ کا بستر یا چارپائی اسطوانہ توبہ کے پیچھے ڈال دی جاتی اسے ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور بیہقی نے کبریٰ میں روایت کیا بوصیری نے زوائد بن ماجہ میں فرمایا سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی کی سند عیسیٰ کے ساتھ ملتی ہے جو نافع سے وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

میں کہتا ہوں کہ بیہقی رحمتہ اللہ کے ہاں یہ روایت بھی ہے اس اسطوانہ توبہ کے پاس جو قبلہ کے ساتھ ملا ہوا ہے جس کے ساتھ آپ ٹیک لگاتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس آدمی کے لئے ثواب جو گھر سے مدینہ کی مسجد کے ارادہ سے نکلتا ہے

اس مسجد شریف کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو اس مسجد شریف کے ارادہ سے اپنے گھر سے نکلے وہ ایک قدم بھی نہیں اٹھاتا مگر اللہ تعالیٰ اس کے عوض میں اس کے حق میں ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اس کے عوض ایک گناہ مٹا دیتا ہے۔

لفظ عام آیا ہے یہ اسے بھی شامل ہے جو مدینہ طیبہ میں ہو اور جو اس سے باہر رہتا ہو یہی ابن حبان نے اپنی صحیح میں عنوان باندھا ہے کہا "ذِكْرُ الخَبَرِ الدَّالِّ عَلَى اَنَّ الخَارِجَ مِنْ بَيْتِهٖ يُرِيْدُ مَسْجِدَ المَدِيْنَةِ مِنْ اَیِ بَلَدٍ كَانَ يُكْتَبُ لَهٗ بِاِحْدٰی خُطُوَتَيْهِ حَسَنَةٌ وَ يُحَطُّ عَنْهُ بِاُخْرٰی سَيِّئَةٌ اِلٰى اَنْ رَجَعَ اِلَى بَلَدِهٖ" اس خبر کا ذکر جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اپنے گھر سے نکلنے والا جو مدینہ طیبہ کی مسجد کا ارادہ کرتا ہو خواہ وہ کسی شہر کا ہو اس کے حق میں ایک قدم کے عوض ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور دوسرے قدم کے عوض ایک برائی مٹا دی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنے شہر کی طرف پلٹے۔

یہ بہت بڑا ثواب اور عظیم اجر ہے خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو گھر سے دور ہیں خصوصاً جو مسجد سے دور ہے خواہ وہ مدینہ طیبہ میں ہو یا باہر ہو۔ واللہ اعلم۔

۴۲۷- حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا جس وقت تم میں سے کوئی میری مسجد کیلئے اپنے گھر سے نکلتا ہے تو ایک قدم اس کے حق میں نیکی لکھتا ہے اور دوسرا برائی مٹا دیتا ہے۔ اسے احمد، نسائی، ابن حبان، حاکم نے روایت کیا۔ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور امام ذہبی نے اس کی توثیق کی۔

پھر یہ حکم تمام دوسری مساجد کے لئے ہے جبکہ ان کے لئے سفر اور سواری کا اہتمام نہ کیا جائے کیونکہ سفر نہ کیا جائے مگر تین مساجد کے لئے جس طرح پہلے گزر چکا۔

وظائف المسجد

مسجد نبوی شریف کے وظائف (اس میں کئے جانے والے اعمال) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف نماز اور ذکر تک موقوف نہ تھے بلکہ بہت سے اور اعمال کو بھی شامل تھے جیسے مسافر آدمی کی نیند سے لے کر (بلکہ مقیم بھی اس میں سو جاتے تھے جیسے ابن عمر اور دوسرے افراد) قضاء، احکام کو جاری کرنا جیسے لعان، لشکروں کی تیاری اور عیدوں میں خوشی کا اہتمام۔

جب دنیا وسیع ہو گئی تو مسجد تعلیم اور عبادت جیسے نماز، ذکر، تسبیح، اعتکاف، قرآن حکیم کی قرأت اور اس

جیسے دوسرے اعمال تک محدود ہوگئی۔

یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ میں نے اہل صفہ کا ذکر کیا جس میں مرد اور عورتیں ہوتی تھیں اور خیمہ نصب کرنے کا ذکر اس عورت کے لئے جو خوبصورت تھی۔ یہاں میں اور نصوص کا ذکر کروں گا جو اور امور کیلئے ہیں مقصد مثال بیان کرنا ہے نہ کہ مقصود حصر کرنا ہے کیونکہ حصر کرنا بہت مشکل ہے۔

۷۲۸-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری دور میں جب کوئی آدمی خواب دیکھتا تو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان کرتا مجھے بھی آرزو ہوئی کہ میں بھی خواب دیکھوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان کروں میں ایک نوجوان آدمی تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد میں ہی سو جایا کرتا تھا میں نے خواب دیکھا گویا دو فرشتے مجھے پکڑ لیتے ہیں اور مجھے جہنم کی طرف لے جاتے ہیں وہ یوں لپٹی ہوئی ہے جس طرح کنواں ہوتا ہے اس کے دو سینگ ہیں اس میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں میں پہچانتا ہوں میں کہنے لگتا ہوں میں جہنم سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ہمیں ایک اور فرشتہ ملتا ہے اس نے مجھ سے کہا ''لم ترع'' الحدیث۔ متفق علیہ۔

۷۲۹-حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر آئے اور حضرت علی شیر خدا کو گھر نہ پایا فرمایا تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔ انہوں نے عرض کی میرے اور ان کے درمیان جھگڑا ہوا وہ مجھ پر ناراض ہوئے اور گھر سے چلے گئے میرے پاس قیلولہ نہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے کہا دیکھو وہ (علی) کہاں ہیں وہ آیا عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جبکہ وہ پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے اور ایک پہلو سے چادر گری ہوئی تھی اور اسے مٹی لگی ہوئی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے مٹی پونچھنے لگے اور فرمانے لگے اے ابوتراب اٹھو اے ابوتراب اٹھو۔ متفق علیہ۔

ان دونوں حضرت عبداللہ بن عمر کی شادی نہیں ہوئی تھی اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی ہو چکی تھی اور ان کا گھر بھی تھا اگر یہ جائز نہ ہوتا تو آپ اس میں نہ سوتے۔ واللہ اعلم۔

۷۳۰-حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ غزوہ خندق کے روز حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اکحل (بازو میں ایک رگ) میں زخم لگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کیلئے مسجد میں خیمہ لگوایا تا کہ قریب رہ کر اس کی عیادت فرمائیں جبکہ مسجد میں بنی غفار کا خیمہ بھی تھا انہیں اس خون نے خوف زدہ کر دیا جو ان کی طرف بہہ رہا تھا۔ انہوں نے کہا اے خیمہ والو۔ یہ کیسا خون ہے جو تمہاری طرف سے ہماری طرف آرہا ہے کیا دیکھتے ہیں حضرت سعد کے زخم سے خون بہہ رہا ہے آپ اس

مرض میں وصال فرما گئے۔ متفق علیہ

رہا علم کی مجالس کا قائم کرنا، اس کے حلقے بنانا، بحث و تمحیص کرنا اور علم سیکھنا یہ مسجد میں بہت زیادہ ہوتا ہے میں صرف ایک حدیث پر اکتفا کرتا ہوں۔

۷۳۱- ابو واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس اثناء میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے جبکہ لوگ آپ کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے کہ تین آدمی آئے دو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھ گئے اور ایک چلا گیا کہا، دونوں آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے ان میں ایک نے تو حلقہ میں کشادگی دیکھی تو اس میں بیٹھ گیا دوسرا پیچھے بیٹھ گیا تیسرا پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں ان تین افراد کے بارے میں نہ بتاؤں۔ ان میں سے ایک نے تو اللہ کی پناہ چاہی تو اللہ تعالیٰ نے اسے پناہ دے دی دوسرے نے اللہ تعالیٰ سے حیاء کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے حیاء کیا تیسرے نے اللہ تعالیٰ سے اعراض کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی اس سے اعراض کیا۔ متفق علیہ۔

۷۳۲- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرمایا ایک روز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ کے دروازہ پر دیکھا اور حبشی مسجد میں کھیل رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر کے ساتھ مجھے پردہ میں لئے ہوئے تھے میں ان حبشیوں کے کھیل کو دیکھ رہی تھی۔

ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں حضرت عمر نے انہیں جھڑ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا انہیں چھوڑ دو ''اَمْناً بَنِیْ اَرْفِدَہ'' یعنی یہ امن سے مشتق ہے۔

ایک اور روایت میں یہ زائد ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جبکہ حبشی مسجد میں جنگی کرتب دکھا رہے تھے۔ متفق علیہ

یہ عید کا دن تھا وہ جنگی کرتب دکھا رہے تھے یہ محض کھیل نہیں تھا بلکہ یہ بہادروں کو جنگ کی تربیت دینا تھا اور دشمنوں کیلئے تیار کرنا تھا۔ واللہ اعلم

حضرت حسان بن ثابت کے لئے منبر بچھایا جاتا تھا وہ اس پر تشریف رکھتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرنے کے لئے شعر کہتے۔ اس موضوع میں نصوص کثیر ہیں۔

۷۳۳- حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا حضرت عمر بن خطاب مسجد سے گزرے جبکہ حضرت حسان شعر کہہ رہے تھے آپ نے حضرت حسان کو دیکھا تو حضرت حسان نے عرض کی میں اس مسجد میں شعر پڑھتا تھا جبکہ آپ سے بہتر ہستی موجود ہوتی تھی پھر وہ حضرت ابی ہریرہ کی طرف متوجہ ہوئے میں تجھے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کیا تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا میری طرف سے انہیں جواب دیں اے اللہ روح القدس کے ساتھ اس کی تائید فرما تو

حضرت ابو ہریرہ نے کہا ہاں۔

رہی وہ روایات جن میں مساجد میں شعر پڑھنے سے منع کیا گیا وہ وہ اشعار ہیں جن میں حرام چیزیں ہوتی ہیں جیسے بے فائدہ غزلیں، شراب کا ذکر، عورتوں کا ذکر اور اس قسم کی چیزیں۔ واللہ اعلم

مسجد میں باہم فیصلے کرنے والی حدیث کا ذکر گزر چکا ہے۔

رہا لعان تو اس میں احادیث بہت زیادہ ہیں۔

۷۳۴۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتایئے کہ ایک آدمی اپنی عورت کے ساتھ ایک مرد کو پاتا ہے کیا اس کو قتل کر دے یا وہ کیسے کرے تو اللہ تعالیٰ نے وہ آیات نازل کیں جن میں دو لعان کرنے والوں کا ذکر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بیوی کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ راوی نے کہا پھر دونوں نے مسجد میں لعان کیا جبکہ میں حاضر تھا جب دونوں فارغ ہوئے اس نے عرض کیا اگر میں اسے اپنے پاس رکھوں تو میں نے اس پر جھوٹا بہتان باندھا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے قبل ہی اسے تین طلاقیں دے دیں جونہی دونوں لعان سے فارغ ہوئے۔ متفق علیہ۔ پہلی جلد میں مسجد کے اندر حدود جاری کرنے کا ذکر گزر چکا ہے۔

اس کے علاوہ قیدی باندھنا، ولاء کا معاہدہ کرنا، لشکر تیار کرنا وغیرہ۔ واللہ اعلم۔

گندی چیزوں اور بدبو سے اس کو پاک رکھنا

مسجد نبوی مساجد میں سب سے زیادہ اس بات کی مستحق ہے کہ اسے بدبودار چیزوں سے پاک رکھا جائے خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، کیونکہ مساجد میں معزز فرشتے عموماً حاضر ہوتے ہیں اور فضیلت رکھنے والی مساجد میں خصوصی طور پر زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ بھی ان چیزوں سے اذیت پاتے ہیں جن سے بنی آدم اذیت پاتے ہیں۔ کیونکہ مومن کو اذیت دینا حرام ہے خواہ اذیت کا تعلق بدن، شخص یا ذات سے ہو۔ مناظر قبیحہ اذیت دینے والے ہوتے ہیں اور بدبو بھی اذیت دینے والی ہوتی ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوم، پیاز اور اس جیسی چیز کھا کر مسجد میں آنے سے منع کیا ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کے جمع ہونے کے موقع پر غسل کا حکم ارشاد فرمایا ہے جس طرح جمعہ عیدین وغیرہ تاکہ پسینہ اور بدبو کو زائل کر دے۔

سب مسجد شریف کی فضیلت کے لئے ہے کہ اس کے منظر کی طرح اس کا ماحول بھی خوشبودار اور انس عطا کرنے والا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۷۳۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں

ارشاد فرمایا جس نے اس درخت (لہسن) سے کھایا وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ متفق علیہ۔

۷۳۶-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے لہسن یا پیاز کھایا وہ ہم سے الگ تھلک رہے یا فرمایا ہماری مساجد سے الگ تھلگ رہے وہ اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے۔ الحدیث متفق علیہ

انہیں سے روایت کرتے ہوئے امام مسلم نے ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ بے شک فرشتے بھی ان سے اذیت پاتے ہیں جن سے بنو آدم اذیت پاتے ہیں۔

۷۳۷-حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ فرمایا کرتے جس نے اس درخت سے کھایا وہ ہمارے قریب نہ آئے اور نہ ہی ہمارے ساتھ نماز پڑھے۔

ایک اور روایت میں ہے جس نے لہسن کھایا وہ ہماری مساجد کے قریب نہ جائے۔ متفق علیہ

امام مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان الفاظ سے روایت کیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے اور یہ الفاظ زائد کئے وہ ہمیں تھوم کی بد بو سے اذیت نہ دے۔

۷۳۸-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ابھی خیبر فتح ہوا تھا تو ہم اس سبزی (لہسن) پر آ پڑے لوگ بھوکے تھے ہم نے بہت زیادہ اسے کھالیا پھر ہم مسجد کی طرف گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بد بو محسوس کی فرمایا جس نے اس بدبودار پودہ سے کوئی چیز کھائی تو وہ مسجد میں ہمارے قریب نہ آئے لوگوں نے کہا یہ سبزی حرام کر دی گئی۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ اے لوگو جسے اللہ تعالیٰ حلال کرے میں اسے حرام کرنے والا نہیں ہوں لیکن یہ ایک ایسی سبزی ہے جس کی بو میں ناپسند کرتا ہوں۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حکم دیا کرتے تھے جس سے لہسن یا پیاز کی بد بو آ رہی ہو تو وہ جنت بقیع کی طرف چلا جائے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب یہ دونوں چیزیں کچی ہوں مگر جب پکائی جائیں تو پھر ان میں کوئی حرج نہیں اس پر یہ حکم جاری نہیں ہوگا کیونکہ مسجد میں حاضر ہونے سے نہی کی علت وہ بد بو ہے پکانے کے بعد بد بو ختم ہو جاتی ہے۔

۷۳۹-حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا اے لوگو تم ان دو درختوں کو کھاتے ہو میں انہیں نہیں دیکھتا مگر خبیث وہ یہ پیاز اور لہسن ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے جب آپ نے مسجد میں کسی آدمی سے اس کی بو پائی اسے بقیع کی طرف نکل جانے کا حکم دیا جو ان دونوں کو کھائے تو ان کی بو کو پکا کر ختم کرو۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

کیا وہ مسلمان'' جو انہیں کھاتے ہیں یا اس جیسی چیز کھاتے ہیں جیسے لہسن نما سبزی یا وہ لوگ جو تمبا کو

نوشی کرتے ہیں یا اس جیسی اور بدبودار چیزیں استعمال کرتے ہیں'' آگاہ ہیں کہ وہ مساجد میں کتنے مسلمانوں کو اذیت دیتے ہیں اسی طرح وُہ فرشتوں کو اذیت دیتے ہیں اور مومنوں کو اذیت دینا حرام ہے اور یہ حرمت نص سے ثابت ہے اور فرشتوں کو اذیت دینا بھی اسی طرح حرام ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے شکایت کرنے والا ہوتا ہے۔

بعض علماء اس طرف گئے ہیں کہ لہسن اور پیاز کھانے والے کو مسجد میں آنے کی نہی صرف مسجد نبوی کے ساتھ خاص ہے یہ حکم تمام مساجد کو شامل نہیں لیکن جمہور علماء نے تمام مساجد کے لئے اس حکم کو عام قرار دیا ہے بلکہ بعض علماء نے عام مجالس کے اوپر بھی اس حکم کا اطلاق کیا وہ جن مجالس میں لوگ جمع ہوتے ہیں جس طرح عیدگاہ، جنازہ اور ولیمہ کی جگہ۔ واللہ اعلم۔

جب نص عام ہے اس کی عمومیت لفظ مسجد کو جنس پر محمول کرنے سے ہے اور مسجدنا کی اضافت تمام مسلمانوں کی طرف ہے یعنی وہ مسلمانوں کی مسجدوں کے قریب نہ آئیں اسی مفہوم پر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض روایات دلالت کرتی ہیں۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں ''**فَلَا یَغْشَانَا فِی مَسَاجِدِنَا**'' اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث جو امام مسلم کے ہاں ہے اس میں الفاظ ''**فَلَا یَقْرَبَنَّ مَسَاجِدَنَا**'' ہے تو یہ حکم مسجد نبوی کو بدرجہ اولیٰ شامل ہوگا کیونکہ اگر یہ حکم تمام مساجد کے لئے ہے تو یہ مسجد ان سب سے اہم ہے جو چیز دوسری مساجد میں کرنا منع ہے تو اس مسجد میں تو اس کا کرنا مزید منع ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز غسل کرنے پر برانگیختہ کیا تاکہ بدبو زائل ہو جائے اور مسلمان مسلمانوں کو اذیت دینے سے اجتناب کرے یہی امر ہر طرح سے مقصود و مطلوب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جمعہ کے روز غسل کے مطالبہ کا آغاز ان مسلمانوں کے لئے تھا جنہیں پسینہ اور غبار لگا ہوتا۔

۱۴۰۷- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ صحابہ بالائی علاقوں سے جمعہ کے لئے آتے۔ انہوں نے اون کے لباس زیب تن کئے ہوتے راستہ میں انہیں غبار آلیتا تو ان سے بدبو آتی انہیں میں سے ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوا جبکہ آپ میرے ہاں تشریف فرما تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کاش تم اس دن کے لئے غسل کر لیتے۔ متفق علیہ۔ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔

۱۴۰۷- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی مروی ہے لوگ خود محنت مزدوری کرتے جب وہ جمعہ کیلئے جاتے تو اسی حالت میں چلے جاتے انہیں کہا گیا کاش تم غسل کر لیتے۔ متفق علیہ۔ الفاظ بخاری شریف کے ہیں۔

۷۴۲- بخاری شریف کی روایت میں ہے لوگ خود اپنے کام کاج کرتے ان سے بو آتی انہیں کہا گیا کاش تم غسل کر لیتے۔

آپ کا قول: ''مَهَنَةَ اَنفُسِهِمْ'' کتبته کا وزن ہے معنی اپنی خدمت کرنے والے اپنا کام خود کرنے والے۔

۷۴۳- امام مسلم کی روایت میں ہے لوگ کام کاج خود کرتے ان کے لئے کام کاج کرنے والے کوئی نہ تھا پس ان سے بو وغیرہ آتی۔ اس کا مفہوم یہ ہے یعنی خادموں میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو ان کے کام کرتا وہ اپنے کام خود کرتے تو ان سے بدبو آتی تفل کا معنی بدبو ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات جو عیب سے پاک ہے وہی احوال کو بدلنے والی ہے فضیلت رکھنے والے زمانہ کے لوگ! اپنے کام خود کرتے وہی اہل زمین کے سردار تھے۔ سبحان اللہ۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھنے والے کو غسل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

۷۴۴- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جو جمعہ پڑھنے کے لئے آئے وہ غسل کرے۔ متفق علیہ

اس ضمن میں نصوص بہت زیادہ ہیں یہاں تک کہ ہر اس بالغ آدمی کے لئے جو مسجد میں آتا ہے اس کے لئے حکم کو موکد کر دیا۔

۷۴۵- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے روز غسل کرنا ہر بالغ پر فرض ہے۔ متفق علیہ

آپ کا قول ''واجب علی کل محتلم'' اس کا معنی یہ نہیں کہ غسل جمعہ کی نماز کے صحیح ہونے کے لئے شرط ہے نماز غسل کی صورت میں ہی صحیح ہوتی ہے بات اس طرح ہے جس طرح امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''رسالہ'' میں فرمائی یہ لفظ دو معنی کا احتمال رکھتا ہے دو معنوں میں سے ظاہر یہ ہے کہ وہ واجب ہے اور جمعہ کی نماز غسل کے بغیر صحیح نہیں جس طرح جنبی کی طہارت غسل کے بغیر نہیں ہوتی۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ پسندیدگی، اخلاق اور نظافت میں واجب ہے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کی اور آپ کا وہ فرمان جو انہوں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا پھر کہا یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دونوں ہستیاں اس بات کو جانتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل کے بارے میں امر مستحب کے لئے تھا اس کا مفہوم یہ نہیں تھا کہ نماز غسل کے بغیر جائز ہی نہیں کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے امر کو چھوڑنے والے تھے نہ حضرت عثمان ایسا کر سکتے تھے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ حضرت عمر کو ان کے غسل نہ کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کا امر ان کو یاد تھا۔ ہاں اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ غسل کا امر وجوب کے لئے نہ ہو بلکہ اختیار کیلئے ہو۔

امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے جواب اور آپ نے جس معنی کو راجح قرار دیا ہے اس مسئلہ میں اکثر علماء نے اس پر اعتماد کیا جس طرح ابن خزیمہ، طبری، طحاوی، ابن حبان، ابن عبدالبر اور دوسرے علماء۔

جس طرح حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا بعض علماء نے یہ اضافہ کیا کہ صحابہ کرام میں سے جو اس موقع پر موجود تھے انہوں نے ان دونوں کی موافقت کی پس یہ اس امر پر اجماع بن گیا کہ نماز کی صحت میں غسل شرط نہیں یہ ایک قوی استدلال ہے۔

خطابی اور دوسرے لوگوں نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ جمعہ کی نماز غسل کے بغیر جائز ہے جب جمعہ کے دن یا نماز جمعہ کے لئے غسل کرنا تمام ان مساجد کے لئے مطلوب ہے جن میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے تو حرم نبوی کے لئے تو بدرجہ اولیٰ مطلوب ہے۔ واللہ اعلم

یہی بات تمام ناپسندیدہ امور کے بارے میں کہی جائے گی اس ضمن میں بہت زیادہ نصوص وارد ہوئی ہیں۔

۷۴۶۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوکنا خطا ہے اور اس کا کفارہ اس کو دفن کرنا ہے۔ متفق علیہ۔

سخت قبیح اس صورت میں ہوگا جب وہ قبلہ کی جانب ہو۔

۷۴۷۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ کی دیوار میں بلغم دیکھی اسے صاف فرمایا پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے پھر فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو قبلہ کی جانب لعاب نہ پھینکے کیونکہ جب کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قبلہ کی جانب ہوتا ہے۔ متفق علیہ

اس ضمن میں نصوص بے شمار ہیں صحیحین میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوسعید، حضرت عائشہ، حضرت انس اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایات مروی ہیں۔

بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تھوک، ریشہ جو دفن نہ کیا گیا ہو ان برے اعمال میں شمار کیا جو یہ امت کرے گی اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا جائے گا۔

۷۴۸۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے اعمال مجھ پر پیش کئے جائیں گے اچھے بھی، برے بھی۔ میں نے ان کے اچھے اعمال میں سے اس کو بھی پایا کہ تکلیف دہ چیز کو راستہ سے دور کر دیا گیا اور ان کے برے اعمال میں سے اس کو بھی پایا کہ بلغم کو مسجد میں پھینکا گیا پھر اسے دفن نہ کیا گیا۔

یہ نصوص اس مسجد کے حد درجہ خیال رکھنے پر دلالت کرتی ہیں یہ اس لئے بھی کیونکہ معزز فرشتے ان چیزوں سے اذیت محسوس کرتے ہیں جن سے بنو آدم اذیت محسوس کرتے ہیں جبکہ کوئی اس میں جا رہا ہے کوئی

لوٹ رہا ہے کوئی اعتکاف کر رہا ہے اس کے ساتھ ساتھ اس میں یہ امر بھی شامل کیا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی صحت کا خیال رکھتے کیونکہ بہت سی امراض منہ کے راستہ سے ایک دوسرے کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔ جو منہ سے لعاب نکلتا ہے اس کا دبا دینا اس کے خطرات کو کم کر دیتا ہے اسی طرح اس امر کو بھی اس کے ساتھ شامل کیا جا سکتا ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو مسلمانوں کے ظاہر اور ان کے گھر کا لحاظ رکھتے جب مسلمان کا گھر صاف ستھرا ہونا چاہئے تو اللہ تعالیٰ کا گھر تو بدرجہ اولیٰ صاف ستھرا ہونا چاہئے۔ پھر مسجد نبوی مسلمانوں کے آنے جانے کی جگہ ہے جس طرح دوسری مساجد کی صورت حال ہے خواہ وہ نماز ذکر، اعتکاف اور علم کے مقاصد کے لئے ہو تو اس کا منظر اور رائحہ وخوشبو، کے اعتبار سے آرام دہ ہونا ضروری ہے اسی وجہ سے مساجد کی صفائی اور پاکیزگی کا بہت زیادہ خیال رکھا جاتا ہے اس میں نصوص بے شمار ہیں۔ والحمد للّٰہ علی نعمائہ۔

مسجد نبوی میں نماز حج کے برابر ہے

اس مسجد کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو آدمی اپنے گھر سے پاکیزگی کے ساتھ نکلے وہ اس مسجد میں نماز کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لئے پورے حج کا اجر ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے جس کے ساتھ اس مسجد کو فضیلت بخشی گئی ہے اس میں کوئی زیادتی نہیں کیونکہ جو اپنے گھر سے پاکیزگی کے ساتھ مسجد قباء کیلئے نکلے تو اس کے لئے عمرہ کے برابر اجر ہے جسکا ذکر اس کے موقع پر آئے گا۔

۹۴۷۔ حضرت ابی امامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی پاکیزگی کی حالت میں نکلا وہ مسجد قباء کا ارادہ رکھتا تھا تا کہ اس میں نماز پڑھے تو اس کا یہ عمل عمرہ کے قائم مقام ہے اور جو اپنے گھر سے پاکیزگی کی حالت میں نکلا وہ میری مسجد کا ارادہ کرتا تھا کہ اس میں نماز پڑھے تو اس کا عمل حج کے قائم مقام ہے۔

امام بخاری نے تاریخ میں بیہقی نے شعب میں روایت کیا دونوں کی سند میں یوسف بن طہمان ہے امام بخاری نے اسے اپنی تاریخ میں ذکر کیا اور اس کے بارے کچھ بھی نہیں کہا ابن حبان نے اسے ثقہ ذکر کیا ابن عدی نے اپنی کتاب کامل اور عقیلی نے اسے ضعفاء میں شمار کیا لیکن یہ روایت میں منفرد نہیں۔ امام بخاری نے دوسری سند سے ابی امامہ سے بھی اس کی مثل ذکر کیا امام بخاری کے ہاں حضرت ابو ہریرہ کی روایت بھی اس کی شاہد ہے لیکن اس کی سند میں محمد بن سلیمان کرمانی قبائی ہیں حافظ رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق تقریب میں کہتے ہیں یہ راوی مقبول ہے پس یہ روایت اپنے طرق اور شواہد کی بناء پر حسن ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اذان کے بعد مسجد سے نکلنے کی نہی:

مسجد نبوی میں جو عمل مکروہ ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب موذن نماز کے لئے اذان کہہ چکے تو نماز ادا کرنے سے پہلے نکلنا مکروہ ہے مگر جب اسے کوئی عذر ہو یہ حکم اگرچہ عام ہے اور تمام مساجد سے

اذان کے بعد نکلنا مکروہ ہے تاہم مسجد نبوی کے بارے یہ حکم زیادہ تاکید کے ساتھ ہے۔

یہاں اس خروج سے مراد وہ نکلنا ہے جس کے بعد پلٹنا نہ ہو مگر جب نماز جماعت سے قبل واپس آ جانے کے ارادہ سے باہر نکلے جیسے کوئی وضو کے ارادہ سے باہر جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۷۵۰-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی آدمی میری مسجد میں اذان کو سنتا ہے پھر مجبوری کے بغیر باہر نکل جاتا ہے پھر واپس نہیں لوٹتا تو وہ منافق ہے۔طبرانی نے اسے اوسط میں روایت کیا اس کے راوی صحیح ہیں۔

۷۵۱-حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے مسجد میں ہی اذان ہو گئی پھر وہ کام کے بغیر نکلے اور وہ واپس آنے کا ارادہ بھی نہیں رکھتا تو وہ منافق ہے اسے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں سند ضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے نیز اسے ابن سنجر اور ابن سید الناس نے بھی روایت کیا اور امام ترمذی نے اپنی سنن میں اس کی طرف اشارہ کیا لیکن سابقہ روایات اور آنے والی اس کی تائید کرتی ہے اور سعید کی مرسل روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے جو امام مالک اور ابو داؤد کے ہاں ہے اور دارمی نے بھی روایت کیا ایک حدیث کے بعد یہ آئے گی۔

۷۵۲-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ موذن کے آذان کہنے کے بعد ایک آدمی نکلا تو انہوں نے کہا اس آدمی نے ابو القاسم (سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت) کی نافرمانی کی۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم ارشاد فرمایا جب تم مسجد میں ہو آذان کہی جائے تو کوئی بھی مسجد سے باہر نہ نکلے یہاں تک کہ نماز پڑھ لے۔اسے امام احمد نے رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

۷۵۳-حضرت عبدالرحمٰن بن حرملہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی سعید بن مسیب کے پاس آیا تاکہ حج یا عمرہ کے لئے الوداع کرے آپ نے اسے فرمایا نماز پڑھے بغیر نہ جانا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آذان کے بعد مسجد سے منافق ہی جاتا ہے مگر وہ انسان جسے کسی مجبوری نے نکال دیا ہو اور وہ واپس آنے کا ارادہ بھی رکھتا ہو۔

اس نے عرض کی میرے ساتھی تو حرہ کے مقام پر ہیں پھر وہ چلا گیا حضرت سعید بن مسیب اس کا ذکر کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کو بتایا گیا کہ وہ اپنی سواری سے گر گیا ہے اور اس کی ران ٹوٹ گئی ہے اسے دارمی، ابوداؤد نے اپنی مراسیل، مالک نے موطا میں روایت کیا۔دارمی اور ابوداؤد کی سند میں عبدالرحمٰن ہے حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بارے میں کہا یہ صدوق ہے کبھی کبھی غلطی کر جاتا ہے یہ امام مسلم اور صحاح اربعہ کے شیوخ میں سے ہے لیکن سابقہ روایت اس کی تائید کرتی ہے۔

جب حضرت سعید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے یہ حدیث بتائی اس نے نہ توجہ سے سنی نہ اطاعت کی

جبکہ اس نے تحذیر بھی سن لی اسی وجہ سے حضرت سعید لگاتار ذکر کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کو بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ٹانگ کے ٹوٹنے کے ساتھ سزا دی۔ یہ اس آدمی کی حالت ہوتی ہے جو حدیث کو سنتا ہے قدرت کے باوجود عمل نہیں کرتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۷۸۴- ابن شعثاء المحاربی سے مروی ہے ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے موذن نے آذان دی ایک آدمی مسجد سے اٹھ کر چلا گیا حضرت ابو ہریرہ اسے دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ مسجد سے نکل گیا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ''فَقَدْ عَصٰی اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم'' تحقیق اس نے ابوالقاسم کی نافرمانی کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آذان کے بعد مسجد سے باہر نکلنے کے بارے میں نہی وارد ہو چکی تھی جس طرح مرفوع حدیث آ چکی ہے نمبر ۷۵۰، ۷۵۲۔

اذان کے بعد مسجد سے باہر نکلنے کے بارے میں نہی یہی عام اہل علم کا مذہب ہے

امام ترمذی نے اپنی سنن میں اس حدیث کے ضمن میں فرمایا اس پر اہل علم کا عمل ہے خواہ وہ صحابہ تھے یا بعد کے علماء کہ مسجد سے اذان کے بعد کوئی نہ نکلے مگر عذر کے ساتھ جیسے وہ وضو کی حالت میں نہ ہو یا کوئی ایسا امر ہو جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب تک موذن اقامت شروع نہ کرے وہ نکل سکتا ہے۔

ابو عیسیٰ کہتے ہیں ہمارے نزدیک یہ اس کے لئے اجازت ہے جس کا باہر نکلنے کے لئے کوئی عذر بھی ہو جب یہ حکم تمام مساجد کے لئے عام ہے تو مسجد نبوی کے لئے یہ حکم زیادہ تاکید کے ساتھ ہوگا خصوصاً جب نکلنے والے کو نفاق کے ساتھ متصف کیا گیا، جس طرح حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے۔ واللہ اعلم

مسجد میں بیع وشراء سے نہی

مسجد میں جن چیزوں سے روکا گیا ہے ان میں خرید وفروخت کرنا بھی ہے یہ حکم مسجد نبوی کے ساتھ خاص تھا پھر اس کو عام کر دیا گیا تاکہ مسلمانوں کی تمام مساجد کو شامل ہو جائے جس طرح بیچنے اور فروخت کرنے والے کے لئے بددعا وارد ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بیع میں نفع پیدا نہ فرمائے اور نہ ہی اس کی بیع میں برکت ڈالے۔

۷۵۵- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی

آدمی کو مسجد میں بیع وشراء کرتے دیکھو تو یہ کہو اللہ تعالیٰ تیری تجارت میں نفع پیدا نہ فرمائے اسے ابن حبان، ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا ہے سب نے اسے صحیح قرار دیا۔ ترمذی نے اسے حسن قرار دیا۔ نیز دارمی، نسائی اور ابن سنی دونوں نے دن اور رات کے عمل میں روایت کیا۔ ابن جارود، بغوی اور بیہقی نے سنن میں روایت کیا۔

۷۵۶ - عمرو بن شعیب اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں شعر پڑھنے اس میں بیع وشراء کرنے اور جمعہ کے روز نماز سے قبل حلقے بنا کر بیٹھنے سے منع کیا۔ اسے چاروں اصحاب سنن اور احمد نے روایت کیا ابن خزیمہ نے قاضی ابوبکر اور حافظ نے فتح میں اسے صحیح قرار دیا۔

ان کا یہ فرمان ''نَهٰى عَنْ تَنَا شُدِ الْاَشْعَارِ'' شعر پڑھنے سے منع کیا۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ'' جو حدیث نمبر ۷۳۳ میں گزر چکا ہے'' اس روایت کے مخالف ہے ان دونوں روایات میں یوں تطبیق کی گئی کہ اشعار پڑھنے سے منع کرنے والی روایات کو فخر کے لئے پڑھے جانے والے اشعار یا جاہلیت اور باطل پرستوں کے اشعار پڑھنے پر محمول کیا جائے یا اس کی یہ صورت ہو کہ یہ اشعار پڑھنا پوری مسجد کو اپنی لپیٹ میں لئے ہو یہاں تک جو بھی مسجد میں ہے وہ اس میں مشغول ہو جائے یا یہ اتنا زیادہ ہو کہ دوسرے افراد پر غالب آ جائے یا یہ نہی اشعار میں موجود حرام چیزوں کی وجہ سے ہو جیسے بے حیائی کی غزل، شراب کا ذکر یا عورتوں کے حسن کا ذکر۔

ان کے علاوہ اشعار پڑھنا مباح ہو جیسے وہ اشعار جن میں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف یا اسلام کا دفاع، کفار کی ہجو، اسلام کے محاسن کا بیان ہو یا ان میں وعظ ونصیحت اور مدح ہو یا اسی طرح کی کوئی اور چیز اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنے سے نہی

نہی میں جو چیزیں داخل ہیں ان میں گمشدہ چیز کا اعلان بھی ہے اور مالک کے لئے اس کے نہ ملنے کی بددعا ہے اس میں کئی احادیث وارد ہیں۔

۷۵۷ - بریدہ بن حصیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ایک آدمی کھڑا ہو گیا ایک دوسری روایت میں ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز پڑھ چکے تو ایک بدو آیا اس نے مسجد کے دروازے سے سر اندر داخل کیا۔

آپ کا قول ''مَنْ دَعَا اِلَى الْجَمَلِ الْاَحْمَرِ'' یعنی جس نے میرا گمشدہ اونٹ پایا وہ سرخ اونٹ تھا تو مجھے اس کے بارے بتائے

۷۵۸ - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے

کسی آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا جو کسی گمشدہ چیز کے بارے اعلان کر رہا ہو تو وہ یہ کہے اللہ تعالیٰ وہ چیز تمہیں نہ لوٹائے کیونکہ مساجد اس مقصد کے لئے نہیں بنائی گئیں۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

۷۵۹- حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں گمشدہ چیز کے اعلان سے منع کیا اسے احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابن شبہ نے روایت کیا یہ سابقہ حدیث کا جزء ہے۔

۷۶۰- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے ایک آدمی آیا جو مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کر رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اسے نہ پائے امام نسائی نے اسے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے امام مسلم کی ان دو حدیثوں کے ضمن میں فرمایا ان دو حدیثوں میں کئی فوائد ہیں ان میں سے ایک یہ ہے مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان کرنے سے نہی آئی ہے۔

جو چیزیں اس مفہوم میں ہیں انہیں بھی اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ جیسے خرید و فروخت، اجارہ اسی طرح دوسرے عقود اسی طرح مسجد میں آواز بلند کرنے کی کراہت۔

اگرچہ یہ حکم مسجد نبوی کے متعلق ہے تاہم دوسری تمام مساجد کو بھی عام ہے کیونکہ جس طرح حضرت عطاء نے کہا مسجد آخرت کا بازار ہے یہ دنیا کا بازار نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

مسجد میں خوشبو لگانا اور اسے صاف کرنا

مسجد نبوی شریف میں پسندیدہ امور میں سے اسے خوشبو لگانا اور صاف ستھرا رکھنا بھی ہے یہ طریقہ آج تک جمعہ کے دن اور رمضان مبارک کی راتوں میں مروج ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کو صاف ستھرا رکھنے اور قبائل کی بستیوں اور گھروں میں بھی مساجد بنانے پر برانگیختہ کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ اور رمضان شریف میں مسجد نبوی میں خوشبو لگاتے تھے۔

۷۶۱- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مساجد بنانے، انہیں پاکیزہ رکھنے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا۔ اسے امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے متصل اور مرسل روایت کیا ہے نیز ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے بھی روایت کیا۔

جس طرح کہ امام احمد نے اسے روایت کیا لیکن صحابی کا نام نہیں لیا۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

سفیان بن عیینہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا الدور یعنی "فی القبائل" قبائل میں امام ترمذی نے دوسری حدیث کے بعد اسے ذکر کیا۔

۷۶۲۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے روز مسجد میں خوشبو کا اہتمام کرتے تھے اسے ابن ابی شیبہ، ابو یعلی نے روایت کیا دونوں کی سند میں عبداللہ بن عمر عمری ہیں امام احمد اور دوسرے لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے اس سے استدلال کرنے میں اختلاف کیا گیا اسی طرح ہیثمی نے کہا میں کہتا ہوں یہ امام مسلم کے شیوخ میں سے ہے امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا اس خبر کے بہت سارے شواہد ہیں۔

اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں عود کی ٹوکری پیش کی گئی لوگوں کے لئے یہ کافی نہ تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسجد میں اس کی دھونی دیا کرو تا کہ تمام مسلمان اسی سے فائدہ اٹھائیں آج تک خلفاء میں یہ طریقہ رہا کہ ہر سال عود لکڑی کا سفوف لایا جاتا جمعہ کی رات کو دھونی دی جاتی اور جمعہ کے روز منبر کے پاس دھونی دی جاتی جب امام خطبہ دیتا۔

حضرت سعد قرظ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر کو عود پیش کیا گیا آپ نے اسے مہاجرین میں تقسیم کر دیا پھر مسجد کے لئے حصہ معین کیا جس کے ساتھ جمعہ کے روز دھونی دی جاتی یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے یہ ذمہ داری حضرت سعد قرظ کو دی گئی وہ دھونی دیتے تھے۔

میں کہتا ہوں الحمدللہ یہ سلسلہ آج تک یونہی جاری ہے لوگ جمعہ کی رات اور جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے نماز کے وقت اور رمضان شریف کی راتوں میں دھونی دیتے ہیں کیونکہ یہ حضرت عمر کی سنت اور سنت راشدہ ہے ہمیں خلفاء راشدین کی سنت پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا یہ نص کے خلاف نہیں۔ الحمدللہ

مسجد کو پاکیزہ بنانے کا آغاز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کیونکہ آپ نے قبلہ کی جانب بلغم دیکھی آپ غصے ہوئے یہاں تک کہ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر آپ نے اسے صاف کرنے کا حکم دیا پھر آپ نے اس پر زعفران یا خلوق ملا پھر اس کے بعد یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس ضمن میں تھوڑا پہلے کئی احادیث گزر چکی ہیں لیکن یہاں اس باب میں صرف ایک روایت نقل کرتا ہوں۔

۷۶۳۔ابو الولید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا مسجد میں زعفران کا آغاز کیسے ہوا انہوں نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں بلغم دیکھی ابن خزیمہ کی روایت میں ہے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ قبلہ کی جانب بلغم ہے آپ نے اسے صاف کیا فرمایا جس نے یہ عمل کیا اس نے کتنا برا عمل کیا، جس نے ایسا کیا تھا وہ آیا اس نے صاف کیا اور اس پر زعفران لگایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس سے بہتر ہے۔

۷۶۴۔عبدالرزاق، ابن خزیمہ آپ سے ہی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلغم صاف کی پھر اس پر زعفران لگایا جو آپ نے منگوایا تھا فرمایا اس لئے مسجد میں زعفران لگایا جاتا ہے اسے

ابن شبہ،عبدالرزاق،ابوداؤد،ابن خزیمہ نے روایت کیا ہے الفاظ ابن شبہ کے ہیں یہی صحیح ہے حدیث اصل میں متفق علیہ ہے اس سے قبل بھی روایت گزرچکی ہے اس ضمن میں یہاں کثیر روایات ہیں۔

بلغم وغیرہ کا دور کرنا یہ مسجد نبوی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ تمام مسلمانوں کی مساجد کو شامل ہے لیکن خوشبو لگانا اگر چہ بعض مساجد کے بارے وارد ہوا ہے لیکن عمل صرف مسجد نبوی میں ہی جاری وساری رہا یہ سلسلہ ہمارے زمانے تک جاری ہے جس طرح میں نے پہلے کہا۔ واللہ اعلم

مسجد میں سنگریزے رکھنا اور مسجد سے سنگریزوں کو دور کرنے میں کراہت

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنائی تو مسجد کی زمین مٹی کی تھی جب بارش نازل ہوتی مٹی تر ہو جاتی تو کیچڑ بن جاتا جو مسلمانوں کے کپڑوں اور ان کے جسموں کو آلودہ کر دیتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ملائم سنگریزے مسجد لے آتے تاکہ ان سنگریزوں پر نماز پڑھیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کو مستحسن خیال فرمایا۔

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ مسجد میں موجود سنگریزے اس آدمی کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتے ہیں کہ اسے مسجد میں ہی رہنے دے تاکہ وہ نمازیوں کے ذکر کو سن اور عاجزی کرنے والے کی طاعت سے لطف اندوز ہو اور ان صالح لوگوں کی صحبت سے سعادت مند ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جتنا عرصہ نیک آدمی زمین پر گزارتا ہے زمین اس کے ساتھ خوش ہوتی ہے اور اس پر زمین فخر ومباحات کرتی ہے جس پر سے کسی نیک آدمی کا گزر نہیں ہوتا تو اس کا کیا عالم ہوگا جو (بیت اللہ) اللہ کے گھر میں ہو جہاں اللہ تعالیٰ کے نیک بندے صبح وشام آئیں اور وہ سرزمین اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا ذکر صبح وشام سنے۔

۷۶۵- ابوالولید سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عرض کی مسجد میں ان کنکریوں کا آغاز کیسے ہوا۔ انہوں نے فرمایا رات کو بارش ہوئی (زمین صبح کے وقت تربتر ہوگئی) ہم نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آئے فرمایا ایک آدمی اپنے کپڑے میں سنگریزے اٹھا کر لاتا اسے نیچے پھینکتا اور اس پر نماز پڑھتا جب ہم نے صبح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیا ہے لوگوں نے آپ سے عرض کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا یہ نیچے بچھائی جانے والی کتنی اچھی چیز ہے تو حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا لوگوں نے اس چیز کو اپنا لیا۔ اسے ابن خزیمہ،ابوداؤد نے روایت کیا دونوں کی سند میں عمر بن سلیم ہے یہ صدوق ہے تاہم اسے وہم ہو جاتا۔

۷۶۶- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے میں اسے دیکھتا ہوں کہ وہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اٹھاتے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا بے شک سنگریزہ اس آدمی کو اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہے جو اسے مسجد سے باہر نکالتا ہے اسے ابوداؤد اور بغوی نے روایت کیا اور کنز میں اسے ابن ماجہ کی طرف منسوب کیا عقیلی نے اسے اس سند کے ساتھ روایت کیا۔

ابن ابی شیبہ نے اسے حضرت ابو ہریرہ سے موقوفاً نقل کیا ہے۔

اس کی مثل بے شمار صحابہ اور تابعین سے روایات مروی ہیں جو تمام کی تمام اس کی شاہد ہیں واللہ اعلم۔

جب یہ حکم تمام مساجد میں ہے تو مسجد نبوی میں تو اس مکان کی عظمت، فضیلت، رفعت مکان اور اس کی برکت کی بناء پر اور زیادہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

حجرہ نبویہ شریفہ

اللہ تعالیٰ کے اس امت پر فضل واحسان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال میں الہام فرمایا کہ آپ اعلان کریں (بتادیں) کہ آپ کی قبر کو ظاہر نہ کیا جائے اور یہود و نصاری پر لعنت کی کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ وہ آپ کو وہاں دفن کریں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہوتا اور اسی حجرہ میں جہاں آپ آرام فرماتے یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی قبر انور کو ظاہر جگہ نہ بنایا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کیونکہ وہ آج تک ظاہر نہیں ہم جاہلوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ایسے تصرفات کرتے ہیں جو نامناسب ہیں تو کیا حال ہوتا اگر قبر انور کسی ظاہر جگہ پر ہوتی جیسے جنت البقیع وغیرہ۔ لیکن اس امت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سبقت لے جانے والی ہے۔

۷۶۷- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری مرض میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ یہود ونصاری کو اپنی رحمتوں سے دور کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر بھی ظاہر کی جاتی مگر آپ ڈرے یا اس کا ڈر تھا کہ کہیں اسے سجدہ گاہ ہی نہ بنالیا جائے۔ متفق علیہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول خَشِيَ (فعل معروف) او خُشِيَ فعل مجہول کے ساتھ مروی ہے امام مسلم کی روایت میں صرف مجہول کا لفظ ہے اور بخاری کی روایت کے الفاظ اس طرح ہیں غَيْرَ اَنِّيْ اَخْشٰى یعنی ڈرنے والی حضرت عائشہ صدیقہ تھی یہ روایت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ ہی آپ کی قبر کو نمایاں جگہ بنانے سے رکیں۔ امام مسلم کی روایت اور اس بات کی دو روایتوں میں سے ایک کی یہی وضاحت کرنا ممکن ہے یہ انہوں نے خود ارادہ کیا اور جنہوں نے آپ کی اس مسئلہ میں موافقت کی انہوں نے یہ عمل اپنی رائے سے کیا ہوگا لیکن فتح کی روایت جس میں لفظ خشی (معروف) ہے وہ تقاضا کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ کو اس بات کا حکم دیا۔

لیکن آنے والی حدیث دوسرے معنی کی تائید کرتی ہے۔ واللہ اعلم۔

حدیث یہ ہے۔

۷۶۸-حضرت عائشہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہم دونوں سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا وقت قریب آیا آپ نے اپنے چہرہ انور پر اپنی چادر ڈال لی۔ جب آپ پریشان ہوئے تو اپنے چہرہ انور سے اسے ہٹایا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو اپنی رحمتوں سے دور کر دیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا جو انہوں نے کیا تھا اس سے آپ ڈرا رہے تھے۔ متفق علیہ۔

قولہ: لما نزل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نزل لفظ کو مجہول پڑھا گیا یعنی ملک الموت اور دوسرے معزز فرشتے آئے۔ دوسری صورت یہ ہے نزلت یعنی واحد مونث معروف اس کا معنی ہوگا جب وقت وصال آ پہنچا واللہ اعلم۔ یہ تعبیر شرح نووی سے ماخوذ ہے۔

اس باب میں نصوص بے شمار ہیں الحمد للہ۔

یہود و نصاریٰ میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا وہ نبی ہوتا یا ولی وہ اس کی قبر کو سجدہ گاہ بنا لیتے اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو اس عمل سے منع کیا اسی وجہ سے آپ کو اس مکان میں دفن کیا گیا جہاں آپ کا وصال ہوا تھا اور صحابہ کرام نے آپ کو کسی نمایاں اور ظاہر جگہ پر دفن نہ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں میں الہام اور ان کا اس بات کو یاد کرنا کہ نبی کو وہاں ہی دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کا وصال ہوا۔

۷۶۹-حضرت سالم بن عبید اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے عرض کیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں دفن کیا جائے گا آپ نے فرمایا اسی جگہ جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض کی کیونکہ آپ کی روح پاکیزہ جگہ ہی قبض کی گئی اسے امام ترمذی، نسائی نے کبریٰ میں، بیہقی اور بغوی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کا ذکر ع ۱۴۳ میں گزر چکا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں ہی مدفون رہے یہاں تک کہ بعد میں آپ کے دونوں پہلوؤں میں سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدفون ہوئے۔

جب حجرہ شریفہ کو دوبارہ تعمیر کیا گیا تو اس کی شمالی جانب والی دیوار کو سیدھا نہ رکھا گیا تو حجرہ شریفہ شمال کی جانب مثلث شکل کا ہو گیا اس طرح کہ مکمل حجرہ مخمس بن گیا۔

جس طرح کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے امہات المومنین کے ان حجرات کو حرم میں داخل کرنے کے بعد بنایا جو حجرہ شریفہ کے مشرق، شمال اور جنوب میں تھے۔ واللہ اعلم

نبی کریم ﷺ کے بنائے گئے محراب میں عقلی رائے کو اہمیت نہ دی جائے گی

امام زرکشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محراب میں اجتہاد نہ کیا جائے گا

کیونکہ وہ قطعی طور پر درست ہے کیونکہ اسے غلطی پر نہیں رکھا گیا اس میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں اس کے دائیں بائیں میں بھی اجتہاد نہیں کیا جائے گا جبکہ مسلمانوں کے بنائے گئے محرابوں کا معاملہ مختلف ہے۔

اس محراب سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے زمانے میں کوئی محراب نہ تھا۔

امام رافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا مدینہ کے معنی میں وہ تمام جگہیں ہوں گی جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی جب محراب معین کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں قباء کا قبلہ بھی اس کے ساتھ شامل ہوگا کیونکہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود معین کیا اور اسے بنایا جس طرح بعد میں حضرت شموس بنت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں آئے گا جس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں ''فَكَانَ يُقَالُ اِنَّهُ اَقْوَمُ مَسْجِدٍ قِبْلَةً'' جس طرح اسے طبرانی نے کبیر میں ثقہ راویوں کے ساتھ روایت کیا۔

اس کا سبب یہ ہے کہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ مکرمہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بنایا جبرئیل امین خود اس کا اشارہ کر رہے تھے اور قبلہ کی سمت معین کر رہے تھے یہ بات حضرت نافع بن جبیر، انصار کے ایک آدمی اور شموس بنت نعمان کی روایات میں گزر چکی ہے ان کی سندیں متعدد ہیں جو ۵۲۸، ۵۳۰ نمبر میں گزر چکی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پس یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے اور جو کچھ اس میں فضیلت و عزت ہے کیا مسلمان اس کی عزت و تکریم کو جانتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو پائیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں نے اس کا حق ادا نہیں کیا اور میں اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا جو میں نے اس کی فضیلت، مقام اور مرتبہ بیان کیا ہے وہ میرے لئے کافی ہے'' واللہ تعالیٰ ھو المعین والمتفضل ''

مسجد قباء کے فضائل

مدینہ طیبہ کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں ایسی کئی مساجد پائی جاتی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے فضائل پائے جاتے ہیں خواہ وہ فضیلت دعا کی قبولیت، کسی اور فضیلت کی وضاحت یا آنے والے کے لئے ثواب اور اسی طرح کی اور چیزیں۔

ان مساجد میں سے مسجد قباء ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بنایا جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے اسی وجہ سے اس مسجد کی آپ کے ہاں بہت بڑی فضیلت تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہفتہ میں ایک دفعہ وہاں تشریف لے جاتے اور آپ نے یہ بھی وضاحت کی اس میں ایک نماز کامل عمرہ کے برابر ہے۔

اس کی فضیلتوں میں سے ایک یہ ہے۔

تقوی پر اسے بنایا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قباء کو دو دفعہ بنایا۔

(۱) جب قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا نمبر ۲: جب قبلہ بیت اللہ شریف کی طرف پھیر دیا گیا۔ اسی وجہ سے اسے پہلے روز سے ہی تقویٰ پر بنایا گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا قبلہ دو دفعہ معین کیا اس کا قبلہ مسجد نبوی کے ساتھ تمام مساجد سے زیادہ صحیح ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسجد قباء کی شان اور اس میں نماز پڑھنے والوں کی شان کے بارے میں آیات جنہیں تلاوت کیا جاتا ہے نازل فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (سورۃ التوبۃ ۱۰۷-۱۱۰) دو مسجدوں کا ذکر کرتے ہوئے مسجد ضرار، مسجد تقویٰ۔

ترجمہ آیات: اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی مسجد نقصان پہنچانے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے اور پھوٹ ڈالنے کے لئے مومنوں کے درمیان اور کمین گاہ بنایا اس کے لئے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے اب تک اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف جھوٹے ہیں آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے تو وہ شخص جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی اللہ تعالیٰ کے تقویٰ پر اور اس کی رضا جوئی پر بہتر ہے یا جس نے بنیاد رکھی اپنی عمارت کی وادی کے کھوکھلے دہانے کے کنارے جو گرنے والا پس وہ گر پڑا اسے لے کر دوزخ کی آگ میں اور اللہ تعالیٰ راہ حق پر نہیں چلاتا ظالم قوم کو ہمیشہ ان کی ہر عمارت جو انہوں نے بنائی ہے کھٹکتی رہے گی ان کے دلوں میں مگر یہ کہ پارہ پارہ ہو جائیں ان کے دل اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے۔

ان آیات میں مسجد ضرار کا بیان ہے جسے بعض منافقوں نے قباء میں بنایا تھا تا کہ مومنوں میں تفریق کا باعث ہو اور جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے والے ہیں ان کے لئے پناہ گاہ ہو ان کی یہ تعمیر ہمیشہ ان کے دلوں میں شک کا باعث ہی رہی یہاں تک کہ وہ انہیں جہنم میں ڈال دے گی اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے گرانے کا حکم دیا تو اسے گرا دیا گیا۔

دوسری مسجد جو پہلے روز سے ہی تقویٰ پر تعمیر کی گئی وہ اس کی زیادہ حقدار تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں قیام فرمائیں وہ بہتر تھی کیونکہ اسے پہلے روز سے ہی تقوی پر تعمیر کیا گیا اس میں ایسے لوگ تھے جو پاکیزگی کو پسند کرتے تھے اللہ تعالیٰ پاکیزہ لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

جو مسجد پہلے روز سے تقویٰ پر تعمیر کی گئی اس کی تعبیر میں دو قول ہیں۔

(۱) وہ مسجد نبوی ہے جو حرم شریف ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کا ذکر مسجد نبوی کے فضائل میں گزر چکا ہے یہ باب ثالث میں ''**مسجد ھا الذی اسس علی التقوی من اول یوم**'' کے عنوان کے تحت گزر چکا ہے۔

اس میں ابوسعید، سہل بن سعد، ابی بن کعب، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کی احادیث گزر چکی ہیں جن کے ساتھ مرسل اور موقوف احادیث ملی ہوئی ہیں جیسے ابن عمر، زید بن ثابت، ابوسعید، ابن حسیب، خارجہ بن زید کے اقوال اسی کو بعض مفسرین نے ترجیح دی جس طرح ابن جریر طبری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس کی وضاحت اپنے موقع پر گزر چکی ہے۔

نمبر ۲: وہ مسجد قباء ہے یہ جمہور کا مذہب ہے اس پر کئی امور دلالت کرتے ہیں۔

(۱) آیت کریمہ کا ظاہر مفہوم یہی ہے آیت نے دو مسجدوں کا ذکر کیا ان میں سے پہلی مسجد ضرار ہے جو قباء میں ہے۔

(۲) سیاق نص سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی مسجد قباء ہے واللہ اعلم۔

(۳) ارشاد من اول یوم: سب سے پہلا کام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا جب آپ مدینہ طیبہ کے علاقہ میں بنی عمرو بن عوف کے ہاں پہنچے تو وہ مسجد قباء کی تعمیر تھا۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف میں دس دن سے زیادہ رہے اور اس مسجد کی تعمیر کی جو تقویٰ پر تعمیر کی گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعمیر کی پھر آپ اپنی سواری پر سوار ہوئے پھر آپ لوگوں کی معیت میں چلے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ میں مسجد کے پاس آ کر سواری بیٹھ گئی۔ اس حدیث کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسجد کی بنیاد رکھی جو اول دن سے تقویٰ پر تعمیر کی گئی وہ وہ ہے جو بنی عمرو بن عوف میں تعمیر کی گئی یہی ہجرت میں آپ کا سب سے پہلا عمل تھا۔ واللہ اعلم۔

(۳) دوسری آیت کریمہ کا اختتام اس قول پر فرمایا: اس میں ایسے لوگ ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں یہ اس بات کی تائید کرتی ہے کہ یہ آیت مسجد قباء کے بارے میں ہے کیونکہ نصوص اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ یہ تعریف اہل قباء میں وارد ہوئی۔ واللہ اعلم

(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوا کہ آپ نے اہل قباء سے اس تعریف کے بارے میں سوال کیا جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف کی اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ انصار اللہ تعالیٰ نے طہارت کے بارے میں تمہاری تعریف کی ہے تمہاری پاکیزگی کا طریقہ کیا ہے انہوں

نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نماز کے لئے وضو کرتے ہیں اور جنابت کے لئے غسل کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا اس کے علاوہ بھی کوئی اور ہے انہوں نے عرض کی نہیں سوائے اسکے کہ جب ہم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہوتا ہے تو وہ پانی کے ساتھ استنجا کو پسند کرتا ہے۔

تو فرمایا تو وہ یہی بات ہے اسے لازم پکڑ و اسے ابن ماجہ، حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ امام ذہبی نے اس کی توثیق کی دار قطنی اور بیہقی نے بھی اسے روایت کیا امام زیلعی نے نصب الرایۃ میں اسے حسن قرار دیا۔

۷۷۱۔حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ: (ایسے لوگ جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویم بن ساعدہ کی طرف پیغام بھیجا دریافت فرمایا وہ کون سی پاکیزگی ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعریف کی۔ انہوں نے عرض کی جب ہم میں سے کوئی مرد یا عورت قضاء حاجت سے فارغ ہوتا ہے تو وہ شرم گاہ کو پانی سے دھوتا ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں یہ تعریف نازل ہوئی اسے حاکم نے روایت کیا۔ اور امام مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا امام ذہبی نے اس کی توثیق کی نیز بیہقی اور طبرانی نے کبیر میں ابن اسحاق کے واسطہ سے اور ابن شبہ نے روایت کیا۔

۷۷۲۔حضرت عویم بن ساعدہ انصاری ثم عجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قباء سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پاکیزگی میں تمہاری تعریف فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا "**فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ اَنْ يَّتَطَهَّرُو**" انہیں ارشاد فرمایا یہ پاکیزگی کون سی شے ہے۔ انہوں نے جواب دیا ہم کچھ نہیں جانتے مگر یہ ہے کہ یہودی ہمارے پڑوسی ہیں وہ قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد اپنی شرم گاہ کو پانی سے دھوتے ہم نے بھی شرم گاہ کو یونہی دھویا جس طرح وہ دھوتے اسے ابن خزیمہ، حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا امام ذہبی نے اس کی توثیق کی احمد اور طبرانی نے معاجم ثلاثہ میں اور طبری نے روایت کیا۔

احمد کے الفاظ مسند میں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء میں ان کے پاس تشریف لائے تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری مسجد کے قصہ میں تمہاری طہارت کی تعریف کی تمہاری پاکیزگی کیا ہے۔

میں کہتا ہوں تمام سندوں میں شرحبیل بن سعد انصاری ہے تقریب میں حافظ کے نزدیک وہ صدوق ہے آخری عمر میں اسے اختلاط کا مرض لاحق ہو گیا تھا لیکن سابقہ اور آنے والی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ واللہ اعلم

۷۷۳۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یہ آیت اہل

قباء میں نازل ہوئی "فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا" کہا وہ پانی کے ساتھ استنجاء کیا کرتے تھے ان میں یہ آیت نازل ہوئی اسے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور بیہقی نے سنن میں روایت کیا حافظ کا اس میں قول مختلف ہے تلخیص میں کہا اس کی سند ضعیف ہے فتح میں کہا اس کی سند صحیح ہے۔

میں کہتا ہوں سند میں یونس بن حارث جو ابراہیم بن ابی میمونہ سے روایت کرتے ہیں حافظ نے تقریب میں یونس کے متعلق کہا کہ وہ ضعیف ہے ابراہیم کے متعلق کہا وہ مجہول الحال ہے لیکن اس کی تائید سابقہ حدیث اور آنے والی حدیث کرتی ہے پس یہ اپنے شواہد کی بنا پر حسن ہے۔

۴۷۷- ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اہل قباء وہ کون سی طہارت ہے جس کے ساتھ تمہیں اس آیت میں خاص کیا گیا "فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ" انہوں نے عرض کی ہم میں سے کوئی بھی قضائے حاجت کے لئے جائے تو وہ بعد میں اپنی مقعد کو دھوتا ہے اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں روایت کیا ہے اسکی سند میں شہر بن حوشب ہے اس کی توثیق احمد، ابن معین، ابوزرعہ اور یعقوب بن شبہ نے کی پس یہ حدیث حسن ہوگی۔ اس موضوع میں بہت ساری نصوص ہیں مرفوع، موقوف، متصل اور مرسل۔ واللہ اعلم

یہ نصوص اور اس جیسی دوسری نصوص دلالت کرتی ہیں کہ یہ آیت قرآنیہ مسجد قباء اور ان کے اہل کے بارے نازل ہوئیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ آیت مسجد قباء کے بارے نازل ہوئی کہ مسجد قباء کو مخصوص کر دیا جائے کہ یہی وہ واحد مسجد ہے جو اول روز سے تقویٰ پر بنائی گئی کیونکہ دونوں کو بنانے والے اول روز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے لیکن مسجد قباء کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس کے رہنے والے زیادہ طہارت والے ہیں "فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ"۔

اسی بناء پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اختلاف واقع ہوا کہ ان دو مسجدوں میں سے کون سی مسجد تقوی پر بنائی گئی جس طرح ابوسعید، سہل بن سعد اور ابی بن کعب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی روایات میں ہے ان کی نصوص کا ذکر پہلے ہو چکا ہے یہاں تک کہ انہوں نے اس مسئلہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ وہ مسجد نبوی شریف ہے اور مسجد قباء میں خیر کثیر ہے۔

امام قرطبی صحابہ کرام کے اس سوال جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا کے جواب کے بارے میں کہتے ہیں یہ سوال ان لوگوں کی طرف سے وارد ہوا جن کے ہاں دونوں مسجدوں میں مساوات ظاہر ہوئی تھی کیونکہ دونوں میں یہ اشتراک تھا کہ دونوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا تھا اسی وجہ سے اس بارے میں آپ سے سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب یہ ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے۔

گویا کہ فضیلت جس نے اس کی تعیین کا تقاضا کیا تھا کہ وہ مسجد قباء کے علاوہ ہے وہ یہ ہے کہ مسجد قباء کو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قطعی حکم کی بناء پر نہیں بتایا گیا تھا یا تو یہ آپ کی رائے تھی بخلاف مسجد نبوی کے یا یہ آپ کو یا آپ کے صحابہ کو اس میں احوال قلبیہ حاصل ہوئے جب کہ کسی اور کے لئے حاصل نہ ہوئے۔

حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ یہ فضیلت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ طیبہ کی مسجد میں زیادہ دیر رہنے کی وجہ سے حاصل ہوئی جبکہ مسجد قباء کا معاملہ مختلف ہے کیونکہ وہاں آپ چند دن قیام پذیر رہے۔ اسے اتنی ہی فضیلت کافی ہے یہاں اس تکلف کی ضرورت نہیں جو امام قرطبی نے کیا۔

شیخ رشید احمد گنگوھی نے کہا ان کا اس بات پر اتفاق مخفی نہیں کہ یہ آیت "مسجد جو اول روز سے تقویٰ پر بنائی گئی وہ اس کی زیادہ مستحق ہے کہ اس میں قیام ونماز ادا کریں اس میں ایسے لوگ ہیں جو طہارت کو پسند کرتے ہیں" مسجد قباء اور اہل قباء کے بارے نازل کی گئی جس طرح تفاسیر میں اس کی تفسیر سے معلوم ہوسکتا ہے۔ اس کی مثل دوسری روایت میں وارد ہو چکا ہے یعنی ابوسعید کی سابقہ روایت میں یہ کہنا دور کی بات نہیں اس قسم کے واقعہ کا اس قسم کے لوگوں پر مخفی ہونا بہت دور کی بات ہے اس میں ان کے شک کی کوئی گنجائش نہیں۔

جواب: دونوں اس بات میں تو متفق ہیں کہ مسجد قباء وہ مسجد ہے جو تقویٰ پر بنائی گئی کیسے نہ ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے بنایا شک اس بناء پر ہوا کہ مسجد نبوی مسجد قباء کے ساتھ تاسیس علی التقوی کے وصف میں شریک ہے۔ ان میں سے ایک نے امر کو ثابت کیا جب اس نے مسجد نبوی میں اسی امر کو دیکھا جو مسجد قباء میں موجود تھا بلکہ اس سے بڑھ کر تھا اور دوسرے نے اس کی نفی کر دی جب اس نے آیت کے شان نزول کو مسجد قباء کے ساتھ خاص سمجھا۔

اس طرح روایات میں اختلاف اٹھ گیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "هُوَ مَسْجِدِیْ هٰذَا" کا معنی یہ ہے کہ لفظ سے جو معنی سمجھ آتا ہے وہ اس میں محصور نہیں بلکہ مسجد نبوی بھی اس کے ساتھ شریک ہے اس کا یہ معنی بھی ہے۔

میں کہتا ہوں اول کلام میں ان کا یہ قول "لَا یَخْفٰی اِتِّفَاقُهُمْ" اب محل نظر ہے کیونکہ ان میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت مسجد نبوی کے متعلق نازل ہوئی یہ امر طبری اور دوسرے لوگوں کے کلام سے واضح ہے۔ واللہ اعلم

اسی بنا پر میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں مسجدیں اول روز سے تقویٰ پر تعمیر کی گئیں اگرچہ یہ آیت مسجد قباء اور اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ ان دونوں کی بنیاد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور دونوں کو آپ نے تعمیر کیا۔

اسی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا صحیح بات یہی ہے کہ دونوں کو تقویٰ پر تعمیر کیا گیا باقی

آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد "فِيْهِ رِجَالٌ يُحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا" اس بات کی تائید کرتا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہے ابوداؤد کے ہاں صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ سے مرفوع روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "فیه رجال یحبون ان یتطهروا" اہل قباء کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں راز یہ ہوگا کہ یہ مسجد جو تقویٰ پر بنائی گئی وہ مسجد نبوی ہے وہ اس وہم کو دور کرنے کے لئے ہے کہ یہ حکم صرف مسجد قباء کے ساتھ خاص ہے۔

داؤدی اور دوسرے لوگوں نے کہا یہ اختلاف نہیں کیونکہ دونوں مسجدیں تقوی پر تعمیر کی گئیں سہیلی نے بھی اسی طرح کہا۔ واللہ اعلم۔

"قِبْلَتُهُ اَعْدَلُ قِبْلَةٍ مَعَ الْمَسْجِدِ النَّبَوِيِّ" اس کا قبلہ مسجد نبوی کے ساتھ سب سے سیدھا قبلہ ہے مسجد قباء کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی اور آپ نے اسے بنایا جس طرح پہلے گزر چکا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دوبارہ تعمیر کیا اور اس کے قبلہ کو کعبہ مشرفہ کی طرف کیا جبرئیل امین کعبہ کی طرف اشارہ کرر ہے تھے اور قبلہ کی تعیین کرر ہے تھے اسی وجہ سے مسجد قباء کا قبلہ سب سے سیدھا قبلہ ہے جس طرح مسجد نبوی میں صورتحال ہے۔

۷۷۵-شموس بنت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے یہاں فروکش ہوئے مسجد قباء کی بنیاد رکھی میں نے سب کچھ دیکھا میں نے آپ کو پتھر اٹھاتے ہوئے دیکھا یہاں تک پتھر آپ کو جھکا دیتا میں نے آپ کے بطن یا ناف پر مٹی کی سفیدی دیکھی آپ کے اصحاب میں سے کوئی آتا عرض کرتا میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے عطا فرما دیجئے میں آپ کی طرف سے کافی ہوں آپ فرماتے ہرگز نہیں اس کی مثل لے لو یہاں تک آپ نے اس کی بنیاد رکھی ارشاد فرماتے جبرئیل امین کعبہ کی طرف اشارہ کرر ہے ہیں۔

کہا یہ بات کہی جاتی تھی قبلہ کے اعتبار سے یہ مسجد سب سے سیدھی ہے اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔

آپ کا قول "حتی یهصره" یعنی ایک طرف جھکا دیتا۔

اس نص میں اس بات کی وضاحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے بنانے، چھوٹے بڑے پتھر اٹھانے جو پتھر وزنی ہونے کی وجہ سے آپ کو ایک طرف جھکا دیتے میں شریک ہوتے اور جو آدمی آپ سے پتھر لینے کی خواہش کرتا اسے دینے سے انکار کر دیتے بلکہ اسے فرماتے کہ وہ ایک اور پتھر لے آئے اس طرح باہم تعاون ہوتا۔ واللہ اعلم۔

۷۷۶-سہل بن سعد، ابی غزیہ انصاری، ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ جب قبلہ کو بیت اللہ شریف کی طرف پھیرا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء تشریف لائے تو مسجد کی دیوار کو آج کی

جگہ کی طرف آگے کیا اور اسے بنایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل امین میرے لئے بیت اللہ شریف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ تعمیر کے لئے پتھر اٹھا کر لاتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ میں ایک دفعہ پیدل یہاں تشریف لاتے۔ ابن سعد نے اسے متعدد سندوں سے روایت کیا حضرت سہل کی حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ واقدی کے علاوہ صحیح کے راوی ہیں ابوغزیہ اور ابوسعید کے راویوں میں مشہور ہیں حدیث اپنے طرق کی بناء پر حسن ہے۔ واللہ اعلم اس کا تتمہ آئے گا ان شاء اللہ۔

نبی کریم علیہ وسلم کا یہاں آنے کا اہتمام کرنا

اس مسجد شریف کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آنے کا ہمیشہ اہتمام فرماتے۔ یہاں آپ سوار ہو کر اور پیدل تشریف لاتے ہفتہ نہ گزرتا کہ آپ تشریف لاتے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اس کی عظمت اور آپ اس کا جس قدر لحاظ کرتے اس پر دلالت کرتا ہے ایسا کیوں نہ ہوتا یہ پہلی مسجد تھی جو مسلمانوں کی جماعت کے لئے اعلانیہ بنائی گئی یہ آپ نے مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے بنائی اور مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی بنائی۔

۷۷۷-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہو کر اور پیدل قباء شریف لاتے۔ متفق علیہ۔

۷۷۸-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ کو مسجد قباء پیدل اور سوار تشریف لاتے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ایسا کرتے۔ متفق علیہ۔

۷۷۹-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قباء پیدل اور سوار تشریف لاتے اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ متفق علیہ

۷۸۰-امام احمد کے ہاں عبداللہ بن قیس بن مخرمہ سے مروی ہے کہ میں قباء کے مقام پر بنی عمرو بن عوف کی مسجد سے اپنے خچر پر آیا میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملا جو پیدل تھے جب میں نے آپ کو دیکھا تو میں اپنے خچر سے نیچے اتر پڑا پھر میں نے کہا اے چچا جان سوار ہو جایئے۔ انہوں نے کہا اے بھتیجے اگر میں چوپائے پر سوار ہونے کا ارادہ کرتا تو میرے پاس سواری موجود ہوتی لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پیدل اس مسجد کی طرف تشریف لاتے یہاں پہنچتے اس میں نماز ادا فرماتے میں پسند کرتا ہوں کہ اس کی طرف پیدل چل کر آؤں جس طرح میں نے آپ کو پیدل چل کر آتے ہوئے دیکھا۔ کہا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے سوار ہونے سے انکار کر دیا اور آگے چل دیئے اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۷۸۱-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء کی طرف پیدل یا سوار ہو کر جانے میں اکثر مختلف انداز اپناتے۔ اسے حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ امام ذہبی نے اس کی توثیق کی۔

ان احادیث اور روایات میں بعض احکام ہیں جن میں سے یہ ہیں۔

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسجد قباء میں آنے کا اہتمام کرنا اور وہاں کے رہنے والوں کی خبر گیری کرنا۔ یہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خبر گیری پر حریص اور حضور کی ان سے محبت پر دلیل ہے۔

اس مسجد کی شان بڑی بلند ہے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود یہاں تشریف لاتے اور پیدل اور سوار ہو کر آنے میں اکثر مختلف انداز اپناتے جس طرح سہولت ہوتی۔

جس طرح ان احادیث اور جنکا میں ذکر کروں گا میں بعض ایام کو بعض اعمال کے لئے خاص کرنے اور ان پر مداومت اختیار کرنے کی دلیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ کو پیدل یا سوار ہو کر مسجد قباء تشریف لاتے اس میں نماز ادا فرماتے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری روایت میں آپ کا قول "یاتی مسجد قباء کل سبت" ہر ہفتہ کو مسجد قباء تشریف لاتے اگرچہ اس عمل پر دوام سمجھ آتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس دن کے علاوہ یہاں تشریف نہیں لاتے تھے بلکہ ایسی روایات بھی آتی ہیں کہ آپ اس دن کے علاوہ بھی یہاں آتے۔

۷۸۲-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم پیر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قباء کی طرف نکلے جب ہم بنی سالم میں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبان بن مالک کے دروازے پر رکے اسے یاد فرمایا تو وہ اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم نے تجھے جلدی میں ڈال دیا اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز (مسجد) قباء تشریف لاتے۔

۷۸۳-ابن شبہ نے ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے راوی صحیح ہیں انہوں نے شریک سے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے روز قباء تشریف لاتے لیکن یہ روایت مرسل ہے اور سابقہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

۷۸۴-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور محمد بن منکدر سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سترہ رمضان کی صبح کو قباء تشریف لاتے اسے ابن شبہ نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا۔

محمد بن منکدر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے لوگوں کو سترہ رمضان کی صبح کو مسجد قباء آتے دیکھا اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس مسجد کی قدر کو

پہچانا اس کی عزت وتکریم کی اور بار بار اس کی طرف تشریف لائے۔

۷۸۵-محمد بن عبدالرحمٰن بن سعید بن زرارہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بنی عمرو بن عوف کے شیوخ سے سنا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوپہر کے بعد ان کے پاس تشریف لائے آپ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ کھجور کی ایک تر شاخ لے آئے اور فرمایا میں اس کے ساتھ یہاں عبادت کروں گا (ثواب کا کام کروں گا) وہ آدمی اس شاخ کو لایا آپ نے قبلہ کی جانب والی دیوار سے غبار کو جھاڑا پھر فرمایا اگر تو آفاق میں ہوتی تو میں تیرے لئے سواریوں کو ضائع کرتا۔ پھر آپ تشریف فرما رہے یہاں تک کہ روزے دار نے روزہ افطار کیا جبکہ آپ روزے سے تھے آپ نے پانی منگوایا قوم دوڑی ایک آدمی سبقت لے گیا وہ ایک شہد کا پیالہ لے آیا جب حضرت عمر نے اسے دیکھا تو خوش ہوئے (تعجب کیا) فرمایا یہ کیا چیز ہے عرض کی شہد ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اسے لے جاؤ ایسی پینے والی چیز لاؤ جو اس (شہد) سے سوال کرنے میں آسان ہو وہ پانی لایا تو آپ نے اسے پیا۔ اسے ابن شبہ اور دوسرے لوگوں نے روایت کیا۔

۷۸۶-سعید بن عبدالرحمٰن بن رقیش اسعدی نے روایت کیا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہماری مسجد میں تشریف لائے ان دیواروں میں سے ایک کے پاس دو رکعت نماز پڑھی پھر سلام پھیرا اور تشریف فرما ہو گئے ہم آپ کے ارد گرد بیٹھ گئے فرمایا سبحان اللہ اس مسجد کا حسن کتنا بڑھ کر ہے اگر یہ ایک ماہ کی مسافت پر ہوتی تو یہ اس کی مستحق تھی کہ پھر بھی یہاں آیا جاتا جو آدمی اپنے گھر سے اس ارادہ کے ساتھ نکلتا ہے کہ اس میں چار رکعت نماز پڑھے اللہ تعالیٰ اسے عمرہ کا اجر عطا فرماتا ہے اسے ابن شبہ نے روایت کیا اس کے راوی ثقہ ہیں سوائے ایوب بن سیار کے جو ضعیف ہے لیکن آنے والی احادیث اس کی تائید کرتی ہیں۔

اس نص میں اجتہاد کی گنجائش نہیں

انسان اس قسم کی چیز میں اجتہاد نہیں کر سکتا یہ مرفوع کے حکم میں ہے واللہ اعلم۔

یہ تمام کی تمام نصوص اس مسجد کی عظمت اور عظیم شان پر دلالت کرتی ہیں۔

اس میں نماز پڑھنا عمرہ کے برابر ہے

مسجد قباء کے فضائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو آدمی یہاں آئے اور اس میں دو رکعت نماز پڑھے اس کے لئے اتنا اجر ہے جتنا مکمل عمرہ کا اجر ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے جو اس نے اپنے بندوں پر کیا اس کے رہنے والوں اور آنے والوں کو عزت بخشی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ متعدد صحابہ سے مروی ہے۔

۷۸۷-حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس

نے گھر میں وضو کیا پھر مسجد قباء آیا اس میں نماز پڑھی اس کے لئے عمرہ کا اجر ہے اسے احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید اور حاکم نے روایت کیا حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ امام ذہبی نے اس کی توثیق کی نیز ابن شبہ، طبرانی نے روایت کیا کنزل العمال میں اسے ضیاء مقدسی کی طرف منسوب کیا۔

۷۸۸- امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بیہقی نے شعب الایمان میں ابی امامہ بن سہل بن حنیف نے اپنے باپ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے جو آدمی طہارت پر گھر سے نکلا وہ اس مسجد کے علاوہ کسی چیز کا ارادہ نہیں کرتا تھا پھر وہ اس میں نماز پڑھتا ہے اس کے لئے حج کا درجہ ہے۔ اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

جس طرح امام طبرانی نے کبیر میں آپ سے ہی اس لفظ کے ساتھ روایت کیا جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا پھر وہ مسجد قباء میں داخل ہوا اس میں چار رکعت نماز ادا کی اس کو غلام آزاد کرنے کا اجر ہے لیکن اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربزی یوسف بن طہمان سے روایت کرتا ہے اور موسیٰ ضعیف ہے یوسف کے بارے میں قول گزر چکا ہے اسے ابن حبان نے ثقہ قرار دیا اور عقیلی اور دوسرے لوگوں نے اسے ضعیف قرار دیا۔ واللہ اعلم۔

۷۸۹- اسید بن ظہیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک صحابی تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا مسجد قباء میں نماز عمرہ کی طرح ہے۔ امام ترمذی نے اسے روایت کیا اور حسن قرار دیا۔ نیز ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ اور حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا۔ بخاری نے اپنی تاریخ، طبرانی نے کبیر، بیہقی نے سنن اور شعب میں، ابن سعد، ابن شبہ اور بغوی نے روایت کیا۔ کنزل العمال میں اسے احمد کی طرف منسوب کیا میں نے احمد کی مسند میں اسے نہیں دیکھا۔ واللہ اعلم

حافظ منذری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہم اسید بن ظہیر کی کسی چیز کو نہیں پہنچاتے جو اس حدیث کے علاوہ صحیح ہو۔

حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ترغیب وترہیب کی مختصر میں نقل کیا اور بغوی نے اسے حسن قرار دیا۔

میں کہتا ہوں اس کی سند میں ابوابرد مولی بنی خطمہ ہے اس کے نام میں اختلاف ہے اس حدیث کی سابقہ حدیث تائید کرتی ہے نیز آنے والی حدیث بھی۔

۷۹۰- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اوساط میں حضرت سعد بن عبادہ کے گھر ایک جنازہ میں شریک ہوئے پھر بنی عمرو بن عوف کی طرف پیدل چلتے بنی حارث بن خزرج کی علاقے میں آئے آپ سے عرض کیا اے ابوعبدالرحمٰن آپ کہاں کا ارادہ کرتے ہیں فرمایا میں بنی عمرو بن عوف میں اس مسجد کا قصد کرتا ہوں کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اس میں ایک نماز پڑھی اس کا ثواب ایک عمرہ کے برابر ہے اسے ابن حبان نے روایت

کیا اور ابن ابی شیبہ نے اسے ایک اور سند سے آپ سے ہی موقوفاً نقل کیا۔ اس قسم کی بات رائے سے نہیں کہی جاتی۔ واللہ اعلم

سابقہ روایت اور آنے والی روایت اس کی تائید کرتی ہے۔

۷۹۱- حضرت سہل بن سعد، ابی غزیہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے سب نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اچھا وضو کیا پھر مسجد قباء میں آیا اس نے نماز ادا کی اس کے لئے عمرہ کا اجر ہے اسے ابن سعد نے کئی طرق سے روایت کیا اس میں بعض مستور راوی ہیں جنہیں میں نہیں جانتا سوائے حضرت سعد بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سند سے واقدی کے علاوہ راوی ثقہ ہیں حدیث اپنے طرق کی بنا پر حسن ہے۔ واللہ اعلم

۷۹۲- حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اچھا وضو کیا پھر مسجد قباء کا ارادہ کیا وہ کسی اور امر کا ارادہ نہیں رکھتا تھا اسے سفر پر مجبور نہیں کیا گیا مگر مسجد قباء میں نماز ادا کرنے نے اس نے وہاں چار رکعت نماز ادا کی ہر رکعت میں وہ سورۃ فاتحہ شریف کی تلاوت کرتا تھا اسے بیت اللہ شریف کا عمرہ کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا اس کی سند میں یزید بن عبدالملک نوفل ہے جو ضعیف ہے لیکن سابقہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے پس یہ روایت حسن ہے۔

۷۹۳- ابی امامہ سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک کو یہ فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی میں پسند کرتا ہوں کہ اسے تمہارے اوپر مخفی نہ رکھوں میں نے آپ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا جو بنی عمرو بن عوف کی مسجد میں آئے اسے گھر سے نہیں نکالا تھا مگر نماز نے اس کے لئے عمرہ کا اجر ہے اسے ابن شبہ نے روایت کیا اس کی سند میں عتبہ بن ابی میسرہ ہے میں اسے نہیں جانتا اس کے باقی راوی صحیح کے راوی ہیں لیکن سابقہ روایت اس کی تائید کرتی ہے۔ واللہ اعلم

۷۹۴- ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اچھا وضو کیا پھر مسجد قباء کے ارادہ سے نکلا اسے سفر پر مجبور نہ کیا مگر نماز نے اس نے وہاں دو رکعت نماز ادا کی تو اس کی یہ دو رکعتیں عمرہ کے قائم مقام ہوں گی لیکن وکیع کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ہیں جو ضعیف ہے پھر اس کے درمیان اور ابی امامہ کے درمیان انقطاع بھی ہے لیکن خطیب کی روایت اس کی تائید کرتی ہے وہ سب ثقہ ہیں پھر سابقہ احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ واللہ اعلم

اس کے ساتھ ظہیر بن رافع حارثی انصاری کی حدیث بھی ملائی جا سکتی ہے۔

ان نصوص سے آنے والے احکام مستنبط کئے جا سکتے ہیں۔

مسجد قباء کی فضیلت اور اہمیت کیوں نہ ہو یہ مسجد نبوی کے ساتھ تقویٰ پر تعمیر کی گئی ہے۔ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا۔

اسی وجہ سے عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اگر مسجد زمین کے آفاق میں سے کسی افق میں ہوتی تو ہم اس کے لئے سواری کے جگر کمزور کرتے۔ اسے عبدالرزاق نے متصل اور منقطع دونوں صورتوں میں روایت کیا اور ابن سعد نے طبقات میں بیان کیا ان کے علاوہ بھی لوگوں نے روایت کیا۔

اسی کی مثل کئی صحابہ سے یہ روایت مروی ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول گزر چکا ہے۔

(۲) مسجد قباء میں نماز کی فضیلت جو اجر میں عمرہ کے برابر ہے اس سے مراد ثواب ہے حکم نہیں جس نے اسلام کا عمرہ نہیں کیا وہ یہاں دو رکعت ادا کرنے سے اسلام کا عمرہ ادا نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے مکہ مکرمہ میں عمرہ ادا کرنا ضروری ہے۔

اس میں پڑھی جانے والی نماز کا ثواب عمرہ کے اجر کے برابر ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم فضل ہے۔

ان روایات میں اختلاف ہے بعض میں یہ الفاظ آئے ہیں ''صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِ قُبَاء'' (مسجد قباء میں نماز پڑھنا)، بعض میں آیا ہے ''صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ'' (اس نے دو رکعتیں پڑھیں) بعض میں آیا ہے ''صَلّٰی اَرْبَعَ رَکْعَاتٍ'' اس نے چار رکعات پڑھیں۔ میرے لئے جو امر ظاہر ہوا وہ یہ ہے یہاں مراد مطلق نماز ہے جس کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں۔

جس طرح کہ یہاں نماز سے مراد نفل نماز ہے۔ واللہ اعلم۔ کیونکہ حضور کا ارشاد ہے ''مَنْ تَطَهَّرَ فِیْ بَیْتِهٖ ثُمَّ صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ'' کیونکہ دن میں کوئی ایسی نماز نہیں پائی جاتی جس کی رکعات دو ہوں بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے ''اَلصَّلَاۃُ فِیْ مَسْجِدِ قُبَاء'' یہ عام ہے۔ واللہ اعلم۔

(۳) یہ نصوص زمین کے بعض حصوں کی بعض حصوں پر فضیلت پر دلالت کرتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کو فضیلت عطا کی ہے اسی طرح مدینہ طیبہ کی بعض جگہوں کو بعض جگہوں پر فضیلت دی انہیں میں سے ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد قباء کو فضیلت دی کہ اس نے اس میں ایک نماز کو اجر و ثواب میں عمرہ کے برابر کر دیا۔ والحمد للہ تعالیٰ

اس مسجد کو یہ فضیلت کیوں نہ ہو کیونکہ یہ اول روز سے مسجد تقویٰ ہے اور یہ نام اس کا علم بن گیا۔ واللہ اعلم۔

۷۹۵۔ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرمایا میں عبداللہ بن عمرو، سمرہ بن جندب چلے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے لوگوں نے ہمیں کہا وہ مسجد تقویٰ کی طرف چلے گئے ہم

اس کی طرف چل پڑے ہم آپ سے اس حال میں ملے کہ آپ کے دونوں ہاتھ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے کندھوں پر تھے ہم آپ کے سامنے پر جوش ہو گئے فرمایا اے ابو بکر یہ کون ہیں عرض کی عبداللہ بن عمرو، ابو ہریرہ اور سمرہ بن جندب ہیں۔ اسے احمد نے روایت کیا یہ ان کے الفاظ ہیں، حارث اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا اور ابن شبہ نے بہت مختصر روایت کیا۔

ابن معین، حارث، دولابی اور دوسرے لوگوں نے یہ الفاظ زائد کئے۔ ''آخِرُکُمْ مَوْتًا فِی النَّارِ'' تم میں سے یہ آخر میں جو فوت ہوگا اور آگ میں مرے گا۔

ہیثمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجمع الزوائد میں کہا احمد نے اسے ابی امین کی حدیث میں روایت کیا میں نے یہ نہیں پایا کہ کس نے اس کا یہ تعارف ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں شاید حافظ ہیثمی نے اس سلسلہ میں امام یحییٰ بن معین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی اتباع کی کیونکہ انہوں نے اپنی تاریخ میں کہا میں نے ابو امین کے بارے میں نہیں سنا سوائے ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت میں۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعجیل منفعۃ اور اسی کی مثل لسان المیز ان میں کہا ابو امین (یہ مصغر ہے) یہ ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابو الوازع جابر روایت کرتے ہیں حسینی نے کہا یہ مجہول ہے ہمارے شیخ کے بیٹے نے کہا وہ معروف نہیں اسی طرح کہا وہ شامی معروف ہے ان سے ارطاۃ بن منذر اور معاویہ بن صالح نے روایت کیا حاکم ابو احمد نے کہا وہ کثیر بن حارث ہے یعنی جو قاسم بن عبدالرحمٰن سے روایت کرتا ہے وہ ابی امامہ کا صاحب ہے۔

تہذیب میں کثیر بن حارث کے ترجمہ میں کہا ابو حاتم نے کہا وہ صالح الحدیث ہے ابو زرعہ دمشقی نے کہا حضرمی کے شیوخ سب کا معنی ایک ہے علی بن زید، کثیر بن حارث اور سلیمان بن عبدالرحمٰن یہ سب لوگ ثقہ ہیں قاسم کے اصحاب میں سے ہیں ان کا مقام ان کی احادیث کی نسبت ظاہر کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے کہا میں نے رحیم سے کہا کثیر بن حارث کے بارے کیا رائے ہے کہا میں اسے نہیں جانتا میں نے پوچھا کیا آپ اسے مردود قرار دے سکتے ہیں جبکہ ان سے خالد بن معدان اور معاویہ بن صالح نے روایت کیا کہا اسے مردود قرار نہیں دیا جا سکتا ابن حبان نے اسے ثقات میں شمار کیا پھر اس بات کی روایت کی طرف اشارہ کیا۔

میں کہتا ہوں ان کا قول مطبوعہ مسند میں اسی طرح مجمع الزوائد میں (عبداللہ بن عمر) وہم ہے خصوصاً جب اس حدیث کے آخر میں غور و فکر کرتے ہیں جس طرح دولابی، ابن ابی شیبہ، حارث، طبرانی کی کبیر اور اوسط میں، ابن معین اور دوسرے لوگوں کی روایات میں آخر کم موتا، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وفات ۷۳ھ میں ہوئی جبکہ سمرہ بن جندب کی وفات ۵۹ یا ۶۰ھ میں ہوئی، جن سے

عام لوگوں نے قصہ بیان کیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات سمرہ سے قبل ۵۷،۵۹ ھ میں جبکہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کی وفات ۶۳، ۶۵ ھ میں ہوئی۔

شاید یہی وہ وجہ ہے جس نے امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو اس زیادتی سے بے نیاز کر دیا پس آپ نے اپنی مسند میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم

جب ابوامین جو کثیر بن حارث ہے، جس طرح ابواحمد حاکم، ذہبی اور حافظ ابن حجر نے کہا کیونکہ کثیر بن حارث تابعین میں سے نہیں بے شک وہ تبع تابعین کے طبقہ میں ہے جس طرح ابن حبان نے ذکر کیا اور دوسرے لوگوں نے بھی اس کا ذکر کیا۔

لیکن اس حدیث کے اور شواہد بھی ہیں انہیں میں سے ایک ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث بھی ہے جسے فسوی نے معرفت اور تاریخ میں، طبرانی نے اوسط میں، خطابی نے غریب الحدیث میں، ابن کثیر نے البدایہ والنہایۃ میں، ذہبی نے سیر میں روایت کیا ہے۔ اسی حدیث کی ایک اور حدیث جو ابومحذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے تائید کرتی ہے جسے ابن ابی شیبہ اور طبرانی نے روایت کیا ہے دونوں میں علی بن زید بن جدعان مروی ہے جسے ثقہ قرار دیا گیا جبکہ اس میں ضعف ہے۔

یہ وہ شواہد ہیں جن کی بناء پر یہ حدیث قوی ہو جاتی ہے۔

لیکن ان دوسری روایات میں عبداللہ بن عمر یا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر نہیں بے شک وہ ابومحذورہ ہے جس طرح ذہبی نے یقین سے کہا اور مزی نے اپنی اصل کے حاشیہ میں ذکر کیا اور ان دونوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی ذکر کیا شاید یہی وہ ہے جس پر یہ زیادتی منطبق ہوتی ہے کیونکہ یہ بھی ۵۹ ھ میں فوت ہوئے اور یہی اپنی روایت اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں موجود ہوں۔

اس زیادتی میں نبوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ابوہریرہ، سمرہ اور تیسرا جوان کے ساتھ تھا کو بتایا کہ ان میں سے آخر میں فوت ہونے والا آگ میں فوت ہوگا۔

ابن عبدالبر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا حضرت سمرہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ یاد کیا ان کی وفات بصرہ میں ۵۸ ھ میں ہوئی آپ گرم پانی سے بھری ہوئی دیگ میں گر گئے تھے وہ اس دیگ پر بیٹھ کر اپنا علاج کر رہے تھے۔ جو انہیں لاحق ہو گئی تھی تو خود اس گرم دیگ میں گر پڑے تو یہ امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق بنا جو آپ نے انہیں، ابی ہریرہ اور تیسرا جوان کے ساتھ تھا تم میں سے موت میں آخری آگ میں فوت ہوگا۔

تو جب تیسرا آدمی فوت ہو گیا تو حضرت ابوہریرہ سمرہ کے بارے دریافت کرتے اور حضرت سمرہ ابوہریرہ کے بارے دریافت کرتے حضرت ابوہریرہ حضرت سمرہ سے تھوڑا وقت پہلے فوت ہو گئے۔ پس یہ معجزہ ثابت ہو گیا۔ واللہ اعلم

مسجد قباء صحابہ کے درمیان مسجد تقویٰ کے نام سے معروف تھی۔ واللہ اعلم۔

اس میں خیر کثیر ہے۔

مسجد قباء کے فضائل میں سے جو چیزیں شمار کی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس میں خیر کثیر ہے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شہادت ہے جو اس مسجد کی عزت اور شان پر دلالت کرتی ہے۔

۷۹۶ - حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ بنی عمرو بن عوف اور بنی خدرہ کا ایک ایک آدمی مسجد تقویٰ کے بارے میں پس میں الجھ پڑے۔ خدری نے کہا وہ مسجد نبوی ہے عمری نے کہا وہ مسجد قباء ہے وہ دونوں نکلے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا وہ مسجد نبوی ہے اور اس میں خیر کثیر ہے۔ اسے احمد، ترمذی، ابن حبان، حاکم نے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا امام ذہبی نے اس کی توثیق کی نیز اسے ابن ابی شیبہ اور ابو یعلی نے روایت کیا۔

یہ خیر کا لفظ عام ہے اسی میں سے ایک یہ صورت بھی ہے اس میں ایک نماز ثواب اور اجر میں عمرہ کے برابر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

القیام فی مسجد التقوی

اس مسجد کی فضیلت اور مقام و مرتبہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قیام، ذکر اور عبادت کا محل بنایا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس مسجد میں قیام کو زیادہ حق قرار دیا اور اپنے نبی اور صفی کو مسجد ضرار میں قیام کرنے سے منع کیا وہ مسجد جسے منافقوں نے تعمیر کیا تھا تاکہ انہیں تیار کریں جو اللہ اور اس کے پیارے رسول سے جنگ کریں اور مومنوں میں تفریق کرنے اور انہیں نقصان پہچانے کے لئے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ''اور وہ لوگ جنہوں نے بنائی ہے مسجد نقصان پہنچانے کے لئے، کفر کے لئے اور پھوٹ ڈالنے کے لئے مومنوں کے درمیان اور (اسے) کمین گاہ بنایا ہے اس کے لئے جو لڑتا رہا ہے اللہ سے اور اس کے رسول سے اب تک وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ صاف جھوٹے ہیں۔ آپ نہ کھڑے ہوں اس میں کبھی البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ کھڑے ہوں اس میں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں صاف ستھرا رہنے کو اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے پاک صاف لوگوں سے۔'' (التوبۃ ۱۰۷-۱۰۸)

اللہ تعالیٰ نے مسجد ضرار جسے منافقوں نے بنایا تھا کی حالت بیان کرنے اور اس میں قیام کرنے سے نہی کے بعد فرمایا کہ اس مسجد میں قیام کا حکم دیا جسے پہلے روز سے تقویٰ پر تعمیر کیا گیا تھا۔

مسجد تقویٰ کی تعیین میں اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں جس کی وضاحت گزر چکی ہے۔

نمبرا: جمہور مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ مسجد قباء ہے اس کے اوپر قرآن حکیم کی آیات، دلائل اور متعدد روایات دلالت کرتی ہیں۔

نمبر ۲: وہ مسجد نبوی ہے یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہوئی اور اسے کئی صحابہ نے ذکر کیا جن میں ابوسعید خدری، سہل بن سعد، ابی بن کعب اور زید بن ثابت ہیں۔

دونوں مسجدیں اول روز سے تقویٰ پر تعمیر کی گئیں کیونکہ دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا اسی وجہ سے دونوں میں قیام اچھا ہے دونوں میں بے شمار فضائل ہیں اگر چہ دونوں میں سے مسجد نبوی افضل ہے کیونکہ اس میں بے شمار فضائل وارد ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طویل وقت تک یہاں مقیم ہوئے۔

"فَضْلُ الصَلوٰۃِ فِیْہِ علی اِتْیَان بَیْتِ المُقَدَّسِ" مسجد قباء میں نماز پڑھنا بیت المقدس آنے سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

مسجد قباء کے فضائل میں سے یہ بھی ہے (جبکہ ان کا شمار فضائل مدینہ میں ہو چکا ہے) کہ اس میں نماز ادا کرنا بیت المقدس میں آنے سے زیادہ فضیلت کا حامل ہے کیونکہ مسجد قباء میں نماز کو پہلے عمرہ کے برابر قرار دیا پھر یہاں آنے اور اس میں نماز پڑھنے کو بیت المقدس میں آنے سے زیادہ فضیلت والا قرار دیا۔

۷۹۷- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں مسجد قباء میں دو رکعات پڑھوں مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں بیت المقدس دو دفعہ آؤں اگر لوگ قباء میں موجود فضیلت کو جان لیتے تو اپنی سواریوں کو اس میں کمزور کرتے اسے ابن شبہ اور حاکم نے روایت کیا حاکم نے اسے صحیحین کی شرطوں پر صحیح قرار دیا امام ذہبی نے اس کی توثیق کی اور حافظ نے فتح میں صحیح قرار دیا۔

۷۹۸- جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد قباء میں داخل ہوئے فرمایا قسم بخدا یہاں ایک نماز ادا کرنا بیت المقدس میں چار نمازیں ادا کرنے سے زیادہ محبوب ہے بعد اس کے میں بیت المقدس میں ایک نماز پڑھوں اگر یہ مسجد زمین کے آفاق میں سے کسی افق میں ہوتی تو ہم اس کے لئے اپنی سواریوں کو کمزور کرتے۔ اسے عبدالرزاق نے منقطع روایت کیا اور قسم اخیر کو اپنے متصل نقل کیا۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جبکہ اسے دوسروں نے بھی روایت کیا سابقہ نص اس کی تائید کرتی ہے۔

یہ سب اس عظیم مسجد کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں اس حیثیت میں کہ اگر یہ دنیا کے آفاق میں سے کسی افق میں ہوتی تو اس کے لئے سواریوں کو کمزور کیا جاتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کیا اور اسے اپنے نبی کے شہر میں بنا دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مدینہ طیبہ میں موجود دوسری مساجد کے کچھ فضائل

مدینہ طیبہ میں وہ مساجد جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی موجود تھیں سب فضیلت رکھتی ہیں

اس کی وجہ یہ ہے یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنایا، ان کے قبلہ کی سمت کا تعین کیا، ان کی فضیلت کو بیان کیا، اس میں نماز پڑھی اس میں دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کیا، اس مسجد میں کتاب اللہ میں سے کوئی حصہ نازل ہوا، اس نے کسی اہم اسلامی واقعہ کے بارے شہادت دی یا اس قسم کی کوئی اور چیز۔

اسی وجہ سے مدینہ طیبہ کی بعض ان مساجد کا ذکر کرتا ہوں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھیں ساتھ ہی ساتھ ان کے فضائل بھی ذکر کروں گا۔ واللہ تعالیٰ الموفق۔

مسجد الفتح

یہ مدینہ طیبہ کی سات مشہور مساجد میں سے ایک ہے جو سلع پہاڑ کے مغرب میں ہے مدینہ طیبہ کے شمالی حصہ میں یہی بلند ترین مسجد ہے اس کے قبلہ کی جانب سے سیڑھیوں کے ذریعے اس کی طرف جانا پڑھتا ہے اور دوسرا راستہ اس کی شمال کی جانب سے ہے اگرچہ اس شمالی جانب والی سیڑھی ختم کر دی گئی ہے اور اس کی جگہ چھوٹا سا باغیچہ لگا دیا گیا ہے اس مسجد کے فضائل میں سے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں ان لشکروں کے بارے میں دعا کی جنہوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کیا اس کے بعد یہاں کی گئی دعا مستجاب ہوئی یہاں تک کہ بعض صحابہ کو کوئی مصیبت آتی یا کوئی تنگی واقع ہوتی تو وہ اس وقت یہاں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی التجا کرتے جس وقت میں یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو قبول کر لیتا۔

۷۹۹۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں تین دعائیں کیں۔ پیر، منگل اور بدھ کے روز بدھ کے روز دو نمازوں کے درمیان آپ کی دعا قبول ہوئی خوشی آپ کے چہرہ سے عیاں ہوئی۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا مجھ پر کوئی بھی تکلیف واقع نہیں ہوئی مگر میں نے اسی گھڑی کو تلاش کیا اس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تو اس کی قبولیت پہچان لیتا اسے احمد، بزار، ابن شبہ نے متعدد طرق سے روایت کیا احمد اور بزار کے راوی ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں حافظ ہیثمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کو مجمع الزوائد میں بیان کیا اور اسے احمد اور بزار کی طرف منسوب کیا اور کہا احمد کے راوی ثقہ ہیں میں نے کہا بزار کے راوی بعینہ امام احمد کے مسند میں راوی ہیں احمد کے راویوں پر ثقاہت کو محدود کرنا کوتاہی ہے۔

حدیث میں ان کا یہ قول بین الصلوتیں سے مراد ظہر اور عصر کے درمیان کا وقت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد اجابہ

یہ بنی معاویہ بن مالک بن عوف جو اوس سے تعلق رکھتے تھے کی مسجد ہے آج اس کا محل وقوع شارع ستین کی دائیں جانب شرق بقیع کے شمال میں ہے شرق بقیع سے ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے راستہ پر

جانے والے کے لئے ۔ یہ مسجد آج بھی قائم ہے اور معروف ہے۔

۸۰۰- سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز عالیہ سے تشریف لائے یہاں تک کہ مسجد بنی معاویہ کے پاس سے گزرے اس میں داخل ہوئے اس میں دو رکعت نماز ادا فرمائی ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی آپ نے اپنے رب سے طویل دعا کی پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب سے تین دعائیں کی ہیں اس نے مجھے دو عطا کر دیں اور ایک مجھ سے روک لی میں نے اپنے رب سے التجاء کی کہ وہ میری امت کو قحط سے ہلاک نہ کرے اس نے میری گزارش مان لی۔ میں نے التجا کی میری امت سیلاب سے ہلاک نہ ہو اس نے میری عرضداشت پوری کر دی میں نے عرض کی کہ ان کے درمیان کسی قسم کی جنگ نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے اسے مجھ سے روک لیا۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

۸۰۱- عبداللہ بن عبداللہ بن جابر بن عتیک سے مروی ہے انہوں نے کہا ہمارے پاس حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بنی معاویہ میں تشریف لائے یہ انصار کی بستی تھی فرمایا کیا تم پہچانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں کہاں نماز پڑھی۔ میں نے عرض کی جی ہاں میں پہچانتا ہوں پھر میں نے مسجد کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا پوچھا کیا تو جانتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں کون سی تین دعائیں مانگی تھیں میں نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں فرمایا مجھے بتاؤ میں نے عرض کی آپ نے یہ دعائیں فرمائیں کہ غیر سے کوئی دشمن ان پر غلبہ نہ پائے اور اللہ تعالیٰ خشک سالی سے انہیں ہلاک نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے دونوں دعائیں قبول کیں حضور نے تیسری دعا یہ کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان جنگ وجدال برپا نہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے اسے روک دیا۔ فرمایا تو نے سچ کہا۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا قیامت تک اس قوم میں فتنہ وفساد جاری رہے گا اسے امام مالک اور ابن شبہ نے روایت کیا۔

اسی طرح یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں امام مالک نے فرمایا اور ابن شبہ نے اسی طرح محمد بن یحییٰ سے انہوں نے مالک سے روایت کیا ابن عبدالبر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تجرید میں مذکورہ یحییٰ کی روایت ذکر کرنے کے بعد کہا اسی طرح یحییٰ بن یحییٰ کی روایت میں اس حدیث کی سند صحیح ہے اسی طرح اسے ابن وہب، ابی بکیر، معن بن عیسیٰ، قعنبی، ابومصعب امام مالک سے وہ اپنے شیخ عبداللہ وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں ان کے درمیان کوئی راوی نہیں یہ اس سند سے مختلف ہے جو کتاب الجنائز میں ہے۔

ابن وضاح نے اسے یحییٰ بن یحییٰ سے وہ مالک سے وہ عبداللہ بن عبداللہ جابر بن عتیک سے وہ عتیک بن حارث بن عتیک سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہمارے پاس حضرت عبداللہ بن عمر آئے یہ ابن قاسم کی روایت ہے اس میں انہوں نے یحییٰ پر غلطی کی اس میں انہیں اس روایت نے دھوکہ میں ڈالا جو انہوں

نے سحنون سے روایت کی وہ ابن القاسم سے وہ امام مالک سے اسی طرح روایت کرتے ہیں۔
میں کہتا ہوں امام احمد نے اسے مسند میں مسند جابر بن عتیک میں عبدالرحمٰن بن مہدی وہ امام مالک سے وہ عبداللہ بن عبداللہ بن جابر بن عتیک سے وہ جابر بن عتیک سے رویت کرتے ہیں کہ ہمارے پاس ابن عمر آئے یہ قعنبی اور مطرف کی روایت ہے، جس طرح ابن عبدالبر نے کہا۔ واللہ اعلم۔
امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک اور سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً نقل کیا ہے۔

۸۰۲- حضرت خباب بن ارت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تو اسے طویل کیا لوگوں نے عرض کی حضور آپ نے ایک ایسی نماز پڑھی جو پہلے نہیں پڑھتے تھے فرمایا جی ہاں یہ رغبت اور خوف کی نماز ہے میں نے اس میں تین دعائیں کی ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے دو عطا کر دیں اور ایک مجھ سے روک لی میں نے دعا کی وہ میری امت کو خشک سالی سے ہلاک نہ کرے۔ اس نے میری عرضداشت کو پورا کر دیا۔ میں نے التجاء کی کہ کسی غیر قوم سے دشمن کو ان پر مسلط نہ کریں تو اس نے میری التجاء کو قبول کر لیا۔ میں نے التجاء کی کہ میری قوم کے بعض کو بعض کی قوت کا مزہ نہ چکھائے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا الفاظ اسی کے ہیں نیز نسائی، ابن حبان نے روایت کیا ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا۔

۸۰۳- حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرہ بنی معاویہ (جگہ) کی طرف تشریف لے گئے میں آپ کے پیچھے پیچھے چلا یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچے آپ نے چاشت کی آٹھ رکعت پڑھیں جنہیں خوب لمبا کیا پھر آپ پھرے فرمایا اے حذیفہ میں نے تجھ پر طویل نماز پڑھی میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا میں نے اس میں تین التجائیں کی ہیں اس نے مجھے دو عطا کر دی ہیں اور ایک مجھ سے روک لی۔ میں نے عرض کی کہ میری امت پر کسی غیر کو غلبہ نہ دے اس نے میری عرضداشت کو قبول کر لیا، میں نے عرض کی کہ وہ میری امت کو خشک سالی سے ہلاک نہ کرے تو اس نے میری عرضداشت کو قبول کر لیا، میں نے عرض کیا کہ ان کے درمیان جنگ کو قائم نہ فرما تو اس نے قبول نہ کیا۔ اسے ابن ابی شیبہ نے روایت کیا۔

اس حدیث میں یہ الفاظ ''اَنْ لَا یُظْھِرَ عَلٰی اُمَّتِیْ غَیْرَھَا'' کہ میری امت پر کسی غیر کو غالب نہ کر یہ اس کی مثل ہے جو ابن عمر کی حدیث میں الفاظ ہے۔ ''اَنْ لَا یُظْھِرَ عَلَیْھِمْ عدواً مِنْ غَیْرِھِمْ'' (ان پر ایسے دشمن کو غلبہ عطا نہ کر جو کسی اور قوم سے تعلق رکھتا ہو اور حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی مثل ''اَنْ لَا یُسَلِّطَ عَلَیْھِمْ عدواً مِنْ غَیْرِ ھِمْ'' کہ ان پر ایسے دشمن کو مسلط نہ کر جو کسی اور قوم سے

تعلق رکھتا ہو۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ''اَنْ لَا یُهْلِکَهَا بِالسِّنِیْنَ'' سنین سے مراد بھوک اور قحط ہے یہ اس قول کے موافق ہے جو دوسری احادیث میں ہے ''اَنْ لَا یُهْلِکَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَةٍ'' انہیں خشک سالی سے ہلاک نہ فرما۔ واللہ اعلم۔

۸۰۴- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز نماز پڑھی اور اسے طویل کیا جب فارغ ہوئے میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج آپ نے طویل نماز پڑھی فرمایا میں نے رغبت وخوف کی نماز پڑھی میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے لئے تین التجائیں کیں اس نے مجھے دو عطا فرمادیں اور ایک کو مجھ پر لوٹا دیا۔ میں نے عرض کی کہ ان پر کسی دشمن کو غلبہ نہ دینا تو اس نے میری عرضداشت کو قبول کرلیا، میں نے عرض کی کہ میری امت کے افراد کو غرق کر کے ہلاک نہ کرنا، اس نے میری عرضداشت کو قبول کرلیا، میں نے عرض کی کہ ان میں باہمی جنگ وجدال قائم نہ فرمانا تو میری التجا کو لوٹا دیا گیا۔ اسے ابن ابی شیبہ، ابن ماجہ نے روایت کیا بوصیری نے کہا یہ سند صحیح ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔ امام احمد نے اسی کی مثل روایت کیا۔

۸۰۵- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں تین التجائیں کیں اللہ تعالیٰ نے دو قبول کرلیں اور ایک روک لی ایک یہ عرض کی کہ ان پر کسی دشمن کو مسلط نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے اسے قبول کرلیا ایک یہ التجاء کی کہ انہیں خشک سالی سے ہلاک نہ کرنا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ التجاء قبول کرلی تیسری یہ التجاء کی کہ باہم لڑائی جھگڑے کو قائم نہ فرمانا اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو لوٹا دیا۔ اسے امام بغوی نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۸۰۶- حضرت جبیر بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد معاویہ میں تین التجائیں کیں دو کو قبول کرلیا گیا اور ایک کو روک لیا گیا۔ ایک یہ التجا کی کہ آپ کی امت کو بھوک سے ہلاک نہ فرمائے، اس پر دشمن کو غلبہ عطا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو قبول کرلیا، تیسری التجا یہ کی کہ ان میں باہمی تنازع پیدا نہ فرمائے تو اللہ تعالیٰ نے اسے لوٹا دیا اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے اس سند میں جابر بن یزید جعفی ہے جو ضعیف ہے بعض علماء نے اس کو ثقہ قرار دیا لیکن سابقہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے پس اس کے باعث یہ روایت حسن ہے۔ واللہ اعلم

اس باب میں حضرت ثوبان کی حدیث بھی آتی ہے اگرچہ اس پر تصریح تو نہیں کہ وہ مسجد بنی معاویہ میں ہے لیکن اس حدیث کے معنی میں داخل ہے اور اس کے الفاظ آنے والی حدیث کی طرح ہیں۔

۸۰۷- حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے میری لئے زمین کو سمیٹا۔ میں نے اس کے جن مشارق اور مغارب کو دیکھا ہے میری امت

کی حکومت وہاں تک پہنچے گی مجھے دو خزانے سرخ اور سفید دیئے گئے میں نے اپنے رب سے امت کے لئے التجاء کی کہ اسے خشک سالی کے ساتھ ہلاک نہ کرے اور ان پر غیر دشمن کو مسلط نہ کرے جوان کی عزتوں کو مباح جانے اور میرے رب نے ارشاد فرمایا اے محمد جب میں فیصلہ کرلوں تو اسے لوٹایا نہیں جاتا میں نے آپ کی امت کے لئے یہ چیزیں تجھے عطا کردیں میں انہیں خشک سالی سے ہلاک نہ کروں گا میں ان پر ایسے دشمن کو مسلط نہ کروں گا جو ان کا غیر ہو اور جو ان کی عزتوں کو مباح جانے اگرچہ ان پر تمام لوگ جمع ہو جائیں یہاں تک کہ وہ (مسلمان) آپس میں ایک دوسرے کو ہلاک کریں گے اور بعض بعض کو گرفتار کریں گے۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

یہاں اسی کی مثل اور نصوص بھی ہیں۔ واللہ اعلم۔

ان احادیث میں ان الفاظ ''سنة عامه'' سے مراد ایسا قحط ہے جو ہر کسی کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔ واللہ اعلم۔ پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ میں انہیں قحط اور خشک سالی سے ہلاک نہیں کروں گا بلکہ ان میں اگر قحط واقع ہوگا تو صرف ایک مختصر سے کونہ میں ہوگا جبکہ باقی علاقے محفوظ رہیں گے۔

آپ کا ارشاد ''یَسۡتَبِیۡحُ بَیۡضَتَھُمۡ'' میں بیضہ سے مراد عزت، ملک، جماعت اور اصل ہے واللہ اعلم۔ حدیث میں ان الفاظ کی مراد یہ ہوگی کہ وہ ان پر ایسے دشمن کو مسلط نہ کرے جو ان سے اجنبی ہو جو ان کی جڑ کو کاٹ دے سب پر غالب آجائے جس سے مسلمانوں کی عزت اور ملک ختم ہو جائے۔

آپ کا ارشاد ''اَلَّا یَجۡعَلَ بَاسَھُمۡ بَیۡنَھُمۡ'' میں اس سے مراد کہ ان میں جنگ، فتن اور اختلافات واقع نہ ہوں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ وضاحت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے دعا کی کہ وہ ان پر ایسا دشمن مسلط نہ کرے جو غیر قوم سے تعلق رکھتا ہو جو ان کی عزتوں کو اپنے لئے حلال جانے، ان پر مکمل غالب آجائے ان کی اصل کو اکھیڑ دے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی اس عرضداشت کو قبول کیا، اس طرح کہ اگر تمام جہانوں کے لوگ جمع ہو جائیں تو وہ مسلمانوں پر غلبہ نہ پاسکیں گے بلکہ مسلمانوں میں باہم اختلاف ہوگا یہاں تک کہ وہ بعض بعض کو ہلاک کریں گے اور بعض بعض کو گرفتار کریں گے یہی وہ بات ہے جسے اس امت سے نہیں اٹھایا گیا یہی قدیم زمانے سے دکھائی دے رہا ہے ہمارے زمانے میں واضح صورت میں موجود ہے کیونکہ کم ہی کوئی ایسا شہر ہوگا جس میں جنگ، فتنہ اور اختلاف نہ ہو اسی طرح مسلمانوں کی حکومتوں میں باہم اختلاف ایسے ہی ہوگا۔ التجاء اللہ تعالیٰ کے حضور ہے۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ آپ نے آگاہ کردیا کہ جب تلوار ایک دفعہ اٹھالی جائے گی تو تاقیامت اسے نہیں رکھا جائے گا یہی چیز مشاہدہ میں ہے جب وہ آگ ایک جگہ پرسکون ہوتی ہے تو دوسری جگہ بھڑک اٹھتی ہے جب ایک جگہ وہ ٹھنڈی ہوتی ہے تو دوسری جگہ شعلہ زن ہو جاتی ہے۔ التجاء اللہ تعالیٰ کے

حضور ہے۔

یہ وہ مسجد شریف ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کے لئے دعا کو قبول کیا اسی وجہ سے اسے مسجد اجابہ کہتے ہیں یہ اس مسجد شریف کی خصوصیات میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد قبلتین

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے علاوہ اس مسجد کی فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاتی رہی پھر قبلہ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا تو لوگ اپنے امام کے ساتھ نماز میں ہی بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے جبکہ دو رکعتیں انہوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی تھیں راجح قول یہ ہے کہ یہ واقعہ عصر کی نماز میں ہوا تھا۔

لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے کیا پہلی نماز جس میں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی گئی وہ اس مسجد میں تھی یا جس میں تحویل قبلہ ہوا وہ مسجد نبوی میں نماز پڑھی گئی یہ ظہر کا وقت تھا اور اس مسجد کے لوگوں نے عصر کی نماز میں اپنے منہ پھیرے جس طرح اہل قباء نے صبح کی نماز میں اپنے منہ پھیرے۔

رہا مسجد قباء کا معاملہ تو صحیحین اور دوسری کتب میں یہ ثابت ہے کہ اس میں صبح کی نماز میں تحویل قبلہ ہوئی جس کا ذکر میں ان شاء اللہ کروں گا لیکن یہی اختلاف موجود ہے کہ وہ کون سی مسجد ہے جس میں پہلے تحویل قبلہ ہوئی وہ مسجد نبوی تھی یا مسجد قبلتین۔

۸۰۸- حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں ۱۶ ماہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مشرفہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا پسند کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا" آپ کا آسمان کی طرف چہرہ اٹھانے کو ہم دیکھتے ہیں تو قبلہ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا تو بے وقوفوں نے کہا جو یہودی تھے" کس چیز نے انہیں اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر یہ پہلے تھے فرما دیجئے اللہ تعالیٰ کے لئے ہی مشرق و مغرب ہے جسے چاہتا ہے صراط مستقیم کی طرف ہدایت دیتا ہے۔" (بقرہ: ۱۴۲)

ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی نماز پڑھنے کے بعد پھر باہر نکلا تو عصر کے وقت انصار کی ایک قوم کے پاس سے گزر ہوا جو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے تو اس نے کہا وہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی جبکہ آپ نے کعبہ شریف کی طرف منہ کیا ہوا تھا تو م پھر گئی۔ انہوں نے کعبہ شریف کی طرف منہ کر لیا۔ متفق علیہ۔ الفاظ بخاری کے ہیں۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد نبوی ہی وہ مسجد ہے جس میں نماز میں تحویل قبلہ ہوئی پھر

مسجد قبلتین میں عصر کی نماز میں تحویل قبلہ ہوئی وہ نماز جس میں مسجد نبوی میں تحویل قبلہ ہوئی وہ اس روایت میں واضح نہیں تاہم دوسری روایت میں آیا ہے کہ وہ عصر کی نماز تھی۔

۸۰۹-حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آئے تو پہلے پہل انصار میں سے اپنے ننھیال کے ہاں مقیم ہوئے آپ نے بیت المقدس کی طرف ۱۶ یا ۱۷ ماہ تک منہ کر کے نماز پڑھی آپ کو یہ بات محبوب لگتی تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ شریف کی طرف ہو آپ نے سب سے پہلی نماز جو کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھی وہ عصر کی نماز تھی ایک جماعت نے بھی آپ کے ساتھ یہ نماز پڑھی انہیں میں سے ایک آدمی نکلا تو ایک مسجد کے لوگوں کے پاس سے گزرا جو رکوع میں تھے تو کہا میں اللہ کے نام کی گواہی دیتا ہوں میں نے مکہ کی طرف منہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ اسی وقت بیت اللہ شریف کی طرف پھر گئے جس طرح وہ تھے۔اسے امام بخاری نے روایت کیا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ ظہر کا وقت تھا اور بعض میں اور وقت شک کے ساتھ آیا ہے۔

۸۱۰-حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف منہ کیا اس حال میں کہ آپ ظہر کی نماز ادا فرما رہے تھے آپ نے اپنا چہرہ کعبہ کی طرف پھیر لیا لوگوں میں سے بے وقوفوں نے کہا "مَاوَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَيْهَا" کس چیز نے انہیں اس قبلہ سے پھیر دیا جس پر یہ پہلے تھے۔اسے ابن براز، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اور طبری نے روایت کیا ان کی سند میں عثمان بن سعد کاتب ہے جسے یحییٰ بن سعید القطان نے، ابن معین، ابوزرعہ نے ضعیف قرار دیا ابونعیم حافظ، حاکم، ابوجعفر سبتی نے اس کی توثیق کی ابن عدی نے اسے حسن قرار دیا لیکن آنے والی روایت اس کی تائید کرتی ہے وہ اس کی وجہ سے حسن ہے۔

۸۱۱- ابوسعید بن معلّٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بازار جاتے ہم مسجد سے گزرتے اس میں نماز ادا کرتے ایک دن ہم گزرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز تھے فرمایا آج بہت بڑا معاملہ واقع ہوا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب گیا تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی۔"قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ" یہاں تک کہ آیت سے فارغ ہوئے یعنی مکمل آیت تلاوت کی میرے پہلو میں میرا ایک ساتھی تھا میں نے ساتھی سے کہا کیا آپ نے دو رکعت ادا کر لی ہیں پس کہا یہاں تک کہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے اترے اس روز آپ نے ظہر کی نماز کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے ادا کی اسے بزار، طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ان دونوں کی سند میں عبداللہ بن صالح کاتب اللیث ہیں لیکن نسائی نے اسے کبریٰ میں یہاں کی مثل طویل روایت کیا اور صغریٰ میں اسے مختصر روایت کیا

دونوں محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم کے واسطہ سے وہ شعب بن لیث بن سعد سے وہ اپنے باپ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔

مگر جو عمارہ بن رویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ظہر اور عصر کے درمیان شک کے ساتھ وارد ہے وہ کچھ تکلیف نہیں دیتا۔

۸۱۲- آپ سے ہی روایت مروی ہے کہا ہم پچھلے پہر نمازوں میں سے ایک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب تحویل قبلہ ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر گئے ہم بھی آپ کے ساتھ دو رکعتوں میں پھر گئے اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا اس میں عبدالملک بن حسین ابو مالک نخعی ہے جو ضعیف ہے مجمع الزوائد میں بھی ایسے ہی ہے لیکن سابقہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

ان شاء اللہ روایات میں کوئی تعارض نہیں عمارہ بن رویبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث شک سے وارد ہے پس اسے بھی سابقہ دو روایتوں میں سے کسی ایک پر محمول کیا جائے گا۔

حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت، دوسری روایت پر اسے محمول کیا جائے گا کہ یہ پہلی نماز ہے جسے مکمل طور پر کعبہ کی طرف منہ کر کے پڑھا گیا ظہر کا معاملہ مختلف ہے کہ اس کی دو رکعتیں آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھیں اور دو رکعتیں کعبہ مشرفہ کی طرف منہ کر کے پڑھیں اسی طرح روایات مکمل ہو جاتی ہیں۔ ان میں کوئی تعارض بھی باقی نہیں رہتا اگر تقدیم کو پیش نظر رکھا جائے تو براء کی روایت راجح ہے لیکن جب تک غلط تاویل کے بغیر جمع کرنا ممکن ہو تو یہ بہتر ہوتا ہے۔ والحمدللہ۔

اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسجد نبوی شریف وہ پہلی مسجد ہے جس میں بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی گئی۔

اس کے باوجود علماء کی ایک تعداد نے کہا وہ مسجد جس میں تحویل قبلہ کا حکم ہوا وہ مسجد قبلتین ہے وہ مسجد نبوی نہیں۔

ابن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہا جاتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں ظہر کی دو رکعتیں پڑھائیں پھر آپ کو بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا آپ اسی طرف پھر گئے مسلمان بھی آپ کے ساتھ ہی پھر گئے۔

کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر بن براء بن معرور کی والدہ کے ہاں بنی سلمہ میں تشریف لے گئے اس نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا ظہر کا وقت ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر آپ کو حکم ہوا کہ آپ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں آپ کعبہ کی طرف پھر گئے آپ نے میزاب کی طرف منہ کیا پھر اس کا نام مسجد قبلتین پڑ گیا یہ نصف رجب کا سوموار کا دن اور ہجرت کو سترہ ماہ گزر چکے تھے۔

محمد بن عمر واقدی نے کہا یہ چیز ہمارے نزدیک مسلم ہے۔

امام بغوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا مجاہد اور دوسرے لوگوں نے کہا یہ آیت نازل ہوئی ''قَدْ نَرَی تَقَلُّبَ وَجْهِکَ فِی السَّمَاءِ'' اس حال میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی سلمہ میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو ظہر کی دو رکعتیں پڑھائی تھیں آپ نماز میں ہی پھر گئے اور میزاب کی طرف منہ کر لیا مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ اس مسجد کو مسجد قبلتین کا نام دیا گیا۔

ایک قول یہ کہا گیا ہے کہ تحویل قبلہ کا حکم نماز کے باہر دو نمازوں کے درمیان ہوا۔

زمخشری نے کشاف میں کہا ایک قول یہ کیا گیا کہ یہ حکم رجب میں زوال شمس کے بعد غزوہ بدر سے دو ماہ پہلے نازل ہوا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی سلمہ میں تھے آپ نے ظہر کی دو رکعتیں پڑھائی تھیں آپ نماز میں ہی پھر گئے آپ نے میزاب کی طرف منہ کر لیا مرد عورتوں کی جگہ آ گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ آ گئیں اس مسجد کو مسجد قبلتین کا نام دے دیا گیا۔

ابن کثیر نے اس قول کو کئی مفسرین اور دوسرے علماء کی طرف منسوب کیا۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا صحیح بات یہ ہے کہ پہلی نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی سلمہ میں ادا کی جب بشر بن براء بن معرور فوت ہوئے وہ ظہر کی نماز تھی اور پہلی نماز جو آپ نے مسجد نبوی میں پڑھی وہ عصر کی نماز تھی۔

جو کچھ ان ائمہ نے فرمایا وہ ان نصوص کے ظاہر کے خلاف ہے جن کا میں نے ذکر کیا کیونکہ وہ اس چیز کی وضاحت کرتی ہیں کہ قبلہ مسجد نبوی میں تبدیل ہوا جبکہ آپ یہاں موجود تھے نہ کہ مسجد قبلتین میں دو اور روایتیں اس پر دلالت کرتی ہیں وہ یہ ہیں کہ مسجد قبلتین میں تحویل قبلہ مسجد نبوی کے بعد ہوا۔

۸۱۳-تویلہ بنت اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے یہ ان صحابیات سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی کہا ہم بنی حارثہ میں اپنی جگہ نماز پڑھ رہے تھے عباد بن بشر بن قیظی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی مرد عورتوں کی جگہ ہو گئے اور عورتیں مردوں کی جگہ باقی دو سجدے کعبہ کی طرف منہ کر کے ادا کئے اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا اس کے راوی ثقہ ہیں حافظ نے اسے ابن مندہ کی طرف منسوب کیا ابن کثیر نے ابن عبدالبر کی طرف ابن اثیر نے اسے اسد الغابہ میں روایت کیا۔

۸۱۴-انہیں سے ایک روایت ہے کہ ہم نے بنی حارثہ میں ظہر یا عصر کی نماز ادا کی ہم نے بیت المقدس کی طرف منہ کیا ہم نے دو رکعتیں ادا کیں یہ واقعہ بنی حارثہ کی مسجد میں ہوا یہ مسجد قبلتین سے مختلف ہے۔

۸۱۵-عمارہ بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی کہا ہم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے'' ایک روایت میں بعد دوپہر کی ایک نماز

میں کوئی آنے والا آیا جبکہ ہمارا امام رکوع میں تھا ہم بھی رکوع میں تھے اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا آپ کو حکم دیا گیا کہ کعبہ شریف کی طرف منہ کریں خبردار اس کی طرف منہ کرو کہا ہمارا امام پھر گیا جبکہ وہ رکوع میں تھا قوم بھی اس کے پیچھے پھر گئی ہم نے اس نماز کا کچھ حصہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھا تھا اور کچھ بیت اللہ شریف کی طرف اسے ابن ابی شیبہ، ابن سعد طبرانی نے کبیر میں، ابونعیم، ابن خزیمہ نے معلق نقل کی۔ سب کی سند میں قیس بن ربیع ہے اسے شعبہ، ثوری اور دوسرے علماء نے ثقہ قرار دیا۔ حافظ نے تقریب میں ان کے متعلق کہا یہ صدوق ہے تاہم جب بوڑھا ہوا تو اس کے حافظہ میں تبدیلی آ گئی لیکن سابقہ روایات اس کی تائید کرتی ہے۔

یہ دونوں نصیں دلالت کرتی ہیں کہ مسجد قبلتین اور مدینہ طیبہ کی دوسری مساجد میں تحویل قبلہ مسجد نبوی کے بعد ہوا جس طرح یہ دونوں روایات دلالت کرتی ہیں جبکہ سابقہ روایات بھی اس پر دلالت کرتی ہیں کہ مسجد قبلتین ان مساجد میں سے ہے جس میں تحویل قبلہ ہوا اور وہ نماز کے دوران ہوا۔ یہ وہاں کے لوگوں کی فضیلت ہے لیکن یہ پہلی مسجد نہیں جس میں تحویل قبلہ ہوا ہو۔

مسجد قبلتین وہ اکیلی مسجد نہیں جس میں تحویل قبلہ ہوا جبکہ وہاں کے لوگ حالت نماز میں ہوں بلکہ وہاں کئی اور مسجدیں بھی ہیں جن میں نماز کے دوران نمازی کعبہ کی طرف پھرے جب ان کے پاس کوئی ایسا آدمی پہنچا جس نے انہیں تحویل قبلہ کے حکم کے بارے بتایا میں یہاں بعض نصوص کے ذکر پر اختصار کرتا ہوں۔

۸۱۶- حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ اس اثناء میں کہ ہم صبح کی نماز میں قباء میں تھے کہ کوئی آنے والا آیا اس نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آج رات قرآن نازل ہوا آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کعبہ کی طرف منہ کریں پس تم بھی قبلہ کی طرف منہ کر لو ان کے چہرے شام کی طرف تھے وہ اسی وقت کعبہ کی طرف پھر گئے۔

اس کا قول '' قَدْ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ '' جبکہ تحویل قبلہ کے بارے حکم دن کو نازل ہوا تو اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ لیلۃ کا اطلاق گزشتہ دن اور رات کے بعض حصہ پر بھی ہوتا ہے جو رات اس کے ساتھ ملی ہوئی ہے اس میں قرآن لفظ کو نکرہ لانا بعضیت کے ارادہ سے ہے۔ قرآن سے مراد '' قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ '' اور اس میں نازل ہونے والی آیات ہیں۔

۸۱۷- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے جب تحویل قبلہ کا حکم ہوا ایک آدمی اہل قباء کی طرف گیا انہیں صبح کی نماز پڑھتے ہوئے پایا کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں ان کا امام اسی وقت پھر گیا یہاں تک کہ ان کے ساتھ قبلہ رو ہو گیا۔ طبرانی نے اسے کبیر میں

اوردارقطنی نے روایت کیااس کے راوی ثقہ ہیں۔ابن خزیمہ نے اسے معلق ذکر کیا ہے

یہ دونصوص اس بات پر دال ہیں کہ مسجد قباء میں بھی تحویل قبلہ ہوااگر چہ یہ دوسرے دن فجر کی نماز میں ہوا۔

۸۱۸-حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ''قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ'' (البقرہ: ۱۴۴) بنی سلمہ کا ایک آدمی اہل قباء کے پاس سے گزرا جو صبح کی نماز میں حالت رکوع میں تھے جبکہ انہوں نے ایک رکعت پڑھ لی تھی تو اس نے ندادی خبردار قبلہ بدل چکا تو وہ جس حالت میں تھے اسی حالت میں قبلہ رو ہو گئے اسے امام مسلم نے روایت کیا۔

یہ حدیث عبداللہ بن عمر اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث کے موافق ہے لیکن یہ زائد چیز بیان کرتا ہے کہ جو آدمی آیا وہ بنی سلمہ کا تھا اس میں پیچیدگی ہے جس طرح یہ تینوں احادیث وضاحت کرتی ہیں کہ یہ نماز فجر کی تھی جبکہ براء اور دوسری روایات میں ہے کہ یہ نماز عصر کی تھی بعض میں ظہر کا ذکر ہے اس کی مثل حضرت انس کی آنے والی حدیث ہے جس میں یہ وضاحت ہے کہ وہ ظہر یا عصر کی نماز تھی۔

۸۱۹- آپ سے ہی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منادی آیا اس نے کہا قبلہ تبدیل ہو چکا جبکہ امام نماز میں تھا اس نے دو رکعات پڑھ لی تھیں منادی نے کہا قبلہ کعبہ معظمہ کی طرف بدل چکا انہوں نے باقی دو رکعات کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے پڑھیں اسے بزار، ابن ابی شیبہ، دارقطنی، ابن خزیمہ نے معلق ذکر کیا ہیثمی نے کہا اس کی سند حسن ہے۔

میں کہتا ہوں شاید وہ مسجد بنی حرام یا کسی اور جگہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں جس طرح یہ دونوں روایات سابقہ روایت سے متعارض نہیں کیونکہ یہ احادیث مختلف جگہوں کی ہیں پہلی حدیث وضاحت کر رہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود بیت اللہ شریف کی طرف پھرے یہ ظہر کے وقت میں ہوا دوسری روایت اہل قباء کے بارے میں بیان کرتی ہے یا جو مدینہ طیبہ سے باہر تھے جن کے پاس بنی سلمہ کا ایک آدمی آیا جس نے انہیں قبلہ کے بدلنے کے بارے میں بتایا جبکہ وہ حالت نماز میں تھے وہ اسی وقت کعبہ شریف کی طرف گھوم گئے تیسری روایت مدینہ میں ہی ایک مسجد کے بارے وضاحت کرتی ہے جنہیں دو رکعات پڑھنے کے بعد خبر پہنچی وہ کعبہ شریف کی طرف گھوم گئے تو آخری دو رکعات کعبہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر کی سابقہ حدیث کے بارے بحث کرتے ہوئے کہا یہ حضرت براء کی حدیث سے مختلف ہے کیونکہ اس میں یہ ہے کہ وہ عصر کی نماز میں تھے اس کا جواب یہ ہے کہ

دونوں خبروں میں کوئی منافات نہیں کیونکہ جولوگ مدینہ طیبہ میں تھے انہیں خبر عصر کے وقت پہنچی جیسے بنی حارثہ اسی طرح دوسرے لوگ جو مدینہ طیبہ میں رہائش پذیر تھے جیسے بنی سلمہ مسجد قبلتین میں اور دوسرے لوگ یہ حضرت براء کی حدیث میں ہے ان کے پاس آنے والا عباد بن بشر یا ابن نہیک تھا جس طرح گزر چکا ہے اور جو مدینہ طیبہ سے باہر تھے انہیں خبر صبح کے وقت پہنچی جو بنی عمرو بن عوف (اہل قباء) ہیں جن کا ذکر ابن عمر کی حدیث میں ہے ان کے پاس جو آدمی آیا اس کا نام مذکور نہیں اگر ابن طاہر یا کسی اور نے عباد بن بشر ذکر کیا ہے تو اس میں اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ وہ عصر کی نماز میں بنی حارثہ کے ہاں آیا۔

اگر انہوں نے جو نقل کیا ہے وہ محفوظ ہے تو یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ عباد بن بشر پہلے عصر کے وقت بنی حارثہ آیا ہو پھر اہل قباء کی طرف گیا ہو اور انہیں صبح کی نماز میں بتایا ہو۔

جو چیز ان کے متعدد ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ امام مسلم نے حضرت انس کی حدیث روایت کی کہ بنی سلمہ کا ایک آدمی گزرا جبکہ وہ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے یہ نماز کی تعیین میں ابن عمر کی روایت کے موافق ہے اور بنو سلمہ بنو حارث سے مختلف ہیں۔

ہاں ہاں، بنو سلمہ، مسجد قبلتین کے پاس رہتے تھے اور مسجد قبلتین بنو سلمہ کے ایک خاندان کی مسجد تھی مگر بنو حارثہ یہ حرۃ شرقیہ میں بنی اشہل کے شمال میں رہتے تھے پھر منطقہ شیخین میں مشرقی راستہ پر آباد ہوئے جو راستہ جبل احد کی طرف جاتا تھا اسی وجہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد میں تشریف لے گئے تو بنی حارثہ کے ہاں فروکش ہوئے اور وہاں رات گزاری۔ وہاں ہی عبداللہ بن ابی بن سلول منافقین کی معیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر سے جدا ہوا جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۃ خندق کے لئے نشان لگاتے تو بنی حارثہ کے اجمہ شیخین سے شروع کیا تو یہ روایت بنی سلمہ اور بنی حارثہ کے مکانات مختلف جگہوں پر ہونے پر دال ہے۔

جس طرح یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مساجد جن میں نماز کے دوران قبلہ بدلا گیا وہ کئی تھیں یہ صرف مسجد قبلتین کے ساتھ خاص نہیں تاہم یہ نزاع واقع ہوا کہ پہلی دفعہ تحویل قبلہ کس مسجد میں ہوا کیا وہ مسجد نبوی میں یا مسجد قبلتین میں ہوا سابقہ ثابت شدہ تمام احادیث مسجد نبوی کے پہلے ہونے پر دال ہیں تاہم ان لوگوں نے اس سے اختلاف کیا جن کا میں نے ذکر کیا۔ واللہ اعلم

تاہم بعض مساجد (جس طرح سابقہ اکثر نصوص میں وارد ہوا) میں قبلہ کی تبدیلی صلوۃ عصر بعض میں دوسرے روز صبح کی نماز میں ہوئی یہ امر کوئی عجیب یا بعید نہیں کیونکہ بعض مساجد مدینہ طیبہ کے داخلی علاقہ میں تھیں اور بعض اس سے باہر تھیں جو داخلی علاقہ میں رہتے تھے انہیں خبر اسی روز پہنچ گئی جو باہر رہائش پذیر تھے انہیں خبر دوسرے روز صبح کے وقت پہنچی جس طرح مسجد قباء وغیرہ۔

بلکہ مدینہ طیبہ میں اتنی قریب مسجدیں بھی تھیں جن تک حضرت بلال کی آذان کی آواز پہنچ جاتی تھی جو

وہ مسجد نبوی میں دیا کرتے تھے اور کچھ اس سے دور تھیں مسجد نبوی کے اردگرد قریب ہی نو مسجدیں تھیں جہاں لوگ حضرت بلال کی آذان سنتے اور نمازیں پڑھتے۔

۸۲۰-حضرت بکیر بن اشج رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے کہ مسجد نبوی کے ساتھ مدینہ طیبہ میں نو مسجدیں تھیں جن کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حضرت بلال کی آذان کو سنتے تھے اور اپنی مسجدوں میں نمازیں پڑھتے تھے سب سے قریبی مسجد بنی عمرو بن مبذول کی تھی نیز مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی زریق، مسجد بنی غفار، مسجد اسلم، مسجد جھینہ، نویں کے بارے میں شک ہے۔ اسے ابوداؤد نے مراسیل میں اور دارقطنی نے روایت کیا۔

محمد شمس الحق عظیم آبادی نے کہا یہ حدیث مرسل ہے اور ابن لھیعہ کے علاوہ سب راوی ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں یہ کوئی نقصان نہیں دیتا کیونکہ یہ عبداللہ بن وہب کی اس سے روایت ہے ان کی یہ روایت کتابیں جلنے سے پہلے ہوئی۔ دارقطنی نے ابوداؤد کی سند سے محمد بن مسلمہ مرادی وہ ابن وہب اور ابن لہیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ بکیر بن اشج نے بیان کیا واللہ تعالیٰ اعلم

اللہ تعالیٰ کی ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کی آل، آپ کے صحابہ پر کروڑ کروڑ رحمتیں اور سلام ہوں۔

یہ دوسری جلد جو فضائل مدینہ نبویہ منورہ پر مشتمل ہے" جو اللہ تعالیٰ سبحانہ وتعالیٰ کی توفیق اور فضل و کرم سے مکمل ہوئی۔ اس کے پیچھے ان شاء اللہ تیسری جلد ہوگی جس کا آغاز مسجد جمعہ سے ہوگا۔

میں اللہ تعالیٰ کے حضور التجاء کرتا ہوں کہ یہ اس کے ہاں مقبول ہو وہ نیت اور ذریت کو صالح کرے اس کا ثواب اپنی رضا بنائے اور اعلیٰ جنتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرافقت عطا فرمائے وہ اپنے فضل سے اس پر قادر ہے اور وہ میرے دشمنوں کو خوش نہ کرے گا وہ ہمیں گفتگو میں سچائی، عمل میں اخلاص عطا فرمائے، مجھے، میرے والدین، اجداد، مشائخ، اہلیہ اور جس کا میرے اوپر کوئی حق ہے کو بخش دے اور باقی ماندہ عمر میں مجھے آفات سے محفوظ رکھے اس میں برکت نازل کرے میری اولاد، اہل، اہلیہ، احباب میں مجھے محفوظ و مامون رکھے ہم سب کو اپنی رحمت کی جگہ جمع کرے وہ ہر چیز پر قادر ہے اللھم آمین۔

و صلی اللہ وسلم علی سیدنا و مولانا محمد و علی آلہ و صحبہ والحمد للہ رب العالمین

فضائل مدینہ

جلد سوم

تصنیف

الدکتور ابو ابراہیم مُلّا خاطر

زیر نگرانی

ادارہ ضیاء المصنفین

بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور ــــ کراچی ــــ پاکستان

فہرست جلد سوم

مسجد الجمعہ	529
مسجد جمعہ کو مسجد عاتکہ بھی کہا جاتا تھا	531
مسجد بنی عبد الاشہل	531
مسجد غمامہ کا بیان	533
عیدگاہ میں نماز استسقاء پڑھنے کا بیان	539
جمعہ کے دن منبر پر دعائے استقاء کا بیان	541
احجار زیت کے پاس بارش کی دعا کا بیان	541
مسجد میں نماز عید پڑھنے کا بیان	549
میتوں پر نماز ادا کرنے کا بیان	551
مسجد ابی ذر رضی تعالیٰ عنہ کا بیان	552
مسجد بنی ظفر کا بیان	554
مسجد بنی قریظہ کا بیان	555
مسجد الشمس کا بیان	556
مسجد السقیا کا بیان	556
مشربہ اُم ابراہیم کا بیان	557
مسجد بنی زریق کا بیان	559
زمانہ رسالت کی بعض مساجد کا بیان	560
باب چہارم	
مدینہ طیبہ کی زمین اور اس سے متصل پہاڑوں وادیوں مٹی پھل اور بقیع کا بیان	562
جبل احد کے فضائل کا بیان	563
حضور نبی کریم ﷺ کے نیچے جبل احد کے کانپنے کا بیان	580
جبل حراء کا بیان	581

جبل ثبیر کا بیان 583
جبل احد کے جنت میں ہونے کا بیان 594
شہدائے احد کا بیان 596
غزوہ احد کا مختصر ذکر 597
مسلمانوں سے مدد کے چھن جانے کے اسباب 602
شہداء کی تعداد کا بیان 604
اہل احد کی عظمت شان کا بیان 607
شہادت سے قبل جنت کی خوشبو پانے کا بیان 615
بعض اصحاب پر ملائکہ کے سایہ کرنے کا بیان 616
بعض کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بلا جواب خطاب فرمانے کا بیان 616
بعض شہداء کو ملائکہ کے غسل دینے کا بیان 617
حضور ﷺ کا شہداء کی شہادت دینے کا بیان 618
شہدا کی زیارت کا بیان 619
حضور ﷺ کا شہداء احد کو الوداع کہنے کا بیان 620
شہداء کے جسموں کا بغیر کسی تبدیلی کے تازہ رہنا 621
حضرت عمرو بن جموح کا ذکر 624
جبل سلع اور خندق کا بیان 625
خندق میں پہاڑ کے سخت حصے سے ایک پتھر کا ظاہر ہونا 631
حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چٹان کا واقع 631
حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بکری کا واقع 633
بنت رواحہ کی کھجوروں کا واقعہ 635
مختلف لشکروں کے مدینہ طیبہ میں پہنچنے کا بیان 636
فیصلہ کن دن کا بیان 645
اللہ تعالیٰ کی جانب سے کشادگی آنے کا بیان 648
قریش کے حالات معلوم کرنے کیلئے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجنے کا بیان 650

بنی قریظہ کی طرف لوٹنے کا بیان	655
حضرت سعد بن معاذ کی کرامت کا بیان	659
تلخیص الفوائد	662
ثنیۃ الوداع کا بیان	664
بنی حرام کی غار کا بیان	666
جبل الرایہ کا بیان	668
مدینہ طیبہ کی وادیوں کا بیان	670
وادی العقیق کا بیان	671
وادی بطحان کا بیان	674
مدینہ طیبہ کے کنوؤں کا بیان	677
بئر اریس کا بیان	677
حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنوئیں کا بیان	682
بضاعہ کے کنوئیں کا بیان	683
بئر حاو کا بیان	684
بئر رومہ کا بیان	685
بئر السقیا کا بیان	689
آپ ﷺ کے میٹھا پانی طلب کرنے کا بیان	689
بئر غرس کا بیان	690
بئر محمود بن ربیع کا بیان	691
ایک دوسرے کنوئیں کا بیان	692
نبی کریم ﷺ کی انگلیوں سے پانی پھوٹنا	692
مدینہ طیبہ کی مٹی اور غبار کا بیان	695
وادی بطحان کی مٹی سے شفا طلب کرنے کا بیان	699
مدینہ طیبہ کی مٹی میں عیب نکالنے والا تعزیر کا مستحق ہے	700
مدینہ طیبہ کے پھلوں کا بیان	700

مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں شفا ہونے کا بیان	702
مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں زہر اور جادو سے بچانے کے اثر کا بیان	703
بعض علماء سابقین کے اقوال	711
العجوہ من الجنۃ	715
آپ ﷺ کا بعض مریضوں کے لئے عجوہ کا انتخاب	716
کھجور کھانے کی ترغیب دینے کا بیان	718
گٹھلی پھینکنے کی کیفیت کا بیان	721
کھجور کے طبی فوائد کا بیان	722
مدینہ طیبہ کے اطراف کو خالی رکھنے کا بیان	727
فضائل بقیع کا بیان	729
مدینہ طیبہ میں فوت ہونے کا بیان اور نبی کریم ﷺ کی شفاعت کا بیان	730
بقیع میں سب سے اول دفن ہونے والے کا بیان	731
حضور نبی کریم ﷺ کے اہل بقیع کی بار بار زیارت کرنے کا بیان	733
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے زیارت بقیع کا حکم	736
اہل بقیع میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے	742
بقیع میں مدفون مشہور صحابہ کرام	746
عشرہ مبشرہ میں سے مدفون صحابہ کرام	747
مہاجرین مدفون صحابہ کرام	747
انصار میں سے مدفون صحابہ کرام	748
دوسرے قبرستانوں کا بیان	748
مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کا بیان	749
کم بارش والی زمین کا بیان	750
مدینہ طیبہ میں آخری زمانہ میں شدید بارش ہونے کا بیان	751
مدینہ طیبہ کی سرزمین کے وسیع ہونے کا بیان	752
اسلامی شہروں میں سب سے آخر ختم ہونے والا شہر مدینہ طیبہ	754

مدینہ طیبہ کی آپ ﷺ کی طرف نسبت کا بیان 761
مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کے روشن دور کا بیان 762
موضوع سے متصل چند احادیث کا بیان 768
ضعیف حدیث کی روایت اور اس پر عمل کرنے کا حکم 769
چند ضعیف احادیث کا بیان 775
مدینہ طیبہ کی مکہ مکرمہ پر فضیلت کا بیان 776
مدینہ طیبہ سے غائب ہونے والے کے دل کے سخت ہونے کا بیان 776
مدینہ کے پاک اور تمام شہروں کا سردار ہونے کا بیان 776
مسجد نبوی میں ایک نماز کے بدلے پچاس ہزار نماز کے ثواب کا بیان 776
مسجد نبوی میں دس ہزار کے ثواب کا بیان 777
مسجد نبوی کی توسیع کا بیان 777
قبر مبارک کو ملائکہ کے گھیرنے کا بیان 778
مسجد کی توسیع آپ ﷺ کا معجزہ ہے 778
مسجد قباء کے بانی عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں 779
مسجد قباء کی لکیریں لگانے کا بیان 779
مدینہ طیبہ کو چھوڑنے والے کے بارے نفاق کا خدشہ 780
بنی بیاضہ اور بنی سالم کے درمیان رحمت کا نزول 781
مدینہ طیبہ میں خیرات کے کثیر اور وسیع ہونے کا بیان 781
مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے والے کے کفارہ کا بیان 781
مدینہ طیبہ میں دو قبلے نہیں بنائے جا سکتے 782
مدینہ طیبہ کے کثیر افراد بغیر حساب جنت میں جائیں گے 782
مسجد نبوی کی زیارت یا اس کے بعد فوت ہونے والا شہید ہوگا 782
خصائص مدینہ منورہ کا اجمالی بیان 783
الملحق الثالث 793
مدینہ منورہ کے بارے مسلمانوں کی ذمہ داریوں کا بیان 793

ان لوگوں کا بیان جو مدینہ طیبہ میں یا اس کے جوار میں آباد ہیں	794
زیارت کیلئے یا دوسرے کاموں کیلئے آنے والوں کے واجبات کا بیان	800
الملحق الرابع	805
زیارت اور مجاورت کے آداب کا بیان	805
خاتمۃ الکتاب	817

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الحمد لله رب العالمين و العاقبة للمتقين والصلواة والسلام علی سید

الانبیاء والمرسلین و علی من تبعهم باحسان الی یوم الدین – امابعد:–

مسجد الجمعہ

جب حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما ہو کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو قباء میں کلثوم بن ہدم کے پاس رونق افروز ہوئے جو (بنی عمرو بن عوف کے بھائی تھے) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ سعد بن خیثمہ کے پاس جلوہ فرما ہوئے۔مگر پہلی روایت ہی زیادہ مضبوط ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عمرو بن عوف میں دس سے زائد راتیں قیام فرمایا۔اور اسی دوران مسجد قباء کی بنیاد رکھی۔

پھر جمعۃ المبارک کا دن تھا، حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بحکم الٰہی سامان سفر باندھا۔اور عین نماز جمعہ کے وقت بنی سالم بن عوف میں جلوہ فرما ہوئے۔اور وادی رانوناء میں واقع مسجد میں نماز جمعہ ادا فرمائی۔بعدازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل چلتے رہے۔یہاں تک کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر اپنے قدوم میمنت لزوم سے تشریف فرما ہوئے۔جیسا کہ اس کا ذکر اس سے قبل باب میں ہو چکا ہے۔

جو کچھ میں نے کہا ہے۔یہی عام اہل السیر کی رائے ہے اور اس میں ان کے مابین کوئی اختلاف نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جمعہ بنی سالم بن عوف کی اس مسجد میں ادا فرمائی جو وادی کے بطن میں واقع تھی (ا)۔اور یہی وہ پہلی نماز جمعہ ہے جو اسلام میں ادا کی گئی۔واللہ تعالیٰ اعلم

اس وقت بنی سالم بن عوف میں دو مسجدیں تھیں ایک یہ اور دوسری وہ جس میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نماز ادا فرماتے تھے۔اس کا ذکر صحیحین میں موجود ہے۔

۸۲۱–حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عتبان بن مالک (آپ ان عالی مرتبہ صحابہ کرام میں سے ہیں جنہیں انصار میں سے میدان بدر میں حاضر ہونے کی سعادت نصیب ہوئی) رضی اللہ عنہ حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میری بینائی کمزور ہوگئی حالانکہ میں اپنی قوم کو نماز پڑھاتا ہوں۔جب بارشیں زیادہ ہوتی ہیں تو میرے اور ان کے گھروں کے درمیان وادی پانی سے بھر جاتی ہے اور میں انہیں نماز پڑھانے کے لئے ان کی مسجد میں نہیں پہنچ سکتا۔یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری دلی آرزو ہے آپ میرے ہاں قدم رنجہ فرمائیں اور میرے گھر ایک نماز ادا فرمائیں تاکہ میں اسے اپنی جائے نماز بنالوں۔راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا: ان شاء اللہ میں

عنقریب آؤں گا۔

حضرت عتبان فرماتے ہیں کہ پھر ایک صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دن چڑھتے ہی تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں داخل ہونے کو کہا تو میں نے دیدہ و دل بچھا دیئے۔ پس جونہی آپ اندر داخل ہوئے تو بیٹھنے سے قبل ہی فرمایا: ''اَیْنَ تُحِبُّ اَنْ اُصَلِّیَ مِنْ بَیْتِکَ؟'' (تو اپنے گھر کون سی جگہ پسند کرتا ہے کہ میں نماز ادا کروں) تو میں نے گھر کے ایک کونے کی طرف اشارہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں کھڑے ہوئے، تکبیر فرمائی تو ہم بھی صف بنا کر کھڑے ہوگئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور سلام پھیر دیا۔

حضرت عتبان کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کے لئے خزیرہ تیار کیا اور کھانے کو پیش کیا۔ مزید کہا کہ خاندان کے افراد کافی تعداد میں گھر میں جمع ہوگئے۔ تو ان میں سے ایک نے کہا مالک بن دخیشن یا ابن دخشن کہاں ہے؟ تو کسی نے کہا۔ وہ تو منافق ہے اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس طرح نہ کہو۔ کیا تو نے اسے نہیں دیکھا کہ اس نے کہا ہے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتا ہے؟ تو اس نے جواباً عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ پھر کہا ہم تو اس کا تعلق اور محبت منافقین کے ساتھ دیکھتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ نے آگ پر اسے حرام قرار دیا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہوئے ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' کہا۔'' متفق علیہ۔ اسے بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

قولہ ''خزیرۃ'' یہ ایک خاص قسم کا کھانا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ یہ گوشت سے بنایا جاتا ہے اس طرح کہ اسے باریک کاٹ کر اس پر کثیر پانی ڈالا جاتا ہے جب پک جائے تو پھر اس میں آٹا ملا دیا جاتا ہے اور اگر اس میں گوشت نہ ہو تو یہ عصیدہ کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کے بارے میں اقوال ہیں۔

قولہ ''مالک بن الدُّخشُن'' اور کہنے والے کا یہ قول کہ یہ منافق ہے۔ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ مالک بن دخشن کے بارے غزوۂ بدر میں حاضر ہونے کے متعلق کوئی اختلاف نہیں۔ انہوں نے ہی سہیل بن عمرو کو قید کیا تھا

غزوہ تبوک سے واپس لوٹتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معن بن عدی کے ساتھ بھیجا اور ان دونوں نے مسجد ضرار کو جلایا۔ اسی لئے حافظ علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ابن دخشن کے نفاق سے بری ہونے کی دلیل ہے۔ یا پھر ان میں نفاق تھا مگر اسے ختم کر دیا گیا یا پھر ان کی طرف منسوب نفاق نفاق الکفر نہیں تھا کیونکہ صحابہ کرام منافقین کے ساتھ ان کے تعلق کو ناپسند کرتے تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرح یہ تعلقات رکھنے میں معذور ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ انہیں منافقین اسی لئے کہا گیا کہ ان کی صحبت اور تعلقات منافقین کے ساتھ تھے۔

ورنہ اہل بدر میں سے کوئی بھی نفاق میں مبتلا نہیں ہوا حاشا وکلا۔ مسجد ضرار کو جلانا ان کے منافقین میں سے نہ ہونے کی سب سے قوی دلیل ہے جب ہم یہ جانتے ہیں کہ اکثر منافقین بنی عوف سے تعلق رکھتے تھے تو پھر یہ جاننا چاہیئے کہ وہ ان سے تعلق قائم رکھنے میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی طرح معذور تھے۔ اگر ان میں فی الحقیقت نفاق پایا جاتا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مسجد ضرار جلانے کے لئے قطعاً نہ بھیجتے واللہ اعلم۔

مسجد جمعہ کو مسجد عاتکہ بھی کہا جاتا تھا

۸۲۲- حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلی نماز جمعہ مدینہ منورہ آتے ہوئے بنی سالم کی مسجد عاتکہ میں ادا فرمائی۔ یہ روایت ابن شیبہ نے نقل کی۔ اس کی سند میں ابن ابی یحیٰی ہے لیکن اس کی شاہد وہ روایت ہے جو ابن شیبہ نے ہی ابن ابی فدیک کی سند سے کئی ثقہ راویوں سے نقل کی ہے اور اس کی تائید وہ روایت بھی کرتی ہے جو میں نے اہل سیر سے نقل کی ہے۔ واللہ اعلم

اور وہ مسجد جس میں حضرت عتبان رضی اللہ عنہ امامت کراتے تھے آج وہ معروف نہیں۔ اس کے بارے میں جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ وہ چھوٹی سی مسجد تھی اور قباء سے مدینہ منورہ کی طرف اترتے ہوئے دائیں طرف باغات کے درمیان واقع تھی۔

مسجد بنی عبد الاشہل

اس مسجد میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد الاشہل کو نماز مغرب پڑھائی اور اس کے بعد مغرب کی سنتیں گھروں میں ادا کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس کا تذکرہ متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کیا ہے۔

بنی عبد الاشہل کے ایک فرد محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہماری مسجد میں تشریف لائے اور ہمیں مغرب کی نماز پڑھائی۔ سلام پھیرنے کے بعد ارشاد فرمایا ''اِرْكَعُوْا هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لِلسُّبْحَةِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ'' (مغرب کے بعد یہ دو رکعتیں نفل نماز اپنے گھروں میں ادا کیجئے) یہ روایت امام احمد، ابن شیبہ اور ابن خزیمہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

۸۲۴- حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبی عبد الاشہل میں مغرب کی نماز ادا فرمائی۔ لوگ نفل ادا کرنے کے لئے اٹھے تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: ''عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فِي الْبُيُوْتِ'' (تم یہ نماز گھروں میں ادا

کرو) اسے ابوداؤد، ترمذی، نسائی، طبرانی نے کبیر میں اور ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے۔ ان تمام کی اسناد میں اسحاق بن کعب بن عجرہ تابعی ہیں۔ ابن حبان نے ان کا ذکر اپنی ثقات میں کیا ہے۔ امام ذہبی نے میزان میں کہا ہے کہ یہ مستور ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں فرمایا۔ یہ مجہول الحال ہیں۔ ایام حرہ میں مقتول ہوئے۔ لیکن اس کی شاہد سابقہ حدیث ہے جس کے سبب یہ درجہ حسن میں شامل ہے۔ جیسا کہ حدیث سابق کی شاہد بخاری و مسلم کی متفق علیہ روایت ہے۔ جسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب کے بعد دو رکعت نماز اپنے کاشانۂ اقدس پر ادا فرمائی۔

۸۲۵- حضرت ثابت بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبدالاشہل کی مسجد میں نماز ادا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر کمبل لئے ہوئے تھے اور کنکروں کی ٹھنڈک سے بچنے کے لئے (حالت سجدہ میں) اپنے دست مبارک کمبل پر ہی رکھتے تھے۔

یہ روایت اسی طرح ابن ماجہ، ابن شیبہ اور ابن حزیمہ نے نقل کی ہے۔ ان تمام کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن اسماعیل بن ابی حبیبہ ہے۔ احمد اور عجلی نے اسے ثقہ کہا ہے اور دوسروں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ لیکن اس کی شاہد سابق حدیث بھی ہے اور ایک اور شاہد آگے آ رہی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی حدیث ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ وہ یہ ہے۔

۸۲۶- حضرت عبداللہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں بنی عبدالاشہل کی مسجد میں نماز پڑھائی۔ تو میں نے حالت سجدہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کپڑے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیکھا۔ اسے احمد، ابن ماجہ اور ابن شیبہ نے بیان کیا ہے۔

لیکن حافظ مزی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تحفۃ الاشراف میں یہی روایت نقل کی ہے لیکن سند اسی طرح ہے۔ ''عن عبدالله بن عبدالرحمن عن ابيه عن جده ثابت بن الصامت'' اسی طرح انہوں نے کہا کہ تہذیب میں بھی اسی طرح ہے۔

اسی طرح حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تجرید اسمآء الصحابہ میں بھی بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

تنبیہ: صحیح ابن خزیمہ اور ابن شیبہ میں یہ حدیث جو اس سند سے مروی ہے۔ ''عن عبدالرحمن بن ثابت بن صامت عن أبيه عن جده'' اس میں وہم ہے۔ اس میں صحیح سند یہ ہے۔ ''عبدالله بن عبدالرحمن بن ثابت بن صامت عن أبيه عن جدّه'' کیونکہ اس میں صحابی اپنے دادا ثابت بن صامت سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان کے پوتے عبداللہ بن عبدالرحمٰن ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ثابت بن صامت صحابی ہیں اور ثابت بن صامت عہد جاہلیت میں ہی فوت ہو

گئے۔ بہر حال دونوں حالتوں میں چاہے ثابت صحابی ہوں یا زمانہ جاہلیت میں فوت ہوئے ہوں ان کے پوتے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ لیکن دونوں کتابوں کے فاضل محققین اس پر مطلع نہ ہو سکے۔ اور نہ ہی شیخ ناصر البانی متنبہ ہوئے جنہوں نے صحیح ابن خزیمہ پر تعلیقات لکھیں۔ مگر معصوم عن الخطاء صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہیں اور بچانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ہم رب کریم کی بارگاہ میں ہی خطا سے محفوظ و مامون رہنے کی التجا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۸۲۷-ام عامر بنت یزید بن سکن سے روایت ہے آپ بیعت کرنے والی عورتوں میں سے تھیں یہ گوشت کا ایک ٹکڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنی عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت تناول فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، نماز ادا فرمائی لیکن وضو نہیں فرمایا۔ یہ روایت احمد، طبرانی، ابن شیبہ اور ابن سعد نے نقل کی ہے۔ حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں صرف طبرانی فی الکبیر کی طرف نسبت کرنے کے بعد کہا ہے۔ ابراہیم بن اسماعیل بن ابی خلیفہ (اس کا صحیح تلفظ حبیبہ ہے روایت کرتے ہیں عبدالرحمٰن بن عبدالرحمٰن بن ثابت بن صامت سے اور یہ ام عامر سے۔ میں نے ان دونوں کا ذکر نہیں پایا۔

میں کہتا ہوں کہ ان کا قول "وَلَمْ اَجِدْ مِنْ ذِکْرِ ھٰذَیْنِ" آپ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ سے ایسے قول کا ہونا بعید ہے۔ کیونکہ وہ نسخہ جس پر آپ طبرانی میں مطلع ہوئے ہیں کہ "ابن ابی خلیفۃ" والصواب "ابن ابی حبیبۃ" ان کا تعلق تہذیب کے رواۃ سے ہے۔ ان کی کیفیت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ احمدؒ اور عجلیؒ نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے اور دیگر کثیر محدثین نے انہیں ضعیف کہا ہے

رہے عبدالرحمٰن بن عبدالرحمٰن بن ثابت بن صامت۔ تو ان کے بارے اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ثابت بن صامت ہیں جبکہ بعض نے عبدالرحمٰن بن ثابت بن صامت کہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بہر حال صورت حال کوئی بھی ہو۔ اس حدیث طیبہ کے بہت زیادہ شواہد موجود ہیں ان میں سے بعض صحیحین میں ہیں اور بعض دوسری کتب حدیث میں۔ واللہ اعلم

مسجد المصلیٰ "الغمامہ" (مسجد غمامہ کا بیان)

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانہ میں مسجد المصلیٰ نماز استسقاء، نماز عیدین اور کبھی کبھی نماز جنازہ کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ جیسا کہ روایات سے ظاہر ہے واللہ اعلم۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم عموماً مسجد المصلیٰ میں نماز ادا نہیں فرماتے تھے بلکہ اس کی جانب متعدد مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں ادا فرمائیں۔ جس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان مساجد اور جگہوں کو تلاش کیا جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں ادا فرمائیں اور ان کی تعمیر نو کرائی۔ تو مسجد ابی بکر

صدیق اور مسجد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ یہ دونوں مسجدیں غمامہ (مسجد المصلیٰ) کے شمال میں واقع ہیں۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نماز عیدین، صلوٰۃ استسقاء اور کبھی کبھی نماز جنازہ بھی ادا فرماتے تھے۔ جیسا کہ اس کا بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آج کی مسجد غمامہ وہی مسجد مصلیٰ ہے۔ یہ وہ آخری جگہ ہے جس میں آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے بالاستقرار نماز ادا فرمائی...... لیکن بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد میں بھی بارش کے لئے دعا فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا خطبہ جمعہ کے دوران فرمائی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید بھی اپنی مسجد میں ادا فرمائی۔ اس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔ اب میں ایسی متعدد احادیث ذکر کروں گا جن میں نماز عید، نماز جنازہ اور نماز استسقاء مسجد المصلیٰ میں ادا کرنے کا تذکرہ ہے۔

۸۲۸- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ میں تشریف لاتے تھے۔ سب سے پہلے نماز عید ادا فرماتے۔ پھر لوگوں کی طرف رخ زیبا فرماتے اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے بالمقابل کھڑے ہوتے اور وہ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وعظ و نصیحت فرماتے اور کئی امور کا حکم ارشاد فرماتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جماعت کو کسی کام سے روکنا چاہتے تو روک دیتے یا کسی کام کا حکم ارشاد فرمانے کا ارادہ کرتے تو اس کا حکم ارشاد فرماتے اور پھر واپس تشریف لے جاتے۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ اسی طریقہ پر عمل پیرا رہے۔ یہاں تک کہ میں ایک دفعہ امیر مدینہ مروان کے ساتھ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کی طرف گیا۔ جب ہم عید گاہ میں کثیر بن الصلت کے بنائے ہوئے منبر کے پاس پہنچے تو مروان نے نماز عید سے قبل ہی منبر پر چڑھنے کا ارادہ کیا تو میں نے اس کا کپڑا کھینچ لیا مگر اس نے مجھ سے کپڑا کھینچا اور منبر پر چڑھ گیا اور نماز سے قبل خطبہ دیا۔ پھر میں نے اسے کہا، قسم بخدا تم نے طریقہ تبدیل کر دیا ہے۔ اس نے کہا اے ابا سعید! جو کچھ تم جانتے ہو وہ ختم ہو چکا ہے۔ میں نے جواباً کہا، قسم بخدا جو کچھ میں جانتا ہوں وہ اس سے بہتر ہے جو میں نہیں جانتا۔ پھر اس نے کہا۔ لوگ ہمارے لئے نماز کے بعد نہیں بیٹھتے تھے تو میں نے خطبہ نماز سے پہلے کر دیا ہے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔ مگر یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

۸۲۹- [حض]رت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ سے پوچھا گیا۔ کیا آپ کو نماز عید میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضری کا شرف حاصل ہوا؟۔ تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا جی ہاں۔ اور اگر چھوٹا ہونے کے سبب مجھے جگہ نہ ملتی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکتا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معین جگہ تشریف لاتے جو کثیر بن صلت رضی اللہ عنہ کے گھر کے قریب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی، پھر خطبہ ارشاد فرمایا۔ پھر عورتوں کے پاس

تشریف لائے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو وعظ ونصیحت فرمائی اور انہیں صدقہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ پھر میں نے عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنے ہاتھوں سے زیورات اتار کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے کپڑے پر پھینک رہی ہیں۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ واپس اپنے کاشانہ کی طرف تشریف لے گئے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔ مگر یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

راوی کا قول ''أتی العَلَمَ الّذی عند دار کُثیر بن الصَّلْتُ'' اس میں لفظ ''عَلَم'' سے مراد وہ مخصوص جگہ ہے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز عید کے لئے بلند رکھی تھی۔ تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا جا سکے۔ یعنی ''عَلَم'' سے مراد ہر وہ شیٔ جو بلند اور واضح ہو۔

عند دار کثیر بن الصلت کے الفاظ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے سامع کے ذہن کے قریب کرنے کے لئے اپنی طرف سے استعمال کئے ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت کثیر بن صلت کا گھر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے بعد بنایا گیا ہے۔ لیکن اس جگہ میں جب وہ گھر مشہور ہو گیا۔ تو عید گاہ کو اسی کی مجاورت سے متصف کر دیا گیا۔

حضرت کثیر رضی اللہ عنہ صلت بن معاویہ کندی کے بیٹے ہیں۔ آپ تابعی کبیر ہیں ان کی ولادت حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں ہوئی۔ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اور بنی جمح کے حلیف بنے، ابن سعد کے قول کے مطابق آپ کا گھر عیدین کی جائے نماز سے قبلہ سمت تھا۔ اور یہ مدینہ طیبہ کے درمیان میں وادی بطحان کے کنارے واقع تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸۳۰- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم عید الفطر کے دن (عید گاہ) تشریف لائے اور خطبہ سے پہلے نماز عید ادا فرمائی۔ متفق علیہ۔ بخاری اور مسلم دونوں میں آپ کی کئی روایات ہیں۔

۸۳۱- حضرت ابو عمیر بن انس رضی اللہ عنہ اپنے چچوں سے روایت کرتے ہیں جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے تھے۔ کہ چند گھوڑ سوار حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور گزشتہ شام چاند دیکھنے کی شہادت دی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم ارشاد فرمایا کہ روزہ افطار کر دیں اور صبح کے وقت نماز عید کے لئے اپنی عید گاہ میں حاضر ہوں۔

یہ روایت احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے بیان کی ہے اور خطابی، ابن منذر، ابن سکن، ابن حزم، ابن حبان، بیہقی اور امام نووی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام دار قطنی نے اسے حسن کہا ہے۔

۸۳۲- امام احمد اور ابن حبان رحمہما اللہ تعالیٰ نے جو روایت نقل کی ہے وہ اس طرح ہے کہ سعید بن عامر حضرت شعبہ سے وہ حضرت قتادہ سے اور وہ حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ ان

کے چچوں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس رؤیۃ ہلال کے بارے شہادت دی۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم ارشاد فرمایا کہ روزہ افطار کر دیں اور صبح نماز عید کے لئے گھروں سے نکلیں۔

ابو حاتم رازی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ سعید بن عامر نے اس کی سند میں خطا کی ہے۔کیونکہ صحیح سند یہ ہے کہ شعبہ عن ابی بشر،عن ابی عمیر بن انس عن عمومتہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

امام دار قطنی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ اصحاب شعبہ کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ ابو بشر سے وہ قتادہ سے اور وہ ابو عمیر سے روایت کرتے ہیں۔سعید بن عامر نے ان سے مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ شعبہ قتادہ سے اور وہ حضرت انس سے روایت کرتے ہیں۔اسے ابن حبان نے نقل کیا ہے۔(میں کہتا ہوں اور امام احمد نے بھی کہا ہے) کہ دار قطنی نے کہا کہ پہلی روایت صحیح ہے۔حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے واللہ اعلم۔

یہ حدیث فی الاصل صحیح ہے۔سوال صرف یہ ہے کہ آیا چاند گھوڑ سواروں نے دیکھا اور راوی ابو عمیر بن انس کے چچے ہیں یا چاند انس کے چچوں نے دیکھا اور راوی حضرت انس ہیں؟ واللہ اعلم۔

جب آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم عید گاہ تشریف لے جاتے تو اپنے ساتھ نیزہ بھی لے جاتے تھے اور اسے اپنے سامنے بطور سترہ گاڑ دیتے تھے۔کیونکہ اس وقت عید گاہ میں کوئی محراب اور دیوار نہیں تھی۔

۸۳۳-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم عید گاہ کی طرف جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نیزہ لایا جاتا تھا۔جو عید گاہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گاڑ دیا جاتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے۔''متفق علیہ'' یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

۸۳۴-حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عیدین کی نماز میں نیزہ لایا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کی طرف متوجہ ہو کر نماز ادا فرماتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ تکبیرات کہتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھی ایسا ہی کرتے تھے۔یہ روایت بزار نے نقل کی ہے۔اس کی سند میں ایک راوی حسن بجلی ہیں ان کے بارے بزار کا خیال ہے کہ یہ حسن بن عمارہ ہیں اور یہ لین الحدیث ہیں۔ہیثمی نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے کہا یہ حسن بن حماد بجلی ہیں انہیں نہ کسی نے ضعیف کیا ہے نہ کسی نے ان کی توثیق کی ہے مزی نے ان کا ذکر واضح طور پر کیا ہے۔اس روایت کے بقیہ تمام رواۃ ثقہ ہیں۔میں کہتا ہوں کہ مسند الشاشی میں ہے کہ یہ حسن بن عمارہ ہیں جیسا کہ بزار نے کہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

لیکن یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے شاہد ہے۔ رہا تکبیر کا مسئلہ تو اس کے لئے کثیر روایات اور شواہد موجود ہیں۔

راوی کا قول ''ثَلَاثَ عَشَرَةَ تَكْبِيْرَةً'' واللہ اعلم۔ شاید راوی نے اس سے مراد تکبیر تحریمہ، رکعت اولیٰ کی سات زائد تکبیریں اور رکعت ثانیہ کی پانچ زائد تکبیریں لی ہیں۔ تا کہ اس بات سے متعلقہ تمام روایات کے درمیان تطبیق ہو سکے واللہ تعالیٰ اعلم۔ جب تک عیدگاہ میں منبر نہیں تھا تو آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اپنی سواری پر لوگوں کو عید کا خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کر سکیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سنا سکیں۔ اس لئے بھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت اس کی متحمل تھی۔

۸۳۵- حضرت ابو کاہل احمسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ (اونٹنی) پر خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں اور حبشی ناقہ کی نکیل تھامے ہوئے ہیں۔ یہ روایت امام نسائی، ابن ماجہ اور احمد نے اسناد صحیح کے ساتھ نقل کی ہے۔

۸۳۶- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے دن اپنی سواری پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ ابو یعلی نے اسے صحیح کے رواۃ سے نقل کیا۔ اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیحین میں روایت کیا ہے۔

آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم (عید کے دن) عورتوں، دوشیزاؤں حتیٰ کہ ان میں سے حائضہ عورتوں کو بھی نکالنے کا حکم ارشاد فرماتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حیض والی عورتوں کو عیدگاہ سے علیحدہ رہنے کا حکم ارشاد فرماتے تھے۔ اس لئے وہ عیدگاہ سے باہر بیٹھتیں تھیں۔ تا کہ اس دن کی برکت انہیں بھی حاصل ہو جائے۔

۸۳۷- حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ہمیں حکم ارشاد فرمایا کہ ہم عیدین میں کنواری اور پردہ دار عورتوں کو حاضر کریں اور حائضہ عورتوں کو حکم ارشاد فرمایا کہ وہ مسلمانوں کی عیدگاہ سے علیحدہ رہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ حیض والی عورتیں عیدگاہ سے باہر رہتیں اور وہ عمل خیر اور مومنین کی دعاؤں میں حاضر ہوتیں۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حیض والی عورتیں نکلتیں، وہ لوگوں کے پیچھے کھڑی ہوتیں، اور لوگوں کے ساتھ تکبیر کہتیں، متفق علیہ۔ اس کے لئے کئی دوسری روایات بھی ہیں۔ کبھی حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ جاتے ہوئے معین راستہ اختیار فرماتے اور جب واپس تشریف لاتے تو دوسرا راستہ اختیار فرماتے۔ اس کی متعدد وجوہات تھیں۔

۸۳۸- حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم عید کے دن

راستہ تبدیل فرماتے تھے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۸۳۹-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن جب ایک راستہ سے تشریف لے جاتے تھے تو واپس دوسرے راستہ سے آتے۔ اسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا اور ترمذی نے اسے حسن کہا۔ ابن خزیمہ اور حاکم نے روایت کیا اور صحیحین کی شرائط کے مطابق اسے صحیح کہا۔ اور امام ذہبی اور ابن حبان نے بھی اس پر اعتما کیا۔

۸۴۰-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن جاتے ہوئے ایک راستہ اختیار فرماتے اور پھر واپس دوسرے راستہ سے تشریف لاتے۔ یہ روایت ابوداؤد، ابن ماجہ، حاکم اور احمد رحمہم اللہ نے نقل کی ہے (۲)۔ ان تمام کی اسناد میں مسلم کے رواۃ میں سے ایک راوی عبداللہ ابن عمر العمری ہیں جو ضعیف ہیں مگر اس روایت کی شاہد مذکورہ بالا روایات ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اس کے ہم معنی کئی دیگر نصوص ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی عید الفطر کے دن عیدگاہ تشریف نہیں لے جاتے تھے مگر اس سے قبل کچھ کھجوریں تناول فرماتے تھے۔

۸۴۱-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن (عیدگاہ) تشریف نہیں لے جاتے تھے مگر اس سے قبل طاق تعداد میں کھجوریں تناول فرماتے تھے۔ اسے بخاری اور ترمذی نے نقل کیا ہے۔ اس کی روایت میں (الی المصلی) کے الفاظ کا اضافہ ترمذی نے کیا ہے۔

نماز عید کے لئے نکلنے سے قبل کھجور تناول فرمانے میں کثیر حکمتیں پنہاں ہیں۔ مہلب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ نماز عید سے قبل کھانے میں ایک حکمت یہ ہے کہ کسی کو بھی نماز عید کے روزہ کے لازم ہونے کا گمان نہ ہو۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اس وہم کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔

اور کسی نے یہ حکمت بیان کی ہے کہ جب روزے کے وجوب کے بعد افطار کا وجوب واقع ہوا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی پیروی میں افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے اور آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا قلیل مقدار پر اکتفاء کرنا اسی کا احساس دلاتا ہے۔ اگر اس طرح نہ ہوتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیر ہو کر تناول فرماتے۔ اسی طرح ابن ابی جمرہ نے اشارہ کیا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چونکہ شیطان رمضان المبارک میں محبوس ہوتا ہے اور نماز عید کے بعد اسے آزاد کیا جاتا ہے لہٰذا اس کے وسوسہ سے محفوظ رہنے کے لئے افطار میں تعجیل کرنا مستحب ہے۔ علاوہ ازیں بھی کئی حکمتیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عیدگاہ میں نمازِ استسقاء پڑھنے کا بیان

اس بارے میں کثیر نصوص موجود ہیں۔ میں ان میں سے بعض کا ذکر یہاں کروں گا۔

۸۴۲- حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لے گئے، بارش کے لئے دعا فرمائی، پھر رخ زیبا قبلہ سمت کیا اور اپنی چادر مبارک کو الٹ دیا، پھر دو رکعت نماز (استسقاء) ادا فرمائی۔ متفق علیہ۔

۸۴۳- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے کاشانہ اقدس سے) عام لباس پہنے ہوئے انتہائی تواضع اور عاجزی کرتے ہوئے نکلے۔ ایک روایت میں ہے "متخشعا" (خاکساری دکھاتے ہوئے) یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ پہنچے، منبر پر تشریف فرما ہوئے، لیکن تمہارا یہ خطبہ ارشاد نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل کافی دیر تک دعا، عاجزی اور رب کریم کی کبریائی بیان کرنے میں مصروف رہے۔ پھر دو رکعت نماز پڑھائی جیسے عید کی نماز پڑھاتے تھے۔ یہ روایت امام احمد اور اصحاب سنن نے نقل کی ہے۔

.ترمذی، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہم نے اسے صحیح کہا ہے۔

۸۴۴- حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بارش نہ ہونے کی شکایت کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدگاہ میں منبر بچھانے کا حکم ارشاد فرمایا اور لوگوں کو دن کے وقت ادھر نکلنے کی تلقین فرمائی۔ آپ فرماتی ہیں کہ سورج کی شعائیں ظاہر ہونے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لے گئے، منبر پر تشریف فرما ہوئے اور رب کریم کی حمد وثناء اور عظمت و کبریائی بیان کی۔ پھر فرمایا۔ تم نے اپنے گھروں کے خشک ہونے اور اپنے وقت سے بارشوں کے مؤخر ہونے کی شکایت کی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہیں حکم ارشاد فرمایا ہے کہ تم اس سے دعا مانگو اور اس نے تمہارے ساتھ قبولیت کا وعدہ کیا ہے۔ پھر فرمایا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ O الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ O مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ O لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْغَنِيُّ، وَنَحْنُ الْفُقَرَآءُ، اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ، وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ"

"تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ بہت زیادہ رحم فرمانے والا بڑا مہربان ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی الہٰ نہیں۔ وہ جو ارادہ فرماتا ہے وہی کرتا ہے۔ اے اللہ تو ہی معبود ہے۔ کوئی اور معبود نہیں۔ تو غنی ہے اور ہم محتاج ہیں۔ ہم پر بارش نازل فرما۔ اور اپنی نازل کردہ بارش کو ہمارے لئے قوت کا سرچشمہ اور مقررہ وقت تک پہنچنے والا بنا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک اٹھائے اور اتنے بلند فرمائے کہ بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوگئی۔ پھر لوگوں کی طرف اپنی پیٹھ پھیری اور قلب رداً کیا۔

درآنحالانکہ آپ دست مبارک اٹھائے ہوئے تھے۔ پھر لوگوں کی طرف رخ انور پھیرا۔ پھر منبر سے نیچے تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر رب کریم نے بادل بھیجا، وہ گرجا اور چمکا، پھر اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس نے بارش برسائی۔ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد بھی نہیں پہنچے تھے کہ وادیاں پانی سے بھر کر بہنے لگیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو تیزی سے اپنے گھروں کی طرف جاتے دیکھا، تو آپ مسکرائے حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھیں ظاہر ہوگئیں۔ پھر زبان سے ارشاد فرمایا: ''اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ، وَاَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ'' (میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہر شئ پر قادر ہے۔ اور میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اسے ابوداؤد نے نقل کیا اور فرمایا اس کی سند جید ہے ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ اور کئی اور نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

۸۴۹- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن نماز استسقاء کے لئے تشریف لے گئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بغیر اذان اور اقامت کے دو رکعت پڑھائیں۔ پھر خطبہ ارشاد فرمایا، اور قبلہ سمت متوجہ ہو کر ہاتھ اٹھا کر اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور دعا مانگی۔ پھر اپنی چادر مبارک کی اطراف کو بدلا اور دائیں طرف کو بائیں طرف اور بائیں کو دائیں کر دیا۔ یہ روایت امام احمد، ابن ماجہ، ابن خزیمہ اور کئی دوسروں نے نقل کی ہے۔ ان تمام کی اسناد میں ایک راوی ''النعمان بن راشد الجزری'' ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تقریب میں ان کے بارے میں کہا ہے۔ کہ یہ صدوق اور سئ الحفظ ہیں۔ امام مسلم نے بطور حجت اس کی روایات نقل کی ہیں اور امام بخاری نے ان سے تعلیقاً روایات اخذ کی ہیں۔ اور کئی دوسروں نے اسے ضعیف قرار دیا ہے مگر اس حدیث کی شاہد حضرت عبداللہ بن زید، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور کئی دوسروں کی روایت کردہ احادیث ہیں۔ اس لئے یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مذکورہ بالا احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو عیدگاہ میں نے نماز استسقاء پڑھائی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسجد میں نماز استسقاء ممنوع ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز جمعہ کے خطبہ کے دوران بارش کے لئے دعا فرمائی اور مسجد کے باہر بھی بارش کے لئے التجا کی۔ جیسا کہ یہ بھی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدگاہ کے قریب احجار زیت کے پاس نماز استسقاء ادا فرمائی۔ اس کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر نماز استسقاء عیدگاہ میں ادا فرمائی۔ اب آگے جمعہ کے دن اور احجار زیت

کے پاس استسقاء کے بارے دو حدیثیں ذکر کروں گا۔

جمعہ کے دن منبر پر دعائے استسقاء کا بیان

۸۵۰- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانہ میں لوگوں کو خشک سالی نے آلیا، تو اسی اثناء میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال ہلاک ہو گیا، اہل و عیال بھوک میں مبتلا ہو گئے، ہمارے لئے رب کریم کے حضور بارش کی دعا کیجئے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک بلند فرمائے، اس وقت آسمان پر کہیں بادل نہیں تھے، اچانک پہاڑوں کی مثل بادل اٹھے اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اترے بھی نہیں تھے کہ میں نے آپ کی ریش مبارک سے بارش کے قطرے ٹپکتے دیکھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ وہ بارش مسلسل دوسرے جمعہ تک جاری رہی۔ اور پھر اس دن وہی اعرابی یا کوئی اور شخص اٹھا، اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مکان گر گئے اور مال غرق ہو گیا۔ رب کریم کی بارگاہ میں ہمارے لئے دعا فرمائیے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست اقدس اٹھایا اور رب کریم کی بارگاہ میں التجا کی۔ "اَللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا" (اے اللہ بارش کو ہمارے اردگرد علاقے پر برسا اور ہم پر نہ برسا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست اقدس سے آسمان کی طرف اشارہ فرماتے جاتے تھے، آسمان صاف ہوتا گیا، یہاں تک کہ مدینہ طیبہ (اطراف و اکناف کے درمیان) خالی زمین کی مثل ہو گیا۔ حتیٰ کہ وادی قناۃ ایک ماہ تک بہتی رہی۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ جو آدمی باہر سے آتا، بارش برسنے کی خبر دیتا۔ متفق علیہ۔ اس کی کثیر روایات ہیں۔ مذکورہ حدیث طیبہ سے معلوم ہوا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ جمعہ کے دوران بارش کے لئے دعا فرمائی اور اسی پر اکتفا کیا، عیدگاہ کی طرف تشریف نہیں لے گئے۔ اس لئے فقہا کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

احجار زیت کے پاس بارش کی دعا کا بیان

۸۵۱- حضرت عمیر مولیٰ ابی اللحم رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو احجار زیت کے پاس بارش کے لئے دعا کرتے دیکھا۔ یہ جگہ مقام زوراء کے قریب ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ سمت متوجہ ہو کر اپنے سر کے بالمقابل ہاتھوں کو بلند فرما کر بارش کے لئے دعا فرمائی۔

یہ روایت امام احمد، ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے نقل کی ہے اور اسے شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح

قرار دیا ہے۔ اور امام ذہبی نے بھی حاکم سے موافقت کی ہے اور تمام نے حضرت عمر سے ہی اس روایت کو نقل کیا ہے۔

امام ترمذی اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ دونوں نے اپنی سند اس طرح بیان کی ہے۔ "عن عمیر مولی ابی اللحم عن ابی اللحم" دونوں نے ابواللحم کو صحابی شمار کیا ہے اور عمیر کو نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں صحابی ہیں۔ حضرت امام ترمذی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سنن میں اس وہم کا اظہار کیا ہے۔

یہی روایت حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مسند میں ترمذی کی اس سند سے نقل کی ہے" عن قتیبه ...... عن عمیر به" قتیبہ کی اس سند میں ایک اور وہم واقع ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ سند اس طرح ہے۔" قتیبه عن یزید بن عبدالله بن الهاد عن عُمیر " جبکہ ان کے علاوہ دوسروں نے یہی سند اس طرح بیان کی ہے۔" عن یزید عن محمد بن ابراهیم التیمی عن عُمیر " امام احمد ابوداؤد اور ابن حبان کے نزدیک یہ سند اسی طرح ہے۔

اسے امام ابوداؤد نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن صحابی کا نام ذکر نہیں کیا۔ ان کے الفاظ اس طرح ہیں " عن محمّد بن ابراهیم التیمی قال: أَخْبَرَنِي مَنْ رَائی رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم يَدْعُوْ عِنْدَ أَحْجَارِ الزَّيْتِ ......"

محمد بن ابراہیم تیمی فرماتے ہیں کہ مجھے اس نے خبر دی ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو احجار زیت کے پاس دعا کرتے دیکھا ہے)۔

مدینہ طیبہ میں احجار زیت دو مقام ہیں۔ ایک وہ ہے جو اس حدیث میں مذکور ہے اور یہ زوراء کے قریب ہے اور زوراء بازار کے نزدیک ہے یا بازار میں ہے۔ یہ وہی مقام ہے جسے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ کی اضافی اذان کے لئے منتخب کیا۔ یہ نظریہ امام بخاری اور کئی دوسروں کا ہے ابن ماجہ اور ابن خزیمہ کے الفاظ یہ ہیں" عَلٰی دَارٍ فِي السُّوْقِ يُقَالُ لَهَا الزَّوْرَا"

حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ زوراء بازار کے ساتھ ایک جگہ ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یہی قول معتمد ہے۔

حضرت امام مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام مقام زوراء پر تھے اور مقام زوراء مدینہ طیبہ میں بازار کے نزدیک ہے۔

احجار زیت

ان سے مراد وہ پتھر ہیں جو زوراء کے نزدیک ہیں۔ ان کی وجہ تسمیہ کے بارے ایک قول یہ ہے کہ اس مقام سے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تیل نکلا تھا۔ اس لئے اس مقام کے پتھر احجار زیت کہلائے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ احجار زیت مقام زوراء پر پائے جانے والے پتھر ہیں۔ جن پر تیل کا کاروبار کرنے والے اپنے مشکیزے رکھا کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسری جگہ بنی عبدالاشہل کے گھروں کے درمیان حرہ کے پاس ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں مشہور واقعہ حرہ پیش آیا۔

مذکورہ دونوں مقامات میں سے کون سا خون میں لت پت ہوا؟ جیسا کہ حدیث طیبہ میں ہے۔ ''اے اباذر تیری کیا کیفیت ہوگی جب تو احجار زیت کو خون میں غرق دیکھے گا؟۔ اسے امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ اس کا مکمل ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

اگر اس سے مراد دوسرا مقام ہے تو پھر وہ واقعہ حرہ کے دوران خون آلود ہوا۔ اور اگر اس سے مراد پہلا مقام ہے تو پھر محمد نفس ذکیہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے قتل کے وقت ایسا ہوا۔ کیونکہ احجار زیت کے پاس ہی آپ کو قتل کیا گیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پہلا مقام مسجد غمامہ کے شمال میں تقریباً باب شامی کے پاس واقع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اب میں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ذکر کروں گا کیونکہ اس سے قبل دوسرے باب میں اس کا ذکر نہیں ہوا ہے۔ حدیث طیبہ یہ ہے۔

۸۵۲- حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا ''اے ابوذر'' میں نے عرض کی لبیک یارسول اللہ وسعدیک..... پھر حدیث ذکر کی۔ اس میں فرمایا ''كَيْفَ اَنْتَ اِذَا أَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ، يَكُوْنُ الْبَيْتُ فِيْهِ بِالوصِيْفِ؟'' (تیری کیا کیفیت ہوگی جب لوگوں کو موت آلے گی، اس وقت قبر غلام کے عوض ''خریدی'' جائیگی) میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بہتر جانتے ہیں۔ یا یہ کہا۔ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے رسوا نہ کریں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عَلَيْكَ بِالصَّبْرِ اَوْقَالَ تَصْبِرُ'' (تم پر صبر لازم ہے، یا فرمایا تم صبر کرنا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اباذر، میں نے عرض کی لبیک وسعدیک۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کیف انت اذا رایت احجار الزیت قد غرقت بالدم؟'' (تیرا کیا حال ہوگا جب تو احجار زیت کو خون میں غرق دیکھے گا؟) میں نے عرض کی۔ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''علیک بمن انت منه'' (اسی کے ساتھ رہنا، جس کے ساتھ تو ہو) پھر میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کیا میں اپنی تلوار نہ اٹھاؤں اور اسے اپنے کندھے پر نہ رکھوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تب تو قوم کے ساتھ شریک ہو جائے گا۔'' تو میں نے عرض کی'' آپ مجھے کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اپنے گھر ہی رہنا'' میں نے عرض

کی ''اگر کوئی میرے گھر داخل ہو جائے تو؟۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' اگر تجھے تلوار کی شعاؤں کے غالب آنے کا خطرہ ہو۔ تو اپنے چہرے پر کپڑا ڈال لینا۔ وہ تیرے اور اس کے گناہ کو لوٹا دے گا'' اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ یہ الفاظ انہی کے ہیں۔ اور ابن ماجہ اور احمد نے بیان کیا نیز ابن حبان اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔

مذکورہ حدیث طیبہ میں'' بیت'' سے مراد قبر ہے۔

اور'' الوصیف'' کے بارے ابن اثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ الوصیف سے مراد غلام اور الوصیفۃ سے مراد باندی ہے۔ حدیث طیبہ کا معنی یہ ہے کہ فتنے زیادہ ہوں گے۔ جن کے باعث مقتولوں کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی، کہ جگہ تنگ ہونے کے سبب، انہیں دفن کرنے کے لئے قبر کی جگہ غلاموں کے عوض خرید لی جائے گی۔ اس کا مقصود یا تو بہت ہی زیادہ فتنوں کے واقع ہونے کا اظہار کرنا ہے یا پھر مفہوم یہ ہے کہ فتنوں کے وقوع کے سبب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اتنے مصروف ہوں گے کہ میت کے لئے قبر کھودنے اور اسے دفن کرنے کے لئے کوئی نہیں ملے گا، مگر صرف اس شرط پر کہ اسے بطور اجرت ایک غلام دیا جائے۔ اور'' یبھرک'' کا معنی یہ ہے کہ ایک واضح روشنی تیری آنکھوں پر غالب آ جائے اور ان کی بصارت پر چھا جائے۔

مصنف فرماتے ہیں کہ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مذکورہ دونوں حادثے نہیں دیکھے۔ اس لئے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ۳۲ھ میں ہوا۔ جبکہ واقعہ حرہ ماہ ذی الحجہ ۶۲ھ میں پیش آیا۔ اور حضرت محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم المعروف بالنفس الزکیہ رمضان المبارک ۱۴۵ھ میں مقتول ہوئے۔ جبکہ آپ نے ابوجعفر منصور کے خلاف آواز بلند کی۔

روایت میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس غرق کا تعلق آخری وقت میں وقوع پذیر ہونے والے فتنہ مستقبلہ کے ساتھ ہو۔

مصنف کہتے ہیں۔ پہلا مقام عیدگاہ سے دور نہیں، بلکہ یہ اس کے شمال میں واقع ہے۔ اور یہ ان مقامات میں سے ایک ہے، جہاں آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقل عیدگاہ قائم ہونے سے قبل نماز ادا فرمائی یا دعا فرمائی۔

اسی معنی پر وہ روایات بھی دلالت کرتی ہیں جو بقیع میں نماز عید پڑھنے کے بارے موجود ہیں۔

۸۵۳- حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدالاضحیٰ کے دن بقیع تشریف لائے۔ دو رکعت نماز عید پڑھائی اور پھر اپنا رخ زیبا ہماری طرف پھیرا اور ارشاد فرمایا۔'' کہ اس قربانی کے دن میں ہمارا اول کام یہ ہے کہ ہم نماز عید ادا کریں اور پھر واپس جا کر اپنا جانور ذبح کریں۔ پس جس نے ایسا کیا۔ اس نے ہماری سنت پر عمل کیا۔ اور جس نے نماز

سے قبل جانور ذبح کر دیا۔ اس نے یہ عمل اپنے گھر والوں کے لئے جلدی کیا۔ لہٰذا وہ قربانی نہیں ہے۔ یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہوا۔ عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنا جانور ذبح کر دیا ہے اور میرے پاس ایک جذعہ (ایسا جانور جس کی عمر ایک سال مکمل ہو اور دوسرے میں قدم ہو) ہے جو مسنہ (ایسا جانور جس کی عمر دو سال مکمل ہو اور تیسرا شروع ہو) سے بہتر ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اسے ذبح کر اور تیرے بعد یہ کسی کی طرف سے ادا نہیں ہوگا۔'' متفق علیہ، اس کی متعدد روایات ہیں۔ یہ لفظ بخاری کے ہیں۔

مصنف فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ ''**خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاضحی الی البقیع**'' دو امروں میں سے ایک کا احتمال رکھتے ہیں۔

ان میں پہلا احتمال یہ ہے کہ ذہن فوراً بقیع غرقد کی طرف منتقل ہوتا ہے اور یہ ایک مشہور قبرستان ہے اس کا استدلال زانی کو رجم کرنے والی حدیث سے کیا جاتا ہے اور وہ حدیث طیبہ یہ ہے۔

۸۵۴۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ بنی اسلم کا ایک آدمی حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور اس نے زنا کا اعتراف کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب سے رخ زیبا پھیر لیا۔ یہاں تک کہ اس نے چار مرتبہ اپنے خلاف شہادت دی۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا'' کیا تو مجنون ہے'' اس نے کہا'' نہیں'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کیا تو محصن ہے'' اس نے جواب دیا'' جی ہاں'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے رجم کا حکم ارشاد فرمایا تو اسے عیدگاہ کے قریب رجم کر دیا گیا۔ جب اسے پتھر پڑے تو وہ بھاگ نکلا، مگر اسے پکڑ کر رجم کیا گیا، یہاں تک کہ وہ مر گیا، پھر آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کلمہ خیر سے نوازا اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ متفق علیہ۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: باب الرجم بالمصلی: ای عندہٗ۔ (یعنی بالمصلی سے مراد یہ ہے کہ اسے عیدگاہ کے قریب رجم کیا گیا نہ کہ عیدگاہ میں رجم کیا گیا)۔

اور مصلیٰ سے مراد وہ جگہ ہے جہاں عید اور جنازہ کی نماز ادا کی جاتی تھی یہ جگہ بقیع الغرقد کی ایک طرف میں واقع ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کا جواب کئی اعتبار سے دیا جا سکتا ہے۔

نمبر ا: مدینہ طیبہ کے متقدمین مورخین نے بقیع میں مصلیٰ کے وجود کا ذکر ہی نہیں کیا۔ حتیٰ کہ مطری اور اس کے متبعین نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ امام سمہودی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا، کہا ہے۔

نمبر ۲: رجم تو مسجد کے جوار میں دروازے کے قریب منطقۃ البلاط میں کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث سے ثابت ہے۔

۸۵۵-حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی اور یہودیہ کو لایا گیا۔ ان دونوں نے اپنا واقعہ بیان کیا......الحدیث۔ اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لئے رجم کا حکم ارشاد فرمایا لہٰذا انہیں رجم کر دیا گیا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ انہیں بلاط میں رجم کیا گیا۔ میں نے یہودی کو دیکھا کہ وہ یہودیہ پر جھک جاتا تھا۔ متفق علیہ واللفظ للبخاری۔

آپ کے قول "اجنأ علیھا" کا مطلب یہ ہے کہ وہ پتھروں سے بچانے کے لئے یہودیہ پر جھک جاتا تھا۔

۸۵۶-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کے دروازے کے پاس یہودی اور یہودیہ کو رجم کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ الحدیث۔ یہ حدیث امام احمد، طبرانی اور حاکم نے ثقہ راویوں سے روایت کی ہے۔ حاکم نے اسے مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا اور امام ذہبی نے بھی یہی کہا۔

البلاط

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کے مطابق یہ مسجد نبوی کے دروازہ کے نزدیک ایک معروف جگہ ہے۔ جہاں پتھر کے چوکوں کے ساتھ فرش لگا ہوا ہے۔ اور یہ مسجد کے جوار میں واقع ہے۔ بعد ازاں انہوں نے ابوعبید البکری سے یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ کہ بلاط سے مراد مدینہ طیبہ میں وہ جگہ ہے جو مسجد اور بازار کے درمیان واقع ہے۔ میں کہتا ہوں کہ بکری کا قول حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے پہلے قول کے برعکس ہے اور جو کچھ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث طیبہ میں مذکور ہے اس کے بھی برعکس ہے۔ کیونکہ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلے قول میں جس جگہ کا تذکرہ کیا ہے وہ باب جبرئیل علیہ السلام کے پاس مسجد کی مشرقی سمت واقع ہے اور آج کل باب البقیع تک پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن مسجد اور بقیع کے درمیان کوئی بازار نہیں۔ حالانکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے زمانہ میں موجود تھا۔

اور وہ جس کا ذکر البکری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہے وہ غربی سمت میں باب السلام سے مصلیٰ تک اور باب الرحمتہ سے مدینہ طیبہ کے پہلے بازار تک کے درمیان، احجار زیت اور حضرت مالک بن سنان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائے شہادت کے قریب واقع ہے۔ اور اب وہی شمال کی سمت مباحہ میں سڑک کے اختتام پر ایک چوک ہے۔ یہ وہ مختلف اقسام کے بلاط ہیں جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بنائے گئے۔ آپ نے مروان بن حکم کو ان پر کام کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ تو مروان نے حرم پاک کی غربی سمت اور شمالی جہت میں ان پر کام کیا اور یہ ایک طویل واقعہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شرقی سمت کا بلاط دوسروں کے ساتھ ملتبس ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اور تیسری چیز جو بقیع میں مصلیٰ کے عدم وجود پر دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد کی مشرقی سمت میں جگہ موجود ہے جو کہ البلاط ہے یا پھر مسجد کے جوار میں جگہ موجود ہے اور اس میں بھی نماز جنازہ ادا کی جاتی تھی اور رجم مسجد کے قریب ہی کیا گیا ہے لہٰذا یہی اس پر دلالت کرتا ہے کہ مصلیٰ سے مراد یہی جگہ ہے۔

۸۵۷- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں موجود ہے۔ بخاری کے الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ یہودی حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس ایک ایسے مرد اور عورت کو لے کر آئے جنہوں نے زنا کیا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لئے رجم کا حکم دیا۔ چنانچہ انہیں مسجد کے پاس نماز جنازہ ادا کرنے کی جگہ کے قریب رجم کیا گیا۔

یہ بآسانی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے کہ پہلی روایت میں الفاظ یہ تھے "فر جما عند البلاط" اور اس دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں۔ "قریباً من موضع الجنائز عندالمسجد" لیکن دونوں سے مراد ایک ہی جگہ ہے۔ واللہ اعلم

بقیع غرقد تو مسجد سے دور ہے۔ اور مسجد نبوی شریف کی مشرقی سمت میں بھی نماز جنازہ ادا کرنے کی جگہ موجود ہے۔ اور اسی جگہ اکثر میتوں پر نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی۔ اس لئے بعض صحابہ کرام نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات اس وقت تسلیم نہیں کی، جب آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی میت مسجد میں لانے کو کہا تا کہ آپ اس پر نماز جنازہ پڑھ سکیں۔ حتیٰ کہ پھر آپ رضی اللہ عنہا نے انہیں وہ واقعہ یاد دلایا جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز جنازہ ادا فرمائی تھی۔

حدیث طیبہ اس طرح ہے۔

۸۵۸- حضرت عباد بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم روایت کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حکم ارشاد فرمایا، کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی میت مسجد میں لائی جائے، تا کہ آپ ان کی نماز جنازہ پڑھ سکیں تو بعض لوگوں نے اس کا انکار کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا "مَا أَسْرَعَ مَانَسِيَ النَّاسُ! مَا صَلى رسول الله صلى الله عليه وسلم على سهيل ابن البيضأ الا في المسجد" رواہ مسلم

(لوگ کتنا جلدی بھول چکے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل بن بیضاء کی نماز جنازہ مسجد میں ہی ادا فرمائی)۔

اس کے بارے طویل روایات ہیں۔ ان میں ایک "باب الجنائز الذی کان الی المقاعد ......" میں واقع ہے۔

(۴) اور یہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ لفظ ''المصلی'' حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے نماز کے لئے علم بن چکا ہے جب بھی یہ مطلق بولا جائے۔ اور اگر اس سے کوئی اور مراد ہو، تو پھر یہ مقید ہوتا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ روایات میں مصلی الجنائز کا لفظ مذکور ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث پر کلام کرتے ہوئے کہا۔ یہ حدیث ۸۲۸ نمبر پر گزر چکی ہے۔ کہ اس میں ''المصلی'' سے مراد مدینہ طیبہ میں ایک معروف جگہ ہے۔ مسجد کے دروازے اور اس کے درمیان ایک ہزار ذراع کا فاصلہ ہے۔ عمر بن شبہ نے ''اخبار المدینہ'' میں ابو غسان الکنانی صاحب مالک سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ ''رجم بالمصلی'' سے مراد ''عند مصلی الجنائز'' ہے۔ (یعنی جنازہ گاہ کے قریب رجم کیا گیا) اور یہ بلاط کے پاس مسجد نبوی کے مشرق میں واقع ہے۔ اس سے مراد عیدگاہ نہیں اور حدود بھی وہیں قائم کی جاتی تھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرا قول: دوسرا قول یہ ہے کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مصلی سے مراد بقیع المصلی ہے اور اسے سوق البقیع اور بقیع الخیل بھی کہا جاتا ہے اور یہ جگہ عیدگاہ کے شمال میں سوق مدینہ میں واقع ہے۔ اس سے مراد بقیع الغرقد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ اس پر کئی امور دلالت کرتے ہیں۔

(۱) مؤرخین مدینہ میں سے کسی نے بھی یہ ذکر نہیں کیا کہ بقیع الغرقد بازار تھا۔ حالانکہ مدینہ طیبہ کے آثار و خطوط اور اس کے دور جاہلیت اور دور اسلام کے بازاروں کے ذکر کا حد درجہ اہتمام کیا گیا ہے۔ جیسا کہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

(۲) اور دوسرا یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ حدیث طیبہ میں بقیع المصلی اور سوق البقیع کے اسماء موجود ہیں۔

۸۵۹- حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں بقیع المصلی کی طرف گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک گندم کے ڈھیر میں داخل کیا، جب دست اقدس باہر نکالا، تو دیکھا، اس میں ملاوٹ کی گئی ہے۔ تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''لیس منا من غشنا'' (جس نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا وہ ہم میں سے نہیں) یہ حدیث امام احمد، طبرانی نے کبیر اور اوسط میں اور بزار نے بالا اختصار ذکر کی ہے۔ ان تمام کی اسناد میں ایک راوی جمیع بن عمیر ہے اس کے بارے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''تقریب'' میں کہا ہے ''صدوق یخطئ و یتشیع'' (سچ بولنے والا ہے، غلطی بھی کر جاتا ہے اور شیعہ ہونے کا دعویدار بھی ہے)۔ ابو حاتم نے اسے ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ امام بخاری اور کئی دوسروں نے اسے ضعیف کہا ہے۔ مجمع الزوائد میں اسی طرح ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذی نے اس کی تین احادیث کو حسن کہا ہے۔ اگر چہ ان میں سے ایک کے بارے بعض نسخوں میں یہ بھی ہے۔ ''حسن صحیح''۔ اس تمام صورتحال کے باوجود اس حدیث کے لئے کثیر صحیح شواہد موجود ہیں۔

اس بحث کے بعد معلوم ہوا کہ جس مصلی کا ذکر حدیث براء میں ہوا ہے اس سے مراد بقیع المصلی ہے۔ اور امر دوسری مرتبہ بھی مصلی کی طرف ہی لوٹتا ہے۔ اور اس بناء پر کہ حدیث براء میں مصلی سے مراد بقیع الغرقد ہے۔ تو پھر یہ ان مقامات میں سے ایک ہے۔ جہاں آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی سال نماز ادا فرمائی۔ قطعاً یہ مراد نہیں کہ جب لفظ مصلی مطلق استعمال ہو تو مقصود بقیع الغرقد ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اسی لئے تو امام مطری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ وہ مساجد جن کا ذکر ابن زبالہ نے نماز عید کے لئے کیا ہے ان میں سے اس مسجد کے سوا کوئی بھی معروف نہیں، جس میں آج نماز عید ادا کی جاتی ہے اور وہی مشہور ہے اور یہ مسجد بقیع کے شمال میں اس باغ کے درمیان واقع ہے جو عریضی کے نام سے معروف ہے اور عین الازرق کے قبہ سے متصل ہے۔ اور یہ باغ اسی چشمہ سے سیراب کیا جاتا ہے۔ آج یہ مسجد ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے نام سے معروف ہے۔ شاید آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نماز عید اس مسجد میں ادا فرمائی۔ اور باغ کے ساتھ متصل شمال کی جانب ایک بہت بڑی مسجد ہے جو مسجد علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام سے معروف ہے۔ لیکن اس کے بارے میں یہ مذکور نہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہیں اپنے زمانہ خلافت میں اس میں نماز عید ادا کی ہو۔

پس یہی وہ مساجد ہیں جو ان مقامات میں سے آج موجود ہیں جہاں آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے کئی سال نماز عید ادا فرمائی۔ قطعاً ایسا نہیں کہ حضرات ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے ان مساجد کو اپنی ذاتوں کے ساتھ مختص کیا ہو، اور اس مسجد کو چھوڑ دیا ہو جہاں آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرماتے رہے۔

میں کہتا ہوں کہ یہی وہ دو مساجد ہیں جو آج تک موجود ہیں۔ ان میں سے مسجد ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد الغمامہ کے شمال مغرب میں واقع ہے اور ان دونوں کے درمیان سو میٹر سے کم فاصلہ ہے۔ اور مسجد علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمالی حصہ مسجد ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مرتب ہے اور یہ مسجد نبوی شریف کی مغربی سمت ہے۔ اسے از سر نو تعمیر کیا گیا ہے اور وسیع کر دیا گیا ہے۔

مسجد میں نماز عید پڑھنے کا بیان

متعدد علماء نے یہ کہا ہے کہ نماز عید کے لئے شہر سے باہر صحرا کی طرف نکلنا مستحب ہے۔ اور ایسا کرنا مسجد میں عید کی نماز ادا کرنے کی نسبت افضل ہے۔ اس لئے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مسجد کی فضیلت کے باوجود اس عمل پر مواظبت اختیار فرمائی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم

کے صحرا کی طرف خروج کا سبب جگہ کی تنگی اور وسعت تھی یا اس سے مراد صحرا کی طرف مطلق خروج ہے۔ جبکہ اس سے مقصود حصول اجتماع ہے؟ بس یہی چیز محل نزاع ہے۔ تو اس بارے حکم یہ ہے کہ جب مسجد اپنے افضل ہونے کے ساتھ ساتھ اجتماع کی وسعت رکھتی ہو، تو اس میں نماز عید ادا کرنا اولی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں عیدین کی نماز کے لئے مصلی کی طرف تشریف لے جایا کرتے تھے یہی معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں کا رہا اور عام شہروں کے باسی بھی ایسا ہی کرتے رہے، مگر اہل مکہ کے بارے ایسی کوئی خبر نہیں کہ اسلاف میں سے کسی نے انہیں مسجد سے باہر نماز عید پڑھائی ہو۔

حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے۔ چونکہ مسجد حرام تمام مقامات دنیا سے افضل ہے۔ اس لئے انہوں نے یہی پسند کیا کہ جہاں تک ممکن ہو وہ لوگوں کو مسجد میں ہی نماز پڑھائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بھی کہا کہ میں یہ بھی کہتا ہوں کہ مذکورہ وجہ کے ساتھ ساتھ ایک سبب یہ بھی ہے کہ مکہ مکرمہ کے اطراف میں لوگوں کے لئے اتنی وسیع جگہ موجود نہیں تھی۔ اس لئے انہوں نے کبھی بھی نماز عید اور نماز استسقاء مسجد حرام کے باہر ادا نہیں کی۔

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شہر آباد کیا جائے اور اس کی مسجد عیدین وغیرہ کے لئے اس کے مکینوں کی وسعت رکھتی ہو تو میرے نزدیک نماز عید کے لئے شہر سے خروج ضروری نہیں۔ اور اگر اہل شہر نے باہر نکل کر نماز ادا کی، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اگر شہر کی مسجد اس کے باسیوں کے لئے وسعت نہ رکھتی ہو اور پھر امام نے مسجد میں نماز عید پڑھائی۔ تو میرے نزدیک یہ عمل مکروہ ہے مگر واجب الاعادہ نہیں۔ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید کہا کہ اگر عید کے دن بارش ہو یا کوئی اور عذر لاحق ہو جائے تو میں امام کو حکم دیتا ہوں کہ وہ مساجد میں نماز پڑھائے اور صحراء کی طرف خروج نہ کرے۔ بعد ازاں آپ نے متعدد ایسی روایات ذکر کی ہیں، جن میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بارے بارش کے دن لوگوں کو نماز عید پڑھانے کا تذکرہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسجد حرام میں نماز عید ادا کرنے کی علت دو امر قرار دیئے ہیں۔ نمبر ا: مسجد حرام کا افضل ہونا۔ نمبر ۲: مکہ مکرمہ کا تنگ ہونا اور اس دوسرے حکم یا دوسری علت پر ہی آپ نے حکم کو مرتب کیا ہے کہ جب مسجد اہل شہر کے لئے وسعت رکھتی ہو تو وہ شہر سے باہر نہ نکلیں۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں فضیلتیں جمع ہیں۔ ایک مسجد ہونا اور دوسرا جگہ کا وسیع ہونا۔ اور جب مسجد شہر کے مکینوں کے لئے تنگ ہو، تو وہ شہر سے باہر نکل کر نماز ادا کریں اور اگر مسجد میں نماز پڑھی، تو بھی ان پر نماز کا اعادہ واجب نہیں۔

اور اب مسجد نبوی شریف مذکورہ دونوں فضیلتوں کی جامع ہے۔ یعنی یہ افضل بھی ہے اور اپنے شہر کے باسیوں کے لئے وسیع بھی ہے۔ جبکہ آبادی کے باہر وسیع مقامات انتہائی دور ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رہے عذر یعنی بارش، سردی یا انہی کی مثل کوئی اور، تو یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں بھی پیش آتے رہے۔ اگرچہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے کوئی نص بیان نہیں کی۔ اور صرف ان کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۸۶۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوگئی تو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں نماز عید پڑھائی۔ یہ روایت ابوداؤد، ابن ماجہ اور حاکم نے بیان کی ہے۔ اور حاکم نے اسے صحیحین کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ اور ابوداؤد اور منذری نے سکوت اختیار کیا ہے۔ لیکن اس کی سند میں عیسیٰ بن عبدالاعلیٰ ابن ابی فروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

میتوں پر نماز ادا کرنے کے مقام کا بیان

مسجد نبوی شریف کے مشرق میں آج کے باب البقیع اور باب جبریل علیہ السلام کے درمیان وہ جگہ ہے جہاں میتوں پر نماز پڑھی جاتی تھی اور اسی کے جوار میں حدود نافذ کی جاتی تھیں اور یہ اس جائے نماز کی نسبت سے ہے جس کا ذکر پہلے متعدد بار ہو چکا ہے اور وہ جگہ جہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم عیدین اور استسقاء کی نمازیں پڑھاتے تھے وہ آج بھی محدود جگہ پائی جاتی ہے اور وہ مالکیہ کی عیدگاہ کے طور پر معروف ہے۔ اس اعتبار سے کہ مالکیہ کے نزدیک مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنا جائز نہیں۔ اسی لئے لوگ اس جگہ کی نسبت ان (مالکیہ) کی طرف کرتے ہیں۔

حالانکہ مصلیٰ میں نماز جنازہ ادا کرنے کی متعدد نصوص موجود ہیں۔ میں ان میں سے یادداشت کے لئے چند ذکر کروں گا۔ بلکہ آجکل تو اکثر میتوں کی نماز جنازہ مسجد کے اندر ادا کی جاتی ہے۔

ابھی تھوڑا پہلے ۸۵۸ نمبر کے تحت حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ مسجد میں لانے کو فرمایا، تاکہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن ان کی نماز جنازہ ادا کرسکیں اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سہیل بن بیضاء اور ان کے بھائی کی نماز جنازہ مسجد میں ادا فرمائی۔ (بیضاء حضرت سہل کی ماں کا نام ہے)۔

جس طرح حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حاضر میت پر نماز جنازہ مصلیٰ میں ادا فرمائی۔ اسی طرح غائب میت پر بھی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ اس سے مراد شاہ حبشہ نجاشی کی نماز ہے جس دن وہ فوت ہوا تھا۔

۸۶۱-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جس دن نجاشی فوت ہوا تو آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی موت کی اطلاع دی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مصلیٰ میں تشریف لے گئے۔ وہاں صفیں باندھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیروں کے ساتھ نجاشی کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ متفق علیہ۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی متفق علیہ حدیث دو بدکاری کا ارتکاب کرنے والے یہودیوں کے رجم کے بارے گزر چکی ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے رجم کا حکم ارشاد فرمایا اور پھر انہیں مسجد کے نزدیک جنازہ پڑھنے کی جگہ کے قریب رجم کر دیا گیا اور یہ ایک واضح امر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مسجد سجدہ) کا بیان

آج کے دور تک معروف مساجد میں سے ایک مسجد حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی ہے یہ مسجد نبوی شریف کے شمال میں واقع ہے جبکہ مسجد نبوی شریف کے مشرق میں شارع ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ یہی سڑک چلتے ہوئے ایئرپورٹ کے راستہ سے اس مسجد تک پہنچ جاتی ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ اس جگہ فی الحقیقت کھجوروں کا باغ تھا۔ اور اسے اسواف کہا جاتا تھا۔

مسجد بننے کی اصل یہ ہے کہ اس جگہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے سجدہ شکر ادا فرمایا تھا۔ اس وقت جبکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بشارت دی تھی کہ امت میں سے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک مرتبہ درود پاک پڑھا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحمت فرمائے گا اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار سلام بھیجا۔ رب کریم بھی اس پر سلام فرمائے گا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

۸۶۲-حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلا گیا۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نخلستان میں داخل ہوئے اور اتنا طویل سجدہ کیا، کہ مجھے یہ خوف لاحق ہونے لگا۔ کہ شاید رب کریم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات دے دی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس کو قبض کر لیا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے لئے آیا کہ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا۔ اور فرمایا۔ اے عبدالرحمٰن تجھے کیا ہوا؟۔ تو جواباً میں نے ساری کیفیت بیان کی۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ان جبريل عليه السلام قال لی : الا ابشرک ؟ ان الله عزو جل يقول لک : من صلی عليک صليت عليه ، ومن سلم عليک سلمت عليه'' رواہ احمد برجال ثقات

(حضرت جبریل امین علیہ السلام نے مجھے کہا کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت نہ دوں؟

بے شک رب کریم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرما رہے ہیں: کہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھے گا میں اس پر اپنی رحمت فرماؤں گا، اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کرے گا میں بھی اس پر سلام فرماؤں گا)

یہ روایت امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ثقہ رواۃ سے نقل کی ہے۔

۸۶۳- حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پانچ یا چار آدمی ایسے تھے جو سایہ کی مثل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہا کرتے تھے۔ جبکہ وہ اپنی حاجات وضروریات پوری کرنے کے لئے باری مقرر کیا کرتے تھے۔ وہ (حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو باہر نکلتے ہوئے پایا۔ پس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسواف کے باغات میں سے ایک میں داخل ہوئے۔ اور سجدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سجدہ اتنا طویل کیا، کہ میں غمزدہ ہو کر رونے لگا اور میں نے اپنے آپ سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں۔ شاید اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو قبض کر لیا ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے درپے ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک سجدہ سے اٹھایا۔ اور مجھے بلا کر ارشاد فرمایا۔ تجھے کیا ہوا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اتنا طویل سجدہ فرمایا ہے کہ میں غمزدہ ہو گیا اور رونے لگا۔ اور اپنے دل میں کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو، شاید اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح مبارک کو قبض کر لیا ہے۔ تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا" **هذه سجدة سجدتها شكراً لربي فيما آتاني في امتي ، من صلى على صلاة كتب الله له عشر حسنات**"

(میں نے یہ سجدہ اپنے رب کی اس نعمت پر شکر ادا کرنے کے لئے کیا ہے جو اس نے مجھے میری امت کے بارے عطا فرمائی۔ کہ جو مجھ پر ایک بار درود پاک پڑھے گا رب کریم اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دے گا)

۸۶۴- اور آپ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک دوسری روایت اس طرح ہے کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرما رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ طویل کر دیا۔ اور پھر فرمایا" میرے پاس جبریل امین علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھا میں اس پر رحمتیں نازل کروں گا اور جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجا میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا۔ تو میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر

ادا کرنے کے لئے یہ سجدہ کیا ہے۔

اسے احمد اور حاکم نے روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا۔ امام ذہبی نے اور قاضی اسماعیل نے فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں، ابو یعلی، بزار اور بیہقی نے سنن اور شعب میں، ابن ابی شیبہ، ابن ابی عاصم، عبد بن حمید، ابن شاہین، ابن ابی الدنیا اور الضیاء نے مختارہ میں ان کی تائید کی۔ امام سخاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حسن قرار دیا اور حاکم نے کہا "**هذا حديث صحيح ولا اعلم في سجدة الشكر اصح من هذا الحديث**" جیسا کہ امام سخاوی نے بیہقی سے نقل کرتے ہوئے خلافیات میں ذکر کیا۔ یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار سے صحیح ہے واللہ اعلم۔

اسواف: یہ ایک جگہ ہے جو مسجد کے مکان کے انتہائی قریب ہے۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے اس سے مراد مذکورہ مسجد کی جگہ ہو بلکہ یہی ظاہر ہے جیسا کہ سمہودی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔

بعض روایات میں اس طرح ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور صدقہ کی طرف متوجہ ہوئے ......" اس مسجد کے قریب ایک جگہ ہے۔ جسے قدیم وجدید لوگ صدقہ کے نام سے پہچانتے ہیں۔ جیسا کہ سمہودی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔

مسجد البغلہ (بنی ظفر) کا بیان

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس کی مساجد میں سے ایک مسجد بنی ظفر ہے۔ اسے مسجد البغلہ کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ یہ بقیع کے مشرق میں حرہ شرقیہ کے کنارے واقع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے گئے اور نماز ادا فرمائی۔ اور پھر ایک چٹان پر تشریف فرما ہوئے اور گریہ فرمایا۔

۸۶۵۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام میں سے محمد بن فضالہ ظفری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی ظفر کی مسجد میں تشریف لائے اور مسجد میں موجود ایک چٹان پر تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل اور کئی دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت کا حکم ارشاد فرمایا۔ انہوں نے قرأت کی۔ جب اس آیت پر پہنچے۔ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍۭ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰٓؤُلَآءِ شَهِيدًا (النساء: ۴۱) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گریہ فرمایا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک تر ہو گئی۔ اور کہا "**أي رب شهدت على من أنا بين ظهرانيه فكيف بمن لم أر؟**" رواه الطبراني برجال ثقات

(اے میرے رب میں اس کے بارے تو شہادت دوں گا جو کسی نے میرے سامنے کیا۔ مگر اس کی شہادت کیسے دوں گا جسے میں نے دیکھا ہی نہیں؟) طبرانی نے اسے ثقہ رواۃ سے نقل کیا ہے۔

مؤرخین نے اس مسجد کے بارے کئی اور قصص بھی ذکر کئے ہیں۔ لیکن مجھے ان کی صحیح سند معلوم نہیں ہوسکی۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کی حقیقت بہتر جانتے ہیں۔

مسجد بنی قریظہ کا بیان

یہ مسجد حرہ شرقیہ کے قریب مسجد الشمس (الفضیخ) کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے محاصرہ کے دوران نمازیں ادا فرمائیں۔

۸۶۶- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ اہل قریظہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم تسلیم کیا۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گدھے پر تشریف لائے جب مسجد کے قریب پہنچے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو کہا ''قوموا الی سید کم أو خیر کم'' (اپنے سردار یا اپنے سے بہتر کے لئے کھڑے ہو جاؤ) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' (اے سعد) یہ تیرے فیصلے پر راضی ہوئے ہیں'' تو حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی۔ کہ آپ ان کے جنگجوؤں کو قتل کر دیں اور ان کی اولادوں کو قیدی بنالیں۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا'' قضیت بحکم اللہ ، وربما قال : قضیت بحکم الملک'' متفق علیہ۔ (کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ یا فرمایا آپ نے شہنشاہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے)۔

اس حدیث طیبہ میں'' دنا من المسجد'' سے مراد وہی مسجد ہے جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے محاصرہ کے دوران مسجد بنایا ہوا تھا۔ اسی لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ مسجد ہے جسے آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے دیار بنی قریظہ میں محاصرہ کے دوران نماز کے لئے مقرر فرما رکھا تھا۔ اس سے مراد مدینہ طیبہ کی مسجد نبوی شریف نہیں ہے۔ ایک دوسرے مقام پر یہ زائد بھی کہا ہے کہ جس کسی نے اسے مسجد نبوی شریف گمان کرتے ہوئے راوی کی غلطی قرار دیا ہے۔ اس نے اپنے اس گمان میں خطا کی ہے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ وہ قرائن جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی نہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا بھیجا اور وہ گدھے پر سوار ہو کر حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بنی قریظہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لئے علاج کے سلسلہ میں مسجد نبوی شریف میں خیمہ نصب کیا ہوا تھا۔ جیسا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے۔ جسے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔ پھر جب انصار نے ان کا موالی ہونے کی حیثیت سے ان ہی کا فیصلہ تسلیم کرنے کو کہا، تو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہاں سے بلا بھیجا۔ اہل سیر اور مغازی کے نزدیک

یہ قصہ معروف ومشہور ہے۔

پس یہی وہ مسجد تھی جسے آقادو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے محاصرہ کے دوران اپنے لئے مسجد بنایا تھا۔ بعدازاں اسے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ نے از سر نو تعمیر کیا۔

مسجد الفضیخ (مسجد الشمس) کا بیان

یہ مسجد وادی کے کنارے بلند جگہ پر مسجد قباء کے مشرق میں واقع ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ بنی نضیر کے دوران اس میں نماز ادا فرمائی اور تشریف فرما ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸۶۷-حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مسجد الفضیخ میں انگور کا رس پیش کیا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نوش فرمایا۔ اسی نسبت سے اس مسجد کا نام مسجد الفضیخ مشہور ہو گیا۔

یہ روایت امام احمد اور ابو یعلی نے نقل کی ہے۔ ان دونوں کی اسناد میں ایک راوی عبداللہ بن نافع ہے جسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اس کی حدیث لکھی جائے گی۔

۸۶۸-حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث جسے ابن شبہ نے اپنی سند کے ساتھ ان سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا تو اپنا خیمہ مسجد الفضیخ کے قریب نصب کیا۔ اور چھ راتوں تک موضع الفضیخ میں نمازیں ادا فرماتے رہے.......... الحدیث۔ اس روایت کی سند میں ایک راوی عبدالعزیز بن عمران ہے جو متروک الحدیث ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد السقیا کا بیان

اس سے مراد سقیا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہے اور آج کل یہ باب العنبر یہ میں ریلوے اسٹیشن کے وسط میں واقع ہے۔ اور یہ مربع شکل میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ اس جگہ آقادو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی اور اہل مدینہ کے مد اور صاع میں برکت کی دعا فرمائی۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کی تلاش میں بدر کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث قبل ازیں ۱۵۶ نمبر کے تحت گزر چکی ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا، اور سقیا کے گھروں کے نزدیک اصل حرہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی زمین پر نماز ادا فرمائی۔ پھر رب کریم کی بارگاہ میں التجا کی۔ ''اے اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تیرے خلیل، تیرے بندے اور تیرے نبی ہیں۔ انہوں نے تیری بارگاہ میں اہل مکہ کے لئے دعا کی اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرا بندہ، نبی اور رسول ہوں۔ میں اہل مدینہ کے لئے تیری بارگاہ میں اسی طرح التجا کرتا ہوں

جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کے لئے دعا کی۔ ہم تیری بارگاہ میں التجا کرتے ہیں کہ تو ان کے صاع، مد اور پھلوں میں برکت عطا فرمادے۔ اے اللہ تو مدینہ طیبہ کو ہمارے لئے ایسے ہی محبوب بنادے جیسے مکہ مکرمہ کو بنایا ہے۔ اس کی وبا کو خم کی طرف لے جا۔ اے اللہ میں نے اس کے سیاہ پتھروں کے درمیان والے قطعہ زمین کو اسی طرح حرم قرار دیا ہے، جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حرم پاک کو حرام قرار دیا ہے۔ اسے امام احمد، جندی، ردیانی اور سعید بن منصور نے صحیح کے روات سے نقل کیا ہے۔

اسی طرح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ۱۷۹ نمبر کے تحت گزر چکی ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ نکلے۔ جب ہم سقیا کی سیاہ پتھروں والی زمین کے پاس پہنچے، ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ملکیت تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وضو کے لئے پانی لاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔ پھر اٹھے اور رخ انور قبلہ سمت کیا۔ اور یوں گویا ہوئے۔ "اے اللہ ابراہیم تیرا بندہ اور خلیل تھا! انہوں نے اہل مکہ کے لئے برکت کی دعا کی۔ اور میں تیرا بندہ اور رسول ہوں۔ میں اہل مدینہ کے لئے التجا کرتا ہوں، کہ تو ان کے مد اور صاع میں اسی طرح برکت فرمادے جیسے تو نے اہل مکہ کے لئے برکت فرمائی۔ اور ایک برکت کے ساتھ دو برکتیں بنا دے" یہ حدیث امام احمد، ترمذی اور ابن حبان نے نقل کی ہے۔ اور آخری دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں امام نسائی نے کبریٰ میں اور طبرانی نے الاوسط میں صحیح روات سے نقل کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مشربۃ ام ابراہیم کا بیان

معروف مساجد میں سے ایک مشربۃ ام ابراہیم ابن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے۔ ام ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ مقوقس شاہ اسکندریہ نے حضرت ماریہ قبطیہ، ان کی بہن سیرین اور ایک ان کا قریبی رشتہ دار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بطور ہدیہ پیش کئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیرین حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمادی۔ اور ماریہ کو اپنے لئے منتخب فرمایا اور انہیں اپنے لئے لونڈی کی حیثیت سے رکھا اور اپنے مال صدقہ میں بالا خانہ میں انہیں سکونت عطا کی۔

۸۶۹۔ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مقوقس قبطی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو لونڈیاں بطور ہدیہ پیش کیں۔ ان میں سے ایک حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ماں ہیں۔ اور دوسری حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو عطا فرمادی۔ جو عبدالرحمٰن بن حسان کی ماں ہیں۔ اور اس نے ایک خچر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفۃً پیش کیا۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ اسے بزار اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ بزار کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حسن کہا

ہے۔اور وہ جگہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سکونت کے لئے رکھا تھا۔اس میں صدقے کا مال تھا۔جو مخیریق یہودی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا۔اسی کمرہ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے۔اور جب کبھی آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس اس مشربہ (کمرہ) میں تشریف لایا کرتے تھے۔تو کبھی اسی میں نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔اس کے بارے میں عنقریب حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول آرہا ہے۔

تنبیہ:- وہاں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ایک کمرہ ہے۔جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں کے ساتھ متصل تھا۔یہ وہ کمرہ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار فرمائی۔اور جب طبیعت ناساز ہوئی تو اسی میں آرام فرما ہوئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لئے حاضر ہوتے رہے۔

۸۹۰- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے۔جس کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلی یا کندھا کچھ زخمی ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے ایک ماہ کے لئے علیحدگی اختیار کر رکھی تھی۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشربہ (کمرہ) میں تشریف فرما ہوئے۔اس کی سیڑھی لکڑی کی بنی ہوئی تھیں۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عیادت کے لئے حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بیٹھ کر نماز پڑھاتے تھے۔الحدیث اسے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔

مذکورہ حدیث طیبہ میں ''آلی من نسائہ'' کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قسم اٹھا رکھی تھی۔کہ ایک ماہ تک اپنی ازواج کے قریب نہیں جائیں گے۔اس سے مراد وہ ایلا نہیں جو فقہی اصطلاح کے طور پر فقہاء کے درمیان متعارف ہے۔کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی ایسا نہیں کیا۔اگرچہ یہاں لفظ وہی ہے۔لیکن یہاں آلی بمعنی حلف ہے۔واللہ اعلم

اور المشربۃ سے مراد بلند کمرہ ہے

۸۹۱- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اس بات کا بڑا حریص تھا کہ میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دو ازواج کے بارے پوچھوں، جن کے بارے رب کریم نے یہ ارشاد فرمایا۔ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ (التحریم: ۴) یہاں تک کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حج کیا اور میں نے بھی ان کے ساتھ حج کیا۔تو اس دوران میں نے کہا۔اے امیر المومنین! حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی ازواج مطہرات میں سے وہ دو عورتیں کون ہیں، جن کے بارے رب کریم نے ارشاد فرمایا'' اِنْ تَتُوْبَا اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْ

بُکمَا‘‘؟ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اے ابن عباس تیرے لئے انتہائی تعجب کی بات ہے۔ وہ حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ پھر حدیث بیان کرنا شروع کی۔ اور فرمایا۔ ہم گروہ قریش ایسی قوم تھے جو عورتوں پر غالب تھے۔ لیکن جب ہم مدینہ طیبہ آئے تو ہم نے ایسی قوم کو پایا۔ جن پر ان کی عورتیں حکمران تھیں۔ پس ہماری عورتوں نے بھی ان کی عورتوں سے ایسا سیکھنا شروع کر دیا۔ پھر آپ نے انصاری کے آنے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طلاق دینے کے بارے اس کی خبر دینے کا قصہ بیان کیا۔ پھر کہا۔ میں آیا اور حفصہ کے پاس گیا۔ دیکھا! کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے کہا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں طلاق دے دی ہے؟ تو انہوں نے کہا۔ میں نہیں جانتی۔ البتہ وہ اس مشربہ میں علیحدگی اختیار فرما چکے ہیں۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ متفق علیہ۔

اس حدیث طیبہ میں مشربہ سے مراد اس مشربہ کے علاوہ ہے جو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ماں کے لئے تھا۔ اگرچہ نام دونوں کا ایک ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد بنی زریق کا بیان

ان مساجد میں سے جو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں موجود تھیں ایک مسجد بنی زریق ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں داخل ہوئے، وضو فرمایا۔ اور اس کے قبلہ کے سیدھا ہونے پر اظہار تعجب فرمایا۔ یہ ان مساجد میں سے ایک ہے جن میں قرآن کریم پڑھا جاتا تھا۔ لیکن یہ مشہور اس نسبت سے ہوئی کہ یہ طاقتور گھوڑوں کے دوڑ کے مقابلہ میں حد انتہا تھی۔

۸۹۲- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے گھوڑوں کے درمیان جنہیں دبلا کر دیا گیا تھا حفیاء سے لے کر ثنیۃ الوداع تک اور دوسرے گھوڑوں کے درمیان ثنیہ سے لے کر مسجد بنی زریق تک دوڑ کا مقابلہ کرایا۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اس گھوڑ دوڑ میں حصہ لینے والوں میں سے تھے۔ اسے بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے روایت کیا ہے۔

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا۔ حتیٰ کہ میرا گھوڑا مسجد سے تجاوز کر گیا۔

وہ گھوڑے جنہیں دبلا کیا گیا تھا ان کا چکر حفیاء سے ثنیہ الوداع تک طویل تھا۔ یہ تقریباً چھ یا سات میل کا فاصلہ ہے اور وہ گھوڑے جنہیں دبلا نہیں کہا گیا (بھاری بھرکم تھے) ان کے سفر کی طوالت ثنیہ سے لے کر مسجد بنی زریق تک تھی۔ اور یہ سفر ایک میل یا اس سے کچھ زائد ہے۔

اور آپ رضی اللہ عنہ کا قول ’’فطفف بی الفرس المسجد‘‘ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔ ایک احتمال یہ ہے کہ میرا گھوڑا اس مسجد سے تجاوز کر گیا، جو اس چکر کی غایۃ انتہا تھی۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ میرا

گھوڑا مسجد تک اچھل کر چلا گیا۔ کیونکہ اس کی دیوار انتہائی چھوٹی تھی۔ واللہ اعلم۔ ہمارے زمانے میں بھی مسجد السبق موجود ہے۔ یہ ایک مشہور ومعروف مسجد ہے اور حرم پاک کے قریب شمال مغربی سمت میں واقع ہے۔ یہ نقق المناف سے مغرب کی طرف ہے اور مسجد الغمامہ سے عین شمال کی سمت ہے۔ اور ثنیہ الوداع سے تقریباً تین سو میٹر کے فاصلے پر دور ہے۔ اور یہ باب الشامی میں واقع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ان بعض مساجد کے اسماء کا بیان جو زمانہ رسالت میں موجود تھیں

چونکہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں پائی جانے والی مساجد کی تعداد کثیر ہے۔ اس لئے میں نے تمام کا بالاستیعاب ذکر نہیں کیا۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے جو ان مساجد اور مقامات کے بیان میں ہے جہاں آقا و جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان نماز ادا فرمائی۔ آپ کے الفاظ کا معنی یہ ہے۔ کہ حضرت امام بخاری نے ان مساجد کا ذکر کیا ہے جو مدینہ طیبہ کے راستے میں واقع ہیں۔ لیکن وہ مساجد جو مدینہ طیبہ میں واقع ہیں۔ ان کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ ان کی اسناد آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی شرائط پر پورا نہیں اترتیں۔

عمر بن شبہ نے "اخبار المدینہ" میں مدینہ طیبہ کی ان مساجد اور مقامات کا بالاستیعاب ذکر کیا ہے۔ جن میں آقا و جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ ابو غسان کی سند سے اہل شہر میں سے کئی ایک اہل علم سے یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ مدینہ طیبہ اور اس کے نواح کی ہر وہ مسجد جو مماثل منقش پتھروں سے بنائی گئی ہے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز ادا فرمائی ہے۔

جس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مدینہ طیبہ کی مسجد تعمیر کرائی تو اس وقت آپ نے لوگوں سے ان مساجد کے بارے پوچھا تھا۔ (اس وقت کثیر مقدار میں لوگ آپ کے پاس موجود تھے) تو پھر آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان مساجد کو مماثل منقش پتھروں سے تعمیر کرا دیا تھا۔

ان میں سے کثیر مساجد کی تعیین عمر بن شبہ نے کی ہے۔ لیکن ان میں سے اکثر حافظ علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ کے فتح الباری کی تالیف کے وقت مٹ چکی تھیں۔ اور اب ان میں سے صرف مشہور باقی ہیں۔ مثلاً مسجد قباء، مسجد الفضیخ۔ یہ مسجد قباء کے مشرق میں واقع ہے۔ مسجد بنی قریظہ، مشربۃ ام ابراہیم۔ یہ مسجد بنی قریظہ کے شمال میں ہے۔ مسجد بنی ظفر۔ یہ بقیع سے مشرق کی طرف ہے۔ اور مسجد البغلہ کے نام معروف ہے۔ مسجد بنی معاویہ، یہ مسجد الاجابۃ کے نام سے مشہور ہے۔ مسجد الفتح یہ جبل سلع کے قریب ہے اور مسجد القبلتین یہ قبیلہ بنی سلمہ میں مسجد الفتح کے قریب ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن شبہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کثیر ایسی مساجد کا تذکرہ کیا ہے جن میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں نماز ادا فرمائی اور ان کی تعداد ان سے کہیں زیادہ ہے جن کا ذکر میں نے

کیا ہے اور انہوں نے ایسی مساجد کے بارے علیحدہ مستقل فصل ذکر کی ہے جن میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے نماز پڑھنے کے بارے شبہ ہے۔

اسی طرح امام سمہودی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی مساجد کے بارے ایک مکمل باب ذکر کیا ہے۔ پھر اسے سات فصلوں میں تقسیم کیا ہے اور پھر انہیں کئی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ مثلاً وہ مساجد جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی، وہ مساجد جن کا عین معلوم ہے اور وہ مساجد جن کی جہت تو معلوم ہے لیکن عین (معین جگہ) معلوم نہیں۔ اسی طرح اور کئی اقسام ذکر کی ہیں۔

بعد ازاں عباسی رحمتہ اللہ تعالیٰ میدان میں اترے اور انہوں نے ان مساجد کے بارے ایک طویل بحث منفرد ذکر کی جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ اور ان مساجد کے بارے جن کی جگہ کو انہوں نے پہچانا اور اسے معین کیا۔

مدینہ طیبہ کی قدیم مساجد کے بارے میرے گمان کے مطابق سب سے آخر میں لکھنے والے حضرت علامہ شیخ ابراہیم عباس المدنی الصدیقی رحمتہ اللہ تعالیٰ ہیں۔ اور آپ شیخ عبدالحمید عباسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے دادا محترم ہیں۔ آپ نے ان مساجد کے بارے ایک مستقل جز علیحدہ تحریر کیا۔ اور آپ اس کی کتابت سے ۱۰ شوال ۱۲۹۶ھ کو فارغ ہوئے۔

ان مساجد میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔ جن کے بارے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں نماز ادا فرمائی۔

مسجد احد الصغیر، مسجد الفتح الصغیر، یہ پہاڑ کے دامن میں ہیں۔ مسجد بنی خداوہ، مسجد بنی امیہ۔ ان کا تعلق انصار سے تھا۔ مسجد الرایۃ (جبل ذباب)، مسجد جہینۃ، مسجد بنی ساعدہ، مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی العبلی، مسجد بنی عضیۃ، مسجد ابی بن کعب، مسجد عمرو بن مبذول، مسجد بنی دینار، مسجد دار النابغۃ، مسجد بنی عدی، مسجد بنی الحارث بن الخزرج، مسجد بنی خطمہ، مسجد الشیخ، مسجد بنی حارثۃ، مسجد الخربۃ (یہ مسجد بنی سلمہ سے تعلق رکھنے والے بنی عبید کی تھی) مسجد بنی حرام یہ نرم اور پست جگہ بنی ہوئی تھی۔ مسجد رائج، مسجد عینین، مسجد العجوز اور وہ مسجد جو شیخین کے نزدیک تھی اور وہ صدقۃ زبیر میں تھی وغیرھا۔ علاوہ ازیں بہت سے ایسے گھر اور باغات ہیں جن میں آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی۔ جو کوئی انہیں پہنچاننے کی رغبت رکھتا ہو اسے چاہیئے کہ وہ ان بنیادی مصادر کی طرف رجوع کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی نسبت سے وہ انہیں پالے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

چوتھا باب

مدینہ طیبہ کی زمین اور اس سے متصل پہاڑوں، وادیوں مٹی، پھل اور بقیع کے بیان میں

جب رب کائنات سبحانہ وتعالیٰ نے مدینہ طیبہ مبارکہ کو منتخب فرمالیا کہ یہ اس کے محبوب نبی حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ بنے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آرام گاہ ہو، یہ اسلام کا قلعہ ہو، اس سے نور اسلام ہر سو پھیلے، اور اس کی آبادی عام ہو، تو رب کریم نے اسے بے شمار فضائل عطا فرما دیئے۔ چاہے ان کا تعلق اس کی مساجد سے ہو یا اس کے باسیوں سے۔ اور پھر اسی طرح خالق کائنات نے اس کی سرزمین اور اس کے متعلقات میں انگنت فضائل رکھ دیئے۔ تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں اس کی محبت کہیں زیادہ ہو جائے۔ اور یہ فضائل اس پر مستزاد ہیں کہ اسے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ اور آخری آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ المختصر اسی نوع کے کثیر فضائل سے یہ شہر گھرا ہوا ہے۔ رب کریم نے مدینہ طیبہ کی مٹی کو شفا قرار دیا ہے۔ اسی طرح اس پر جھکنے والے پہاڑ کو جنت سے قرار دیا ہے اور رب کریم نے اس میں وہ قوت ادراک پیدا فرمادی ہے جس سے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار محبت کرتا ہے۔ اسی لئے تو وہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے قدموں کے نیچے خوشی اور فخر میں جھومنے لگتا ہے اور اس کی کئی مثالیں موجود ہیں چاہے وہ مکہ مکرمہ میں جبل حراء یا جبل ثبیر کا جھومنا ہو یا مسجد نبوی میں منبر پر تشریف فرما ہونے کے وقت کھجور کے تنے کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ محبت اور وارفتگی کے عالم میں رونا ہو۔ تاکہ یہ جمادات ان بنی نوع انسان پر حجت بن جائیں جو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وشوق کے اظہار کرنے میں غفلت سے کام لیتے ہیں۔

جس طرح رب کریم نے مدینہ طیبہ کے کنوؤں، وادیوں، مٹی اور احد پہاڑ کے علاوہ دیگر پہاڑوں کو فضیلتیں عطا فرمائی ہیں۔ اسی طرح اس کی کھجوروں کو بھی فضائل سے نوازا ہے۔ بالخصوص عجوہ اور تمر عالیہ کو۔ ان میں شفا بھی ہے اور زہر اور جادو کے اثر سے بچاؤ بھی۔ اسی لئے رب کائنات نے اس کھجور کو جنت سے قرار دیا ہے۔ اسی لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے لئے اس کے پھلوں اور کھجوروں میں برکت کی دعا فرمائی۔

اسی طرح رب کریم نے مدینہ طیبہ کے قبرستانوں کو فضائل واعزازات سے نوازا بالخصوص مقبرۃ البقیع کو۔ اسی طرح کہ جو مدینہ طیبہ میں داعی اجل کو لبیک کہے گا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شفاعت فرمائیں گے۔ یہ شفاعت خاصہ ہے جو امت کی شفاعت عامہ کے سوا ہے۔ تب ہی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل بقیع کی زیارت کے لئے کثرت سے تشریف لے جاتے تھے۔ ان کے لئے استغفار کرتے اور دعا فرماتے تھے۔ پھر قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھنے والے یہی لوگ ہوں گے اور انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوگی۔ پھر ان میں کثیر تعداد کو بغیر حساب کے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

مدینہ طیبہ کی سرزمین کے بارے جتنے فضائل بیان ہوئے ہیں ان کی نسبت اس کی وسعت، اس کے باسیوں اور زمین میں آخر تک باقی رہنے والا شہر ہونے کی طرف ہے۔ کیونکہ یہی وہ شہر ہے، جو تمام بلاد اسلامیہ میں سے سب سے آخر میں ختم ہوگا۔

میں رب کریم کی بارگاہ میں ملتجی ہوں کہ وہ بغیر کسی ابتلاء اور مشقت کے حسن اختتام کی کامل توفیق عطا فرمائے انہ جواد کریم۔

جبل احد کے فضائل کا بیان

اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات، مقامات اور اشخاص کو کئی فضائل کے سبب خاص کر دیا ہے۔ مثلاً رمضان المبارک، لیلۃ القدر، جمعۃ المبارک کا دن اور رات، نویں اور دسویں ذی الحجہ کے دن وہ اوقات ہیں جنہیں دیگر اوقات پر اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اشخاص میں سے انبیاء ورسل اور اولی العزم علیہم السلام اور پھر اولیاء، شہداء، علماء اور متقی مومنین کو دیگر افراد انسانی پر فضیلت دی گئی ہے۔

اور جگہوں میں سے مکہ مکرمہ، حرم پاک، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کو دیگر مقامات پر فضیلت حاصل ہے۔ اسی طرح خالق کائنات نے جبل احد کو بھی فضیلت عطا فرمائی ہے۔ اور اس میں ایسی خصوصیات اور ممتاز کرنے والی ایسی چیزیں رکھ دی ہیں۔ جو دوسرے پہاڑوں میں موجود نہیں۔

اس کے فضائل اور خصوصیات میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے۔

جبل احد وہ پہاڑ ہے جو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت فرماتے ہیں۔

وہ اعلیٰ فضیلت جس کے سبب جبل احد دوسروں سے ممتاز ہے وہ اعلیٰ خصوصیت جو اس کے ساتھ مختص ہے۔ وہ اس کے بارے میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالتواتر ثابت ہونے والا یہ اعلان ہے کہ جبل احد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت فرماتے ہیں۔ اور پھر یہ اعلان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مومنین کو شامل ہے۔

۸۹۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ خادم کی حیثیت سے خیبر کی طرف گیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹتے ہوئے جبل احد کے پاس آئے تو فرمایا "هذا جبلٌ يحبنا و نحبه ......" متفق علیہ اللفظ للبخاری۔ (یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں) یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں نے روایت کی ہے۔ مگر یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

۸۹۳۔ حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے نکلے تو جب وادی القریٰ میں ایک عورت کے باغ کے پاس پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اس باغ کے پھل کا اندازہ لگاؤ۔ ہم نے اس کا تخمینہ لگایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اندازہ دس وسق لگایا۔ اور اسے فرمایا "تو اسے شمار کرنا، یہاں تک کہ ہم تیرے پاس لوٹ کر آئیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ"۔

پھر ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ تبوک پہنچ گئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "آج رات تم پر سخت آندھی چلے گی۔ تم میں سے کوئی بھی کھڑا نہ ہو۔ اور ہر ایک اپنے اونٹ کی رسی کو مضبوطی سے باندھ دے۔ پھر سخت ہوا چلی۔ ایک آدمی اٹھا، تو ہوا نے اسے اٹھا کر بنی طی کے پہاڑوں میں پھینک دیا۔ پھر حاکم ایلۃ ابن العلماء کا قاصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک خط لے کر حاضر ہوا۔ اور سفید خچر بطور تحفہ پیش کی۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے نامہ مبارک عطا فرمایا۔ اور بطور تحفہ دھاریدار چادر بھی عنایت فرمائی۔ پھر ہم واپس آئے، یہاں تک کہ وادی القریٰ میں پہنچ گئے۔ تو یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے اس کے باغ کے بارے پوچھا۔ پھل کتنا بنا ہے؟ تو اس نے عرض کی، دس وسق۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میں تیز چلنے والا ہوں، تم میں سے جو چاہے میرے ساتھ تیز چلے، اور جو چاہے وہ ٹھہر جائے۔" پھر ہم وہاں سے چلے یہاں تک کہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچ گئے پھر آپ نے فرمایا "یہ طابہ (مدینہ منورہ) ہے اور یہ احد ہے اور یہ وہ پہاڑ ہے جو ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں" متفق علیہ

اس حدیث طیبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات کا بیان ہے۔

نمبر ۱: حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اس عورت کے باغ کے پھل کی مقدار کا خبر دینا، وہ مقدار اتنی ہی تھی جتنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ اور وہ دس اوسق تھی۔

نمبر ۲: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت آندھی چلنے کی خبر دینا۔ اور یہ فرمانا کہ کوئی کھڑا نہ ہو اور جس کسی کے پاس اونٹ ہے، اس کی رسی مضبوطی سے باندھ دے۔ پھر ایسے ہی سخت ہوا چلی، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی اور ہوا کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کی اور باہر نکلا۔ تو ہوا نے اسے اجا اور سلمیٰ کے پہاڑوں میں پھینک دیا۔ یہ دونوں

پہاڑطی کے پہاڑوں میں سے ہیں۔

قولہ''وادی القریٰ'' یہ وادی مدینہ سے تبوک کی طرف جاتے ہوئے شمال کی طرف ہے اور تیماء اور خیبر کے درمیان واقع ہے۔

قولہ''اخر صوھا'' الخرص سے مراد درخت پر موجود پھل کا اندازہ لگانا ہے کہ پکنے اور کھانے اور ذخیرہ کرنے کے قابل ہونے کے بعد اس کی کتنی مقدار ہوگی۔ فقہاء اس مفہوم کو ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔''حرز ما علی النخل من الرطب تمرًا''

قولہ''عشرۃ اوسق'' اوسق وسق کی جمع ہے اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔

قولہ''ایلۃ'' یہ ساحل سمندر پر ایک پرانا شہر ہے اور آج کل فلسطین کا جنوبی اور خلیج العقبہ کا شمالی علاقہ ایلات کے نام سے معروف ہے۔

قولہ''فقام رجل فحملته الریح...... '' تو یہ آدمی غیر معروف ہے۔ اس کا نام دانستہ چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہی آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل احد کے بارے میں مذکورہ قول غزوہ تبوک سے واپس آنے کے بعد ارشاد فرمایا تھا۔ جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی سابقہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی فرمان غزوہ خیبر سے واپسی کے بعد تھا۔ ان دونوں غزوات کے درمیان تقریباً دو سال کا فاصلہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸۹۴- حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ متفق علیہ۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول''ھذا جبل یحبنا و نحبه''پر تعلیقاً ذکر کرتے ہیں ...... جبکہ یہ قول حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لیا گیا ہو...... کہ اس سے بعد آنے والی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ (اس سے مراد وہ روایت ہے جو میں نے یہاں مسلم کی روایت سے ذکر کی ہے) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد اس وقت فرمایا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے واپس آتے ہوئے اسے دیکھا۔ اور ابوحمید کی روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک سے واپس آتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ ارشاد فرمایا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب آئے تو فرمایا''ھذہ طابۃ'' اور جب احد پہاڑ پر نگاہ پڑی تو فرمایا''ھذا جبل یحبنا و نحبه'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آقا دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد کئی بار فرمایا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگرچہ علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ قول''لما رآہ فی حال رجوعه من

الصحیح ''محفوظ ہے۔اور اس بارے میں روایت بھی موجود ہے۔مگر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت غزوہ خیبر سے واپس آنے کے بعد سے متعلق ہیں۔

جیسا کہ حافظ مزی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحفۃ الاشراف میں ذکر کیا ہے۔'' **خرجت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی مکۃ** ...... ''اس میں آپ کے قول'' **مکۃ** ''میں وہم ہے۔شاید یہ طباعت کی سہو ہے۔واللہ اعلم۔

۸۹۵-حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:'' احد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں'' رواہ البخاری تعلیقاً۔

حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فتح الباری میں ارشاد فرماتے ہیں کہ یہی روایت ابو علی احمد بن فضل بن خزیمہ کے فوائد میں متصل سند کے ساتھ مذکور ہے۔پھر آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی سند ذکر کی ہے۔ روایت کی ابتداء اس طرح ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آئے۔یہاں تک کہ جب مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اجنبی راستہ اختیار کیا۔جس سے مدینہ طیبہ نسبتاً قریب تھا۔اور دوسرا راستہ ترک فرما دیا۔تخلیق التعلیق میں یہ الفاظ زائد ہیں۔'' **وھی اسفل** ''(کہ یہ راستہ پستی کی جانب سے تھا) پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور احد پہاڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے ظاہر ہوا تو فرمایا'' اللہ اکبر یہ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت فرماتے ہیں...... ''الحدیث۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح الباری میں فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول'' **انی متعجل الی المدینہ ، فمن احب فلیتعجل معی** ''(کہ میں جلدی مدینہ طیبہ پہنچنا چاہتا ہوں،پس جو پسند کرے وہ میرے ساتھ جلدی کرے)(یہ روایت بخاری شریف کی ہے جبکہ اس سے قبل ذکر کی گئی'' انی مسرع'' کی روایت مسلم شریف کی ہے) سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ میں قریبی راستے پر چلنے لگا ہوں پس جس کا ارادہ ہو وہ میرے ساتھ چلا آئے۔یعنی جو اس پر چلنے کی قدرت رکھتا ہو۔سارے لشکر کے لئے یہ حکم نہیں۔حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ نے ھدی الساری میں کہا ہے۔کہ ابو علی احمد بن فضل بن خزیمہ نے فوائد میں اسے متصل سند سے ذکر کیا ہے۔اور ان کی سند سے حافظ الضیاء نے اسے احادیث مختارہ میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ طبرانی نے المعجم الکبیر میں ایک دوسری سند سے اسے متصل ذکر کیا ہے۔سند یہ ہے۔ '' **عن عباس بن سھل عن ابیہ رضی اللہ عنہ** ''اس سند میں ایک راوی عبد المہیمن بن عباس ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا '' کہ یہ احد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں'' اسے امام احمد،ابن شبہ اور

ابوالقاسم بن بشران نے اپنی امالی میں ذکر کیا ہے۔حضرت امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ کی سند حسن ہے۔

۸۹۷-حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی حضرت سوید انصاری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ غزوہ خیبر سے واپس لوٹے۔تو جب احد پہاڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں کے سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" اللہ اکبر احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے۔اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"

یہ روایت حضرت امام احمد نے، امام بخاری نے اپنی تاریخ میں، طبرانی نے کبیر میں، ابن شبہ اور ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں، ابن عبدالبر نے التمہید میں اور الضیاء نے مختارہ میں ذکر کی ہے۔ان کی سند میں ایک راوی عقبہ بن سوید ہے، جسے امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ میں اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں ذکر کیا ہے۔ان دونوں نے اس میں کسی نوع کی جرح ذکر نہیں کی۔اس حدیث کے بقیہ تمام رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔جیسا کہ علامہ ہیثمی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

اس کے ساتھ علامہ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب "الاستیعاب" میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔اور ان سے حافظ ابن حجر نے بھی اسے نقل کیا ہے۔اور ابن عبدالبر نے التمہید میں بیان کیا ہے کہ یہ محفوظ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی شاہد سابقہ تمام حدیثیں ہیں۔

۸۹۸-حضرت ابوعبس بن جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے لئے ارشاد فرمایا" یہ ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں (اور یہ) جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر واقع ہے۔اور یہ عیر ایک پہاڑ ہے جو ہم سے بغض رکھتا ہے اور ہم اس سے بغض رکھتے ہیں (اور یہ) جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر واقع ہے۔"

اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں اور بزار نے روایت کیا ہے۔ان دونوں کی سندوں میں راوی عبدالمجید بن ابی عبس ہے۔ابو حاتم نے اسے لین قرار دیا ہے اور اس میں ایسا راوی بھی ہے جسے میں نہیں پہچانتا۔اسی طرح حافظ ہیثمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے لیکن میں کہتا ہوں۔کہ سابقہ احادیث اس کی شاہد ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

۸۹۹-حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" چار پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں۔احد ایک پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے......" اسے ابن شبہ نے روایت کیا اور طبرانی نے کبیر میں بہت طویل بیان کیا۔ان دونوں کی اسناد میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ہے۔جو ضعیف ہے۔امام ترمذی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حسن کہا ہے۔لیکن قسم اول کی شاہد تو احادیث

گزر چکی ہیں اور باقی کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

۹۰۰-حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے احد پہاڑ ظاہر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ پہاڑ ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت فرماتے ہیں۔" اسے مالک، عبدالرزاق، ابن شبہ، جندی اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت مرسل ہے۔ اس کے راوی ثقہ اور صحیحین کے ہیں اور اس کی شاہد سابقہ تمام احادیث ہیں۔

۹۰۱- حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر سے واپس تشریف لاتے تھے تو جب احد پہاڑ سامنے آتا تو فرماتے یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں پھر فرماتے "**آئبون تائبون ساجدون لربنا حامدون**" (ہم لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، سجدہ کرنے والے ہیں، اپنے رب کی ہی حمد وثناء کرنے والے ہیں) اسے ابن شبہ نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت بھی مرسل ہے۔ مگر راوی صحیحین کے ہیں۔ لیکن سابقہ احادیث اس کے لئے بھی شاہد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

علاوہ ازیں بھی جبل احد کی فضیلت پر کئی نصوص موجود ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث طیبہ میں کچھ مسائل ہیں ان کا ذکر درج ذیل ہے۔

نمبر ۱: اس پہاڑ کا نام احد کیوں رکھا گیا؟

اس کے بارے میں حضرت امام سہیلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ چونکہ یہ پہاڑ وہاں دیگر پہاڑوں سے منقطع اور منفرد ہے اس لئے اس کا نام احد رکھا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے بارے میں فرمایا" کہ یہ پہاڑ ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔"

پھر فرمایا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوبصورت نام پسند فرماتے تھے۔ اور اس نام سے حسین وجمیل کوئی نام نہیں جو احدیۃ سے مشتق ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کا نام یہ رکھا۔ اور اس سے رب کریم نے اپنے نام اور اس کے معنی کی موافقت کا ارادہ فرمایا کیونکہ اس کے باسی انصار تھے۔ اور انہوں نے توحید اور دین توحید لے کر آنے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب مدد کی۔ اور زندہ اور مردہ حالت میں ان کے ساتھ ہی رہے۔ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت شریفہ تھی کہ کام وتر (طاق) صورت میں کرتے اور ہر وہ شی جو وتر ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت فرماتے تھے۔ اس لئے کہ وہ احدیۃ کے معنی پر دلالت کرتی تھی۔ بس اس پہاڑ کا نام اسماء میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اغراض ومقاصد کے عین موافق تھا۔ اسی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی جگہوں اور لوگوں کے نام ناپسند کرتے ہوئے تبدیل فرمادیئے۔ ان کی تعداد شمار سے باہر ہے لیکن یہ وہ پہاڑ ہے جس کا نام سب سے زیادہ آپ کے موافق ہے۔

احدیۃ سے مشتق ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے تمام حروف کی حرکات رفع (پیش) ہیں۔ اور یہ احد

کے دین کے سربلند ہونے کا احساس دلاتی ہیں۔ اس لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے محبت اسم اور مسمّٰی دونوں سے متعلق تھی۔ اور پہاڑوں میں سے اسی کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ یہ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگا۔ جبکہ دیگر پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر بکھرے ہوئے ذرات کی مثل ہو جائیں گے۔

اور اس لئے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے محبت فرماتے تھے کہ اس کا اسم اور دوسروں سے انفرادیت مسمّٰی کی بلندی کا احساس دلاتی ہے۔ کیونکہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اچھے شگون اور خوبصورت نام کو پسند فرماتے تھے۔ اور اس اسم سے خوبصورت کوئی نام نہیں۔ جو احدیۃ سے مشتق ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر ۲: جبل احد کے بارے مذکورہ جملہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کب ارشاد فرمایا؟

میری ذکر کردہ نصوص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جبل احد کے بارے میں یہ ارشاد گرامی مختلف اوقات میں متعدد بار ارشاد فرمایا۔ ایسا نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد صرف ایک بار فرمایا ہو۔

حضرت انس، سوید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور کئی دوسروں کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ خیبر سے لوٹتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا اور حضرت ابوحمید ساعدی، سہیل بن سعد رضی اللہ عنہما اور کئی دوسروں کی مرویات سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک سے واپس آنے کے بعد یہ ارشاد فرمایا۔ جبکہ غزوۂ تبوک غزوہ خیبر سے تقریباً دو سال بعد واقع ہوا۔ اور بعض روایات میں اس طرح بھی ہے کہ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم احد کو دیکھتے تو یہ ارشاد فرماتے۔ ان تمام روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول متعدد بار ارشاد فرمایا۔ حتیٰ کہ حج سے واپس آتے ہوئے بھی یہ ارشاد فرمایا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے۔

جس طرح یہ بعید نہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ طیبہ اور اس کے باسیوں کے بارے اقوال متعدد بار صادر ہوئے۔ انصار کے لئے مغفرت کی دعا بار بار فرمائی۔ انصار کی فضیلت اور مدینہ طیبہ کی حرمت متعدد بار بیان فرمائی۔ اسی طرح قطعاً یہ بھی بعید نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل احد کی اہمیت کا بیان اس کی فضیلت کا اظہار اور اس عظیم نعمت پر اظہار تشکر متعدد بار فرمایا ہو۔ اور وہ ہے جبل احد کا حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حد درجہ شوق اور محبت کا اظہار، اور جواباً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے ساتھ محبت فرمانا۔ اور محبوب سے محبت کا اظہار کرنا ایک امر مشہور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نمبر ۳: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "یحبنا ونحبه" کا معنی کیا ہے؟

علمائے کرام نے اس ارشاد گرامی کے معنی میں متعدد اقوال ذکر کیے ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

نمبر ۱: اسے مجازی معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اس سے قبل فی الحقیقت مضاف محذوف ہے اور تقدیر عبارت "اهل احد" ہے۔ اور اس سے مراد انصار ہیں۔ کیونکہ وہی اس کے جوار میں سکونت پذیر ہیں۔ اور

انصار کی محبت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کثیر احادیث بیان فرمائی ہیں۔ اسی طرح وہ احادیث جو مدینہ طیبہ اور اس کے متعلقات کی محبت میں وارد ہیں۔ ان سے مراد بھی انصار ہی ہیں۔

حضرت علامہ ابن حبان رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "جبل یحبنا و نحبہ" سے مراد اہل الجبل ہیں۔ جیسا کہ رب کریم کے ارشاد گرامی۔ وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ (بقرہ: ۹۳)

(سیراب ہو چکے تھے ان کے دل بچھڑے (کے عشق) سے، یہ ان کے پیہم انکار کی نحوست تھی) سے مراد "حب العجل" (بچھڑے کی محبت) ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ "وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ" (یوسف: ۸۲) اور (اگر آپ کو اعتبار نہ آئے تو) بستی والوں سے دریافت کیجئے) سے مراد "اهل القرية" (گاؤں والے) ہے۔ لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد گرامی میں بھی اہل الجبل سے مراد اہل مدینہ ہیں۔ پھر آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے قصد سے خطاب پہاڑ کو کیا۔ اس لئے کہ یہ پہاڑ مدینہ طیبہ اور اس کے جوار میں آباد شہروں کے درمیان حد فاصل ہے۔

امام بغوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ شرح السنۃ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی "ان الایمان لیارز" (بے شک ایمان سکڑ جائے گا) میں بھی مراد اہل ایمان ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کہ احد پہاڑ ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت فرماتے ہیں۔ سے مراد اہل مدینہ ہیں۔ اسی طرح رب ذوالجلال کے اس ارشاد پاک وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِیْهَا (یوسف: ۸۲) میں مقصود اہل القریۃ ہیں۔

میں کہتا ہوں۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ امام بغوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس قول سے رجوع کیا ہے اور قول اس کے برعکس کیا ہے۔ چاہے وہ شرح السنۃ میں ہو یا تفسیر میں ...... بلکہ آپ نے تفسیر میں اس قول ثالث کے بارے خاصی طویل بحث ذکر کی ہے۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح السنہ میں حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وضاحت میں کہا۔ "اهتز العرش لموت سعد بن معاذ" (کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے وقت عرش الٰہی جھومنے لگا) قولہ: "اهتز" "ای: ارتاح بروحه حين صعدبه" یعنی عرش الٰہی آپ کی روح کے بلند ہونے کے ساتھ خوش ہوا۔ تو کہا گیا ہے کہ اس حدیث طیبہ میں اهتزاز سے مراد سرور اور استبشار (مسرت اور خوشی محسوس کرنا) ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح پرفتوح کے آنے کے ساتھ حاملین عرش خوش ہوئے۔ اب جس طرح اس حدیث طیبہ میں حاملین عرش کی جگہ عرش کو رکھا گیا ہے اور فرلیا گیا کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت فرماتے ہیں۔

میں کہتا ہوں (وہ قول جو بغوی نے کہا ہے) اس میں اولیٰ یہ ہے کہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو اپنے

ظاہر پر ہی رکھا جائے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کو بھی اپنے ظاہر پر رکھا جائے'' کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں'' اور انبیاء واولیاء میں سے کسی نے بھی ایسی شیٔ کے وجد کناں ہونے کا انکار نہیں کیا، جس میں روح نہیں ہوتی۔ جیسا کہ احد پہاڑ وجد کناں ہوا۔ جبکہ اس پر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم قدم رنجہ ہوئے اور اسی طرح اسطوانہ حنانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت اور جدائی میں گریہ کناں ہوا۔

پس یہی بغوی رحمتہ اللہ تعالیٰ کا قول سابق سے رجوع ہے۔ شاید آپ نے یہ قول کسی اور سے نقل کیا ہے اور اس کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ان شاء اللہ اس کا مزید بیان قول ثالث میں آئے گا۔

نمبر ۲: اس بارے علماء کا دوسرا قول یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قول ارشاد فرمایا، اس لئے کہ وہ زبان حال کے ساتھ فرحت وانبساط کا اظہار کرتا ہے۔ یعنی جب آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف لاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ رحمت اس پر پڑتی۔ تو گویا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر سے واپس آنے کے وقت اپنے گھر والوں کے قرب اور ان سے ملاقات کی بشارت دیتا۔ اور یہ ان ہی کا عمل ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں

نمبر ۳: تیسرا مفہوم یہ ہے کہ کلام اپنے ظاہر پر محمول ہے اور اس سے محبت حقیقی ہی مراد ہے اس معنی پر متعدد امور دلالت کرتے ہیں۔

نمبر ا: جبل احد کا جنت کے پہاڑوں میں سے ہونا۔ ان شاء اللہ اس کا بیان آگے آئے گا۔ اس کی اسی خصوصیت کی بناء پر آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت فرماتے ہیں اور وہ بھی جبال جنت میں سے ہونے کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر ۲: قدرت الٰہیہ یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ پتھروں اور دیگر تمام جمادات میں عقل، فہم وادراک اور محبت پیدا فرمادے۔

نمبر ۳: حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمادات کے محبت کرنے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً کھجور کے تنے کا آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشوق میں اس وقت رونا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے علیحدگی فرمائی۔ حتیٰ کہ لوگوں نے اس کے رونے کی آواز سنی اور جبل احد کا عالم وارفتگی میں اس وقت جھومنا، جبکہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی معیت میں اس پر قدم رنجہ فرما ہوئے۔ اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ اسی طرح جبل حرا کا واقعہ جو کہ مسلم شریف میں موجود ہے اور جبل ثور کا واقعہ جو کہ سنن میں ہے اور پھر مکہ مکرمہ میں پتھروں کا حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرنا۔

جیسا کہ امام مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔حتیٰ کہ حیوانات کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہار محبت کرنا۔ مثلاً اونٹ کا تعظیماً جھک جانا، اور گائے اور بھیڑیئے کا کلام کرنا وغیرہ، جیسا کہ شیخین نے اپنی صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث پاک نقل کی ہے۔علاوہ ازیں بھی کثیر امثلہ موجود ہیں۔

اس لیئے اس بات کا قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جبل احد بلکہ مدینہ طیبہ کے جمیع اجزاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے مشتاق رہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نمبر ۴: جمادات کے لئے خشیت، خشوع، تسبیح، ذکر، اشفاق اور سجود کا اثبات کثرت سے موجود ہے۔ان تمام کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔میں نے ان کے لئے ''**الادراک عند الجمادات**'' علیحدہ کتاب ترتیب دی ہے۔ان میں سے چند آیات بینات درج ذیل ہیں۔

نمبر ۱: رب کریم فرماتے ہیں۔

وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (البقرہ:۷۴)

''(کیونکہ) کئی پتھر ایسے بھی ہیں جن سے بہہ نکلتی ہیں نہریں اور کئی ایسے بھی ہیں کہ جو پھٹتے ہیں تو ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور کئی ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں خوف الٰہی سے اور اللہ بے خبر نہیں ہے ان (کرتوتوں) سے جو تم کرتے ہو''۔ (جمال القرآن)

اس آیت طیبہ میں خشیت کی نسبت پتھروں کی طرف کی گئی ہے۔

نمبر ۲: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا

(الاحزاب:۷۲)

(ہم نے پیش کی یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے (کہ وہ اس کی ذمہ داری اٹھائیں) تو انہوں نے انکار کر دیا اس کے اٹھانے سے اور وہ ڈر گئے)۔(جمال القرآن)

اگر زمین و آسمان اللہ تعالیٰ کی قدرت سے فہم و عقل نہیں رکھتے تو ان پر امانت پیش کیسے کی جا سکتی ہے اور اسے اٹھانے سے ان کا خوفزدہ ہونا کیسے ممکن ہے۔

نمبر ۳: فرمان الٰہی ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا

يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ (الاسراء: ۴۴)

(پاکی بیان کرتے ہیں اسی کی ساتوں آسمان اور زمین اور جو چیز ان میں موجود ہے اور (اس کائنات میں) کوئی بھی ایسی چیز نہیں مگر وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے، لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے)۔ (جمال القرآن)

ہاں تو یہ حق ہے کہ ہم ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے باوجود اس کے کہ وہ اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے تسبیح بیان کرتے ہیں۔

نمبر ۴: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ (الرحمٰن: ٦)

"(اور (آسمان کے) تارے اور (زمین کے) درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں)۔"

(جمال القرآن)

یہ دونوں عقل تو نہیں رکھتے۔ اس لئے کہ ان کا تعلق جمادات اور نباتات سے ہے لیکن اس کے باوجود یہ دونوں اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں۔

نمبر ۵: فرمان خداوندی ہے۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر: ۲۱)

"(اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے)۔" (جمال القرآن)

وہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور ڈر کی وجہ سے جھک جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا۔

نمبر ٦: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ (النور: ۴۱)

(کیا تم غور نہیں کرتے کہ بلاشبہ اللہ ہی ہے جس کی تسبیح بیان کرتے ہیں سارے آسمانوں والے اور زمین والے اور پرندے پر پھیلائے ہوئے۔ ہر ایک جانتا ہے اپنی (مخصوص) دعا اور اپنی تسبیح کو)۔ (جمال القرآن)

لیکن ہم ان کی دعا اور تسبیح کی حقیقت کو نہیں جانتے بلکہ وہ خود علیم و خبیر ہی جانتا ہے۔

نمبر ۷: ارشاد ربانی ہے۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ

شَیْءٍ (فصلت:۲۱)

(اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی۔ وہ کہیں گے (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے جس نے گویا کیا ہے ہر شی کو)۔ (جمال القرآن)

نمبر ۸: مزید ارشاد فرمایا۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَیْنَا طَآىِٕعِیْنَ (فصلت:۱۱)

(پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف، وہ اس وقت محض دھواں تھا۔ پس فرمایا اسے اور زمین کو کہ آجاؤ (تعمیل حکم اور ادائے فرض کے لئے) خوشی سے یا مجبوراً۔ دونوں نے عرض کی ہم خوشی خوشی (دست بستہ) حاضر ہیں)

اس میں زمین و آسمان دونوں کے لئے اطاعت کرنے کا اثبات موجود ہے۔

نمبر ۹: رب کریم مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ الشَّمَآىِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ (النحل:۴۸)

(کیا انہوں نے نہیں دیکھا ان اشیاء کی طرف جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے کہ بدلتے رہتے ہیں ان کے سائے دائیں سے (بائیں طرف) اور بائیں سے (دائیں طرف) سجدہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو اس حال میں کہ وہ اظہار عجز کر رہے ہیں)

نمبر ۱۰: ارشاد خداوندی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ وَ النُّجُوْمُ وَ الْجِبَالُ وَ الشَّجَرُ وَ الدَّوَآبُّ وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ (الحج:۱۸)

(کیا تم ملاحظہ نہیں کر رہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے نیز آفتاب، مہتاب، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے انسان بھی (اسی کو سجدہ کرتے ہیں)۔ (جمال القرآن)

مگر ہم ان سجود کی کیفیات نہیں جانتے۔ لہٰذا ہم ان میں سے ہر ایک پر ایمان لاتے ہیں اور اس کا حقیقی علم علیم وخبیر رب کے سپرد کرتے ہیں۔

اس بارے میں کثیر نصوص قرآن کریم میں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح وہ نصوص جو سنت نبویہ میں موجود ہیں ان کی تعداد بھی کثیر ہے۔ مثلاً کھجور کے تنے کا رونا، کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، پتھر کا حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے کپڑے اٹھا کر فرار ہونا، حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں کا صلوٰۃ وسلام پڑھنا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باہم ایک دوسرے سے بعید درختوں کو بلانا اور ان کا جمع ہو جانا، جبل حراء اور ثور کا کانپنا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے مخاطب ہونا اور بکری کے زہر آلود گوشت کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہونا وغیرہ۔

مذکورہ تمام واقعات اس پر دلالت کرتے ہیں کہ جس طرح جمادات میں تسبیح، نماز، خشیت، خشوع اور رونے کی استعداد پیدا کی گئی ہے۔ اسی طرح ان میں محبت، اشتیاق اور شوق کے جذبات بھی پیدا فرمائے گئے ہیں۔

لہٰذا اس بات کا قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جمادات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دیگر اہل اطاعت سے محبت کرتے ہیں۔ جیسا کہ زمین کے بارے میں یہ روایت ہے کہ زمین اہل معصیت کو ناپسند کرتی ہے۔ اس کے بارے مزید بحث ''الادراک عند الجمادات'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کی ادلہ میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم حضرات ابوبکر الصدیق، عمر الفاروق اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کے ہمراہ جبل احد پر تشریف لے گئے تو وہ فرط محبت میں جھومنے لگا تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی خطاب فرمایا جیسے اہل عقل سے کیا جاتا ہے اس کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کھجور کے تنے سے ایسے ہی خطاب فرمایا جب وہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کے غم میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت کرنے کے شوق میں رونے لگا تھا۔ اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

مذکورہ تمام دلائل کو اکٹھا کرنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جبل احد کی محبت اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ اور نصوص اپنے ظاہری معنی پر ہی محمول ہوتی ہیں جب تک انہیں بغیر دقت کے اس معنی پر محمول کرنا ممکن ہو اور یہاں تو اس کی کئی امثلہ موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وہ دلائل جو محبت حقیقیہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے ایک یہ روایت بھی ہے ''و عیر جبل یبغضنا و نبغضه ......'' (اور عیر ایک پہاڑ ہے جو ہم سے بغض رکھتا ہے اور ہم اسے ناپسند کرتے ہیں)۔

یہ بھی مدینہ طیبہ کے پہاڑوں میں سے ایک ہے اور جنوب کی سمت جبل احد کے بالمقابل واقع ہے اور ان دونوں کے درمیان حرم مدینہ طیبہ ہے۔ اس کے بارے میں پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر ۴: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمادات کی محبت و شوق کا اظہار)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں کھجور کے تنے کے رونے کا ذکر کر کے آپ صلی اللہ علیہ

وسلم کے ساتھ جمادات کی محبت وشوق کا تذکرہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمادات کی محبت وشوق رکھنے کے لئے جذع کو بطور مثال ذکر کیا ہے۔ جبکہ عقل وادراک رکھنے والے بشر کا رونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ انسانوں سے تو اس طرح محبت کا اظہار کرنے بلکہ اس سے بھی زیادہ محبت کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

جب حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اس کھجور کے تنے کے رونے کا ذکر فرماتے تو پھر ارشاد فرماتے "**یا معشر المسلمین: الخشبة تحن الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شوقا الی لقائہ ، فانتم احق ان تشتاقوا الیہ**"

(اے مسلمانوں کے گروہ! ایک لکڑی حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے شوق میں روتی ہے۔ پس اس کی نسبت تمہارا حق زیادہ ہے کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مشتاق ہو)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے دن کیسی تکلیف اور غم سے دوچار ہوئے۔ وہ انسان جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت وشوق کے احوال کو جانتا ہے اور آج کے مسلمانوں کی کیفیت سے بھی آگاہ ہے تو وہ یہ دیکھ سکتا ہے کہ دونوں کی کیفیات کے درمیان بہت زیادہ بعد موجود ہے۔ بلکہ وہ تو مسلمانوں کے حالات کا سرے سے انکار ہی کر دے گا۔

اب میں کہتا ہوں کہ جبل احد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمادات کی محبت وشوق رکھنے کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اعلان فرمادیا کہ یہ پہاڑ آپ سے محبت کرتا ہے اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نیچے مضطرب ہوا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں مبارک سے اس پر ضرب لگائی، تو وہ ساکن ہوگیا۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی محبت کا اعلان بار بار فرمایا، تو یہ بعد میں آنے والے ہر دور کے انسان کے جذبات میں انگیخت پیدا کرتا ہے کہ اسے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت میں اس جمادات سے آگے ہونا چاہئے۔ جب ایک ٹھوس اور جامد پہاڑ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا تو پھر اس عاقل ومدرک انسان کی حالت کیسے ہونی چاہئے؟ لہٰذا انسان کے لئے ضروری ہے کہ اس میں اس پہاڑ کی نسبت محبت کے جذبات زیادہ ہوں۔ کیونکہ اگر یہ جذبات برابر ہوں باوجود اس کے کہ انسان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان تمام احوال کے بارے فہم وادراک اور معرفت واطلاع رکھتا ہے جن کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلیٰ اور اکمل درجہ کی محبت کی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے یہ امر موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت تمام مخلوق حتیٰ کہ اولاد، والدین، مال و دولت اور تمام لوگوں کی نسبت زیادہ ہو۔ تو جب ان تمام چیزوں کے ہوتے ہوئے آدمی کی محبت پہاڑ کی محبت

کے مساوی ہوگی تو فی الحقیقت وہ ادراک میں پہاڑ سے کم ہوگا۔

اسی لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں تعجب انگیز حسین و جمیل مثالیں قائم کی ہیں۔ اسی طرح کہ انہوں نے مہنگی شی کو سستی پر مقدم کیا، اپنی جانوں کو مال سے پہلے پیش کیا، اور اپنے آباء اور بیٹوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور حفاظت میں قربان کرنے پر ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے رہے۔ ان میں وافر مقدار میں پایا جانے والا جذبہ امتثال واطاعت، فداء وقربانی اور انفاق وسخاوت ان کی محبت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر بین دلیل ہے..... حتیٰ کہ رب کریم اور پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ان کی تعریف فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ ہمیں اپنے نبی مکرم ﷺ کی محبت کا اہل بنائے اور ہمارے اقوال کو ہمارے خلاف حجت نہ بنائے بے شک وہ بڑا کریم اور سخی ہے۔ ''امین بجاہ نبیہ الکریم''

نمبر ۵: پہاڑ کی محبت کا مقدم ہونا

وہ تمام نصوص جو میں نے یہاں درج کی ہیں یا جن پر مطلع ہوا، مگر نقل نہیں کیں۔ ان تمام میں جبل احد کی محبت ''یحبنا'' آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت'' و نحبہ'' پر مقدم ہے اور میں نے کسی کو بھی اس کی حقیقت بیان کرتے نہیں پایا۔ جہاں تک اس حکمت پر میں آگاہ ہوا ہوں وہ یہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر ۱: حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان، فضائل وکمالات اور علو مرتبہ کے سبب جمادات آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعشق رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وشوق کا اظہار کرنے میں تیزی کرتے ہیں۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں کھجور کے تنا نے اس طرح رو کر اظہار محبت کیا کہ لوگوں نے اس کی آواز سنی۔ اور جبل احد اور حراء نے عالم وارفتگی میں جھوم کر اظہار محبت کیا اور آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ جبل احد کی محبت کا اعلان بھی فرمایا یہ سب کچھ غیر مالوف تھا اور خارق للعادۃ تھا۔ جب یہ کیفیت ان جمادات کی ہے جو عقل وادراک نہیں رکھتے تو پھر انسان کی محبت کا کیا عالم ہوگا جو کہ عاقل بھی ہے اور مدرک بھی؟

نمبر ۲: بعض جمادات سے انسان کی محبت مالوف اور غیر متعجب ہے۔ پس ایک دانا اور عقلمند انسان حسین و جمیل قدرتی مناظر، سرسبز وشاداب پہاڑوں اور متنوع اقسام کے باغات سے محبت کرتا ہے اور ان سے مانوس ہو جاتا ہے۔ ان کی طرف بار بار دیکھنے اور ان کے حسن و جمال سے لطف اندوز ہونے کے لئے ان میں بیٹھنا پسند کرتا ہے۔ لہٰذا وہ ان سے انس ومحبت، راحت واطمینان اور فرحت ومسرت پاتا ہے۔ مگر ٹھوس جمادات کا انسان سے محبت کرنا غیر مالوف اور تعجب خیز ہے۔ اسی لئے آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت کے حصول کے اظہار اور اس کے وجود کی تاکید کے لئے اس کا ذکر پہلے فرمایا اور پھر اس کے بدلے اپنی محبت صادقہ کا ذکر فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر ۳: اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے محبوب اور مجتبیٰ نبی محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کے ساتھ محبت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور بارگاہ الوہیت میں علو مرتبہ کا اظہار ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جمادات میں پیدا فرمادی اور اسے پتھروں اور چٹانوں میں رکھ دیا۔ باوجود اس کے کہ وہ خشک سخت اور حد درجہ قوی اور مضبوط ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے جمادات میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا فرمادی تو پھر انہوں نے اس محبت، شوق اور وارفتگی کا اظہار کیا جیسا کہ خشک تنے کا رونا، احد کا محبت کرنا، پہاڑوں (احد، حراء اور ثبیر) کا کانپنا اور سنگریزوں کا تسبیحات پڑھنا وغیرہ۔ اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت پر کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔

جب جمادات حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مشتاق رہتے ہیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے دور ہوں تو وہ فراق میں رونے لگ جاتے ہیں، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مومنین کی محبت کا عالم کیسے ہونا چاہئے۔ لہٰذا مومنین کو حکم ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ہر شئ پر مقدم کریں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر کسی بھی شئ کو ترجیح دینے سے اجتناب کریں۔ جیسا کہ رب کریم نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ﰳاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ (التوبہ: ۲۴)

"(اے حبیب!) آپ فرمایئے اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے مندے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو۔ زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم۔ اور اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو نافرمان ہے۔)"

کسی بھی انسان کے نزدیک محبوب تر اس کے والدین پھر اس کی اولاد پھر بھائی اور پھر دیگر رشتہ دار ہوتے ہیں۔ اتنا بلند اور عالی مرتبہ ہونے کے باوجود اگر انسان ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت زیادہ محبوب سمجھتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے امر الٰہی کی انتظار کا حکم دیا ہے اور اس کے لئے فسق کا حکم صادر کیا ہے۔

اسی طرح انسان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی بھی شئ کی محبت کو مقدم کرنے سے روکا گیا ہے، بلکہ تمام

اشیاء پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو مقدم کرنا واجب ہے۔حتیٰ کہ اس جان سے بھی جو انسان کے دونوں پہلوؤں کے مابین واقع ہے چہ جائیکہ والدین، اولاد اور دیگر تمام لوگوں سے۔

۹۰۲-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''تم میں سے کوئی بھی (کامل) مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''متفق علیہ۔

۹۰۳-آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کوئی بندہ اور ایک روایت کے مطابق کوئی آدمی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے اہل، مال اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''متفق علیہ۔یہ لفظ مسلم شریف کے ہیں۔

۹۰۴-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین اور اولاد سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔'' یہ حدیث امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کی ہے۔

مذکورہ تینوں احادیث میں والدین، اولاد اور دیگر تمام لوگوں کا ذکر ہے۔لہٰذا یہ اقرباء، اہل خاندان اور دیگر مال و منال کو بھی شامل ہیں۔

پھر ان میں کثرت تعداد کی بناء پر والد کو ولد پر مقدم کیا ہے۔کیونکہ بنی آدم میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ ہر ایک کا باپ تو ہے لیکن ہر ایک کا بیٹا موجود نہیں۔ہاں حضرت امام مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ولد کو والد پر مقدم ذکر کیا ہے تو پھر اس کا سبب اس کے لئے بہت زیادہ شفقت ہو سکتی ہے۔واللہ اعلم۔رہا مسئلہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنی ذات پر مقدم کرنے کا۔تو فرمان نبوی ہے۔

۹۰۵-حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری جان کے سوا آپ مجھے ہر شئے سے محبوب ہیں تو یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:'' لا والذی نفسی بیدہ ، حتی اکون احب الیک من نفسک''(نہیں! قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔حتیٰ کہ میں تیرے نزدیک تیری جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاؤں) تو پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی قسم بخدا! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عمر اب درست ہے۔

اسے بخاری نے روایت کیا۔ یہی شان ہے محبت کرنے اور کامل ایمان رکھنے والے بندہ مومن کی، کہ وہ ہر چیز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دیتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی ہر شئی کی محبت سے زیادہ رکھتا ہے۔ اسی کے سبب بندہ مومن دوسروں پر فائق ہے، جب وہ جمادات جو عقل وادراک سے خالی ہیں رب کریم نے ان میں یہ ادراک پیدا فرمادیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں تو پھر کیسے وہ انسان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو ترجیح نہ دے جو عاقل بھی ہے اور مدرک بھی؟ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جبل احد کے ساتھ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت فرمانے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ جو محبت کرتا ہے اسے محبت کی ہی جزا دی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کے بالمقابل وہی چیز لائی گئی جس سے اس نے آغاز کیا تھا، اور جس حالت سے اسے بیان کیا گیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر ۲: کیونکہ جبل احد فی الاصل جنت میں سے ہے اور بندہ مومن جنت کی ہر شئی سے محبت کرتا ہے۔ اس کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

نمبر ۳: کیونکہ احد کا انجام جنت ہے اور آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ارشاد فرمایا ہے۔ اس کا بیان بھی ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔ (کیا احد جنت میں سے ہے یا اس کا انجام جنت ہے۔) واللہ اعلم۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نیچے جبل احد کے کانپنے کا بیان

جب آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کے تنے سے علیحدگی فرمائی، تو وہ اس فراق میں محبت و شوق کے سبب رونے لگا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جبل احد پر تشریف لے گئے تو وہ فرط محبت میں جھولنے لگا۔ لیکن اس اضطراب اور جھومنے میں جبل احد منفرد نہیں بلکہ مکہ مکرمہ میں جبل حرا اور جبل ثبیر نے بھی ایسا ہی کیا۔ اگرچہ لوگوں میں سے بہت سے اہل علم بھی ایسے ہیں جو جبل احد کے اضطراب کے سوا کسی اور سے واقف نہیں۔ لہٰذا میں تینوں پہاڑوں کے متعلق احادیث ذکر کروں گا اور پھر بعض تعلیقات کا ذکر بھی کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۹۰۶- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جبل احد پر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق اعظم اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ تو احد پہاڑ کانپنے لگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں سے اس پر ضرب لگائی اور فرمایا ''اثبت احد ، فما علیک الا نبی او صدیق او شھیدان'' (اے احد ثابت ہو جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ ایک روایت میں لفظ او کی جگہ واؤ ذکر کیا گیا ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۹۰۷- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جبل احد کانپنے لگا درآنحالانکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اعظم اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کے ساتھ اس پر تشریف فرما تھے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے ارشاد فرمایا ''اے احد ٹھہر جا، تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔'' یہ روایت امام احمد، ابویعلی اور ابن حبان وغیرھم نے رجال صحیح سے نقل کی ہے۔

۹۰۸- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بلایا اور ارشاد فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبل احد پر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ احد پہاڑ کانپنے لگا۔ اس حال میں کہ اس پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف فرما تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اے احد! ساکن ہو جا۔ تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔'' اسے عبدالرزاق نے روایت کیا اور اس کے تمام راوی صحیح ہیں۔

۹۰۹- حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس حال میں کہ ہم جبل حراء یا جبل احد پر تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اے حرا یا احد ثابت ہو جا۔ تجھ پر صدیق اور شہید ہے۔ پھر آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب عشرہ کے اسمائے گرامی بیان فرمائے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق اعظم، عثمان ذوالنورین، علی المرتضیٰ، طلحہ، زبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی بیان فرمائے اور ساتھ ہی حضرت سعید رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا۔

یہ روایت اسی طرح شک کے ساتھ حضرت امام احمد نے اپنی مسند میں ذکر کی ہے۔ (حرا یا احد) عنقریب ان کی ایک دوسری روایت بغیر شک کے بھی دوسری سند سے روایت ہوگی۔ اس روایت کی اسناد بھی صحیح ہیں۔

جبل حراء کا بیان

۹۱۰- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جبل حراء پر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ تو چٹان کانپنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''پرسکون ہو جا، تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں۔'' یہ روایت امام مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کی ہے۔

۹۱۱- ایک دوسری روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی ہے۔

۹۱۲- حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ میں نو آدمیوں کے بارے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ جنتی ہیں۔ اور اگر میں دسویں کے بارے بھی شہادت دے دوں تو میں گنہگار نہیں۔ ان سے پوچھا گیا یہ کیسے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم جبل حراء پر حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ (ایک روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حرا جھومنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے حرا ثابت ہو جا بے شک تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی وہ کون ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ابوبکر صدیق، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ پھر پوچھا گیا دسواں کون ہے؟ تو حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے کہا میں۔ اسے احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن ماجہ، حاکم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ اور صحیح قرار دیا ہے اور ابن ابی شیبہ، طیالسی اور ابویعلی وغیرہم نے بھی نقل کیا ہے۔

۹۱۳- حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کے ساتھ پہاڑ پر تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم اور دیگر صحابہ کرام تھے۔ اتنے میں پہاڑ متحرک ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اے حراء ساکن ہو جا۔ بے شک تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں۔''

یہ روایت ابن ابی عاصم نے کتاب السنۃ میں نقل کی ہے اس کے تمام رواۃ ابن لہیعہ کے سوا ثقہ ہیں۔ اس سے روایت کرنے والے مصری ہیں۔ اور یہ روایت حسن بن سفیان، یعقوب بن سفیان، ابن مندہ اور ابن عساکر نے بھی نقل کی ہے۔

۹۱۴- حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم جبل حراء پر تشریف فرما تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم بھی تھے کہ اتنے میں پہاڑ حرکت کرنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اے حراء ثابت ہو جا۔ بے شک تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں'' اسے امام احمد اور ابن ابی عاصم نے روایت کیا۔ اس کے تمام رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۹۱۵- حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی روایت فرماتے ہیں کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ اور گھیراؤ کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اوپر سے لوگوں پر جھانک کر ارشاد فرمایا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ

کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ جب جبل حراء ہمارے سبب کانپنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا ''اے حراء ٹھہر جا تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں؟'' تو لوگوں نے جواباً کہا۔ جی ہاں......الحدیث۔ اسے ترمذی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور دونوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں دارقطنی نے بھی نقل کیا ہے۔

۹۱۶- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جبل حراء پر تشریف فرما تھے کہ پہاڑ کانپنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا ''اے حراء ثابت ہو جا، تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں'' اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد اور حضرت سعید رضی اللہ عنہم پہاڑ پر موجود تھے۔

یہ روایت ابو یعلی، طبرانی نے کبیر میں، ابن ابی عاصم، بغوی اور ابن شاہین نے افراد میں نقل کی ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی نضر بن عبدالرحمٰن الخزار ہے جو متروک الحدیث ہے۔ اس کے بارے امام ترمذی فرماتے ہیں'' کہ بعض محدثین نے نضر پر اعتراض کیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ حدیث صحیح ہے۔''

تنبیہ: ہمارے شیخ شیخ حبیب الرحمٰن نے اس حدیث کی تعلیقات میں المطالب العالیہ میں کہا ہے کہ یہ حدیث کئی اسناد سے مروی ہے اس میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور خلفائے راشدین میں سے تین کا تذکرہ ہے۔ یہ روایت حضرت سہل، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ لیکن یہ روایت مطلق نہیں بلکہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کی حدیث اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جبل احد کے بارے میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں خلفائے ثلاثہ کے علاوہ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت علی، حضرت سعد اور دیگر اصحاب عشرہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہے۔ اسی طرح حضرت ابن ابی سرح کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ علاوہ ازیں بھی اس کے بارے کئی نصوص موجود ہیں۔

جبل ثبیر کا بیان

۹۱۷- حضرت ثمامہ بن حزن القشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں اس وقت حاضر تھا جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے اوپر سے جھانک کر ارشاد فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی قسم دے کر کہتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ مکہ مکرمہ میں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کوہ ثبیر پر تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اتنے میں پہاڑ حرکت کرنے لگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا پاؤں مبارک زور سے

اس پر مارا اور ارشاد فرمایا ''اے ثبیر ساکن ہو جا۔ بے شک تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں؟'' تو لوگوں نے کہا، اللہ کی قسم۔ جی ہاں! ہم جانتے ہیں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ اکبر۔ رب کعبہ کی قسم میرے لئے گواہ ہو جاؤ۔ میں شہید ہوں'' یہ روایت امام ترمذی، نسائی اور دار قطنی نے نقل کی ہے اور ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

۹۱۸- امام نسائی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روایت اسی طرح نقل کی ہے۔ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں، کہ کئی لوگوں نے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا، جب پہاڑ نے حرکت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنے پاؤں سے ٹھوکر لگائی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا'' ساکن ہو جا۔ بے شک تجھ پر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں'' درآنحالانکہ اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ تو لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تصدیق کی......الحدیث۔

اس روایت میں راوی کا قول ''یوم الجبل'' تین امور کا احتمال رکھتا ہے یعنی احد، حراء اور ثبیر'' واللہ اعلم۔ لیکن اس میں ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد جبل حراء ہے۔ کیونکہ دار قطنی نے نسائی کی سند سے یہ روایت نقل کی ہے اور اس کا عطف حراء پر کیا ہے۔ پھر آخر تک اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: میں نے ایک اہم ترین امر کے لئے مختلف روایات ذکر کی ہیں تا کہ یہ معلوم ہو کہ آیا واقعہ ایک ہے۔ یا متعدد ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اس کا بیان ہوگا۔

ان احادیث میں متعدد مسائل ہیں

نمبرا: واقعہ کا متعدد ہونا

مذکورہ بالا احادیث طیبات میں غور کرنے سے مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ہوتی ہے وہ روایان جو جبل احد کے اضطراب کے بارے مذکور ہیں ان میں صرف خلفائے ثلاثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی موجود ہیں، جیسا کہ حضرت انس کی روایت، حضرت سہیل بن سعد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی روایت میں ایسا ہی ہے۔

وہ روایات جو جبل حراء کے اضطراب کے بارے مذکور ہیں ان میں نسبتاً کثیر اسماء موجود ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت عثمان ذوالنورین، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم۔ مسلم کی دوسری روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور آپ ہی کی ایک روایت میں حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا ذکر بھی ہے۔ اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صرف تین اصحاب کا ہی ذکر ہے۔ جن کا

ذکر جبل احد کی روایات میں ہو چکا ہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نہ تو معین تعداد کا ذکر ہے اور نہ مذکورہ اسماء میں سے کوئی نام مذکور ہے۔

اور وہ روایات جو جبل ثبیر کے بارے وارد ہیں۔ ان میں صرف ان ہی تین اصحاب کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔ جن کا ذکر جبل احد کے واقعہ میں گزر چکا ہے۔

اب نتیجہ یہ ہے، کہ مذکورہ روایات کے مابین کوئی تعارض موجود نہیں کیونکہ ان کے مخارج، اعداد بلکہ اشخاص بھی مختلف ہیں۔ اس لئے یہ احادیث واقعہ کے متعدد بار ہونے پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان میں اشخاص کی تعداد مختلف ہے۔ مثلاً جبل احد سے متعلقہ روایات میں صرف تین ہے۔ جبل حراء سے متعلقہ روایات میں وہ تعداد نو ہے۔ یعنی (دس) میں سے ایک کم ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں استیعاب کا قصد ہی نہیں کیا، کیونکہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی موجودین میں سے ایک تھے۔ مصنف نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ان کے رد میں بیان کی ہے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر طعن کیا ہے اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حاضری کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے والی مقرر ہوئے تھے۔ پس انہوں نے حضرت ابو عبیدہ بن جراح کے سوا تمام کا ذکر کیا ہے۔ پس ان روایات میں سے کسی میں بھی انہوں نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے بارے کہا جاتا ہے۔ کہ آپ نے تمام موجود افراد کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ ان میں سے بعض کا ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

مذکورہ بالا تمام بحث واقعہ کے متعدد بار ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی یہی خیال ہے۔

نمبر ۲: روایات اور بعض الفاظ کا مختلف ہونا

حضرت انس، حضرت سہل، حضرت عثمان، حضرت سعید کی روایات اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی تیسری روایت میں الفاظ یہ ہیں۔ "نبی و صدیق و شهیدان"

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت اور حضرت سعید بن زید، حضرت ابو ہریرہ، حضرت بریدہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی روایات میں یہ الفاظ ہیں۔ "نبی او صدیق او شهید" اور بعض روایات میں "او شهیدان" کے الفاظ ہیں۔

ان روایات کے مابین کوئی تعارض موجود نہیں۔ کیونکہ او یہ احتمال رکھتا ہے کہ یہ تنویع (مختلف قسمیں بیان کرنے کے لئے) ہو یا پھر بمعنی واؤ ہو۔ اس کے بارے یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ لفظ او تغیر اسلوب کے سبب حال کی تبدیلی کا احساس دلانے کے لئے ہے کیونکہ اس وقت صفت نبوت اور صفت صدیقیت تو حاصل ہو چکی تھیں۔ کیونکہ نبوت حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پہاڑ پر چڑھنے کے دن ثابت تھی۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی وصف صدیقیت سے متصف ہو چکے تھے، جبکہ صفت شہادۃ ابھی تک حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے لئے ثابت نہیں ہوئی تھی۔ یہی کیفیت واقعہ احد اور واقعہ حراء دونوں میں تھی۔

دوسری روایات میں لفظ شہید کا واقع ہونا جنس بیان کرنے کے لئے ہے۔ یہ لفظ کسی کی تعیین کے لئے نہیں۔ جیسا کہ پہلی روایات میں الفاظ تعیین کے لئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

نمبر ۳: حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے معجزہ کا اظہار

مذکورہ احادیث میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے معجزہ بلکہ معجزات کا اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور ایمان کے باعث ان کے صدق کی خبر دی اور فرمایا "صدیق" جبل احد کے واقعہ میں حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت کی خبر دی۔ لہٰذا انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد شہید کر دیا گیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے خبر دی تھی۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر بھی دی جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے۔ جو کہ صحیح مسلم اور دیگر کتب میں مذکور ہے۔ چنانچہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع کے مطابق انہیں شہید کر دیا گیا۔ اور ان کی شہادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وقوع پذیر ہوئی۔ آپ نے "شہیدان یا شہید" کے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کے کانپنے کے بعد اسے ثابت رہنے کا حکم ارشاد فرمایا اور اپنے پاؤں مبارک سے اس پر ضرب بھی لگائی تو نتیجتاً وہ ساکن ہو گیا۔

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی معجزات کا ذکر ہے۔ مثلاً

نمبر ۱: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کی خبر دی۔ لہٰذا وہ تمام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوا شہید ہوئے۔ حضرت عمر، حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کو ظلماً قتل کیا گیا اس لئے وہ تمام شہید ہیں۔ حضرت عمر، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی شہادت تو مشہور و معروف ہے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بصرہ کے قریب وادی سباع میں قتل کیا گیا، جبکہ آپ قتال کو چھوڑ کر واپس آ رہے تھے۔ اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ قتال چھوڑ کر لوگوں سے علیحدہ ہوئے تو انہیں ایک تیر آ لگا اور اسی کے سبب آپ مقتول ہوئے اور یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جسے ظلماً قتل کر دیا جائے وہ شہید ہوتا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ آخرت کے احکام میں شہداء ہیں اور ان کے لئے شہداء کا اجر عظیم ہوگا، جبکہ دنیوی احکام میں انہیں غسل بھی دیا جائے گا اور ان پر نماز جنازہ بھی پڑھی جائے گی۔

نمبر ۲: اس حدیث میں ان اصحاب کی فضیلت کا ذکر ہے۔

نمبر ۳: اس میں پتھروں کے لئے متمیز ہونے کا اثبات بھی ہے۔

نمبر ۴: اس میں یہ بھی ہے کہ کسی آدمی کی تعریف اور اس کے تزکیہ کا اظہار اس کے سامنے کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس کے بارے تکبر میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ ہو۔

اور دوسری روایت میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جو ذکر شہداء میں کیا گیا ہے اس کے بارے حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں شہید اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ ان کے بارے جنت کی شہادت دی گئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کے بارے بھی یہی کچھ کہا جائے گا جیسا کہ حضرت سعد بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے یا پھر اس کے بغیر کچھ کہا جائے گا واللہ اعلم۔

نمبر ۴: پہاڑ کا جھومنا

ان احادیث طیبات میں پہاڑ کے جھومنے کا ذکر بھی ہے اور آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد ساکن ہونے کا بھی۔ یہی امر پہاڑ کے ادراک پر دلالت کرتا ہے کیونکہ پہاڑ کا یہ جھومنا فرحت و مسرت کے سبب تھا نہ کہ یہ کوئی زلزلہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم پا کر ساکن ہو گیا۔ اس کی وضاحت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ پہاڑ کی محبت کے بیان میں گزر چکی ہے۔

حضرت قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ چٹان کے حرکت کرنے والی حدیث جسے ابویعلیٰ نے روایت کیا یا پہاڑ کے جھومنے والی حدیث۔ جسے کئی دوسروں نے نقل کیا ہے۔ ان کے بارے ایسا آدمی جو شریعت کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہو اور حدیث طیبہ پڑھنے کا قصد کرتا ہو۔ لیکن اس کے باوجود دین کے بارے شک کرتے ہوئے یہ کہتا ہو۔ کہ یہ زلزلہ تھا تو رب کریم اس کا دل متزلزل کر دیتے ہیں۔ اور اس سے دین کی خلعت اتار دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایسی آیات باہرہ اور دلائل ظاہرہ بھی اسے واپس نہیں لا سکتیں۔ جو اہل عقل پر غالب آئیں اور ان کی گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں۔ ہم نے ان میں سے ''انوار الفجر'' کو بھرنے کے لئے ہزار دلائل ذکر کئے ہیں۔

بے شک چٹان مضطرب ہوئی اور پہاڑ جھوما، مگر اس شرف و عظمت کی تعظیم کے لئے جوان پر ہوا، اور ان عالی بخت اور بلند عظمت افراد کی تعظیم کے لئے جوان پر قدم رنجہ فرما ہوئے۔

ان احادیث نے ایک عظیم فائدہ یہ دیا ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم، حضرت عثمان غنی، حضرت علی،

حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم تمام کے تمام شہید ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عظیم نبی ہیں۔ یہ شہادۃ ان تمام شہداء کے لئے ثابت ہے۔ اگر چہ اس کے اسباب اور وجوہات مختلف اور متفرق ہیں۔ لیکن اس شرف صحبت میں ان تمام کا جمع ہونا ان کی عظمت شان اور جلالت قدر کو ظاہر کرتا ہے۔

آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کو پر سکون رہنے کا حکم ہی اس لئے دیا کہ اس پر قدم رکھنے والے ذی شرف اور ذی عظمت تھے۔

اے علم دین کی جستجو کرنے والو! کیا اس کے بعد بھی ایسے آدمی کے لئے مزید وضاحت کی ضرورت ہے جو اپنا دل رکھتا ہے؟ پھر کیا ہے تمہیں، کہ تم ان کے درمیان مداخلت کرتے ہو، اس واقعہ کے بارے بحث کرتے ہو جو انہیں پیش آیا اور پھر کسی کو ترجیح دیتے ہو، کسی کو مقدم اور کسی کو مؤخر کرتے ہو اور پھر کسی سے محبت اور کسی سے بغض کا اظہار کرتے ہو۔ گویا کہ تم اپنے مقام ومرتبہ کو جانتے ہی نہیں۔ اور نہ ہی تم اپنے مقام کو لازم پکڑتے ہو۔ حتیٰ کہ حضرت عثمان غنی، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کی طرف جھل و فضول باتوں کی نسبت میں انتہا کو پہنچ جاتے ہو اور تم گفتگو میں حمیت کے سبب تعصب پر اتر آتے ہو۔ کیا یہ جادو ہے یا تم جانتے نہیں؟۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرات ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے سبب پہاڑ جھوما۔ انہیں کے سبب مکہ مکرمہ میں جبل حراء جھوما اور مدینہ طیبہ میں جبل احد وجد کناں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے فضل وکمال کے بارے دو مرتبہ ہمیں خبر دار کیا، اس واقعہ کے ساتھ ان کے مقام ومرتبہ کو دو چند کر دیا اور اسے دونوں پہاڑوں میں راسخ کر دیا۔

پہاڑوں کی یہ کپکپی زلزلہ اور غضب کے باعث نہیں تھی بلکہ یہ تو اظہار طرب میں جھومنا تھا۔ جبکہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اشراف قوم کے ساتھ ان پر قدم رنجا فرما ہوئے۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے سبب مضطرب ہونے والے پہاڑ کے واقعہ سے بالکل مختلف تھا۔ کیونکہ انہوں نے کلمات میں تحریف کی تھی۔ اس لئے اس کا اضطراب غصے کے سبب تھا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

امام قسطلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ابن منیر کہتے ہیں اس میں حکمت یہ ہے کہ جب پہاڑ مضطرب ہوا تو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا کہ یہ اضطراب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے سبب مضطرب ہونے والے پہاڑ کی جنس سے نہیں۔ بلکہ وہ اضطراب غضب تھا اور یہ اضطراب طرب ہے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقام نبوت، صدیقیت اور شہادۃ کا اظہار فرمایا کہ یہ جس کے ساتھ متصل بھی ہو جائے اس کے لئے بھی باعث فرحت وسرور ہو جائے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کو ٹھہرنے کا حکم ارشاد فرمایا تو وہ ساکن ہو گیا۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

و مال حراء تحته فرحاً بہٖ فلولا مقالٌ اسکن تضعضع و انقضا

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نیچے حراء فرحت و انبساط میں جھومنے لگا۔ اگر "اسکن" کا کلمہ نہ ہوتا تو وہ عاجزی کرتے کرتے ریزہ ریزہ ہوجاتا)

اس میں قائل نے صرف حراء کا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مضطرب ہونے والی جگہ کے بارے اختلاف ہے لیکن ارجح یہی ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار ہوا جیسا کہ پہلے مسئلہ میں گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

معترض یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ جب پہاڑ پر چڑھتے وقت اس کے فرحت و مسرت میں جھومنے کے سبب اشراف امت کے اوصاف وکمالات کا اظہار ہے تو پھر اسے ساکن رہنے کا حکم کیوں دیا؟۔

علامہ شیخ رشید گنگوہی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا جواب اپنے اس قول سے دیا ہے کہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فانما علیک نبی و صدیق ......الخ" کو پہاڑ کے ثابت اور ساکن ہونے کی علت بنانا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تو وارفتہ ہوا ہی اس لئے تھا کہ یہ ان اوصاف سے متصف ہیں۔ اور جب یہ اس پر تشریف لے گئے وہ ان کی ملاقات سے مشرف ہوا تو یہ اس کے عالم وارفتگی میں جھومنے میں اضافہ کرنے کا سبب ہے۔

لہٰذا جواب یہ ہے کہ جب پہاڑ ان عظیم ہستیوں کے مقام و مرتبہ سے واقف ہوگیا۔ تو اب اس کے ذمہ لازم ہے کہ وہ انہیں ایذا پہنچانے کا سبب نہ بنے۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ساکن رہنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

وہ ان کے سبب خوش ہو کر وجد کرنے لگا اور ان کے آنے کے باعث فرحت میں جھومنے لگا، اسی لئے آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اوصاف کے بارے اسے مطلع کیا تا کہ یہ ان کی اذیت کا سبب نہ بن جائے۔ درآنحالانکہ وہ اس کے اوپر تشریف فرما ہیں۔ مسلسل مضطرب رہنے کے سبب باعث اذیت ہو سکتا تھا۔ حالانکہ اس پر نبی، صدیق اور شہید تھے اور یہ درجہ کے اعتبار سے تمام انسانوں میں اعلیٰ درجہ کے صالحین ومقربین تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر ۵: آپ ﷺ کا ان کے ساتھ عاقل کی مثل معاملہ فرمانا

آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے پہاڑ کے ساتھ معاملہ ایسے ہی کیا۔ جیسے اہل عقل، مدرک ممیز کے ساتھ کیا جاتا ہے اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا" اثبت احد ، اثبت حراء ، اسکن ثبیر "اسی طرح خطاب اہل عقل کو کیا جاتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنے پاؤں مبارک سے ضرب لگائی۔ تو ایسا کرنا بھی اسی امر کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایسا معاملہ کیا جیسے مدرک عقلمند سے کیا جاتا ہے۔ اور ایسی ہی شان کا اظہار اس وقت بھی ہوا۔ جب کھجور کا تنا رویا، منبر مضطرب ہوا، کنکریوں نے تسبیح بیان کی اور ٹہنیوں نے جھک کر سلام عرض کیا......

واللہ تعالیٰ اعلم

نمبر ۶: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں کے سبب جھومنے والے پہاڑ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے سبب کانپنے والے پہاڑ کے درمیان فرق

جب حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بلند مرتبہ اور ذی شرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ جبل احد، حراء اور ثبیر پر تشریف فرما ہوئے تو وہ ان باعظمت افراد کو اپنے اوپر دیکھ کر فرحت ومسرت اور خوشی میں جھوم جھوم کر وجد کرنے لگے۔ اور پھر جب آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اوصاف سے انہیں آگاہ کیا تو وہ ساکن ہو گئے۔ تاکہ یہ حرکت ان کے لئے باعث تکلیف نہ ہو۔ اور وہ اس کے سبب معمولی اذیت میں بھی مبتلا نہ ہوں۔ الحمد للہ۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا معاملہ بالکل اس کے برعکس تھا۔ انہوں نے بچھڑے کی پوجا کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ انہیں ظاہراً رب کریم کا دیدار کرائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر افراد چنے۔ تاکہ وہ اپنی قوم کی طرف سے اپنے رب کریم کے حضور معذرت پیش کریں۔ لیکن انہوں نے معذرت کی بجائے رؤیت کا مطالبہ کر دیا۔ پس رب کریم ان پر غضبناک ہوئے، اور انہیں کے سبب پہاڑ کانپنے لگا۔ پھر انہیں بجلی کی ایک کڑک نے آلیا، تو یہ تمام فوت ہو گئے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کریم کی بارگاہ میں انہیں زندہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ اور یہ کہا، کہ میں بنی اسرائیل کو کیا کہوں گا، کہ میں نے ان کے سرداروں کو ہلاک کر دیا۔ تو رب کریم نے پھر انہیں زندہ فرما دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں رب کریم ارشاد فرماتے ہیں۔

وَ اخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَ اِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ

(الاعراف: ۱۵۵)

" (اور چن لئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر آدمی ہمارے وعدہ ملاقات کے لئے۔ پھر جب پکڑ لیا انہیں زلزلہ (کے جھٹکوں) نے، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب! اگر تو چاہتا تو ہلاک کر دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے بھی کیا تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (غلطی) کے جو کی (چند) احمقوں نے ہم سے۔ نہیں ہے یہ مگر تیری آزمائش۔ تو گمراہ کرتا ہے

اس سے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔ تو ہی ہمارا کارفرما ہے۔ بخش دے ہم کو اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے)۔" (جمال القرآن)

رب کریم مزید ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ (البقرہ:۵۴۔۵۶)

"(اور یاد کرو جب کہا موسیٰ (علیہ السلام نے) اپنی قوم سے اے میری قوم! بے شک تم نے ظلم ڈھایا اپنے آپ پر بچھڑے کو (خدا) بنا کر پس چاہئے کہ توبہ کرو اپنے خالق کے حضور، سو قتل کرو اپنوں کو (جنہوں نے شرک کیا) یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک۔ پھر حق تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہی توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے، اور یاد کرو جب تم نے کہا اے موسیٰ! ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے تجھ پر جب تک ہم نہ دیکھ لیں اللہ کو ظاہر۔ پس (اس گستاخی پر) آلیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر ہم نے جلد اٹھایا تمہیں مر جانے کے بعد کہ کہیں تم شکر گزار بنو)۔" (جمال القرآن)

اضطراب کی ان دونوں حالتوں کے درمیان واضح فرق ہے۔ پہلی صورت میں حرکت و اضطراب فرحت و مسرت کے سبب ہے۔ اسی لئے اس میں کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ جبکہ دوسری صورت میں غضب و انتقام کے سبب پہاڑ کانپنے لگا۔ اس لئے وہ تمام کے تمام مر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مطالبہ کے بعد زندہ فرما دیا۔ حالانکہ ہر دو صورت میں اللہ تعالیٰ کا مقرب نبی ان کے ساتھ تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نمبر ۷: پہاڑ، تنے اور منبر کی کیفیت کے درمیان فرق

اس سے قبل کھجور کے تنے کے رونے اور منبر کے کانپنے کا ذکر گزر چکا ہے اور اب پہاڑ کے اضطراب کا ذکر جاری ہے۔ یہ تمام کے تمام ایک امر میں تو متفق ہیں لیکن ایک دوسرے اعتبار سے باہم مختلف بھی ہیں۔

(۱) وہ امر جو ان تمام کے درمیان مشترک ہے وہ یہ ہے کہ ان کا عرف اور عادت کے برعکس مضطرب ہونا، حرکت کرنا اور بولنا۔ یہ امر اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں ادراک پیدا فرمایا ہے اور ان میں تمیز کی استعداد رکھ دی ہے۔ اس کا تفصیلی ذکر قبل ازیں گزر چکا ہے۔

(۲) وہ امر جس کے بارے یہ باہم مختلف ہیں وہ یہ ہے۔ کہ کون سا وہ سبب ہے جس نے انہیں اس اضطراب اور حرکت پر برانگیختہ کیا؟

کھجور کا تنا اس وقت رویا، جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ آپ کئی سال تک اس کے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے رہے۔ جب منبر شریف تیار ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے علیحدہ ہو گئے جس پر وہ صبر نہ کر سکا اور حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور آپ کے فراق کے غم میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اگرچہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بالکل قلیل فاصلے یعنی تقریباً چار میٹر کے فاصلے پر تشریف فرما ہوئے۔ لیکن اس پر بھی وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں صبر کا دامن نہ تھام سکا۔ اور اس کی پسند صرف یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ تکیہ لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے رہیں۔ پس یہی وہ امر ہے جس نے اسے رونے پر مجبور کیا تھا۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت وشوق میں رونا اور آپ کے فراق میں حزن و ملال کا اظہار کرنا۔ اور یہ امر اہل محبت واشتیاق کے لئے باعث عبرت بن گیا۔

لیکن پہاڑ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے بارے خود آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ پہاڑ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ پہاڑ سے محبت فرماتے ہیں۔ لہٰذا جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تشریف لے گئے تو وہ خوشی سے جھومنے لگا۔ فرحت کے باعث مضطرب ہو گیا اور حالت سرور میں حرکت کرنے لگا۔ چنانچہ اس طرح اس نے اپنے پاس تشریف لانے والوں سے اظہار محبت وشوق کیا۔ یہاں تک کہ پھر آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنے پاؤں مبارک سے ضرب لگائی۔ اور اسے پر سکون رہنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ کہ کامل محبت کرنے والوں کا یہ حال نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور فوراً ساکن ہو گیا جبکہ اس سے قبل وہ متحرک تھا۔ اس میں قرار آ گیا جبکہ اس سے قبل وہ کانپ رہا تھا اور وہ پر سکون ہو گیا جبکہ اس سے قبل وہ مضطرب تھا۔

اگرچہ کھجور کے تنے اور پہاڑ دونوں نے محبت وشوق کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اس کا اظہار کھجور کے تنے نے اس وقت کیا۔ جب آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اسے چھوڑ کر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ لیکن اس سے قبل کبھی بھی اس نے اضطراب کا اظہار نہیں کیا۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس سے تکیہ لگا کر تشریف فرما ہوتے۔ جس کے باعث اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتہائی قرب حاصل تھا۔ جبکہ اس کے برعکس پہاڑ نے محبت کا اظہار اس وقت کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر تشریف لے گئے اور اس نے بھی پہلی بار ایسا کیا کیونکہ حرکت واضطراب کے بغیر وہ کسی اور پر قادر نہیں تھا۔ واللہ اعلم

لیکن منبر شریف کا حال ان تمام سے مختلف ہے۔ واللہ اعلم۔

کیونکہ اس کے اضطراب اور کانپنے کا سبب خوف اور ڈر تھا کیونکہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس پر

تشریف فرما ہوکر ایسی آیات تلاوت فرماتے، جن میں اس حال کا بیان ہوتا۔ جو کفار کا اپنے رب کے ساتھ ہے۔ کہ وہ اس کی اس طرح قدر نہیں کرتے جیسے قدر کا حق ہے۔ اور اس کے ساتھ غیر کی عبادت کرتے ہیں۔ جبکہ رب کریم اتنا عظیم ہے۔ کہ اس سے بڑھ کر کوئی عظمت والا نہیں، وہ ہر شئ پر قادر ہے۔ ہر شئ کا مالک ہے۔ اور ہر شئ اس کے اختیار اور قدرت کے تحت ہے۔ اور ان آیات میں قیامت کے دن اس کائنات کی کیفیت کا بیان ہوتا۔ اس طرح کہ ساری زمین رب کریم کے قبضہ میں ہے۔ اور اس میں منبر بھی ہے۔ اور تمام آسمان اس وقت لپیٹ دیئے جائیں گے۔ تو پھر اس شدید اور خوفناک کڑک کے بعد کیا ہوگا؟ لہٰذا اس کے سبب اس پر اتنی شدید کپکپی طاری ہوتی، کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ خوف ہونے لگتا، کہ کہیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم منبر سے نیچے نہ گر جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منبر شریف کی حالت تنے اور پہاڑ کی حالت سے مختلف ہے۔ اگرچہ تمیز، ادراک اور اثر قبول کرنے میں یہ ان ہی کی مثل ہے۔ کیونکہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت تو اسے کانپنے پر ابھارتی تھی۔ جبکہ اگر کوئی اور تلاوت کرتا تو وہ قطعاً نہ کانپتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جیسا کہ یہ امر واقعہ ہے کہ کھجور کا تنا رویا اور خاموش تب ہوا، جب آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا اور اسے اپنے ساتھ ملایا۔ اسی طرح پہاڑ مضطرب ہوا۔ اور جب آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاؤں مبارک سے اس پر ضرب لگائی تو وہ ساکن ہو گیا۔ لیکن منبر کے بارے ایسی کوئی نص موجود نہیں۔ شاید ایسا اس لئے ہوا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ اور تنے کے ساتھ ایسا نہ کرتے۔ تو تنا اپنی اسی کیفیت پر باقی رہتا۔ جیسا کہ اس پر نص موجود ہے اور پہاڑ کے بارے میں بھی یہی احتمال ہے کہ وہ اسی حالت پر باقی رہتا۔ جبکہ منبر شریف کے بارے ایسا نہیں۔ کیونکہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا سکوت فرمانا، اس کے لئے باعث راحت و سکون ہوتا، اور اس سے خوف اور ہیبت کو زائل کر دیتا۔ واللہ اعلم

یہ معلوم شدہ امر ہے کہ یہ تینوں جنت میں ہوں گے۔ جیسا کہ تنے اور منبر شریف کے بارے پہلے گزر چکا ہے اور پہاڑ کے بارے ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گا۔ واللہ اعلم۔

نمبر ۸: پہاڑ کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کرنا

پہاڑوں نے حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی، اور ساکن ہو گئے۔ ان ہی کی مثل جذع کی کیفیت بھی ہے کہ وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ساکن ہو گیا۔ اسی طرح درختوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، اور اپنی جگہ سے نکل آئے۔ یہی حال کھجور کے خوشے کا ہے کہ وہ نیچے اترا، سلام عرض کیا اور واپس لوٹ گیا۔ اور یہی شان بادل کی ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ پا کر متفرق ہو گیا۔ یہ تمام واقعات صحیح روایات کے ساتھ صحیحین اور دیگر کتب میں موجود ہیں۔ اور میں نے انہیں ''فی

شوق الجمادات و استجا بتها له صلی الله علیه وسلم ''کے عنوان کے تحت بیان کیا ہے۔

جب جمادات آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل اور اطاعت کرتے تھے تو پھر انسان کو کیا ہے جو محترم بھی ہے اور عاقل بھی؟ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہی اعانت وتوفیق کا خواستگار ہوں۔

نمبر۹: حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا ان پہاڑوں کی زیارت فرمانا

مذکورہ نصوص صراحتہً اس امر پر دلالت کرتی ہیں، کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کے بعد ان پہاڑوں (حراء، ثبیر، احد) کی زیارت فرمائی۔ اس پر آپ کے ارشاد گرامی کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں ''نبی ، صدیق، شهید ''نبوت ثابت نہیں ہوتی مگر بعثت کے بعد، اور آپ مبشر نہیں ہو سکتے مگر صحابہ کے اسلام لانے کے بعد، (ابوبکر) صدیق نہیں بن سکتے مگر اپنے اسلام لانے کے بعد، اور نہ ہی دوسرے شہداء بن سکتے ہیں مگر اپنے اسلام قبول کرنے کے بعد۔ لہٰذا جنہوں نے ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسلام لانے کو پہچان لیا، انہوں نے یہ بھی جان لیا، کہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ان پہاڑوں (حراء اور ثبیر) پر بعثت کے کئی سال بعد تشریف لے گئے۔

اور جہاں تک جبل احد کا تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد اس پر تشریف فرما ہوئے اور جبل احد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم متعدد بار تشریف لے گئے۔ جیسا کہ محجن بن ادرع اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی احادیث (رقم ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴) کے تحت گزر چکی ہیں۔ ان دونوں روایات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہاڑ پر چڑھنے کا ذکر ہے۔ ان کے ساتھ کئی دوسری احادیث بھی ہیں۔ واللہ اعلم۔

جبل حراء اور ثبیر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے تشریف لے گئے یا بعد؟ اس کے بارے میری نظر سے کوئی نص نہیں گزری۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں کہتا ہوں۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جبل ثبیر کی مجاورت میں رہائش اختیار فرمائی تھی۔ شاید جبل ثبیر کے اس اعزاز نے ہی آپ کو اس کی مجاورت میں رہنے پر برانگیختہ کیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

جبل احد کے جنت میں ہونے کا بیان

جبل احد کے فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہوگا۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جیسا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے اعزاز ہے، کہ وہ جنت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، وہ تو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت فرماتے ہیں اور محبت کی جزاء یہی ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی سے محبت فرماتے ہیں جو اچھا ہو، صالح ہو اور بہتر ہو۔

کیونکہ آدمی کا انجام اسی کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

۹۱۹- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ''بے شک جبل احد ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور وہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہوگا۔ اور عیر جہنم کے دروازوں، میں سے ایک دروازہ پر ہوگا'' اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن مکنف ہے۔ اس کے بارے حافظ ابن حجر نے ''التقریب'' میں کہا ہے کہ وہ مجہول ہے لیکن یہی حدیث علامہ ابن عبدالبر نے ''التمہید'' میں ایک دوسری سند سے نقل کی ہے۔ اور آگے آنے والی ابی عبس کی روایت بھی اسی حدیث کی شاہد ہے۔

۹۲۰- حضرت ابی عبس بن جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل احد کے بارے میں ارشادفرمایا'' یہ پہاڑ ہے جو ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہوگا۔ اور یہ عیر ہے جو ہم سے بغض رکھتا ہے اور ہم اسے ناپسند کرتے ہیں۔ یہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہوگا'' یہ روایت طبرانی نے کبیر اور اوسط میں، اور بزار نے نقل کی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۹۲۱- حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا'' جبل احد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہوگا۔ جب تم اس کے پاس سے گزرو، تو اس کے درختوں سے کھاؤ، اگر چہ وہ کانٹے دار ہی ہوں''

یہ حدیث ابن شبہ، عبدالرزاق، طبرانی اور جندی نے روایت کی ہے۔

میں نے پہلے باب میں سرداران احناف کا رد کرتے وقت یہ بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول'' فاذا مررتم به فكلوا من شجره ...... '' مرفوع نہیں، بلکہ یہ موقوف ہے۔ وہاں سے ملاحظہ فرما لیں۔ جبکہ حدیث طیبہ کا اول جز مرفوع ہے۔ اور اس کی شاہد سابقہ روایات ہیں۔ اور اس میں زائد یہ ہے ''جبل يحبنا و نحبه'' اور یہ بھی صحیح میں ہے۔ میں نے اس حدیث کی مفصل بحث وہاں لکھ دی ہے۔ اور یہاں اسے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر چاہیں تو وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

۹۲۲- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا ''کہ جبل احد جنت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے'' اسے ابو یعلی اور طبرانی نے الکبیر میں نقل کیا ہے۔ ان دونوں کی اسناد میں ایک راوی عبداللہ بن جعفر ہے۔ جو علی بن مدینی کے والد ہیں اور ضعیف ہیں۔ لیکن اس کی شاہد سابقہ حدیث ہے۔

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں یہ ہے کہ'' احد پہاڑ ہم سے

محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے" یہ روایت ابن شبہ اور طبرانی نے نقل کی ہے۔ ان دونوں کی اسناد میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ہے۔ جو ضعیف ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ اس کی شاہد بھی سابقہ حدیث ہی ہے۔

۹۲۳- ابن شبہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے۔ کہ انہوں نے کہا" جب ہم نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ غزوہ خیبر سے واپس آرہے تھے۔ جونہی احد پہاڑ ہمارے سامنے ظاہر ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ بے شک یہ احد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہوگا" اس کی سند میں ایک راوی یحییٰ بن عبیداللہ ہے۔ اسے یحییٰ نے ثقہ کہا ہے اور کثیر محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس میں ایسا راوی بھی ہے جسے میں اب تک نہیں پہچان سکا۔

۹۲۴- حضرت داؤد بن حصین حضرت ابویعلی سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" کہ احد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے اور عیر جہنم کے ارکان میں سے ایک رکن ہے" یہ روایت عبدالرزاق نے نقل کی ہے اور یہ مرسل ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابن ابی یحییٰ ہے۔ اور یہی روایت ابن شبہ نے ابن ابی حبیبہ کی سند سے داؤد سے نقل کی ہے۔ اس سند کے سبب ابن ابی یحییٰ کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ہونے والی کمی پوری ہوگئی۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے اور اس کی شاہد حدیث ابی عبس اور حدیث انس ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ وہ نصوص ہیں جن میں سے بعض بعض کی کمی کو پورا کرتی ہیں اور ایک دوسرے کی مضبوطی کا باعث بنتی ہیں۔ یہ تمام اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جبل احد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہوگا اور یہ جنت کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ بخلاف جبل عیر کے، کہ وہ آگ کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

ترعۃ کا معنی دروازہ ہے،

ایسا اس لئے ہے کہ جبل احد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت فرماتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ آیا جبل احد اب جنت کے دروازے پر ہے یا مستقبل میں جنت کے دروازے پر ہوگا؟ اس کے بارے کوئی صریح نص تو موجود نہیں۔ البتہ ظاہر یہ ہے کہ یہ جنت کے دروازے پر ہوگا۔ جیسا کہ منبر شریف کا حال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شہداء احد کا بیان

جبل احد کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ غزوہ احد اس کے دامن میں وقوع پذیر ہوا۔ یہ غزوہ

مسلمانوں اور کفار قریش کے مابین واقع ہوا۔ مسلمانوں کے قائد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور کفار کا قائد ابوسفیان تھا۔ معرکہ اختتام پذیر ہوا لیکن کفار قریش کا مقتولین بدر کے انتقام کے سوا کوئی مقصد پورا نہ ہوا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ غزوہ احد میں اسلامی لشکر میں ستر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے جام شہادت نوش کیا۔ اور ان میں رأس المسلمین عم النبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

شہداء احد کے اسماء اور فضائل ذکر کرنے سے قبل انتہائی اختصار کے ساتھ میں غزوہ احد کے بارے میں ذکر کروں گا۔ اور صرف وہی کچھ بیان کروں گا جو احادیث اور کتب سیر میں موجود ہے۔

غزوہ احد کا مختصر ذکر

جب کفار قریش غزوہ بدر سے اس طرح واپس لوٹے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تلواروں کے سبب ان کے ستر سرداروں کو قتل کر دیا اور مسلمانوں نے ان کے ستر افراد کو قیدی بھی بنالیا۔ اور ادھر ابوسفیان اپنے قافلے اور سامان تجارت کے ساتھ واپس پہنچا۔ تو انہوں نے ابوسفیان اور ہر اس آدمی سے جس کا قافلے میں مال موجود تھا، یہ گفتگو کی۔ کہ اپنے مال کے نفع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ لڑنے کے لئے تعاون کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جنگ کے لئے ایک لشکر جرار تیار کیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے نواحی قبائل میں سے بھی حسب استطاعت مدد طلب کی اور انہیں بھی اپنے ساتھ جنگ میں شامل کیا مثلاً احابیش اور ان کے متبعین بنی کنانہ اور اہل تھامہ وغیرہ اور وہ اپنے ساتھ عورتوں کو بھی میدان جنگ کی طرف لائے تا کہ یہ میدان سے نہ بھاگیں۔ جمہور علماء کے قول کے مطابق کفار قریش کا یہ لشکر ابوسفیان کی قیادت میں شوال ۳ھ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوا۔ اور جبل احد کے قریب وادی کے بطن میں اترا۔

ادھر مسلمانوں میں ایسے افراد بھی تھے جنہیں غزوہ بدر میں حاضر نہ ہونے کا افسوس تھا۔ چنانچہ وہ دشمن سے ملاقات کے متمنی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کی رات خواب دیکھا۔ جب صبح ہوئی تو فرمایا۔ میں نے گزشتہ رات عالم خواب میں ایک گائے کو ذبح ہوتے دیکھا ہے۔ واللّٰہ خیر وابقٰی۔ اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار ذوالفقار کی دھار ٹوٹ گئی ہے۔ یا یہ فرمایا کہ اس میں دندانے پڑ گئے۔ میں نے اسے ناپسند کیا ہے۔ یہ دونوں مصیبتیں ہیں۔ میں نے دیکھا کہ میں محفوظ زرہ میں ہوں اور میرے پیچھے مینڈھا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے اس کی کیا تاویل کی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے گائے سے مراد گائے ہی لی ہے جو ہم میں ہو گی۔ اور الکبش (مینڈھا) سے مراد لشکر کا سردار لیا ہے اور محفوظ زرہ سے مراد مدینہ منورہ ہے۔ لہٰذا تم رک جاؤ۔ اگر لشکر گلیوں میں آ جائے تو ہم ان سے قتال کریں گے اور گھروں کے اوپر سے ان پر پتھر اور تیر پھینکے جائیں گے۔ یہ سن کر انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو اس دن کے متمنی تھے۔ اور لوگوں میں سے اکثر نے خروج کے سوا کوئی

ترکیب بھی اپنانے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ سے فارغ ہوئے تو آپ نے اپنی زرہ منگائی اور زیب تن فرمالی۔ پھر لوگوں کو خروج کا حکم ارشاد فرمایا۔ ان میں سے اصحاب رائے نادم ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ٹھہر جائیے جیسا کہ آپ نے ہمیں حکم ارشاد فرمایا ہے تو اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کے لئے ایسا نہیں چاہئے کہ وہ جنگ کے لئے زرہ پہننے کے بعد جنگ کئے بغیر اتار دے۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار افراد کے ساتھ خروج کیا۔ اس غزوہ میں مشرکین کی تعداد تین ہزار تھی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام حرہ کے ساتھ ساتھ مشرقی راستہ سے نکلے اور مقام شیخین پر رات بسر کی۔ یہ مقام مدینہ طیبہ اور جبل احد کے درمیان واقع ہے۔ وہاں سے جنہوں نے ساتھ جانا تھا وہ آگے چلے اور جنہیں آپ نے واپس لوٹانا تھا انہیں واپس لوٹا دیا، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مقام شوط پر پہنچے تو وہاں سے عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ آیا۔ لہٰذا اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ صرف سات سو افراد باقی رہے۔ ان میں کوئی بھی گھوڑ سوار نہیں تھا اور صرف سو افراد زرہ پوش تھے۔

جب عبداللہ بن ابی بن سلول واپس لوٹا تو مسلمانوں میں سے دو گروہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ بھی معمولی سا ڈگمگائے۔

آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثاروں کے ساتھ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ احد کے درہ میں نزول فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبل احد کو اپنی پشت کے پیچھے رکھا۔ اور جبل عینین کو اپنی بائیں طرف، اور پھر احد کے میدان میں اپنے جانثاروں کو صف آرا کیا، جبکہ مشرکین نے شوریلی مٹی پر صفیں باندھیں اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔ مشرکین کے لشکر میں سو گھوڑ سوار تھے جن کے قائد خالد بن ولید تھے۔ جبکہ اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کے پاس ایک گھوڑ سوار بھی نہیں تھا۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو پچاس تیراندازوں کے دستے پر امیر مقرر کیا۔ اور انہیں جبل عینین میں کھڑا کر دیا اور ساتھ ہی یہ حکم بھی ارشاد فرمایا کہ وہ کسی حالت میں بھی اپنی جگہ کو نہ چھوڑیں۔

کفار کے لشکر کا علمبردار طلحہ بن عثمان تھا۔ جبکہ اسلامی لشکر کا علم حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ آپ نے طلحہ بن عثمان کو دعوت مبارزت دی اور اسے قتل کر دیا۔ پھر مسلمانوں نے مشرکین پر عام حملہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ ان کے ساز و سامان کے باوجود ان پر غالب آ گئے۔ ان کے گھوڑ سوار دستے نے تین بار حملہ کیا۔ لیکن ہر بار تیرانداز دستے نے تیروں کی بارش کر کے اسے ناکام بنا دیا۔ نتیجۃً مسلمان لشکر کفار میں داخل ہو گئے اور ان کا مال غنیمت لوٹنے لگے۔ جب تیراندازوں نے یہ دیکھا تو انہوں نے بھی اپنی جگہ چھوڑ

دی اور لشکر میں داخل ہو گئے حالانکہ ان کے امیر انہیں ایسا کرنے سے روک رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جو عہد لیا تھا وہ انہیں یاد دلا رہے تھے۔

پس جونہی خالد بن ولید اور اس کے ساتھیوں نے درہ کو خالی دیکھا۔ تو انہوں نے فوراً پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور انہیں سخت نقصان پہنچاتے ہوئے متفرق کر دیا۔ اتنے میں کسی پکارنے والے نے یہ آواز دی ''دور ہٹ جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے'' اور مسلمان اس افراتفری میں لاشعوری طور پر آپس میں ایک دوسرے سے قتال کرنے لگے۔ مسلمانوں کا ایک گروہ بھاگ کر مدینہ طیبہ کی جانب چلا گیا۔ تمام کے تمام بکھر گئے۔ اور کافی تعداد میں شہید ہو کر گرنے لگے۔ اس تمام ظاہر صورت حال کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدم رہے اور جنگ سے دور بھاگنے والوں کو بلاتے رہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض واپس آ گئے اس وقت آپ گھاٹی میں مہراس کے پاس تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض افراد نے سر توڑ قتال کیا اور بے مثال جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا۔ مثلاً حضرت امیر حمزہ، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت ابوطلحہ، حضرت سعد، حضرت حارث بن صمہ، حضرت ابودجانہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم وغیرہم۔ بلکہ عورتوں نے بھی آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے جنگ میں ایسی داد شجاعت دی جو ان کی پیشانی کا نور بن گئی مثلاً حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب رضی اللہ عنہا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی تلاش میں ظاہر ہوئے تو مشرکین کی نظر آپ پر پڑ گئی۔ چنانچہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مقدس پر پتھر مارا اور آپ کو لہولہان کر دیا۔ اور آپ کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ اور خود کے دو حلقے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رخساروں میں گھس گئے۔

مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ثابت قدم رہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت سہل بن بیضاء، حضرت حارث بن صمہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت ابوطلحہ، حضرت سہل بن حنیف اور حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہم۔ گروہ انصار میں سے اکثر نے جام شہادت نوش کیا۔

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دائیں بائیں دونوں طرف دو آدمی انتہائی جرأت اور بہادری کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ وہ دونوں سفید لباس میں ملبوس تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے مطابق وہ دونوں حضرت جبریل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام تھے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔

وہاں مسلمان منتشر ہو گئے اور تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔

ایک گروہ ایسے لوگوں کا تھا جو مدینہ طیبہ کے قریب تک بھاگ کر چلے گئے اور پھر جنگ کے ختم ہونے تک واپس نہ لوٹے۔ اس گروہ کی تعداد بالکل قلیل تھی۔ ان کے بارے قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

(آل عمران:۱۵۵)

''(بے شک وہ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں۔ انہیں شیطان ہی نے لغزش دی۔ ان کے بعض اعمال کے باعث۔ اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرمادیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے)۔'' (کنز الایمان ص ۹۰)

دوسرا گروہ ایسے افراد کا تھا جو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی شہادت کی خبر سن کر حیران و ششدر رہ گئے اور انہوں نے صرف ایک ہی مقصد بنایا کہ وہ اپنا دفاع کریں گے، یا پھر اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ شہید کردیئے جائیں۔ اس گروہ میں اکثر صحابہ کرام تھے۔

اور تیسرا گروہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہا۔ یہاں تک کہ جب دوسرے گروہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ ہونے کا علم ہوا تو وہ بھی آہستہ آہستہ واپس لوٹ آئے۔

آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے گرنے اور لوگوں میں آپ کی شہادت کی خبر مشہور ہونے کے بعد جنہوں نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ وہ حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے خود کے نیچے سے روشن آنکھوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ اور بلند آواز سے اعلان کیا۔ اے مسلمانوں کے گروہ! تمہیں بشارت ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خاموش رہنے کے لئے اشارہ کیا۔

جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور آپ ان کے ساتھ گھاٹی کی طرف چڑھے۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں کا ایک جتھہ تھا۔

جب آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم گھاٹی پر تشریف فرما ہوئے تو ابی بن خلف نے آپ کو پہچان لیا اور کہنے لگا ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں'' اگر وہ زندہ ہیں تو پھر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم میں سے کوئی آدمی اس کا راستہ روک سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے چھوڑ دو جب وہ قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ سے چھوٹا نیزہ پکڑا اور اسے خوب لہرایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح دور ہٹ گئے جیسے ایسی حالت میں اونٹ کی پیٹھ سے مکھیاں اڑتی ہیں۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نیزے کی نوک اس کی گردن میں لگائی اور وہ گھوڑے سے کئی بار گرا۔ جب قریش کے پاس واپس پہنچا تو کہا واللہ! مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قتل کردیا ہے۔ تو انہوں نے جواباً

کہا۔ واللہ! تیرا دل کمزور ہو گیا ہے۔ حالانکہ اسے مضبوط ہونا چاہئے تو اس نے کہا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے مکہ میں فرمایا تھا میں تجھے قتل کروں گا۔ قسم بخدا! اگر وہ مجھ پر تھوک بھی دیتے تو بالیقین مجھے قتل کر دیتے لہٰذا جب وہ لوٹ کر مکہ کی جانب جا رہے تھے تو مقام سرف پر پہنچ کر یہ دشمن خدا مر گیا۔

مشرکین مسلمان شہداء کا مثلہ کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ان کے کان، ناک اور شرمگاہیں کاٹ ڈالیں اور پیٹ چاک کر دیئے اور ساتھ ہی یہ گمان کرنے لگے کہ انہوں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ذی مرتبہ صحابہ کرام کو قتل کر ڈالا ہے۔

لہٰذا جب واپس جانے لگے تو ابوسفیان نے اپنے الٰہوں پر فخر کرتے ہوئے کہا "**اعل هبل**" (اے ہبل تیری شان اونچی ہو) تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جواب فرمایا "**الله اعلى و اجل**" (اللہ سب سے اعلیٰ اور بزرگ ہے) پھر ابوسفیان نے کہا "**لنا عز ولا عز لكم**" (ہمارے پاس عزی جیسا خدا ہے۔ تمہارے پاس کوئی عزی نہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے جواب دو۔ صحابہ نے عرض کی، ہم کیا کہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم کہو "**الله مولانا ولا مولى لكم**" (اللہ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں)۔

پھر ابوسفیان نے پکارا۔ کیا تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اسے جواب نہ دو۔ اس نے پھر کہا۔ کیا تم میں ابن خطاب ہیں؟ جب کسی نے بھی اسے جواب نہ دیا تو اس نے کہا۔ یہ تمام قتل ہو چکے ہیں۔ اگر یہ زندہ ہوتے تو بالیقین جواب دیتے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اوپر ضبط نہ رکھ سکے اور فرمایا۔ اے اللہ کے دشمن تو جھوٹ کہتا ہے۔ تجھے ذلیل و رسوا کرنے کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ زندہ رکھے ہوئے ہے۔

پھر ابوسفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جاؤ، دیکھو کیا کہتا ہے؟ پس حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کے پاس تشریف لائے تو ابوسفیان نے آپ کو کہا۔ اے عمر میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں۔ کیا ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ قسم بخدا نہیں۔ بے شک آپ اب بھی تیرا کلام سن رہے ہیں۔ تو اس نے کہا۔ میرے نزدیک آپ ابن قمئہ کی نسبت زیادہ سچے اور حق گو ہیں۔

پھر ابوسفیان نے کہا۔ بے شک تمہارے مقتولوں کا مثلہ کیا گیا۔ قسم بخدا نہ میں اس پر خوش ہوں نہ ناراض۔ میں نے اس کا حکم دیا ہے اور نہ ہی اس سے منع کیا ہے۔ پھر کہا۔ آئندہ سال تمہارے ساتھ مقابلہ میدان بدر میں ہوگا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں سے ایک آدمی کو فرمایا۔ کہو ہمیں منظور ہے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان مقابلہ وہیں ہوگا۔

مشرکین اپنے ساز و سامان کی طرف لوٹے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی

طالب رضی اللہ عنہ کو ایک اور روایت کے مطابق حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو حکم ارشاد فرمایا کہ وہ ان پر نظر رکھیں۔ اگر انہوں نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور اونٹوں پر سوار ہوئے تو پھر وہ مکہ جائیں گے اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اونٹوں کو ہانک لیا تو پھر ان کا ارادہ مدینہ طیبہ جانے کا ہوگا، چنانچہ انہوں نے انہیں دیکھا کہ انہوں نے گھوڑوں کو چھوڑ دیا اور اونٹوں پر سوار ہوگئے اور ان کا رخ مکہ کی جانب پھیر دیا۔

مسلمان اپنے شہداء کی طرف لوٹے۔ انہیں ان کے اپنے ہی کپڑوں میں دفن کیا۔ نہ انہیں غسل دیا اور نہ ہی ان پر نماز جنازہ پڑھی۔

مسلمان اپنے شہداء پر روئے، منافقین خوش ہوئے اور یہودیوں کا ساز باز ظاہر ہوا۔ مدینہ طیبہ میں نفاق عام ہوگیا۔ یہودیوں نے کہا اگر یہ نبی ہوتے تو مشرکین ان پر غالب نہ آتے اور منافقین نے کہا۔ اگر یہ ہمارا کہا مان لیتے تو اس تکلیف سے دوچار نہ ہوتے۔

جنگ کی ابتداء میں مسلمانوں کے اہل اور نیک ہونے کے سبب مدد ان کے شامل حال رہی اور قریش کے گیارہ علمبردار یکے بعد دیگرے قتل ہوئے۔ ان میں آخری بنی طلحہ کا غلام تھا۔ اور مسلمانوں نے مشرکین پر امتیاز وردار حملہ کیا کہ ان پر غالب آگئے اور ان کے لشکر میں داخل ہوگئے۔ مشرکین شکست کھا کر بھاگنے لگے ان کی عورتیں انہیں ویل اور ثبور (ہلاکت) کہہ کر پکارتیں رہیں۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا اور وہ ہتھیار پھینک کر بھاگتے رہے۔ حتیٰ کہ مسلمان مال غنیمت اکٹھا کرنے لگے۔

جب تیراندازوں نے یہ منظر دیکھا۔ تو ان میں سے بعض افراد نے پہاڑی کو چھوڑ دیا اور ان کے ساتھ آملے نتیجتاً خالد بن ولید اپنے گھوڑسوار دستے کے ساتھ واپس لوٹا اور بقیہ تیراندازوں پر حملہ کرکے انہیں شہید کردیا۔ حتیٰ کہ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوگئے اور پھر مسلمانوں پر عقب کی جانب سے حملہ کردیا۔ جس کے سبب مسلمانوں کی صفیں بکھر گئیں۔ اور جب ابن قمئہ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو ان کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے گمان ہوا۔ لہٰذا جب وہ قریش کی طرف واپس لوٹا تو اس نے کہہ دیا "قتلت محمداً" میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شہید کردیا ہے۔ حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں تھا۔

مسلمانوں سے مدد کے چھن جانے کے اسباب

نمبرا: امر الٰہی، وہ یہ کہ اساری بدر سے فدیہ لینے کا فیصلہ امر الٰہی سے متفق نہیں ہوا۔

۹۲۵- حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جبرئیل امین میرے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے اپنے اصحاب کو اختیار دے دو۔ قتل یا فدیہ۔ اس طرح کہ انہیں اپنے ہی ساتھیوں سے قتل کرا دیا جائے" جبکہ صحابہ کرام نے یہ کہا کہ یا فدیہ لیا جائے یا پھر انہیں ہمارے ہاتھوں سے قتل کرایا جائے۔ یہ روایت امام

ترمذی رحمتہ اللہ تعالٰی علیہ نے نقل کی ہے اور اسے حسن کہا ہے اور کہا کہ اس بارے حضرت ابن مسعود، حضرت انس، حضرت ابی برزہ اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی روایت مری ہے اسے امام نسائی نے الکبریٰ میں نقل کیا اور ابن حبان اور حاکم نے بھی روایت کیا اور اسے صحیحین کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا۔ علاوہ ازیں امام ذہبی، ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے اس کی توثیق کی ہے۔

غزوہ بدر میں ستر کافر مقتول ہوئے اور ستر قیدی بنا لئے گئے۔

رب کریم ارشاد فرماتے ہیں۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ (آل عمران:۱۶۵)

''کیا جب پہنچی نہیں تمہیں کچھ مصیبت حالانکہ تم پہنچا چکے ہو (دشمن کو) اس سے دگنی تو تم کہہ اٹھے کہاں سے آپڑی یہ مصیبت فرمائیے! یہ تمہاری طرف سے آئی ہے۔''

صحابہ کرام میں سے بعض نے اساری بدر سے فدیہ لینے کی تجویز اس لئے پسند کی، تاکہ وہ اسلام قبول کرلیں اور پھر آئندہ سال درجہ شہادت پر فائز ہوں اور بعض نے ان سے رشتہ قرابت کے سبب بطور شفقت اس تجویز کو پسند کیا۔ لیکن حدیث طیبہ کا ظاہر اس ارشاد باری تعالٰی سے بظاہر معارض آتا ہے۔

''ما كان لنبي ان يكون له اسرى ......''

ترجمہ: (نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کرلے زمین میں تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالٰی چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالٰی بڑا غالب اور دانا ہے)۔ (جمال القرآن)

علماء نے متعدد اعتبار سے ان کے درمیان تطبیق بیان کی ہے۔

نمبر ۲: ظاہری عوامل

یہ عوامل بھی متعدد ہیں۔ ان میں سے دو یہ ہیں۔

نمبر ۱: تیر اندازوں کا حکم کی مخالفت کرنا

جب تیر انداز دستے کے بعض افراد اپنی جگہ چھوڑتے ہوئے نیچے اتر آئے تو اس نے قریش کی قوت میں اضافہ کر دیا۔ لہٰذا انہوں نے خالد بن ولید کی قیادت میں بقیہ تیر اندازوں پر حملہ کیا اور انہیں شہید کر دیا۔ اور پھر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ نتیجۃً مسلمان دو آگوں کے درمیان پھنس گئے۔ یعنی اب حملہ آگے اور پیچھے دونوں جانبوں سے تھا۔

نمبر ۲: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر کا مشہور ہونا:

دوسرا ظاہری سبب یہ تھا کہ جب ابن قمئہ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو چونکہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب زرہ پہنے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ لگتے تھے لہٰذا جب آپ شہید ہوئے تو اس نے گمان یہ کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ چنانچہ جب وہ قریش کی طرف واپس لوٹ کر گیا تو کہا میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دیا ہے۔ اس قول سے ان کی جرأت اور قوت میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور ادھر پیچھے سے ابلیس نے یہ چیخ لگا دی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ پس جونہی یہ خبر مسلمانوں نے سنی۔ تو ان کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ منتشر ہو گئے۔ اور کوئی بھی کسی سے متحد نہ رہا۔ ظاہری عوامل میں سے یہی سب سے بڑا عامل ہے۔ واللہ اعلم۔

شہدا کی تعداد کا بیان

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد کے دن پچاس تیر اندازوں پر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمایا اور انہیں فرمایا'' کہ اگر تم ہمیں دیکھو کہ پرندے ہمیں نوچ رہے ہیں تو پھر بھی اپنی جگہ پر کھڑے رہنا یہاں تک کہ تمہیں بلا بھیجا جائے اور اگر اس حال میں دیکھو کہ ہم نے انہیں شکست دے دی ہے اور ہم نے انہیں روند ڈالا ہے تو پھر بھی اپنی جگہ پر قائم رہنا، یہاں تک کہ تمہیں بلا بھیجا جائے'' پس مسلمانوں نے انہیں شکست سے دوچار کر دیا۔ راوی کہتے ہیں قسم بخدا! میں نے عورتوں کو دیکھا وہ کمریں باندھیں ہوئیں ہیں۔ ان کے پازیب اور پنڈلیاں ظاہر ہیں اور وہ اپنے کپڑے اوپر چڑھائے ہوئے ہیں۔

اتنے میں ابن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا۔ مال غنیمت اٹھا لو۔ اے قوم۔ تمہارے ساتھی مال غنیمت جمع کر رہے ہیں۔ تم کس کا انتظار کر رہے ہو؟۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ کیا تم وہ بات بھول گئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے فرمائی؟ انہوں نے کہا۔ قسم بخدا! ہم لوگوں کے پاس جائیں گے اور مال غنیمت حاصل کریں گے۔ پس جب وہ لوگوں کے پاس آئے اور ان کے چہرے پھرے تو وہ شکست خوردہ ہو گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پیچھے سے بلاتے رہے اور بارہ افراد کے سوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی باقی نہ رہا۔

انہوں نے ہمارے ستر افراد کو شہید کر دیا۔ جبکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر میں ان کے ایک سو چالیس افراد ضائع کیے تھے۔ ان میں سے ستر کو قیدی بنایا گیا اور ستر کو قتل کیا گیا تھا۔ یہ روایت بخاری نے نقل کی ہے۔

ابن اسحاق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مہاجرین اور انصار میں سے پینسٹھ شہداء کا ذکر کیا ہے اور ابن ہشام

نے پانچ دوسروں کا اضافہ کیا ہے۔

مہاجرین شہدائے کرام: حضرت امیر حمزہ بن عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہ۔ انہیں وحشی نے شہید کیا تھا جو جبیر بن مطعم کا غلام تھا۔

حضرت عبداللہ بن جحش، حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت شماس بن عثمان رضی اللہ عنہم

انصار شہدائے کرام: ان افراد کا بیان جو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔

اہل بنی عبدالاشہل: حضرت عمرو بن معاذ بن نعمان، حضرت حارث بن انس بن رافع، حضرت عمارہ بن زیاد بن سکن، حضرت سلمہ بن ثابت بن وقش، حضرت عمرو بن ثابت بن وقش۔ ان دونوں کا والد ثابت بن وقش ہے۔ حضرت رفاعہ بن وقش، حضرت حسیل بن جابر، یہ حضرت حذیفہ الیمان کے والد ہیں جنہیں جنگ کے دوران مسلمانوں نے لاعلمی میں قتل کر دیا۔ حضرت صیفی بن قیظی، حضرت حباب بن قیظی، حضرت عباد ابن سہل اور حضرت حارث بن اوس بن معاذ رضی اللہ عنہم۔

اہل راتج: حضرت ایاس بن اوس بن عتیک، حضرت حبیب بن یزید بن تیم اور حضرت عبید بن التیہان رضی اللہ عنہم۔

اہل بنی ظفر: حضرت یزید بن حاطب بن امیہ رضی اللہ عنہ۔

اہل بنی عمرو بن عوف: حضرت ابوسفیان بن حارث بن قیس، حضرت حنظلہ بن ابی عامر بن صیفی۔ ان کا لقب غسیل الملائکہ ہے رضی اللہ عنہما۔

اہل بنی عبید بن زید: حضرت انس بن قتادہ رضی اللہ عنہ۔

اہل بنی ثعلبہ بن عمرو بن عوف: حضرت ابوحیہ بن عمرو بن ثابت، یہ حضرت سعد بن خیثمہ کے اخیافی بھائی تھے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر یہ تیر انداز دستے کے امیر تھے رضی اللہ عنہم۔

اہل بنی سلم بن امرئ القیس: حضرت خیثمہ ابوسعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ۔

ان کے حلفاء میں سے اہل بنی عجلان: حضرت عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ۔

اہل بنی معاویہ بن مالک: حضرت سبیع بن حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ۔

اہل بنی نجار اور اہل بنی سواد: حضرت عمرو بن قیس۔ اس کے بیٹے حضرت قیس بن عمرو، حضرت ثابت بن عمرو بن زید اور حضرت عامر بن مخلد رضی اللہ عنہم۔

اہل بنی مبذول: حضرت ابوہبیرہ بن حارث بن علقمہ، حضرت عمرو بن مطرف بن علقمہ رضی اللہ عنہما۔

اہل بنی عمرو بن مالک: حضرت اوس بن ثابت بن منذر۔ یہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما کے بھائی تھے۔

اہل بنی عدی بن نجار: حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ۔ یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا تھے۔

اہل بن مازن بن نجار: حضرت قیس بن مخلد رضی اللہ عنہ اور حضرت کیسان رضی اللہ عنہ یہ ان کے غلام تھے۔

اہل بنی دینار بن نجار: حضرت سلیم بن حارث اور حضرت نعمان بن عبد عمرو رضی اللہ عنہما۔

ان افراد کا بیان جن کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا۔

اہل بنی حارث بن خزرج: حضرت خارجہ بن زید، حضرت سعد بن ربیع۔ دونوں ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے اور حضرت اوس بن ارقم رضی اللہ عنہم۔

اہل بنی ابجر: ان سے مراد بنوخدرہ ہیں۔ حضرت مالک بن سنان۔ یہ حضرت ابوسعید خدری کے والد محترم ہیں۔ حضرت سعید بن سوید اور حضرت عتبہ بن ربیع رضی اللہ عنہم۔

اہل بنی ساعدہ: حضرت ثعلبہ بن سعد بن مالک اور حضرت ثقب بن فروہ رضی اللہ عنہما۔

اہل بنی ظریف: ان سے مراد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا گروہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن وہب رضی اللہ عنہ اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ یہ ان کے حلیف تھے۔

اہل بنی عوف پھر بنی سالم اور پھر بنی مالک بن عجلان: حضرت نوفل بن عبداللہ، حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ، حضرت نعمان بن مالک بن ثعلبہ اور حضرت مجذر بن زیاد، یہ ان کے پرانے حلیف تھے اور حضرت عبادہ بن حسحاس رضی اللہ عنہم ان میں سے حضرت نعمان، حضرت مجذر اور حضرت عبادہ رضی اللہ عنہم ایک قبر میں دفن کیے گئے۔

اہل بن حبلی: حضرت رفاعہ بن عمرو رضی اللہ عنہ۔

اہل بنی سلمہ پھر اہل بنی حرام: حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام، حضرت عمرو بن الجموع یہ دونوں ایک قبر میں دفن کیے گئے۔ حضرت خلاد بن عمرو بن جموح اور حضرت ابوایمن مولی عمرو بن جموح رضی اللہ عنہم۔

اہل بنی سواد بن غنم: حضرت سلیم بن عمرو بن حدیدہ۔ ان کے غلام حضرت عنترہ، اور حضرت سہل بن قیس بن ابی کعب رضی اللہ عنہم۔

اہل بنی زریق: حضرت ذکوان بن عبد قیس اور حضرت عبید بن معلّٰی بن لوذان رضی اللہ عنہما۔

اس طرح شہداء کی کل تعداد پینسٹھ ہے۔ ان میں سے مہاجرین چار ہیں اور بقیہ تمام انصار میں سے ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیا ہے۔

علاوہ ازیں جن پانچ کا ذکر علامہ ابن ہشام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہے وہ یہ ہیں۔

قبیلہ اوس کی شاخ بنی معاویہ بن مالک میں سے حضرت مالک بن نمیلہ رضی اللہ عنہ ان کے حلیف

قبیلہ مزینہ کے افراد تھے۔

اور بنی خطمہ میں سے حضرت حارث بن عدی بن خرشہ رضی اللہ عنہ تھے۔

قبیلہ خزرج کی شاخ بنی سواد بن مالک میں سے حضرت مالک بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنی عمرو بن مالک بن نجار میں سے حضرت ایاس بن عدی رضی اللہ عنہ اور بنی سالم بن عوف میں سے حضرت عمرو بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

مذکورہ بالا وہ ستر صحابہ کرام ہیں جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ ان کا ذکر علامہ ابن اسحاق اور علامہ ابن ہشام رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا ہے۔ ابن سید الناس رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے علاوہ کچھ زائد افراد کا ذکر بھی کیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو وہاں سے ملاحظہ فرمالیں۔

غزوہ احد میں قریش مکہ کے خوابوں میں سے کوئی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوا کیونکہ وہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کو قتل کرنے کے ارادے سے چلے تھے۔ علاوہ ازیں ان کا مقصد اسلام کا نام مٹانا اور غزوہ بدر کا انتقام لینا تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی مقتول نہ ہوا۔ بلکہ رب کریم نے ان تمام کو باقی رکھا۔ یہاں تک کہ ان ہی کے ذریعہ مکہ فتح ہوا۔ اور وہ اسلام کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس غزوہ کے ذریعہ منافقین کو ظاہر کر دیا اور صحابہ کرام نے اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچان لیا۔ اور جہاں تک انتقام کا تعلق ہے ستر مسلمان شہید ہوئے جبکہ کفار میں سے بائیس افراد مقتول ہوئے۔

لہذا جب کفار قریش واپس لوٹے۔ تو کوئی بھی ایسی چیز لے کر نہیں چلے تھے جس کے لئے وہ مکہ سے آئے تھے۔ اس لئے انہوں نے مدینہ طیبہ کی طرف واپس لوٹنے کا قصد کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان صحابہ کرام کو ساتھ لے کر باہر تشریف لائے جو اہل احد میں سے آپ کے ساتھ تھے۔ حتیٰ کہ آپ حمراء الاسد کے مقام تک پہنچ گئے اور پھر بغیر جنگ کے دہاں سے واپس لوٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ وہ آگے نہ بڑھے بلکہ مکہ کی طرف واپس لوٹ گئے۔

اہل احد کی عظمت شان کا بیان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے غزوہ احد کے بارے میں ساٹھ آیات طیبات قرآن حمید فرقان مجید میں نازل فرمائی ہیں۔ مثلاً سورۂ آل عمران میں ارشاد ربانی ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (آل عمران:۱۲۱)

"(اور یاد کرو (اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم) جب صبح سویرے رخصت ہوئے آپ اپنے گھروں سے (اور میدان احد میں) بٹھا رہے تھے مومنوں کو مورچوں پر جنگ کے لئے اور

اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے)۔'' (جمال القرآن)

یہاں تک کہ ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (آل عمران:۱۷۹)

''(نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ چھوڑے رکھے مومنوں کو اس حال پر جس پر تم اب ہو۔ جب تک الگ الگ نہ کردے پلید کو پاک سے۔ اور نہیں ہے اللہ (کی شان) کہ آگاہ کرے تمہیں غیب البتہ اللہ (غیب کے علم کے لئے) چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہتا ہے۔ سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے)۔'' (جمال القرآن)

اس کے بارے جو آیات وارد ہیں۔ ان میں سے یہ ارشاد گرامی بنی حارثہ اور بنی سلمہ کے لئے ہے۔ یہ دونوں باہم قریبی شاخیں تھیں۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَ اللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (آل عمران:۱۲۲)

''(جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں حالانکہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار تھا (اس لئے اس نے اس لغزش سے بچا لیا) اور صرف اللہ پر توکل کرنا چاہئے مومنوں کو)۔ (جمال القرآن)

۹۲۷- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔'' اذ همت طآئفتان منكم ان تفشلا'' اس میں دو گروہوں سے مراد بنی سلمہ اور بنی حارثہ ہیں۔ اس آیت کا نازل ہونا مجھے بہت پسند ہے اس لئے کہ اس میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں کا مددگار ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی بشارت اور اطمینان کے لئے نزول ملائکہ کے وعدہ کا تذکرہ کیا۔ جیسا کہ غزوہ بدر میں ہوا تھا۔ ارشاد ہو۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰۤى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ

إِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (آل عمران: ۱۲۴۔۱۲۶)

''(عجب سہانی گھڑی تھی) جب آپ فرما رہے تھے مومنوں سے۔ کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہاری مدد فرمائے تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے جو اتارے گئے ہیں۔ ہاں کافی ہے۔ بشرطیکہ تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور (اگر) آدھمکیں کفار تم پر تیزی سے اسی وقت تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں۔ اور نہیں بنایا فرشتوں کے اترنے کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لئے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے اور (حقیقت تو یہ ہے) کہ نہیں فتح و نصرت مگر اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب (اور) حکمت والا ہے)۔'' (جمال القرآن)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے وعدہ پورا کرتے ہوئے ملائکہ کرام کو نازل فرمایا۔ لیکن انہوں نے اس طرح جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا جیسے غزوہ بدر میں حصہ لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو تسلی دیتے ہوئے ان کی علو شان کا ذکر اس طرح کیا۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ إِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۗ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ

(آل عمران: ۱۳۹۔۱۴۱)

''(اور نہ (تو) ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تمہیں سربلند ہو گے اگر تم سچے مومن ہو۔ (احد میں) اگر لگی ہے چوٹ تو (بدر میں) لگ چکی ہے (تمہاری دشمن) قوم کو بھی چوٹ ایسی ہی۔ اور یہ (ہار جیت کے) دن ہم پھراتے رہتے ہیں انہیں لوگوں میں۔ اور یہ اس لئے کہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ ان کو جو ایمان لائے اور بنا لے تم میں سے کچھ شہید۔ اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو۔ اور اس لئے کہ نکھار دے اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور مٹا دے کافروں کو)۔''

(جمال القرآن)

یعنی کہ تم اپنے دشمن کے معاملہ میں کمزوری کا مظاہرہ نہ کرو اور اپنے بارے میں غم نہ کرو بے شک تم ہی سربلند ہو گے اور نتیجتاً کامیابی اور غلبہ تمہارا مقدر ہو گا۔ اور جہاں تک یہ سوال ہے کہ تمہیں زخم لگے ہیں اور افراد شہید ہوئے ہیں تو ایسا تو ماضی قریب میں تمہارے دشمنوں کے ساتھ بھی ہو چکا ہے کہ وہ بھی زخمی ہوئے اور مقتول بھی۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والے مومنین کو دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ اگر وہ گنہگار ہیں تو ان کے گناہ مٹا

دے۔اور اگر وہ گنہگار نہیں تو ان کے اتنے درجات بلند کر دے جتنی مشقت میں وہ مبتلا ہوئے۔اور اللہ تعالیٰ ان مومنین کو درجہ شہادت پر فائز فرمانا چاہتے ہیں جو اس کے راستہ میں قتل کئے جاتے ہیں اور وہ اپنی زندگیاں اسی کی رضا کے لئے قربان کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین سے مدد کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کے بارے واضح انداز میں ارشاد فرمایا پس جب وہ باہم جھگڑنے لگے اور تیر انداز دستے کے افراد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کیا تو رب کریم نے انہیں آزمائش میں مبتلا کر دیا۔اور پھر انہیں معاف فرما دیا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران:۱۵۲)

"(اور بے شک سچ کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جب کہ تم قتل کر رہے تھے کافروں کو اس کے حکم سے۔یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑنے لگے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے) حکم کے بارے میں اور نافرمانی کی تم نے اس کے بعد کہ اللہ نے دکھا دیا تھا تمہیں جو تم پسند کرتے تھے۔بعض تم میں سے طلبگار ہیں دنیا کے اور بعض تم میں سے طلبگار ہیں آخرت کے پھر پیچھے ہٹا دیا تمہیں ان کے تعاقب سے تاکہ آزمائے تمہیں اور بے شک اس نے معاف فرما دیا تم کو اور اللہ تعالیٰ بہت فضل و کرم فرمانے والا ہے مومنوں پر)۔" (جمال القرآن)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان جتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اطمینان و سکون نازل فرمایا۔اس طرح کہ ان پر نیند طاری کر دی۔حالانکہ وہ غم اور فکر کی حالت میں ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے۔اور یہی ان کے لئے امان کی علامت ہے۔اور اللہ تعالیٰ نے ایسے مومنین کا ذکر بھی کیا جو میدان جنگ سے بھاگ گئے اور پھر واپس لوٹ آئے تھے۔جیسا کہ منافقین کا حال بیان کیا۔لہٰذا ارشاد فرمایا۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۗىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَاۗىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ

الْاَمْرِ شَیْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِیْ بُیُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِیْنَ كُتِبَ
عَلَیْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَ لِیَبْتَلِیَ اللّٰهُ مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَ
لِیُمَحِّصَ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا
مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَ
لَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۝ (آل عمران: ۱۵۴۔۱۵۵)

''(پھر اتاری اللہ تعالیٰ نے تم پر غم واندوہ کے بعد راحت (یعنی) غنودگی جو چھا رہی تھی ایک گروہ پر تم میں سے اور ایک جماعت ایسی تھی جسے فکر پڑا ہوا تھا (صرف) اپنی جانوں کا بدگمانی کر رہے تھے اللہ کے ساتھ بلا وجہ عہد جاہلیت کی بدگمانی کہتے کیا ہمارا بھی اس کام میں کچھ دخل ہے۔ آپ فرمایئے اختیار تو سارا اللہ کا ہے۔ چھپائے ہوئے ہیں اپنے دلوں میں جو ظاہر نہیں کرتے آپ پر کہتے ہیں (اپنے دلوں میں اگر ہوتا ہمارا اس کام میں کچھ دخل تو نہ مارے جاتے ہم یہاں (اس بے دردی سے) آپ فرمایئے کہ اگر تم (بیٹھے) ہوتے اپنے گھروں میں تو ضرور نکل آتے (وہاں سے) وہ لوگ لکھا جا چکا تھا جن کا قتل ہونا اپنی قتل گاہوں کی طرف (یہ سارے مصائب اس لئے تھے تاکہ آزمالے اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہارے سینوں میں (چھپا) تھا اور صاف کردے جو (میل کچیل) تمہارے دلوں میں تھا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کا۔ بے شک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر گئے تھے تم سے اس روز جب مقابلہ میں نکلے تھے دونوں لشکر تو پھسلا دیا تھا انہیں شیطان نے بوجہ ان کے کسی عمل کے اور بے شک (اب) معاف فرما دیا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت حلم والا ہے)۔'' (جمال القرآن)

۹۲۸۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جب غزوۂ احد میں لوگ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگے تو اس وقت حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی ڈھال سیدھی کئے کھڑے رہے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ انتہائی ماہر تیر انداز اور کمانڈر تھے۔ اس دن آپ سے دو یا تین قوسیں ٹوٹیں۔ راوی کہتے ہیں کہ جو آدمی بھی ان کے پاس سے تیروں کا ترکش لے کر گزرتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے فرماتے ''اسے ابوطلحہ کے لئے یہیں چھوڑ دے'' راوی کہتے ہیں کہ جب کبھی نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اوپر سر اٹھا کر لوگوں کی طرف دیکھتے تو ابوطلحہ عرض کرتے یا نبی اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ سر نہ اٹھایئے۔ تاکہ دشمن کے تیروں میں سے آنے والا کوئی تیر میرے گلے میں آکر لگے نہ کہ آپ کے گلے میں۔ پھر راوی کہتے ہیں میں نے عائشہ بنت ابی بکر اور ام سلیم رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ کپڑے اٹھائے ہوئے ہیں حتیٰ کہ ان کی

پنڈلیوں پر پازیبیں دکھائی دے رہی تھیں کہ وہ مشکیزے پانی سے بھر بھر کر اپنی پشتوں پر لا رہی ہیں اور لوگوں کے مونہوں میں انڈیلتی ہیں۔ پھر واپس لوٹتی ہیں اور دوبارہ انہیں بھر کر لاتی ہیں اور پھر لوگوں کے مونہوں میں انڈیل رہی ہیں اور ابوطلحہ کے ہاتھ سے غنودگی کے باعث دو یا تین مرتبہ تلوار گری۔ متفق علیہ۔ مگر یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

۹۲۹- حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں ان میں سے ہوں جن پر غزوہ احد میں غنودگی طاری ہوگئی تھی۔ حتیٰ کہ میرے ہاتھ سے کئی بار میری تلوار گر گئی۔ وہ گرتی تھی میں اسے اٹھالیتا تھا۔ وہ گرتی تھی اور میں اسے اٹھالیتا تھا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۹۳۰- حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت اس طرح ہے کہ آپ نے کہا ہم پر احد کے دن غنودگی چھا گئی حالانکہ ہم صفوں میں تھے وہ کہتے ہیں کہ میرے ہاتھ سے تلوار گرنے لگتی تو میں اسے پکڑ لیتا وہ پھر گر پڑتی اور میں اسے اٹھالیتا۔ یہ روایت بھی امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کی ہے۔

۹۳۱- حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے دن میں نے اپنا سر اٹھایا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا تو اس دن غنودگی کے سبب ہر آدمی اپنی ڈھال کے نیچے لیٹے ہوئے تھا۔ اسی لئے رب کریم نے یہ ارشاد فرمایا: "**ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا**" اسے ترمذی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی، ابویعلی اور بیہقی نے ولائل میں اس کی توثیق کی ہے۔

۹۳۲- امام ترمذی، ابویعلی، طبری اور بیہقی نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے اسی کی مثل روایت نقل کی ہے اور امام ترمذی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت ابن اسحاق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل یقین پر راحت کے لئے غنودگی طاری فرمادی وہ سو رہے تھے انہیں کوئی خوف نہ تھا اور اہل نفاق اپنے بارے میں متفکر تھے اور وہ اللہ تعالیٰ کے بارے نامناسب گمان رکھتے ہوئے موت کا خوف محسوس کر رہے تھے یہی وہ لوگ ہیں جو اچھے انجام کی امید نہیں رکھتے۔

رب کریم شہداء کی حالت سے آگاہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگرچہ انہیں اس دار میں قتل کر دیا گیا ہے۔ لیکن جنت میں ان کی ارواح زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

الْمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۷۱﴾ (آل عمران:۱۶۹۔۱۷۱)

"(اور ہرگز یہ خیال نہ کرو کہ وہ جو قتل کیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں وہ مردہ ہیں۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس (اور) رزق دیئے جاتے ہیں۔ شاد ہیں ان (نعمتوں) سے جو عنایت فرمائی ہیں انہیں اللہ نے اپنے فضل وکرم سے اور خوش ہو رہے ہیں بسبب ان لوگوں کے جو ابھی تک نہیں آ ملے ان سے ان کے پیچھے رہ جانے والوں سے کہ نہیں ہے کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوش ہو رہے ہیں اللہ کی نعمت اور اس کے فضل پر اور (اس پر) کہ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا)۔ (جمال القرآن)

۹۳۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب غزوہ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح سبز پرندوں کے پیٹ میں ڈال دیں۔ وہ جنت کی نہروں سے سیراب ہوتے ہیں، اور جنت کے پھل کھاتے ہیں، اور پھر عرش الٰہی سے معلق قندیلوں کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ اور جب وہ کھانے، پینے اور قیلولے کی راحت پاتے ہیں تو کہتے ہیں کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں تک یہ خبر پہنچادے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور رزق دیئے جارہے ہیں۔ تاکہ وہ جہاد ترک نہ کردیں اور جنگ میں بزدلی کا مظاہرہ نہ کریں؟

تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں تمہاری طرف سے یہ اطلاع پہنچاؤں گا۔ چنانچہ رب کریم نے یہ آیت نازل فرمائی۔ "ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ" الآیہ۔

یہ حدیث ابوداؤد، امام احمد، ابن ابی شیبہ اور حاکم نے روایت کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے امام ذہبی اور بیہقی نے اس کی توثیق کی ہے۔

۹۳۴۔ حضرت مسروق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے پوچھا "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ" تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اس کے بارے سوال کیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا" ابن اسحاق نے اپنی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ جب تمہارے بھائی غزوہ احد میں شہید کردیئے گئے" تو رب کریم نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹ میں رکھ دیا۔ ان کا مقام وہ قنادیل ہیں جو عرش الٰہی سے معلق ہیں۔ وہ جنت میں جہاں جانا چاہیں جاسکتے ہیں اور پھر انہی قندیلوں کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ رب کریم نے انہیں خبردار کیا اور فرمایا کیا تم کسی اور شئی کی خواہش کرتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کی۔ کون سی وہ شئی ہے جس کی ہم خواہش کریں گے؟ حالانکہ ہم جنت میں اپنی مرضی کے مطابق جہاں چاہیں جاسکتے ہیں۔ رب کریم نے ان سے تین مرتبہ ایسے ہی سوال کیا۔ لہذا جب

انہوں نے دیکھا کہ ان سے بار بار سوال کیا جا رہا ہے تو پھر انہوں نے عرض کی۔ اے ہمارے رب! ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری ارواح کو ہمارے جسموں میں لوٹا دیا جائے حتیٰ کہ ہمیں دوبارہ تیرے راستے میں قتل کر دیا جائے۔ لہٰذا جب رب کریم نے دیکھ لیا کہ ان کی کوئی حاجت نہیں تو انہیں چھوڑ دیا گیا'' اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

جب کفار مکہ کی طرف واپس لوٹے تو وہ اپنے کیے پر نادم ہوئے اور آپس میں کہا۔ تم نے نہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا اور نہ دوشیزاؤں کو قیدی بنایا جو تم نے کیا، کتنا برا کیا لہٰذا واپس لوٹ چلو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان کے پیچھے جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ تاکہ انہیں مرعوب کر دیں اور ان پر واضح کر دیں کہ ان کے پاس قوت اور طاقت موجود ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ صرف انہی لوگوں کو اس تعاقب میں شمولیت کی اجازت دی جو غزوۂ احد میں شریک ہوئے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے چلتے حمراء الاسد کے مقام تک پہنچ گئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور مکہ کی طرف واپس لوٹنے کی فکر کرنے لگا۔ اور بعض تاجروں کو اجرت دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیں کہ ابوسفیان ایک لشکر جرار جمع کر کے آپ کی طرف واپس لوٹنے والا ہے۔ تو رب کریم نے یہ آیات طیبات نازل فرمائیں۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌۚ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖۗ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ﴿۱۷۵﴾

(آل عمران: ۱۷۲۔۱۷۵)

''(جنہوں نے لبیک کہا اللہ اور رسول کی دعوت پر اس کے بعد کہ لگ چکا تھا انہیں (گہرا) زخم ان کے لئے جنہوں نے نیکی کی ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجر عظیم ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کہا انہیں لوگوں نے کہ بلاشبہ کافروں نے جمع کر رکھا ہے۔ تمہارے لئے (بڑا سامان اور لشکر) سو ڈرو ان سے تو (اس دھمکی نے) بڑھا دیا ان کے (جوش) ایمان کو اور انہوں نے کہا کافی ہے ہمیں اللہ تعالیٰ اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (ان کے عزم و توکل کا نتیجہ یہ نکلا کہ) واپس آئے یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ نہ چھوا ان کو کسی برائی نے اور پیروی کرتے

رہے رضائے الٰہی کی اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔ یہ تو شیطان ہے جو ڈراتا ہے (تمہیں) اپنے دوستوں سے پس نہ ڈرو ان سے بلکہ مجھ سے ہی ڈرا کرو اگر تم مومن ہو)۔''

(جمال القرآن)

۹۳۵ - حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد باری تعالیٰ ''اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ'' کے بارے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے میرے بھانجے تیرے والدین بھی ان ہی میں سے تھے۔ یعنی زبیر اور ابوبکر رضی اللہ عنہما۔ جب میدان احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچی اور پھر مشرکین کے واپس لوٹنے کا خوف لاحق ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کون ہے جو ان کے تعاقب میں جائے گا؟ ستر افراد نے تعمیل ارشاد کے لئے اپنے کو پیش کیا۔ ان میں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ متفق علیہ۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

۹۳۶ - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت کہا جب انہیں آگ میں پھینکا گیا اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یہی آیت اس وقت تلاوت کی تھی جب منافقین نے یہ کہا ''اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ'' رواہ البخاری۔

۹۳۷ - حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو آپ کے آخری الفاظ یہ تھے ''حَسْبِیَ اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِیْلُ'' رواہ البخاری۔

شہادت سے قبل جنت کی خوشبو پانے کا بیان

۹۳۸ - حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں حاضر نہیں تھے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس پہلی جنگ میں حاضر نہیں تھا جو آپ نے مشرکین کے ساتھ لڑی اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مشرکین سے جنگ لڑنے کا موقع فراہم کیا تو جو میں کروں گا رب کریم آپ کو دکھلا دے گا۔ پھر جب غزوۂ احد ہوا اور بعض مسلمانوں نے میدان چھوڑ دیا۔ تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی۔ اے اللہ! جو کچھ ان اصحاب نے کیا میں تیری بارگاہ میں اس کی معذرت پیش کرتا ہوں اور جو کچھ ان مشرکین نے کیا میں اس سے تیری بارگاہ میں اپنی برأت ظاہر کرتا ہوں۔ پھر آگے بڑھے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوگئی۔ ان میں سے کہا اے سعد بن معاذ! نضر کے رب کی قسم جنت قریب ہے مجھے احد کی جانب سے اس کی خوشبو آرہی ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جو کچھ اس نے کر دکھایا میں اس کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نے انہیں شہید پایا اس حال میں کہ ان کے جسم پر تلوار، نیزے اور تیروں کے اسی سے زائد زخم لگے ہوئے تھے پھر مشرکین نے ان کا مثلہ بھی کر دیا جس کے باعث ان کی پہچان مشکل ہوگئی ان کی پہچان صرف ان کی بہن نے ان کی انگلیوں کے پوروں سے کی تھی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ آیت ان کے لئے اور ان ہی کی مثل لوگوں کے لئے نازل ہوئی۔ ''مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ'' الی آخر الآیۃ متفق علیہ۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

مسلم کی روایت میں یہ ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا (الاحزاب: ۲۳)

''(اہل ایمان میں ایسے جوانمرد ہیں جنہوں نے سچا کر دکھایا جو وعدہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا ان جوانمردوں سے کچھ تو اپنی نذر پوری کر چکے اور بعض (اس ساعت سعید کا) انتظار کر رہے ہیں (جنگ کے مہیب خطرات کے باوجود) ان کے رویہ میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی)''

راوی کہتے ہیں کہ ان کا خیال یہ ہے کہ یہ آیت ان کے بارے اور ان کے ساتھیوں کے بارے نازل ہوئی۔

بعض اصحاب پر ملائکہ کے سایہ کرنے کا بیان

۹۳۹- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ جب میرے والد شہید کر دیئے گئے اور ایک روایت میں اسی طرح ہے (کہ میرے والد کو غزوہ احد کے دن مثلہ حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا گیا اور آپ پر کپڑا ڈال دیا گیا) میں ان کے چہرے سے کپڑا ہٹا کر رونے لگا اور لوگ مجھے ایسا کرنے سے منع کرنے لگے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے منع نہیں فرما رہے تھے۔ پھر میری پھوپھی فاطمہ بھی رونے لگیں تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا تو اس پر رو یا نہ رو۔ فرشتے اس پر اپنے پروں سے سایہ کئے رکھیں گے یہاں تک کہ تم اسے اٹھا لو'' متفق علیہ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول ''تبکین او لا تبکین'' کا معنی یہ ہے کہ برابر ہے تو اس پر روئے یا نہ روئے۔ ملائکہ اس پر سایہ کئے رکھیں گے اور جسے یہ عزت اور اس جیسے کئی اعزاز حاصل ہوں۔ اس پر رونا نہیں چاہئے۔ واللہ اعلم۔

بعض کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بلا حجاب خطاب فرمانے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے بعض شہداء احد کو زندہ فرمایا اور ان سے بلا حجاب خطاب فرمایا جبکہ اسی اثناء

میں دوسروں سے حجاب کے پیچھے سے خطاب کیا۔ اور ان سے پوچھا کہ وہ کیا ارادہ رکھتے ہیں؟ تو انہوں نے دوبارہ زندہ کئے جانے کا ارادہ ظاہر کیا تاکہ انہیں دوبارہ قتل کیا جائے۔ اس کا ذکر چند صفحات پہلے بھی گزر چکا ہے۔

۹۴۰۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا ''اے جابر! کیا ہے میں تمہیں کمزور دیکھ رہا ہوں؟ میں نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد غزوہ احد میں شہید کر دیئے گئے اور انہوں نے بہت سے افراد خانہ اور قرض باقی چھوڑا ہے۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کیا میں تمہیں خوش نہ کردوں اس عمل سے جس کے ذریعہ رب کریم نے تیرے باپ سے ملاقات کی؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' رب کریم نے کسی سے کلام نہیں فرمایا مگر حجاب کے پیچھے سے۔ لیکن اس نے تیرے باپ کو زندہ فرمایا اور بلاحجاب کلام فرمایا۔ اور کہا'' اے میرے بندے! میرے سامنے اپنی آرزو کا اظہار کر میں تمہیں عطا کروں گا۔ تو انہوں نے عرض کی۔ اے میرے پروردگار! تو مجھے زندہ فرمادے تاکہ دوبارہ تیرے راستے میں قتل کر دیا جاؤں۔ تو اس پر رب کریم نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف سے پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے۔'' اِنَّھُمْ اِلَیْھِمْ لَایَرْجِعُوْنَ '' (کہ انہیں اہل دنیا کی طرف واپس نہیں لوٹایا جائے گا) چنانچہ پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔'' وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا'' الآیۃ۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا اور حسن قرار دیا۔ ابن ماجہ اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے جبکہ امام ذہبی خاموش رہے ہیں۔ ''کفاحاً'' کا معنی ہوتا ہے بغیر حجاب کے۔ واللہ اعلم

بعض شہداء کو ملائکہ کے غسل دینے کا بیان

اس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض صحابہ کرام نے جہاد کے لئے منادی کی ندا سنی تو وہ بلا تاخیر حالت جنابت میں ہی گھروں سے نکل پڑے اور انہوں نے آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تعمیل میں اتنی تاخیر بھی پسند نہ کی کہ وہ غسل ہی کر لیں اور پھر میدان جنگ میں جام شہادت نوش کر لیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ملائکہ انہیں غسل دے رہے ہیں۔

۹۴۱۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ کے قتل ہونے کے وقت یہ کہتے سنا کہ حنظلہ اور ابوسفیان بن حرب باہم لڑ رہے تھے کہ عین اس وقت شداد بن اسود بن شعوب نے اوپر سے تلوار مار کر انہیں شہید کر دیا۔ (سراج کی روایت میں یہ ہے کہ جب حضرت حنظلہ غالب آ رہے تھے کہ شداد بن شعوب نے انہیں دیکھ لیا۔ پس اوپر سے تلوار مار کر انہیں شہید کر دیا۔ قریب تھا کہ وہ ابوسفیان کو قتل کر دیتے) تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' بے شک تمہارے ساتھی کو فرشتے غسل دے رہے ہیں۔تم ان کی اہلیہ سے کیفیت پوچھ لینا؟ تو ان کی زوجہ نے بتایا کہ جب وہ حملہ کے بارے سن کر گھر سے نکلے تھے تو اس وقت ان پر غسل فرض تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' اسی لئے ملائکہ نے انہیں غسل دیا ہے۔'' یہ روایت حاکم نے نقل کی اور اسے مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا۔ امام ذہبی اور بیہقی نے سکوت اختیار کیا۔ سراج نے اپنی سند سے اسے روایت کیا اور ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں اس کا ذکر کیا۔

ابوسفیان نے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ابن شعوب کی معاونت کا ذکر کرتے ہوئے قصیدہ میں کہا ہے۔

وَلَوْ شِئْتُ نَجَّتْنِیْ کُمَیْتٌ طَمِرَّةٌ وَلَمْ أَحْمِلِ النَّعْمَاءَ لِا بْنِ شُعُوْبِ

ترجمہ: (اور اگر میں چاہتا کہ لمبی ٹانگوں والا سرخ وسیاہ گھوڑا مجھے پھینک دے تو میں ابن شعوب کا احسان نہ اٹھاتا)۔

اور ابن شعوب نے اپنے قصیدہ میں بایں الفاظ جواب دیا ہے اور یہ ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے۔

وَلَوْ لَا دِفَاعِیْ یَا بْنَ حَرْبٍ وَ مَشْهَدِیْ لَأُ لْفَیْتُ یَوْمَ النَّعْفِ غَیْرَ مُجِیْبِ

ترجمہ: اے ابن حرب! اگر میں دفاع نہ کرتا اور حاضر نہ ہوتا تو میں امن کے دن جواب دینے والا نہ پاتا۔

وَلَوْ لَا مُکَرِّیْ الْمُهْرَ بِالنَّعْفِ قَرْقَرَتْ ضِبَاعٌ عَلَیْهِ أَوْ ضَرَّاءُ کَلِیْبِ

ترجمہ: (اگر میں تیزی سے گھوڑا واپس نہ لاتا تو اس پر بجو اور کتوں کے گروہ آوازیں نکال چکے ہوتے)

۹۴۲-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت حنظلہ بن راہب دونوں اس حال میں شہید ہوئے کہ وہ جنبی تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' کہ میں نے ملائکہ کو دیکھا کہ وہ ان دونوں کو غسل دے رہے ہیں'' اسے طبرانی نے الکبیر میں نقل کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے اسی طرح مجمع میں ہے۔

میں کہتا ہوں۔ ملائکہ کا حضرت حنظلہ کو غسل دینا اتنا مشہور ہے کہ اس کے لئے سند لانے کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی وجہ سے آپ کو غسیل کہا جاتا ہے اور آپ کی اولاد کو (ابن غسیل الملائکہ یا ابن الغسیل) کہا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شہداء کی شہادت دینے کا بیان

اس کا معنی یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن شہداء احد کی شہادت دیں گے اور یہ شہادت ان ہی کے ساتھ خاص ہے۔

۹۴۳-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد

میں دو آدمیوں کو ایک کپڑے میں جمع کر رہے تھے۔ پھر فرمانے لگے'' ان میں سے کون قرآن کو زیادہ جاننے والا ہے؟ جب ایک کی طرف اشارہ کر دیا گیا تو اسے لحد میں آگے رکھا اور فرمایا'' میں قیامت کے دن ان کے بارے شہادت دوں گا'' اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خون سمیت دفن کرنے کا حکم فرمایا۔ نہ ان پر نماز جنازہ پڑھی گئی اور نہ انہیں غسل دیا گیا۔ اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

۹۴۴- حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کو دیکھا تو فرمایا'' میں ان کے بارے شہادت دوں گا۔ جو آدمی بھی اللہ کی راہ میں زخمی ہوا۔ تو قیامت کے دن رب کریم اسے اس حال میں اٹھائے گا کہ اس کا زخم خون آلود ہوگا۔ اس کا رنگ خون کی مثل ہوگا اور خوشبو کستوری کی مثل ہوگی۔ تم دیکھو کہ ان میں سے کون زیادہ قرآن جاننے والا ہے اسے قبر میں دوسروں سے آگے رکھو'' یہ روایت امام احمد، نسائی اور طبرانی نے نقل کی ہے۔ اس کے راوی صحیحین کی شرائط کے مطابق صحیح ہیں۔ لیکن حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے لئے رویۃ تو ثابت ہے مگر روایت کے اعتبار سے ان کی حدیث مرسل ہے۔ لیکن اس کی شاہد سابقہ حدیث بھی ہے اور آگے آنے والی روایت بھی اس کی شاہد ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۹۴۵- حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کون ہے جس نے حمزہ (رضی اللہ عنہ) کے مقتل کو دیکھا ہے؟'' ایک آدمی نے عرض کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے۔ میں نے ان کے شہید ہونے کی جگہ دیکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کھڑے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کا پیٹ چاک کر دیا گیا ہے اور دیگر اعضاء بھی کاٹ دیئے گئے ہیں۔ اس آدمی نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان کا مثلہ کر دیا گیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھنا ناپسند فرمایا۔ اور مقتولوں کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا'' میں ان کے بارے شہادت دوں گا۔ تم انہیں خون سمیت لپیٹ دو۔ بے شک ہر وہ زخمی جسے اللہ کے راستے میں زخم لگایا گیا ہو۔ قیامت کے دن اس کے زخم سے خون بہہ رہا ہوں گا۔ اس کی رنگت تو خون جیسی ہوگی لیکن خوشبو کستوری کی مثل ہو گی۔ تم لحد میں اسے آگے رکھو جو قرآن کریم زیادہ جاننے والا ہے۔ اسے طبرانی نے رجال صحیح سے روایت کیا ہے۔

شہداء کی زیارت کا بیان

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہداء کی زیارت فرماتے تھے اور انہیں اپنے بھائی کے قائم مقام قرار دیتے تھے۔

۹۴۶۔حضرت طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہداء کی قبروں کی زیارت کے لئے نکلے۔ جب ہم حرہ واقم پر پہنچ کر اس سے نیچے اترے تو دیکھا کہ وادی کے موڑ میں چند قبریں ہیں تو ہم نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں" پھر جب ہم شہداء کی قبور کے پاس پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں" اسے ابوداؤد، امام احمد اور بیہقی نے اسناد صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے۔

آپ کا قول" هٰذِهٖ قُبُوْرُ اِخْوَانِنَا" یہ شہداء کے لئے ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنا بھائی قرار دیا۔ کیونکہ شہداء کا مقام ومرتبہ رب کریم کی بارگاہ میں اتنا بلند ہوتا ہے کہ کوئی دوسرا ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ واللہ اعلم

قولہ" بِمَحْنِيَةٍ" اس کا معنی ہے وادی کا موڑ۔ یہ صحابہ کرام کی قبور تھیں۔ ان میں سے کوئی بھی شہید نہیں تھا۔ اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" هٰذِهٖ قبورُ اَصْحَابِنَا" (یہ ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں)۔

اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شہداء کی قبروں کی زیارت کیا کرتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شہدائے احد کو الوداع کہنے کا بیان

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وصال سے چند دن قبل شہدائے احد کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں الوداع کہتے ہوئے ان پر نماز جنازہ ادا فرمائی۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بقیع کے ساتھ کیا۔ اس کا ذکر آگے آپ کی بیماری کی آخری رات کے بیان میں آئے گا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ایسے کیا جیسے آپ زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے ہوں۔

۹۴۷۔حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد پر آٹھ سال بعد نماز جنازہ ادا فرمائی جیسا کہ آپ زندوں اور مردوں کو الوداع کہہ رہے ہوں۔ پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور فرمایا" بے شک میں تمہارے انتظام کے لئے آگے جا رہا ہوں اور میں تم پر گواہ ہوں۔ اور بے شک تمہارے ساتھ حوض کا وعدہ ہے اور میں اپنے اس مقام سے اسے دیکھ رہا ہوں۔ (ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں یا فرمایا مجھے زمین کی چابیاں دی گئی ہیں) مجھے تمہارے بارے میں یہ خوف نہیں کہ تم شرک کا ارتکاب کرو گے البتہ تمہارے بارے میں یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو گے" راوی کہتے ہیں یہی آخری بار تھی جب میں نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کو دیکھا۔متفق علیہ

راوی کا قول ''صلّی ...... علی قتلٰی اُحد صلاتہٗ علی المیّت'' یہ دو معنوں کا احتمال رکھتا ہے۔ایک نماز جنازہ اور دوسرا معنی دعا۔

راوی کا قول ''بَعْدَ ثَمَانِیَ سِنِیْنَ'' یہ جبر کسر کے طریقے پر مجاز ہے کیونکہ غزوۂ احد شوال ۳ھ میں ہوا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوا اس طرح یہ مدت ساڑھے سات سال سے تھوڑا کم بنتی ہے۔

راوی کا قول ''کالْمُوَدِّعِ لِلْأَحْیَاءِ وَالْأَمْوَاتِ'' آپ کا زندوں کو الوداع کہنا تو بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ آخری خطبہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا اور اس پر حدیث کا آخری حصہ دلالت کرتا ہے کہ یہ وہ آخری بار تھی جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مردوں کو الوداع کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرتبہ مردوں کی زیارت کی۔اور یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بقیع کے لئے استغفار کیا۔اس کا بیان سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔واللہ تعالیٰ اعلم

شہداء کے جسموں کا بغیر کسی تبدیلی کے تازہ رہنا

شہدائے احد کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ زمانے کے تغیر وتبدل اور طویل مدت گزرنے کے باوجود ان کے اجسام تروتازہ ہیں اور ان میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ان میں سے بعض کو دو مرتبہ نکالا گیا اور دوسری مرتبہ چالیس سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد نکالا گیا اور وہ سامنے کی طرف اس طرح مڑے ہوئے تھے گویا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے سوئے ہوں۔بلکہ ان میں سے بعض کا جب وہ ہاتھ اٹھایا گیا جو وہ زخم پر رکھے ہوئے تھے تو زخم سے خون بہنے لگا اور اگر بعض کے پاؤں پر رگڑ سے خراش آگئی تو اس سے خون نکل آیا اور ایسا دس سال کے بعد ہوا۔

اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں۔اور رزق بھی دیئے جاتے ہیں؟ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس ان کی حیات ثابت کردی تو یہ ان کے لئے دوسری کرامت ہے کہ وہ ایسے شہداء ہیں جن کے لئے شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

۹۴۸-حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب غزوۂ احد ہوا تو میرے والد نے رات کے وقت مجھے بلایا اور کہا کہ میں اپنے بارے یہ خیال کرتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے سب سے پہلے میں شہید کیا جاؤں گا۔اور میں اپنے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے علاوہ تجھ سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں چھوڑ رہا۔میرے اوپر قرض ہے وہ ادا کردینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔پس جب ہم نے صبح کی تو سب سے پہلے شہید آپ ہی تھے۔ان کے

ساتھ قبر میں ایک اور آدمی بھی دفن کیا گیا۔ مجھے اچھا نہ لگا کہ میں انہیں دوسرے کے ساتھ چھوڑ دوں۔ لہٰذا میں نے انہیں چھ ماہ کے بعد نکالا تو وہ سوائے کان کے بالکل اس دن کی طرح تازہ تھے جیسے میں نے انہیں رکھا تھا۔ رواہ البخاری

۹۴۹- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے نکلے تو میرے باپ عبداللہ نے کہا۔ اے جابر! میری نظر میں اہل مدینہ میں سے کوئی بھی تجھ سے فائق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ تو جان لے گا جو ہمارا معاملہ ہوگا۔ قسم بخدا! اگر میں اپنے بعد بیٹیاں نہ چھوڑتا، تو میں یہ پسند کرتا کہ تجھے میرے سامنے شہید کیا جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے باپ اور ماموں کے بارے میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں میری پھوپھی آ گئیں انہوں نے دونوں کو اونٹ پر سوار کیا۔ تا کہ انہیں مدینہ طیبہ لے جا کر ہمارے قبرستان میں دفن کر دیں۔ اچانک ایک آدمی ملا جو یہ اعلان کر رہا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم ارشاد فرما رہے ہیں کہ مقتولوں کو واپس لے آؤ اور انہیں اپنے مقتل میں اس جگہ دفن کرو جہاں وہ قتل کئے گئے ہیں۔ لہٰذا ہم ان دونوں کو واپس لے آئے اور انہیں اسی جگہ دفن کیا جہاں وہ مقتول ہوئے تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا کہ ایک آدمی میرے پاس آیا اور کہا اے جابر بن عبداللہ! قسم بخدا! معاویہ کے عمل نے تیرے باپ کو ظاہر کر دیا ہے۔ اور وہ ننگے پڑے ہیں۔ پس مدینہ طیبہ سے ایک طائفہ ادھر نکلا تو میں بھی ان کے ساتھ وہاں آیا میں نے انہیں بالکل اسی طرح پایا جیسے میں نے دفن کیا تھا۔ ان میں کوئی تغیر اور تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ سوائے ان اعضاء کے جو شہید ہوتے وقت باقی نہیں رہے تھے۔ لہٰذا میں نے آپ کو ڈھانپ دیا۔ الحدیث۔ اسے امام احمد نے روایت کیا ہے اور یہ آپ کے ہی الفاظ ہیں۔ حمیدی اور اصحاب سنن اربعہ نے مختصر اً ذکر کیا ہے۔ ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابن سعد نے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور دارمی اور بیہقی نے سند صحیح کے ساتھ طویل حدیث نقل کی ہے۔

۹۵۰- ابن سعد اور ابن شبہ صحیح رواۃ سے آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت کرتے ہیں کہ جس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہر جاری کی تو ہمیں غزوہ احد کے شہداء کے لئے بلایا گیا تو ہم نے انہیں چالیس سال کے بعد نکالا لیکن ان کے جسم تر و تازہ تھے اور ان کے اعضاء کو موڑا جا سکتا تھا۔ یہ روایت ابن عبدالبر نے ابن وضاح کی سند سے صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے۔

۹۵۱- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کو دفن کرنے کے لئے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' ان کے زخموں پر کپڑا اوڑھا دو۔ بے شک میں ان کی شہادت دوں گا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' حضرت

عبداللہ ابن عمرو اور حضرت عمرو بن جموح کو ایک قبر میں دفن کردو کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔لہٰذا ان دنیا میں محبت کرنے والوں کو ایک قبر میں دفن کردو۔'' ان دونوں کی قبر دریا کے کنارے تھی۔اس میں سیلاب کا پانی داخل ہوگیا۔لہٰذا ان کی قبر کو کھودا گیا تو ان دونوں کے اوپر کمبل موجود تھے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر زخم لگا تھا اور آپ اپنا ہاتھ اسے پر رکھے ہوئے تھے۔پس جونہی آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو اس سے خون پھوٹ آیا چنانچہ پھر ہاتھ اسی جگہ رکھ دیا گیا تو خون بھی رک گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ کو قبر میں ایسے دیکھا گویا وہ سوئے ہوئے ہیں اور ان کی حالت میں تھوڑی یا زیادہ کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ان سے پوچھا گیا کیا آپ نے ان کا کفن بھی دیکھا ہے؟ تو انہوں نے جواباً کہا۔انہیں کمبل میں کفن دیا گیا تھا جس کے ساتھ ان کا چہرہ ڈھانپ دیا گیا اور ان کے پاؤں پر حرمل (گھاس) ڈال دیا گیا۔ہم نے کمبل کو ایسے ہی پایا جیسے وہ پہلے تھا۔اور اسی طرح پاؤں پر حرمل کو بھی اپنی اصلی کیفیت میں پایا اور اس دوران چھیالیس سال گزر چکے تھے اور پھر دونوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس سے نہر گزر رہی تھی اور جب انہیں نکالا گیا تو ان کے جسم بالکل تر و تازہ تھے اور ان کے اعضاء مڑ سکتے تھے۔'' یہ روایت ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ نقل کی ہے۔اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔اور امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ثقہ رواۃ سے اسے نقل کیا ہے لیکن ان کی روایت مرسل ہے۔یہ روایت ابن اسحاق نے اپنے باپ سے اور انہوں نے انصار کے شیوخ سے نقل کی ہے۔اگر وہ شیوخ صحابہ ہیں تو پھر یہ روایت متصل صحیح ہے ورنہ اس کا اول حصہ مرسل ہے اور اس کا آخر متصل صحیح ہے اور اس سے مراد حادثہ اور پھر انہیں نکالنا ہے۔واللہ اعلم

بیہقی نے دلائل میں یہ روایت نقل کی اور آخر میں یہ اضافہ کیا'' کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں کو رگڑ آئی تو اس سے خون ظاہر ہوگیا۔''

ابن عبدالبر نے اسے ابن وضاح کی سند سے ثقہ رواۃ اور سند صحیح کے ساتھ نقل کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ لکھا ہے کہ ابوسعید نے کہا ہے'' میں اس کے بعد کبھی بھی اس کا انکار نہیں کروں گا۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے کسی کے پاؤں کی انگلی پر خراش آئی تو خون نکل آیا۔

مذکورہ بالا تمام نصوص میں بظاہر اختلاف موجود ہے اس لئے کہ ان میں تین تاریخیں ذکر کی گئی ہیں۔
نمبر ۱: انہیں دفن کرنے کے چھ ماہ بعد نکالا گیا۔نمبر ۲: چالیس سال بعد جبکہ حضرت امیر معاویہ نے نہر جاری کی۔نمبر ۳: چھیالیس سال بعد جبکہ قبروں کو سیلاب نے آلیا تو انہیں قبروں سے نکال لیا گیا۔فی الحقیقت ان

کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔

حافظ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے واقعہ کے متعدد بار ہونے کے سبب ان کے درمیان تطبیق کی ہے۔ اس طرح کہ شہداء کو اپنی قبور سے نکالنے کا عمل کئی بار ہوا۔

جب حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ کے بعد اپنے والد کو نکال لیا تھا تو پھر دونوں کے ایک قبر میں ہونے کا معنی کیا ہے؟ تو اس کے بارے حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ یا تو دونوں کے ایک قبر میں ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ بالکل ایک دوسرے کے جوار میں تھیں (گویا کہ وہ دونوں ایک ہی قبر میں تھے) یا پھر معنی یہ ہے کہ سیلاب نے ان میں سے ایک کی قبر کو کھول دیا جس کے سبب وہ دونوں ایک قبر کی مثل ہوگئیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ علی سبیل الکرامۃ ہے کیونکہ جب شہداء کا زندہ ہونا اور ان کے اجسام کا تروتازہ ہونا یہ سب ہی کرامت ہے تو پھر کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو دوبارہ جمع کر دیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا ذکر جو جنت میں صحیح پاؤں کے ساتھ چلتے ہیں

۹۵۲۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں (اور وہ موقع پر حاضر تھے) کہ حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کا کیا خیال ہے۔ اگر میں اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے قتل ہو جاؤں تو کیا میں جنت میں صحیح پاؤں کے ساتھ چل سکوں گا؟ (آپ نے یہ سوال اس لئے کیا کہ آپ ایک پاؤں سے لنگڑے تھے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”جی ہاں“ لہٰذا پھر جنگ احد کے دوران وہ، ان کے بھتیجے اور ان کا ایک غلام شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے تو فرمایا ”میں تمہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے تندرست پاؤں کے ساتھ جنت میں چل رہے ہو۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم ارشاد فرمایا کہ ان دونوں کو ان کے غلام سمیت ایک قبر میں دفن کر دیا جائے۔“ اسے امام احمد اور ابن شبہ نے یحییٰ بن نصر کے علاوہ صحیح کے رواۃ سے نقل کیا ہے اور وہ ثقہ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اسے حسن کہا ہے۔ لیکن ابن عبدالبر رحمتہ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ وہ ان کے بھتیجے نہیں تھے بلکہ ان کے چچا کے بیٹے تھے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی کہا ہے لیکن یہ بھی کہا کہ شاید وہ ان سے عمر میں بڑے تھے۔ رضی اللہ عنہم وارضاھم۔ رب کریم ہمارا حشر بھی ان کے ساتھ اور ان کے گروہ کے ساتھ کرے۔ آمین

شہدائے احد کے چند واقعات اور کچھ فضائل ذکر کئے ہیں۔ بالتفصیل تمام واقعات ذکر نہیں کئے۔ کیونکہ وہ ایک مستقل کتاب کا تقاضا کرتے ہیں لیکن جو قلیل میں نے ذکر کر دیئے ہیں وہ کثیر پر دلالت کرتے ہیں اور ان کے فضل وکمال اور علو مرتبہ پر دلالت کرنے کے لئے یہی کچھ کافی ہے۔ رضی اللہ عنہم وارضاہم۔

جبل سلع اور خندق کا بیان

جو کچھ جبل احد کے بارے مذکور ہے وہ جبل سلع کے بارے میں نہیں۔ البتہ چند مقامات پر جبل سلع کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً واقعہ استسقاء اس میں گھاس اگنے کا واقعہ، حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو توبہ کی قبولیت کی بشارت اور جنگ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا اسے پشت کے پیچھے رکھنے کا واقعہ وغیرہ۔ میں صرف اس حدیث کے بیان پر ہی اکتفا کروں گا جس میں جبل سلع کا ذکر ہے۔ اگرچہ اس میں اس کی فضیلت کا بیان موجود نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۵۳- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد میں اس دروازے سے داخل ہوا جو دار القضاء کی طرف تھا۔ (اور بخاری شریف کی ایک روایت میں اس طرح ہے ''کہ اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر کے سامنے تھا'' اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے وہ آدمی سیدھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ کر کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، مال ہلاک ہو گئے اور راستے ٹوٹ گئے ہیں۔ رب کریم کی بارگاہ میں دعا کیجئے وہ ہمیں بارش عطا فرمائے۔ راوی کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اٹھایا اور رب کریم کی بارگاہ میں التجا کی ''اے اللہ ہمیں بارش عطا فرما، اے اللہ ہمیں بارش سے سیراب فرما، اے اللہ ہم پر بارش نازل فرما'' حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم بخدا اس وقت آسمان پر بادل یا بادل کا کوئی ٹکڑا نہیں دکھائی دے رہا تھا۔ اور ہمارے اور سلع کے درمیان نہ کوئی مکان تھا نہ کوئی گھر۔ پھر اچانک پیچھے کی جانب سے ڈھال کی مثل بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا جب وہ آسمان کے درمیان میں پہنچا تو وہ پھیل گیا پھر اس نے بارش برسائی۔ راوی کہتے ہیں۔ قسم بخدا! پھر ہم نے ہفتہ بھر سورج نہیں دیکھا۔ پھر آئندہ جمعہ اسی دروازے سے ایک آدمی آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے وہ آپ کی طرف آگے بڑھا اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مال ہلاک ہو گئے ہیں اور راستے ٹوٹ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے وہ ہم سے بارش روک لے۔ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک اٹھایا اور رب کریم کی بارگاہ میں التجا کی ''اے اللہ ہمارے ارد گرد برسا اور ہمارے اوپر نہ برسا، اے اللہ پہاڑوں پر، ٹیلوں پر، وادیوں میں اور درخت اگنے کی جگہ پر برسا'' پس بارش تھم گئی اور ہم باہر نکلے درآنحالانکہ ہم دھوپ میں چل رہے تھے'' متفق علیہ

۹۵۴- امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روایت میں یہ زائد الفاظ ذکر کئے ہیں۔'' کہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح ان پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کرامت اور دعا کی قبولیت کا اظہار فرمایا۔''

۹۵۵- صحیحین میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں۔'' کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے

بادل کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ پھٹ گیا۔حتیٰ کہ مدینہ طیبہ زمین کے خالی ٹکڑے کی شکل ہو گیا۔ جبکہ وادی قناۃ ایک ماہ تک بہتی رہی اور اطراف سے جو بھی آتا وہ بارش ہونے کا ذکر کرتا۔

غزوہ خندق کا مختصر بیان

جس طرح میں نے انتہائی اختصار کے ساتھ غزوہ احد کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اب کتب حدیث اور کتب سیر میں سے غزوہ خندق کا ذکر بھی کروں گا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے یہودیوں کو خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا تو ان میں سے سلام بن ابی الحقیق، حیی بن اخطب، کنانہ بن ابی الحقیق، ہوذۃ بن قیس الوائلی اور ابوعمار الوائلی یہودیوں کے ایک وفد کے ساتھ مکہ مکرمہ آئے۔ اور قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ لڑنے کی دعوت دی اور کہا ان کے خلاف ہم تمہارے ساتھ رہیں گے یہاں تک کہ ہم ان کا نام ونشان تک مٹادیں۔ تو قریش نے انہیں کہا۔ اے گروہ یہود! تم تو اہل کتاب ہو اور علم وفضل میں تم بہت اونچے ہو یہ تو تم جانتے ہو کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اختلاف رکھتے ہیں کہ آیا ہمارا دین بہتر ہے یا ان کا دین؟ تو انہوں (یہود) نے کہا۔ نہیں بلکہ تمہارا دین ان کے دین سے بہتر ہے اور تم حق پر ہونے کے اعتبار سے اولیٰ اور افضل ہو۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے یہ آیات نازل فرمائیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ قولہ تعالیٰ ''وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا'' (النساء: ۵۰ تا ۵۴)

''(کیا نہیں دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جنہیں دیا گیا حصہ کتاب سے وہ (اب) اعتقاد رکھنے لگے ہیں جبت اور طاغوت پر اور کہتے ہیں ان کے بارے میں جنہوں نے کفر کیا کہ وہ کافر زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان سے جو ایمان لائے ہیں۔ یہی وہ (بدنصیب) ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ تعالیٰ نے اور جس پر لعنت بھیجے اللہ تعالیٰ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار...... اور کافی ہے (انہیں جلانے کے لئے) جہنم کی دہکتی ہوئی آگ)۔'' (جمال القرآن)

چنانچہ قریش کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کے لئے عہد وپیمان کر لیا۔ جو بھی وہ اس کے لئے وقت مقرر کریں گے۔

پھر یہود بنی غطفان کی طرف گئے اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی دعوت دی۔ وہ بھی ان کے ساتھ متفق ہو گئے پھر بنی سلیم کی طرف گئے انہوں نے بھی ساتھ چلنے کا وعدہ کیا۔

پھر قریش اور ان کے متبعین احابیش ابوسفیان کی قیادت میں نکلے جبکہ بنی غطفان کا قائد عینیہ بن

حصن فرازی، بنومرہ کا قائد حارث بن عوف، بنو اشجع کا قائد مسعر بن رخیلہ، بنی سلیم کا قائد سفیان بن عبد شمس اور بنو اسد کا قائد طلیحہ بن خویلد اسدی تھا۔ اس طرح ان کے لشکر کی کل تعداد دس ہزار تھی۔ اور ان تمام کا سالار ابوسفیان تھا۔ پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف گروہوں کے آنے اور ان کے معاہدے کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم ارشاد فرمایا یہ وہی خندق ہے جس کا مشورہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے آپ کے ساتھ چند مہاجرین اور انصار بھی تھے اور اس جگہ کو تلاش کیا جہاں سے وہ مدینہ طیبہ میں اتر سکتے تھے۔ چنانچہ آپ نے جبل سلع کو اپنی پشت کے پیچھے رکھا اور خندق کی حد مقرر فرمائی۔ اس کا آغاز شیخین کے قلعہ سے کیا جو کہ بنی حارثہ کی طرف میں واقع ہے۔ اور موجودہ سید الشہداء کے مشرقی راستے سے ہوتے ہوئے جبل سلع کے مزاد غربی میں ختم کر دیا اور یہ حرہ غربیہ کی طرف میں واقع ہے اور ہر دس افراد کے ذمہ چالیس گز خندق کی کھدائی لگائی۔ جیسا کہ عمرو بن عوف سے طبرانی نے نقل کیا ہے۔

آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خندق کھودنے پر ابھارا اور بذات خود بھی کھدائی اور مٹی اٹھانے کا کام اپنے دست مبارک سے کیا۔ اس پر کثیر نصوص موجود ہیں۔

۹۵۶- حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ مہاجرین وانصار صبح کی سخت سردی میں کھدائی میں مصروف ہیں ان کے پاس کام کرنے کے لئے غلام موجود نہیں ہیں تو جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی محنت اور بھوک کو دیکھا تو فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الآخِرَۃِ فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃِ

ترجمہ: (اے اللہ بے شک زندگی تو آخرت کی ہی زندگی ہے تو انصار اور مہاجرین کی مغفرت فرمادے)

تو پھر ان جانثاروں نے جواباً عرض کی۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْجِھَادِ مَابَقِیْنَا اَبَدًا

ترجمہ: (یعنی ہم منزل عشق ومحبت کے وہ مسافر ہیں جنہوں نے اپنے ہادی ومرشد کے دست مبارک پر اس بات پر بیعت کی ہے کہ ہم جب تک زندہ رہیں گے کلمہ حق کو بلند کرنے کے لئے مصروف جہاد رہیں گے)۔ متفق علیہ۔ یہ الفاظ بخاری شریف کے ہیں۔

۹۵۷- بخاری اور مسلم دونوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت نقل کی ہے کہ مہاجرین اور انصار مدینہ طیبہ کے اردگرد خندق کھودرہے تھے اور اپنے کندھوں پر مٹی اٹھا کر باہر نکال رہے تھے تو اس دوران زبانوں سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَا یَعُوْا مُحَمَّدًا عَلَی الْاِسْلَامِ مَابَقِیْنَا اَبَدًا

ترجمہ: (ہم وہ ہیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اس بات پر بیعت کی ہے کہ جب تک ہم زندہ رہیں گے اسلام پر باقی رہیں گے)۔

راوی کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ان کے جواب میں یہ فرمارہے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّہٗ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرُ الْآخِرَۃِ فَبَارِکْ فِی الْاَنْصَارِ وَ الْمُھَاجِرَۃِ

ترجمہ: (اے اللہ! بے شک بھلائی صرف آخرت کی ہی بھلائی ہے۔ تو انصار اور مہاجرین میں برکت پیدا فرمادے)۔

راوی کہتے ہیں وہ ایک مٹھی جو لاتے پھر انہیں بدمزہ چربی میں پکایا جاتا اور لوگوں کے سامنے کھانے کے لئے رکھ دیئے جاتے۔ درآنحالانکہ لوگوں کو بہت بھوک لگی ہوتی وہ گلے میں اٹک بھی جاتے تھے اور ان کی بو بھی اچھی نہیں ہوتی تھی۔

۹۵۸- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم خندق کی کھدائی کے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے اور ہم اپنے کندھوں پر مٹی اٹھا کر باہر نکال رہے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْآخِرَۃِ فَاغْفِرْ لِلْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ

متفق علیہ

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس کھدائی میں شریک تھے اور صحابہ کرام کے ساتھ مل کر مٹی بھی باہر نکال رہے تھے۔

۹۵۹- حضرت براء رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خندق کی کھدائی کے وقت مٹی نکال رہے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کا بطن اقدس غبار آلود ہوگیا۔ راوی کہتے ہیں (ایک روایت میں اس طرح ہے کہ مٹی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ کی جلد کو ڈھانپ لیا۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر بال بہت زیادہ تھے۔ میں نے آپ کو سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر مٹی نکال رہے تھے اور ادھر ابن رواحہ کے کلمات سے رجز پڑھ رہے تھے۔

وَاللّٰہِ لَوْ لَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

ترجمہ: (قسم بخدا! اگر اللہ تعالیٰ ہماری دستگیری نہ کرتا تو نہ ہم زکوٰۃ دیتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔)

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا وَ ثَبِّتْ الْاَ قْدَامَ اِنْ لَا قَیْنَا

ترجمہ: (اے اللہ! ہم پر اطمینان وسکون نازل فرما اور اگر ہمارا مقابلہ دشمنوں سے ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھ۔)

إِنَّ الْأُولٰى قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا إِذَا أَرَادُوا فِتْنَةً أَبَيْنَا

ترجمہ: (بے شک انہوں نے ہمارے خلاف علم بغاوت بلند کیا جب انہوں نے فتنہ کا ارادہ کیا تو ہم نے انکار کر دیا)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے یہ الفاظ بار بار کہتے تھے "أبينا أبينا" متفق علیہ۔

دونوں روایتوں میں مذکور الفاظ بخاری شریف کے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح خندق کی کھدائی کے بعد اس سے مٹی اٹھاتے تھے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم خندق کی دیواریں بنانے کے لئے پتھر اور اینٹیں اٹھا اٹھا کر بھی ساتھیوں کو دیتے تھے۔

۹۶۰-حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول نہیں بھولی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہہ رہے تھے جب آپ خندق کی تعمیر میں اینٹیں اٹھا کر دے رہے تھے اور آپ کے سینہ اقدس کے بال غبار آلود تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہہ رہے تھے۔

اللّٰهُمَّ إِنَّ الْخَيْرَ خَيْرُ الْآخِرَةِ فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

اسے امام احمد اور ابو یعلی نے رجال صحیح سے نقل کیا ہے۔

مسلمان مسلسل چھ دن تک خندق کھودتے رہے یہاں تک کہ اسے مضبوط کر دیا اور وہ اپنے کام کے دوران اپنے نفسوں کو راحت پہنچانے کے لئے اور کام کے لئے اپنے آپ کو چست رکھنے کے لئے رجز پڑھتے رہتے تھے۔اور وہ آج دن تک موجود ہے۔

خندق کی کھدائی میں مسلمانوں میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہا اور صرف منافقین ہی اپنے کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مسلمانوں سے پیچھے رہے۔ان میں سے بعض کمزوری کے سبب چھپ جاتے تھے اور بعض بغیر اجازت کے چھپ کر کھسک جاتے تھے۔جبکہ مسلمانوں کی حالت اس کے برعکس تھی۔اس طرح کہ اگر ان میں سے کسی کو ضروری کام پڑ جاتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر اس کا ذکر کرتا۔اور اس کے لئے اجازت طلب کرتا اور پھر جب اپنے کام سے فارغ ہو جاتا تو اپنے خلوص کا اظہار کرتے ہوئے اور عمل خیر کی رغبت رکھتے ہوئے اپنے کام پر واپس لوٹ آتا۔تو پھر رب کریم نے منافقین اور مومنین کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ
جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولٰئِكَ
الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن
لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٢﴾ لَّا
تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ

الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ
تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا
عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾ (النور: ۶۲ ـ ۶۴)

”(بس سچے مومن تو وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جب ہوتے ہیں آپ کے ساتھ کسی اجتماعی کام کے لئے تو (وہاں سے) چلے نہیں جاتے جب تک کہ آپ سے اجازت نہ لے لیں۔ بلاشبہ وہ لوگ جو اجازت طلب کرتے ہیں آپ سے یہی وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔ اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ پس جب وہ اجازت مانگیں آپ سے اپنے کسی کام کے لئے تو اجازت دیجئے ان میں سے جسے آپ چاہیں اور مغفرت طلب کیجئے ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ نہ بنالو رسول کے پکارنے کو آپس میں جیسے تم پکارتے ہو ایک دوسرے کو۔ اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے، انہیں جو کھسک جاتے ہیں تم میں سے ایک دوسرے کی آڑ لے کر۔ پس ڈرنا چاہئے انہیں جو خلاف ورزی کرتے ہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی کہ انہیں کوئی مصیبت نہ پہنچے یا انہیں دردناک عذاب نہ آلے سن لو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ وہ خوب جانتا ہے، جس حالت میں تم ہو اور اس دن جب وہ لوٹائے جائیں گے اس (کی بارگاہ) کی طرف تو وہ انہیں آگاہ کرے گا جو انہوں نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے)۔“ (جمال القرآن)

دن اور رات کے وقت سردی سخت تھی۔ مسلمانوں کے پاس ایسا لباس نہیں تھا جو دن کے وقت ان کے لئے کافی ہوتا اور نہ ہی ان کے پاس کمبل تھے کہ وہ رات کے وقت اوڑھ سکتے بلکہ وہ ننگے بدن کام میں لگے ہوئے تھے۔ اسی لئے ان میں سے بعض اپنے گھر والوں کی طرف جانے کی فرصت تلاش کرتے، تا کہ وہ گھر میں پناہ لے سکیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر بغیر اجازت کے جانے والے منافقین تھے۔

۹۶۱۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ مجھے میرے ماموں عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے لحاف لانے کے لئے بھیجا۔ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں اجازت لینے کے لئے حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خندق میں تھے۔ آپ نے مجھے اجازت عطا فرمائی اور ساتھ ارشاد فرمایا ”جو بھی تمہیں ملے۔ اسے کہنا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں واپس آنے کا حکم ارشاد فرمارہے ہیں۔“ اس وقت سردی انتہائی شدید تھی۔ میں وہاں سے آیا اور کئی لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ تو میں نے انہیں کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں واپس لوٹنے کا حکم ارشاد فرمایا

ہے۔حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم بخدا! ان میں سے ایک یا دو نے مجھ پر مہربانی نہیں کی (یعنی میری بات کو نہیں مانا)۔

اسے طبرانی نے کبیر اور اوسط میں رجال صحیح سے نقل کیا ہے اور کئی احادیث آگے آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس دوران کئی واضح معجزات، نبوت کے روشن دلائل اور خارق للعادۃ امور ظاہر ہوئے جنہیں خالق کائنات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور آپ کی نبوت کی تحقیق کے لئے دلیل بنادیا۔ مسلمانوں نے ان کا مشاہدہ کیا تو ان پر ایمان لانے کے سبب ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔ ان کے دلوں کو استقلال نصیب ہوا اور پیہم و مسلسل کام کرنے کے جذبے کو تقویت حاصل ہوئی۔ ان معجزات اور دلائل میں سے بعض کا ذکر مندرجہ ذیل ہے۔

خندق میں پہاڑ کے سخت حصے سے ایک پتھر کا ظاہر ہونا

۹۶۲-حضرت ایمن مخزومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ تو انہوں نے بتایا کہ ہم خندق کھود رہے تھے کہ اچانک ایک سخت چٹان آگئی لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ خندق میں یہ چٹان آگئی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں آرہا ہوں پھر آپ اٹھے درآنحالانکہ آپ اپنے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ ہمیں بھی تین دن گزر چکے تھے کہ ہم نے کوئی شے نہیں کھائی تھی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کدال پکڑا اور پتھر پر ضرب لگائی۔ تو وہ ریت کے ذرات کی مثل ہو گیا یا ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ تو میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے گھر جانے کی اجازت دیجئے۔ میں نے اپنی زوجہ سے کہا۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ چیز دیکھی ہے جس پر صبر کرنا مشکل ہے۔ کیا تیرے پاس کوئی شے ہے؟ تو اس نے کہا۔ میرے پاس تھوڑے سے جو اور ایک بکری کا بچہ ہے۔ پس میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس نے جو پیسے......'' الحدیث۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

قولہ ''فعاد کثیباً اُھیَلَ'' یعنی چٹان ریت کے اس ٹیلے میں بدل گئی جس سے ریت گر رہی ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی چٹان کا واقعہ

اسی طرح ایک واقعہ یہ ہوا۔ کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے ایک بہت بڑی چٹان آگئی۔ ان کے اوزار ٹوٹ گئے اور اس نے انہیں مشقت میں مبتلا کر دیا۔ اس کے بارے متعدد

صحابہ کرام سے مروی ہے۔

۹۶۳- حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خندق کھودنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ تو ہمارے سامنے خندق کے ایک مقام پر سخت چٹان آ گئی۔ کدال اس پر کوئی اثر نہیں کر رہے تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صورت حال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور چٹان کے پاس اتر گئے۔ پھر آپ نے کدال پکڑا اور کہا ''بسم اللہ'' پس ایک شدید ضرب لگائی۔ تو چٹان کا تیسرا حصہ ٹوٹ گیا۔ اور آپ نے فرمایا ''اللّٰہ اکبر، أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الشَّامِ ، وَاللّٰهِ اِنِّي لَأُ بْصِرُ قُصُوْرَهَا الْحُمْرَ من مكاني هٰذا'' (اللہ اکبر، مجھے شام کی چابیاں عطا کر دی گئی ہیں۔ قسم بخدا! اس کے سرخ محلات مجھے اسی جگہ سے دکھا دیئے گئے ہیں) پھر کہا ''بسم اللہ'' اور دوسری ضرب لگائی۔ چٹان کا تیسرا حصہ پھر ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا ''اللّٰہ اکبر ، أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ فَارِس ، وَاللّٰهِ اِنِّي لَأُبْصِرُ المدائن، واُبْصِرُ قَصْرَهَا الْأَبْيَضَ مِنْ مَكَانِيْ هٰذَا'' (اللہ اکبر، مجھے فارس کی چابیاں عطا کر دی گئیں، قسم بخدا مجھے اسی مقام سے مدائن اور اس کا سفید محل دکھلا دیا گیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر کہا ''بسم اللہ'' اور آخری شدید ضرب لگائی نتیجۃً چٹان ٹوٹ گئی۔ تو آپ نے فرمایا ''اللّٰہ اکبر ، أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ الْيَمَنِ ، وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَأُبْصِرُ اَبْوَابَ صَنعَآءَ مِنْ مَكَانِيْ هٰذا'' (اللہ اکبر، مجھے یمن کی چابیاں عطا کر دی گئی ہیں۔ قسم بخدا! مجھے اسی جگہ سے صنعاء کے دروازے دکھا دیئے گئے ہیں) یہ روایت امام احمد، نسائی نے کبریٰ میں اور امام بیہقی نے نقل کی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے فتح الباری میں حسن کہا ہے۔

۹۶۴- طبرانی نے اسی کی مثل حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔ بیہقی نے حضرت عمرو بن عوف سے اور امام نسائی نے صحابہ کرام میں سے کسی سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ اور امام ابوداؤد نے بھی اس کا کچھ حصہ نقل کیا ہے۔

۹۶۵- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام نے خندق کھودی۔ اس حال میں کہ بھوک کے سبب اپنے پیٹوں پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بکری کا قصہ ذکر کیا۔ پھر راوی نے کہا کہ بعد ازاں صحابہ کرام خندق کی طرف چلے گئے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہمارے ساتھ سلمان کی طرف چلو'' وہاں ایک سخت چٹان ہے جسے توڑنے سے وہ عاجز ہیں۔ تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میرے لئے چھوڑ دو'' میں ہی اس پر پہلے ضرب لگاؤں گا'' تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ''بسم اللہ'' اور اس پر ضرب لگائی۔ تو اس کا تیسرا حصہ الگ ہو گیا۔ تو

آپ نے فرمایا ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، قُصُوْرُ الرُّوْمِ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ'' (اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم! روم کے محلات مجھے عطا کردیئے گئے) پھر دوسری ضرب لگائی تو ایک ٹکڑا اور علیحدہ ہوگیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ ، قُصُوْرُ فارس وَرَبِّ الْكَعْبَةِ'' (اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم۔ فارس کے محلات مجھے دکھادیئے گئے) یہ سن کر منافقین نے کہا۔ ہم اپنی حفاظت کے لئے خندق کھود رہے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ فارس اور روم کے محلات کا وعدہ کر رہے ہیں!!؟۔ اسے طبرانی نے کبیر میں ذکر کیا ہے۔ اس کے تمام راوی عبداللہ بن احمد بن حنبل اور نعیم العبدی کے علاوہ صحیح کے رواۃ ہیں۔ اور یہ دونوں بھی ثقہ ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قسم کی تنگی میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں شام، فارس، یمن، روم اور ان کے نواحی علاقوں کی فتح کی خوشخبری سنا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ تمام بلاد و امصار اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہوئے۔ پس اس سے مومنین کے ایمان میں اضافہ ہوا، اور منافقین کا نفاق خاک میں مل گیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل ورسوا کیا۔ واللہ اعلم۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بکری کا واقعہ

نبوت کے جو دلائل خندق میں ظاہر ہوئے ان میں سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی بکری کا واقعہ بھی ہے۔ مسلمانوں کو مسلسل تین دن گزر چکے تھے کہ وہ خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ تا کہ وہ اسے کفار کے گروہوں کے پہنچنے سے پہلے پہلے مکمل کرسکیں۔ مومنین کی قوت و طاقت کے یکجا ہونے کے سبب ان پر عنایت الٰہی کی بارش برس رہی تھی۔ اس سے قبل بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ لیکن میں نے ان الفاظ کے ساتھ یہاں ذکر نہیں کیا۔ بلکہ اس کے بارے مزید دو روایتیں ذکر کروں گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

٩٦٦- حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب خندق کھودی جارہی تھی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید بھوک کی حالت میں دیکھا۔ لہٰذا میں فوراً اپنی زوجہ کے پاس آیا۔ اور کہا۔ کیا تیرے پاس کوئی شے ہے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی سخت بھوک کی حالت میں دیکھا ہے۔ پس اس نے چمڑے کا ایک برتن نکالا جس میں ایک صاع جو تھے اور ہم نے بکری کا ایک بچہ بھی پال رکھا تھا۔ میں نے اسے ذبح کیا اور اس نے جو پیس لئے۔ میرے فارغ ہونے تک وہ بھی فارغ ہو گئی۔ میں نے گوشت کاٹ کر ہنڈیا میں ڈال دیا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ جانے سے قبل بیوی نے مجھے کہا۔ مجھے آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے سامنے رسوا نہ کرنا۔ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچا۔ تو آپ سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے بکری کا چھوٹا سا بچہ ذبح کیا ہے۔ ایک صاع جو ہمارے

پاس تھے انہیں پیس کر آٹا بنالیا ہے۔آپ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائیے۔ یہ سن کر حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے باآواز بلند فرمایا "اے اہل خندق، جابر نے کھانا تیار کیا ہے۔تم جلدی سے آجاؤ" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا "لَا تُنْزِلُنَّ بُرْمَتَكُمْ ، وَلَا تَخْبِزُنَّ عَجِيْنَكُمْ حَتّٰى أَجِيْئَ" (اپنی ہانڈی کو نہ اتارنا، اور اپنے آٹے سے روٹیاں نہ پکانا۔ یہاں تک کہ میں آ جاؤں) پھر میں آ گیا۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر آنے لگے۔میں اپنی بیوی کے پاس آیا (تو اسے سب کچھ بتادیا) اس نے کہا تو بھی تو ہی ہے۔میں نے کہا۔ میں نے وہاں وہی کیا جو تو نے کہا تھا۔ پس میں نے آٹا اٹھا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب دھن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ہانڈی کے پاس تشریف لائے اور اس میں لعاب دہن ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اب روٹیاں پکانے والی کو بلاؤ۔ وہ تمہارے ساتھ روٹیاں پکائے گی اور تمہاری ہانڈی سے سالن ڈالے گی۔لیکن اسے (چولہے) سے نہ اتارنا۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں۔کہ ایک ہزار افراد تھے ان تمام نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور واپس چلے گئے اور ہماری ہنڈیا ویسی کی ویسی ابل رہی تھی اور آٹے سے جوں کی توں روٹیاں پکائی جا رہی تھیں" متفق علیہ

٩٦٧ - سابقہ روایت اس طرح بھی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی رفیقہ حیات سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی کیفیت میں دیکھا ہے کہ اس پر جبر نہیں ہو سکتا۔کیا تیرے پاس کھانے کے لئے کوئی شے ہے؟ تو اس نے کہا۔ہاں میرے پاس تھوڑے سے جو اور ایک بکری کا بچہ ہے۔میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس نے اتنے میں جو پیس لئے اور ہم نے گوشت ہانڈی میں پکنے کے لئے رکھ دیا۔جب آٹا خمیرہ ہو گیا اور چولہے پر ہانڈی پکنے کے قریب ہو گئی تو میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں حاضر ہوا عرض کی۔آقا! میں نے تھوڑا سا کھانا تیار کیا ہے۔اپنے ساتھ ایک یا دو آدمیوں کو لے کر تشریف لائیے۔یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔کھانا کتنا ہے؟ میں نے اس کے بارے عرض کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔وہ کافی ہے اور بہت اچھا ہے۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔اپنی زوجہ سے کہہ دینا کہ ہانڈی چولہے سے نہ اتارے اور تنور سے روٹیاں نہ نکالے یہاں تک کہ میں آ لوں۔اور ادھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام اصحاب خندق کو ارشاد فرمایا، اٹھو چلو۔پس مہاجرین و انصار تمام کھڑے ہوئے۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ واپس اپنے گھر پہنچے۔تو اپنی زوجہ سے کہا تجھ پر ہلاکت ہو۔نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہاجرین و انصار اور اپنے جمیع ساتھیوں کے ساتھ تشریف لا رہے

ہیں اس نے کہا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھ سے کھانے کے بارے پوچھا تھا؟ میں نے کہا۔ جی ہاں۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور تمام کو فرمایا۔ تم اندر داخل ہو جاؤ اور ایک دوسرے کو تنگ نہ کرنا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روٹی توڑتے، اس پر گوشت رکھتے اور صحابہ کرام کو عطا فرما دیتے آپ ہر مرتبہ ہانڈی اور تنور کو ڈھک دیتے تھے۔ آپ یہ عمل مسلسل کرتے رہے۔ باری باری تمام کو عطا فرماتے رہے حتی کہ تمام سیر ہو گئے اور کچھ کھانا باقی بھی بچ گیا۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ سے فرمایا اسے خود کھاؤ اور لوگوں کو ہدیۃً دے دو۔ بیشک لوگوں کو بھوک نے پریشان کر رکھا ہے۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔

۹۶۸- امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی روایت میں اس حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں نے اتنی حیاء محسوس کی، جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور کہا کہ ایک صاع جو اور بکری کے ایک چھوٹے سے بچے پر اتنی مخلوق آ رہی ہے۔ پس میں اپنی زوجہ کے پاس آیا اور کہا۔ تو رسوا ہو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سارے لشکر کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ تو اس نے کہا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھ سے پوچھا تھا کھانا کتنا ہے؟ تو میں نے کہا۔ جی ہاں۔ تو پھر اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ جو کچھ ہمارے پاس تھا۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مطلع کر دیا۔ پس اس طرح اُس نے مجھ سے شدید پریشانی اور غم کو دور کر دیا۔

مصنف کا قول ہے کہ ان روایات کے مابین کوئی تعارض موجود نہیں۔ اس طرح کہ پہلی روایت میں الفاظ یہ ہیں۔ ''**قالت: بک، وبک**.....'' دوسری اور آخری روایت میں الفاظ یہ ہیں۔ ''**قالت: هل سالک؟**.....'' تو اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایات میں تطبیق اس طرح کی جا سکتی ہے کہ پہلی روایت میں اس چیز کا ذکر ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے انہیں یہ کہا تھا کہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو سارے لشکر کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں تو اسے یہ وہم ہوا کہ شاید انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقیقت حال سے مطلع کیا ہی نہیں۔ اس لئے وہ آپ سے جھگڑنے لگی۔ لیکن جب آپ نے اسے بتایا کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے تو پھر جو کچھ اس کے پاس تھا اس پر وہ ساکن ہو گئے کیونکہ دونوں یہ جانتے تھے کہ خلاف عادت ایسا ممکن ہے۔ لہٰذا یہ روایت اُن وفور عقل اور کمال فضل کی دلیل ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

بنت رواحہ کی کھجوروں کا واقعہ

دوران خندق ظہور پذیر ہونے والے معجزات میں سے ایک ان تھوڑی سی کھجوروں کا واقعہ بھی ہے جو حضرت عمرہ بنت رواحہ نے اپنے خاوند بشیر بن سعد بن ثعلبہ اور اپنے بھائی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی

طرف بھیجی تھیں۔

۹۶۹-حضرت سعید بن مینا سے روایت ہے کہ امام بیہقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بشیر بن سعد کی بیٹی جو کہ نعمان بن بشیر کی بہن ہیں سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مجھے میری ماں حضرت عمرہ بنت رواحہ رضی اللہ عنہا نے بلایا اور ایک مٹھی بھر کھجوریں کپڑے میں لپیٹ کر مجھے دیں اور فرمایا۔ بیٹی! یہ اپنے باپ اور ماموں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کے ناشتے کے لئے لے جاؤ۔ چنانچہ میں وہ لے کر چل پڑی۔ اس اثناء میں کہ میں اپنے باپ اور ماموں کو تلاش کر رہی تھی کہ میرا گزر حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ بیٹی! ادھر آؤ۔ یہ تمہارے پاس کیا ہے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کھجوریں ہیں۔ جو میری ماں نے میرے باپ بشیر بن سعد اور ماموں عبداللہ بن رواحہ کے لئے دے کر مجھے بھیجا ہے تا کہ وہ ان سے ناشتہ کرلیں۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ یہ ادھر لاؤ۔ میں نے وہ کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلی پر انڈیل دیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہتھیلیاں بھی ان سے نہ بھریں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کپڑا بچھانے کا حکم ارشاد فرمایا اور وہ کھجوریں اس پر ڈال دیں۔ پس وہ سارے کپڑے کے اوپر پھیل گئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پاس موجود ایک آدمی سے فرمایا کہ بلند آواز سے تمام اہل خندق کو بلاؤ کہ صبح کے ناشتے کے لئے آ جاؤ۔ نتیجۃً تمام اہل خندق اس کپڑے پر جمع ہو گئے اور اس سے کھجوریں کھانے لگے اور وہ بڑھتی ہی رہیں حتیٰ کہ وہ اس سے واپس لوٹنے لگے اور کھجوریں کپڑے کے کناروں سے نیچے گر رہی تھیں۔

یہ روایت ابن اسحاق، ابونعیم اور بیہقی نے نقل کی ہے۔ سعید بن مینا ثقہ راوی ہے اور مدلس نہیں۔ امام بیہقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کے واسطہ سے بشیر بن سعد کی بیٹی سے یہ روایت نقل کی ہے۔ میں نے اس کی کوئی طویل سند نہیں دیکھی۔ ابن اُثیر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسد الغابہ میں یہ روایت ذکر کی ہے اور یہ حدیث حضرت بشیر بن سعد کی بیٹی سے ہی ذکر کی ہے۔ پس اگر سعید بن مینا نے یہ روایت بذات خود ان سے سنی ہے تو پھر صحیح کی شرائط کے مطابق یہ سند صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں بھی کئی ایسے خارق للعادہ واقعات ہیں جو خندق کی کھدائی کے دوران وقوع پذیر ہوئے ان میں سے بعض کا ذکر ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گا۔

مختلف لشکروں کے مدینہ طیبہ میں پہنچنے کا بیان

جب مسلمان خندق کی کھدائی مکمل کر چکے تو کفار کے مختلف لشکر مدینہ طیبہ میں پہنچے قریش اور ان کے متبعین بنی کنانہ اور اہل تھامہ رومہ کی طرف سے جمع ہو کر سیلاب کی طرح آئے اور اسی طرح بنی غطفان اور ان کے متبعین اہل نجد اکٹھے ہو کر آئے اور تمام نے اُحد کی جانب جانے والے راستہ کے کنارے پڑاؤ ڈالا۔

ادھر سے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جانثاروں کو ساتھ لے کر تشریف لائے اور جبل سلع کو اپنی پشت پر رکھ کر قیام فرما ہوئے۔ اس وقت لشکر کفار کی تعداد دس ہزار تھی جبکہ ان کے بالمقابل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کی تعداد صرف تین ہزار تھی اور دونوں لشکروں کے درمیان خندق حائل تھی۔

۹۶۷۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے عورتوں اور چھوٹے بچوں کو قلعہ بند کر دیا۔ لڑکپن کی عمر سے گزرنے والے بچوں نے اپنے آپ کو بارگاہ نبوت میں جہاد کے لئے پیش کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جسے جہاد کے قابل سمجھا اسے اجازت دے دی اور جو اس عمر کو نہ پہنچا اسے قلعہ میں لوٹ جانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ جنہیں اجازت ملی تھی ان میں سے براء بن عازب، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہم تھے۔

۹۷۰۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے غزوہ احد میں اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں جہاد کے لئے پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے اجازت عطا نہیں فرمائی اس وقت میری عمر چودہ برس تھی۔ پھر میں نے غزوہ خندق میں شرکت کے لئے اپنے کو پیش کیا۔ تو آپ نے مجھے اجازت عطا فرما دی۔ تب میری عمر پندرہ برس تھی۔ متفق علیہ۔ یہ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔

اس حدیث طیبہ میں اشکال یہ ہے کہ جنگ احد شوال ۳ھ میں ہوئی اور جنگ خندق ۵ھ میں واقع ہوئی۔ یہ موقف جمہور اہل مغازی کا ہے۔ جبکہ موسیٰ بن عقبہ اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہ غزوہ خندق ۴ھ میں ہوا۔ لیکن اس بارے میں جمہور کا موقف ارجح ہے۔ کیونکہ ۴ھ میں بدر صغریٰ ہوئی۔ لہٰذا غزوہ خندق میں ان کی عمر سولہ برس ہوگی۔ تو پھر حدیث طیبہ میں وہ کیسے کہتے ہیں۔ کہ میری عمر پندرہ برس تھی۔؟

اس کا جواب امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے انتہائی اچھا دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ احتمال ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے غزوہ احد میں چودھویں سال میں قدم رکھا ہوا ہو۔ اور جب آپ نے جہاد کے لئے اپنے کو پیش کیا تو اجازت نہ ملی ہو لیکن غزوہ خندق کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال سے کچھ زائد ہو چکی ہو لیکن ذکر پندرہ کا کیا ہو اس لئے کہ جہاد سے متعلقہ حکم اتنی عمر سے ہی متعلق ہے۔ اس لئے آپ نے زائد عمر کا ذکر نہیں کیا۔ لہٰذا جب حضور کی بارگاہ میں اپنے کو پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت عطا فرما دی۔ یعنی غزوہ احد کے وقت آپ چودھویں سال میں داخل ہو چکے تھے اور غزوہ خندق میں آپ کی عمر پندرہ سال سے متجاوز تھی۔ پس پہلے عمر میں جو کمی تھی اسے پورا کر دیا اور دوسری صورت میں جو زائد ہے اسے چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ کے لئے تیار ہوئے تو آپ کے سامنے خندق تھی اور پیچھے جبل

سلح تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کا علم حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو عطا کیا اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے چمڑے کا ایک قبہ بنا دیا گیا۔

بنی قریظہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عہد و پیمان کر رکھا تھا لیکن جب مختلف قبائل کے گروہ وہاں پہنچے۔ تو ان کے ساتھ یہود بھی کافی تعداد میں تھے۔ جن کا سردار حیی بن اخطب تھا۔ جب بنی قریظہ کو اس بارے علم ہوا تو وہ اپنے قلعہ میں داخل ہو گئے اور اس کے دروازے بند کر لئے۔ حیی بن اخطب ان کے پاس آیا اور بنی قریظہ کے سردار کعب بن اسد پر مسلسل نکتہ چینی کرتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے معاہدہ توڑ دیا۔ جب اس کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جاننے کے لئے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔

۹۷۱- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ احزاب کے دن ارشاد فرمایا "کون ہے جو قوم (یہود) کی خبر لائے گا؟" تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ میں حاضر ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "کون قوم (یہود) کی خبر لائے گا؟" تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں حاضر ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا "کون قوم (یہود) کی خبر لائے گا؟" حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں حاضر ہوں۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بے شک ہر نبی کے لئے حواری ہوا کرتا ہے اور میرے حواری زبیر ہیں" متفق علیہ

۹۷۲- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے دن مجھے اور عمر بن ابی مسلمہ کو عورتوں کی حفاظت پر مامور کیا گیا۔ (مسلم نے یہ الفاظ زائد کئے ہیں۔ حسان کو قلعہ میں مقرر کیا گیا۔ ایک مرتبہ وہ میرے لئے جھکتے تھے تو میں دیکھ لیتا تھا اور ایک مرتبہ میں ان کے لئے سر جھکاتا تھا تو وہ دیکھ لیتے تھے) میں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دو تین مرتبہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر بنی قریظہ کی طرف آتے جاتے دیکھا تو جب میں غزوہ سے واپس لوٹا تو میں نے کہا۔ اے میرے ابا جان! میں نے آپ کو بنی قریظہ کی طرف آتے جاتے دیکھا ہے۔ انہوں نے کہا اے میرے بیٹے! کیا تو نے مجھے دیکھا ہے؟ میں نے عرض کی۔ جی ہاں۔ تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا "کون ہے جو بنی قریظہ کی خبر میرے پاس لائے گا؟" پس میں چل پڑا تو جب میں واپس لوٹا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لئے اپنے والدین کو جمع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا "فداک ابی و امی" (میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں) متفق علیہ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہود بنی قریظہ کے معاہدے توڑنے کا یقین ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما کو ان کی طرف بھیجا۔ یہ دونوں اپنی قوم کے سردار تھے۔ ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن رواحہ اور خوات بن جبیر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ وہ ان کے پاس پہنچے تو انہیں اس حال میں پایا کہ وہ عہد توڑ چکے ہیں۔ انہوں نے یہود کو وہ عہد یاد دلایا۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے درمیان قائم ہو چکا تھا لیکن انہوں نے جواباً انتہائی گستاخانہ انداز اختیار کیا۔ چنانچہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف واپس لوٹ گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے واپس جا کر کہا "عضل و القارہ" یعنی انہوں نے رجیع کے رہنے والے قبائل عضل اور قارہ کی طرح معاہدہ توڑ دیا۔ [illegible]ل اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت و معاونت کی بشارت دی۔

حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جانثار دشمن کے سامنے ڈٹے رہے۔ ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی اور وہ اپنی خندق کے ساتھ گھوم پھر کر اس کی حفاظت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خوف شدید ہوگیا اور نفاق پھوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ بعض نے ناپسندیدہ گفتگو شروع کردی۔ پس معتب بن قشیر نے کہا: کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے ساتھ وعدہ کر رہے ہیں کہ ہم کسریٰ وقیصر کے خزانے حاصل کریں گے اور ان کا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا جائیگا جبکہ صورت حال یہ ہے کہ آج ہم میں سے کسی کو اپنے نفس پر اتنا امن بھی حاصل نہیں کہ قضائے حاجت کے لئے جا سکے۔

اور اوس بن قیظی نے کہا۔ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ ہمیں اجازت عطا فرمایئے کہ ہم اپنے گھروں کو لوٹ جائیں تاکہ ہم اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرسکیں۔ لہٰذا خالق کائنات نے غزوہ خندق کے دوران منافقین کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ
رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ وَ اِذْ قَالَتْ طَّآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ یٰۤاَهْلَ یَثْرِبَ لَا مُقَامَ
لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَ یَسْتَاْذِنُ فَرِیْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِیَّ یَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُیُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ
وَ مَا هِیَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَیْهِمْ مِّنْ
اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُىٕلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَاۤ اِلَّا یَسِیْرًا ﴿۱۴﴾ وَ لَقَدْ
كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا یُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ
مَسْـُٔوْلًا ﴿۱۵﴾ قُلْ لَّنْ یَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا
لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۱۶﴾ قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ
سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا

نَصِيْرًا (الاحزاب: ۱۲-۱۷)

''اور اس وقت کہنے لگے تھے منافق اور جن کے دلوں میں روگ تھا کہ نہیں وعدہ کیا تھا ہم سے (فتح کا) اور اس کے رسول نے مگر صرف دھوکہ دینے کے لئے اور یاد کرو جب کہتی پھرتی تھی ان میں سے ایک جماعت کہ اے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں (جان عزیز ہے) تو لوٹ چلو (اپنے گھروں کو) اور اجازت مانگنے لگا ان میں سے ایک گروہ نبی کریم سے یہ کہہ کر کہ (حضور) ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے۔ (اس بہانہ سازی سے) ان کا ارادہ محض (میدان جنگ سے) فرار تھا اور اگر گھس آئے (کفار کے لشکر) ان پر مدینہ کے اطراف سے پھر ان سے درخواست کی جاتی فتنہ انگیزی میں شرکت کی تو فوراً اسے قبول کر لیتے اور توقف نہ کرتے اس میں مگر بہت کم حالانکہ یہی لوگ پہلے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کر چکے تھے کہ وہ پیٹھ نہیں پھیریں گے اور اللہ تعالیٰ سے جو وعدہ کیا جاتا ہے اس کے متعلق ضرور باز پرس کی جاتی ہے۔ فرما دیجئے (اے بھگوڑو!) تمہیں نفع نہیں دے گا بھاگنا اگر تم بھاگنا چاہتے ہو تو موت سے یا قتل سے اور (اگر بھاگ کر تم نے جان بچا بھی لی) تو تم لطف اندوز نہ ہو سکو گے مگر تھوڑی مدت فرمایئے کون بچا سکتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ سے اگر وہ تمہیں عذاب دینے کا ارادہ کر لے یا اگر وہ تم پر رحمت فرمانا چاہے اور نہیں پائیں گے وہ لوگ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔'' (جمال القرآن)

حالات سخت ہو گئے اور یہودیوں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھ لیا۔ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لئے پانچ سو صحابہ کرام کو روانہ فرمایا جن کے قائد حضرت زید بن حارثہ اور سلمہ بن اسلم اشہلی رضی اللہ عنہما تھے۔

بعض یہود، منافقین اور کفار نے قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا نے ایک یہودی کو قتل کر دیا تو اس کے دوسرے ساتھی پسپا ہو کر بھاگ گئے۔

۹۷۳- حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ خندق ہوئی تو اس وقت نبی حارثہ کے قلعہ سے زیادہ محفوظ تر قلعہ کوئی نہیں تھا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں اور چھوٹے بچے بچیوں کو اس میں محفوظ کر دیا اور فرمایا'' اگر کوئی تمہاری طرف بڑھے تو تلوار سے سر قلم کر دینا'' چنانچہ بنی ثعلبہ بن سعد کا ایک آدمی ان کی طرف آیا جسے بجدان کہا جاتا تھا۔ اس کا تعلق بنی حجاش سے تھا اور یہ گھوڑے پر سوار تھا۔ حتیٰ کہ یہ قلعے کی بنیادوں تک پہنچ گیا۔ پھر عورتوں کو کہنے لگا۔

اپنے فائدے کی طرف اتر آؤ۔ پس انہوں نے تلوار لہرائی اتنے میں صحابہ کرام کی نظر اس پر پڑ گئی۔ ان میں سے بعض افراد تیزی سے قلعہ کی طرف بڑھے۔ ان میں سے بنی حارثہ میں سے بھی ایک آدمی تھا۔ جسے ظہیر بن رافع کہا جاتا تھا۔ اس نے کہا اے بجدان! مقابلہ کے لئے تیار ہو جا۔ بس وہ گھوڑے پر سوار ہی تھا کہ انہوں نے اس پر حملہ کر دیا اور سر کاٹ لیا اور سر لے کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ یہ روایت طبرانی نے کبیر میں ثقہ راویوں سے نقل کی ہے۔

حالات انتہائی سخت ہو گئے مصیبت انتہائی بڑھ گئی۔ کفار نے باہر سے مدینہ طیبہ کا گھیراؤ کیا ہوا تھا یہود اندر سے معاہد توڑ چکے تھے۔ منافقین کھسکتے جا رہے تھے اور سخت سردی اور شدید بھوک کے سبب ہمتیں پست ہو رہی تھیں۔

۹۷۴۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کئی غزوات میں شریک ہوئی۔ جن میں قتال بھی تھا اور خوف بھی۔ مثلاً ”مریسیع، خیبر، حدیبیہ، فتح مکہ اور غزوہ حنین“، لیکن ہمارے نزدیک غزوہ خندق سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے زیادہ تکلیف دہ اور خوفناک جنگ کوئی نہیں تھی۔ اس میں مسلمان ریوڑ کی مثل ہو چکے تھے۔ بنی قریظہ سے ہماری اولادیں محفوظ نہیں تھیں۔ مدینہ طیبہ میں صبح تک پہرہ لگایا جاتا تھا۔ ہم شہر میں مسلمانوں کی تکبیر کی آواز سنتے تھے یہاں تک کہ خوف کی حالت میں بھی ان کی صبح ہو جاتی۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ناراض ہو کر واپس لوٹا دیا اور انہیں کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔

حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق کے دوران ہماری راتیں بھی دن بنے ہوئے تھے۔

مشرکین خندق پر حملہ کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ لہٰذا ایک دن ابوسفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ حملہ آور ہوا، ایک دن خالد بن ولید، ایک دن عمرو بن عاص، ایک دن عکرمہ بن ابی جہل اور ایک صبح ضرار بن خطاب فہری نے حملے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ آزمائش سخت ہو گئی اور لوگوں میں خوف بڑھ گیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِذْ جَآءُوكُم مِّن فَوْقِكُمْ وَمِنْ أَسْفَلَ مِنكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا ﴿١٠﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿١١﴾ (الاحزاب: ۱۰:۱۱)

”(جب انہوں نے ہلہ بول دیا تھا تم پر اوپر کی طرف سے بھی اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی اور جب مارے دہشت کے آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے اور تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگ گئے اس موقع پر جب خوب آزمالیا گیا ایمان

والوں کو اور وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے)۔(جمال القرآن)

۹۷۵۔حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ایسا جنگ خندق کے دن ہوا اسے امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا۔

ان الفاظ میں مومنین کی اس شدید ترین حالت کا بیان ہے جس سے غزوۂ خندق کے دن وہ دوچار تھے۔ "زَاغَتِ الْاَبْصَارُ" آنکھیں پتھرا گئیں "وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ" (کلیجے منہ کو آنے لگے) "وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا" (وہ خوب سختی سے جھنجھوڑے گئے) لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات میں مومنین کو ثابت قدم رکھا۔ جیسا کہ رب کریم نے فرمایا

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۡ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

(الاحزاب:۲۲)

"(اور جب ایمان والوں نے کفار کے) لشکروں کو دیکھا تو (فرط جوش سے) پکار اٹھے یہ ہے وہ لشکر جس کا وعدہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے فرمایا تھا اور سچ فرمایا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور دشمن کے لشکر جرار نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اضافہ کر دیا)۔(جمال القرآن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ بیدار رہتے تھے اور بذات خود پہرے داروں کے ساتھ ہوتے تھے۔ اور خندق کے اس مقام کی طرف تشریف لے جاتے تھے جہاں وہ خندق کی حفاظت کر رہے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سردی کی شدت محسوس ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبہ میں داخل ہو جاتے اور پھر جب تھوڑی سی گرمائش آجاتی تو پھر آپ حفاظت کے لئے خندق کے اس مقام کی طرف نکل جاتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے مجھے لوگوں کے لئے سب سے زیادہ خطرہ اسی مقام سے ہے۔

قریش متفرق طور پر اور کبھی اجتماعی طور پر تیر پھینک رہے تھے اور ان میں اکثر کا ٹارگٹ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبہ شریف تھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہتھیار لگا کر اپنے گھوڑے پر تشریف فرما تھے اور بہت سے بہادر اور جید صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ تھے۔ مثلاً حضرات عباد ابن بشر، سعد بن ابی وقاص، علی بن ابی طالب، اسید بن حضیر، زبیر بن عوام اور سعد بن معاذ وغیرہم رضی اللہ عنہم۔ اسی اثناء میں حبان ابن عرقہ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف تیر پھینکا جو آپ کو رگ اکحل میں آلگا۔ ساتھ ہی اس نے کہا یہ لو میں ابن عرقہ ہوں اور یہ روایت بھی ہے کہ آپ کی طرف تیر پھینکنے والا ابواسامہ الجشمی تھا۔ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ مذکورہ دونوں میں سے کس نے تیر مارا۔

جب حالات سخت ہو گئے، تکلیف بڑھ گئی اور لوگوں کو خوب جھنجھوڑا اور آزمائش میں مبتلا کر لیا گیا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گروہوں کے درمیان تفریق ڈالنے کا ارادہ فرمایا اور بنی غطفان کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ واپس لوٹ جائیں تو انہیں مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا ثلث دیا جائے گا۔

٩٧٦- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حارث غطفانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آکر کہا۔ آپ مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا نصف ہمارے حوالے کر دیں، ورنہ میں گھوڑوں اور لشکر کی مدد سے حملہ آور ہوں گا۔ تو جواباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں اس بارے میں حضرات سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما سے مشاورت کروں گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے مشاورت کی، تو انہوں نے عرض کی۔ قسم بخدا! ہم نے زمانہ جاہلیت میں اپنی جانوں کے بدلے مدینہ طیبہ کی کوئی چیز کسی کو نہیں دی۔ اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں نور اسلام سے منور فرمایا ہے، تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حارث کی طرف لوٹ گئے، اور اسے صورت حال سے آگاہ کیا۔ تو اس نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! تم نے معاہدہ توڑ ڈالا ہے۔ تو اس کا جواب حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں دیا۔

يَا حَارِ مَنْ يَغْدِرُ بِذِمَّةِ جَارِهِ مِنْكُمْ فَاِنَّ مُحَمَّدًا لَا يَغْدِرُ

ترجمہ: اے حارث تم میں سے کون ہے جو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ دھوکا کرتا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو کسی سے دھوکا نہیں کرتے۔

اِنْ تَغْدِرُوا فَالْغَدْرُ مِنْ عَادَاتِكُمْ وَاللُّؤْمُ يَنْبُتُ فِيْ اُصُوْلِ السَّخْبَرِ

اگر تم دھوکہ کرتے ہو تو دھوکہ کرنا تمہاری عادت ہے۔ رزیل اصلوں سے گھٹیا لوگ ہی پیدا ہوتے ہیں......

وَاَمَانَةُ النَّهْدِیْ حِيْنَ لَقِيْتَهَا مِثْلَ الزُّجَاجَةِ صَدْعُهَا لَا يُجْبَرُ

اور ابھرنے والی امانت ہے جب سے تو اسے ملا ہے یہ اس شیشے کی مثل ہے جس کی دراڑ کو بھرا نہیں جا سکتا

ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر حارث نے کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! حسان کی زبان کو ہم سے روکیے۔ اگر اس میں سمندر کا پانی بھی ملا دیا جائے تو وہ مل جاتا ہے۔ بزار اور طبرانی نے اسی طرح سند حسن کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔

جب محاصرہ طویل ہو گیا، مشرکین کے کھانے پینے کا ساز و سامان کم ہونے لگا، اور سردی سخت ہو گئی، تو مشرکین کے تمام سردار صبح سویرے اکٹھے ہوئے اور خندق کے کسی تنگ مقام کی تلاش میں نکلے۔ تا کہ وہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں۔ چنانچہ وہ اس تنگ جگہ تک پہنچ

گئے جس کے بارے مسلمان مطمئن تھے۔ لہٰذا عکرمہ بن ابی جہل، نوفل بن عبداللہ مخزومی، ضرار بن خطاب فہری، ہبیرہ بن ابی دھب اور عمرو بن عبد ود عامری نے خندق کو عبور کر لیا۔ ان کے گھوڑے خندق اور جبل سلع کے درمیان دلدلی زمین میں گھومنے لگے اور ادھر سے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ چند مسلمان شہسواروں کے ساتھ نکلے اور انہیں اسی جگہ پر پکڑ لیا جہاں سے انہوں نے خندق کو عبور کیا تھا۔ شہسوار ان کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے کہ عمرو بن عبدو نے دور سے ہی مبارز طلب کیا۔ حضرت شیر خدا علی المرتضی اس کی طرف آگے بڑھے۔ تو اسے جا کر فرمایا اے عمرو! کیا تو نے اللہ تعالیٰ یہ عہد کر رکھا ہے کہ اگر کسی قریشی آدمی نے تجھے دو میں ایک کی طرف دعوت دی تو تو اسے قبول کرے گا؟ تو اس نے کہا۔ جی ہاں۔ بالکل ایسے ہی ہے۔ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ میں تجھے دعوت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہوئے دین اسلام کو قبول کر لے۔ اس نے جواباً کہا۔ اس کی مجھے کوئی ضرورت نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا۔ پھر میں تجھے میدان میں اترنے کی دعوت دیتا ہوں۔ تو عمرو نے جواباً کہا۔ اے میرے بھتیجے! قسم بخدا میں تمہیں قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ قسم بخدا میں تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔ عمرو یہ سن کر بھپر گیا اور گھوڑے سے نیچے کود کر اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف آگے بڑھا اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ برسرپیکار ہو گئے۔ اس نے اپنی تلوار سے آپ پر وار کیا مگر آپ نے اسے اپنی ڈھال پر لیا اس نے اسے چیر ڈالا اور اس میں تلوار پیوست کر دی۔ لیکن پھر آنکھ جھپکنے کی دیر میں حضرت علی شیر خدا نے اسے قتل کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس کے دوسرے ساتھی الٹے پاؤں بھاگے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نوفل بن عبداللہ مخزومی پر حملہ کیا اور اسے تلوار مار کر دو ٹکڑے کر دیا۔ پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ہبیرہ پر حملہ کیا اور اس کے گھوڑے کی زین کی رسی کاٹ دی۔ اس کی زرہ گر پڑی اور وہ بھاگ نکلا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نوفل کو خندق کے اندر قتل کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دو میں سے کسی نے اسے قتل کیا۔

۹۷۷- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں مسلمانوں نے خندق کے دن مشرکین میں سے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا۔ کہ وہ مردے کے عوض دیت ادا کریں گے۔ (بیہقی میں آس طرح ہے کہ اس کا جسم ہماری طرف بھیج دیا جائے، ہم انہیں بارہ ہزار ادا کریں گے) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ بے شک یہ نجس ہے اس کی دیت نجس ہے۔ اور اس کا مردہ بھی نجس ہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا راستہ چھوڑ دیا (یعنی اسے لے جانے کی اجازت دے دی) اسے امام احمد، امام ترمذی اور امام بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مردار نوفل بن عبداللہ مخزومی تھا۔ واللہ اعلم

فیصلہ کن دن کا بیان

شدید محاصرہ جاری تھا۔ کفار کی طرف سے مسلمانوں پر پے در پے حملے ہو رہے تھے۔ شاید مسلمانوں کے بارے وہ کسی دھوکہ میں مبتلا تھے۔ لیکن مسلمان انتہائی بیدار، حالات سے آگاہ اور پوری قوت میں تھے۔ اور جو ذمہ داری ان کے سپرد تھی، اس پر وہ پورا اتر رہے تھے۔ کیونکہ ایسا وقت بار بار نہیں آتا۔ اگر مشرکین غالب آ جاتے۔ اللہ انہیں طاقت نہ دے۔ تو انتہا ہو جاتی۔ لیکن اللہ تعالیٰ تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مددگار ہے، اپنے دین کا محافظ ہے اور اپنے کلمہ کو بلند فرمانے والا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی بارگاہ میں انتہائی عجز و انکساری کے ساتھ دعا کرتے ہوئے التجا کرتے رہے اور اسی کیفیت میں سوموار، منگل اور بدھ کے دن نماز ظہر کے بعد تک گزر گئے پھر اللہ تعالیٰ کی جانب سے حالات میں وسعت آئی اور دعا قبول ہوئی۔

۹۷۸- حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دن مشرکین کے لئے بددعا فرمائی اور اس طرح عرض کی "اے اللہ! کتاب کو نازل فرمانے والے۔ (اور ایک روایت میں اس طرح ہے اسے بارش برسانے والے) جلدی حساب لینے والے۔ اے اللہ ان گروہوں کو شکست سے دوچار کر۔ اے اللہ انہیں شکست دے اور ان کے پاؤں اکھیڑ دے۔" متفق علیہ

اور دونوں کی ایک روایت میں یہ زائد ہے کہ آپ انتظار کرتے رہے یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔

۹۷۹- اسماعیلی کی اس حدیث میں روایت اس طرح ہے کہ حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا کی۔ اے اللہ تو ہمارا رب ہے اور ان کا بھی رب ہے۔ ہم بھی تیرے بندے ہیں اور وہ بھی تیرے بندے ہیں۔ تو ہم پر بھی مہربان ہے اور ان پر بھی۔ تو انہیں شکست دے دے اور ہمیں ان پر غلبہ عطا فرما۔

صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی التجا کی۔ کہ وہ آپ کے ساتھ دعا مانگیں گے۔ حالات تنگ ہو چکے ہیں، کلیجے منہ کو آنے لگے ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دعا سکھلائی۔

۹۸۰- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم نے غزوہ خندق کے دن کہا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ایسے کلمات ہیں جو آج ہم کہیں؟ کلیجے منہ کو آنے لگے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جی ہاں۔ "اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِنَا وَآمِنْ رَوْعَاتِنَا" (اے اللہ! ہماری عزتوں کی حفاظت فرما، اور ہمیں خوف سے پرامن فرما) اللہ تعالیٰ نے ہمارے دشمنوں کی جانب آندھی چلا دی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی تیز آندھی کے ذریعہ انہیں شکست سے دوچار کردیا۔ امام احمد اور بزار نے ثقہ راویوں سے روایت نقل کی ہے۔ اسی طرح مجمع الزوائد میں ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث (مسجد فتح کا بیان میں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیر، منگل اور بدھ کے دن کی دعا گزر چکی ہے۔ بدھ کے دن ظہر اور عصر کی نمازوں کے درمیان دعا قبول ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر خوشی کے آثار ظاہر ہوگئے۔

اس دن جنگ کی ابتداء صبح سویرے سے ہی ہوگئی۔ اور مشرکین مسلمانوں پر گھیراؤ تنگ کرنے لگے۔ شاید وہ مسلمانوں میں کوئی راستہ یا غفلت پارہے تھے۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں تھا۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انتہائی مضبوط اور ثابت قدم تھے۔ ان کے استقلال پر کفار کے کئی حملے ہوئے اور ان کے مقتولوں کی بو پڑتی رہی اور اس دن مسلمانوں کی نماز ظہر، عصر اور مغرب فوت ہوگئی، حتیٰ کہ رات کا کچھ حصہ بھی گزر گیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے مشرکین میں انتشار پیدا فرمایا۔ اور انہیں خائب و خاسر کرکے واپس لوٹا دیا۔ یہاں تک کہ ہر فریق اپنی اپنی جگہ پر واپس لوٹ آیا۔ دشمن کے اچانک حملے کے ڈر سے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ دو سو صحابہ کرام کے ساتھ خندق کے کنارے کھڑے رہے۔ خالد بن ولید مشرک شہسواروں کے ساتھ مسلمانوں کو دھوکا دینے لئے لوٹا۔ لیکن حضرت اسید رضی اللہ ان کی تاک میں تھے۔ انہوں نے فوراً ان پر حملہ کردیا۔ تو پھر وہ واپس لوٹ گئے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی لئے بددعا فرمائی۔

۹۸۱- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق کے دن ہم نمازیں ادا نہ کرسکے۔ حتیٰ کہ مغرب کے بعد رات کا کچھ حصہ بھی گزر گیا۔ تب ہمیں بچالیا گیا۔ جیسا کہ رب کریم نے بھی ارشاد فرمایا: وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا (الاحزاب: ۲۵)۔

(اور بچالیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور، ہر چیز پر غالب ہے)۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں (اذان کا) حکم ارشاد فرمایا۔ پھر انہوں نے ظہر کی نماز کے لئے اقامت کہی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح اطمینان اور سکون کے ساتھ نماز پڑھائی جیسے اس کے اپنے وقت میں پڑھاتے تھے۔ پھر انہوں نے عصر کی نماز کے لئے اقامت کہی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح عصر کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز کے لئے اقامت کہی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح عصر کی نماز پڑھائی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مغرب کی نماز کے لئے اقامت کہی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علی ہوسلم نے اسی طرح اطمینان کے ساتھ اس کی نماز پڑھائی۔ پھر انہوں نے عشاء کے لئے اقامت کہی تو اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھائی۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ رب کریم کی طرف سے صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔

''فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا'' (بقرہ:۲۳۹) (''پس اگر تمہیں خوف لاحق ہو) چاہے تم پا پیادہ ہو یا سوار)۔

یہ روایت امام شافعی، احمد، نسائی، دارمی، ابن خزیمہ اور ابن حبان نے نقل کی ہے اور ابن سکن نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۹۸۲- حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دن فرمایا'' اللہ تعالیٰ ان کے گھروں اور قبروں کو آگ سے اسی طرح بھر دے، جیسے انہوں نے ہمیں درمیانی نماز (نماز عصر) سے مشغول رکھا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ متفق علیہ

۹۸۳- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ جنگ خندق کے دن حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سورج غروب ہونے کے بعد آئے۔ اور کفار قریش کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اور آ کر کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ابھی تک نماز نہیں پڑھی تھی۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔ تو حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم بخدا! میں نے بھی نماز ادا نہیں کی۔ پھر ہم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وادی بطحان میں اترے اور ہم نے نماز کے لئے وضو کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھائی اور پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھائی۔ متفق علیہ

وہاں کئی صحابہ کرام موجود تھے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور کئی دیگر صحابہ کرام تھے۔ واللہ اعلم۔

دو معنوں پر محمول ہونے کی بناء پر نصوص کے مابین کوئی تعارض موجود نہیں۔

(۱) نماز عصر فوت شدہ نمازوں میں داخل ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کا ذکر علیحدہ کیا گیا ہے۔

(۲) مختلف روایات کو صحابہ کرام کے حالات کے مختلف ہونے پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی صرف نماز عصر قضا ہوئی تھی اور بعض وہ ہیں جن کی وہ تمام نمازیں قضا ہوئی تھیں جن کا ذکر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہوا ہے۔ اسی کی مثل وہ حدیث بھی ہے جسے امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور بزار نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ جب کفار قریش کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دباؤ شدید ہو گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے مذکورہ نمازوں کے لئے عشاء کے بعد تک فرصت نہ پائی۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ کی حفاظت فرما رہے تھے جہاں سے دشمن کے آنے کا خطرہ تھا۔

اوراس کے ساتھ ہی چونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کو پہچان چکے تھے اس لئے ان کا دباؤ اس جگہ پر سخت تھا۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے کشادگی آنے کا بیان

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا۔ اس کا اظہار دو امروں کے سبب ہوا۔

(ا) مختلف گروہوں کے درمیان اختلاف کا ہونا، ان کی گفتگو کے درمیان تفریق کا پایا جانا اور ایک دوسرے کے تعاون اور مدد کا چھوڑ دینا۔ وضاحت یہ ہے۔ غطفان قبیلہ سے نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اسلام لانے کی غرض سے حاضر ہوئے۔ جبکہ ابھی تک ان کی قوم اس سے نابلد تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا'' تو تو ایک آدمی ہے، اگر طاقت رکھتا ہے تو ہم سے جنگ کو دور کردے، بے شک جنگ تو ایک تدبیر ہی ہوتی ہے۔ چنانچہ نعیم بنی قریظہ کے پاس آئے۔ یہ زمانہ جاہلیت میں ان کے ساتھی تھے۔ اور کہا۔ اے بنی قریظہ! تم اپنے ساتھ میری محبت کو تو پہچانتے ہو، پھر کہا۔ قریش اور بنی غطفان کے ساتھ مل کر اس وقت تک جنگ نہ کرنا۔ جب تک کہ وہ اپنے چند معزز افراد تمہارے پاس بطور رہن نہ رکھ دیں۔ تاکہ لڑتے وقت تمہارے ہاتھ مضبوط ہوں۔ اور پھر کہا کہ اس راز کو کسی پر افشا نہ کرنا۔

پھر قریش کے افراد میں سے ابوسفیان کے پاس گئے۔ اور انہیں بتایا کہ بنی قریظہ اپنے کئے پر نادم ہیں۔ انہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیجا ہے۔ کہ وہ قریش اور غطفان سے ستر معززین لیں گے اور انہیں قتل کرنے کے لئے وہ آپ کے حوالے کریں گے۔ یہاں تک کہ بنی نضیر اپنے گھروں کو واپس لوٹ آئیں گے۔ اور وہ قریش کے واپس جانے تک آپ کے ساتھ رہیں گے۔ لہٰذا وہ بنی قریظہ کو کچھ بھی نہ دیں۔ اور اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔

پھر غطفان کے پاس گئے اور انہیں وہی کچھ بتایا جو قریش کو بنی قریظہ کے بارے میں بتایا تھا اور انہیں کوئی بھی چیز ان کے حوالے کرنے سے سختی سے روکا۔

جب ہفتے کی رات آئی تو ابوسفیان اور غطفان کے سرداروں نے عکرمہ بن ابی جہل کو قریش اور غطفان کے چند افراد کے ساتھ بنی قریظہ کی طرف بھیجا کہ وہ جنگ کے لئے کل باہر نکلیں۔ اونٹ اور گھوڑے ہلاک ہو رہے ہیں۔ تو اس کے جواب میں بنی قریظہ نے کہا۔ بے شک آج تو ہفتے کا دن ہے۔ اور وہ اس دن میں کوئی کام بھی نہیں کریں گے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ وہ تب تک قریش اور غطفان کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کریں گے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے چند معزز افراد ان کے پاس بطور رہن بھیج دیں۔ جب وہ ان کے پاس ہوں گے تو وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرسکیں گے۔ یہ سن کر ابوسفیان اور غطفان کو نعیم کی بات کا یقین

ہوگیا۔نتیجتاً وہ تمام ایک دوسرے سے مایوس ہوگئے اور ان کے درمیان اختلاف پڑ گیا۔

(۲) دوسرا وہ امر جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کے قبول ہونے کے وقت ظاہر ہوا۔ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہفتے کی رات سخت تیز ہوا بھیج دی، جس سے ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور خیمے اکھڑ گئے اور ان میں سے کسی نے بھی دوسرے کو اپنے کوچ کے مقام سے آگاہ نہ کیا۔

۹۸۴-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ جنگ خندق کی رات صبا شمال کی طرف آئی اور کہا۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کریں۔تو شمال نے کہا۔ بے شک ٹھنڈی اور اچھی ہوا رات کے وقت نہیں چلتی۔ وہ ہوا جس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی گئی اس کا نام ''الصبا'' ہے۔اسے بزار نے صحیح کے رواۃ سے نقل کیا ہے۔

ابن مردویہ نے اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ شمال کی اس بات پر ناراض ہوئے اور اسے بے برکت بنادیا۔

۹۸۵-حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری مدد صبا سے کی گئی اور قوم عاد کو دبور کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔متفق علیہ

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صبا کے ذریعے مدد کرنے اور اس کے بالمقابل دبور کے ہونے کا نکتہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔کہ ''الصبا'' صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے اور اس کے بعد با مقصورہ ہے۔اسے قبول بھی کہا جاتا ہے۔(قاف کے فتحہ کے ساتھ) کیونکہ یہ باب کعبہ کے مقابل سے آتی ہے۔ کیونکہ یہ مشرق کی سمت سے چلتی ہے اور اس کی ضد ''دبور'' ہے۔اور اس سے مراد وہ ہوا ہے جس کے ذریعے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا۔

ان کے درمیان لطیف سی مناسبت اس طرح ہے کہ قبول ''الصبا'' اہل قبول کے لئے یعنی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) معاون و مددگار ثابت ہوئی اور دبور نے اہل ادبار (قوم عاد) کو ہلاک کر دیا۔ اور دبور صبا کی نسبت زیادہ سخت تھی۔ اس کے باوجود کہ وہ تھوڑی سی مقدار چلی تھی۔ لیکن اس نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ (الحاقہ:۸)

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی قوم کے بارے میں اس رافت و رحمت کو دیکھا کہ آپ ان کے محفوظ رہنے کے خواہشمند ہیں تو رب کریم نے ان پر صبا کو مسلط کر دیا۔لہٰذا یہ ان کے لئے مسلمانوں کے مقابلہ سے کوچ کرنے کا سبب بن گئی۔ جب اس کی شدت ان تک پہنچی۔لیکن اس کے باوجود اس نے ان میں سے کسی کو ہلاک نہیں کیا اور نہ ہی کسی کو بیخ و بن سے اکھیڑا۔

اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت نے اپنے بندے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہوا کے ذریعہ مدد فرمائی۔اس

لئے رب کریم مومنین پر احسان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (الاحزاب:۹)

"(اے ایمان والو! یاد کرو اللہ تعالیٰ کے احسان کو جو اس نے تم پر کیا۔ جب (حملہ آور ہو کر) آ گئے تھے تم پر (کفار کے) لشکر۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر آندھی اور ایسی فوجیں جنہیں تم دیکھ نہیں سکے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا)۔ (جمال القرآن)

مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر آندھی کو مسلط کر دیا۔ جس نے ان کی ھانڈیاں اوندھی کر دیں اور ان کے خیموں کو گرا دیا حتیٰ کہ انہیں کوچ پر مجبور کر دیا۔

وہ رات جس میں یہ آندھی چلی تھی ہفتے کی رات تھی۔ یہ صرف مشرکین کے لئے ہی کافی نہیں تھی۔ بلکہ دوسروں پر بھی اس کا اثر تھا۔ اسی لئے منافقین گھبرا گئے۔ وہ خوف زدہ ہوئے اور مضطرب ہو گئے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرنے لگے۔ جب آپ صلی اللہ علی ہوسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مدد کا علم ہوا تو پھر جو بھی آپ کے پاس اجازت طلب کرنے کے لئے آیا اسے اجازت عطا فرما دی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف بارہ آدمی باقی بچے۔ اور شاید یہ اسی جگہ پر تھے جس کی حفاظت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔

قریش کے حالات معلوم کرنے کے لئے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بھیجنے کا بیان

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کا علم ہوا جو مشرکین کے لشکر میں پیش آئے اور جس شکست سے وہ دو چار ہوئے اس کی خبر آپ کو پہنچی۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کے بارے مکمل یقین حاصل کرنے کے لئے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔

۹۸۶۔ حضرت یزید بن شریک تیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو ایک آدمی نے کہا۔ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پا لیتا۔ تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جنگ لڑتا اور داد شجاعت دیتا۔ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیا تو ایسا کر سکتا تھا؟ کہ ہم غزوہ خندق کی ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ اور سخت ٹھنڈی ہوا ہم پر چل رہی تھی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کون آدمی ہے جو قوم (قریش) کی خبر میرے پاس لائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے میرے ساتھ رکھے گا؟۔ یہ سن کر ہم خاموش ہو گئے۔ ہم میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا۔ کون ہے جو ہمارے پاس قوم کی خبر لائے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے میری معیت عطا فرمائے گا؟ تو ہم

خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ارشاد فرمایا ''کون آدمی ہے جو ہمارے پاس قوم کی خبر لائے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن میری معیت عطا فرمائے گا؟ ہم پھر بھی خاموش رہے اور ہم میں سے کسی نے بھی جواب نہیں دیا۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''قُمْ يَا حُذَيْفَةُ فَأْتِنَا بِخَبَرِ الْقَوْمِ'' (اے حذیفہ اٹھ اور قوم کے حالات معلوم کر کے آ) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام پکارا تو اب میرے لئے اٹھنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' تو جا اور قوم کی خبر میرے پاس لے آ۔ اور تو انہیں میری طرف سے خوف زدہ نہ کرنا'' جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس پھرا۔ تو میں نے اپنے کو ایسے پایا۔ گویا میں حمام میں چل رہا ہوں۔ یہاں تک کہ میں چلتے چلتے ان میں پہنچ گیا۔ پس میں نے ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنی پشت آگ سے تاپ رہا ہے۔ میں نے تیر کمان کے درمیان میں رکھا۔ اور پھینکنے کا ارادہ کیا تو مجھے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آ گیا'' کہ تو انہیں میری جانب سے خوف زدہ نہ کرنا'' اگر میں اس پر تیر چلاتا تو بالیقین اسے قتل کر دیتا۔ پھر میں حمام میں چلنے کی مثل ہی چلتے ہوئے واپس لوٹا۔ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے بارے مطلع کیا۔ اور میں فارغ ہو گیا۔ پھر مجھے سردی محسوس ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس چادر کا اضافی حصہ اوڑھا دیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے۔ پھر میں صبح تک سویا رہا۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' قم یا نومان'' (اے سونے والے اٹھ کھڑا ہو) اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۹۸۷- آپ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اسی طرح منقول ہے کہ غزوہ خندق کی ایک رات لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکھر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف بارہ آدمی باقی رہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں سویا پڑا تھا۔ (حاکم اور بیہقی کے نزدیک اس طرح ہے کہ میں سردی کے سبب سکڑا پڑا تھا) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اے ابن یمان۔ اٹھ۔ اور قریش کے لشکر کی جانب جا۔ اور ان کا حال معلوم کر'' میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کیساتھ بھیجا۔ میں شدید سردی کے باوجود صرف آپ سے حیا کرتے ہوئے کھڑا ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابن یمان تو جا۔ کوئی سردی اور گرمی تجھے تکلیف نہیں دے گی یہاں تک کہ تو میرے پاس واپس لوٹ آئے گا'' پس میں چل پڑا حتیٰ کہ قریش کے لشکر میں پہنچ گیا تو میں نے ابوسفیان کو اس حال میں پایا کہ وہ آگ جلائے بیٹھا ہے اور اس کے اردگرد ایک جماعت موجود ہے جب کہ دوسرے لشکری اس سے بکھر چکے ہیں۔ میں آیا اور اس کی مجلس میں بیٹھ گیا تو ابوسفیان نے یہ محسوس کیا کہ کوئی غیر ان میں داخل ہوا ہے۔ تو اس نے کہا تم

میں سے ہر آدمی اپنے پاس بیٹھنے والے کا ہاتھ پکڑ لے۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً اپنا ہاتھ اپنی دائیں جانب بیٹھنے والے پر مارا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اپنا ہاتھ اپنے بائیں جانب بیٹھنے والے پر مارا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا میں تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا۔ اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قریب آنے کے لئے اشارہ کیا۔ میں قریب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کپڑا مجھے اوڑھا دیا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود موجود تھے۔ تاکہ مجھے گرمائش حاصل ہو۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابن یمان! بیٹھ اور بتا لوگوں کی خبر کیا ہے؟۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوسفیان کے پاس سے لوگ بکھر چکے ہیں۔ اس کے پاس کوئی باقی نہیں رہا۔ مگر ایک مختصر سی جماعت جو آگ جلا رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسے ہی سردی مسلط کر رکھی ہے جیسے ہم پر لیکن جو امید ہم اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں وہ نہیں رکھتے۔ یہ روایت حاکم نے نقل کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام ذہبی، بزار اور بیہقی نے بھی اس کی توثیق کی ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔

۹۸۸- آپ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت اس طرح ہے کہ غزوہ خندق کے دوران ایک رات ایسی ہم نے دیکھی۔ کہ ہم صاف جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوسفیان اپنے دیگر لشکریوں کے ساتھ ہماری اوپر کی جانب تھا۔ اور یہود قریظہ ہماری نچلی جانب تھے۔ ہم ان سے اپنی اولادوں کو خطرہ محسوس کر رہے تھے۔ اس سے بڑھ کر تاریک ترین رات ہم پر کبھی نہیں آئی۔ اور نہ اس سے سخت ترین ہوا کبھی ہم نے محسوس کی۔ ہوا میں گرج کی مثل آوازیں تھیں۔ اور اندھیرا اتنا تھا کہ ہم میں سے کوئی آدمی اپنی انگلی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس صورتحال میں منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینے لگے۔ وہ کہنے لگے ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے۔ ان میں سے جس نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت عطا فرمادی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اجازت دیتے رہے اور وہ کھسکتے رہے۔ ہم تین سو سے کچھ زائد افراد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ایک ایک آدمی کے پاس آئے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر میرے پاس سے ہوا۔ تو میرے پاس دشمن سے بچنے کے لئے کوئی ڈھال نہیں تھی۔ اور سردی سے بچنے کے لئے بھی اپنی بیوی کی چادر کے سوا کچھ نہیں تھا اور وہ بھی گھٹنوں سے متجاوز نہیں تھی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے تو میں اپنے گھٹنے اکٹھے کر کے بیٹھا ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ کون ہے؟'' میں نے عرض کی ''حذیفہ'' تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''حذیفہ!'' فرمایا میں نے زمین کو چھان

مارا ہے میں نے کھڑے ہوئے ہوئے عرض کی۔ کیوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ حالانکہ میں سردی کے باعث کھڑا ہونا نہیں چاہتا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اٹھ کھڑا ہو۔ میں کھڑا ہو گیا۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قوم (قریش) کے بارے ایک خبر آ رہی ہے۔ تم اس کی حقیقی خبر لاکر مجھے دو۔'' کہتے ہیں'' تمام لوگوں میں میں زیادہ ڈرنے والا تھا اور سب سے زیادہ سردی محسوس کرنے والا تھا۔ لیکن جب میں چلا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' اے اللہ! اسے سامنے سے، پیچھے سے، دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے اور نیچے سے محفوظ رکھنا'' حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم بخدا! اللہ تعالیٰ نے جتنا خوف اور سردی کا احساس مجھ میں پیدا کیا ہوا تھا وہ سب نکال دیا۔ اور میں نے کچھ بھی محسوس نہیں کیا۔ لہٰذا جب میں پیٹھ پھیر کر چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حذیفہ! قوم میں کوئی عمل نہ کرنا۔ یہاں تک کہ تو میرے پاس آ جائے۔

فرماتے ہیں۔ میں نکل پڑا۔ جب میں قوم کے لشکر کے قریب پہنچا۔ تو میں نے آگ کی روشنی دیکھی جو انہوں نے جلا رکھی تھی۔ ایک سیاہ رنگ کا عظیم الجثہ آدمی اپنے ہاتھ آگ پر تاپ رہا تھا اور اس کی پیٹھ کو بھی آگ حرارت پہنچا رہی تھی۔ اور ساتھ کہہ رہا تھا۔ کوچ کرو کوچ کرو۔ اس سے پہلے میں ابوسفیان کو نہیں پہچانتا تھا۔ میں نے اپنے ترکش سے سفید بھالے والا ایک تیر کھینچا۔ اور اسے اپنی کمان کے درمیان میں رکھا۔ تاکہ آگ کی روشنی میں اس پر پھینک دوں۔ تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد آ گیا۔ کہ تم ان میں کوئی کام نہ کرنا۔ یہاں تک کہ میرے پاس آ جاؤ۔ پس میں رک گیا اور اپنا تیر اپنے ترکش میں واپس رکھ دیا۔ پھر میں نے اپنے آپ کو دلیری دی اور لشکر میں داخل ہو گیا۔ میرے قریب ترین لوگ بنو عامر تھے وہ کہہ رہے تھے اے بنو عامر! کوچ کرو، کوچ کرو۔ تمہارے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں۔

جب ان کے لشکر میں آندھی چلی تو اس نے ان کے لشکر سے ایک بالشت بھی تجاوز نہیں کیا۔ قسم بخدا میں ان کے کجاووں اور بستروں میں پتھروں کی آواز سنتا رہا۔ جنہیں ہوا ایک دوسرے ساتھ پٹخ رہی تھی۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس چلا۔ جب میں نصف یا اس کے قریب راستہ طے کر چکا۔ تو میں نے تقریباً بیس شہسواروں کو عمامہ باندھے ہوئے دیکھا۔ تو انہوں نے کہا'' أَخْبِرْ صَاحِبَكَ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ كَفَاهُ'' (اپنے صاحب کو خبر دے دو کہ اللہ تعالیٰ انہیں کافی ہے) فرماتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس لوٹ کر آیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کشادہ چادر پر نماز ادا فرما رہے تھے۔ قسم بخدا۔ جونہی میں واپس لوٹا۔ تو سردی بھی واپس لوٹ آئی۔ اور میں سردی کے سبب کانپنے لگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کے ساتھ مجھے اپنی طرف اشارہ کیا۔ حالانکہ آپ نماز پڑھ رہے تھے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مجھ پر اوڑھا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ چکے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے بارے مطلع کیا۔ کہ میں نے انہیں

کوچ کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔ پھر کہا کہ اللہ نے یہ آیات طیبات نازل فرمائیں۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ......الآیات" (الاحزاب:۹)

یہ روایت حاکم اور بیہقی نے دلائل میں نقل کی ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو اس آندھی کے ذریعے جو ان پر چلائی اور ملائکہ کے ان لشکروں کے ذریعہ جو ان کی طرف بھیجے واپس بھگا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی مومنین کے لئے جنگ میں کافی ہے اور انہیں ان کے مقابل آنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت وطاقت کے ساتھ انہیں پھیر دیا۔

اس غزوہ میں اللہ تعالیٰ نے جو آیات نازل فرمائیں ان کے آخر میں یہ فرمایا: "وَکَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ" اس میں مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن قریش مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے کبھی نہ لوٹے۔ بلکہ مسلمان ہی قریش کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے گئے۔ اس کا تفصیلی ذکر ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

وہ ذات جس نے قریش کو واپس جانے پر مجبور کر دیا وہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اس کا ذکر فرماتے۔ کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات اقدس ہے جس نے کفار کے مختلف لشکروں کو تنہا شکست سے دوچار کر دیا۔

۹۸۹- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس نے اپنے لشکر کو غلبہ عطا فرمایا ہے۔ اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کی ہے اور تنہا تمام گروہوں پر غالب ہوا ہے۔ اس کے بعد کوئی شئی باقی رہنے والی نہیں ہے۔ متفق علیہ

۹۹۰- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ، حج یا عمرہ سے واپس لوٹتے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے ہر بلند مقام پر تین مرتبہ تکبیر کہتے۔ پھر یہ کہتے "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْکُ، وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ آئِبُوْنَ، تَائِبُوْنَ، عَابِدُوْنَ، سَاجِدُوْنَ، لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ، صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ، وَنَصَرَ عَبْدَهٗ، وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ" متفق علیہ

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، حقیقی بادشاہی اسی کی ہے، اور سب تعریفیں اسی کے لائق ہیں، اور وہ ہر شئی پر قدرت رکھتا ہے۔ ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اور اس کی بارگاہ میں توبہ، عبادت اور سجدہ کرنے والے ہیں۔ ہم اپنے

رب کی حمد بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد کی اور تنہا تمام گروہوں کو شکست سے دوچار کر دیا)۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی، تو قریش کے تمام لشکر وہاں سے کوچ کر چکے تھے۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کو واپس پھرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یہ محاصرہ بیس دن تک جاری رہا۔ لیکن اس دوران صرف چھ مسلمان شہید ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ پندرہ افراد نے جام شہادت نوش کیا۔ اور محاصرہ کے بارے میں یہ بھی قول ہے کہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا۔

دوسرا معجزہ: اب ہم ان پر حملہ کریں گے۔ وہ ہم پر حملہ آور نہیں ہونگے۔

جب لشکر کفار کے تمام گروہ مدینہ طیبہ سے ذلیل ورسوا ہو کر واپس لوٹ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو بتا دیا۔ کہ اب دوبارہ قریش مسلمانوں پر حملہ آور نہیں ہوسکیں گے۔ بلکہ عنقریب مسلمان قریش پر حملہ کریں گے۔ چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔

۹۹۱- حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت یہ کہتے سنا جبکہ لشکر کفار کے تمام گروہ وہاں سے جا چکے تھے "کہ اب ہم ہی ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر حملہ نہیں کرسکیں گے اور ہم ہی ان کی طرف چل کر جائیں گے" اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۹۹۲- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دن فرمایا۔ جبکہ اس میں دشمن کے بہت سے گروہ جمع ہوئے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اس کے بعد وہ کبھی بھی تم پر حملہ نہیں کریں گے بلکہ تم ان پر حملہ آور ہو گے" یہ روایت بزار نے ثقہ راویوں سے نقل کی ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح الباری میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

اور پھر ایسے ہی معاملہ ہوا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ آئندہ سال نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ لیکن قریش نے بیت اللہ میں داخل ہونے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا۔ اس موقع پر ان کے درمیان معاہدہ صلح طے پایا۔ جو صلح حدیبیہ کے نام سے معروف ہے۔ بالآخر انہوں نے اس معاہدے کو توڑ دیا۔ اور یہی فتح مکہ کا سبب بن گیا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بنی قریظہ کی طرف لوٹنے کا بیان

جب حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم واپس مدینہ طیبہ پہنچے، اپنے ہتھیار اتارے اور غسل فرمالیا تو اتنے میں حضرت جبریل امین علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور بنی قریظہ کی طرف کوچ کرنے کو کہا۔

درآنحالانکہ وہ خود بھی انہیں خوف زدہ کرنے کے لئے جا رہے تھے۔

۹۹۳۔حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم غزوہ خندق سے واپس لوٹے، ہتھیار اتارے اور غسل کیا تو اتنے میں حضرت جبریل امین علیہ السلام آئے اور کہا۔ کیا تم نے ہتھیار اتار دیئے ہیں؟ قسم بخدا۔ ہم نے ابھی تک نہیں اتارے۔ آپ ان کی طرف چلئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہاں تک؟ تو جبریل امین نے کہا۔ وہاں تک۔ اور اشارہ بنی قریظہ کی طرف کیا۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف تشریف لے گئے۔ متفق علیہ

حضرت جبریل امین علیہ السلام بنی قریظہ کو خوف زدہ کرنے کے لئے ان کی طرف تشریف لے گئے اس حال میں کہ آپ کی جماعت سے غبار اڑ رہا تھا۔

۹۹۴۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ گویا کہ میں اب بھی بنی غنم کی گلیوں میں حضرت جبریل امین علیہ السلام کی جماعت کا غبار اڑتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کی طرف تشریف لے گئے تھے۔ یہ روایت بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بنی قریظہ کی طرف چلنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اور یہ نماز ظہر کے بعد کا وقت تھا۔ لیکن حکم اتنا جلدی عمل کرنے کے لئے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر کوئی نماز عصر بنی قریظہ میں جا کر ادا کرے۔

۹۹۵۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم میں سے ہر ایک نماز عصر بنی قریظہ میں جا کر ادا کرے۔ (مسلم شریف میں نماز ظہر کا ذکر ہے) تو ان میں سے بعض نے نماز عصر کا وقت راستے میں ہی پا لیا۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو وہیں پہنچ کر نماز ادا کریں گے۔ اور بعض نے کہا۔ ہم تو پڑھ لیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً ہمارے لئے یہ ارادہ نہیں فرمایا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کو بھی کچھ نہیں فرمایا۔ متفق علیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے یہود کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں تک کہ محاصرے نے انہیں مشقت میں ڈال دیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کو طلب کیا۔ تاکہ اپنے معاملات کے بارے میں ان سے مشورہ کریں۔ انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ کیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر نیچے اتر آئیں؟ تو آپ نے کہا۔ جی ہاں۔ اور ساتھ ہی اپنے ہاتھ کے ساتھ اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی تمہیں ذبح کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد آپ اپنے عمل پر بہت نادم ہوئے۔ واپس لوٹے تو سیدھے مسجد میں چلے گئے۔ اور ایک ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا۔ (آج بھی یہ ستون اسطوانہ ابی لبابہ یا اسطوانۃ التوبۃ کے نام سے معروف ہے) تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (الانفال:۲۷)

"(اے ایمان والو! نہ خیانت کرو اللہ اور رسول سے اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو)۔(جمال القرآن)

وہ اس کے ساتھ بندھے رہے۔ انہیں نماز کے وقت کھول دیا جاتا۔ پھر باندھ دیا جاتا۔ یہاں تک کہ رب کریم نے سحری کے وقت ان کی توبہ کی قبولیت کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔

وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝۱۰۲ (التوبہ:۱۰۲)

"(کچھ اور لوگ ہیں جنہوں نے اعتراف کر لیا ہے اپنے گناہوں کا۔ انہوں نے ملا جلا دیئے ہیں کچھ اچھے اور کچھ برے عمل۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے ان کی توبہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے)۔(جمال القرآن)

جب ان کا محاصرہ سخت ہو گیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق وہ نیچے اتر آئے تو انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کیا تم راضی ہو جاؤ گے کہ تم میں سے ہی ایک آدمی ان کے لئے حکم ہو جائے؟ تو انہوں نے عرض کی۔ کیوں نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو پھر ان کا فیصلہ سعد بن معاذ کریں گے۔ تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے فیصلہ یہ کیا کہ ان کے جنگجو افراد کو قتل کر دیا جائے، عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا مال و منال تقسیم کر لیا جائے۔

۹۹۶- حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ اہل قریظہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو حکم بنائے جانے کی شرط پر نیچے اترے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ گدھے پر بیٹھ کر آئے۔ جب مسجد کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو کہا "قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ - اَوْ خَيْرِكُمْ" (اپنے سردار کی تعظیم کے لئے اٹھو۔ یا فرمایا۔ تم اپنے میں سے سب سے بہتر کی تعظیم کے لئے اٹھو) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "یہ اس شرط پر نیچے اترے ہیں کہ ان کا فیصلہ تم کرو گے" تو پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فیصلہ یوں سنایا۔ کہ آپ ان کے جنگجو افراد کو قتل کر دیجئے اور ان کی اولادوں کو قیدی بنا لیجئے۔ تو یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قَضَيْتَ بِحُكْمِ اللّٰهِ ، وَرُبَمَا قَالَ بِحُكْمِ الْمَلِكِ" (تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے، یا فرمایا۔ تم نے بادشاہ کی مرضی کے مطابق فیصلہ کیا ہے)۔ متفق علیہ

۹۹۷-حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ غزوہ خندق میں زخمی ہو گئے۔ آپ کو قریش کے ایک آدمی حبان بن عرقہ نے تیر مارا، جو رگ اکحل میں جا لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے مسجد میں ایک خیمہ نصب کرایا، تا کہ آپ قریب سے ان کی عیادت فرما سکیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے واپس لوٹے، آپ نے ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام آئے آپ اپنے سر سے غبار جھاڑ رہے تھے تو آ کر کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں۔ قسم بخدا میں نے تو ابھی تک نہیں اتارے۔ آپ ان کی طرف نکلیئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہاں؟ تو انہوں نے بنی قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر نیچے اترے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فیصلہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ تو انہوں نے کہا میں ان کے بارے یہ فیصلہ کرتا ہوں کہ ان کے ان افراد کو قتل کر دیا جائے جو لڑائی کے قابل ہیں، ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ اور ان کے مالوں کو تقسیم کر لیا جائے۔ متفق علیہ

بنی قریظہ کے وہ جنگجو افراد جنہیں قتل کیا گیا تھا۔ وہ تھے جو جوانی کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور جو ابھی تک جوان نہیں ہوئے تھے انہیں چھوڑ دیا گیا۔

۹۹۸-حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ بنی قریظہ کے قتال کے دن مجھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا گیا۔ اس لئے کہ انہوں نے مجھ میں شک کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں حکم ارشاد فرمایا۔ کہ وہ میرے بارے دیکھ لیں۔ کیا میں جوان ہو چکا ہوں؟ تو انہوں نے غور سے دیکھا۔ لیکن انہوں نے مجھے جوان نہ پایا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے چھوڑ دیا اور مجھے قیدیوں کے ساتھ ملا دیا۔ یہ روایت حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ، امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے نقل کی ہے۔ اور امام ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بنی قریظہ کے خلاف فیصلہ کرنے اور مدینہ طیبہ کو جھگڑالو دشمن سے پاک کرنے کے سبب عزت عطا فرمائی۔ اور مومنین کو بیس دن سے زائد محاصرہ کرنے کے بعد ان کی زمین، گھر، مال اور عورتیں عطا فرما دیں۔ اور انہیں ایک ہزار پانچ سو تلواریں، اتنی مقدار میں ڈھالیں، ایک ہزار نیزے، تین سو زریں اور علاوہ ازیں اونٹ، جانور اور بہت سا ساز و سامان بطور مال غنیمت ملا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین، ان کی واپسی، اور ان یہود کے بارے جنہوں نے ان کی مدد کی تھی کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِغَیْظِهِمْ لَمْ یَنَالُوْا خَیْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا ﴿۲۵﴾ وَ اَنْزَلَ الَّذِیْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ

الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾ وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَئُوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ (الاحزاب:۲۵۔۲۷)

"(اور (ناکام) لوٹا دیا اللہ تعالیٰ نے کفار کو درآنحالیکہ اپنے غصہ میں (پیچ وتاب کھا رہے) تھے (اس لشکر کشی سے) انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اور بچا لیا اللہ نے مومنوں کو جنگ سے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا طاقتور، ہر چیز پر غالب ہے۔ اہل کتاب سے جن لوگوں نے کفار کی امداد کی تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار لیا۔ اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو۔ اور اس نے وارث بنا دیا تمہیں ان کی زمینوں، ان کے مکانوں اور ان کے مال ومتاع کا اور وہ ملک بھی تمہیں دے دیئے، جہاں تمہارے قدم ابھی نہیں پہنچے اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے)۔ (جمال القرآن)

اللہ تعالیٰ نے کفار کو واپس لوٹا دیا۔ اور انہیں اس سے کچھ بھی فائدہ حاصل نہ ہوا۔ بلکہ خست، ندامت، مشقت اور ہلاکت ہی اٹھانا پڑی۔ اور بنی قریظہ کے وہ یہود جنہوں نے ان کی مدد کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قلعوں سے اتارا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ اور پھر ان کے وہ افراد قتل کر دیئے گئے جو جنگ میں حصہ لینے کے قابل تھے۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا گیا۔ مسلمان ان کی زمینوں کے وارث بنے۔ اور ان کا مال ومتاع انہیں بطور غنیمت حاصل ہوا۔ واللہ اعلم۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی کرامات کا بیان

جب بنی قریظہ ختم ہو گئے اور ان کے جنگجو افراد کو قتل کر دیا گیا تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی تو ان کا زخم کھل گیا۔ تو اسی سبب آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی کرامات کے ساتھ اعزاز بخشا۔

(۱) قریش کے ساتھ جنگ کے خاتمے کے بارے ان کا قول

۹۹۹- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی۔ درآنحالیکہ آپ کا زخم مندمل ہونے کے لئے خشک ہو چکا تھا۔ اے اللہ، بے شک تو جانتا ہے کہ میرے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی عمل پسندیدہ نہیں، کہ میں تیری رضا کے لئے اس قوم سے جہاد کروں۔ جس نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور اپنے شہر سے نکالا۔ اے اللہ! میں یہ جانتا ہوں کہ تو نے اگرچہ ہمارے اور ان کے درمیان جنگ ختم کر رکھی ہے۔ اگر ابھی تک قریش سے جنگ باقی ہے تو پھر مجھے بھی باقی رکھتا کہ میں ان کے خلاف تیری خوشنودی کے لئے جہاد کر سکوں۔ اور اگر تو نے جنگ

کوختم کر دیا ہے۔تو پھر زخم کھولدے اور اسی کے سبب مجھے شہادت عطا فرما دے۔ پھر ان کے سینے سے خون جاری ہو گیا۔ مسجد میں بنی غفار کا خیمہ تھا۔لوگوں کی طرف بہہ کر آنے والے خون نے انہیں ڈرا دیا۔تو انہوں نے کہا۔اے اہل خیمہ! یہ کیا ہے جو تمہاری طرف سے ہماری جانب آ رہا ہے؟ تو اچانک دیکھا،تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ پھر اسی کے سبب ان کی موت واقع ہو گئی۔ متفق علیہ

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر لی۔اور اسی رات ان کا وصال ہو گیا۔لیکن مسلمانوں اور قریش کے درمیان جنگ ختم ہو گئی۔اس کے بعد قریش نے کوئی حملہ نہیں کیا۔ بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ان پر حملہ کیا۔

(۲) بنی قریظہ سے نجات کی دعا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنے رب سے یہ دعا مانگی۔کہ وہ انہیں موت نہ دے یہاں تک کہ وہ بنی قریظہ کی ہلاکت کو دیکھ لے۔تو پھر ایسا ہی ہوا۔

۱۰۰۰۔حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔فرماتے ہیں کہ جنگ احزاب کے دن حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو تیر مارا گیا۔جس نے آپ کی رگ اکحل کاٹ دی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگ کے ساتھ اسے داغ دیا۔تو آپ کا ہاتھ پھول گیا۔پھر آپ نے اسے داغ دیا۔پھر ان کا ہاتھ پھول گیا۔پھر آپ نے اسے داغ دیا۔تو پھر آپ کا ہاتھ پھول گیا۔تو اس عمل نے آپ کو بہت کمزور کر دیا۔جب آپ نے یہ صورتحال دیکھی۔تو رب کریم کی بارگاہ میں التجا کی۔''اے اللہ! میری جان نہ نکالنا۔یہاں تک کہ میری آنکھیں بنی قریظہ کے سبب ٹھنڈی ہو جائیں۔تو ان کی رگ بہنا رک گئی۔اور ایک قطرہ بھی نہ بہا۔حتیٰ کہ وہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلے کی شرط پر قلعہ سے نیچے اترے۔تو پھر آپ کو بلا بھیجا گیا۔تو آپ نے فیصلہ یہ فرمایا۔کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائے۔اور ان کی عورتوں اور اولادوں کو زندہ رکھا جائے۔تاکہ مسلمان ان سے مدد حاصل کر سکیں۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا''تو نے اللہ تعالیٰ کا حکم ان میں نافذ کیا ہے''ان کی تعداد چار سو تھی۔ جب ان کے قتال سے فارغ ہوئے تو پھر آپ کی رگ کھل گئی اور اسی کے سبب آپ کا وصال ہو گیا۔ اسے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ اور ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔اور اسے ترمذی نے صحیح کہا ہے۔علاوہ ازیں امام نسائی رحمتہ اللہ علیہ۔دارمی،ابن حبان اور حاکم نے مختصر نقل کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے اس کی توثیق کی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہ کی دعا قبول فرمائی اور کمزوری رک گئی۔نتیجۃً اللہ تعالیٰ نے آپ کی آنکھیں بنی قریظہ کے سبب ٹھنڈی کیں۔اور آپ نے ان کے بارے وہی فیصلہ فرمایا جو اللہ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق تھا۔

(۳) آپ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق تھا

حضرت ابو سعید اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی روایات میں یہ گزر چکا ہے اور ان کے علاوہ بھی روایات میں یہ موجود ہے۔ ''کہ تو نے ان کے بارے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا۔ تحقیق تم نے بادشاہ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا۔ تحقیق تم نے اللہ عزوجل کے فیصلہ کے مطابق ان کا فیصلہ کیا''۔ یہ تمام الفاظ اسی لئے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے عین مطابق تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی موت پر عرش الٰہی جھوم گیا

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے وصال پر عرش الٰہی جھومنے کی روایت دس یا اس سے بھی زائد صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ اور یہ آپ کے لئے انتہائی عظیم اعزاز ہے۔ اس اعزاز میں کوئی دوسرا آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک نہیں۔ حتیٰ کہ امم سابقہ میں سے بھی ایسا کوئی نہیں۔ میں صرف دو حدیثیں ہی ذکر کروں گا۔

۱۰۰۱- حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا'' کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت کے سبب عرش رحمٰن بھی لرز گیا''۔ متفق علیہ

۱۰۰۲- مسلم شریف میں آپ رضی اللہ عنہ سے ہی روایات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ درآنحالیکہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ ان کے سامنے تھا۔ ''کہ اس میت کے سبب رحمٰن کا عرش بھی لرز گیا۔''

۱۰۰۳- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے جنازہ کے سبب عرش الٰہی بھی لرز گیا'' اسے بھی مسلم نے روایت کیا ہے۔

(۵) ملائکہ کا نازل ہونا، ان کا آپ کے جنازہ کو اٹھانا اور آپ کیلئے آسمان کے دروازوں کے کھلنے کا بیان

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو نازل فرمایا۔ انہوں نے آپ کے جنازہ کو اٹھایا۔ اسی لئے مسلمانوں نے اسے ہلکا محسوس کیا۔ حتیٰ کہ منافقین نے کئی باتیں کیں۔

۱۰۰۴- حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ '' حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی موت کے سبب ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ اس سے قبل وہ زمین پر نہیں آئے'' جب انہیں دفن کر دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا'' سبحان اللہ۔ اگر قبر کے بھینچنے سے کوئی بچ سکتا تو سعد ضرور بچ جاتا'' یہ روایت بزار نے دو سندوں سے نقل کی ہے۔ ان میں

سے ایک کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ اور نسائی نے دوسرے الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔

۱۰۰۵-حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ اٹھا۔ تو منافقین نے کہا۔ ان کا جنازہ کتنا ہلکا ہے۔ اور یہ بنی قریظہ کے بارے فیصلہ کرنے کے سبب ہے۔ جب یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ملائکہ ان کے جنازے کو اٹھائے ہوئے ہیں'' یہ روایت ترمذی اور حاکم نے نقل کی ہے۔ اور دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔

۱۰۰۶-حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بارے ارشاد فرمایا درآنحالیکہ آپ کو دفن کیا جا رہا تھا'' یہ وہ بندہ صالح ہے جس کے لئے عرش الٰہی حرکت کرنے لگا، اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے'' اسے امام احمد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے اسے صحیح کہا ہے اور اس کی توثیق امام ذہبی اور نسائی نے الکبریٰ میں کی ہے۔

ان احادیث کے علاوہ کئی دوسری احادیث بھی ہیں۔ اور ان سندوں کے علاوہ دوسری اسانید بھی موجود ہیں۔ اور ان تمام کا مقصود حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے مطلع کرنا اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ان کے مقام ومرتبہ سے آگاہ کرنا ہے۔

تلخیص الفوائد

غزوہ خندق میں جن چیزوں کا بیان ہوا ہے۔ ان کا مختصر ذکر یہ ہے۔

(۱) جبل سلع مسلمانوں کی پشت پر تھا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ اس کی ایک طرف تھا۔ اسی لئے اس تمام عرصے کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نمازیں اکثر اس کی اطراف میں ادا فرمائیں۔ چاہے مسجد فتح میں ہوں یا غار بنی حرام میں، بنی حرام کی مسجد ہو یا کوئی اور۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد فتح میں تھے جو جبل سلع کے دامن میں واقع ہے۔

(۲) نبوت کے کئی دلائل، معجزات اور خارق للعادۃ امور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر ظاہر ہوئے۔ مثلاً کھانے کا زیادہ ہونا، غیب کی خبریں دینا، اور چٹان کا ریزہ ریزہ ہونا وغیرہ۔

ان امور نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایمان کے باوجود ان کے ایمان میں اور اضافہ کیا، انہیں اپنے موقف پر مزید پختہ کر دیا اور ان کے عزائم میں مزید استقلال پیدا کر دیا۔

(۳) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل اور ان کا ایسے اعمال سرانجام دینا، جنہیں کرنے سے خلق کثیر عاجز ہوتی ہے۔ مثلاً خندق کو کھودنا اور چھ دن میں اس کی تکمیل کرنا، صحابہ کرام کا ان مشکل ترین امور کو

سرانجام دینا جوان کے سپرد کئے گئے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ان کا بہت زیادہ حریص ہونا۔ علاوہ ازیں بہت سے ایسے امور ہیں جو اس غزوہ میں ظاہر ہوئے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا سچے مومنوں کو ممتاز کرنا، اور منافقین کو رسوا کرنا۔ چاہے اپنی طرف سے آیات نازل فرما کر، یا ان کے مونہوں سے ایسے کلمات نکلے جنہوں نے ان کی حقیقت کو کھول دیا، یا وہ اس وقت میدان جنگ سے کھسک گئے جب سردی سخت ہوئی، لوگوں پر خوف طاری ہوا اور کلیجے مونہوں کو آنے لگے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کی بغیر جنگ کے مدد فرمانا اور اللہ تعالیٰ کی مدد ان کے لئے کافی ہوگئی۔ خیانت کرنے والوں اور لوگوں میں اشتعال پیدا کرنے کے لئے بری خبریں اڑانے والوں کے مکر کو رد کرنا، اور مشرکین کو میدان جنگ سے انتہائی رسوائی کے ساتھ بھگا دینا۔ اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے اور اسی نے انہیں شکست فاش سے دوچار کر دیا۔

(۶) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے لئے ہوا اور ملائکہ کو بھیجنا۔ اگرچہ ملائکہ نے اس جنگ میں جنگ بدر کی طرح قتال نہیں کیا۔ لیکن وہ دوسری مہم پر مامور رہے۔ یہاں تک کہ کفار کے پاؤں اکھیڑ دیئے اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ جیسا کہ انہوں نے بنی قریظہ میں کیا۔

(۷) بنی قریظہ کے خلاف فیصلے کا ہونا۔ حالانکہ وہ مدینہ طیبہ کے سب سے طاقتور یہودی تھے۔ اور مسلمانوں کو بہت بڑی مقدار میں اسلحہ، ساز و سامان، قیدی اور زمین مال غنیمت کے طور پر ہاتھ آئی۔ اس کے سبب بالعموم تمام مسلمان اور بالخصوص مہاجرین بہت طاقتور ہوگئے۔

(۸) بنی قریظہ کے خلاف فیصلے نے معنوی طور پر مسلمانوں کو انتہائی قوت عطا کر دی وران کا نام بلند ہوگیا۔ اور بہت سے قبائل ان سے ڈرنے لگے۔ اور غزوہ خندق کے دن کی کمزوری اور شدت مسلمانوں کو بھلا دی۔

(۹) غزوہ خندق کے بعد طاقت کا میزان بدل گیا۔ اس طرح کہ اب مسلمان قریش پر حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہوگئے۔ نہ کہ صورت اس کے برعکس رہی۔ لہٰذا آئندہ سال مسلمان عمرے کے لئے گئے لیکن قریش نے انہیں روک دیا۔ اور حدیبیہ کے مقام پر صلح ہوگئی۔ جس نے دوسرے سال مسلمانوں کے لئے عمرے کا دروازہ کھول دیا اور پھر مکہ فتح ہوگیا۔

(۱۰) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کا ذکر ہے۔ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احزاب کی رات انہیں انتہائی خطرناک مہم کے لئے بلایا اور انہوں نے اسے انتہائی احسن انداز میں سرانجام دیا۔ اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کوئی بات تک نہ کی حتیٰ کہ کامیابی کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔

(۱۱) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فضائل بھی گزر چکے ہیں۔ جیسا کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے

مطابق فیصلہ کرنا، ان کی دعا کا قبول ہونا، ان کی موت کے سبب عرش الٰہی کا لرز جانا، ان کے جنازہ میں ملائکہ کا حاضر ہونا اور ان کے لئے آسمان کے دروازوں کا کھولا جانا وغیرہ۔

مذکورہ بالا تمام فوائد اور ان کے علاوہ بھی کئی امور غزوہ خندق سے مستفاد ہوتے ہیں۔ اس طرح کہ رب کریم نے متعدد آیات طیبات اس کے بارے میں نازل فرمائیں۔ جن کی مرور ایام کے ساتھ ساتھ تلاوت کی جاتی رہے گی بلکہ سورہ احزاب کا نام ہی اس غزوہ کے سبب رکھا گیا۔ اس سورۃ کی ابتداء سے لیکر پچیسویں آیت تک اسی کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر چھبیسویں اور ستائیسویں آیت بنی قریظہ کے بارے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ثنیۃ الوداع کا بیان

مدینہ طیبہ میں ثنیۃ الوداع دو ہیں

(۱) ایک وہ ہے جو مسجد قباء کے نزیک جنوب کی سمت ہے اور یہ وہی ہے جہاں انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما ہو کر تشریف لائے تھے۔

(۲) دوسرا شام کی جانب ہے اور مشرقی سمت جبل سلع کے دامن میں واقع ہے۔ یہ شارع ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور شارع سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے اول میں واقع ہے۔ اس ثنیہ کو پانچ سال قبل اس مسجد سمیت ختم کر دیا گیا ہے جو اس پر بنی ہوئی تھی۔ اور شارع صدیق اکبر اور شارع سید الشہداء رضی اللہ عنہما کے درمیان واقع ہے۔ اور اب اس کی جگہ بالکل ہموار ہے۔ مجھے اس کی خبر امین المدینہ سابق انجینئر عمر القاضی نے دی کہ وہ نقشہ مکمل ہونے کے بعد مسجد دوبارہ بنائیں گے۔ واللہ اعلم

یہ ثنیہ زمانہ قبل از اسلام سے مسافروں اور مقامی باسیوں کے درمیان ایک دوسرے سے الوداع ہونے کا مقام تھا۔ اور باہر سے آنیوالوں اور استقبال کرنے والوں کے درمیان ملاقات اور استقبال کا مرکز تھا۔ میرے نزدیک وہ تو کوئی اہمیت نہیں رکھتا جو اسلام سے قبل ہوا۔ البتہ وہ بہت اہمیت رکھتا ہے جو اسلام کی آمد کے بعد ہوا۔ جیسا کہ گھوڑ دوڑ کے مقابلہ میں گھوڑوں کے چلنے کی جگہ چاہے گھوڑے کو دوڑ کے لئے دبلا کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔ مساوی ہوتی ہے۔

۱۰۰۷۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے۔ کہ میں ثنیہ الوداع تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرنے کے لئے بچوں کے ساتھ گیا تھا۔ جبکہ آپ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ رواہ البخاری

۱۰۰۸۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ ہی روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک

سے واپس تشریف لائے تو لوگ ثنیۃ الوداع تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے گئے۔

حضرت سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی لوگوں کے ساتھ گیا اور میں اس وقت بچہ تھا۔ یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی نے نقل کی ہے۔ یہ لفظ ترمذی کے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ روایت حسن صحیح ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی طرف جاتے وقت ثنیۃ الوداع پر اپنا لشکر ترتیب دیا اور عبداللہ بن ابی بن سلول نے اس سے نیچے کی جانب جبل ذباب کی طرف علیحدہ لشکر ترتیب دیا۔ بخلاف اس وہم کے جو کہ ابن سعد اور پھر ابن قیم کی عبارت سے ہوتا ہے کیونکہ ان دونوں نے یہ کہا ہے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے ثنیۃ الوداع پر اپنے یہود اور منافقین حلیفوں کے ساتھ لشکر ترتیب دیا تھا لیکن یہ وہم ہے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے کہا ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک تشریف لے گئے تو ثنیۃ الوداع کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لشکر مرتب کیا اور اس سے نیچے کی جانب عبداللہ بن ابی نے جبل ذباب کی طرف علیحدہ اپنا لشکر ترتیب دیا۔

اسی طرح ابن ابی سلول کے لشکر کے بارے یہ قول "لَيْسَ عَسْكَرُهُ بِأَقَلِّ الْعَسْكَرَيْنِ" (کہ اس کا لشکر دو لشکروں میں سے زیادہ قلیل نہیں تھا) یہ قول بھی مردود اور باطل ہے۔ جیسا کہ ابن حزم نے کہا ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ صرف ستر سے اسی افراد تک پیچھے رہے تھے۔

اور اس لئے بھی کہ اس کے حلفاء میں سے بنی قینقاع کے یہود کی تعداد سات سو تھی۔ اور منافقین کی تعداد ان کی نسبت بہت ہی کم تھی۔ جبکہ اس اثناء میں تبوک کے طرف جانے والے لشکر کی کم سے کم تعداد تیس ہزار تھی۔ اور بعض نے اس سے زائد کا قول بھی کہا ہے۔ لہٰذا ابن ابی کے لئے کہاں ممکن تھا کہ وہ اس کی مثل جمعیت تیار کر سکے۔ جبکہ اس سے قبل غزوہ احد اور خندق میں وہ رسوا ہو چکا تھا۔ اور اب مدینہ طیبہ اور اس کے پڑوس میں بنی قینقاع کے یہودیوں کے سوا کوئی یہودی باقی بھی نہیں رہا تھا۔ کیونکہ بنی نضیر کو خیبر کی طرف جلاوطن کر دیا گیا تھا اور بنی قریظہ قتل کر دیئے گئے تھے۔ واللہ اعلم۔

مذکورہ بالا وضاحت ابن اسحاق رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے قول کی ہی تائید کرتی ہے۔

۱۰۰۹۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ ہم نکلے درآنحالیکہ ہمارے ساتھ وہ عورتیں بھی تھیں جن سے ہم نے استمتاع کیا تھا۔ یہاں تک کہ ہم ثنیۃ الرکاب پر پہنچ آئے۔ تو ہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ وہ عورتیں ہیں جن سے ہم نے استمتاع کیا ہے؟۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "هُنَّ حَرَامٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ" (یہ قیامت تک حرام ہیں) تو ان عورتوں نے ہمیں اس ثنیہ کے پاس چھوڑ دیا۔ تو اس وقت اس کا نام ثنیۃ الوداع پڑ گیا۔ جبکہ اس سے قبل اس کا نام ثنیۃ الرکاب تھا۔ یہ روایت طبرانی نے اوسط میں نقل کی ہے۔ اس کی سند میں ایک

راوی صدقہ بن عبداللہ ہے جسے ابو حاتم اور کئی دوسروں نے ثقہ قرار دیا ہے اور امام احمد اور ایک جماعت نے اسے ضعیف کہا ہے جبکہ بقیہ راوی صحیح کے راوی ہیں۔

۱۰۱۰-حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک کے لئے نکلے۔تو ثنیۃ الوداع کے پاس جا کر اترے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغ دیکھے اور عورتوں کو روتے ہوئے دیکھا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' یہ کیا ہے؟'' تو انہوں نے عرض کی۔ان عورتوں سے متعہ کیا گیا ہے اس لئے رورہی ہیں۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' یہ حرام ہے۔یا یہ فرمایا۔متعہ ممنوع قرار دیا گیا ہے۔یعنی نکاح،طلاق،عدت اور میراث'' اسے ابویعلی نے اپنی مسند میں،بیہقی اور دارقطنی نے اپنی سنن میں اور اسحاق بن راھویہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے ان تمام کی اسناد میں ایک راوی مومل بن اسماعیل ہے۔ہیثمی نے کہا ہے کہ ابن معین اور ابن حبان نے اسے ثقہ کہا ہے۔بخاری اور دوسروں نے اسے ضعیف کہا ہے۔اس کے بقیہ رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔حافظ اور ابن قطان نے اسے حسن کہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی تاریخ کبیر اور صغیر میں ذکر کیا ہے۔اور اس میں کوئی جرح ذکر نہیں کی۔انہوں نے اتنا کہا۔مومل بن سعید منکر الحدیث ہے۔یہ وہی ہیں جو مومل بن اسماعیل کے ساتھ متصل ہے۔حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دوسری سطر کی طرف منتقل ہوئے اور اسے مومل بن اسماعیل سے نقل کیا ہے۔اسی لئے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسے ضعفاء صغیر میں بھی ذکر نہیں کیا۔اگر اس طرح ہوتا تو کبیر میں اس کا ذکر ہوتا اور اگر وہ آپ کے نزدیک منکر الحدیث ہوتا تو آپ اسے تعلیقا روایت نہ کرتے۔واللہ اعلم

مومل بن اسماعیل کے بارے جو کچھ حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔اس سے زائد اس کی توثیق ابن سعد،ابو حاتم،دارقطنی اور اسحاق بن راھویہ نے کی ہے۔اگرچہ انہوں نے یہ قول کہا ہے۔'' کہ وہ خطا کر جاتے ہیں۔'' اسی لئے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے التقریب میں ان کے بارے میں ذکر کیا ہے۔'' صَدُوقٌ سیئُ الْحِفْظِ '' (یہ سچا راوی ہے لیکن قوۃ حفظ قتل ہوگئی ہے۔واللہ اعلم۔

سفر پر جاتے وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثنیۃ الوداع کے پاس اترنا اور تبوک سے آتے وقت اسی کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کا ہونا مشہور ومعروف واقعہ ہے۔واللہ اعلم

بنی حرام کی غار کا بیان

قبیلہ بنی حرام کی مغربی جہت میں تقریباً ایک کمرے کے حجم کے برابر جبل سلع میں ایک غار ہے۔اس کا راستہ مسجد فتح کے راستہ کی جانب ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف فرما ہے اور غزوہ خندق کے ایام میں کئی راتیں اس میں بسر کیں۔اسی غار میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ

بشارت دی گئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت میں پریشان نہیں کرے گا۔

۱۰۱۱۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ لیکن انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گھر میں تلاش کیا۔ لیکن آپ کو نہ پایا۔ پھر گلی گلی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں چکر لگایا۔ یہاں تک کہ آپ کو بتلایا گیا کہ آپ جبل ثواب پر ہیں۔ پھر باہر نکلے اور جبل ثواب پر چڑھے۔ دائیں بائیں دیکھا۔ تو اچانک نظر اس غار پر پڑی جس کا راستہ لوگوں نے مسجد الفتح کی جانب بنا رکھا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ فرما رہے تھے۔ میں پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اترا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ ہی کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی دیر سجدہ سے سر نہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ مجھے یہ غلط گمان ہونے لگا کہ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی گئی ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر نیاز اٹھایا تو میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے تو آپ کے بارے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ آپ کی روح قبض کر لی گئی ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام اس مقام پر حاضر خدمت ہوئے۔ تو انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرما رہے ہیں۔ اور آپ کو کہتے ہیں۔ آپ کیا پسند کرتے ہیں کہ میں آپ کی امت کے ساتھ کیسا معاملہ کروں؟ تو میں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں۔ وہ واپس گئے اور پھر آئے۔ اور کہا۔ کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ میں آپ کو آپ کی امت کے بارے میں غمزدہ نہیں کروں گا۔ تو میں نے (اس نعمت پر) سجدہ شکر ادا کیا۔ کیونکہ افضل ترین وہ عمل جس سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے وہ سجدہ ہے۔

یہ روایت طبرانی نے صغیر میں نقل کی ہے۔ اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند میں ایک راوی اسحاق بن ابراہیم مدنی مولیٰ بنی مزینہ ہیں۔ ابوزرعہ وغیرہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے اور ابن حبان نے ان کا ذکر ثقہ راویوں میں کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ طبرانی نے کبیر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شاہد حدیث بقیہ کی سند سے نقل کی ہے اور انہوں نے اسے معنعن ذکر کیا ہے۔ اس کی سند اس طرح ہے۔ "**حجاج بن عثمان السكسكي عن معاذ**" اور ابن حبان نے اسے اتباع التابعین کے عنوان میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں۔ مسلم شریف میں اصل حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اس کی شاہد دوسری روایت حضرت امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما سے سند حسن کے ساتھ مروی ہے۔ لیکن اس میں پہاڑ کا ذکر موجود نہیں۔ واللہ اعلم

حدیث طیبہ میں راوی کا قول "جبل ثواب" اس کے بارے علامہ سمہودی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

کہ میں اس کے ذکر سے تو واقف نہیں لیکن یہ قول "فی ھذا الکھف" کے قول سے نکالا جاسکتا ہے کہ بے شک وہ پہاڑ جہاں سے لوگوں نے غار کی طرف راستہ مسجد فتح کے راستے کی جانب بنا رکھا تھا۔ وہ جبل سلع ہے۔ وہ غار بنی حرام کی ہے اور اس کے قرینے کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

جبل الرایۃ (ذباب) کا بیان

مدینہ طیبہ کے وہ مشہور و معروف پہاڑ جن کے فضائل ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے ایک جبل الرایۃ بھی ہے۔ اور اسی کا دوسرا نام جبل ذباب ہے۔ یہ ثنیۃ الوداع کے شمال میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جو طریق عیون اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے راستے کے درمیان واقع ہے۔ (طریق سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سابقہ نام طریق سلطانہ ہے) یہ گول شکل میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جو طریق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دکھائی نہیں دیتا۔ کیونکہ عمارات نے اسے ہر جانب سے گھیر رکھا ہے۔ اور اب طریق العیون سے وہ چھوٹا سا ٹکڑا نظر آتا ہے جیسا کہ اس کا ایک جز اس سڑک سے دیکھائی دیتا ہے جو ان دونوں راستوں کے درمیان بنی ہوئی ہے۔

۱۰۱۲- حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذباب پر نماز ادا فرمائی۔ اسے طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ذباب حجاز مقدس کا ایک پہاڑ ہے اور راوی کا قول "صَلّٰی علیه" یعنی "بَارَکَ عَلَیْهِ" یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شرف بخشا۔ لیکن اس کی سند میں ایک راوی عبدالمہیمن بن عباس بن سہل ہے اور یہ ضعیف ہے۔

ابن اثیر کہتے ہیں کہ یہ مدینہ طیبہ کا ایک پہاڑ ہے۔

اس حدیث طیبہ کے کئی شواہد ہیں۔

۱۰۱۳- حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اس وقت مروان بن حکم کی طرف یہ پیغام بھیجا۔ جب اس نے ذباب کو قتل کیا اور پھر اسے ذباب پر سولی چڑھا دیا۔ کہ تو ہلاک ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز ادا فرمائی۔ اور تو نے اسے سولی دینے کی جگہ بنا دیا ہے۔ یہ روایت ابن شبہ نے نقل کی ہے۔ اس روایت کی سند میں دو راوی عبدالعزیز بن عمران اور عبداللہ بن سمعان ہیں اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔

۱۰۱۴- حضرت عبداللہ الاعرج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذباب پر نماز ادا فرمائی۔ اسے بھی ابن شبہ نے روایت کیا ہے اور یہ روایت مرسل ہے اور اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن ابی یحییٰ ہے۔

ابن شبہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس ذباب کے قتل کا سبب اس طرح بیان کیا ہے جسے مروان بن حکم نے اس پہاڑ پر سولی دی تھی اور جس کا ذکر سابقہ حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آخر میں ہوا ہے۔ کہ

ذباب اہل یمن میں سے ایک آدمی ہے۔ جس کی انصار میں سے ایک آدمی کے ساتھ عداوت تھی۔ جبکہ انصاری مروان کی جانب سے یمن کے بعض معاملات کے لئے عامل تھا۔ انصاری کی ایک آدمی سے مخالفت ہوگئی اور اس نے اس سے گائے لے لی۔ جبکہ یہ گائے دینا اس کے ذمہ بطور زکوٰۃ یا خراج واجب نہیں تھی۔ پس ذباب نے انصاری کا پیچھا کیا اور مدینہ طیبہ تک آ پہنچا۔ پھر اس کی تاک میں مسجد میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ اسے قتل کر ڈالا۔ تو مروان نے اس سے پوچھا۔ تجھے کس چیز نے اس کے قتل پر برانگیختہ کیا ہے۔ تو اس نے کہا۔ اس نے مجھ سے ظلماً گائے لی اور میں ایک خبیث النفس انسان تھا۔ لہٰذا میں نے اسے قتل کر دیا۔ چنانچہ مروان نے اسے قتل کر دیا اور اسے ذباب پر سولی چڑھا دیا۔

لیکن میرے نزدیک اس پہاڑ کا نام ذباب رکھنے پر چند اشکالات ہیں۔ میں انہیں عنقریب ذکر کروں گا۔ یہ وہ پہاڑ ہے جس کے بارے یہ کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دن اس پر اپنا خیمہ لگایا تھا۔ جیسا کہ ابن شبہ نے عبدالعزیز بن عمران عن کثیر بن عبداللہ کی سند سے روایت کیا ہے۔ اور یہ دونوں راوی ضعیف ہیں۔ اور انہوں نے ربیع بن عبدالرحمٰن بن ابی سعید الخدری سے روایت کی ہے۔

ابن شبہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ ابوغسان نے کہا ہے مجھے ہمارے بعض مشائخ نے خبر دی ہے کہ سلاطین ذباب پر سولی دیتے تھے۔ تو ہشام بن عروہ نے زیاد بن عبیداللہ العارثی کو کہا کتنے تعجب کی بات ہے کہ تم اس جگہ سولی دیتے ہو جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ لگایا گیا تھا۔ زیاد یہ سن کر اس عمل سے باز آ گیا اور پھر اس کے بعد آنے والے ایسا کرنے سے رک گئے۔

اس طرح بعض اہل سیر نے یہ لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دن اس پہاڑ پر خیمہ نصب کیا تھا۔ واللہ اعلم

اس پہاڑ کا نام جبل ذباب رکھنے میں کئی اشکال ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔

۱۰۱۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے اہل مدینہ یوم خلاص کو یاد کرو'' انہوں نے عرض کی۔ یوم الخلاص کون سا دن ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''دجال آئے گا۔ یہاں تک کہ ذباب پر اترے گا۔ اور مدینہ طیبہ میں رہنے والے تمام مشرک مرد اور عورتیں، کافر مرد اور عورتیں اور منافق مرد اور عورتیں اس کی طرف نکل جائیں گے۔ اور مدینہ طیبہ میں صرف مومن باقی رہیں گے۔ وہی دن یوم الخلاص ہوگا'' اسے امام احمد اور طبرانی نے الاوسط میں نقل کیا ہے۔ یہ الفاظ طبرانی کے ہیں اور اس کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔

ذباب مدینہ طیبہ کے حرم میں داخل ہے اور حرم مدینہ میں داخل ہونا دجال پر حرام ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اسی کے مثل ایک اشکال یہ بھی ہے جو کہ معنوی اعتبار سے اس حدیث کے مترادف ہے۔

۱۰۱۶۔محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یوم الخلاص اور یوم الخلاص کیا ہے؟۔ یوم الخلاص اور یوم الخلاص کیا ہے۔ یہ جملہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا تو عرض کی گئی۔ یوم الخلاص کون سا دن ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دجال آئے گا اور احد پر چڑھ جائے گا۔ پھر اپنے ساتھیوں کو کہے گا۔ کیا تم یہ سفید محل دیکھ رہے ہو؟ یہ احد کی مسجد ہے پھر مدینہ طیبہ میں آئے گا۔ تو ہر راستے پر ایک فرشتہ کو تلوار سونتے ہوئے پائے گا۔ پھر سمندر کے کنارے دلدلی زمین میں چلا جائے گا۔ اور اپنا خیمہ گاڑ لے گا۔ پھر مدینہ طیبہ میں تین بار زلزلہ آئے گا۔ تو اس میں رہنے والے تمام منافق مرد اور عورتیں اور فاسق مرد اور عورتیں اس کی طرف نکل جائیں گے۔ لہٰذا وہی دن یوم الخلاص ہوگا۔ اسے امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ نے صحیح رواۃ سے روایت کیا ہے۔ اور حاکم نے اسے مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔

دوسری نص سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ اس کا پہاڑ پر چڑھنا مدینہ طیبہ میں پہنچنے سے پہلے ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے۔ "ثُمَّ یَاْتِی الْمَدِیْنَۃَ ......" اور وہ مدینہ طیبہ میں داخل نہیں ہو سکے گا، جبکہ جبل ذباب بالیقین مدینہ طیبہ کے اندر ہے اور وہ قطعی طور پر حرم پاک میں داخل ہے اس لئے وہ اس تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں پائے گا۔

اور اس لئے بھی اشکال بنتا ہے کہ دونوں حدیثوں کا سیاق کلام ایک ہے کیونکہ حدیث محجن میں بعینہ وہی ذباب مراد ہے جو حدیث جابر میں ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن حدیث محجن میں یہ مذکور ہے کہ وہ احد پر چڑھے گا اور احد حرم پاک میں داخل ہے اور حرم میں دجال داخل نہیں ہو سکتا اور وہ پہاڑ جس پر وہ چڑھے گا وہ سمندر کے کنارے دلدلی زمین کے قریب ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ وہ ایسے پہاڑ پر چڑھے گا جو جبل احد کے سلسلے سے تعلق رکھتا ہے اور وہ مقام حل میں واقع ہے اور مجمع السیول (ایسی جگہ جہاں سیلاب کا پانی جمع ہوتا ہو) یا سبخۃ الجرف (سمندر کے کنارے دلدلی زمین) کے قریب ہے اور وہ اتنا بلند ہے کہ وہاں سے مدینہ طیبہ اور مسجد نبوی دکھائی دیتی ہے۔ شاید اس کا قدیمی نام ذباب ہو۔ اور پھر اسے بھلا دیا گیا یا چھوڑ دیا گیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جیسے یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ جبل الرایۃ کا نام جبل ذباب اس لئے ہے کہ اس پر ذباب کو سولی دی گئی اسی طرح اس کا نام جبل الرایۃ اس لئے ہے کہ اس پر ایام حرہ میں ابن ہرمز نے اپنا جھنڈا نصب لیا تھا۔ لہٰذا اس کا پرانا نام بھلا دیا گیا۔ واللہ اعلم

مدینہ طیبہ کی وادیوں کا بیان

مدینہ طیبہ میں متعدد وادیاں ہیں ان میں سے کچھ اس کے اندر ہیں جبکہ بعض باہر سے آ کر اس کے

پاس سے گزرتی ہیں۔ میں یہاں ان میں سے بعض کے ذکر پر ہی اکتفا کروں گا۔

وادی العقیق

اس وادی کے فضائل میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وادی کو مبارک بنایا اور اپنے محبوب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو حکم ارشاد فرمایا کہ اس میں تہلیل (لا الہ الا اللہ کہنا) کریں اور اس میں نماز ادا فرمائیں۔

۱۰۱۷- حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا درآنحالیکہ آپ وادی عقیق میں تھے۔'' کہ ایک رات میرے پاس میرے رب کی طرف سے آنے والا آیا۔ اور کہا۔'' کہ اس مبارک وادی میں نماز ادا کیجئے اور فرما دیجئے کہ عمرہ حج میں شامل ہے'' اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے

آپ کے قول ''اَتَانِیْ آتٍ مِنْ رَّبِّیْ'' سے مراد حضرت جبریل علیہ الاسلام ہیں۔

اور آپ کے ارشاد ''صَلِّ فِیْ هٰذَا الْوَادِی الْمُبَارَکِ'' میں وادی سے مراد عقیق ہے۔

۱۰۱۸- حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم اپنے باپ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب دکھایا گیا درآنحالیکہ آپ ذوالحلیفہ کے مقام پر وادی کے درمیان میں رات کے آخری حصہ میں اترے ہوئے تھے اور آپ کو کہا گیا کہ آپ ایک مبارک وادی میں ہیں۔

موسیٰ کہتے ہیں کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ مسجد کے قریب اسی جگہ اپنے اونٹ بٹھائے۔ جہاں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اترنے کی جگہ کو تلاش کرکے اپنے اونٹ بٹھاتے تھے۔ اور وہ جگہ وادی کے درمیان میں واقع مسجد سے نیچے کی جانب ہے۔ اس کا وسط مسجد اور راستہ کے درمیان میں واقع ہے۔ متفق علیہ

راوی کا قول ''اُتِیَ'' کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دکھلایا گیا اور انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

راوی کا قول ''مُعَرَّس'' سے مراد اترنے کی جگہ ہے اور اس کا غالب استعمال رات کے آخری حصہ میں اترنے پر ہوتا ہے۔ راوی کا قول ''فی بطن الوادی'' اس سے مراد وادی عقیق ہے۔ جیسا کہ سابقہ روایت میں ہے۔

راوی کا قول ''بینه و بین الطریق ......'' مسلم شریف کی روایت میں الفاظ یہ ہیں۔'' و بین القبلة'' تو اس سے مراد جہت قبلہ ہے۔

۱۰۱۹- طبرانی میں آپ رضی اللہ عنہما سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا کہ آپ مبارک

وادی میں ہیں۔ درآنحالیکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق میں تھے۔

۱۰۲۰- حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کہ میرے پاس آنے والا آیا درآنحالیکہ میں عقیق میں تھا۔ اور اس نے کہا۔ بے شک آپ ایک مبارک وادی میں ہیں۔'' اسے بزار نے صحیح رواۃ سے نقل کیا ہے۔

۱۰۲۱- حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ میں جنگلی جانوروں کا شکار کرتا تھا اور ان کا گوشت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بطور ہدیہ پیش کرتا تھا تو اسی اثناء میں ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نہ پایا۔ تو پھر فرمایا۔ اے سلمہ تو کہاں ہوتا ہے؟۔ تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! شکار دور چلا گیا اور میں ثیب کی طرف وادی قناۃ کے آغاز تک شکار کرتا رہا۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اگر تو عقیق میں شکار کرتا تو جب تو جاتا، میں تجھے چھوڑنے ساتھ جاتا۔ اور جب واپس آتا تو میں تیرا استقبال کرتا۔ بے شک میں وادی عقیق سے محبت کرتا ہوں'' اسے طبرانی نے کبیر میں اور ابن شبہ نے روایت کیا ہے اور ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

قولہ ''ثیب'' سیرت ابن ہشام میں غزوہ سویق کے عنوان کے تحت اسی طرح مذکور ہے۔ '' پھر ذوالحج کے مہینہ میں ابوسفیان بن حرب نے غزوہ سویق کی تیاری کی اور دوسو قریشی سواروں کے ساتھ نکلا۔ تاکہ اپنی قسم سے بری الذمہ ہو جائے۔ تو وہ پتھریلے راستے کو طے کرتے ہوئے وادی قناۃ میں پہاڑ کے قریب جا اترا۔ جسے ثیب کہا جاتا ہے جو مدینہ طیبہ سے ایک برید یعنی تقریباً بارہ میل کی مسافت پر ہے۔ اس نص سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ثیب مدینہ طیبہ سے مشرق کی جانب ہے اگرچہ زبیر بن بکار نے کہا ہے کہ وہ وادی عقیق میں ہے۔

اور حدیث طیبہ کے ان الفاظ ''اَمَا لَوْ كُنْتَ تَصِيْدُ بِالْعَقِيْقِ ......'' سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حرم پاک میں شکار کرنا جائز ہے۔ کیونکہ عقیق دو ہیں۔ ایک العقیق القریب ہے۔ اور دوسری العقیق البعید ہے۔ العقیق القریب حرم پاک میں ہے اور پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک العقیق الصغیر۔ اور یہ وہ ہے جس میں بیئر رومہ ہے اور دوسری العقیق الکبیر اور اس سے مراد وہ ہے جس میں بئیر عروہ ہے۔ جبکہ دوسری عقیق ذی الحلیفہ سے دور بلاد مزینہ میں واقع ہے اور یہ حرم پاک میں داخل نہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نقیع عقیق کے شروع میں ہے اور عقیق وہ وادی ہے جس میں اہل مدینہ کے اموال ہوتے ہیں اور مدینہ طیبہ سے اس کی مسافت کے بارے مختلف اقوال ہیں۔ یعنی دو میل، تین میل، چھ میل اور سات میل وغیرہ۔

دونوں وادیاں عقیق ہیں۔ ان میں سے قریب ترین عقیق المدینہ ہے۔ اور اس کے دو حصے ہیں۔ اصغر

اور اکبر۔ اصغر میں بئر رومہ ہے اور اکبر میں بئر عروہ ہے۔

اور دوسری وادی عقیق اس کے قریب ہی ہے اور وہ بلاد مزینہ میں واقع ہے اور یہ وہ وادی ہے ... جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ کے ساتھ طے کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ طے کیا۔ یہ علامہ سمہودی کا بیان ہے۔

اور مطری نے التعریف میں کہا ہے کہ وادی عقیق کے بہنے کا آغاز نقیعی سے ہوتا ہے۔ مدینہ طیبہ کی جانب سے اور یہ پیدل چلنے والوں کے راستے پر واقع ہے۔ اس کے درمیان اور قباء کے درمیان تقریباً ڈیڑھ دن کی مسافت ہے اور آج کل یہ وادی نقیع کے نام سے معروف ہے اور یہ بئر العلیا تک پہنچتی ہے۔ جو خلیقہ کے نام سے معروف ہے پھر جبل عیر کے مغرب کی طرف آتی ہے اور ذوالخلیفہ کے کنوئیں تک پہنچتی ہے جو کہ حاجیوں کے احرام باندھنے کی جگہ ہے پھر مشرق کی جانب سے اس حرہ کے قریب تک آتی ہے جہاں سے مدینہ طیبہ سامنے آجاتا ہے پھر بائیں جانب اوپر کی طرف چڑھتی ہے اور بئر المحرم سے لے کر مغرب میں بئر رومہ پر ختم ہوتی ہے۔ اسی کا نام وادی عقیق ہے۔

۱۰۲۲- حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ہم ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اترے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خواب دیکھایا گیا اور کہا گیا بے شک آپ مبارک وادی میں ہیں۔ یعنی وادی عقیق۔ اسے بخاری نے اپنی تاریخ میں اور ابن سعد اور ابن عساکر وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

۱۰۲۳- حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عقیق ایک بابرکت وادی ہے" اسے ابن شبہ نے صحیح رواۃ سے نقل کیا ہے۔ لیکن یہ روایت مرسل ہے اور اس کی شاہد سابقہ روایت ہے۔ اور مطبوعہ نسخہ کی سند میں خطا بھی واقع ہے۔

۱۰۲۴- حضرت ہشام بن عروہ رحمہما اللہ تعالیٰ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وادی عقیق میں آرام فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا۔ بے شک آپ مبارک وادی میں ہیں۔ اسے ابن شبہ نے صحیح راویوں سے نقل کیا ہے۔ لیکن یہ روایت معضل ہے اور اس کی شاہد بھی سابقہ حدیث ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ احادیث مندرجہ ذیل امور پر دلالت کرتی ہیں۔

(۱) وادی عقیق ایک مبارک وادی ہے۔

(۲) زمین کے بعض حصے دوسرے بعض سے مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ احد پہاڑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے محبت فرماتے ہیں اور ریاض الجنہ جنت کا حصہ ہے اسی طرح زمین کے بعض اجزاء بابرکت ہوتے ہیں بخلاف دوسرے بعض کے۔ واللہ اعلم

(۳) یہ برکت وادی مبارک کو لازم ہے۔

(۴) بعض دوسری نصوص سے یہ ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وادی عقیق میں سکونت اختیار کرنے کو پسند کیا۔ یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا۔ ان میں حضرات عشرہ مبشرہ میں سے حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان دونوں کا وصال وہیں ہوا پھر انہیں مدینہ طیبہ منتقل کیا گیا اور جنت البقیع میں دفن کر دیا گیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی وادی عقیق میں سکونت پذیر رہے اور ان کے بعد متعدد تابعین بھی وہاں رہے۔ مثلاً عروہ بن زبیر وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۵) یہ برکت مکمل وادی عقیق کو شامل ہے کیونکہ کوئی ایسی نص وارد نہیں جس سے اس کا خاص حصہ متعین ہوتا ہو اور دوسرا بعض اس سے خارج ہوتا ہو۔ واللہ اعلم۔

وادی بطحان کا بیان

یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔

اس مبارک وادی کے فضائل میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جنت میں ایک حوض یا ایک دروازے پر بنایا ہے جیسا کہ اس کی مٹی کو شفاء بنایا اس کا مستقل بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

وادی بطحان حرہ شرقیہ کے جنوب سے شروع ہو کر مسجد قباء کے مشرق تک جاتی ہے۔ پھر شمال کی جانب تربہ صعیب تک ہے، جو طریق قربان کے مشرق میں ہے پھر مسجد بلال اور مسجد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے اور پھر وہاں سے مسیح تک۔ اور اسے وادی ابی جیدہ بھی کہا جاتا ہے اور اس کا اکثر حصہ تو اب ڈھانپ دیا گیا ہے۔

۱۰۲۵- حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ ”کہ وادی بطحان جنت کے تالابوں میں سے ایک حوض پر ہے۔“ اسے بزار اور ابن شبہ نے روایت کیا ہے۔ علامہ ہیثمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ اس میں ایک راوی کا نام ذکر نہیں کیا گیا۔

میں کہتا ہوں کہ امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاریخ میں یہ روایت ثقہ راویوں سے نقل کی ہے اور اس کا نام ”احنف من آل ابی معلی“ ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اور ابن ابی حاتم نے اس کا ذکر کیا ہے اور دونوں نے اس میں کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی۔ اور ابن حبان نے ان کا ذکر اپنی ثقات میں کیا ہے۔

امام سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ نے بھی صرف بزار کی روایت کے بارے کلام کی ہے۔ اسی طرح جامع صغیر کی شروح میں ہے۔ دیلمی نے مسند الفردوس میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث ان

لفاظ میں ذکر کی ہے۔'' کہ وادی بطحان جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے۔''

اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے تسدید القوس میں کہا ہے کہ اس کی سند کا ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہونا حاکم ابی احمد کے فوائد میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ: اس کے ساتھ متصل آنے والی حدیث سلسلہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ (۲: ۱۱:۴، ۱۲،۴ رقم ۷۶۹)

اسے ابن حیویہ نے اپنی حدیث میں (۳/۸/۱) اور دیلمی نے (۲/۱/۱۶) یعقوب بن کاسب سے روایت کیا ہے۔ سند اس طرح ہے۔ ''حدثنا المغیرۃ بن عبدالرحمٰن، ثنا الجعید بن عبدالرحمٰن عن الاحنف بن قیس عن عروۃ عن عائشہ مرفوعاً'' یہ سند حسن ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ بخاری کے رواۃ یعقوب بن حمید بن کاسب کے علاوہ ہیں۔ آپ نے اس سے خلق افعال العباد کے بارے اس سے روایت نقل کی ہے اور یہ بھی سچا راوی ہے جیسا کہ تقریب میں ہے اور مغیرہ بن عبدالرحمٰن جو کہ ابن الحارث بن عبداللہ بن عیاش ہے کے بارے کچھ کلام ہے۔ لیکن اس کے باوجود حدیث حسن کے رتبہ سے نیچے نہیں آتی۔

قولہ ''الأحنف بن قیس'' یہ وہم ہے وجہ یہ ہے۔

(۱) احنف بن قیس مخضرمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی وفات ستاسٹھ ہجری میں یا بہتر ہجری میں ہوئی۔ جبکہ عروہ بن زبیر کی وفات صحیح روایت کے مطابق چورانوے ہجری میں ہوئی۔ پس احنف کی وفات عروہ کی وفات سے تقریباً ستائیس سال قبل ہوئی اور پھر احنف کوفہ میں تھے اور عروہ حجاز میں۔

(۲) وہ عام مصادر جن میں احنف بن قیس کے شاگردوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں عروہ بن زبیر کا ذکر بھی ہے گویا یہ ان کے شاگرد ہیں نہ کہ شیخ۔

(۳) استاد البانی کی نقل کے مطابق احنف کے شاگرد جعید ہیں، جنہیں جعد بن عبدالرحمٰن کہا جاتا ہے۔ اس کی وفات ۱۴۴ھ میں ہوئی۔ یعنی احنف کی وفات کے ستتر سال بعد۔ تو پھر اس نے ان سے کب سنا؟ اور پھر یہ بھی کہ جعد مدنی ہے اور احنف کوفی ہے۔

(۴) جعد اور جعید کے شیوخ میں احنف بن قیس کا ذکر موجود نہیں۔ جس کا ذکر ہے وہ احنف من ال ابی المعلی یا یعلی۔ جیسا کہ تہذیب الکمال میں ہے اور یہ بخاری کی تاریخ الکبیر میں موجود ہے۔ جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔

(۵) امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ احنف کا شاگرد عبداللہ بن سعید بن ابی ہند ہے اور اس کی وفات احنف بن قیس کے بعد تقریباً اسی سال کے بعد ہوئی۔ تو اس نے بھی ان سے کیسے سنا ہے؟۔

(۶) تسدید القوس کے مخطوطہ میں سند اس طرح ہے ''اخبرنا زاھر بن طاھر اخبرنا المروزی،

اخبرنا ابو احمد الحافظ حدثنا محمد بن خزیمه، حدثنا هشام بن عمار، حدثنا حاتم بن اسماعیل حدثنا الجعد بن عبدالرحمن، اخبرنی رجل من آل المعلی، عن عروۃ عن عائشه رضی الله عنها'' پھر حدیث مذکور ہے۔''فانظره نسخة الجامعة الاسلامیة(۱۰۷) حدیث، رقم التصویر (ف ۲۲۲من۹۷۲-۲۰۹۹)'' حدیث۔تو یہ اس کے خلاف ہے جو استاذ نے ذکر کی ہے۔واللہ اعلم

اسی لئے سلسلہ صحیحہ میں مذکور سند منقطع ہے۔ اگر نص صحیح اور نقل درست ہے تو احنف بن قیس اس کی قوت میں اضافہ کر سکتا ہے۔لیکن میرے نزدیک نص کی صحت مشکوک ہے۔ کیونکہ حدیث کا مخرج تو ایک ہے لیکن دیلمی کے مخطوطہ نسخہ اور جامعہ اسلامیہ کے نسخہ میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم

جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے اس کے بارے میں یہ گمان نہیں رکھتا کہ استاذ البانی پر وہ مخفی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ شاید مخطوطہ میں خطا ہو۔ یا پھر نگاہ میں خلل آ گیا ہو اور وہ اس پر متنبہ نہ ہوئے۔ ہر صورت میں معصوم عن الخطاء تو انبیاء ہی ہیں۔ واللہ المستعان۔

''اَلْبِرْکَۃُ'' اس کا معنی حوض ہے۔یعنی وادی بطحان جنت کے تالابوں میں سے ایک حوض میں نبی ہو گی۔اور لفظ ''اَلتُّرْعَۃُ'' کے کئی معانی ہیں۔اس کا ایک معنی دروازہ ہے۔ایک معنی وہ باغ ہے جو بلند جگہ پر بنایا گیا ہو۔ایک معنی درجہ ہے اور ایک معنی جداول (نالیاں) کے دھانے ہیں۔

اس وادی کا یہ بھی ایک راز ہے۔ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مٹی ان پر ڈالی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وادی عقیق اور بطحان کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مثال دیا کرتے تھے۔

۱۰۲۶-حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں ہم صفہ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرمایا ''تم میں سے کون پسند کرتا ہے کہ ہر روز صبح سویرے وادی بطحان یا عقیق کی طرف جائے اور وہاں سے دو بڑی کوہان والی اونٹنیاں بغیر کسی گناہ اور قطع تعلقی کے لے آئے؟ تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم ایسا پسند کرتے ہیں۔تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جو بھی تم میں سے صبح مسجد کی طرف جائے گا کہ وہ وہاں سے قرآن کریم کی دو آیتیں سیکھے یا پڑھے تو یہ اس کے لئے ان دو اونٹنیوں سے بہتر ہے۔ اور تین آیات تین اونٹنیوں سے افضل ہیں۔ اور چار چار سے بہتر ہیں آیات قرآنیہ کی کوئی تعداد بھی اونٹوں کی تعداد سے بہتر ہے۔(رواہ مسلم ص ۲)

قولہ۔''نَاقَتَیْنِ کَوْمَاوَیْنِ'' یعنی وہ ایسی دو اونٹنیاں لائے جن کی کوہان بہت بڑی ہو۔

''اَلْکَوْمَاءُ'' اس کا معنی ہے بڑی کوہان والی اونٹنی۔ واللہ اعلم

وادی رانوناء کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ وہی ہے جس میں بنی سالم کی وہ مسجد واقع ہے جس میں اسلام کا پہلا جمعہ ادا کیا گیا۔ یہ مسجد مسجد جمعہ کے نام سے معروف ہے۔ واللہ اعلم۔

مدینہ طیبہ کے کنوؤں کا بیان

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں مدینہ طیبہ میں کثیر تعداد میں کنوئیں موجود تھے۔ ان میں سے بہت سے کنوؤں کے فضائل مذکور ہیں۔ چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے دعا فرمائی، یا اس میں اپنا لعاب دہن پھینکا، یا اس سے پانی نوش فرمایا، یا اس کی تعریف فرمائی، یا اس کے بنانے والوں کے لئے دعا فرمائی، یا اس پر تشریف فرما ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

تمام کنوؤں کا احاطہ کرنا یا جو کچھ ان کے بارے کہا گیا ہے اس کا احاطہ کرنا انتہائی مشکل ہے۔ اس لئے میں ان میں سے بعض کے بیان پر ہی اکتفاء کروں گا۔ اور ان بعض امور کے ذکر پر اکتفاء کروں گا جو ان کے بارے میں کہے گئے۔ تا کہ ان سے تمام کے بارے آگاہی ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بئر اریس (الخاتم) کا بیان

یہ کنواں ایک باغ میں واقع تھا اور آج کل اس کی جگہ مسجد قباء کے سامنے، مسجد کے مغربی دروازے کے بالمقابل راستے کے درمیان میں ہے۔ اور شاید یہ راستے کے درمیان کے فرش کے نیچے واقع ہے۔ میں نے اسے بہت عرصہ پہلے اس وقت دیکھا تھا۔ جب میں پہلی مرتبہ مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا تھا۔ اس کا پانی انتہائی لذیذ اور میٹھا تھا۔ یہ کنواں بئر خاتم کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ یا آپ رضی اللہ عنہ کے نائب ''مُعَیْقِیب'' کے ہاتھ سے گر پڑی تھی۔ اس وجہ سے اس کا نام بئر خاتم پڑ گیا۔

۱۰۲۷۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے اپنے گھر میں وضو کیا۔ اور پھر باہر نکلے۔ اور اپنے دل میں کہا کہ آج سارا دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہوں گا۔ چنانچہ مسجد میں آیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے پوچھا۔ تو انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف نکل گئے ہیں۔ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے پوچھتے پوچھتے آپ کے پیچھے نکل پڑا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بئر اریس میں داخل ہو گئے۔ اور میں دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کا دروازہ کھجور کی ٹہنیوں سے بنا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت سے فارغ ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔ میں اٹھ کر آپ کے پاس حاضر ہوا۔ اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بئر اریس پر تشریف فرما تھے۔ اس کی منڈیر کے

درمیان میں، پنڈلیاں مبارک ننگی تھیں اور دونوں پاؤں مبارک کنوئیں میں لٹکائے ہوئے تھے۔تو میں نے جا کر سلام عرض کیا۔ پھر میں واپس آ کر دروازے کے پاس بیٹھ گیا۔ اور کہا کہ آج کے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دربان رہوں گا۔اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور دروازے پر دستک دی۔ میں نے پوچھا۔کون ہے؟ انہوں نے کہا۔ابوبکر۔ میں نے کہا۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔اور عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوبکر اجازت طلب کر رہے ہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اِئْذَنْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" (انہیں اندر آنے کی اجازت دو اور جنت کی بشارت بھی دو) میں آیا۔اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا۔اندر آ جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جنت کی بشارت بھی فرما رہے ہیں۔ابوبکر اندر داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دائیں جانب منڈیر پر بیٹھ گئے اور اپنے پاؤں کنویں میں لٹکا لئے اور اپنی پنڈلیاں بھی ننگی کر لیں جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئے ہوئے تھے۔ پھر میں واپس لوٹا اور بیٹھ گیا میں نے اپنے بھائی کو وضو کرتے ہوئے چھوڑا تھا کہ وہ پیچھے سے مجھے آ ملے گا تو میں نے کہا اگر اللہ تعالیٰ فلاں کے لئے بھلائی کا ارادہ فرمائے۔تو وہ آ جائے۔اس سے ان کی مراد اپنا بھائی ہے۔اتنے میں کسی انسان نے دروازے پر دستک دی۔ میں نے کہا۔کون ہے؟ تو اس نے کہا۔عمر بن خطاب۔تو میں نے کہا تھوڑی دیر ٹھہر جایئے۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا۔اور کہا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت طلب کر رہے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اِئْذَنْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ" (انہیں اندر آنے کی اجازت دو اور جنت کی بشارت بھی دو) میں آیا۔تو انہیں کہا۔اندر داخل ہو جاؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں جنت کی بشارت بھی دی ہے۔ وہ اندر داخل ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بائیں جانب منڈیر پر بیٹھ گئے اور کنویں میں پاؤں لٹکا لئے۔

پھر میں واپس لوٹا۔اور بیٹھ گیا۔ میں نے دل میں کہا۔اگر اللہ تعالیٰ فلاں کے بارے بھلائی کا ارادہ فرمائے تو وہ آ جائے۔اتنے میں ایک اور آدمی آیا۔اور دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ میں نے پوچھا۔کون ہے؟ تو اس نے کہا۔عثمان بن عفان۔ میں نے کہا۔ ذرا ٹھہر جایئے۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔اور آپ کو خبر دی۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اِئْذَنْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهٗ" (انہیں آنے کی اجازت دو اور جنت کی بشارت دو۔ اس آزمائش اور مصیبت کے ساتھ جو انہیں پہنچے گی) میں واپس آیا۔اور انہیں کہا۔اندر آ جاؤ۔اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جنت کی بشارت دیتے ہیں اس آزمائش اور مصیبت کی شرط پر جو تمہیں پہنچے گی۔ وہ اندر داخل ہوئے منڈیر کو بھرا ہوا پایا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسری جانب بیٹھ گئے۔

شریک بن عبداللہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن مسیب نے کہا ہے کہ میں نے اس کی تاویل ان کی قبور سے کی ہے۔ متفق علیہ

راوی کا قول ''تَوَسَّطَ قُفَّهَا''۔ ''اَلْقُفُّ'' اس سے مراد منڈیر ہے جو کنویں کے گرد بنائی جاتی ہے۔ اصل میں اس سے مراد سخت اور بلند زمین ہے۔ اور یہاں یہی مراد ہے جیسا کہ حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے یعنی وہ جگہ جو کنویں کے گرد بیٹھنے کے لئے بنائی جاتی ہے اور کنویں کے کنارے پر ہوتی ہے۔

اور حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول ''فَاَوَّلْتُهَا قُبُوْرَهُمْ'' سے مراد وصاحبین کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہونا ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان تمام سے علیحدہ جنت البقیع میں دفن ہونا ہے۔

حضرت امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت سعید بن مسیب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے اس کی تاویل ان کی قبور سے کی ہے ان کی قبور اکٹھی ہوں گی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ علیحدہ ہونگے یہ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی فراست کی علامت ہے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے یہ قول ''عَلٰی بَلْوٰیٰ تُصِیْبُهٗ'' اس سے مراد وہ آزمائش ہے جس میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبتلا ہوئے۔ یعنی آپ کی قوم کے اوباش لوگ آپ کو امامت سے ہٹانے کے لئے آپ کے پیچھے پڑ گئے۔ اور انہوں نے طرح طرح کے ظلم وستم کرنے کی نسبت آپ کی طرف کی۔ حالانکہ آپ ان سے بری الذمہ تھے اور آپ نے ان کے اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے اپنے اعذار پیش کئے۔ پھر انہوں نے آپ کے گھر پر حملہ کر دیا اور آپ کے اہل کے ستر (پردے) کو تار تار کر دیا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا۔ یہی ان فتنوں کی بنیاد ہے۔ جو جنگ جمل، جنگ صفین اور ان سے بعد کی جنگوں کی صورت میں صحابہ کرام کے درمیان واقع ہوئے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور کئی دوسرے واقعات۔ واللہ اعلم

یہ بئر اریس وہی ہے جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا آپ کے نائب ''مُعَیْقِیْب'' کے ہاتھ سے گر گئی۔ اسی وجہ سے اس کا نام بئر خاتم بھی ہے۔

۱۰۲۸- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہی، پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہی، اور پھر آپ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہی۔ یہاں تک کہ بئر اریس میں گر گئی۔ اس پر نقش یہ تھا: محمد رسول اللہ۔ متفق علیہ

اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد حضرت ابو داؤد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ لوگوں نے

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف نہیں کیا مگر جب کہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ سے گر گئی۔

۱۰۲۹-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں الفاظ یہ ہیں۔" یہاں تک کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بئر اریس میں گر گئی۔"

۱۰۳۰-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی ایک روایت اس طرح ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی اور اس میں نقش کرایا۔" محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بھی میری انگوٹھی کے نقش کی مثل نقش نہ بنوائے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہنا کرتے تو اس کا نگینہ ہتھیلی کے اندر کی طرف رکھتے اور یہ وہی ہے جو معیقیب سے بئر اریس میں گری۔ رواہ مسلم

۱۰۳۱-حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی آپ کے دست مبارک میں رہی، پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں، پھر آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہی، جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بئر اریس پر بیٹھے اور اپنی انگوٹھی اتاری اور اس سے کھیلنے لگے تو وہ کنویں میں گر گئی۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تین دن تک حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مل کر کوشش کرتے رہے اور کنویں کا سارا پانی نکال دیا۔ لیکن ہمیں انگوٹھی نہ ملی۔ رواہ البخاری

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سال گزرنے کے بعد یہ انگوٹھی گری۔ اس کے بعد حالات خراب ہو گئے۔ حتیٰ کہ نوبت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل تک جا پہنچی۔

۱۰۳۲-حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی تین دن تک پہنی۔ جب صحابہ کرام نے آپ کو دیکھا تو سونے کی انگوٹھیاں بہت زیادہ ہو گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پھینک دی پھر ہم نہیں جانتے جو آپ نے کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا۔ کہ اس پر" محمد رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم) کندہ کیا جائے۔ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہی یہاں تک آپ کا وصال ہوا، آپ کے بعد وصال تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ میں رہی اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے چھ سال گزرنے تک آپ کے پاس رہی۔ جب آپ کے پاس خطوط زیادہ آنے لگے تو آپ نے وہ انصار میں سے ایک آدمی کو دے دی۔ وہ اس کے ساتھ مہر لگاتے تھے...... الحدیث رواہ النسائی

ابن سعد نے بھی بخاری کی سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث روایت کی

ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں "حَتّٰی وَقَعَ مِنْ عُثْمَانَ" اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں۔ "وَهُوَ الَّذِیْ سَقَطَ مِنْ مُعَیْقِیْب" یعنی پہلی روایت کے مطابق انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کنویں میں گری۔ اور دوسری روایت کے مطابق معیقیب کے ہاتھ سے گری۔ علماء نے ان دونوں قولوں کو جمع اس طرح کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگوٹھی معیقیب سے طلب کی اور اس کے ساتھ کسی چیز پر مہر لگائی پھر وہ آپ کے ہاتھ میں ہی رہی اور آپ کسی امر کے بارے سوچنے لگے۔ پھر اسے حرکت دینے لگے یا پھر اسے کبھی اپنی انگلی سے نکال لیتے اور کبھی داخل کرتے۔ پس اسی اثناء میں وہ کنویں میں گر پڑی۔ یا پھر آپ انگوٹھی واپس دینے لگے تو آپ کے ہاتھ سے گر گئی یا پھر اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے گری اس اعتبار سے کہ وہ آپ کے ہاتھ میں تھی اور جنہوں نے یہ کہا کہ معیقیب کے ہاتھ سے گری۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انگوٹھی اسے دے رکھی تھی اور وہ آپ کے پاس اس سے مہر لگاتے تھے۔ واللہ اعلم

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ قول "فَاخْتَلَفْنَا ثَلَاثَةَ أَیَّامٍ مَعَ عُثْمَانَ فَنَنْزَحُ الْبِئْرَ"

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کا مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے اسے بہت زیادہ تلاش کیا۔ کیونکہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی نشانی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہنا، اسے استعمال کیا اور اس کے ساتھ مہر لگائی۔ اس قسم کی چیز عرف میں مال کی بہت زیادہ مقدار کے مساوی ہوتی ہے۔ ورنہ اگر وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی نہ ہوتی تو وہ معمولی تلاش پر اکتفا کرتے اور بالضرور یہ جانا جاسکتا ہے کہ تین دن میں اٹھائی جانے والی مشقت کی مقدار انگوٹھی کی قیمت سے کہیں زیادہ ہے لیکن اس انگوٹھی کی عظیم صفات اس کے عظیم القدر ہونے کا تقاضا کرتی ہیں۔ اور ابو داؤد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول "وَلَمْ یَخْتَلِفِ النَّاسُ عَلٰی عُثْمَانَ حَتّٰی سَقَطَ الْخَاتَمُ مِنْ یَدِهٖ"۔

اس کے بارے بعض علماء نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی میں بھی ایسے ہی کوئی راز تھا جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں تھا۔ کیونکہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی انگوٹھی گم کی تو آپ کی بادشاہی ختم ہوگئی۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی گم کی تو آپ کے معاملات بھی خراب ہوگئے۔ آپ کے خلاف لوگوں نے خروج کیا۔ یہی اس فتنے کی ابتدا تھی جو بالآخر آپ کے قتل تک جا پہنچا اور آخر وقت تک جاری رہا۔ من الفتح والعینی

میں کہتا ہوں کہ یہ قول کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کی مثل راز مضمر ہے یہ نقل کا محتاج ہے لیکن واقع اسی طرح ہوا کہ حالات آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے

انگوٹھی گرنے کے بعد خراب ہوئے اگر یہ دونوں انگوٹھیاں محفوظ رہتیں تو بہتر ہوتا۔ واللہ اعلم......

اس کنویں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لعاب دھن پھینکا تھا اسی لئے اس کا پانی انتہائی لذیز اور میٹھا تھا۔ واللہ اعلم

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنویں کا بیان

کبھی اس کنوئیں کی نسبت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باپ کی طرف کی جاتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پانی پیا اور اس میں اپنا لعاب دھن ڈالا۔ مدینہ طیبہ میں اس سے زیادہ میٹھا کنواں کوئی نہیں تھا۔ شاید یہی وہ کنواں ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت تیراکی سیکھی تھی جب آپ اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ ننھیال کی ملاقات کے لئے یہاں آئے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔

۱۰۳۴۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی طلب کیا۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بکری کا دودھ دوھا۔ پھر میں نے اسے اپنے اسی کنویں کے پانی میں ملایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا۔ درآنحالیکہ ابوبکر آپ کی بائیں جانب تھے عمر آپ کے سامنے تھے اور ایک اعرابی آپ کی دائیں جانب تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پینے سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ابوبکر ہیں۔ یعنی آپ انہیں عطا فرمادیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی کو دیا اور حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو چھوڑ دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دائیں طرف والے، دائیں طرف والے، دائیں طرف والے ہی ہیں'' حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ یہی سنت ہے، یہی سنت ہے، یہی سنت ہے۔ متفق علیہ۔ یہ الفاظ مسلم شریف کے ہیں۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نوش فرمایا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر کے کنوئیں سے پانی پیش کیا جس کا نام دور جاہلیت میں [illegible] ور تھا (اور ابونعیم کے نزدیک اس کا نام البرود ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لعاب دھن ڈالا۔ تو اس کے بعد وہ کبھی بھی خالی نہیں ہوا۔ ابونعیم کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں اس سے میٹھا کنواں کوئی نہیں تھا۔ اسے بزار اور ابونعیم نے روایت کیا ہے۔ دونوں کے راوی ثقہ ہیں مگر ابونعیم کے نزدیک منقری ثقہ نہیں۔ فرماتے ہیں میں اسے نہیں پہچانتا۔ اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عدی بن نجار کے کنوئیں میں تیراکی سیکھی۔ شاید وہ یہی کنواں ہے۔ کیونکہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعلق بنی عدی بن نجار سے ہی تھا۔ واللہ اعلم

بضاعہ کے کنویں کا بیان

یہ کنواں مدینہ طیبہ کے حرم پاک سے کچھ شمال مغرب کی طرف ہے۔اس کے پاس ایک وسیع میدان ہے۔جس کا نام آج کل میدان بضاعہ ہے۔چند سال قبل ایک مدرسہ تحفیظ القرآن بنایا گیا۔وہاں سے اس کے منتقل ہونے سے پہلے۔میں نے اسے دیکھا تھا۔

۱۰۳۵-حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔درآنحالیکہ آپ کو کہا جارہا تھا۔کہ آپ کے لئے بئر بضاعۃ سے پانی لایا جاتا ہے۔حالانکہ اس میں کتوں کی ہڈیاں،حائضہ عورتوں کے کپڑے اور لوگوں کی غلاظت پھینکی جاتی ہے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" بے شک پانی پاک کرنے والا ہے اسے کوئی چیز پلید نہیں کرسکتی" اسے امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ،اصحاب سنن،امام احمد،ابن الجارود،طیالسی،ابن ابی شیبہ،دارقطنی اور امام طحاوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہم نے روایت کیا ہے۔اور امام احمد،ترمذی،یحییٰ بن معین،ابن حزم اور امام نووی رحمہم اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

۱۰۳۶-نسائی کی روایت میں ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فرماتے ہیں۔کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بئر بضاعہ کے پانی سے وضو فرمارہے تھے۔پھر آگے مذکورہ روایت ذکر کی۔

۱۰۳۷-حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھ سے بضاعہ کے کنویں سے پانی پلایا۔اسے امام شافعی،بیہقی،امام احمد،طبرانی نے کبیر میں۔ابو یعلی،دارقطنی اور ابن شبہ رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔بیہقی نے اسے حسن کہا ہے اور ہیثمی نے کہا کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

۱۰۳۸-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بئر بضاعۃ کے لئے برکت کی دعا فرمائی اور اس میں لعاب دھن ڈالا۔یہ روایت ابن شبہ نے اور طبرانی نے کبیر میں روایت کی ہے۔طبرانی کی سند میں راوی عبدالمہیمن بن عباس بن سہل ضعیف ہے۔اور ابن شبہ کی سند میں ابن ابی یحییٰ ضعیف ہے۔اس حدیث کی دوسری شاہد ابواسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے اور وہ یہ ہے۔

۱۰۳۹-حضرت ابواسید الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ میں ان کا ایک کنواں تھا جسے بئر بضاعۃ کہا جاتا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں لعاب دھن ڈالا۔اسی کی بشارت دی جاتی ہے۔اور اسی سے برکت حاصل کی جاتی ہے...... طبرانی نے کبیر میں اسے روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم

بئر حاد کا بیان

یہ باب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب حرم نبوی کی شمال میں واقع ہے۔ اور غالباً اب مسجد نبوی کی جدید توسیع میں آ چکا ہے یا یہ اس کے صحن کے شمال میں واقع ہے۔ یہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملکیت تھا اس کے ساتھ ان کا ایک باغ بھی تھا۔ اس کا پانی بہت میٹھا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں تشریف لے جاتے تھے، اس میں آرام فرماتے تھے، اس کے سائے میں بیٹھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کنویں سے پانی لایا جاتا تھا اور آپ اس کا پانی نوش فرماتے تھے۔

۱۰۴۰۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے تھے۔ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار میں سے سب سے زیادہ کھجوریں رکھتے تھے۔ اور آپ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ مال بئر حاد تھا۔ وہ مسجد کے سامنے تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں تشریف لے جاتے تھے۔ اور اس سے پانی پیتے تھے۔ یہ پانی انتہائی لذیز تھا (ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ اس کے سائے میں تشریف رکھتے تھے)۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ''لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ'' (ہرگز نہ پاسکو گے تم کامل نیکی (کا رتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو)۔ (جمال القرآن) حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ'' میرے نزدیک میرا محبوب ترین مال بئر حاد ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے صدقہ کرتا ہوں۔ (ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدقہ کرتا ہوں) میں اس سے ثواب اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ذخیرہ ہونے کی امید رکھتا ہوں۔ آپ اس میں تصرف کیجئے جیسے آپ مناسب سمجھتے ہیں۔ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مرحبا۔ یہ نفع بخش مال ہے، یہ نفع بخش مال ہے جو کچھ تم نے کہا ہے۔ میں نے سن لیا۔ اور اب میں یہ مناسب سمجھتا ہوں کہ تم اسے رشتے داروں میں تقسیم کردو۔ تو ابوطلحہ نے عرض کی۔ یارسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا ہی کروں گا۔ چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنے رشتے داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کردیا۔ متفق علیہ۔

دونوں کی ایک روایت میں یہ زائد ہے۔ ان میں سے ابی بن کعب اور حسان بن ثابت بھی تھے۔ علامہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے۔ کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقع سے درج ذیل چند فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

مثلاً باغات اور دیواروں کا بنانا، اہل علم وفضل کا ان میں داخل ہونا، ان کے سایہ میں بیٹھنا، ان کا پھل

کھانا، اور ان کی سیر کرنا اور راحت پانا وغیرہ۔ یہ امور مستحب ہیں۔ جن پر اجر مرتب ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس سے مقصود مسلسل عبادت کرنے کی تھکاوٹ کے بعد نفس کو راحت پہنچانا ہو اور عبادت و ریاضت کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا ہو۔

پانی کو میٹھا کرنا اور بعض کو بعض پر فضیلت دینا مباح ہے۔

ابن بطال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ پانی کو میٹھا کرنا زہد کے منافی نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ ناپسندیدہ تفریح ہے۔ بخلاف اس امر کے، کہ اگر پانی کستوری کے ساتھ خوشبودار بنایا جائے۔ تو اسے اسراف کے سبب امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکروہ قرار دیا ہے۔ البتہ میٹھا پانی پینا اور طلب کرنا مباح ہے۔ صالحین ایسا کرتے رہے ہیں۔ ہاں نمکین پانی پینے میں کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اھ من الفتح واللہ اعلم۔

بئر رومہ کا بیان

یہ کنواں عقیق صغیر کی وادی میں واقع ہے۔ یہ مجمع الاسیال کے قریب جرف کے جنوبی حصہ میں واقع ہے۔ یہ کنواں مزینہ کے ایک آدمی نے کھودا۔ پھر بنی غفار کے ایک آدمی کو دے دیا۔ پھر ایک یہودی کی ملکیت میں آیا اور بالآخر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے پینتیس یا بیس ہزار درہم کے عوض خرید لیا۔ اس شرط پر کہ جس نے اسے خریدا۔ اس کے لئے جنت ہوگی اور وہ بخش دیا جائے گا۔ اس کے بارے کثیر نصوص موجود ہیں لیکن میں چند کے ذکر پر اقتصار کروں گا۔

۱۰۴۱-حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو آپ نے اوپر سے لوگوں کی طرف جھانکا اور فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں اور یہ قسم صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے لئے ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو رومہ کو کھودے گا تو اس کے لئے جنت ہوگی؟ تو میں نے اسے کھودا۔ کیا تم یہ نہیں جانتے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے جیش عسرہ کو تیار کیا۔ تو اس کے لئے جنت ہے؟ تو میں نے اسے تیار کیا۔ راوی کہتے ہیں۔ کہ انہوں نے ان باتوں کی تصدیق کی، جو آپ نے کیں۔ اسے بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ اور دار قطنی اور اسماعیلی وغیرہ نے متصلاً ذکر کیا ہے۔

۱۰۴۲-آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہی ایک روایت میں کہا۔ کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھیراؤ کیا گیا۔ تو آپ نے اپنے گھر کے اوپر سے ان پر جھانکا۔ اور فرمایا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو۔ کہ جب حراء کانپنے لگا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا "ٹھہر جا حراء! تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہیں......" پھر کہا" میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ بئر رومہ سے قیمت ادا کئے بغیر کوئی پانی نہیں پی سکتا تھا۔ تو میں

نے اسے خرید لیا۔ اور اسے ہر امیر، غریب اور مسافر کے لئے کھول دیا؟ تو انہوں نے کہا۔ قسم بخدا ایسا ہی ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور نسائی اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

۱۰۴۳- ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا۔ تو آپ نے اوپر کی طرف سے ان پر جھانکا۔ اور کہا...... میں اللہ کی قسم دیتا ہوں اس آدمی کو کہ جس نے بئر رومہ کو دیکھا ہے۔ کہ اسے بیچا جا رہا ہے۔ پھر میں نے اسے اپنے مال سے خریدا اور پھر اسے ہر مسافر تک کے لئے مباح کر دیا۔ تو لوگوں نے آپ کی تصدیق کر دی۔ اسے نسائی، احمد اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

۱۰۴۴- حضرت احنف بن قیس رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ روایت فرماتے ہیں۔ میں دوران حج مدینہ طیبہ میں آیا۔ اس اثناء میں کہ ہم اپنے گھروں میں کجاوے رکھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک آنے والا آیا۔ اور اس نے کہا مسجد میں لوگ جمع ہیں۔ میں نے جمع شدہ لوگوں کو دیکھا تو بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے ان میں حضرت علی بن طالب، حضرت زبیر، حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود تھے۔ جب میں ان کے پاس جا کر کھڑا ہوا۔ تو کہا گیا۔ یہ عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے۔ راوی کہتے ہیں۔ کہ آپ تشریف لائے تو اس وقت اپنے اوپر زرد رنگ کی چادر لئے ہوئے تھے۔ تو میں نے اپنے ساتھی کو کہا کہ تم یہیں ٹھہرو۔ یہاں...... تک کہ میں آپ کی بات سن لوں۔ تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کیا یہاں علی ہیں، کیا یہاں زبیر موجود ہیں، کیا یہاں طلحہ ہیں، کیا یہاں سعد ہیں؟ تو ان تمام نے کہا۔ جی ہاں! تو پھر آپ نے کہا۔ میں تمہیں اس اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں جس کے بغیر کوئی معبود نہیں۔ کیا تم یہ جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو بئر رومہ کو خریدے گا اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ اور عرض کی۔ میں نے بئر رومہ خرید لیا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے عام مسلمانوں کے پینے کے لئے وقف کر دے۔ تیرے لئے اس کا اجر ہوگا؟ تو ان تمام نے کہا۔ جی ہاں! ایسے ہی ہوا...... الحدیث۔ اسے احمد، نسائی، دار قطنی، بن ابی عاصم، ابن حبان اور ابن شبہ نے روایت کیا۔

۱۰۴۵- حضرت ثمامہ بن حزن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ روایت فرماتے ہیں۔ میں گھر میں موجود تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اوپر سے جھانک کر لوگوں کو فرمایا۔ میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دے کر یاد دلاتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو وہاں بئر رومہ کے سوا میٹھا پانی موجود نہیں تھا۔ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو بئر رومہ کو خریدے گا۔

اور اپنا ڈول مسلمانوں کے لئے وقف کر دے گا۔ تو اس کے لئے یہ نفع بخش ہوگا اور اس کے عوض وہ جنت میں ہوگا" تو میں نے اسے ذاتی مال سے خریدا؟ تم آج مجھے اس کا پانی پینے سے روک رہے ہو۔ یہاں تک کہ میں سمندر کا پانی پی رہا ہوں۔ تو انہوں نے کہا۔ قسم بخدا۔ جی ہاں ایسا ہی ہے ......الحدیث۔ اسے ترمذی، نسائی، ابن امام احمد نے زوائد المسند میں، دار قطنی، ابن ابی عاصم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حسن کہا ہے۔ اور حافظ نے اسے اسحاق اور ابن خزیمہ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ اس کے بارے کئی دوسری روایات ہیں جنہیں میں نے چھوڑ دیا ہے۔

پہلی روایت میں الفاظ یہ ہیں "جس نے بئر رومہ کھودا تو اس کے لئے جنت ہے۔ پس میں نے اسے کھودا" اور دوسری روایات میں اس طرح ہے "جو بئر رومہ خریدے گا..... تو میں نے اسے خرید لیا" ظاہراً ان روایات میں تعارض ہے۔

ابن بطال رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلی روایت کے بارے کہا ہے کہ یہ بعض راویوں کو وہم ہوا ہے۔ کیونکہ معروف یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کنواں کو خریدا تھا نہ کہ اسے کھودا تھا۔

حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ روایات میں مشہور یہی ہے۔ لیکن وہم متعین نہیں ہو سکتا۔ اور امام بغوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے "الصحابۃ" میں بشر بن بشیر اسلمی کی سند سے لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ جب مہاجرین مدینہ طیبہ میں آئے تو انہوں نے پانی نہ پایا۔ بنی غفار کے ایک آدمی کا چشمہ تھا جسے رومہ کہا جاتا تھا۔ وہ اس سے ایک مشکیزہ پانی ایک مد کے عوض بیچتا تھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا "تو اسے جنت کے چشمے کے عوض فروخت کر دے" تو اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اور میرے اہل وعیال کے لئے اس کے سوا اور کوئی شے نہیں۔ چنانچہ جب یہ خبر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچی۔ تو آپ نے اسے پینتیس ہزار درہم کے عوض خرید لیا پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ کیا آپ جنت میں وہی کچھ عطا کریں گے جو آپ نے اسے دیا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جی ہاں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں نے اسے مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر یہ پہلے چشمہ تھا تو پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس میں کنواں کھودنے کے کوئی شی بھی مانع نہیں ہے۔ شاید وہ چشمہ کنوئیں کی طرف بہتا ہو۔ آپ نے اسے وسیع کر دیا اور پتھروں سے پختہ کر دیا۔ چنانچہ اسے کھودنے کی نسبت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کی گئی۔

میں کہتا ہوں۔ ان روایات کو جمع کرنا ممکن ہے۔ اس طرح کہ یہ ایک چشمہ تھا جس کا پانی مدینہ طیبہ میں آنے والوں کے لئے کافی نہیں تھا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خرید لیا۔ تو آپ نے

اسے کھودا اور وسیع کر دیا۔ اور یہ احتمال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ فرمایا ہو'' جو بئر رومہ خرید ے گا'' چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے خرید لیا پھر اسے کھودنے کی ضرورت محسوس ہوئی یا آپ نے اس کے بارے خیال کیا۔ کہ اسے وسعت یا پختگی یا مزید گہرا کرنے کی ضرورت ہے۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جس نے بئر رومہ کو کھودا'' چنانچہ آپ نے اسے کھودا۔ واللہ اعلم

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین بئر رومہ کے راستے پر تھی۔ اور یہ وہ زمین ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ اور اس سے کھجوریں تناول فرمائیں۔ نخلستان کا چکر لگایا۔ اسے مبارک کیا اور اس میں دعا فرمائی اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودی کو اپنا قرض پورا کر دیا۔ یہ اس زمین کے علاوہ ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوئے اور ان کے باپ کا قرض ادا کرنے کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ ان کے باپ کا نام حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھا۔ حدیث ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۰۴۶- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ مدینہ طیبہ میں ایک یہودی تھا۔ جو کھجوریں کاٹنے تک مجھ سے بیع سلم کیا کرتا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین بئر رومہ کے راستے پر تھی۔ میرا ایک سال کھجوروں سے خالی گزرا۔ چنانچہ کھجوریں کاٹنے کے وقت یہودی میرے پاس آیا۔ تو میں نے اسے دینے کے لئے کوئی چیز نہ پائی۔ میں نے اسے آئندہ سال تک انتظار کرنے کو کہا۔ تو اس نے ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کی اطلاع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو فرمایا۔ چلو جابر کو یہودی سے مہلت دلوائیں۔ چنانچہ وہ میری کھجوروں کے درختوں کے پاس آئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہودی سے گفتگو کرنے لگے تو اس نے کہا۔ اے ابوالقاسم! میں اسے مہلت نہیں دوں گا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ اٹھے اور درختوں میں چکر لگانے لگے۔ پھر تشریف لائے۔ اور اس سے مہلت کے بارے گفتگو فرمائی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ میں اٹھا اور تھوڑی سی تر کھجوریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیں۔ چنانچہ آپ نے وہ کھائیں۔ پھر فرمایا'' اے جابر! تمہارا عریش کہاں ہے؟'' میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اس میں میرے لئے بستر لگاؤ۔ میں نے بستر لگا دیا۔ تو آپ اندر داخل ہوئے۔ اور آرام فرما ہو گئے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے۔ تو میں دوسری مٹھ آپ کے پاس لایا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ کھائیں۔ پھر آپ اٹھے۔ اور یہودی سے بات کی۔ لیکن اس نے پھر انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ کھجوروں والے درختوں کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا'' اے جابر، توڑتے جاؤ اور اس کا حق دیتے جاؤ۔ توڑنے کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم

وہیں ٹھہرے رہے۔ چنانچہ میں نے اتنی کھجوریں توڑیں، جن سے اس کا حق بھی ادا کر دیا اور ان میں سے کچھ باقی بچ رہیں۔ پھر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور یہ خوشخبری سنائی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''میں شہادت دیتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔''

بئر السقیا کا بیان

بئر السقیا کا نام بیوت السقیا بھی ہے۔ یہ پرانے مکہ مکرمہ کے پہلے راستے کی دائیں جانب واقع ہے۔ اور اس کے پڑوس میں مسجد السقیا بھی ہے۔ اور آج کل اسے محطۃ مسکۃ الحدید میں ملا دیا گیا ہے،...... جہاں سے حاجیوں کی گاڑیاں چلتی ہیں۔ لیکن اب وہ راستے میں آ چکا ہے اور اسے بھر دیا گیا ہے۔ یہ کنواں ذکوان بن عبد قیس کا تھا۔ پھر اسے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خرید لیا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں نماز ادا فرمائی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اس کنویں سے وضو فرمایا اور وہاں دعا فرمائی۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔ پھر بیوت السقیا کے پاس اصل الحرہ کے قریب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زمین میں نماز ادا فرمائی...... پھر آپ نے دعا کا ذکر کیا۔ یہ سب گزر چکا ہے۔ اسے امام احمد، سعید بن منصور اور جندی وغیرہ نے صحیح راویوں سے نقل کیا ہے۔

اسی طرح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ یہاں تک کہ جب ہم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حرہ السقیا کے پاس پہنچے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''وضو کے لئے پانی لاؤ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا۔ پھر کھڑے ہوئے اور قبلہ سمت زیبا پھیرا...... الحدیث۔ اسے امام احمد، ترمذی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور ان دونوں نے اسے صحیح کیا ہے اور نسائی نے الکبریٰ میں اور طبرانی نے الاوسط میں صحیح راویوں سے نقل کیا ہے۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا میٹھا پانی طلب کرنے کا بیان

۱۰۴۷۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بیوت السقیا (ایک روایت میں بئر السقیا کے الفاظ ہیں) سے میٹھا پانی لایا جاتا تھا۔ اسے امام احمد، اسحاق، ابوداؤد، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور ان دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور امام ذہبی، ابن شبہ، ابویعلی، بغوی اور ابوالشیخ نے اس کی توثیق کی ہے۔

یہ کنواں اس بیوت السقیا کے علاوہ ہے جو مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان نئے راستہ ہجرت پر فروغ

کے قریب ہے۔اگر چہ اس کا نام بھی بیوت السقیا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

حافظ بن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔اور واقدی نے ابورافع کی بیوی سلمٰی کی حدیث ذکر کی ہے......کہ جس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے انس کے والد مالک بن نضر کے کنویں سے پانی لاتے تھے۔پھر اسماء کے بیٹے انس، ہند اور حارثہ بیوت السقیا سے آپ کی ازواج مطہرات کے گھروں میں پانی اٹھا کر لاتے تھے۔اور آپ کا غلام رباح الاسود کبھی بئر غرس سے اور کبھی بیوت السقیا سے پانی لاتا تھا۔

یہ بچے دو دن جانے کی طاقت نہیں رکھتے تھے کہ وہ فروغ کے علاقے سے پانی لے آئیں اور اگر بیوت السقیا سے مراد وہ ہے جو فروغ کے علاقے میں ہے۔تو پھر یہ معنی بھی درست نہیں کہ کبھی بئر غرس سے لاتے۔جو کہ قباء میں واقع ہے۔اور کبھی بیوت السقیا سے لاتے۔

ابوالشیخ کی روایات میں سے ایک سے یہ معلوم ہوتا ہے" کہ آپ کے لئے پانی حرہ کے راستوں سے لایا جاتا تھا۔" اور دوسری روایات سے جو کہ بغوی اور ابن حبان کے نزدیک بھی ہے۔معلوم ہوتا ہے۔کہ السقیا بنی فلاں کی زمین کے نزدیک حرہ کے اطراف میں ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

بئر غرس کا بیان

یہ کنواں باغات کے درمیان مسجد قباء سے مشرق کی جانب واقع ہے۔اور مسجد قباء سے تقریباً نصف میل دور ہے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پانی نوش فرماتے تھے۔اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی لایا جاتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وضو فرماتے تھے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب الوصال ہوئے تو آپ نے فرمایا۔کہ اس کنوئیں کے پانی سے آپ کو غسل دیا جائے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۱۰۴۸-حضرت یحییٰ بن سعید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے۔کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے پاس قبا میں آئے۔اور اس کنوئیں کے بارے پوچھا۔میں نے اس کے بارے انہیں بتایا۔تو انہوں نے کہا۔ہاں یہی وہ کنواں ہے۔بے شک ایک آدمی اپنے گدھے پر آتا تھا اور وہ سارا کنواں خالی کر لیتا تھا۔ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس سے پانی نکالتے تھے۔چنانچہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے......اور پانی کا ڈول نکالنے کا حکم ارشاد فرمایا۔آپ نے پانی پیا۔پھر یا تو آپ نے اس سے وضو فرمایا یا اس میں لعاب دھن ڈالا۔پھر آپ نے حکم ارشاد فرمایا۔کہ بچا ہوا پانی کنوئیں میں ڈال دیا جائے۔تو حضرت انس فرماتے ہیں۔کہ اس کے بعد کنواں خالی نہیں ہوا۔

فرماتے ہیں۔میں مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔تو میں نے آپ کو دیکھا۔کہ آپ نے بول کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں آئے۔وضو فرمایا اور اپنے خفین پر مسح کیا۔پھر نماز ادا فرمائی۔اسے

امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں بخاری کے رواۃ سے نقل کیا ہے۔

۱۰۴۹-حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے میرے کنویں بئر غرس کے سات مشکیزوں سے غسل دینا" اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔اس کی سند میں ایک راوی عباد بن یعقوب ہے۔اس کے بارے حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔سچا ہے، رافضی ہے۔اس کی حدیث بخاری میں موجود ہے۔اور ایک راوی الحسین بن زید بن علی ہے۔اس کے بارے حافظ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔سچا ہے مگر کبھی کبھی خطا کر جاتا ہے۔اس روایت کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔اس کی شہادت آنے والی روایات بھی دیتی ہیں۔

۱۰۵۰-حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم میرے لئے بئر غرس سے پانی لاؤ۔ بے شک میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا پانی پیتے تھے اور اس سے وضو فرماتے تھے۔ابن حبان نے اس کا ذکر اپنی ثقات میں کیا ہے۔

۱۰۵۱-حضرت محمد بن علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم روایت فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مرتبہ پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دیا گیا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل قمیص میں ہی دیا گیا۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل اس کنوئیں کے پانی سے دیا گیا جسے غرس لسعد بن خیشمہ کہا جاتا تھا۔اور وہ قباء میں تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پانی پیتے تھے۔

اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس سے پانی لایا جاتا تھا۔اسے ابن سعد اور ابن شبہ نے کئی اسناد سے روایت کیا ہے۔اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں رجال الصحیح سے نقل کیا ہے۔ (سفیان وغیرہ عن ابن جریج، عنہ) یہ روایت مرسل ہے اور اس کی شاہد سابقہ روایات ہیں۔

بئر محمود بن ربیع کا بیان

ان کنوؤں میں سے جو کہ موجود ہیں۔ایک کنواں حضرت محمود بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں تھا۔ یہ وہی کنواں ہے جس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی لے کر حضرت محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنوئیں پر کلی کی تھی۔

۱۰۵۲-حضرت محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد ہیں اور آپ کی وہ کلی بھی یاد ہے۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں موجود کنویں سے پانی لیکر ان کے منہ پر کی۔ متفق علیہ

بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روایت میں یہ اضافہ کیا ہے۔" وانا ابن خمس سنین"

(اس وقت میری عمر پانچ سال تھی) ظاہر یہ ہے کہ حضرت محمود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر مسجد جمعہ کے قریب تھا۔ واللہ اعلم

ایک دوسرے کنویں کا بیان

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ذکر کیا ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کنویں میں کلی فرمائی۔ تو اس سے کستوری کی مثل خوشبو آنے لگی۔

۱۰۵۳۔ حضرت وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک ڈول میں پانی لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کچھ نوش فرمایا۔ پھر ڈول میں کلی کی۔ پھر وہ پانی کنوئیں میں انڈیل دیا۔ یا ڈول سے پیا۔ پھر کنوئیں میں کلی کی۔ تو اس سے کستوری کی خوشبو کی مثل خوشبو آنے گی۔ اسے امام احمد اور ابن ماجہ نے ثقہ راویوں سے روایت کیا ہے۔ لیکن ابن ماجہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک سند اور امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی دو سندیں منقطع ہیں لیکن امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تیسری سند متصل ہے۔ سند یہ ہے ''عبد الجبار بن وائل عن اھلہ عن ابیہ''۔ واللہ اعلم

اس کنویں کے بارے میں نے کسی شخص کو نہیں پایا جس نے اس کی تعیین کی ہو۔ واللہ اعلم

وہاں بہت سے ایسے کنویں ہیں جن کا ذکر میں نے نہیں کیا۔ تقریباً ان کی تعداد بیس ہے۔ جن کے بارے کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پانی پیا، یا اس میں لعاب دھن ڈالا، یا اس کے لئے دعائے برکت فرمائی، یا اس کا پانی طلب کیا، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس سے پانی لایا گیا۔ میں نے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ جو ان کے بارے یا ان کے اسماء کے بارے جاننا چاہے تو اسے مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ تاریخ (اخبار) المدینہ لابن شبہ، وفاء الوفاء للسمہودی، سبل الہدی و الرشاد للصالحی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مقام زوراء پر حضور نبی کریم ﷺ کی انگلیوں سے پانی کا جاری ہونا

مدینہ طیبہ کے کنوؤں کے پانی کے باب میں یہ بھی داخل ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے مدینہ طیبہ میں مقام زوراء پر پانی جاری ہوا۔ زوراء حرم شریف سے شمال مغرب میں واقع ہے۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بازار کے نزدیک تھا۔ اور یہ ہمارے دور کی سابقہ مسجد کے مشرق میں واقع ہے۔ اگرچہ آج کل اس کی تعیین غیر معروف ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے کئی بار پانی جاری ہوا، کبھی مدینہ طیبہ میں، اور کبھی دوران سفر مدینہ طیبہ سے باہر۔ لیکن میں اسی کا ذکر کروں گا جو مدینہ طیبہ کے اندر ہوا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونے کی حدیث تواتر معنوی کے

درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔

قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ اس قصہ کو ثقہ روایوں کی کثیر تعداد نے جم غفیر سے نقل کیا ہے۔ تمام کی سند صحابہ کرام سے متصل ہے۔ اور یہ اتصال ان میں سے اجتماع کثیر کے مواطن، محافل اور مجمع العسا کر میں ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک سے بھی اس روایت کا انکار وارد نہیں ہے۔ یہ قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قطعی معجزات کے ساتھ ملحق ہے۔

حضرت علامہ قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہونے کا واقعہ متعدد بار ہوا۔ متعدد مقامات میں اور عظیم اجتماعوں میں یہ واقع کثیر اسناد سے وارد ہے۔ ان تمام کا مجموعہ علم قطعی کا فائدہ دیتا ہے۔ اور یہ علم تواتر معنوی سے حاصل ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ یہ معجزہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی سے مسموع نہیں۔ اس طرح کہ پانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیوں، پٹھوں، گوشت اور خون سے جاری ہوا۔ اھ من الفتح

۱۰۵۴- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام مقام زوراء پر تھے۔ (فرماتے ہیں۔ زوراء مدینہ طیبہ میں بازار کے قریب ہے اور مسجد بھی وہیں ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالے میں پانی طلب کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی اس میں رکھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی پھوٹنے لگا۔ تمام صحابہ کرام نے اس سے وضو کیا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا۔ اے ابا حمزہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ تو انہوں نے کہا۔ ان کی تعداد تقریباً تین سو تھی۔ متفق علیہ، یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

۱۰۵۵- مسلم شریف میں آپ سے ہی ایک روایت اس طرح ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام زوراء پر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی کا برتن لایا گیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کو بھی ڈھانپ نہیں سکتا تھا۔ یا اتنی ہی مقدار تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کو ڈھانپ سکتا تھا۔ پھر مذکورہ حدیث اس طرح ذکر کی۔

۱۰۵۶- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی روایت کرتے ہوئے فرمایا۔ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا درآنحالیکہ نماز عصر کا وقت تھا۔ لوگوں نے وضو کے لئے پانی تلاش کیا۔ تو انہوں نے نہ پایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کے لئے پانی لایا گیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس برتن میں رکھا۔ اور لوگوں کو اس سے وضو کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے نیچے سے پانی پھوٹتے دیکھا۔ لوگوں نے وضو کیا۔ یہاں تک کہ آخری آدمی تک تمام نے وضو کر لیا۔ متفق علیہ۔

۱۰۵۷-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی فرماتے ہیں۔نماز کا وقت ہوا۔جس آدمی کا گھر مسجد کے قریب تھا وہ وضو کے لئے چلا گیا۔اور کچھ افراد باقی رہ گئے۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پتھر کے برتن میں وضو کے لئے پانی لایا گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ہتھیلی اس میں رکھی۔لیکن وہ برتن اتنا چھوٹا تھا کہ آپ اس میں اپنی ہتھیلی پھیلا نہ سکے۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔اور انہیں برتن میں رکھ دیا۔تو اس سے تمام لوگوں نے وضو کرلیا۔

میں نے پوچھا۔وہ کتنے افراد تھے؟ تو انہوں نے کہا۔وہ اسی افراد تھے۔یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

۱۰۵۸-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی روایت ہے۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک برتن منگایا۔چنانچہ ایک چوڑا سا پیالا لایا گیا۔جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنی انگلیاں رکھ دیں۔حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔میں پانی کی جانب دیکھتا رہا۔وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹ رہا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔میں نے وضو کرنے والے لوگوں کی تعداد کا اندازہ لگایا۔ تو وہ ستر سے اسی تک افراد تھے۔متفق علیہ

پانی پھوٹنے کی کیفیت کے بارے دو مختلف قول ہیں

(۱) اکثر علماء کا قول یہ ہے۔کہ پانی حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کریم کی انگلیوں سے ہی نکل رہا تھا اور یہ پتھر سے پانی پھوٹنے کی نسبت انتہائی عظیم معجزہ ہے۔اس قول کی تائید حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہوئی ہے۔"کہ میں نے پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پھوٹتے دیکھا" علامہ مزنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا پتھر سے پانی نکلنے کے معجزہ کی نسبت زیادہ بلیغ ہے۔جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا مارا۔تو پتھر سے پانی پھوٹ پڑا۔کیونکہ پتھر سے پانی نکلنا تو معہود ہے جبکہ گوشت اور خون کے درمیان سے پانی نکلنا معروف نہیں۔

حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔اس سے زیادہ واضح اس حدیث میں ہے جو طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے۔وہ یہ ہے"کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک چھوٹا مشکیزہ لائے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دست مبارک رکھا، پھر اپنی انگلیوں کو پھیلایا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی جاری ہو گیا......"

(۲) اس میں دوسرا قول یہ ہے۔کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے۔کہ اللہ تعالیٰ نے نفس پانی میں اضافہ فرما دیا ہو۔یہاں تک کہ وہ پانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے بہنے لگا ہو۔نہ کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے نکلا ہو۔دونوں صورتوں میں یہ ایک واضح معجزہ ہے۔اور نبوت کی

ظاہر علامت ہے۔

حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ معجزہ ہونے میں پہلا قول زیادہ بلیغ ہے۔ اور اس کے رد میں کوئی روایت موجود نہیں۔ لہٰذا وہی اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ پانی متبرک اور انتہائی پاکیزہ ہے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ جیسا کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے۔ ''آ جاؤ پاک کرنے والے متبرک پانی کی طرف۔ اور برکت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے......'' اسے بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس پانی کو ہمیشہ جاری نہیں رکھا اس امت پر رحمت فرماتے ہوئے۔ جیسا کہ وہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی طلب کرنا بھی رحمت ہے۔ تاکہ یہ گمان نہ کیا جانے لگے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کے موجد ہیں۔ واللہ اعلم

مدینہ طیبہ کی مٹی اور غبار کا بیان

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کی وادیوں، پہاڑیوں اور مساجد وغیرہ میں کئی طرح کی فضیلتیں رکھ دی ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کی مٹی میں شفا اور اس کے غبار میں امان کا اثر رکھ دیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ میں ہمیں یہ اثر دکھائی نہیں دیتا۔ اور اس طرح کیسے نہ ہو؟ جبکہ اس کا اکثر حصہ جنت میں ہے۔ اور یہ مقام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب متبرک ہے۔

۱۰۵۹- حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آ کر کوئی آدمی کسی بھی شیٔ کی شکایت کرتا۔ یا اسے کوئی پھوڑا ہوتا یا کوئی اور زخم ہوتا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی اس طرح کرتے اور کہتے۔ (اور سفیان نے اپنی شہادت کی انگلی زمین پر رکھی اور پھر اٹھالی) ''بِاسْمِ اللّٰهِ، تُرْبَةُ أَرْضِنَا ، بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا ، لِيُشْفٰى بِهٖ سَقِيْمُنَا ، بِإِذْنِ رَبِّنَا'' (اللہ تعالیٰ کے نام سے ہماری زمین کی مٹی، ہمارے بعض کی تھوک کے سبب، ہمارے رب کے اذن سے ہمارے بیماروں کے لئے باعث شفا ہے۔) متفق علیہ۔ یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

بخاری شریف میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس طرح روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے لئے کہتے تھے'' باسم اللہ......'' آگے حدیث طیبہ میں مذکورہ الفاظ ہی ہیں۔

ایک دوسری روایت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس طرح ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دم کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ '' باسم اللہ......'' آگے مذکورہ الفاظ ہی ہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا سے ہی ابوداؤد میں روایت اس طرح ہے۔ کہ جب کوئی آدمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنی تکلیف کا اظہار کرتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی کے ساتھ لعاب لگاتے ہوئے فرماتے ''بِرِيْقِهٖ'' اور پھر اسے مٹی میں رکھتے ہوئے فرماتے ''تُرْبَةُ أَرْضِنَا'' پھر آگے مکمل روایت ذکر کی۔

بن ماجہ نے بھی اسی طرح ذکر کی ہے۔

ان روایات میں کئی امور کا ذکر ہے۔

(۱) راوی کا قول ''اِذَا اشْتَكَى الْاِنْسَانُ الشَّيْئَ مِنْهُ'' یہ عموم امراض پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح حدیث کے آخر میں یہ قول ''لِيُشْفٰى بِهٖ سَقِيْمُنَا''، ''سَقِيْمٌ'' کا معنی مریض ہے۔ اسی طرح دوسری روایت میں یہ قول بھی ہے۔ ''كَانَ يَقُوْلُ لِلْمَرِيْضِ'' (کہ آپ مریض کوفرماتے تھے)۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث طیبہ میں ہر قسم کے درد کی صورت میں دم کے جواز پر دلالت موجود ہے۔ اور ایسا کرنا ان کے درمیان عام اور معروف تھا۔

فرماتے ہیں۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی شہادت کی انگلی زمین پر رکھنے اور پھر اسے اس پر رکھنے میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ دم کرتے وقت ایسا کرنا مستحب ہے۔

(۲) قولہ ''اَوْ كَانَتْ بِهٖ قَرْحَةٌ اَوْ جَرْحٌ'' اس قول کے بعد کہ ''اِذَا اشْتَكٰى'' یہ شکایت سے تفریع ہے۔ یعنی جب کوئی مرض کی شکایت کرتا ہے چاہے اسے کوئی پھوڑا ہو یا کوئی زخم ہو......

(۳) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دم فرمانے کا طریقہ۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ ابو داؤد کی روایت میں یہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا لعاب دھن اپنی سبابہ انگلی پر لیتے، پھر اسے مٹی پر رکھتے، کچھ مٹی اس کے ساتھ لگ جاتی اور پھر اسے زخمی یا بیمار جگہ پر لگاتے۔ اور یہ قول انگلی پھیرتے وقت زبان سے کہتے۔ واللہ اعلم۔

آپ کے قول ''تربةُ اَرْضِنَا'' کے معنی کے بارے علامہ بغدادی وغیرہ فرماتے ہیں۔ کہ مٹی کا مزاج سرد اور خشک ہے۔ اور یہ رطوبات کو خشک کرتی ہے۔ جبکہ پھوڑوں اور زخموں میں ایسی رطوبتیں کثرت سے پائی جاتی ہیں جو طبعی طور پر اس کے اچھا ہونے اور جلدی مندمل ہونے کے مانع ہوتی ہیں۔

اور آپ کا قول ''بريقته بعضنا'' کا معنی ہے۔ ہم میں سے بعض کا لعاب۔ جب لعاب کو مٹی کے ساتھ ملایا جائے اور پھر خشک کر کے اسے پھوڑے اور زخم پر لگا دیا جائے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اچھا ہو جاتا ہے۔ اس طرز کی احادیث کثیر ہیں۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ اس کی علت اس طرح بیان کرتے ہیں۔ یہ ایک آسان، نفع بخش مرکب علاج ہے۔ اور یہ ایک لطیف طریقہ علاج ہے کہ جس کے ذریعے پھوڑوں اور تر زخموں کا علاج کیا جاتا ہے۔ بالخصوص جب اس کے علاوہ اور کوئی دوا نہ ہو۔ کیونکہ یہ تو ہر زمین میں موجود ہے۔

اس سے معلوم ہوا، کہ خالص مٹی کا مزاج ٹھنڈا خشک ہے اور ان پھوڑوں اور زخموں کی رطوبتوں کو خشک کرنے والا ہے۔ جو طبعی طور پر انہیں اچھا ہونے اور جلدی مندمل ہونے کے مانع ہوتی ہیں۔ بالخصوص گرم شہروں میں اور گرم مزاج والے لوگوں میں۔ کیونکہ اکثر طور پر پھوڑوں اور زخموں کا سبب گرم مزاج کی

خرابی ہوتا ہے۔ پس اس طرح شہر کی گرمی، مزاج اور زخم تینوں جمع ہو جاتے ہیں۔

اور خالص مٹی کا مزاج ٹھنڈا خشک ہوتا ہے۔ جو تمام مفرد ٹھنڈی دواؤں کی نسبت زیادہ ٹھنڈا ہوتا ہے۔

نتیجتاً مٹی کی ٹھنڈک مرض کی گرمی کے مقابل ہوتی ہے۔ بالخصوص اگر مٹی کو دھو کر خشک کر لیا جائے، اور خراب رطوبتوں کا زیادہ ہونا اور ان کا بہنا پھر گرمی کے سبب ہوتا ہے۔ اور مٹی انہیں خشک کرتی ہے۔ اور سخت خشک ہونے کے سبب انہیں ختم کر دیتی ہے۔ اور یہ اس خراب رطوبت کو خشک کر دیتی ہے۔ جو زخم کے مندمل ہونے سے مانع ہوتی ہے۔ اس سے نتیجہ یہ حاصل ہوتا ہے۔ کہ بیمار عضو کا مزاج معتدل ہو جاتا ہے۔ اور جب عضو کا مزاج معتدل ہوتا ہے۔ تو اس کے کام کرنے کی قوت طاقتور ہو جاتی ہے۔ اور پھر اس سے اللہ تعالیٰ کے اذن سے درد ختم ہو جاتا ہے۔

علامہ قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی بعض علماء سے اسی طرح کا بیان نقل کیا ہے۔ اور اس کے بعد اپنا قول اس طرح بیان کیا ہے۔ کہ یہ علاج مکمل تب ہوتا ہے۔ جب یہ قانون کے مطابق کیا جائے۔ یعنی مٹی اور لعاب کی مقدار کا لحاظ رکھا جائے۔ اور خاص وقت میں انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے۔ ورنہ صرف تھوکنا اور شہادت کی انگلی کا زمین پر رکھنا۔ ایسی شئ سے متعلق ہیں جس کا کوئی اثر نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے اسماء اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار سے برکت حاصل کرنے کے باب سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلی زمین پر رکھی۔ شاید اس میں آپ کی خصوصیت ہو۔ یا پھر اسباب عادیہ کے ساتھ...... ملانے کے سبب آثار قدرت کو مخفی رکھنے میں خاص حکمت ہو۔

اب اختلاف اس میں ہے۔ کہ آیا یہ حدیث مدینہ طیبہ کے ساتھ خاص ہے یا مدینہ طیبہ اور دوسری سرزمین کے لئے عام ہے؟۔

علامہ ابن قیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول "تربۃُ ارضنا" سے مراد تمام زمین ہے یا صرف مدینہ طیبہ کی سرزمین؟ تو اس کے بارے دو قول ہیں۔

حضرت امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ "ارضنا" سے مراد تمام زمین ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے۔ کہ اس سے مراد متبرک ہونے کے سبب صرف مدینہ طیبہ کی زمین ہے۔

حضرت امام بیضاوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس قول کے عام ہونے کا قول ہی کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ طب کی مباحث اس امر پر شاہد ہیں کہ چیز کے پکنے اور مزاج کو معتدل کرنے میں لعاب کا دخل ہوتا ہے۔ اور وطن کی مٹی مزاج کی حفاظت کرنے اور تکلیف کا ازالہ کرنے میں خاص اثر رکھتی ہے۔ تحقیق سے علماء طب نے یہ ذکر کیا ہے کہ مسافر کو چاہیے کہ وہ اپنی زمین کی مٹی اپنے ساتھ رکھے۔ اگر وہ اپنا پانی ساتھ رکھنے سے عاجز ہو۔ لہٰذا جب اسے مختلف قسم کے پانی ملیں۔ تو پیتے وقت تھوڑی سی مٹی اس میں ڈال لے تو وہ اس پانی کی تکلیف سے محفوظ رہے گا۔

پھر یہ دم اوران کے عزائم (فتر) عجیب وغریب آثار ہیں۔ جن کی حقیقت تک پہنچنے سے عقل عاجز ہے۔

جب اس سے مراد عام زمین ہو، اس کے باسی ایسا کرتے ہوں۔ تو پھر مدینہ طیبہ مبارکہ کی زمین کی خصوصیت کیسے ہوگی؟۔

ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے زمین کی مٹی کا اپنے رہنے والوں کے ساتھ تعلق اور پھر مدینہ طیبہ کی مٹی کی تخصیص بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ اس میں کوئی شک نہیں، کہ مٹی میں ایسی خاصیت ہوتی ہے۔ جس کے سبب وہ بہت سی بیماریوں میں فائدہ بخش ثابت ہوتی ہے۔ اور بہت سی نامراد بیماریوں سے شفا کا سبب ہوتی ہے۔

جالینوس نے کہا ہے۔ کہ میں نے اسکندریہ میں بہت سے ایسے افراد کو دیکھا ہے۔ جو تلی اور پیٹ میں پانی بڑھ جانے کی بیماری میں مبتلا تھے۔ وہ مصر کی مٹی استعمال کرتے تھے۔ وہ اپنی پنڈلیوں، رانوں، کلائیوں، پشتوں اور پسلیوں پر اس مٹی سے لیپ کرتے تھے۔ اور اس سے انہیں واضح فائدہ حاصل ہوتا تھا۔ مزید کہتے ہیں۔ اسی طرح مٹی کا یہ لیپ متعفن ورموں اور بہت زیادہ ڈھیلے بدن کے لئے بھی نفع بخش ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ جب ان مٹیوں کے یہ اثرات اور فوائد ہیں۔ تو پھر اس مٹی کے بارے میں کیا خیال ہے جو سطح زمین پر موجود تمام مٹیوں سے زیادہ اچھی اور متبرک ہے۔ پھر وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دھن کے ساتھ مل جائے۔ اور پھر اس کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دم کے ساتھ ہو جائے جس کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی سے ہو۔ اور پھر اس کے اثرات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے۔ بعد ازاں اس جانب بھی اشارہ کیا۔ کہ دم کا اثر دم کرنے والے اور دم کا اثر قبول کرنے والے کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ تو یہ ایک ایسا امر ہے۔ جس کا انکار کوئی مسلمان عقلمند فاضل طبیب نہیں کر سکتا۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مٹی اور لعاب کے جمع کرنے اور پھر ان کے ساتھ طلب شفاء کو ملانے کی علت اس طرح بیان کی ہے۔ کہ قو بۃً (مٹی) سے مراد فطرۃ آدم کی طرف اشارہ ہے۔ اور ''ریقۃ'' (تھوک) سے مراد نطفہ کی طرف اشارہ ہے۔ گویا کہ وہ زبان حال سے اس تضرع کا اظہار کرتا ہے۔ کہ بیشک تو نے اصل اول (آدم علیہ السلام) کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔ پھر تو نے اسے حقیر پانی کے ذریعے سے پیدا کیا۔ تو جس کی ابتداء اس طرح ہوئی اسے شفاء دینا تو تجھ پر آسان ہے۔

جب مدینہ طیبہ کی مٹی میں شفاء کا اثر ہے تو کیا یہ حکم اس کے غبار کو بھی شامل ہے؟ ''غُبَارُ الْمَدِیْنَۃِ'' والی حدیث طیبہ قریب المعنی الفاظ سے وارد ہوئی ہے۔

۱۰۶۰۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس لوٹے۔ تو مسلمانوں میں سے پیچھے رہنے والے لوگ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم سے آملے۔ انہوں نے غبار اڑایا۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود لوگوں میں سے بعض نے اپنے ناک ڈھانپ لئے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے سے کپڑا (نقاب) اتار دیا۔ اور فرمایا۔ "وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ : اِنَّ فِیْ غُبَارِ ھَا شِفَاءً مِنْ کُلِّ دَاءٍ" (قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اس غبار میں ہر بیماری سے شفا موجود ہے) مزید فرمایا کہ اس میں یہ ذکر بھی کیا گیا ہے۔ کہ اس میں جذام اور برص کی بیماری سے شفا ہے۔ رواہ زرین۔

۱۰۶۱- حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت ہے۔ "کہ مدینہ طیبہ کا غبار جذام کی بیماری سے شفا ہے" اسے دیلمی نے مسند فردوس میں اور ابو نعیم نے الطب النبوی میں روایت کیا ہے۔

اسی طرح ابن السنی اور ابو نعیم دونوں نے طب نبوی میں ابو بکر بن محمد بن سالم سے مرسل روایت ذکر کی ہے۔

زبیر بن بکار، ابن نجار اور بن جوزی وغیرہ نے ابراہیم سے یہی روایت نقل کی ہے۔

اسی طرح اس کے علاوہ دوسری روایات بھی پائی جاتی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تمام روایات ضعیف ہیں۔ اور ان میں سے اکثر ابن زبالہ کی سند سے مروی ہیں۔ ہمارے لئے وہی حدیث کافی ہے جو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صحیحین ہیں ثابت ہے۔ یعنی "تربة ارضنا ......" یہ پہلے گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم

وادی بطحان کی مٹی سے شفا طلب کرنے کا بیان

۱۰۶۲- حضرت ثابت قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لائے۔ درآنحالیکہ وہ بیمار تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھا۔ "اِکْشِفُ الْبَاسَ ، رَبَّ النَّاسِ ، عَنْ ثَابِتِ بْنِ قَیْسِ بْنِ شَمَّاسٍ" (اے تمام لوگوں کے رب ثابت بن قیس بن شماس سے یہ تکلیف دور فرما دے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی بطحان کی مٹی لی۔ اور اسے ایک پیالے میں ڈالا۔ پھر پانی پر پھونک کر اس میں ملا دیا۔ اور پھر وہ پانی حضرت ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر انڈیل دیا۔ ابو داؤد اور نسائی نے اسے عمل الیوم واللیلۃ میں روایت کیا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاریخ میں، ابن حبان، طبرانی نے کبیر میں اور ابو نعیم نے معرفۃ الصحابۃ میں اسے نقل کیا ہے۔

کہا جاتا ہے۔ کہ وہ جگہ جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی لی وہ صعیب کی مٹی تھی۔ اور یہ

بطحان میں ہے۔اور یہ ماجشونیہ یا ماشونیہ کے علاقہ میں نیچے اترنے والے راستے کی دائیں جانب واقع ہے۔واللہ اعلم

مدینہ طیبہ کی مٹی میں عیب نکالنے والا تعزیر کا مستحق ہے

جب مدینہ طیبہ کی پاکیزگی اور فضیلت واضح اور عیاں ہے۔تو یہ اس امر پر دلالت ہے کہ اس کی مٹی پاکیزہ تر ہے۔اس لئے جس نے اس کی مٹی میں عیب نکالا۔اس نے اس کی ذات میں طعن کیا۔کیونکہ مدینہ طیبہ کی مٹی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی ہی ہے۔اسی لئے جس آدمی نے کہا۔مدینہ طیبہ کی مٹی خراب ہے۔حضرت امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اسے تیس درے لگائے جائیں۔اور آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے قید کرنے کا حکم دیا۔درآنحالیکہ آپ ذی قدر تھے۔آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید کہا......وہ مٹی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدفون ہیں۔جو اس کے بارے غیر طیب ہونے کا گمان رکھتا ہے۔وہ اس کا مستحق ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے۔واللہ اعلم

مدینہ طیبہ کے پھلوں کا بیان

مدینہ طیبہ منورہ مبارکہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے عام پھلوں میں برکت کی دعا فرمائی۔اور اللہ تعالیٰ نے اس شہر نبوی کی کھجور میں زہر اور جادو سے محفوظ رکھنے کی تاثیر رکھ دی۔لہٰذا جو بھی نہار منہ اس کی سات کھجوریں کھالے۔اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس دن اس پر زہر اور جادو اثر نہیں کرتا۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان میں شفاء کا اثر پیدا فرما دیا ہے۔بلکہ ان میں سے بعض کھجوریں تو جنت میں سے ہیں۔یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی ہے۔اور یہ سب اس طیب و طاہر شہر کی تکریم کے لئے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔

پھلوں میں برکت کا بیان

اس سے قبل متعدد احادیث گزر چکی ہیں۔جن میں مدینہ طیبہ کے پھلوں میں برکت کے بارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ذکر ہے۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔اس میں یہ ہے''......اور میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرا بندہ،تیرا نبی اور تیرا رسول ہوں۔میں تجھ سے اہل مدینہ کے لئے اس طرح دعا کرتا ہوں جیسے اہل مکہ کے لئے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی۔ہم تجھ سے التجا کرتے ہیں کہ تو ان کے لئے ان کے صاع،مد اور پھلوں میں برکت پیدا فرما دے......''اسے امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ،جندی،رویانی اور سعید بن منصور نے صحیح کے راویوں سے نقل کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی گزر چکی ہے۔کہ جب لوگ پہلا پھل دیکھتے تھے۔تو

وہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر آتے۔ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسے پکڑتے تو فرماتے ''اے اللہ! تو ہمارے پھلوں میں برکت رکھ دے......'' الحدیث۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۰۶۳۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلا پھل لایا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنی آنکھوں پر رکھتے اور پھر کہتے ''اے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں اس کا پہلا پھل کھلایا ہے۔ اسی طرح اس کا آخری پھل بھی ہمیں کھلا'' پھر حکم دیتے۔ کہ یہ گھر والوں میں سے چھوٹے بچوں کو دے دو۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے۔ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلا پھل لایا جاتا۔ تو آپ اسے بوسہ دیتے اور پھر اسے اپنی آنکھوں پر لگاتے......'' اسے طبرانی نے کبیر اور صغیر میں نقل کیا ہے۔ اور صغیر کے راوی صحیح کے رواۃ ہیں۔

حدیث طیبہ میں آپ کا یہ قول ''اَللّٰهُمَّ كَمَا أَطْعَمْتَنَا أَوَّلَهُ ، فَأَطْعِمْنَا آخِرَهُ'' دو امروں کا احتمال رکھتا ہے۔ واللہ اعلم

(۱) کہ اللہ تعالیٰ ان کی عمر اتنی دراز کرے کہ وہ آخری پھل کو پائیں۔ اور اسے اسی طرح کھائیں جیسے اس کے پہلے پھل کو کھایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ اس پھل کی حفاظت فرمائے یہاں تک کہ اس کا آخر ظاہر ہو جائے۔ اور اس سے مومنین کھاتے رہیں جیسے انہوں نے اس کے اول کو کھایا۔ واللہ اعلم

۱۰۶۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب پہلا پھل لایا جاتا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بوسہ دیتے، اور اسے اپنی آنکھوں پر رکھتے۔ اور پھر بچوں میں سے جو چھوٹا وہاں حاضر ہوتا، اسے عطا فرما دیتے۔ اسے طبرانی نے الدعاء میں ضعیف سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی شاہد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے۔ اور آنے والی حدیث بھی اس کی شاہد ہے۔

۱۰۶۵۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلا پھل لایا جاتا تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنی آنکھوں اور منہ پر رکھتے تھے۔ اور پھر کہتے۔ اے اللہ! جس طرح تو نے ہمیں اس کے اول تک پہنچایا ہے۔ اسی طرح تو ہمیں اس کے آخر تک پہنچا'' اسے طبرانی نے الدعا میں روایت کیا ہے اور اس کی سند حسن ہے۔

۱۰۶۶۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہلا پھل لایا جاتا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنی آنکھوں پر رکھتے اور پھر اپنے ہونٹوں پر۔ اور پھر کہتے۔ اے اللہ! تو نے ہمیں اس کا اول دکھایا ہے ہمیں اس

آخر بھی دکھا۔ پھر آپ یہ اپنے پاس موجود بچوں کو عطا کر دیتے۔ اسے ابن السنی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن یحیٰی بن سعید العذری ہے جو کہ ضعیف ہے۔ لیکن سابقہ حدیث اس کی شاہد ہے۔ واللہ اعلم

مذکورہ تمام احادیث مدینہ طیبہ کے پھلوں کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے برکت پر دلالت کرتی ہیں۔ واللہ اعلم

مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں شفاء ہونے کا بیان

مدینہ طیبہ کی برکات اور فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی کھجوروں کو شفاء اور تریاق (زہر کے اثر کو ختم کرنے والی دوا) بنادیا ہے۔ بشرطیکہ انہیں نہار منہ استعمال کیا جائے۔

۱۰۶۷- حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مدینہ عالیہ کی عجوہ کھجوریں صبح نہار منہ استعمال کرنے میں شفاء ہے یا فرمایا یہ تریاق ہیں۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۰۶۸- حضرت امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ صحیح کے رواۃ سے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہی روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ بے شک مدینہ عالیہ کی کھجوروں میں شفا ہے۔ یا فرمایا۔ کہ وہ تریاق ہیں۔ جبکہ انہیں صبح سویرے نہار منہ استعمال کیا جائے۔

امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک روایت کے مطابق آپ نے عالیہ کی ہر قسم کی کھجوروں میں شفاء کو عام قرار دیا۔ جبکہ پہلی روایت کے مطابق عالیہ کی عجوہ کھجوروں کے ساتھ اسے خاص فرمایا۔ بشرطیکہ انہیں صبح سویرے نہار منہ استعمال کیا جائے۔ واللہ اعلم

اور بعض روایات میں شفاء کی نوعیت بھی معین کی گئی ہے۔ یعنی یہ زہر اور جادو سے شفا دینے والی ہیں۔

۱۰۶۹- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ عجوہ کھجوریں جنت میں سے ہیں۔ اور یہ زہر سے شفا دینے والی ہیں۔ اور کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفا ہے۔ اسے احمد، ترمذی اور نسائی نے کبریٰ میں، ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی نے اسے صحیح کیا ہے۔ اور بعض نسخوں میں یہ روایت حسن ہے۔ علاوہ ازیں طیالسی اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔

۱۰۷۰- حضرت جابر اور ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" کہ کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفا ہے۔ اور عجوہ جنت میں سے ہے، اور یہ زہر سے شفا دینے والی ہے۔ اسے احمد، نسائی نے کبریٰ میں اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

ابن ماجہ نے اسے صرف حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں زہر اور جادو سے بچانے کے اثر کا بیان

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں شفا رکھ دی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان میں زہر اور جادو سے بچانے کا اثر بھی رکھ دیا ہے۔ پس جس نے سات عجوہ کھجوریں نہار منہ کھالیں۔ اس دن زہر اور جادو اسے ضرر نہیں پہنچائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس بارے میں کثیر نصوص موجود ہیں۔

۱۰۷۱- حضرت سعید بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ کہ جس کسی نے صبح نہار منہ سات عجوہ کھجوریں کھالیں تو اس دن زہر اور جادو اسے ضرر نہیں دے گا۔ متفق علیہ

۱۰۷۲- بخاری کی ایک روایت میں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''جس کسی نے ہر روز عجوہ کھجوریں صبح سویرے کھائیں۔ اس دن صبح سے لے کر رات تک زہر اور جادو اسے ضرر نہیں پہنچا سکتے۔''

۱۰۷۳- مسلم شریف میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی ایک روایت اس طرح مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''مدینہ طیبہ کے ان سیاہ پتھروں کے درمیان سے جس نے سات کھجوریں کھالیں صبح کے وقت سے شام تک انہیں کوئی زہر نقصان نہیں پہنچا سکتی۔''

۱۰۷۴- امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک رجال الصحیح سے ایک روایت عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن معمر سے اس طرح مروی ہے۔ کہ عامر بن سعد نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو حدیث بتائی۔ درآنحالیکہ آپ مدینہ طیبہ کے امیر تھے۔ کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مدینہ طیبہ کے ان سیاہ پتھروں کے درمیان سے جس نے سات کھجوریں صبح نہار منہ کھالیں۔ اس دن شام تک اسے کوئی شی ضرر نہیں پہنچائے گی۔ ابن معمر سے روایت کرنے والے راوی فلیح کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اور اگر کسی نے شام کے وقت کھالیں۔ تو صبح تک کوئی شی اسے ضرر نہیں پہنچائے گی۔'' تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ اے عامر ذرا اس میں غور کر، جو حدیث تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر رہا ہے۔ تو جواباً عامر نے کہا۔ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں۔ کہ میں نے سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے جھوٹ نہیں بولا۔ اور نہ ہی سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی نسبت کی ہے۔

۱۰۷۵- حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ عالیہ کی عجوہ کھجوروں میں ہر قسم کے جادو اور زہر کے لئے شفاء کی تاثیر موجود ہے۔

بشرطیکہ یہ صبح سویرے نہار منہ کھائی جائیں۔ اسے امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے رجال الصحیح سے نقل کیا ہے۔

۱۰۷۶-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی روایت ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جس نے صبح کے وقت مدینہ عالیہ کی کھجوروں میں سے سات عجوہ کھجوریں کھالیں۔ تو شام تک اسے کوئی زہر اور جادو تکلیف نہیں پہنچائے گا۔ یہ روایت طبرانی نے الصغیر میں نقل کی ہے۔

حافظ ہیثمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ اس میں ایک راوی صدقۃ بن عبداللہ السمین ہے۔ جسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔ اور رحیم اور ابو حاتم نے اسے ثقہ کہا ہے۔ اور منبہ بن عثمان لخمی کو میں نہیں پہچانتا۔

میں کہتا ہوں۔ کہ منبہ کا ذکر ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں کیا ہے۔ اور ابو حاتم نے کہا یہ سچ بولنے والا ہے۔ اور ابن حبان نے بھی اس کا ذکر اپنی ثقات میں کیا ہے۔ اور کہا۔ کہ یہ اہل شام میں سے اوزاعی عن ثور بن یزید سے روایت کرتے ہیں۔ اور اہل شام میں سے جو ان سے روایت کرتے ہیں۔ وہ محمد بن صالح ابن البختری اور ابراہیم بن عتیق وغیرہما ہیں۔ اھ

اور حافظ ذہبی نے سیر میں ان کی سوانح کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کے بارے کہا: "المحدِث ......" اور پھر انہیں ثقہ قرار دیا۔

ابوزرعہ دمشقی نے بھی اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ وہ ان کے شیوخ میں سے ایک ہیں۔ اور ابن عساکر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ سابقہ تمام روایات اس حدیث کی شاہد ہیں۔ لہٰذا ان کے سبب یہ روایات حسن ہے۔ واللہ اعلم

۱۰۷۷-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک قول اس طرح ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کسی نے مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجوروں میں سے سات کھجوریں دن کے وقت کھالیں۔ اس دن اسے زہر تکلیف نہیں دے گا۔ اور جس نے رات کے وقت کھائیں۔ اس رات زہر اسے ضرر نہیں پہنچائے گا۔ طبرانی نے اسے اوسط میں ذکر کیا ہے۔ اور حافظ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس میں ایک راوی عبداللہ بن اسحاق ہاشمی ہے۔ عقیلی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ اس کی احادیث میں سے کسی کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ اور ان کے باپ کو میں نہیں پہچانتا۔ اس کے بقیہ راوی ثقہ ہیں۔

لیکن یہ حدیث اس سیاق کے بغیر صحیحین میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور صحیح مسلم میں حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ثابت ہے۔ اثبات کے لئے یہی کافی ہے۔ اور دوسری اسناد سے مستغنی ہے۔ واللہ اعلم

مذکورہ احادیث سے متعلقہ امور کا بیان

(۱) عجوہ کے بارے یہ موجود ہے۔ کہ جس کسی نے صبح سویرے سات عجوہ کھجوریں کھائیں۔ اسے زہر اور جادو ضرر نہیں پہنچائیں گے۔ اور پھر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے مطابق عجوہ سے مراد عجوۃ العالیہ ہیں۔ جیسا کہ امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور طبرانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا۔ جبکہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کی تمام روایات کے مطابق اس سے مراد عجوۃ المدینہ ہیں۔ ''ما بین لَا بَتَیْهَا'' شاید یہ اس لئے ہے۔ کہ عجوۃ العالیہ کو دیگر تمام عجوۃ المدینہ پر فضلیت حاصل ہے۔

(۲) مسلم شریف کی روایت میں الفاظ یہ ہیں۔ ''سَبْعُ تَمَرَاتٍ مِمَّا بَيْنَ لَا بَتَيْهَا ...... لَمْ يَضُرَّهُ سُمٌّ'' یہ الفاظ دوسری روایات سے مختلف ہیں۔ اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے۔ کہ مدینہ طیبہ کی عام کھجوریں زہر کے لئے مفید ہیں اور عجوہ کھجوریں مدینہ طیبہ کی دیگر تمام کھجوروں سے زائد جادو کے لئے بھی نفع بخش ہیں۔

(۳) بخاری شریف میں حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں اس طرح ہے۔ ''مَنِ اصْطَبَحَ كُلَّ يَوْمٍ تَمَرَاتٍ'' (جس کسی نے صبح کے وقت ہر روز کھجوریں کھائیں) اس روایت میں معین عدد کا ذکر نہیں ہے۔ جبکہ دیگر تمام روایات میں معین عدد مذکور ہے۔ لیکن ان دونوں کے مابین تعارض موجود نہیں۔ کیونکہ مطلق کو مفید پر محمول کیا جائے گا۔ اور شاید اس سے مراد کثرت ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس سات کے عدد میں ایسا راز ہو۔ جسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو۔ اس کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

یہاں چند امور توجہ طلب ہیں

(۱) وقت کا مفید ہونا: سابقہ تمام روایات میں یہ الفاظ ہیں ''علی البکرة ، مَنْ تصبّح ، مَنْ اصطبح'' یہ تمام الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں۔ کہ ان کا استعمال نفع بخش تب ہوگا۔ جب کوئی اور چیز کھانے سے قبل صبح نہار منہ تناول کیا جائے۔ لہٰذا اگر کسی نے دن کے وقت کھانے کے بعد یہ کھجوریں کھائیں۔ تو اس کے لئے یہ مذکورہ نفع کا سبب نہیں بنیں گی۔ کسی روایت میں صبح کے سوا کسی وقت کا ذکر نہیں۔ سوائے امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس زائد روایت کے، جو انہوں نے حضرت سعد سے نقل کی ہے۔ اور اسے عامر بن سعد عمر بن عبدالعزیز نے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں ''قال فلیح : وأظنه قال: وإن اكلها حين يمسى لم يضره شئ حتّٰى يصبح'' یہ روایت صحیح ہے۔ لیکن صیغہ جزم کے ساتھ مذکور نہیں۔ اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث بھی ہے۔ جسے طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔

(۲) مکان کا مقید ہونا: یعنی کھجور مدینہ طیبہ کی ہو۔ اور وہ بھی بالخصوص مدینہ عالیہ کی۔ عالیہ سے مراد جنوب مشرقی حصہ ہے۔ مدینہ طیبہ کا مشرق نجد کی طرف ہے۔ لٰہذا وہ بستیاں جو مدینہ طیبہ سے جنوب مشرق اور مشرق کی طرف واقع ہیں انہیں عالیہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ مغربی حصہ کو سافلہ کہا جاتا ہے۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ان دونوں کے مابین: آٹھ میل کی دوری واقع ہے۔

لٰہذا اگر کسی نے مدینہ طیبہ کے علاوہ کسی اور جگہ کی کھجوریں کھائیں یا عجوہ کے علاوہ دوسری کھائیں یا پھر عالیہ کے علاوہ سافلہ کی کھالیں۔ تو مذکورہ فوائد حاصل نہیں ہونگے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) نوع کا مقید ہونا: سابقہ روایات میں مدینہ طیبہ کی عام کھجوروں کا ذکر موجود ہے۔ لیکن پھر ان میں سے عجوہ کو خاص کہا گیا اور پھر عجوہ عالیہ کو مزید خاص کر دیا گیا۔ عجوہ مدینہ طیبہ کی ایک خاص قسم کی کھجور ہے۔ جس کی لمبائی تقریباً تین سینٹی میٹر ہے۔ اور اس کا قطر تقریباً دو سینٹی میٹر ہے۔ اس کی رنگت سیاہی مائل ہے۔ اس کا چھلکا تہہ دار ہے۔ اس کے اوپر خطوط بنے ہوئے ہیں۔ بسا اوقات اس پر بعض حروف لکھے ہوتے ہیں۔ اور انہیں پڑھنا ممکن ہوتا ہے۔ مزارعین (کاشت کرنے والے) کے نزدیک یہ قسم بہت معروف ہے۔ یہاں تک کہ آج کل مدینہ طیبہ کے اکثر لوگ یہی قسم کاشت کرتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم انتہائی مہنگے داموں بکتی ہے۔ یہ تقریباً پچاس، ساٹھ ریال فی کلوگرام کے حساب سے بیچی جاتی ہے۔ اور دوسری قسم نسبتاً سستی ہے۔

علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا ذکر حدیث طیبہ میں کئی بار ہوا ہے۔ یہ مدینہ طیبہ کی کھجوروں کی ایک خاص قسم ہے۔ یہ صیحانی کی نسبت بڑی ہے۔ اسے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لگانے کی نسبت سے سواد میں اکثر کاشت کیا جاتا ہے۔

گویا کھجوروں میں سے یہ خاص نوع مقید ہے۔ ورنہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے مدینہ طیبہ کی تمام کھجوریں ہی متبرک ہیں۔ چنانچہ مدینہ طیبہ کی عام کھجوریں زہر کے لئے اور پھر ان میں سے عجوہ عالیہ کی تخصیص زہر اور جادو سے محفوظ رہنے کے لئے ہے۔ اور یہی ان نصوص کے درمیان تطبیق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) شہر کا مقید ہونا: روایات میں دو قسم کی قیدیں موجود ہیں۔ پہلی یہ ہے۔ کہ وہ کھجوریں جو لابتین کے درمیان موجود ہیں۔ اس میں لابتان سے مراد حرتان ہے۔ اور ان سے مراد سیاہ پتھر ہیں۔ اور مدینہ طیبہ حرہ شرقیہ اور حرہ غربیہ کے درمیان واقع ہے۔ جیسا کہ پہلے باب میں گزر چکا ہے۔ لٰہذا لابتین کے درمیان مدینہ طیبہ ہی ہے۔ اور اسی کی کھجوروں کے بارے نص موجود ہے۔ کہ وہ زہر کے اثر سے محفوظ رکھتی ہیں۔ چاہے وہ عجوہ ہوں یا غیر عجوہ اور دوسری قید یہ ہے۔ کہ وہ عالیہ سے متعلق ہوں۔ اس کا ذکر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سابقہ روایت میں ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بعض روایات میں بھی اس کا ذکر ہوا ہے۔لہٰذا جب کھجور خاص مدینہ طیبہ اور عالیہ کی نہیں ہوگی تو اس سے مذکورہ فوائد حاصل نہیں ہوں گے۔

عجوہ جنت کی کھجوروں میں سے ہے۔اس کا ذکر آگے آئے گا۔اور اس میں شفاء ہونے پر نص موجود ہے۔حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے عجوہ اور مدینہ طیبہ کے دیگر تمام پھل متبرک ہوئے۔

(۵) کیا یہ نفع اور فائدہ زمانے کے ساتھ خاص ہے؟ یعنی کیا یہ نفع حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس کے ساتھ ہی مختص ہے۔یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے جاری ہے؟ تو اس کے بارے گزارش یہ ہے کہ تمام نصوص ظاہراً استمرار پر دلالت کرتی ہیں۔اس لئے کہ ان میں الفاظ عام ہیں اور اس لئے بھی کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کا یہ وصف بیان کیا۔چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ فعل مسلسل جاری رہا۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد یہ برکت ختم نہیں ہوئی۔بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ کے لئے دعا کی برکت اس وقت تک جاری رہے گی۔جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔یہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص نہیں۔کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صفت رحمت کے ساتھ متصف ہونا اپنے زمانہ کے ساتھ ہی خاص نہیں۔کہ آپ اپنے مابعد آنے والوں کو چھوڑ دیں۔بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بالمومنین رؤف رحیم ہے۔عام شارحین کا موقف یہی ہے۔ان شاءاللہ تعالیٰ ان میں سے چند کا ذکر بطور نمونہ آئے گا۔

(۶) تعداد کا مقید ہونا: وہ تمام روایات جن کا ذکر میں نے کیا ہے۔ان تمام میں سات کا عدد مذکور ہے۔صرف حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک روایت ہے جس میں تعداد مذکور نہیں۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔کہ اس عدد کی تخصیص بہت سے احکام میں موجود ہے۔مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''صبّوا عليَّ من سبع قرب'' (کہ میرے اوپر سات مشکیزے پانی انڈیلو) اسی طرح اس برتن کو سات مرتبہ دھونے کا حکم ارشاد فرمایا۔جسے کتے نے پلید کر دیا ہو۔اور رب کریم نے بھی ارشاد فرمایا۔''اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ'' (کہ اس نے سات سٹے اگائے)۔

اس عدد میں جفت اور طاق اعداد کی کثرت کے سبب مبالغہ پایا جاتا ہے۔کیونکہ یہ دس کے نصف سے زائد ہے۔لہٰذا اس میں تین جفت اعداد ہیں اور وہ دو، چار اور چھ ہیں۔اور چار طاق عدد ہیں۔مثلاً ایک، تین، پانچ اور سات۔پس اس عدد نے طاق اور جفت کو جمع کر دیا ہے۔(یعنی تمام جفت اور طاق اعداد کا مجموعہ بھی سات ہے) اسی طرح دھائیوں میں سبعین کے عدد میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔جیسا کہ رب کریم کے اس ارشاد گرامی میں ہے۔''إِن تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً'' اور ستر حجابات کے ذکر میں بھی مبالغہ مقصود ہے۔اسی طرح سینکڑوں میں سے سات سو کے عدد میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔جیسا کہ اس فرمان میں ہے۔

''اِلٰی سبعمائة ضعف'' (کہ اجر سات سو گنا تک بڑھا دیا جاتا ہے)۔
سات کا عدد کثیر مقامات پر ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے مراد مبالغہ ہوتا ہے حقیقتاً سات مراد نہیں ہوتا۔

علامہ قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ طب میں بھی اس عدد کو خصوصیت حاصل ہے۔ اور اس کا ذکر کثیر مقامات پر ہوا ہے۔ مثلاً یہ حدیث طیب'' کہ مجھ پر سات مشکیزے پانی کے انڈیلو'' اسی طرح وہ دل کا مریض جو حارث بن کلاہ کی طرف گیا۔ تو انہوں نے اسے سات کھجوریں کھلائی۔ اور سات مرتبہ اس کا تعویز بنایا۔ علاوہ ازیں بھی کثیر واقعات ہیں۔

طب کے علاوہ بھی اس کا استعمال کثیر ہے۔

ادویات میں جہاں بھی اس عدد کا ذکر ہے۔ تو یہ اس کی ایسی خاصیت کی بناء پر ہے جسے صرف رب کریم جانتے ہیں یا پھر وہ جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر مطلع فرمایا ہے۔ اور جہاں محل علاج کے سوا استعمال ہوا ہے۔ تو عرب اس عدد سے کثرت کا معنی مراد لیتے ہیں۔ معینہ سات کا عدد مراد نہیں لیتے۔ تو اس طرح طبی امور اور دیگر امور کے مابین فرق ہو گیا۔ کہ طبی امور میں اس کی حقیقت صرف اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ جبکہ دیگر امور میں اس سے مراد مطلق کثرت لی جاتی ہے۔ حضرت امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ایسے فرمایا۔ چنانچہ انہوں نے ان احادیث کی وضاحت اس طرح فرمائی۔ کہ ان میں مدینہ طیبہ کی عام کھجوروں اور عجوہ کھجوروں کی فضیلت کا بیان ہے۔ اور صبح کے وقت سات کھجوریں کھانے کی فضیلت کا بیان ہے۔ اور پھر ان میں مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجوروں کی تخصیص ہے۔ جبکہ دوسری قسموں کی نہیں۔ اور سات کا عدد ان امور میں سے ہے، جس کا علم شارع کے پاس ہے۔ ہم اس کی حکمت نہیں جانتے۔ صرف اس پر ایمان لانا، اس کی فضیلت کا اعتقاد رکھنا اور اس میں موجود حکمت کو تسلیم کرنا واجب ہے۔ یہ عدد بھی نمازوں کی تعداد اور زکوٰۃ کے نصاب وغیرہ کی طرح ہے۔ ان احادیث کے بارے یہی صحیح موقف ہے۔

علامہ ابن قیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے سات کے عدد پر طویل کلام کی ہے۔ انہوں نے اپنی کلام کے آغاز میں فرمایا۔ کہ سات کے عدد میں ایک خاصیت ایسی ہے۔ جس کا ادراک وحی کے ذریعہ ہوتا ہے...... پھر فرمایا۔ کہ سات کی خاصیت یہ بھی ہے کہ یہ مقدار میں بھی واقع ہے۔ اور شرعاً بھی۔ مثلاً اللہ تبارک وتعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمائے، سات زمینیں اور سات دن پیدا فرمائے اور پھر انسان کی تخلیق سات مرحلوں میں مکمل فرمائی۔ اور شرعی طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے طواف کے سات چکر مقرر فرمائے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرنے، اور جمرات پر سات سات کنکریاں مارنے کا حکم، اور عیدین کی پہلی رکعت میں سات تکبیرات کہنے کا حکم فرمایا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' مُرُوْھُمْ بِالصَّلٰوۃِ لِسَبْعٍ'' (تم اپنے سات سال کی عمر کے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دو) اور آخر میں علامہ نے یہاں

تک کہا۔ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عدد میں وہ خاصیات ہیں۔ جو دوسروں میں نہیں۔ شرعاً اور قدراً اس عدد کی تخصیص کی حکمت کے بارے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ آیا یہ اسی معنی کے لئے ہے یا کسی اور کے لئے؟۔

اس مخصوص شہر (مدینہ طیبہ) کے معین علاقے کی کھجوروں کی یہ معین تعداد زہر اور جادو کے اثرات سے محفوظ رکھتی ہے۔ یہ اس کے ان خواص میں سے ہے کہ اگر اس کا ذکر بقراط، جالینوس اور ان کی مثل حکماء میں سے کوئی کرتا۔ تو بالیقین حکماء ان کا یہ قول پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ قبول کر لیتے۔ باوجود اس کے کہ کہنے والے نے محض قوت حدس کی بناء پر ظن وتخمین کے ساتھ ایسا کہا ہے۔ تو پھر وہ ذات والا صفات جس کا کلام برہان اور وحی الٰہی ہونے کی بناء پر مکمل طور پر قطعی اور یقینی ہے۔ تو اس کے اقوال کو بدرجہ اولیٰ قبولیت اور تسلیم کے ساتھ لینا چاہیے۔ اور اعتراض ترک کرنے چاہئے۔ نتیجتاً ان خواص کے صحیح ہونے کا انکار نہیں کرنا چاہیے۔

کیونکہ یہ بدرجہ اولیٰ ذمہ واری ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو قبول کیا جائے۔ اور انہیں تسلیم کرتے ہوئے ان پر کسی نوع کا اعتراض نہ کیا جائے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کی تائید حاصل ہے۔ جبکہ دوسروں کے کلام کا انحصار صرف حس، مشاہدہ اور اندازے پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) کیا ان کے یہ اثرات اہل مدینہ اور اس کے نواح میں رہنے والوں کے ساتھ خاص ہیں۔ یا ان کا یہ نفع عام ہے؟

تو اس کے بارے علامہ ابن قیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے یہ ہے۔ کہ مدینہ طیبہ کی ان کھجوروں کا یہ اثر مدینہ طیبہ اور اس کے مشابہ شہروں کے ساتھ خاص ہے۔ مثلاً حجاز اور یمن وغیرہ۔ اور وہ تمام جو گرم غذاؤں کی نوعیت میں ان کے ساتھ مشترک ہیں۔ ٹھنڈے شہروں کے باسیوں کو یہ اثر شامل نہیں۔ علامہ ابن قیم کا کہنا یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں خطاب سے مراد خاص ہے۔ جیسا کہ اہل مدینہ اور ان کے پڑوس میں رہنے والے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مخصوص جگہوں کی ادویات اور ان جگہوں کی نفع بخش تاثیر ہوتی ہے۔ جو دوسری جگہوں میں نہیں پائی جاتی۔ مثلاً ایک جگہ اگنے والی دوا بیماری کے لئے نفع بخش ہوتی ہے۔ جبکہ کسی دوسری جگہ اگنے میں وہ اثر نہیں پایا جاتا۔ تو ایسا مٹی یا ہوا یا دونوں کے تاثیر کے سبب ہوتا ہے۔ زمین کے خواص اور طبائع کا اختلاف انسان کے مزاج اور طبائع کے اختلاف کے قریب قریب ہوتا ہے۔ بہت سی ایسی بوٹیاں ہیں جو بعض شہروں میں بطور غذا کھائی جاتی ہیں اور بعض دوسرے شہروں میں وہی سم قاتل ہیں۔ اور کتنی ایسی ہیں جو ایک قوم کے لئے ادویہ ہیں جبکہ دوسروں کے لئے وہی غذا ہیں۔ اور بعض ایسی ہیں جو ایک قوم کے لئے بعض امراض میں ادویہ ہیں اور دوسروں کے لئے وہی ان کے سوا دیگر امراض میں بطور ادویہ استعمال ہوتی ہیں۔ بسا اوقات ایک شہر کے باسیوں کی ادویات دوسروں کے لئے مناسب اور نفع بخش

نہیں ہوتیں۔

اس کی علت یہ ہے کہ کھجور گرم ہوتی ہے۔اور گرم علاقوں میں رہنے والوں کے باطن ٹھنڈے ہوتے ہیں اور ٹھنڈے علاقوں میں رہنے والوں کے باطن گرم ہوتے ہیں۔اس لئے کھجور اور اس کی مثل گرم غذائیں گرم علاقوں میں رہنے والوں کے موافق ہوتی ہیں۔اور ان کے باطن میں ٹھنڈک ہونے کے سبب وہ ان کے لئے نقصان دہ نہیں ہوتیں اور حرارت ظاہر جسم کی طرف نکل جاتی ہے۔جبکہ سرد شہروں میں بسنے والوں کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ظاہر نص کے الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں۔مثلاً ''مَنْ تَصَبَّح ، مَنْ اِصْطَبَحَ ، مَنْ أَكَلَ ......'' اس عموم کے لئے اپنی جنس میں سے کوئی بھی مخصص موجود نہیں۔پھر نص کے مطابق کھجوریں زہر اور جادو دونوں کے لئے دوا کی مثل ہیں تو اگر بعض امور میں ان کا نفع کم کیا جاسکتا ہے تو پھر زہر کے بارے تو آپ انہیں بے فائدہ بنا سکتے ہیں۔مگر جادو کے بارے کیا حکم ہوگا؟ نتیجتاً مدینہ طیبہ کی کھجوروں اور عجوہ کا حکم آب زمزم کے حکم کی مثل ہے۔کیا اس کی خاصیت باقی رہتی ہے یا زائل ہو جاتی ہے؟۔واللہ اعلم

(۸) اس کا تمام زہروں کو شامل ہونا: زہر کی محل کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں۔خارجی، داخلی حکیم ڈاکٹر محمود ناظم النسیمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں۔کہ زہر کی کئی اقسام ہیں۔زہر کے تیار ہونے کا محل باہر ہوتا ہے۔اور پھر جسم میں زخموں کے راستے سے داخل ہو جاتا ہے۔مثلاً زہر آلود تیر کا لگ جانا، سانپوں کا ڈس لینا۔یا پھر ایسی ادویات کی مالش سے جسم میں اثر انداز ہو جاتا ہے۔جنہیں زہر آلود اجزا سے تیار کیا گیا ہو۔جیسا کہ جلے ہوئے اجزاء پر مالش وغیرہ کرنا ''المیر کورکروم'' کے محلول سے یا پھر جسم میں منہ کے راستے سے داخل ہوتا ہے۔اور آلات ہضم کے ذریعے کھانے اور پینے کی چیزوں کے ساتھ یا سانس کے راستے سے جسم میں داخل ہوتا ہے۔

یا پھر زہر کا اثر اندرونی طور پر ہوتا ہے۔مثلاً پیشاب کا زہر آلود ہونا ''یوریمیا'' یا ایزوٹیمیا کا رک جانا۔ یہ گردوں کی کمزوری کے سبب ہوتا ہے۔اور جسم میں پیدا ہونے والے اس مادہ کو علیحدہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں رہتی۔اور یہ پروٹینی مواد کے تبدیل ہونے اور پیشاب کے راستے سے اس کے نکل جانے کا نتیجہ ہوتا ہے۔اسی طرح جگہ کا مسموم ہو جانا ''کولیمیا'' اور یہ جگر کے بہت زیادہ کمزور ہونے کے سبب ہوتا ہے۔یا آنتوں کا سوزش کے سبب مسموم ہو جانا اور جراثیم اور دیگر کیڑوں کا کثرت سے پیدا ہو جانا وغیرہ۔

آنتوں میں پروٹینی مرکبات کے تعفن، جراثیم کی کثرت اور متغیرہ نقصان دہ مواد سے جسم بعض ایسے مرکبات کے ذریعے خلاصی اور نجات پاتا ہے۔جن کا تعلق جگر سے ہوتا ہے۔اور ان مرکبات میں سے اہم ترین وہ تیزابیت اور ترشویت ہے، جسے جگر پیدا کرتا ہے۔''حمض الغلوکورنیک'' اور یہ خون میں جمع ہونے والے غلوکوز (گلوکوز) (شکر) سے کشید ہوتا ہے یا پھر انگور کی شکر استعمال کرنے کا نتیجہ ہوتا ہے۔

ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں۔ کہ زہر آلود مرکبات کے اثرات ختم کرنے میں جگر کا کردار بہت وسیع ہے اور یہ اس کے وظائف میں سے اہم ترین ہے۔

اسی لئے انگور کی شکر (گلوکوز) مختلف انواع کی زہروں میں بطور علاج اور پرہیز داخل ہے۔ اور وہ پھل جو آدمی کو اس کے استعمال سے مستغنی کرتے ہیں وہ کھجور یا عجوہ، پکی ہوئی تازہ کھجور، انگور، کشمش اور انجیر ہیں۔

اس سے قبل یہ بیان ہو چکا ہے کہ کھجور میں ستر سے ستاسی فیصد تک نشاستہ پایا جاتا ہے۔ اور اس میں غالب شیرینی انگور کی ہے۔ آلات ہضم اس شیرینی کو تقریباً ایک گھنٹے کے دوران ہضم اور جذب کر سکتے ہیں۔

لیکن شیخ ابن قیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کھجور کے منافع کو زہر کی ایک خاص نوع کے ساتھ محصور کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ اکثر پھلوں کی نسبت بدن کو زیادہ غذا مہیا کرتی ہے۔ اس میں گرم و تر جوہر پایا جاتا ہے۔ اور ان کا نہار منہ کھانا کیڑوں کو مار دیتا۔ ان میں حرارت کے ساتھ ساتھ ایسی قوۃ تریاقیہ ہوتی ہے۔ جسے علی الصبح مسلسل استعمال کرنے سے کیڑوں کا مادہ خشک ہو جاتا ہے۔ اور یہ اسے انتہائی کمزور اور کم کر دیتا ہے۔ یا پھر مار ڈالتا ہے۔ لہٰذا یہ پھل بھی ہے اور غذا اور دوا بھی اور اس کے ساتھ ساتھ شراب بھی ہے اور میٹھا بھی۔

ایک اور مقام پر کہتے ہیں۔ کھجور کا مذکورہ نفع زہر کی بعض قسموں میں ظاہر ہوتا ہے۔ لہٰذا حدیث طیبہ کا تعلق العام المخصوص سے ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ان کا یہ نفع اس شہر کی خاصیت اور اس کی مٹی کے سبب ہر زہر کے لئے ہو"

اور زہر کی جس نوع کو انہوں نے خاص کیا ہے۔ اس سے مراد وہ ہے جو اندرونی طور پر پھیل کر اعضاء کو مسموم کر دیتا ہے۔ یا پھر اس کی بھی بعض انواع مراد ہیں۔ گویا اس میں پھر العام المخصوص کا احتمال ہے۔ حالانکہ حدیث طیبہ کے ظاہر الفاظ نکرہ کے سیاق نفی میں آنے کے سبب عمومیت کا تقاضا کرتے ہیں۔

پھر یہ بھی ہے۔ کہ اگر ان منافع کے زہر کی بعض اقسام کے ساتھ خاص ہونے کا قول کیا جائے۔ تو پھر سحر (جادو) کے بارے کیا کیا جائے گا؟ جبکہ نص کی عمومیت دونوں کو شامل ہے۔ واللہ اعلم

اس بحث کے آخر میں جدید اطباء کے کلام کے مطابق کھجور کے فوائد ذکر کئے جائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

بعض علمائے سابقین کے اقوال

امام خطابی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ عجوہ زہر اور جادو کے لئے نفع بخش ہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی کھجوروں کے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ نہ کہ اس لئے کہ یہ کھجوروں کی

خاصیت ہے۔

ابن التین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ اس میں یہ احتمال ہے۔ کہ اس سے مراد مدینہ طیبہ میں کھجوروں کے خاص درخت ہوں۔ جنہیں اب نہیں پہچانا جا سکتا۔

مصابیح کے بعض شراح نے بھی اسی طرح کہا۔ کہ یہ ان درختوں کی خاصیت ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے۔ کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے۔ کہ یہ منافع حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس کے ساتھ خاص ہوں۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے رد میں ارشاد فرمایا۔ کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کھجور کے نفع بخش اوصاف کا ذکر کرنا۔ مذکورہ قول کی تائید نہیں کرتا۔ عنقریب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ذکر کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں۔ کہ قول اول کی تردید آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث طیبہ ''مَا بَيْنَ لَا بَتَيْهَا'' اور حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ''عجوۃ العالیہ'' سے بھی ہوتی ہے۔ پھر احادیث کو ذکر کرنا، علماء کا ان کے لئے انہیں بیان کرنا اور لوگوں کا مدینہ طیبہ کی عجوہ اور دیگر کھجوروں کے عمل پر اتفاق کرنا بھی اس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مختص ہونے کی تردید کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں اصل عدم تخصیص ہے۔ پھر اسی طرح مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجوریں ہمیشہ معروف رہیں۔ آج دن تک اخلاف اسلاف سے بیان کرتے رہے ہیں۔ اور بڑے چھوٹوں کو بتاتے رہے ہیں۔

اسی لئے ''المشارق'' کے بعض شراح نے کہا ہے۔ کہ مدینہ طیبہ کی کھجوروں کا مدینہ طیبہ کے ساتھ خاص ہونا تو متن کے الفاظ سے واضح ہے۔ لیکن اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ خاص کرنا بعید از حقیقت ہے۔ اور سات کے مخصوص عدد میں یہ بالکل ظاہر ہے۔ کہ اس میں کوئی مخفی راز ہے اور اگر اس طرح نہیں۔ تو پھر یہ امر مستحب ہے کہ ان کی تعداد طاق ہو۔

علامہ مازری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ زہر کے لئے کھجور کے نفع بخش ہونے کا معنی علم طب کے مطابق نہیں سمجھا جا سکتا۔ اور اگر یہ فرض کر لیا جائے۔ کہ طب سے اس کا کوئی سبب بیان کیا جا سکتا ہے۔ تو پھر عجوہ اور سات کے عدد کے ساتھ اس کی تخصیص کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ شاید یہ نفع صرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل زمانہ یا ان میں سے اکثر کے لئے تھا۔ جبکہ میرے نزدیک ہمارے زمانے میں اس شفا کا مسلسل واقع ہونا ثابت نہیں۔ اور اگر ہمارے زمانے میں اکثر لوگوں میں اس کا وقوع پایا بھی جائے، تو پھر بھی اسے غالب حال پر محمول کیا جائیگا۔

حضرت قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ کہ ''مابین لابتیها'' اور ''عجوة العالیه'' کی تخصیص پر ہونے والے اعتراض کا ازالہ اس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ یہ ان کا خاصا ہے جیسا کہ بعض ادویات

بعض شہروں میں بعض بیماریوں کے لئے نفع بخش ہوتی ہیں اور بعض میں نہیں۔ یہ تاثیر زمین اور ہوا میں بھی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

کیا آپ نہیں دیکھتے۔ کہ نباتات میں سے کثیر ایسی ہیں جو بعض شہروں میں بطور غذا کھائی جاتی ہیں۔ اور بعض میں وہی سم قاتل ثابت ہوتی ہیں۔ تو یہ متضاد اثرات زمین اور ہوا کے مختلف ہونے کے سبب ہوتے ہیں۔

طب کے اصولوں کے مطابق بھی یہ معنی سمجھنا بعید از عقل نہیں ہے۔ بے شک ائمہ طب نے یہ صراحتہً بیان کیا ہے۔ کہ انجیر زہر کے لئے نفع بخش ہے۔ زہر اپنی ٹھنڈک اور خشکی کی شدت کے سبب قاتل ثابت ہوتا ہے۔ دل کا خون منجمد ہو جاتا ہے۔ اور حرارت عزیزیہ ختم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جو آدمی علی الصبح مسلسل عجوہ استعمال کرتا ہے۔ اس کی حرارت مستحکم ہوتی ہے۔ اور اس کے سبب اس کی وہ حرارت عزیزیہ لوٹ آتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں زہر کی ٹھنڈک اور خشکی کا مقابلہ کرنے کے لئے پیدا فرمائی ہے۔ نتیجتاً زہر کی ٹھنڈک حرارت میں بدل جاتی ہے۔ اکثر حیوانوں کی زہریں بھی ٹھنڈی اور خشک ہوتی ہیں۔ مثلاً سانپ، بچھو، کیڑے مکوڑے اور اژدھا وغیرہ۔ اور اکثر نباتات کی زہریں بھی اسی طرح ہوتی ہیں۔ مثلاً بھنگ اور افیون وغیرہ۔ ان شہروں میں ان دونوں قسموں کی زہر موجود ہے۔ تو ان دونوں کی سخت ٹھنڈک اور خشکی کا مقابلہ اس حرارت سے کیا جاتا ہے۔ جو دل کی حرارت عزیزیہ کو تقویت پہنچاتی ہے۔ اور کھجور میں یہ وصف موجود ہے۔ پھر انہوں نے سات کے عدد کی خاصیت ذکر کی ہے۔

لیکن حضرت امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ علامہ مازری اور حضرت قاضی عیاض رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے متفق نہیں ہیں۔ اور انہوں نے اس کی سخت تردید کی ہے۔ اور فرمایا۔ جو کچھ امام ابو عبداللہ المازری اور قاضی عیاض رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ وہ کلام باطل ہے۔ قطعاً اس کی طرف توجہ نہ کیجئے اور نہ اس پر اعتماد کیجئے۔ اس تنبیہ سے میرا مقصود دھوکا کھانے سے ڈرانا ہے۔ واللہ اعلم

لیکن حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ میرے نزدیک دونوں کے کلام میں ایسا کوئی امر ظاہر نہیں، جس کے سبب اس پر باطل ہونے کا حکم لگایا جاسکے۔ بلکہ مازری کا کلام اسی محصل کی جانب اشارہ کرتا ہے، جس پر امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اقتصار کیا ہے۔ اور قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں صرف مناسبت کی طرف اشارہ ہے۔ اور مناسبات میں اعلیٰ تحقیق مقصود نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف ولالۃ الاشارۃ پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ شاید امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول کی علت یہ بیان کی ہے۔ کہ کھجور چونکہ اس زمین اور ہوا میں پیدا ہوتی ہے۔ اور ان دونوں سے یہ تاثیر حاصل کرتی ہے۔ اور یہ نظریہ حضرت امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نظریہ کے خلاف ہے۔ اور اسی طرح سات

کے عدد کی تعیین میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔

اور علامہ مازری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے قول میں اسے زمانہ رسالت یا ان میں سے اکثر افراد کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اور پھر طبی اصولوں کے مطابق ہونے میں بھی تردد کا اظہار کیا ہے۔ تو یہ نظریہ بھی امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نظریہ کے خلاف ہے۔ آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا موقف یہ ہے۔ کہ اس پر ایمان لانا ان کی فضیلت کا اعتقاد رکھنا اور ان میں حکمت موجود ہونے کا یقین رکھنا ضروری ہے۔ اگرچہ ان کی حکمت سے ہم واقف نہیں، لیکن شارع علیہ السلام تو جانتے ہیں۔ واللہ اعلم

امام طیبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔ کہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "من عجوۃ المدینۃ" میں مدینہ طیبہ کی تخصیص ہے۔ یا تو اس لئے کہ ان میں وہ برکت موجود ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے حاصل ہوئی۔ یا پھر اس لئے کہ مدینہ طیبہ کی کھجوریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج کے زیادہ موافق ہیں۔ یا اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں تشریف فرما رہے۔

علامہ المظہر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔ کہ یہ کہنا جائز ہے کہ اس نوع میں یہ خاصیت موجود ہے۔ عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے اسباب کا بیان آئے گا۔

اور امام قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ کہ ظاہر حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زہر کے اثر کو دور کرنا اور جادو کے اثر کو باطل کرنا مدینہ طیبہ کی عجوہ کھجوروں کی خصوصیت ہے۔ ان میں مطلق کو مقید پر محمول کیا گیا ہے۔ اور یہ ایسے خواص میں سے ہے، جسے قیاس ظنی کے ساتھ نہیں پہچانا جا سکتا۔ ہمارے ائمہ میں سے بعض نے تکلف کیا اور فرمایا۔ کہ زہر اپنی برودت کی زیادتی کے سبب قاتل ثابت ہوتا ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلسل علی الصبح عجوہ کھاتا ہے تو اس میں حرارت مستحکم ہو جاتی ہے۔ اور وہ حرارت عزیزیہ کی معاون ہوتی ہے۔ تو یہ زہر کی اس ٹھنڈک کا مقابلہ کر سکتی ہے۔ جو مستحکم نہیں ہوتی۔ تو اس کے بارے آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اس سے تو مدینہ طیبہ کی عجوہ کی خصوصیت کا ارتفاع لازم آتا ہے۔ بلکہ مطلقاً عجوہ اور کھجور کی خصوصیت کی نفی لازم آتی ہے۔ اس صورت میں تو گرم دوائیں کھجوروں کی نسبت زیادہ مفید اور بہتر ہونگی۔

حالانکہ اولیٰ یہ ہے۔ کہ یہ امر مدینہ طیبہ کی عجوہ کے سات خاص ہے......

شیخ ابن قیم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابوداؤد کی حدیث پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے۔ کہ اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے۔ کہ یہ مدینہ طیبہ کی کھجوروں کے ساتھ مختص ہے۔ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے بارے کہا۔ کہ اس کا ظاہر یہ ہے۔ کہ یہ عجوہ عالیہ کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس حدیث "العجوۃ من الجنۃِ، وھی شفاء من السم" کے بارے کہا۔ کہ اس کے بارے کہا گیا ہے۔ کہ یہ مدینہ طیبہ کی عظیم برکت کے سبب اس کے ساتھ مختص ہے۔ نہ کہ یہ ہر کھجور کے لئے عام ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا

ہے۔ کہ یہ عجوہ عالیہ کے ساتھ مختص ہے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ جب عجوہ جنت میں سے ہے۔ جیسا کہ بعض روایات میں گزر چکا ہے۔ اور عنقریب آگے آرہا ہے۔ اور ان میں شفا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ تو پھر بطور استدلال یہی کافی ہے۔ جب علماء زہر کے خلاف عجوہ کے فیصلے کی مناسبت میں غور وخوض کرتے ہیں۔ تو وہ سحر کے خلاف اور اس کے وقوع کو روکنے کے لئے ان کے فیصلے کے بارے کیا کہتے ہیں؟ اس لئے نصوص یہ ثابت کرتی ہیں کہ زہر کو دور کرنے اور جادو کے اثر کو باطل کرنے کی تاثیر مدینہ طیبہ کی عجوہ اور دیگر کھجوروں کے ساتھ خاص ہے۔ اور یہ خصوصیت ظن وتخمین سے نہیں سمجھی جاسکتی۔ لہٰذا اس میں افضل اور اولیٰ یہ امر ہے۔ کہ اس پر ایمان لاتے ہوئے اس حقیقت کو ان کے موجد کے حوالے کردیا جائے۔ اور مدینہ طیبہ کی کھجوروں کی فضیلت اور برکت کو تسلیم کرلیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

العجوۃ من الجنۃ (جنت کی کھجوریں)

مدینہ طیبہ کی کھجوروں کے فضائل میں سے یہ بھی ہے۔ اور یہ مدینہ طیبہ کے فضائل میں سے بھی ہے۔ کہ اس کی عجوہ کھجوروں کو جنت کا پھل قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔

اس سے قبل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ ”عجوہ جنت میں سے ہے اور یہ زہر کے لئے شفاء ہے...... “ الحدیث۔ اسے امام احمد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اور صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں طیالسی، نسائی نے کبریٰ میں۔ ابن ماجہ اور دارمی نے بھی نقل کیا ہے۔

اسی طرح حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث بھی گزر چکی ہے۔ اور اس میں بھی ہے کہ ”...... عجوہ جنت میں سے ہے۔ اور یہ زہر کے لئے شفاء ہے“ اسے امام احمد، نسائی نے کبریٰ میں، اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اسے نقل کیا ہے۔

۱۰۷۷- حضرت رافع بن عمرو المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ کہ ”عجوہ اور صخرہ (چٹان) جنت میں سے ہیں“ اسے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اور صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کی تائید امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کی ہے۔ اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی ایک روایت اس طرح ہے۔ کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ”عجوہ اور شجرہ (درخت) جنت میں سے ہیں“ اسے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابن ماجہ، ابویعلی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ اور بوصیری

نے زوائد ابن ماجہ میں کہا ہے۔ کہ اس کی اسناد صحیح ہیں اور رواۃ ثقہ ہیں۔ اور اسے طبرانی نے بھی نقل کیا ہے۔

صخرہ سے مراد وہ پتھر ہے جو بیت المقدس میں موجود ہے۔ جس پر قبۃ الصخرہ ہے۔ اور شجرہ سے مراد وہ درخت ہے۔ جس کے نیچے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے وقت صحابہ کرام سے بیعت لی تھی۔ جو بیعت رضوان کے نام سے معروف ہے۔ رب کریم نے اس آیت طیبہ میں اسی کی جانب اشارہ فرمایا۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (الفتح:۱۸)۔ (یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ اس درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے) نتیجتاً اس چٹان اور درخت کا انجام جنت ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

۱۰۷۸- حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے روایت فرماتے ہیں۔ "کھمبی آنکھ کے لئے دوا ہے۔ اور عجوہ جنت کے پھلوں میں سے ہے۔ اور یہ سیاہ دانہ جو نمک میں ہوتا ہے۔ موت کے سوا ہر بیماری کے لئے دوا ہے" اسے امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح رواۃ سے نقل کیا ہے۔

۱۰۷۹- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "کھمبی من میں سے ہے۔ اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفاء ہے۔ عجوہ جنت میں سے ہے۔ اور یہ زہر سے شفاء دینے والی ہے....." الحدیث۔ یہ روایت طبرانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تینوں معاجم میں نقل کی ہے۔ اور حافظ ہیثمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ اس کی سند میں ایک راوی مہدی ابن جعفر الرملی ہے۔ وہ ثقہ ہے۔ مگر اس میں ضعف بھی ہے۔ اور اس کے بقیہ راوۃ ثقہ ہیں۔ اور یہ حدیث حسن ہے۔

مذکورہ احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "من الجنّہ" کی تفسیر حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے "من فاکھۃ الجنۃ" یعنی وہ جنت کے پھلوں میں سے ہے۔

کیا یہ دنیا میں جنت کے پھلوں میں سے ہے۔ یا یہ نام اور دیگر ظاہری وصف میں اس کے مشابہ ہے لیکن ذائقہ اور چاشنی مختلف ہے۔ یا پھر یہ آخرت میں جنت میں ہوگی؟ یہ تمام احتمالات اس میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بعض مریضوں کے لئے عجوہ کا انتخاب

جب عجوہ۔ بالخصوص عجوہ عالیہ۔ شفاء ہے۔ اور یہ اپنے میں شفاء کا عنصر رکھتی ہے۔ تب ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مریضوں کے لئے اس کا انتخاب فرمایا۔ حالانکہ ان کی بیماریاں مختلف تھیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا متعدد بار کیا۔

۱۰۸۰-حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں شدید بیمار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا۔ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل پر محسوس کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک تو دل کا مریض ہے۔ تم ثقیف کے بھائی حارث بن کلدہ کے پاس جاؤ۔ وہ طبیب آدمی ہے۔ اسے چاہیے۔ کہ وہ مدینہ طیبہ کی سات عجوہ کھجوریں لے کر انہیں گٹھلی سمیت کوٹ کر خوب باریک کر لے اور پھر وہ تمہیں پلا دے'' یہ روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے۔ اور اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔

۱۰۸۱-حضرت سعد بن ابی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری بیمار پرسی کے لئے تشریف لائے۔ اور اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کی ٹھنڈک اپنے دل پر محسوس کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تو دل کا مریض ہے۔ تو حارث بن کلدہ کے پاس جا۔ وہ طبیب آدمی ہے۔ اس کو چاہیے۔ کہ وہ مدینہ طیبہ کی پانچ عجوہ کھجوریں لے کر، انہیں گٹھلی سمیت باریک کوٹ لے اور وہ تمہیں پلا دے'' اسے طبرانی نے کبیر میں نقل کیا ہے۔ حافظ ہیثمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ اس کی سند میں ایک راوی یونس بن حجاج ثقفی ہے۔ اسے میں نہیں جانتا۔ اس کے بقیہ رواۃ ثقہ ہیں۔

میں کہتا ہوں۔ کہ ابن حبان نے اس کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سابقہ حدیث اس حدیث کی شاہد ہے۔ لہٰذا اس کے سبب یہ حسن ہے۔

آپ کے قول ''فلیجا ھن'' کا معنی ہے۔ (کہ وہ انہیں اچھی طرح کوٹے) اسی سے یہ جملہ بھی ہے۔ ''اَخَذْتُ الْوَجِیْئَۃ'' اس سے مراد وہ کوٹی ہوئی کھجور ہے۔ جس کے اجزاء ایک دوسرے سے مل جائیں۔ اور اسی سے ''اخد الوجاء'' بھی ہے۔ (اس نے کوٹی ہوئی کھجور لی)۔

آپ کا قول ''لِیَلُدَّکَ بِھِنَّ'' میں اللد سے مراد منہ کی جانب سے پلانا ہے۔

۱۰۸۲-حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''جذام کے لئے یہ مفید ہے۔ کہ تو ہر روز مدینہ طیبہ کی سات عجوہ کھجوریں استعمال کرے۔ اور مسلسل سات دن تک ایسا کرے'' اسے ابن عدی نے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ میں نہیں جانتا، کہ اسے طفاوی کے علاوہ کسی نے ہشام بن عروہ کی سند سے روایت کیا ہو۔

میں کہتا ہوں۔ کہ طفاوی سے مراد محمد بن عبد الرحمٰن ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کا ذکر کیا۔ اور علمائے جرح و تعدیل کے یہ اقوال بیان کئے۔ ابو حاتم، ابن معین، ابن عدی، ابن شاہین اور ابوداؤد نے کہا ہے۔ اس کے لئے کوئی مانع نہیں یا اس کے سبب کوئی نقصان نہیں۔ اور ابو حاتم نے یہ اضافہ کیا ہے۔

کہ یہ انتہائی سچ بولنے والا اور صالح ہے۔ مگر کبھی کبھی اسے وہم ہو جاتا ہے۔ ابن جوزی نے بھی یہی کہا ہے۔ اور ابوزرعہ کا علل حدیث میں یہی قول ہے۔ اور ابن معین نے کہا ہے۔ کہ بصری محدثین اس سے راضی ہیں۔ علی بن المدینی نے کہا۔ وہ ثقہ ہے۔ اور ابن حبان نے ان کا ذکر اپنی ثقات اور مشاہیر علماء الامصار میں کیا ہے۔ اور کہا کہ وہ اہل بصرہ میں سے جلیل القدر تھا۔ اور ان میں سے تھا جن کی حالت انتہائی اچھی تھی۔ اور دارقطنی نے کہا۔ کہ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان سے استدلال کیا ہے۔ اور ابوزرعہ کے قول میں اختلاف ہے۔ انہوں نے جرح وتعدیل میں یہ کہا ہے۔ کہ یہ منکر الحدیث ہے۔ اور علل الحدیث میں کہا ہے۔ کہ یہ صدوق ہے۔ مگر کبھی کبھی اسے وہم ہو جاتا ہے۔ اور الضعفاء میں اس کے لئے یہ کہا ہے۔ کہ اس کا انکار کیا جاتا ہے۔ مگر امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اس سے ہمیں حدیث بیان کی ہے۔ امام ذہبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بارے مختصراً یہ کہا ہے۔ کہ محدثین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ میں کہتا ہوں۔ کہ اس کی حدیث حسن ہے۔ واللہ اعلم

میں یہ بھی کہتا ہوں۔ کہ اس حدیث کی روایت میں طفاوی منفرد نہیں۔ بلکہ اسے امام طبری، خطابی اور ابن ابی شیبہ نے بھی عبداللہ بن نمیر عن ہشام کی سند سے روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں یہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حکم ہے۔ مرفوع روایت نہیں۔ اور اس کے الفاظ اس طرح ہیں۔ "کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالدوام یا بالدوار سات عجوہ کھجوریں سات دن نہار منہ کھانے کا حکم دیتی تھیں۔

"الدُّوَّام" دُوَّار کی مثل ہے۔ انسان کے سر میں ایک بال ہوتا ہے۔ جو گھومتا رہتا ہے۔ اسی سے تدویم الطائر ہے۔ یعنی وہ پرندہ جو اپنی اڑان مسلسل جاری رکھتا ہے۔ اور اسی سے دوامۃ (لٹو) مشتق ہے۔ جو بچوں کا کھلونا ہے۔ جو آدمی مسلسل کام کرے تو کہا جاتا ہے۔ استدام الرجل۔ اور اسی سے یہ قول بھی ہے۔ مآء دائم۔ جبکہ پانی ایک جگہ جمع ہو جائے اور وہ جاری نہ ہو۔ واللہ اعلم

کھجور کھانے کی ترغیب دینے کا بیان

مدینہ طیبہ کی کھجوروں کی اہمیت کے پیش نظر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کثیر ایسی نصوص وارد ہیں۔ جو اسے جمع کرنے، کھانے اور ہدیہ دینے پر برانگیختہ کرتی ہیں۔

آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے کھجور تناول فرماتے تھے۔ یہی حال دیگر اہل مدینہ کا بھی تھا۔ میں چند نصوص کے ذکر اور کھجور کی اہمیت کے بیان پر اکتفاء کروں گا۔ یہاں مکمل نصوص یا شرح یا ان پر تعلیق ذکر کرنے کی وسعت نہیں۔

(۱) کھجور کو غذا اور خوراک بنانے پر برانگیختہ کرنا

۱۰۸۳۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔" اے عائشہ، جس گھر میں کھجور نہ ہو اس کے اہل بھوکے رہتے ہیں۔ اے عائشہ! جس گھر میں کھجور نہ ہو اس میں رہنے والے بھوکے رہتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد دو مرتبہ یا تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ یہ روایت حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کی ہے۔

(۲) روزہ کھجور سے افطار کرنا

۱۰۸۴-حضرت سلمان بن عامر الضبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔" جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے، تو اسے چاہیے کہ وہ کھجور کے ساتھ افطار کرے۔ بے شک اس میں برکت ہوتی ہے۔ اور جو اسے نہ پائے، تو اسے پانی کے ساتھ افطار کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ وہ پاک ہے" اسے امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم نے روایت کیا ہے۔ اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔

۱۰۸۵-حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے قبل پختہ تازہ کھجوروں کے ساتھ روزہ افطار کرتے تھے۔ اور اگر یہ کھجوریں نہ ہوتیں تو پھر تمیرات (کچی کھجوریں) استعمال فرماتے۔ اور اگر تمیرات بھی نہ پاتے۔ تو پھر پانی گھونٹ گھونٹ کر کے نوش فرماتے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور اسے حسن کہا ہے۔

(۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھجور تناول فرمانا

مدینہ طیبہ کی کھجوروں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت یہ بھی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے کھجوریں تناول فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی صرف کھجور تناول فرماتے تھے۔ اور کبھی کسی دوسری چیز کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔ اس کے بارے کثیر نصوص موجود ہیں۔

۱۰۸۶-حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں۔ کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی دن میں دو مرتبہ کھانا نہیں کھایا۔ مگر ان میں سے ایک بار کھجور ہوتی تھی۔ متفق علیہ اور یہ الفاظ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کئے ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سند کے اعتبار سے اسے صحیح قرار دیا ہے۔" مَا اَكَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ......" اس بارے میں کثیر احادیث صحیحین اور دیگر کتب میں پائی جاتی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ کا انحصار کھجور اور پانی پر تھا۔

(۴) ککڑی اور کھجوروں کو ملا کر کھانا:

۱۰۸۷-حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، کہ آپ ککڑی کھجور کے ساتھ تناول فرماتے ہیں۔ متفق علیہ

(۵) کھجور اور تربوز کو جمع کرنا

۱۰۸۸-حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ کہ اس کی گرمی کو اس کی ٹھنڈک سے اور تربوز کی ٹھنڈک کو کھجور کی گرمی سے کم کرتے ہیں۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حسن کہا ہے۔ علاوہ ازیں امام نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

ابوداؤد کی سند اور نسائی کی اسانید میں سے ایک صحیح ہے بقیہ تمام اسانید حسن ہیں۔

۱۰۸۹-حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہ آپ کھجور اور خربوزہ ملا کر کھاتے تھے۔ اسے امام احمد، نسائی نے کبریٰ میں، ترمذی نے شمائل میں اور ابن السنی نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

"الخربز" (خربوزہ) یہ زرد تربوز کی ایک معروف قسم ہے۔

کھجور دودھ کے ساتھ کھانا

۱۰۹۰-حضرت ابو خالد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک آدمی کے پاس گیا۔ تو وہ دودھ میں کھجور ملا کر نوش کر رہے تھے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ قریب آؤ۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا نام اطیبین فرمایا ہے۔ اسے امام احمد نے ابو خالد کے سوا رجال صحیح سے روایت کیا ہے۔ حالانکہ وہ بھی ثقہ ہیں۔ جیسا کہ ہیثمی نے کہا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ اس کی سند قوی ہے۔

۱۰۹۱-ابونعیم کے نزدیک ایک روایت میں اس طرح ہے۔ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دودھ کھجور کے ساتھ ملا کر استعمال فرماتے تھے۔ اور ان دونوں کا نام اطیبین رکھا تھا۔ حاکم کے نزدیک اس کی شاہد حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ہے۔ اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ لیکن امام ذہبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ طلحہ ضعیف ہے۔

"التمجع" کھجور کو دودھ کے ساتھ ملا کر کھانا۔ یعنی گھونٹ گھونٹ دودھ پینا اور اس کے ساتھ کھجور کھانا۔ واللہ اعلم

کھجور روٹی کے ساتھ کھانا

۱۰۹۲-حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیتے۔ اور اس پر کھجور رکھتے۔ اور

فرماتے۔ ''یہ اس کے لئے ادام (سالن) ہے'' اسے ابو داؤد نے دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جن میں سے ایک میں یزید الاعور ہے۔ اور دوسری میں یحییٰ بن علاء ہے۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے شمائل میں نقل کیا ہے۔ ابو یعلی نے اسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں یحییٰ بن علاء ہے۔ اور طبرانی نے اسے الصغیر میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے نقل کیا ہے۔ اور اس سند میں ایک راوی محمد بن کثیر بن مروان ہے۔ اور وہ ضعیف ہے۔ نتیجتاً حدیث اپنی مذکورہ اسانید کے سبب حسن ہے۔ واللہ اعلم

مکھن کے ساتھ کھجور کھانا

۱۰۹۳۔ بسر سلمی کے دو بیٹے'' عبداللہ اور عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ تو ہم نے مکھن اور کھجور پیش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکھن اور کھجور بہت پسند فرماتے تھے۔ اسے ابو داؤد اور ابن ماجہ نے رجال صحیح سے نقل کیا ہے۔

پرانی کھجور کھانا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تازہ کھجور تناول فرماتے تھے تو اسے کھول کر اندر سے نہیں دیکھتے تھے۔ لیکن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرانی کھجور تناول فرماتے۔ تو اسے اندر سے دیکھتے۔ اس سے گھن باہر نکال دیتے اور پھر کھالیتے۔

۱۰۹۴۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پرانی کھجوریں لائی جاتیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اندر سے غور سے دیکھتے اور ان سے گھن باہر نکال دیتے۔'' اسے ابو داؤد نے دو سندوں سے نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن ماجہ، ابو الشیخ اور امام بغوی نے بھی روایت کیا ہے۔ ابو داؤد اور ابو الشیخ کے رواۃ صحیح ہیں۔ اور ابن ماجہ کی سند حسن ہے۔

گٹھلی پھینکنے کی کیفیت کا بیان

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاق اور آداب میں ضرب المثل ہیں۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آداب واخلاق سیکھے جاتے ہیں۔ اس لئے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور تناول فرماتے۔ تو گٹھلی کھجور زمین پر نہیں پھینکتے تھے۔ بلکہ علیحدہ برتن (ٹرے) میں رکھتے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گٹھلیاں بھی تناول فرماتے تھے۔ لیکن اس حالت میں نہیں، جس طرح وہ کھجور سے نکلتی تھیں۔

۱۰۹۵۔ حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کے پاس تشریف لائے۔ تو ہم نے کھانا اور وطبہ (کھجور، پنیر اور گھی سے تیار کیا ہوا کھانا) پیش کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھجوریں

پیش کی گئیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرماتے تھے۔اور گٹھلی اپنی انگلیوں کے درمیان پھینکتے تھے۔اور انہیں سبابہ(شہادت کی انگلی) اور وسطٰی (بڑی انگلی) کے درمیان جمع فرماتے رہے۔پھر مشروب پیش کیا گیا۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نوش فرمایا۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دائیں طرف سے کچھ اٹھایا۔راوی کہتے ہیں۔میرے باپ نے عرض کی،اس حال میں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری (گھوڑے) کی لگام پکڑے ہوئے تھے۔ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمایئے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دعا فرمائی"اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَھُمْ فِیْ مَارَزَقْتَھُمْ وَاغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ"۔(اے اللہ!ان کے لئے اس میں برکت عطا فرما،جو تو نے انہیں رزق دیا ہے۔ان کی مغفرت فرما اوران پر رحم فرمادے)اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۰۹۶-ایک روایت میں اس طرح ہے۔"کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گٹھلی اپنی انگلیوں کے درمیان رکھتے اور پھر اسے پھینک دیتے۔یعنی سبابہ اور وسطٰی کے درمیان۔

"الوَطْبَۃُ"نضر بن شمیل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔کہ اس سے مراد حیس ہے۔یعنی وہ کھانا جو پکی کھجور،کوٹے ہوئے پنیر اور اعلیٰ گھی سے ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔

۱۰۹۷-حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پختہ کھجوریں تناول فرماتے تھے۔اور گٹھلیاں طشت میں پھینکتے تھے۔حاکم نے اسے روایت کیا ہے۔اور اسے صحیحین کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔اور امام ذہبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم گٹھلیاں کھجوروں کے ساتھ نہیں رکھتے تھے۔بلکہ کھجوروں کے برتن سے باہر طشت میں رکھتے تھے۔واللہ اعلم

تمر،رطب اور عجوہ کے بارے کثیر نصوص موجود ہیں۔لیکن میں نے ان میں سے چند پر اکتفاء کیا ہے۔تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کثرت سے کھانے پر آگاہی ہوجائے۔واللہ تعالیٰ اعلم

کھجور کے چند طبی فوائد کا بیان

اطباء نے کھجور کے عناصر تکوینیہ،اس کے استعمال اوراس سے علاج کے طریقوں اور دیگر منافع وفوائد کے بارے گفتگو کی ہے۔

کھجور خشک پھلوں میں سے ہے۔اور شکر اور گلوکوز کی کثیر مقدار اس میں پائی جاتی ہے۔جیسا کہ حکیم ڈاکٹر محمود ناظم نسیمی نے کہا ہے۔کہ اس کے اجزائے ترکیبیہ میں ستر سے ستاسی فیصد تک اجزائے نشاستہ پائے جاتے ہیں۔اوراس میں"سُکَّرُ العنب"(گلوکوز) غالب ہے۔آلات ہضم تقریباً ایک گھنٹہ کے دوران اس کی شکر کو ہضم کرنے اوراسے جذب کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔اسی لئے روزے دار کے لئے

سنت یہ ہے۔ کہ وہ کھجور اور پانی سے روزہ افطار کرے۔ تا کہ جس میں ان اجزائے سکر یہ کا تیزی سے اضافہ ہو، جو جگر کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ اور جگر طاقت کا وہ مصدر ہے۔ جو سارے بدن میں نشاط اور چستی پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ اس میں شکر کثرت سے پائی جاتی ہے۔ اس لئے شوگر کا مرض لاحق ہونے کے خوف سے کھجور اور رطب کا استعمال اتنا وافر مقدار میں بھی نہیں کیا جا سکتا۔

کھجور میں دو فیصد پروٹینی مواد اور دو تین فیصد چکنائی مواد بھی پایا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں متعدد معدنیات کا مواد بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً تانبہ، گندھک، سوڈا، پوٹاشیم، لوہا اور کیلشیم وغیرہ ان معدنیات کی نسبت، کھجور کی اقسام، پکنے اور خشک ہونے کے درجہ میں تفاوت اور جس زمین میں درخت اگتے ہیں اس کے مزاج کے مختلف ہونے کے سبب مختلف ہوتے ہیں۔

باسفورس تمام پھلوں سے زیادہ کھجور میں پایا جاتا ہے۔ اسی لئے یہ قوۃ فکر میں بالیدگی اور قوۃ مردانگی میں تقویب کا باعث بنتی ہے۔

اسی طرح اس میں میگنیشیم اور میگنیز کے اجزاء بھی پائے جاتے ہیں۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ بعض صحراؤں کے کیکڑا سے خالی ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ ان کھجوروں کے سبب ضائع ہو جاتا ہے جن میں میگنیزیم کثریت سے ہوتا ہے۔

کھجور میں وٹامنز بھی پائے جاتے ہیں۔ وٹامن اے اور اس کے بنیادی اجزاء، وٹامن بی-۱، وٹامن بی-۲ اور وٹامین ڈی۔ ان تمام وٹامنز کے کئی فوائد ہیں۔

اور آیت کریمہ کے بارے کہا۔ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿۲۵﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ (مریم: ۲۵-۲۶) (اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کے تنے کو، تم پر پکی ہوئی کھجوریں گرنے لگیں گی۔ (میٹھے میٹھے خرمے) کھاؤ اور (ٹھنڈا پانی) پیو اور (اپنے فرزند دلبند کو دیکھ کر) آنکھویں ٹھنڈی کرو) کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس عزت افزائی میں طبی حکمت موجود ہے۔ وہ یہ کہ دردزہ میں مبتلا عورت کو میٹھے کھانے اور مشروب کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ درد کے دوران رحم کی تکلیف میں شکر پہنچانے والے اجزاء ختم ہو جاتے ہیں۔ بالخصوص جبکہ اس حالت میں وقت زیادہ گزر جائے۔ چونکہ سکر العنب اور وٹامن بی-۱ رحم کی تکالیف میں تقویت کا باعث ہوتے ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں پکی کھجوروں میں وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں۔ اور یہ شکر اعضائے ہضم کے سبب جلد جذب ہو جاتی ہے۔

اس کے بارے علم الادویہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ پکی کھجوریں گردوں کی جلن کو درست کرنے کا فائدہ دیتی ہیں۔ اور اس کی علامت یہ ہے کہ پیشاب میں شکر پائی جاتی ہے۔

پھر زہر کے بارے یہ کہا۔ کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ زہریلے مرکبات کو ختم کرنے میں جگر کا کام انتہائی وسیع ہے۔ اور یہ اس کے اہم ترین وظائف میں سے ہے۔ اسی لئے سکر العنب مختلف زہر آلود چیزوں کے

علاج اور پرہیز میں داخل ہے۔ اور یہ شکر پھلوں میں سے سب سے زیادہ کھجور، عجوہ، رطب، انگور، انجیر اور کشمش میں پائی جاتی ہے۔

سابقہ طبی اور اقتصادی حکمتوں کے ساتھ ساتھ کئی اور حکمتیں بھی ہوں گی۔ جن میں سے بعض کا اظہار مستقبل میں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ آدمی کو چاہیے، کہ صبح سویرے ناشتے سے قبل سات عجوہ کھجوریں کھائے۔ تا کہ وہ اس کی مٹھاس کو تیزی سے جذب کرلے۔ اور اس کی ایک خاص مقدار جگر میں جمع کرلی جائے۔ کیونکہ یہ زہریلے اثرات کو ختم کرنے اور انہیں معتدل کرنے میں معاون ہوتی ہے......

کھجور اور رطب کے فوائد کے بارے ایک مقالہ جریدۃ القبس الکویتیہ میں ہے۔ اس سے چند فقرات نقل کرتا ہوں۔

مسلمان اطباء نے کہا ہے۔ کہ نفاس والی عورتوں کے لئے سب سے بہتر غذا تمر یا تازہ پکی کھجوریں ہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے اس کے بہت سے خصائص اور متعدد فوائد ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کھجوریں عطا فرمائیں۔ نہ کہ انجیر اور سیب اور نہ ہی انگور اگر ان میں سے کوئی بھی تمر اور رطب سے زیادہ مفید ہوتا۔ تو رب کریم ضرور اور بالفور آپ کو وہ عطاء فرماتے۔ لیکن آپ کے لئے رطب اور تمر کا کھانا عجائب قدرت سے ظاہر ہوا۔

بے شک کھجور ایک ممتاز صحرائی پھل ہے۔ جو اس غذائی مواد سے بھرپور ہے، جو انسان کے لئے ضروری ہے۔ پس اس کا ایک کلوگرام وہ تین ہزار اجزاء عطاء کرتا ہے جو اس قوت حراریہ کے مساوی ہوتے ہیں۔ جس کی ایک متوسط چست انسان کو ایک دن میں ضرورت ہوتی ہے۔

بالفاظ دیگر، ایک کلوگرام کھجور انسان میں وہ قوۃ حراریہ پیدا کرتی ہے۔ جو فی الحقیقت اس میں ایک کلو گوشت پیدا کرسکتا ہے۔ اور پکی کھجوریں (ڈوکے) اتنی حرارت پیدا کرتی ہیں۔ جو اس سے دوگنا ہوتی ہے۔ جو ایک کلو مچھلی پیدا کرسکتی ہے۔

ہمعصر علماء یہ کہتے ہیں کہ کھجور میں وٹامن اے اتنی مقدار میں جمع ہوتا ہے۔ کہ یہ اپنی اعلیٰ نسبت کے سبب مچھلی کے تیل اور مکھن کے مساوی ہوتا ہے۔ اور یہ وٹامن بچوں کی نشو ونما میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اسی لئے اطباء اسے "عام النمو" کا نام دیتے ہیں۔

اسی طرح یہ آنکھ کی رطوبت اور اس کی چمک (روشنی) کی حفاظت کرتا ہے۔ اور آنکھوں میں گڑھے پڑنے، ڈھیلوں کے باہر آنے اور ان پر سرخی چھا جانے کو روکتا ہے۔ اور یہ رتوندے کا مقابلہ کرتا ہے، اور رات کے وقت دیکھنے کی قوت کو انتہائی تیز کردیتا ہے۔ جبکہ دن کے وقت تو قوت بصارت کہیں تیز ہوتی ہے۔ اسی لئے امریکی ہوابازوں نے دوسری جنگ عظیم کے دوران اپنے رات کے حملوں کے لئے

اسے استعمال کیا۔اور یہ ان کے لئے رات کی تاریکی میں اپنے اہداف کونشانہ بنانے میں انتہائی معاون ثابت ہوا۔

اسی طرح کھجور بھی وٹامن اے سے بھرپور ہے۔اور یہ ہمارے لئے آنکھوں کے اعصاب کی تقویت پہنچانے اور نظر کو کمزور ہونے (رتوندے) سے بچانے کے لئے انتہائی مفید ہے۔اس لئے اس میں کوئی اجنبیت نہیں۔کہ صحراء میں رہنے والے اپنی بصارت کے تیز ہونے، اور بہت دور تک دیکھنے میں مشہور ہیں۔اس لئے کہ ان میں کئی دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ ایک عنصر یہ بھی ہے۔کہ وہ کھجور کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔

اطباء قوۃ سماعت کے اعصاب کی تقویت کے لئے بھی وٹامن اے کا انتخاب کرتے ہیں۔لہٰذا کھجور کا استعمال ایسے بوڑھوں کے لئے مفید ہوتا ہے۔جنہیں آواز سننے میں ثقل اور دقت محسوس ہوتی ہے اور ان کے کانوں کے اعصاب کمزور ہو چکے ہوتے ہیں۔

کھجور کے استعمال کے اسرار میں سے ایک یہ بھی ہے۔کہ یہ اضطراب اور قلق میں مبتلا نفوس کو سکون اور راحت عطا کرتی ہے۔طب جدید کہتی ہے کہ بیشک عصبی مزاج ان غدود کی نشاط (چستی) کا سبب بنتا ہے جو گردن کے سامنے موجود ہوتی ہیں۔ جب ان سے نشاط کی علیحدگی زیادہ ہو جاتی ہے۔تو اعصاب سخت ہو جاتے ہیں۔چنانچہ طب نے ان غدود کی نشاط کو برقرار رکھنے کے لئے بعض سبزیاں اور پھل ہی منتخب کئے ہیں۔مثلاً گاجر، پالک، کیلا وغیرہ۔لیکن کھجور ان تمام پھلوں میں آگے آگے ہے۔اسی لئے طب نے عصبی مزاج رکھنے والوں کو پرسکون رکھنے اور ان کے زندگی سے زچ ہونے میں تخفیف کے لئے اس کے استعمال کی نصیحت کی ہے۔اور اس کا سبب یہ ہے۔کہ کھجور میں وٹامن اے کثیر مقدار میں پایا جاتا ہے۔جس کی ان غدود درقیہ میں گردش انتہائی اہم ہوتی ہے۔

قدرتی اور طبعی مصادر سے اطباء اعصابی مریضوں کو وٹا سنز فراہم کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔مثلاً کھجور۔ یہ انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہے۔خشکی اور دیگر ایسے امور مسکنہ اور معدہ کے اثرات کو ختم کرنے کے لئے، جو کہ خون کو منجمد کر دیتے ہیں، عزائم کو کمزور کر دیتے ہیں اور پھر کمزوری اور سستی کا سبب بنتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی کتنا حسین ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی توجہ اس جانب دلائی۔اور آپ اس وقت اپنے انتہائی گرم موقف ولادت کے درد میں مبتلا تھیں۔تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ارشاد فرمایا۔ وَ هُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا۟ فَكُلِيْ وَ اشْرَبِيْ وَ قَرِّيْ عَيْنًا (مریم:۲۵-۲۶) یعنی اپنے نفس کو خوش کرو اور اس نعمت سے راحت وسکون حاصل کرو۔

اسی طرح یہ وٹامن بی اور اس کی اقسام پر مشتمل ہے۔یہ وٹا سنز خون کے اجزاء کو نرم کرتے ہیں اور اعصاب کو تقویت دیتے ہیں۔اسی طرح یہ آنتوں کو تر رکھتے ہیں اور انہیں سوزش اور ضعف سے محفوظ

رکھتے ہیں۔

اسی لئے اطباء اعصاب کی تکالیف سے بچنے کے لئے اور بالخصوص اعضاء کو شل ہونے سے بچانے کے لئے یہ وٹامنز تجویز کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ ایسے آدمی کے لئے ان کا انتخاب کرتے ہیں۔ جو استرخاء قلب اور معدے کے زخم کا مریض ہو اور پھر انتہائی سخت محنت طلب کام کرنے اور اہم ترین فکری کام کرنے کے لئے بھی آدمی ان ہی کا محتاج ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں کمزور افراد، ورزش کرنے والوں اور مفکرین کے لئے ان کی ہی نصیحت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو جگر کی بیماری میں مبتلا ہوں، ہونٹ پھٹ جاتے ہوں، ناخن ٹوٹ جاتے ہوں اور جلد خشک ہو جائے، تو ایسے افراد کے لئے بھی یہی وٹامنز مفید ہوتے ہیں۔

اطباء میں سے ایک نے مجھے کہا۔ کہ میں نے چوہوں کی ایک جماعت پر اہم ترین تجربہ کیا ہے۔ کہ میں نے انہیں میٹھی اشیاء میں سے کوئی چیز کھلا دی۔ اور بہت جلد ان پر وہ اضطرابی عوارض ظاہر ہوئے، جو ان سے محرومی کو ظاہر کرنے لگے، ان کی چستی کم ہوگئی، ان کے جسم ڈھیلے پڑ گئے، ان کے بال گر گئے اور ان کے پاؤں میں چلنے کی قوت باقی نہ رہی۔ پھر جب میں نے انہیں بطور غذا کھجور کھلائی۔ تو ان کے عوارض ختم ہو گئے اور چوہوں میں ایک نئی زندگی اور تازہ قوت لوٹ آئی۔ اس سے مراد یہ ہے۔ کہ اطباء شوگر کے مریضوں کو یہ نصیحت کرتے ہیں۔ کہ وہ میٹھی اشیاء ہرگز نہ کھائیں۔ بالخصوص ایسی اشیاء جن میں سکر العنب پائی جاتی ہے، کھجور میں سکر العنب کا مواد سب سے زیادہ ہے۔ اور جسم بڑی تیزی سے اسے جذب بھی کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہمعصر علماء میں سے ایک ایسے عالم نے تجربہ کیا، جو شوگر میں مبتلا تھے اور کامل پانچ ماہ تک کھجور کا استعمال کیا۔ لیکن ان میں شوگر کی زیادتی کے آثار ظاہر نہیں ہوئے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کے تحت کہا ہے۔ ''جس نے صبح سویرے سات عجوہ کھجوریں کھائیں......'' کہ اس میں کوئی مانع نہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کسی شہر کو ممتاز اوصاف کے ساتھ خاص کر دے، جو دوسرے شہروں میں موجود نہ ہوں۔ جیسا کہ بعض بیماریوں کے لئے شفاء ایسی ادویات میں پائی جاتی ہے۔ جو بعض شہروں میں پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ اس جنس کی ادویات جو دوسرے شہروں میں پائی جاتی ہیں، وہ ان ہی بیماریوں کے لئے شفا کا سبب نہیں بنتی۔ تو یہ تفاوت زمین اور ہوا کی تاثیر مختلف ہونے کے سبب ہوتا ہے۔ تو چونکہ مدینہ طیبہ میں عجوہ کھجوروں حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے کاشت کی تھیں، اس لئے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دست مبارک کی برکت شامل ہے......

پھر ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔ کہ میں نے بذات خود اس کا تجربہ کیا۔ جبکہ میں ۱۳۸۴ھ میں حج کے لئے وہاں گیا۔ تو میں نے مکمل پانچ ماہ تک مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں سے سات علی

الصبح مسلسل استعمال کیں۔ حالانکہ میں شوگر کا مریض تھا۔ بعدازاں میں نے پیشاب اور خون کی مکمل چیک اپ کرائی۔ تو پیشاب میں شوگر کا کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ اور خون میں اس درجے سے اضافہ نہ ہوا، جو حج کے سفر سے پہلے تھا۔" انظر مقالی فی ذالک فی مجلة "حضارة الاسلام" فی العدد الثالث من النسة الخاصة" اور یہ بھی کہا۔ کہ کثیر لوگوں نے اس کا تجربہ کیا۔ اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں۔ تو اس کا صدق اظہر من الشمس ہو گیا۔ جب عجوہ کے فوائد ثابت ہو گئے۔ تو پھر یہ ان کے کھانے پر برانگیختہ کرتے ہیں۔

یہ پختہ بات ہے۔ بلکہ طب جدید میں بھی ہے۔ کہ عجوہ غذا ہیں، معدہ کے لئے ملین ہیں، جسم کے لئے باعث نشاط ہیں اور جسم میں منتشر کیڑوں کو ہلاک کرنے والی ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ اندرونی امراض جو آنتوں کے تعفن اور کیڑے پھیلنے کے سبب ہوں۔ وہ زہر ہوتی ہیں۔ جب ان کا معاملہ بڑھ جائے، تو انسان کی زندگی کو ہلاکت تک پہنچا دیتی ہیں......" الخ

مدینہ طیبہ کی کھجوروں کے بارے یہ وہ بعض آثار، نتائج اور نصوص ہیں۔ جنہیں میں نے ذکر کرنا پسند کیا، اب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں۔ اسے ہمارے لئے نفع بخش بنائے۔ اور وہ کچھ ہمیں سکھائے۔ جو ہمارے لئے نفع بخش ہو۔ بیشک وہ اس پر قادر ہے۔ اور اس پر مدد فرمانے والا ہے۔

مدینہ طیبہ کی اطراف کو خالی رکھنے کی کراہت کا بیان

مدینہ طیبہ کے فضائل اور اس سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی علامت یہ امر بھی ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی اطراف کو رہنے والوں سے خالی رکھنا ناپسند فرماتے تھے۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ترغیب دیتے تھے۔ کہ مدینہ طیبہ کے باسیوں کو اس کے متفرق مقامات پر رہنا چاہیے۔ اور انہیں ایک ہی جگہ میں جمع نہیں ہونا چاہیے۔ اگرچہ وہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے قریب اور جوار میں ہی ہو۔

آج کل شہروں کے نقشے تیار کرتے وقت نظریہ کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔ تاکہ شہر کا رقبہ وسیع ہو۔ اور ایک جانب میں لوگوں کا اجتماع نہ ہو۔ ایک جانب میں لوگوں کے اجتماع میں اگرچہ قرب کے فوائد بھی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ صحت، نفاست، کیفیت اور اجتماعیت کے اعتبار سے کثیر نقصانات بھی ہیں۔

۱۰۹۸۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ بنو سلمہ نے مسجد نبوی کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کو خالی کرنے کو ناپسند فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا۔ "اے بنی سلمہ! کیا تم اپنے نشانات قدم کو شمار نہیں کرتے؟" تو انہوں نے اپنی ہی جگہ پر اقامت قائم رکھی۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔

آپ کا قول "ان تعری المدینه" کا معنی ہے "کہ وہ اسے خالی چھوڑ دیں" کہا جاتا ہے۔ "اَعْرَاهُ"

اس نے اسے خالی چھوڑ دیا۔ یعنی ''اَخْلَاہُ'' اور'' العراءُ'' خالی زمین کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ قول بھی ہے۔'' کہ العراء'' وسیع زمین کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ قول بھی ہے۔ کہ وہ جگہ جو کسی چیز سے ڈھانپی ہوئی نہ ہو۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس لئے مسجد کے قریب آنے سے روکا۔ تاکہ مدینہ طیبہ کی اطراف وہاں رہنے والوں سے آباد رہیں۔ اور وہ مسجد کی جانب زیادہ قدم چل کر آنے کے سبب زیادہ اجر وثواب سے مستفید ہوتے رہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۰۹۹- حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ کہ مسجد کے اردگرد جگہ خالی تھی۔ تو بنو سلمہ نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ جب یہ خبر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا '' مجھے یہ خبر پہنچی ہے، کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ رکھتے ہو۔'' انہوں نے عرض کی! جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔'' اے بنی سلمہ، اپنے گھروں میں رہو۔ تمہارے نشانات قدم سے جاتے ہیں۔ اپنے گھروں میں رہو، تمہارے نشانات قدم لکھے جاتے ہیں'' اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۱۰۰- مسلم شریف میں ایک روایت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح مروی ہے۔'' کہ ہمارے گھر سے مسجد بہت دور تھی۔ ہم نے ارادہ کیا، کہ ہم اپنے گھر بیچ دیں، اور مسجد کے قریب آ جائیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منع فرمایا۔ اور ارشاد فرمایا'' بے شک تمہارے لئے ہر قدم کے عوض ایک درجہ ہے۔''

۱۱۰۱- مسلم شریف میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک تیسری روایت اس طرح مروی ہے۔ کہ بنو سلمہ نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا۔ درآنحالانکہ وہاں جگہ خالی تھی۔ پس جب اس کی خبر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔'' اے بنی سلمہ! اپنے گھروں میں ہی رہو۔ تمہارے نشانات قدم لکھے جاتے ہیں۔'' تو انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے کتنا خوشی کا باعث ہوتا کہ ہم منتقل ہو جاتے۔

لہٰذا اگر وہ اور دوسرے لوگ مسجد کے جوار میں منتقل ہو جاتے تو ان کے سبب مدینہ طیبہ تنگ ہو جاتا۔ اور اس کی اطراف فارغ رہتی۔ تو اس سے نواح میں متعدد شدید خطرات لاحق ہو جاتے، حتیٰ کہ پرامن اطراف بھی خطرات سے دوچار ہو جاتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱۰۲- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ بنو سلمہ مدینہ طیبہ کی ایک طرف میں رہتے تھے۔ تو انہوں نے مسجد کے قریب منتقل ہونے کا ارادہ کیا۔ تو اس وقت یہ آیت طیبہ نازل ہوئی۔ اِنَّا نَحْنُ نُحْیِ الْمَوْتٰی وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ (یٰسین: ۱۲) (بے شک ہم ہی زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھ لیتے ہیں (ان اعمال کو) جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے آثار کو) تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" بے شک تمہارے آثار کولکھا جاتا ہے۔ پس وہ ادھر منتقل نہ ہوئے۔" اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور اسے حسن کہا ہے، حاکم نے روایت کیا، اور صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام ذہبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی توثیق کی ہے۔ علاوہ ازیں اسے عبدالرزاق، ابن ابی حاتم، طبری اور بزار نے بھی روایت کیا ہے۔

۱۱۰۳- حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ انصار کے گھر مسجد سے دور تھے تو انہوں نے قریب آنے کا ارادہ کیا۔ تو پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔" وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ "تو آپ فرماتے ہیں۔ کہ پھر وہ اپنے گھروں میں ہی ثابت رہے۔ اسے ابن ماجہ اور امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الزہد میں اور عبد بن حمید، طبری اور طبرانی وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتح الباری میں کہا ہے۔ کہ اس کی سند جید ہے۔ یہ موقوف روایت ہے۔ اس کی شاہد حدیث سابق بھی ہے۔ واللہ اعلم

فضائل بقیع کا بیان

بقیع کے فضائل بھی مدینہ طیبہ کے ہی فضائل ہیں۔ اور یہ کثیر ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت اہل بقیع کے لئے دعا اور استغفار کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اور انہیں سلام فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن کے وقت بھی ان کی زیارت کرتے اور جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کوئی فوت ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی نماز میں وہاں حاضر ہوتے، اور وہاں تشریف فرما کر دفن کا انتظار کرتے۔ اور مدینہ طیبہ میں فوت ہو جانے والے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور شہادت کو اسی کی جانب منسوب کیا جاتا تھا۔

اسی طرح بقیع کے فضائل میں سے یہ بھی ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد زمین کے قبرستانوں میں سے سب سے پہلے اہل بقیع کو ہی اٹھایا جائے گا۔ اور انہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گروہ اور ساتھیوں کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

پھر اہل بقیع کے بارے یہ بھی مذکور ہے۔ کہ ان میں صحابہ کرام، آل بیت اظہار، تابعین، تبع تابعین، صالحین اور ہمارے زمانے تک کے علماء میں سے ایسے افراد مدفون ہیں۔ جو مؤلفہ کے ساتھ بہت زیادہ محبت کرنے والے تھے۔ اور جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ وہ جنت میں داخل ہونگے۔ اور ان کے چہرے چودھویں کے ماہ تمام کی طرح روشن ہوں گے۔ اور وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے۔ علاوہ ازیں بھی کثیر فضائل ہیں۔

مدینہ طیبہ میں فوت ہونے والے کے لئے حضور ﷺ کی شفاعت کا بیان

یہ عنوان اس سے قبل دوسرے باب میں گزر چکا ہے۔ میں نے وہاں سے متعلقہ متعدد احادیث ذکر کی ہیں۔ ان میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ ہے ''کہ جس پر مدینہ طیبہ میں موت کا وقت آجائے اسے چاہیے کہ وہیں فوت ہو۔ بے شک جو وہاں فوت ہوگا، میں اس کی شفاعت کروں گا'' اسے امام احمد، ترمذی اور ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی اور ابن حبان نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن ماجہ وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے۔

اسی طرح حدیث ''صُمَیْتَة رضی اللہ عنہا'' میں یہ گزرا ہے''...... جو مدینہ طیبہ میں فوت ہوگا ہم اس کی شفاعت کریں گے۔ اور اس کی شہادت بھی دیں گے۔'' اسے ابن حبان'' طبرانی نے کبیر میں اور نسائی نے الکبریٰ میں نقل کیا ہے۔

حضرت سبیعۃ الاسلمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں اس طرح ہے۔ ''کوئی ایک وہاں (مدینہ طیبہ) میں فوت نہیں ہوگا مگر میں قیامت کے دن اس کے لئے شفیع اور شاہد ہوں گا'' اسے طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الکبیر میں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شعب میں نقل کیا۔ اور یہ روایت حسن ہے۔ اور حدیث المراۃ الیتیمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اس طرح ہے'' کہ جو مدینہ طیبہ میں فوت ہوگا۔ میں قیامت کے دن اس کے لئے شاہد یا شفیع ہوں گا'' اسے طبرانی نے رجال صحیح سے نقل کیا ہے۔

حدیث الداریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اس طرح ہے۔'' کہ جو کوئی وہاں فوت ہوگا۔ میں قیامت کے دن اس کے لئے شہید اور شفیع ہوں گا'' اسے طبرانی نے الکبیر میں ثقہ روایت سے نقل کیا ہے۔ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں اس طرح ہے۔'' کہ جو کوئی حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہوگا۔ اسے قیامت کے دن پرامن اٹھایا جائے گا'' یہ روایت طبرانی نے الاوسط اور الصغیر میں اسناد حسن کے ساتھ نقل کی ہے۔ اور اس کے دوسرے شواہد بھی ہیں۔ واللہ اعلم

اکثر وہ لوگ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں فوت ہوتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازوں میں تشریف لے جاتے تھے۔ انہیں بقیع میں ہی دفن کیا جاتا تھا۔ حالانکہ اس وقت دوسرے قبرستان بھی موجود تھے ان میں سے ایک وہ ہے جو مسجد قبلتین کے قریب ہے۔ کیا اب اس کے ارد گرد چاردیواری بنائی گئی ہے یا کسی اور کے گرد؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اسی طرح کا ایک قبرستان مسجد الفتح کے پاس بھی پایا جاتا ہے۔ اور بقیع قبرستان نہیں تھا۔ اس میں سب سے پہلے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دفن کیا گیا۔

بقیع میں سب سے اول دفن ہونے والے کا بیان

مدینہ طیبہ میں مہاجرین میں سے سب سے اول حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔ اور انہیں ہی سب سے پہلے بقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سلف قرار دیا۔ کہ ان کے اہل سے جو فوت ہوگا اسے ان کے ساتھ دفن کیا جائے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم اور صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بھی وہیں دفن کیا۔

انصار کے قول کے مطابق یہ بھی ہے کہ اس میں سب سے اول حضرت اسعد بن زرارہ کو دفن کیا گیا۔ جب کہ مہاجرین یہ کہتے ہیں۔ کہ بقیع میں سب سے اول حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ دفن کئے گئے۔ واللہ اعلم

پھر مہاجرین وانصار کی قبریں ملتی گئیں۔ یہاں تک کہ یہ کہا گیا ہے کہ بقیع میں دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دفن ہو گئے۔ واللہ اعلم

۱۱۰۴۔ حضرت مطلب بن عبداللہ بن حنطب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔ ان کا جنازہ لایا گیا اور انہیں دفن کر دیا گیا۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو پتھر اٹھا کر لانے کا حکم ارشاد فرمایا۔ لیکن وہ اس پتھر کو نہ اٹھا سکا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اٹھے اور اپنی آستینیں چڑھائیں۔ مطلب کہتے ہیں۔ کہ اس نے کہا، جس نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واقعہ کی خبر دی۔ کہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوؤں کی سفیدی دیکھ رہا ہوں، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آستینیں چڑھائیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پتھر اٹھایا۔ اور ان کے سر کے پاس آ کر رکھ دیا۔ اور فرمایا۔ "اَتَعَلَّمُ بِهَا قَبْرَ اَخِیْ وَاَدْفُنُ اِلَیْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِیْ" کہ میں اس کے ذریعے اپنے بھائی کی قبر پہچانوں گا اور اپنے اہل سے فوت ہونے والوں کو اس کے ساتھ دفن کروں گا۔ اسے ابوداؤد اور ابن شبہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ جس نے اسے مرسل گمان کیا ہے۔ اسے وہم ہوا ہے۔ کیونکہ حدیث میں یہ الفاظ ہیں۔ "وَقَالَ الَّذِیْ یُخْبِرُنِیْ ذَالِکَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : کَاَنِّیْ اَنْظُرُ......"

اس کی شاہد حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی ہے۔ جسے ابن ماجہ نے سند حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

۱۱۰۵۔ حضرت اسود بن سریع رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے تو مسلمانوں نے اس پر دکھ کا اظہار کیا۔ پھر جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا۔ "اِلْحَقِیْ بِسَلَفِنَا الصَّالِحِ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ" (ہمارے سلف صالح عثمان بن مظعون کے ساتھ مل جاؤ۔" راوہ الطبرانی ورجالہ ثقات۔

۱۱۰۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے۔ تو ایک عورت نے کہا تمہیں جنت مبارک ہو۔ اے عثمان بن مظعون تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جانب غصے سے دیکھا اور فرمایا "تو کیسے جانتی ہے؟" تو اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تمہارے گھوڑ سوار اور تمہارے ساتھی ہیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "قسم بخدا! میں اللہ کا رسول ہوں میں نہیں جانتا جو کچھ میرے ساتھ کیا جائے گا۔ تو لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دکھ کا اظہار کیا۔

بعدازاں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اِلْحَقِیْ بِسَلَفِنَا الصَّالِحِ الْخَیْرِ : عثمان بن مظعون ......" الحدیث۔ اسے امام احمد، طبرانی، حاکم، ابن سعد، ابونعیم اور ابن شبہ نے روایت کیا ہے۔ امام ذہبی نے تلخیص المستدرک میں کہا ہے۔ کہ اس کی اسناد صالح ہے۔ اور ہیثمی نے کہا ہے۔ کہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں۔ اور بعض میں اختلاف ہے۔

۱۱۰۷۔ میں کہتا ہوں کہ امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک روایت میں ابن شبہ، طبرانی اور ابونعیم ......اور پھر اسی طرح طبرانی نے الاوسط میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث نقل کی ہے۔ لیکن اس کی سند میں ایک راوی صالح المری ہے۔ جو ضعیف ہے۔ "کہ جب حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا۔ تو اس میں زینب کی جگہ حضرت رقیہ کا نام ہے۔" لیکن یہ وہم ہے کیونکہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وصال ہوا، تو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر میں تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد فتح ونصرت کی بشارت لے کر مدینہ طیبہ آیا۔ تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے دفن سے فارغ ہو چکے تھے۔ اور ان کے ساتھ حضرت اسامہ بن زید تھے۔

اور اس کے ساتھ یہ بھی ہے۔ کہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات حضرت عثمان بن مظعون بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال سے پہلے ہوئی۔ کیونکہ وہ غزوہ بدر کے وقت میدان بدر میں حاضر تھے۔ کہ ادھر مدینہ طیبہ میں حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فوت ہوگئیں، پھر انہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوار میں کیسے دفن کیا جا سکتا ہے؟

اس میں صحیح وہی روایت ہے۔ جو میں نے پہلے ذکر کی ہے۔ یعنی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ واللہ اعلم

اور اس میں یہ احتمال بھی ہے۔ کہ اس سے مراد حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہوں کیونکہ حضور نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دفن کے وقت حاضر تھے۔ اور ان کی قبر کے پاس بیٹھے رہے۔ حضرت ام کلثوم اور حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ازواج تھیں۔ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شادی مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ پھر انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ اور بعد ازاں مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے۔ جب ان کی وفات ہوئی، تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نکاح حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کر دیا۔ اور ان کا وصال بھی انہی کے پاس ہوا۔ واللہ اعلم

راوی کا قول "قالت امراۃ" اس کے بارے اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اپنی زوجہ محترمہ تھیں۔ ایک قول یہ ہے۔ کہ وہ ام خارجہ ابن زید تھیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ وہ ام العلاء الانصاریہ تھیں۔ واللہ اعلم

اور پہلی روایت میں یہ قول "اَتَعَلَّمُ بِهَا قَبْرَ اَخِيْ" تو اس سے رضاعی بھائی مراد ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب البقیع میں مدفون مشہور لوگوں کا ذکر آئے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بقیع کی بار بار زیارت کرنے کا بیان

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کثرت سے اہل بقیع کی زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سلام فرماتے، اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میتوں کے جنازے پڑھانے اور دفن کے علاوہ تقریباً ہر ہفتے میں وہاں تشریف لے جاتے تھے۔

۱۱۰۸- حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں۔ کہ جب کبھی ان کی رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم رات کے آخری حصہ میں بقیع کی طرف تشریف لے جاتے تھے۔ اور انہیں اس طرح سلام فرماتے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ ، وَاَتَاكُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ ، غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ ، وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

حدیث کے الفاظ "كلمّا كان ليلتها ...... يخرج ......" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار بقیع جانے اور اس پر استمرار اختیار کرنے کی دلیل ہیں۔ کیونکہ ان میں لفظ "كلمّا" الفاظ عموم میں سے ہے۔ اور یہ تجدد و استمرار کا تقاضا کرتا ہے۔ اور "یخرج" فعل مضارع ہے۔ یہ بھی تجدد، استمرار اور تکرار کا تقاضا کرتا ہے۔ واللہ اعلم

۱۱۰۹- حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل مدینہ کی قبور کے پاس سے گزرتے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے۔ "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ ، وَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَ لَكُمْ ، اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ ، وَ

نَحْنُ بِالْأَثَرِ" اسے ترمذی سے روایت کیا ہے۔ اور اسے حسن کہا ہے۔

۱۱۱۰- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبرستان کی طرف نکلے۔ اور فرمایا۔" اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَقَوْمٍ مُؤْمِنِيْنَ ، وَإِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَا حِقُوْنَ ، وَدِدْتُ اَنِّيْ قَدْرَأَيْتُ إِخْوَانَنَا ......" الحدیث۔ (تم پر سلام ہو، اے اہل ایمان کی جماعت، اگر اللہ تعالی نے چاہا، تو ہم تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ میں یہ پسند کرتا ہوں، کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھوں) اسے امام مالک، امام احمد اور امام مسلم وغیرہم نے سے نقل کیا ہے۔

۱۱۱۱- حضرت بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا، اور بقیع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا۔ تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا۔" اَلسَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" میرا تسمہ کٹ گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا۔ " اپنا قدم اٹھا" میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میری تنہائی لمبی ہو گئی۔ اور میں اپنی قوم کے گھر سے دور ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" اے بشیر کیا تو اس کی تعریف نہیں کرے گا جس نے تجھے ربیعہ کے درمیان پیشانی سے پکڑا تھا: یعنی یہ وہ قوم ہے جو یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ اگر یہ لوگ نہ ہوتے، تو زمین اپنے اوپر رہنے والوں کو نگل جاتی۔" اسے طبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں ثقہ راویوں سے نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں کثیر نصوص موجود ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بقیع کی زیارت کا تذکرہ ہے۔

دفن کے دوران بقیع میں قبر کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے، اور قبر کی کھدائی مکمل ہونے یا میت کے دفن ہونے تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام سے گفتگو فرمانا اور دیگر امور کے بارے کثیر روایات ہیں۔

اولاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبور کی زیارت سے منع فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ ابھی تک لوگوں کے لئے شرک اور بتوں کی عبادت کا دور قریب تھا۔ اور وہ نئے نئے دین اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن جب ان کے دلوں میں ایمان پختہ ہو گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زیارت قبور کی اجازت عطا فرما دی، کیونکہ وہ انہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔ اور عورتوں کے لئے یہ نہی انتہائی شدید تھی۔ اس لئے زائرات کے حق میں لعنت وارد ہوئی ہے۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کی زیارت کی۔ اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت عطا فرمائی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور کی اجازت مرحمت فرما دی، اور یہ فتح مکہ کے وقت ہوا۔

۱۱۱۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ

ماجدہ کی قبر کی زیارت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنسو بہائے اور اپنے پاس والوں کو بھی رلا دیا...... الحدیث۔ اور اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ ''واستاذنتهٗ فِیْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاَذِنَ لِیْ ، فَزُوْرُوْا الْقُبُوْرَ ، فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ'' (اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ان کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت طلب کی، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت عطا فرما دی ہے۔ لہٰذا تم قبور کی زیارت کرو، بے شک یہ موت کی یاد دلاتی ہے) اسے مسلم نے روایت کیا ہے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ دیگر افراد سے بھی مروی ہے۔ جیسا کہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد گرامی بالتواتر مروی ہے۔ ''قد نهيتكم عن زيادرة القبور فزوروها ...... (تحقیق میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا، پس اب تم زیارت کیا کرو......) جیسا کہ حضرت بریدہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی، حضرت ام عطیہ، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ، حضرت ابو سعید، حضرت ام سلمہ، حضرت زید بن خطاب، حضرت ثوبان، حضرت ابن مسعود، حضرت انس، حضرت واسع بن حبان، حضرت ابو ذر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ حدیث مروی ہے۔ واللہ اعلم۔

تو جس طرح زیارت قبور کے بارے نہیں عام تھی، اسی طرح اس کی اجازت بھی عام ہے۔ لیکن یہ دو شرائط سے مقید ہے۔ ایک آخرت کی یاد دلانا، اور دوسری عبرت حاصل کرنا۔

۱۱۱۳- حضرت عبداللہ بن ابی ملکیہ سے روایت ہے۔ کہ ایک دن حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قبرستان سے آئیں۔ تو میں نے ان سے کہا۔ یا ام المومنین! آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں؟ تو انہوں نے کہا۔ میں اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما کی قبر سے ہو کر آ رہی ہوں۔ تو میں نے ان سے کہا۔ کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا تھا؟ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ جی ہاں! منع فرمایا تھا۔ لیکن پھر زیارت قبور کا حکم ارشاد فرمایا تھا۔'' یہ روایت حاکم نے بیان کی ہے۔ اور امام ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابن ماجہ اور بزار نے اسے مختصراً روایت کیا ہے۔ علامہ ہیثمی نے کہا ہے۔ کہ اس کے راوۃ ثقہ ہیں۔ اور بوصیری نے کہا ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہیں۔ اور رواۃ ثقہ ہیں۔

۱۱۱۴- حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے، کہ وہ قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''اِتَّقِیْ اللّٰهَ وَاصْبِرِیْ'' (کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر اور صبر اختیار کر) تو اس نے کہا: آپ میرے پاس سے چلے جائیں۔ بے شک آپ کو میرے جیسی مصیبت اور تکلیف نہیں پہنچی۔ اس نے یہ اس لئے کہا، کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں تھا۔ پھر اسے بتایا گیا۔ یہ تو حضور نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم تھے۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، اور آپ کے پاس کوئی دربان نہیں پایا۔ اور آ کر کہا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک صبر پہلے صدمہ کے وقت ہی ہوتا ہے۔" متفق علیہ۔

اکثر علماء کا مذہب یہ ہے۔ کہ عورتیں بھی زیارت قبور کی اجازت میں داخل ہیں۔ بشرطیکہ وہ فتنے سے پرامن ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ عنقریب حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ذکر کی جائے گی۔ تو میں اس کا ذکر کروں گا جو کچھ آپ زیارت قبور کے وقت کہا کرتی تھیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جانب سے زیارۃ بقیع کا حکم

بقیع کے فضائل میں سے یہ بھی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ارشاد فرمایا کہ وہ بقیع آئیں۔ اور وہاں کے باسیوں کے لئے استغفار فرمائیں۔ یہ حکم حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی حیات طیبہ کے آخر میں ہوا۔ شاید یہ اس وقت تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندوں اور مردوں کو الوداع فرما رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لاتے، ان کے لئے استغفار کرتے، دعا مانگتے اور انہیں سلام فرماتے۔

۱۱۱۵۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ میں تمہیں اپنے واسطے سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ایک حدیث عہ بیان کروں؟ تو ہم نے کہا۔ کیوں نہیں۔ تو پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا۔ کہ ایک ایسی رات جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس پلٹے، اپنی چادر مبارک رکھی، اور نعلین مبارک اتارے۔ اور انہیں اپنے پاؤں کے قریب رکھ دیا۔ اور پھر اپنی چادر ایک طرف بستر پر بچھائی، اور پہلو کے بل لیٹ گئے۔ اور اتنی دیر ٹھہرے رہے، جتنی دیر میرے جاگتے رہنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمان رہا۔ پھر جب میں سو گئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے اپنی چادر اٹھائی، آہستہ آہستہ نعلین پہنے، دروازہ کھولا اور باہر تشریف لے گئے۔ اور پھر آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔ میں نے اپنی قمیض اپنے سر میں ڈالی، اوڑھنی لی، اور اپنی چادر لپیٹی۔ اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل پڑی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں تشریف لائے۔ اور طویل وقت تک وہاں قیام فرما رہے۔ پھر تین مرتبہ دعا کے لئے اپنے دست مبارک اٹھائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس چلے۔ تو میں بھی واپس چل دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز چلے، تو میں بھی تیز چلنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوڑے، تو میں بھی دوڑنے لگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفتار میں اور تیزی کی، تو میں بھی اور تیز ہو گئی۔ حتیٰ کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پہنچ گئی۔ پس اتنا ہی ہوا، کہ میں گھر میں داخل ہو کر لیٹی ہی تھی کہ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر میں تشریف لے آئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آتے ہی ارشاد فرمایا۔

اے عائشہ تجھے کیا ہوا۔ سانس اور پیٹ کیوں پھولا ہوا ہے؟ تو میں نے عرض کی کچھ بھی نہیں، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو مجھے خبر دے گی یا پھر لطیف وخبیر رب مجھے مطلع کرے گا'' تو میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کیا وہ سیاہ سایہ جو میں نے اپنے سامنے دیکھا، وہ تو ہی تھی؟ تو میں نے عرض کی۔ جی ہاں۔ پھر آپ نے میرے سینے میں ایک سخت ضرب لگائی۔ جس نے مجھے درد میں مبتلا کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تیرا یہ گمان ہے، کہ اللہ اور اس کا رسول تیرے ساتھ زیادتی کریں گے؟ میں نے عرض کی۔ لوگ جو کچھ چھپاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے آپ کو مطلع فرما دیتا ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جی ہاں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تو نے دیکھا اس وقت جبریل امین میرے پاس آئے، اور انہوں نے مجھے آوازی دی۔ اور اس آواز کو تجھ سے مخفی رکھا۔ تو میں نے انہیں جواب دیا۔ اور اس جواب کو تجھ سے مخفی رکھا۔ اور وہ تیرے پاس (گھر میں) داخل نہیں ہو سکتے، اس حال میں کہ تو نے کپڑے اتار رکھے ہوں۔ اور میں نے گمان یہ کیا، کہ تو سو گئی ہے۔ اور تجھے بیدار کرنا میں نے پسند نہیں کیا۔ اور مجھے ڈر تھا۔ کہ تو پریشان ہو گی۔ تو جبریل امین نے مجھے کہا۔ کہ آپ کا رب تمہیں حکم فرما رہا ہے۔ کہ تم اہل بقیع کے پاس آؤ، اور ان کے لئے استغفار کرو۔ ام المومنین فرماتی ہیں۔ میں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں انہیں کیسے کہوں؟ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو اس طرح کہہ۔ ''اَلسَّلَامُ عَلٰی اَهْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ ، وَیَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِیْنَ ، وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَا حِقُوْنَ'' یہ روایت امام مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کی ہے۔

آپ کا قول ''فَاَحْضَرَ فَاُحْضَرْتُ'' تو اس میں الاحضار'' سے مراد دوڑنا ہے۔ لیکن اس میں رفتار ''ھرولة'' (دوڑنا) کی نسبت تیز ہوتی ہے۔

آپ کا قول ''مَالَکِ یا عائش حشیا رابیة'' تو اس سے مراد تیز چلنے کے سبب سانس کا پھول جانا اور کلام میں لڑکھڑاہٹ کا آ جانا ہے۔ حشیا کا معنی ہے سانس کا پھول جانا اور رابیۃ کا معنی ہے پیٹ کا پھول جانا۔

۱۱۱۶- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں۔ کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، اپنے کپڑے پہنے، اور پھر باہر تشریف لے گئے۔ تو میں نے اپنی لونڈی بریرہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے گئی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بقیع میں پہنچ گئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں قریب جا کر اتنی دیر ٹھہرے، جتنی دیر اللہ تعالیٰ نے

چاہا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس مڑے۔ بریرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آ گئی۔ اور اس نے مجھے صورتحال سے آگاہ کیا۔ میں نے صبح تک آپ سے کچھ بھی ذکر نہ کیا۔ بعد ازاں سب کچھ عرض کر دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بے شک مجھے اہل بقیع کی جانب بھیجا گیا، تاکہ میں ان کے لئے دعا کروں۔" یہ روایت امام مالک، نسائی، ابن شبہ اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کی ہے۔ اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور اس کی تائید امام ذہبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کی ہے۔

۱۱۱۷- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی روایت فرماتی ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا۔ تو پھر اچانک آپ کو بقیع میں پالیا۔ تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" **اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَقَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ ، اَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ ، وَاِنَّا بِکُمْ لَا حِقُوْنَ ، اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَھُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَ ھُمْ** "(اے اہل ایمان تم پر سلام ہو، تم ہمارے لئے آگے جانے والے ہو، اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کرنا، اور ان کے بعد ہمیں کسی آزمائش میں مبتلا نہ کرنا) اسے ابوداؤد' ابن ماجہ، ابن شبہ اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ نے رویت کیا ہے۔

۱۱۱۸- رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابومولیھبہ روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل بقیع کے لئے دعا فرمانے کا حکم دیا گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ایک رات میں تین بار دعا مانگی۔ پھر جب دوسری رات آئی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" اے ابومولیھبہ میری سواری پر زین ڈال دو" ابومولیھبہ کہتے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے۔ اور میں چلنے لگا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل بقیع کے پاس پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے۔ میں نے سواری کو روک رکھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس کھڑے ہوگئے۔ اور اس طرح فرمایا" **لیھنکم ما انتم فیه، مما فیه الناس، أتت الفتن كقطع اللیل، یرکب بعضھا بعضاً، الاخرۃ اشدّ من الاولیٰ، فلیھنکم ما انتم فیه**"(تم خوش ہو، اس حال میں جس میں تم ہو، اس سے زیادہ جس میں لوگ ہیں۔ آزمائشیں رات کے کٹنے کی طرح آئیں، اس کے بعض حصے بعض کے ساتھ متصل ہوتے ہیں۔ اور ہر دوسرا پہلے سے زیادہ سخت ہوتا ہے، پس تم جس حال میں ہو خوش رہو)۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس لوٹے، اور فرمایا" اے ابومولیھبہ! مجھے عطا کی گئیں، ان کی چابیاں جو میرے بعد میری امت پر کھولے جائیں گے اور جنت یا اپنے رب کی ملاقات۔ یا فرمایا مجھے دنیوی خزانوں کی چابیوں اور جنت یا اپنے رب کی ملاقات کا اختیار دیا گیا۔" ہے۔ تو میں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ قربان ہوں، مجھے بتائیے۔ تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کے بعد جو

اللہ تعالیٰ چاہے گا وہ ہوگا۔ میں نے اپنے رب کریم کی ملاقات کو اختیار کیا ہے۔" تو اس کے بعد سات یا آٹھ دن گزرے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

۱۱۱۹- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی ایک روایت اس طرح ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے نصف رات کے وقت بلا بھیجا۔ اور فرمایا۔" اے ابو مویہبہ! مجھے اہل بقیع کے لئے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ تو میرے ساتھ چل۔" چنانچہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا ان کے پاس پہنچے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا" **السلام علیکم یا اهل المقابر ، لیهن لکم ما اصبحتم فیه مما اصبح فیه الناس، لو تعلمون ما نجا کم الله منه، اقبلت الفتن کقطع اللیل المظلم، یتبع اوّلها آخرها، الآخرة اشد من الاولی**"(اے اہل قبور تم پر سلامتی ہو، تمہارے لئے سہولت اور آسانی ہے اس حال میں جس میں تم ہو اس سے جس میں لوگ ہیں۔ اگر تم جان لو اسے جس سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں نجات عطا فرمائی ہے، فتنے تاریک رات کے کٹنے کی طرح آتے ہیں۔ اس طرح کہ ہر دوسرا پہلے کے پیچھے آرہا ہے۔ اور دوسرا پہلے کی نسبت زیادہ سخت ہے)۔

ابو مویہبہ کہتے ہیں۔ کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا۔" **یا ابا مویهبة إنی قد أوتیت مفاتیح خزائن الدنیا و الخلد فیها ثم الجنة ، و خیرت بین ذالک و بین لقاء ربی عزوجل والجنة**" (اے ابو مویہبۃ بیشک مجھے دنیا کے خزانوں کی چابیاں، اس میں ہیشگی اور پھر جنت دی گئی ہے۔ اور مجھے ان کے درمیان، اپنے پروردگار کی ملاقات اور جنت کے درمیان اختیار دیا گیا ہے) ابو مویہبہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے عرض کی۔ میرے ماں باپ قربان، آپ دنیا کی چابیاں، اس میں ہمیشہ رہنا اور پھر جنت کو لے لیجئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" نہیں قسم بخدا اے ابو مویہبہ، میں نے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو اختیار کر لیا ہے۔"

پھر اہل بقیع کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، اور پھر واپس مڑے۔ پھر صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ درد شروع ہوا، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض فرمالی۔" اسے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور طبرانی نے کبیر میں دو سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک کی روایت ثقہ ہیں۔ علاوہ ازیں دارمی نے اور دولابی نے الکنی میں، ابن سعد نے اور حماد بن اسماعیل نے ترکۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں، حاکم نے۔ اور انہوں نے اسے صحیح مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تائید کی ہے۔ ابن اسحاق نے، امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الکنی میں، اور بزار نے مختصراً نقل کیا ہے۔

علاوہ ازیں بہت سی ایسی نصوص ہیں۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اہل بقیع کے لئے استغفار، دعا، سلام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں الوداع کہنے کا ذکر ہے۔

''مذکورہ بالا نصوص سے چند فوائد حاصل ہوئے ہیں ان کا ذکر درج ذیل ہے''۔

(۱) اہل بقیع کے لئے استغفار کا حکم

یہ امر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ابو مولیھبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے ثابت ہے۔ ''کہ آپ کا رب آپ کو حکم ارشاد فرما رہا ہے۔ کہ آپ اہل بقیع کے پاس آئیں اور ان کے لئے استغفار کریں''، ''بے شک مجھے اہل بقیع کے پاس بھیجا گیا، تا کہ میں ان کے لئے دعا کروں''، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ اہل بقیع کے لئے دعا کریں''، ''اے ابو مویھبۃ مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں اہل بقیع کے لئے استغفار کروں''۔

(۲) اس حکم کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا۔ جیسا کہ ابو مویھبہ کی حدیث سے ظاہر ہے۔ ''کہ صبح کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس درد میں مبتلا ہوئے، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان قبض فرمائی'' اور پہلی روایت میں یہ ہے۔ ''کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سات یا آٹھ دن ہی ٹھہرے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا''

اسی طرح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس روایت میں بھی مذکور ہے۔ جو میں نے ذکر نہیں کی، اس میں کہا'' **وا رأساه ......** ''(ہائے میرے سر تاج......)۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بقیع کو اس طرح الوداع کیا جس طرح کہ اہل احد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو الوداع فرمایا۔

(۳) مذکورہ تمام نصوص میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان تمام میں رات کے وقت دعا اور استغفار کرنے کے لئے اہل بقیع کی زیارت کرنے کا ذکر ہے۔ اور اس سے قبل دن کے وقت زیارت کرنے کے بارے روایات گزر چکی ہیں۔ تو یہ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ رات یا دن کے وقت جب بھی وقت میسر آئے قبروں کی زیارت کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) ان میں سے بعض روایات میں لفظ صلواۃ مذکور ہے۔ مثلاً'' **إني بعثت الى اهل البقيع لا صلي عليهم**''، ''**اُمِر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يصلي على اهل البقيع**'' تو یہ لفظ دو امروں میں سے ایک کا احتمال رکھتا ہے۔

ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے دعا فرمائیں۔ تو اس طرح اس سے مراد لغوی معنی ہوگا۔

دوسری روایات بھی اس معنی کی شہادت دیتی ہیں۔ مثلاً'' **إن ربك يا مرك ان تاتي اهل**

البقیع فتستغفر لھم" یہ معنی زیادہ واضح اور ظاہر ہے"۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر نماز جنازہ کی طرح نماز پڑھیں۔ میں نے اس جانب شہداء احد کے بیان میں اشارہ کیا ہے۔ اور میں کسی کو بھی نہیں جانتا، جو یہ کہتا ہو، کہ شہید پر اسے دفن کرنے کے آٹھ سال بعد نماز پڑھنا جائز ہے۔

(۵) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے۔ کہ زیارت قبور مردوں اور عورتوں دونوں فریقوں کے لئے جائز ہے۔ اور اس کی نہی منسوخ ہے۔ اس کے بارے روایت بھی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ میں نے اس کا ذکر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر کی زیارت کے بیان کے بعد کیا ہے جیسا کہ چند صفحات قبل مذکور ہے۔

(۶) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مقابلہ میں رفیق اعلیٰ کو اختیار فرمایا۔ اور دنیا میں ہمیشہ رہنے کی طرف رغبت نہ فرمائی۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی فوائد ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اہل مقابر میں سے سب سے اول اہل بقیع کے اٹھائے جانے کا بیان

اہل بقیع کے فضائل میں سے یہ بھی ہے۔ کہ سب سے اول قبور سے انہیں اٹھایا جائے گا۔ وہ اس طرح کہ جب حضرت اسرافیل علیہ السلام صور (قرنا) میں پھونکیں گے۔ تو لوگوں میں سے سب سے پہلے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مزار سے باہر تشریف لائیں گے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل بقیع کے پاس تشریف لائیں گے۔ تو انہیں اٹھایا جائے گا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ کا انتظار فرمائیں گے۔ تو انہیں اہل الحرمین کے درمیان اٹھایا جائے گا۔ اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرہ (گروہ) میں ہوں گے۔ وہ دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی تھے۔ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرہ میں اٹھایا جائے گا۔ اور ان شاء اللہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے سبب جنت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱۲۰- حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "میں وہ پہلا شخص ہوں جس کے لئے زمین شق ہوگی پھر ابوبکر اور پھر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے پھر میں اہل بقیع کے پاس آؤں گا، تو انہیں میرے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ پھر میں اہل مکہ کا انتظار کروں گا۔ تو انہیں حرمین کے درمیان اٹھایا جائے گا۔" اسے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، ابن حبان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حاکم نے روایت کیا ہے۔

اور امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ اور حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن عدی نے کامل میں دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ اور امام ذہبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ عبداللہ کے بھائی عاصم کو محدثین نے ضعیف کہا ہے، اور ابن عدی نے ان کے بارے کہا۔ کہ ان کی احادیث حسن ہیں۔ اور ضعیف کے باوجود ان کی حدیث روایت کی جاتی ہے۔ اور امام سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے حسن کہا۔ اور امام ترمذی نے اپنی سنن میں اسے صحیح بھی قرار دیا۔ واللہ اعلم

اس حدیث کی شاہد باللفظ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ جسے ابن عساکر اور ابن نجار نے اس سند سے روایت کیا ہے۔ کہ عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اپنے باپ سے، وہ اعرج سے، اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اور رزین نے اسے اس حدیث سابق کے تتمہ میں نقل کیا ہے۔ "من استطاع ان یموت بالمدینة" واللہ اعلم۔

اہل بقیع میں سے ستر ہزار بغیر حساب جنت میں داخل کئے جائیں گے

بقیع کے فضائل میں سے یہ بھی ہے۔ اور یہ مدینہ طیبہ کے فضائل میں سے بھی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے ستر ہزار افراد کو اس طرح اٹھائے گا، کہ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہوں گے، اور انہیں بغیر حساب جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اور یہ نا قابل تسلیم بات نہیں۔ کیونکہ اس میں دس ہزار صحابہ کرام ہیں۔ جبکہ کثیر تعداد تابعین، صالحین، علماء اور عبادت گزاروں کی ہے۔ یہ تعداد اس تعداد کے علاوہ ہے۔ جس کے ساتھ یہ امت حشر کے وقت مقدم کی جائے گی۔ کیونکہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار داخل کئے جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۲۱- حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "کیا تم یہ قبرستان دیکھ رہی ہو" بقیع الغرقد"؟ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان میں سے ستر ہزار افراد کو اس طرح اٹھائے گا۔ کہ ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مثل منور ہونگے اور انہیں بغیر حساب کے جنت میں داخل کیا جائے گا۔" پھر عکاشہ بن محصن کھڑے ہوئے۔ عرض کی "انا یا رسول الله" (کیا میں بھی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وانت" (ہاں تو بھی ان میں سے ہوگا) پھر ایک اور اٹھا۔ اور عرض کی "وانا یا رسول الله؟" (اور کیا میں بھی ان میں سے ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سبقک بها عکاشة" (کہ عکاشہ تم سے سبقت لے گیا ہے) اسے طیالسی نے۔ ابن شبہ نے دو اسناد سے، طبرانی نے کبیر میں، محمد بن سنجر نے اپنی مسند میں، ابن حبان نے اپنی ثقات میں اور حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے۔ حاکم نے اس کے بارے سکوت اختیار کیا ہے۔ اور اسی طرح امام ذہبی

نے بھی خاموشی اختیار کی ہے۔ تمام نے اس سند سے یہ حدیث روایت کی ہے۔ کہ سعد بن زیاد ابی عاصم روایت کرتے ہیں۔ نافع مولیٰ حمنہ بنت شجاع سے اور انہوں نے ام قیس سے روایت کی ہے۔ ابن حبان نے سعد اور نافع کا ذکر اپنی ثقات میں کیا ہے۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان دونوں کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ اور ان دونوں میں کسی نوع کی جرح ذکر نہیں کی۔ ابن ابی حاتم نے ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔ اور اپنے باپ سے سعد کے بارے یہ قول ذکر کیا ہے۔ ''یکتب حدیثه و لیس بالمتین'' کہ ان کی حدیث لکھی جاتی ہے۔ حالانکہ یہ مضبوط نہیں ہیں۔ اور دیلمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے اسے روایت کیا ہے۔ اور یہ اس کے لئے شاہد ہے۔ اور ابن شیبہ نے اسے ابن المنکد راور دوسروں سے مرسل ذکر کیا ہے۔

یہ حدیث صحیحین میں بھی مذکور ہے۔ مگر اس میں بقیع کی قید موجود نہیں۔

۱۱۲۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ ''کہ میری امت میں سے ستر ہزار پر مشتمل ایک گروہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ عکاشہ بن محصن اسدی اٹھے، درآنحالیکہ وہ اپنے اوپر دھاریدار چادر لئے ہوئے تھے۔ اور عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! دعا کیجئے اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کردے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اَللّٰهم اجعله منهم'' (اے اللہ! اسے بھی ان میں سے کردے) پھر انصار میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے، کہ وہ مجھے بھی ان میں سے کردے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''سبقک بها عکاشة'' (کہ اس میں عکاشہ تم سے سبقت لے گیا ہے)۔ متفق علیہ

یہ حدیث صحیحین (بخاری و مسلم) میں حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ اور مسلم میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی مروی ہے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ آیا جو کچھ ان کی حدیث میں موجود ہے۔ وہی کچھ ام قیس کی حدیث میں بھی ہے۔ یا وہ علیحدہ واقعہ ہے؟۔ تو یہ بھی احتمالات اس میں ہیں وہ روایات جو واقعہ کے متعدد بار وقوع پذیر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث میں یہ ہے کہ امت پیش ہونے کے وقت ستر ہزار آگے آگے ہوں گے۔ مکمل حدیث کے الفاظ آگے آرہے ہیں۔

۱۱۲۳- اولا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''مجھ پر امتیں پیش کی گئیں۔ تو نبی اپنی امت کے ساتھ گزرنے لگے۔ ہر نبی کے ساتھ مختصر سی

جماعت تھی۔کوئی نبی گزرا،تو اس کے ساتھ دس افراد تھے۔کوئی گزرا،تو اس کے ساتھ پانچ افراد تھے۔اور کوئی نبی بالکل تنہا گزرا۔تو اتنے میں میں نے ایک انبوہ کثیر دیکھا۔میں نے جبریل امین سے کہا۔کیا یہ میری امت ہے؟ تو اس نے کہا۔نہیں آپ افق کی جانب دیکھئے تو میں نے دیکھا۔اور ایک جم غفیر پایا۔(مسلم میں اس طرح ہے۔کہ میں نے ایک سواد عظیم دیکھا۔ پھر مجھے کہا گیا۔دوسرے افق کی جانب دیکھئے۔تو میں نے وہاں بھی سواد عظیم دیکھا۔پھر مجھے کہا گیا،یہ تمہاری امت ہے)اور یہ آگے آگے وہ ستر ہزار ہیں۔جن پر کوئی حساب اور عذاب نہیں ہوگا......الحدیث متفق علیہ

ان ستر ہزار افراد کے یہ اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔'' کہ یہ اپنے آپ کو داغ نہیں دیتے، جادو منتر کرنے کے لئے کسی کو نہیں کہتے، برے شگون نہیں پکڑتے، اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں'' جیسا کہ صحیحین میں ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی روایت میں یہ مذکور نہیں ہے۔جبکہ یہ مسلم شریف میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بھی مذکور ہے۔

ثانیاً۔ستر ہزار سے زائد کا تذکرہ بھی ہے۔اس طرح کہ احادیث میں ستر ہزار سے زائد کا ذکر بھی موجود ہے۔مثلاً

۱۱۲۴۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''میں نے اپنے رب کریم کی بارگاہ میں التجا کی،تو اللہ تعالی نے مجھ سے وعدہ فرمایا۔کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار افراد اس طرح جنت میں داخل کرلے گا،کہ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہوں گے۔تو میں نے ان میں زیادتی کا مطالبہ کیا۔تو اللہ تعالی نے میرے لئے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ فرمادیا۔تو میں نے عرض کی،اے میرے رب اگر میری امت کے مہاجرین اتنے نہ ہوئے تو؟۔تو پھر رب کریم نے فرمایا۔تب میں تیرے لئے اعرابیوں میں سے مکمل کردوں گا۔'' اسے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رجال صحیح سے روایت کیا ہے۔

یہی معنی طبرانی میں حضرت ابو سعد انصاری کی روایت میں ثقہ رواۃ سے مروی ہے۔

علاوہ ازیں امام احمد اور طبرانی نے ابو ایوب سے اور ثوبان سے نقل کئے ہیں۔اور بزار نے ثقہ رواۃ کے ساتھ فلتان سے اور حضرت انس وغیر ہم سے نقل کئے ہیں۔

بعض روایات میں ایک سو ہزار یا چار سو ہزار کا ذکر بھی ہے۔مثلاً

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چار سو ہزار اور کچھ زائد مروی ہے۔یہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رجال صحیح سے روایت کیا ہے۔

اور حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تین سو ہزار اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سو ہزار اور کچھ زائد کا ذکر بھی ہے۔اسے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سند حسن کے

ساتھ نقل کیا ہے۔

بلکہ یہ بھی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار عطاء فرمائے۔ جیسا کہ طبرانی میں عامر بن عمیر کی حدیث میں ہے۔ علاوہ ازیں امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور ابو یعلی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے، امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور بزار رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بن ابی بکر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے اور ابو یعلی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث روایت کی ہے۔

بلکہ ان تمام پر پھر رب کریم کے چلوؤں میں سے تین چلو مزید مذکور ہیں۔ جیسا کہ طبرانی نے الکبیر اور الاؤسط میں ثقہ رواۃ سے حضرت ابو سعد انصاری کی حدیث نقل کی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بھی نقل کی ہے۔ اور اس کے رجال کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اور پھر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ابو یعلی، احمد اور طبرانی وغیرہم نے اسے روایت کیا ہے۔

۱۱۲۵- حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا'' کہ میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب اور عذاب کے جنت میں داخل کرے گا۔ اس طرح کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے۔ اور پھر ان پر اپنے چلوؤں میں سے تین چلو اضافہ بھی فرمائے گا'' یہ روایت امام ترمذی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کی ہے۔ اور اسے حسن کہا ہے۔ اور مذکورہ الفاظ بھی انہیں کے ہیں۔ علاوہ ازیں ابن ماجہ، امام احمد، ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم

مذکورہ نصوص میں سے بعض بعض کو تقویت دیتی ہیں اور زیادتی اور بار بار کی عطا پر دلالت کرتی ہیں۔ اور جو حضرت ام قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں مذکور ہے۔ وہ ان افراد کے ساتھ خاص ہے۔ جو اس امت میں سے بقیع میں دفن کئے جائیں گے۔ اور یہ اہل مدینہ کی عظیم فضیلت ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔

اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان عطاءات کے واقع ہونے میں کوئی مانع نہیں۔ اس لئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، پھر یہ بھی ہے، کہ ان نصوص کے درمیان کوئی تعارض موجود نہیں بلکہ انہیں اس ترتیب پر محمول کیا جائے گا۔ کہ اولاً اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستر ہزار عطا فرمائے۔ پھر ان میں ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ فرمایا۔ پھر آپ کے لئے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار کا اضافہ کیا۔ اور پھر اس پر چلوؤں کا اضافہ فرمایا۔ اور اس میں کوئی مانع نہیں، کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی عطا فرمادے، کہ اہل بقیع کو بغیر حساب کے جنت میں داخل فرمادے۔ اور ان کی تعداد بھی ستر ہزار ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اسی طرح میرا یہ کہنا بھی قطعاً حدود سے تجاوز نہیں۔ کہ اس امت کی یہ تعداد جسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائے گا، یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے نہیں ہے۔ بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد کے افراد ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو کتنا زمانہ ان سے قبل جنت میں داخل ہونگے۔

۱۱۲۶- حضرت رفاعہ بن غرابہ جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے۔ پھر آگے حدیث ذکر کی اور اس میں یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کہ میں عند اللہ شہادت دیتا ہوں کہ ایسا کوئی آدمی فوت نہیں ہوگا۔ جو صدق دل سے یہ شہادت دیتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں پھر اس پر مستحکم ہو جاتا ہے۔ مگر وہ جنت میں پہنچے گا۔ میرے رب کریم نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے۔ کہ وہ میری امت سے ستر ہزار افراد جنت میں داخل کرے گا، اور ان پر کوئی حساب اور عذاب نہیں ہوگا۔ اور میں یہ امید رکھتا ہوں، کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ تم اور تمہارے آباء، تمہاری ازواج اور تمہاری اولاد میں سے جو صالح ہیں وہ اپنے ٹھکانے جنت میں بنالیں......''

اسے امام رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، طیالسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، ابن ماجہ، طبرانی اور بزار نے رجال صحیح سے نقل کیا ہے۔ اور یہ شیخین کی شرائط کے مطابق ہے۔ اور ابن خزیمہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اسے مختصراً ذکر کیا ہے۔

بقیع میں مدفون مشہور صحابہ کرام

حضرت امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔ اسی طرح قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے۔ کہ مدینہ طیبہ میں تقریباً دس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا وصال ہوا۔ بقیہ کا وصال دیگر متفرق شہروں میں ہوا اس لئے مدینہ طیبہ میں دفات پانے والے تمام صحابہ کرام کا بالا ستیعاب ذکر انتہائی مشکل ہے۔ لیکن میں اس میں سے بعض کی طرف اشارہ کروں گا۔

حضور نبی ﷺ کے اقارب کا بیان

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے یہ افراد ہیں۔ ''حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ احد میں مدفون ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے یہ ہیں۔ ''حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ،

حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت حفصہ بنت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت زینب بنت خزیمہ، حضرت زینب بنت جحش، حضرت ام حبیبہ، حضرت ام سلمہ، حضرت جویریہ بنت حارث اور حضرت صفیہ بنت حیی رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے والیوں میں سے حضرت ماریہ القبطیہ اور ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقارب میں سے یہ افراد ہیں۔ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن عثمان بن عفان یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب، حضرت نوفل بن حارث بن عبدالمطلب، حضرت ابوسفیان بن حارث بن عبدالملطب، حضرت عبداللہ بن جعفر بنی ابی طالب، حضرت حلیمہ سعدیہ۔ جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ حضرت رکانہ بن عبد یزید مطلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمیعا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے۔ کہ حضرت عقیل بن ابی طالب بھی یہیں مدفون ہیں۔

عشرہ مبشرہ میں سے مدفون صحابہ کرام

حضرت سعید بن ابی وقاص، حضرت سعید بن زید اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر مبارک بقیع کے مشرق میں حش کوکب میں تھی۔ پھر جب بقیع میں توسیع کی گئی۔ تو آپ کی قبر اس میں داخل کردی گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں میں سے حضرت اسامہ بن زید، وردان، ابورافع، یسار الراعی جنہیں عرنیون نے قتل کردیا تھا، ابوکبشہ اور ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

مہاجرین مدفون صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

مہاجرین میں سے مندرجہ ذیل صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بقیع میں مدفون ہیں۔ حضرت ارقم بن ابی الارقم، جعدہ بن ہبیرہ، جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام، حویطب بن عبدالعزی، خنیس بن حذافہ سہمی، حجاج بن علاط السلمی، سلمہ بن اکواع، سعد القرظ، الموذن، سہل بن بیضاء، سہیل بن بیضاء، صفوان بن قدامہ، صہیب بن سنان روی، عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن ابی بکر الصدیق، عبداللہ بن زمعہ، عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن مسعود، ابن ابی حدرد، عبداللہ بن مظعون، عتبہ بن مسعود، عمرو بن ابی سرح، عمرو بن امیہ الضمری، ابن ام مکتوم، عمرو بن عوف، عمیر بن عوف، مخرمہ بن نوفل، مسعود بن ربیعہ، مطیع بن اسود، مطلب بن ابی وداعہ، معقل بن سنان، مقدار بن اسود، نوفل بن معاویہ، ولید بن ولید، ابوسنان، ابوشریح خزاعی، ابوفکیھہ، ابومرثد غنوی، ابوہریرہ، ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کے بیٹے عمر بن ابی سلمہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوتیلے لڑکے تھے۔ اور حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمیعا۔

علاوہ ازیں اروی بنت کریز، شفا بنت عوف، یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ محترمہ ہیں۔ ام رومان، یہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ماں ہیں۔ اور فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ یہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ محترمہ ہیں۔

انصار میں سے مدفون صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

انصار میں سے مندرجہ ذیل افراد بقیع میں مدفون ہیں۔ حضرت ابی بن کعب، اسعد بن زرارہ، اسید بن حضیر، اوس بن خولی، انصار میں سے یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے وقت وہاں حاضر تھے۔ براء بن عازب، براء بن معرور، ثابت بن زید، ثابت بن ضحاک، ثعلبہ بن عبدالرحمٰن۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے تھے۔ جابر بن عبداللہ، جبار بن صخر، حارث بن خزمہ، حسان بن ثابت، خوات بن جبیر، رافع بن خدیج، رافع بن مالک، رفاعہ بن رافع، زید بن ثابت، سالم بن عمیر، سعد بن معاذ، سلمہ بن سلامہ بن وقش، سہل بن ابی حثمہ، سہل بن سعد الساعدی، عاصم بن عدی، طلحہ بن براء، عبداللہ بن زید یہ موذن تھے۔ عبداللہ بن زید بن عاصم، عبداللہ بن سلام، عبداللہ بن سعد بن خیثمہ، عبداللہ بن کعب بن زید، عمرو بن حزم، عویم بن ساعدہ، قتادہ بن نعمان، قیس بن سعد بن عبادہ، کعب بن عجرہ، کعب بن مالک، مالک بن ربیعہ، محمد بن مسلمہ، معاذ بن حارث، یزید بن حارثہ، ابوسعید خدری، ابوطلحہ انصاری، ابوعبس بن جابر، ابوقتادہ انصاری، ابومسعود انصاری، ابوالہیثم بن التیہان اور ام ورقہ رضی اللہ عنہم۔ ان کے علاوہ بھی کثیر افراد ہیں۔

دوسرے قبرستانوں کا بیان

کئی دوسری نصوص بھی ہیں۔ جن میں بقیع کے علاوہ مدینہ طیبہ کے دوسرے قبرستانوں کا تذکرہ ہے۔ لیکن وہ اب غیر معروف ہیں۔ میں ان میں سے صرف ایک نص ذکر کروں گا۔

۱۱۲۷- حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا" میں نے دیکھا، کہ بنی سالم اور بنی بیاضہ کے درمیان رحمت نازل ہو رہی ہے۔" تو صحابہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم اس جگہ کی طرف منتقل ہو جائیں؟۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"نہیں، لیکن اس میں قبریں بناؤ۔ تو انہوں نے اس جگہ اپنے مردوں کو دفن کیا۔"
یہ روایت طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے۔ اور ہیثمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ اس میں ایک راوی یعقوب بن محمد زہری ہے۔ اس کے بارے بہت سا کلام ہے۔ اور اسے ثقہ قرار دیا گیا ہے۔

اسی طرح مدینہ طیبہ کے مغربی قبرستان کے بارے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث موجود ہے جس کے بائیں جانب سے سیلاب گزرتا تھا۔ اور اسی کی مثل ایک روایت کعب الاحبار سے بھی مروی ہے۔ لیکن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں ایک راوی عبدالعزیز بن عمران ہے۔ جو متروک

ہے۔اور کعب الاخبار کی خبر تو راۃ سے ہے۔اور یہ دونوں بنی سلمہ کے قبرستان کے بارے ہیں۔اور آج اس کی پہچان نہیں ہو سکتی۔مگر صرف یہ کہ مسجد قبلتین کے مغرب میں ایک قبرستان ہے، جس کے گرد چار دیواری بنی ہوئی ہے۔اس قبرستان سے ستر ہزار افراد اٹھائے جائیں گے، جن پر کوئی حساب نہیں ہوگا اور وہ قیامت کے دن نور کے سبب چمک رہے ہوں گے۔'' اسے ابن شبہ نے بھی مشائخ بنی حرام سے نقل کیا ہے۔اور اس سند میں مبہم راوی بھی ہے۔ واللہ اعلم

مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے کا بیان

مدینہ طیبہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنے گھر بنانے پر برانگیختہ کیا ہے، کہ وہ آدمی جس کی مدینہ طیبہ میں کوئی جگہ ہو۔اسے چاہیے کہ وہ اسے رد کے رکھے اور اسے ضائع نہ کرے۔اور جس کی کوئی جگہ نہیں اسے چاہیے کہ وہ اپنی جگہ وہاں بنالے۔ورنہ وہ کسی اور جگہ کی طرف تجاوز کر جانے والے کی طرح ہوگا۔چاہے وہ بنیاد کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو۔یہاں تک کہ اگرچہ وہ کھجور کا تنا ہو۔

۱۱۲۸۔ حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کہ جس کی مدینہ طیبہ میں کوئی بنیاد (اصل) ہو۔اسے چاہیے کہ وہ اسے مضبوط رکھے، اور جس کی یہاں کوئی بنیاد نہیں، اسے چاہیے کہ وہ بنیاد بنائے۔لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا۔کہ جس کی بنیاد نہیں ہوگی، وہ اس کی طرح ہوگا۔جو یہاں سے نکل کر کسی اور جگہ کی طرف چلا جائے۔'' اسے طبرانی نے الکبیر میں اور ابن ابی خیثمہ نے روایت کیا ہے۔اور اس روایت میں یہ اضافہ کیا ہے۔'' اسے چاہئے کہ وہ یہاں بنیاد بنالے۔اگرچہ وہ کھجور کا تنا ہی کیوں نہ ہو) دونوں کی سند یہ ہے۔کہ یعقوب بن حمید، کثیر بن جعفر بنی ابی کثیر سے وہ زیادۃ سے، اور طبرانی نے یہ اضافہ بھی کیا ہے۔کہ وہ زیادۃ اور علاقہ عبداللہ بن زید کے بیٹوں سے، اور وہ حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔اور علامہ ہیثمی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مجمع الزوائد میں اسے طبرانی کی طرف منسوب کرنے کے بعد کہا ہے۔کہ اس کے راویوں کا ذکر ابن ابی حاتم نے کیا ہے۔اور ان میں کوئی جرح ذکر نہیں کی۔

میں کہتا ہوں۔کہ اس طرح ان کا ذکر حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی کیا ہے۔اور ابن حبان نے ان کا ذکر اپنی ثقات میں کیا ہے۔طبرانی نے یہ حدیث علاقہ اور زیادہ کے واسطہ سے حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کی ہے۔اور پھر ان دونوں سے کثیر بن جعفر نے، اور ان سے یعقوب بن حمید نے روایت کی ہے اور یہ صدوق (بہت ہی سچا) راوی ہے۔امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور ابن معین نے اسے روایۃ میں ثقہ قرار دیا ہے۔یہ روایت ابن شبہ نے بھی نقل کی ہے۔اور اس کی دو شاہد بھی ذکر کی ہیں۔ایک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت اور دوسری امام زہری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی مرسل

روایت۔ واللہ اعلم

نیز دوسرے باب میں جو روایات مدینہ طیبہ میں رہائش اختیار کرنے اور اس کے جوار میں رہنے کے بارے ذکر کی گئی ہیں وہ تمام اس حدیث کی شاہد ہیں۔ واللہ اعلم

راوی کا قول ''ولو قَصرةً'' اس کے بارے امام خطابی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں۔ کہ قصرۃ سے مراد نخلہ (کھجور کا درخت) ہے۔ اور اس کی جمع قصر اور قصرات آتی ہے۔ یعنی اسے چاہیے کہ وہ وہاں بنا لے اگرچہ وہ ایک کھجور کا تنا ہی ہو۔ علاوہ ازیں اس کے اور معانی بھی ہیں۔ مثلاً گردن اور رقبہ کی جڑ یعنی نیچے والا حصہ۔ اسے اصل اس لئے کہتے ہیں۔ کیونکہ یہاں گردن کی انتہا ہوتی ہے۔ یہ قصرہ سے، یعنی وہ غایۃ جہاں کسی چیز کی انتہا ہوئی ہو۔ قصرۃ۔ درخت کی جڑ اور اس سے سایہ حاصل کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور ابن عباس، ابن جبیر، مجاہد، حسن اور ابن مقسم کی قرأت کے مطابق ارشاد باری تعالٰی ''انھا ترمی بشرر کا القصر''، میں ''القصر'' بالتحریک ہے۔ یعنی ''کا لقصر'' یہ جمع قصرۃ کی ہے۔ اور اس سے مراد درخت کی جڑ اور اس سے سایہ حاصل کرنا ہے۔ یا اونٹ کی گردن، یا پھر کھجور کا تنا۔ اور قصر النخل سے مراد کھجور کا وہ درخت جو نیچے کی جانب سے موٹا ہو۔

حقیقی مراد تو اللہ تعالٰی ہی بہتر جانتا ہے۔ '' کہ اسے چاہیے کہ وہ وہاں کچھ بنا لے، اگرچہ وہ تھوڑی سی چیز ہو۔ جیسا کہ کھجور یا کھجور کا تنا۔ واللہ تعالٰی اعلم

کم بارش والی زمین کا بیان

جب مدینہ طیبہ کا یمن یا شام کے ساتھ تقابلی جائزہ لیا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نسبتاً بارش کم ہوتی ہے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ مدینہ طیبہ آسمان کے دو چشموں کے درمیان واقع ہے۔ ایک عین الشام اور دوسرا عین الیمن۔ ان دونوں ممالک میں بارشیں کثرت سے ہوتی ہیں۔ اس وجہ سے آخری زمانہ میں مدینہ طیبہ میں اتنی شدید بارش ہوگی۔ کہ پتھر اور مٹی کے گھر اس سے محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔ بلکہ صرف بالوں کے (خیمے) گھر اس سے بچ سکیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

۱۱۲۹- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا'' بے شک یہ (مدینہ طیبہ) قلیل بارش والی زمین ہے۔'' اسے احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ اور طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کے رواۃ صحیح کے رواۃ ہیں۔

۱۱۳۰- حضرت عبداللہ بن ساعدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جو کہ حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے بھائی ہیں روایت فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''جس کے پاس ریوڑ ہے۔ وہ اسے لے کر مدینہ طیبہ سے باہر چلا جائے۔ بے شک مدینہ طیبہ اللہ تعالٰی کی زمین میں نسبتاً کم بارش والی زمین ہے۔'' اسے طبرانی نے کبیر میں نقل کیا ہے۔ اس میں ایک راوی محمد بن سلیمان بن

مسمول ہیں۔اور وہ ضعیف ہیں۔مجمع الزوائد میں اسی طرح ہے۔اورلسان المیز ان میں ہے۔ کہ اس کی توثیق ابن حبان اورابن شاہین سے مذکور ہے۔اور یہ بھی گمان ہے کہ یحییٰ بن معین نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کی شاہد سابقہ حدیث بھی ہے اور وہ بھی جو آگے آ رہی ہے۔لہٰذا اس کے سبب یہ بھی درجہ حسن تک پہنچ چکی ہے۔

۱۱۳۱-حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔کہ مدینہ طیبہ آسمان کے دو چشموں کے درمیان ہے۔ایک چشمہ شام کا ہے۔اور ایک یمن کا۔لیکن اس کی سرزمین میں بارش نسبتاً کم ہوتی ہے۔'' اسے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے شیخ کے سوا۔امام بیہقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی سند رجال صحیح پر مشتمل ہے۔اور انہوں نے اسے یزید یا نوفل بن عبداللہ ہاشمی سے مرسل بھی روایت کیا ہے۔اور حدیث سابق اس کے لئے شاہد ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

مدینہ طیبہ شام اور یمن کی دو جہتوں کے درمیان ہے۔اور ان دونوں میں بارش کثرت سے ہوتی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس مدینہ طیبہ میں بارش کم ہوئی ہے۔واللہ اعلم

اس کے باوجود مدینہ طیبہ میں ہر قسم کے پھل پائے جاتے ہیں۔اور اس میں زراعت کثیر ہوتی ہے۔ اور یہ عنقریب وسیع ہو جائے گا،تا کہ یہ زمین کے وسیع حصول کو شامل ہو جائے۔جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے۔اور آخری زمانہ میں اس کے باسیوں کے اسے چھوڑنے کے وقت بھی اس کی وضاحت ہوگی۔واللہ اعلم

مدینہ طیبہ میں آخری زمانہ میں شدید بارش ہونے کا بیان

اگر چہ مدینہ طیبہ کم بارش والی سرزمین ہے۔لیکن آخری زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے یہاں بارشیں کثرت سے ہوں گی۔حتیٰ کہ گھر نہ چھپا سکیں گے۔نہ اپنے رہنے والوں کو ان سے بچا سکیں گے۔ انہیں اس وقت صرف بالوں کے گھر (خیمے) ہی محفوظ رکھ سکیں گے۔واللہ اعلم

۱۱۳۲-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔''عنقریب مدینہ طیبہ میں کثرت سے بارش ہوگی (اس دوران) گھر اپنے رہنے والوں کو نہیں چھپا سکیں گے اور اس وقت انہیں صرف بالوں کے سائے (خیمے) ہی چھپائیں گے۔'' اسے حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔اور معرفہ میں آپ کے شیخ کے سوا امام بیہقی کی تمام سند مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔اور آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے صفوان بن سلیم سے مرسل بھی روایت کیا ہے۔

۱۱۳۳- حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ ''کہ عنقریب مدینہ طیبہ میں چالیس راتیں بارش ہوگی۔ اس وقت مٹی کے گھر اپنے رہنے والوں کو نہیں چھپا سکیں گے۔'' اسے امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام بیہقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے معرفہ میں روایت کیا ہے۔ اور اس میں امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے شیخ مجہول ہیں۔ لیکن ان دونوں حدیثوں کی شہادت آنے والی حدیث دیتی ہے۔

۱۱۳۴- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''کہ قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ لوگوں پر سخت بارش برسائی جائے گی۔ اس سے مٹی کے گھر انہیں نہیں بچا سکیں گے۔ انہیں اس سے صرف بالوں کے گھر (خیمے) بچائیں گے۔'' اسے حضرت امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے رجال صحیح سے نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ ''اَلْمَدَرُ'' اس سے مراد خشک جڑی ہوئی مٹی ہے۔ یعنی مٹی سے بنائے ہوئے گھر انہیں پناہ نہیں دے سکیں گے۔ اس لئے کہ بارش زیادہ ہوگی۔ ان پر چھتیں سختی سے گر جائیں گی۔ اور گھر منہدم ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم

مدینہ طیبہ کی سرزمین کے وسیع ہونے کا بیان

اس کے باوجود کے مدینہ طیبہ میں بارش کم ہوتی ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں اس کا حجم (رقبہ) انتہائی مختصر تھا۔ لیکن اس پر وقت آئے گا۔ کہ یہ بہت زیادہ وسیع ہو جائے گا۔ اور آج ہم اس کی حدود کے وسیع ہونے کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ کافی تعداد میں اس کی جھتیں اور اماکن حرم پاک کے علاقہ سے باہر نکل چکی ہیں۔ اور یہ بھی مستقبل کے اعتبار سے انتہائی کم ہیں۔ اس میں جب پہلی مرتبہ وسعت ہوئی، تو اس کی بنیادیں سلع تک پہنچ گئیں۔ پھر یہ وسیع ہوتا رہا۔ اور کئی میلوں تک تجاوز کرتے ہوئے۔ اہاب یا یھاب تک جا پہنچا۔ ادر پھر یہ وہاں تک پہنچ گیا، جہاں ان دنوں ہم اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ مذکورہ جگہ وہ ہے، جہاں آج اس کی حدود ہیں۔ ورنہ مستقبل میں یہ اس سے بھی آگے تجاوز کر جائے گا۔ واللہ اعلم

۱۱۳۵- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آبادی اہاب یا یھاب تک پہنچ جائے گی۔

زہر کہتے ہیں۔ کہ میں نے سہیل سے کہا۔ کہ مدینہ طیبہ کتنا ہے؟ تو انہوں نے کہا اتنے اور اتنے میل۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

ابھی حضرت سفیان بن ابی زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ جس میں یہ ہے کہ پھر وہ نکلے یہاں تک کہ جب بُر اہاب پر پہنچے۔ تو گمان ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا۔ ''عنقریب (آبادی) بنیادیں اس جگہ تک پہنچ جائیں گی۔ اور شام فتح کرلیا جائے گا......'' الحدیث۔
اسے امام احمد، ابن سعد اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اصل حدیث تو متفق علیہ ہے اور گزر بھی چکی ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباد الزرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے۔ کہ وہ بئر اہاب میں چڑیوں کا شکار کرتے تھے درآنحالیکہ وہ ان کے پاس تھیں۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے اس حال میں دیکھا، کہ میں نے چڑیا پکڑی ہوئی ہے۔ تو انہوں نے وہ مجھ سے لے لی اور اسے چھوڑ دیا...... الحدیث'' اسے امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، بزار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کبیر میں اور امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سنن میں روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جو کچھ پہلی حدیث میں ہے۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حضرت سفیان اور حضرت عباد زرقی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیثوں کے ساتھ منطبق نہیں ہوئی کیونکہ بنی زریق وہ ہیں جن کا بئر اہاب تھا۔ وہ مسجد جمعہ کے مغرب، دار بنی سالم بن عوف کے شمال، اور دار بنی مازن کے سامنے رہتے تھے۔ جو کہ حرہ غربیہ میں پھیلا ہوا تھا اور یہ مدینہ طیبہ سے اتنے میل دور نہیں تھا۔ جیسا کہ سہیل بن ابی صالح مدنی نے کہا ہے۔ حالانکہ وہ اور ان کے باپ اہاب یا یھاب کے درمیان۔ مدینہ طیبہ سے دور رہتے تھے۔ جیسا کہ سہیل نے کہا کہ اتنے اتنے میل ہے۔ واللہ اعلم۔

اور بئر اہاب: یہ نام معروف نہیں۔ امام مطری اور ان کے بعد علامہ سمہودی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات کو ترجیح دی ہے۔ کہ یہ وہ کنواں ہے، جس کا نام زمزم رکھا گیا ہے۔ یہ بئر سقیاء کے جنوب میں واقع ہے۔ اور حرہ غربیہ کے نزدیک راستہ سے تھوڑا دور واقع ہے۔ لغت اور غریب الفاظ کی کتابوں میں یہ مذکور ہے۔ کہ اہاب مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک جگہ ہے۔ اور حدیث میں ہے۔ کہ وہ اتنے اتنے میل دور ہے۔
اور اگر اس سے مراد اس کے علاوہ کوئی اور ہے۔ تو پھر یہ وہ ہے، جہاں تک مدینہ طیبہ عنقریب وسیع ہو جائے گا۔ اور اس سے کہیں دور تک وسیع ہو جائے گا، جہاں تک آج ہے۔ اور اگر اس سے مراد بعینہ ہی ہے۔ تو پھر مدینہ طیبہ آج اس کی جہت سے اور دوسری جہت سے بھی تجاوز کر چکا ہے۔ واللہ اعلم

مدینہ طیبہ شمال مغربی سمت سے وسیع ہو کر پتھروں کی حدود سے تجاوز کر گیا ہے۔ اور منطقہ ''الغریزیہ'' میں وادی عقیق سے تجاوز کر چکا ہے۔ یہاں تک کہ ابیار علی کے علاقہ میں پہنچنے کے قریب ہو گیا ہے۔ اور جنوب مغربی سمت سے اور طریق الھجرۃ کی جہت سے حرم کے علاقہ سے تجاوز کر کے بھی ابیار علی تک پہنچنے کے قریب ہے۔ اور مغربی سمت اور مکہ مکرمہ کے پرانے راستے کی طرف سے اس کی عمارتیں آج سد عروہ تک پہنچ چکی ہیں، بلکہ اس سے تجاوز کر چکی ہیں۔ اور شمال مغربی سمت سے مدینہ طیبہ وسیع ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ منطقہ جرف تک اس کی بنیادیں پہنچنے کے قریب ہیں، المستشفی العام (سول ہسپتال) کے راستے کی جانب

سے۔اور کثرت کے سبب وادی عقیق کو عبور کر چکا ہے۔اور شمال مشرقی جہت سے منطقۃ المطار کے قریب تک گھر پہنچ چکے ہیں۔اور شمال کی طرف سے پہاڑوں کی حدود تک تجاوز کر چکا ہے۔اور مشرق کی طرف حرہ کے درمیان میں گھر بن چکے ہیں۔اور جنوب کی طرف سے کثیر گھر مسجد قباء سے تجاوز کر چکے ہیں۔

شاید حزام ثالث دائری کا راستہ تمام بیوت کو محیط ہے۔ بلکہ کئی جہتوں سے گھر اس سے تجاوز کر چکے ہیں۔جیسا کہ ان نقشوں سے واضح ہے، جو میں نے لکھے ہیں۔یعنی ''امانۃ المدینہ''اور یہ زمین پر واضح ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم

اسی طرح اس کی وسعت اور اس کا حسن آخری زمانہ میں اس وقت واضح ہوگا۔ جب اسے چھوڑا جائے گا اور اس کی یہ بحث گزر چکی ہے۔واللہ اعلم

اسلامی شہروں میں سے سب سے آخر ختم ہونے والا شہر مدینہ طیبہ

مدینہ منورہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے کہ یہ قیامت قائم ہونے سے پہلے تک آباد باقی رہے گا۔ کیونکہ اس وقت اس کے باسی اسے چھوڑ دیں گے۔تو اس وقت یہ ختم ہوگا۔اسلام کے شہروں میں سے سب سے آخر ختم ہونے والا یہی شہر ہوگا۔واللہ تعالیٰ اعلم

۱۱۳۶-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔''وہ مدینہ طیبہ کو اسی اچھی حالت پر چھوڑیں گے جس پر وہ پہلے تھا۔اس میں صرف ''عوافی''(رزق کی تلاش میں گھومنے پھرنے والے درندے اور پرندے) رہ رہے ہوں گے۔سب سے آخر جنہیں اپنے وطن سے نکالا جائے گا۔وہ بنی مزینہ کے دو چرواہے ہیں۔وہ دونوں مدینہ طیبہ کا ارادہ کریں گے۔وہ اپنے ریوڑ کو للکاریں گے۔تو اسے وحشی پائیں گے۔یہاں تک کہ جب وہ ثنیۃ الوداع پہنچیں گے۔تو چہروں کے بل گر پڑیں گے۔متفق علیہ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

اور مسلم کے الفاظ یہ ہیں: کہ پھر وہ دونوں چرواہے مزینہ سے نکلیں گے۔وہ مدینہ منورہ کا ارادہ کریں گے،اپنے ریوڑوں کو للکاریں گے،تو انہیں وحشی پائیں گے......''پھر آگے انہی الفاظ میں حدیث بیان کی۔

مہلب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔کہ حدیث طیبہ میں ہے۔مدینہ طیبہ میں یوم قیامت تک سکونت اختیار کی جائیگی۔کیونکہ وہ دونوں چرواہے اپنے ریوڑ کے ساتھ مدینہ طیبہ کا ہی مقصد کریں گے۔ اگرچہ بعض اوقات یہ خالی بھی رہا ہو۔یہ قول فتح الباری سے منقول ہے۔

تو بنی مزینہ کے دونوں چرواہے اپنے ریوڑ سمیت مدینہ طیبہ کا قصد تب ہی کریں گے۔کہ یہ اس وقت آباد ہوگا۔لیکن جب وہ ثنیۃ الوداع کے پاس پہنچیں گے۔تو اپنے چہروں کے بل گر پڑیں گے،جبکہ وہ اس میں کوئی بشر نہیں پائیں گے۔ بلکہ وہاں وحشی جانور پائیں گے پس کڑک کے سبب ان پر غشی طاری کردی جائے گی۔واللہ تعالیٰ اعلم

راوی کا قول ''فیجد انھا وحوشا'' اس کے بارے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ انہیں وحشت زدہ پائیں گے۔ یا وہ اس کے باسیوں کو پائیں گے، کہ وہ وحشی ہو چکے ہیں۔ اور ایک روایت کے مطابق یہ ہے۔ کہ وہ اسے (مدینہ طیبہ کو) خالی پائیں گے۔ اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے۔ ''فیجد انھا وحشا'' یعنی وہ اسے خالی پائیں گے کہ اس میں کوئی نہیں ہوگا۔ ''الوحش من الارض'' کا معنی یہ ہے، زمین کا خالی ہونا۔ جب زمین اپنے رہنے والوں سے بالکل خالی ہو جائے۔ تو اس کے لئے کثیرۃ الوحش بولا جاتا ہے۔''

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ اس کا صحیح معنی یہ ہے۔ کہ وہ اس میں وحشی جانور پائیں گے۔'' جیسا کہ بخاری کی روایت میں ہے۔ اور جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''لا یغشا ھا إلا العوافی'' اور وحش بمعنی وحوش ہوتا ہے۔ اور وحش کا اصلی معنی یہ ہے۔ کہ ہر وہ شی جو حیوان کی مثل وحشی ہو جائے۔ اور اس کی جمع وحوش آتی ہے اور کبھی اسے صیغہ واحد کے ساتھ جمع کو بیان کیا جاتا ہے جیسا کہ کئی دوسری چیزوں میں بھی ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ابن المرابط سے بیان کیا ہے۔ کہ اس کا معنی یہ ہے۔ کہ ان کے ریوڑ وحشی ہو جائیں گے۔ یا تو ان کی حقیقت بدل جائے گی اور وہ وحشی ہو جائیں گے۔ یا پھر وہ خوف زدہ ہو جائیں گے۔ اور وہ آوازیں سن کر بھاگ نکلیں گے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس معنی کا انکار کیا ہے۔ اور یہ معنی پسند کیا ہے۔ کہ ''یجدانھا'' میں ''ھا'' ضمیر مدینہ طیبہ کی جانب سے راجع ہے۔ نہ کہ غنم کی جانب۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ یہی معنی صحیح ہے۔ اور ابن المرابط کا قول غلط ہے۔ واللہ اعلم اور امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ کہ قدرت اس کی صلاحیت بھی رکھتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ کہ اس کی تائید اس طرح ہوتی ہے۔ کہ بقیہ حدیث میں یہ ہے۔ کہ جب وہ دونوں ثنیۃ الوداع کے پاس پہنچیں گے، تو منہ کے بل گر پڑیں گے۔ اور یہ بلاشک ان کے مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے ہوگا۔ تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے، کہ وہ دونوں مذکورہ وحشت وخوف مدینہ طیبہ میں داخل ہونے سے پہلے پائیں گے۔ تو یہ اس معنی کے لئے تقویت کا باعث ہے، کہ ضمیر غنم کی طرف لوٹے۔ اور یہ قیامت ہونے کی علامات میں سے ہے، پھر کہا کہ اس کی وضاحت اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔

۱۱۴۳۷- کہ عمر بن شبہ نے ''اخبار المدینہ'' میں عطاء بن سائب عن رجل من اشجع کی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک موقوف روایت نقل کی ہے۔ '' کہ سب سے آخر جن دو آدمیوں کو اپنے وطن سے نکالا جائے گا۔ ان میں سے ایک آدمی مزینہ قبیلے سے ہے۔ اور دوسرا جہینہ قبیلے سے۔

وہ دونوں کہیں گے لوگ کہاں ہیں؟ پس وہ دونوں مدینہ طیبہ آئیں گے۔ وہ وہاں لومڑیوں کے سوا کچھ نہیں دیکھیں گے۔ پھر ان کے پاس دو فرشتے اتریں گے۔ اور وہ ان دونوں کو چہروں کے بل گرا دیں گے۔ حتیٰ کہ وہ انہیں لوگوں کے ساتھ ملا دیں گے...... پھر کہا۔

۱۱۳۸- ابن شبہ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث نقل کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے کہا (کہ بنی مزینہ کے دو آدمیوں کو سب سے آخر مدینہ کی جانب نکالا جائے گا) وہ دونوں لوگوں کو مفقود پائیں گے۔ ان میں سے ایک اپنے ساتھ کو کہے گا۔ کہ ہم نے اتنے وقت سے لوگوں کو مفقود پایا ہے۔ ہمارے فلاں قبیلے کے فلاں شخص کے پاس چلو۔ چنانچہ وہ دونوں چل پڑیں گے۔ لیکن وہاں وہ کسی کو نہیں پائیں گے۔ پھر ایک کہے گا۔ ہمارے ساتھ مدینہ طیبہ چلو۔ چنانچہ وہ وہاں چلے جائیں گے۔ لیکن وہ کسی کو نہیں پائیں گے۔ پھر وہ کہے گا۔ کہ ہمارے ساتھ بقیع الغرقد میں قریش کے گھروں کی جانب چلو۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچیں گے۔ تو درندوں اور لومڑیوں کے سوا اور کچھ نہیں دیکھیں گے پھر وہ دونوں بیت الحرام کی جانب چلے جائیں گے۔

تو یہ روایت سابقہ احتمالات میں سے ایک کی وضاحت کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ یہ روایت حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے کے لئے باعث تقویت ہے کہ مدینہ طیبہ لوگوں سے خالی ہو جائے گا۔ یہاں تک کہ جانوروں میں سے درندے اور لومڑیاں وغیرہ بلا خوف وخطر مدینہ طیبہ میں چرنے لگیں گے۔

وہ احادیث اس سے قبل گزر چکی ہیں جن میں الفاظ یہ ہیں "إلا العوافی : السباع والطیر" ان میں سے ایک روایت مالک، ابن شبہ اور ابن حبان کی ہے۔ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی منقول ہے۔ "یہاں تک کہ کتے اور بھیڑیئے آجائیں گے اور وہ مسجد کے کسی ستون یا منبر کے پاس غذا کھائیں گے۔" اور یہ امر معروف ہے کہ بھیڑیا کتے سے مختلف ہوتا ہے۔ کیونکہ کتا شہروں میں رہتا ہے جبکہ بھیڑیا شہروں میں زندگی نہیں گزارتا۔ اس لئے وہ وحشی جانور ہے۔ تو جب یہ مسجد میں داخل ہو جائے گا۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ اسے امن حاصل ہوگا، اور کوئی خوف نہیں ہوگا۔ جبکہ اگر مسجد میں کوئی ایک بھی ہوتا تو وہ اس میں داخل نہ ہو سکتا۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دونوں حدیثیں اگرچہ ظاہراً موقوف ہیں۔ لیکن دونوں حکماً مرفوع ہیں کیونکہ عقل اس بارے بیان کرنے پر قادر نہیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ "کہ ایک آدمی مزینہ سے تھا اور دوسرا جہینہ سے تھا۔" جبکہ پہلی روایت جو متفق علیہ ہے۔ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں یہ ہے۔ "کہ وہ دونوں آدمی مزینہ سے تعلق رکھتے ہیں۔" تو ان دونوں روایات کے درمیان کوئی تعارض نہیں۔

اس لئے کہ اس میں یہ احتمال ہے۔ کہ ان میں سے ایک فی الحقیقت قبیلہ جہینہ سے ہو۔ یا وہ قبیلہ جہینہ میں رہ رہا ہو۔ مگر پہلی روایت جو کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ صحت کے اعتبار سے اولیٰ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وہ روایات جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ اسلامی شہروں میں سے سب سے آخر ختم ہونے والا شہر مدینہ طیبہ ہوگا۔ آنے والی حدیث اس پر صراحتاً دلالت کرتی ہے۔

۱۱۳۹-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
''کہ اسلامی شہروں میں سے سب سے آخر ختم ہونے والا شہر مدینہ طیبہ ہے۔'' اسے ترمذی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔ اور حسن کہا ہے اور ابن حبان نے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔

تنبیہ: مسلم شریف کی روایت کے علاوہ اکثر سابقہ روایات میں یہ الفاظ مذکور ہیں۔ ''**آخر من یحشر**'' تو اس میں اشکال یہ ہے۔ کہ حشر تو موت کے بعد ہوگا۔ اور یہ ہے لوگوں کو محشر (میدان حشر) کی جانب چلانا، جیسا کہ زمخشری نے کہا ہے تو اس کا جواب کیا ہے؟۔

میں کہتا ہوں کہ لفظ حشر متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً موت کے معنی میں جیسا کہ حضرت ابن عباس، ضحاک اور عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس ارشاد گرامی میں لیا ہے۔'' **واذا الو حوش حشرت**'' (جبکہ وحشیوں کو موت دی جائے گی) فرمایا۔'' **حشرھا ای موتھا**''۔ اور یہ سوق (ہانکنا) کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ یہ لفظ جمع اور سوق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور ابن قتیبہ نے حشر کا معنیٰ ''الجلاء'' (نکلنا) بیان کیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔'' **جلوا من ارضھم و اجلیتھم**'' (وہ اپنی زمین سے نکل گئے اور میں نے انہیں نکال دیا) نکالنے کے لئے جلوتھم بھی بولا جاتا ہے۔ اور امام راغب نے کہا ہے۔ کہ حشر کا معنی ہے۔'' **اخراج الجماعة من مقرھم، وازعاجھم عنه، الی الحرب و نحوھا** ......'' (کسی جماعت کو اپنے مسکن سے نکالنا، اور انہیں وہاں سے جنگ یا کسی اور طرف بھگا دینا) اور یہ انسانوں اور دوسروں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اور حشر کا لفظ صرف جماعت کے لئے ہی بولا جاتا ہے۔ پھر انہوں نے اس پر متعدد آیات ذکر کی ہیں گ...... یوم قیامت کو یوم الحشر کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اسے یوم البعث اور یوم النشر کہا جاتا ہے۔ اور قاضی صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں مختلف جہتوں سے ایک مکان کی طرف ہانکنا۔ اور اصل معنی یہ ہے کہ متفرق کو جمع کرنا اور باہم ملانا۔

لہٰذا جنہوں نے حشر کو بعد الموت کے ساتھ ہی محصور کیا ہے یہ معنی بعید از حقیقت ہے یہاں حدیث طیبہ میں اس سے جو مراد ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ سب سے آخر مرنے والے مزینہ کے دو آدمی ہوں گے۔ یہ معنی تب ہوگا جبکہ عکرمہ کے قول کے مطابق حشر کا معنی موت لیا جائے۔ یا پھر مسلم کی روایت کے مطابق معنی

یہ ہوگا۔ کہ جنہیں سب سے آخر مدینہ طیبہ کی جانب چلایا جائے گا۔ لیکن ان دونوں معنوں میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ وہی دونوں ہیں جنہیں سب سے آخر مدینہ طیبہ کی جانب چلایا جائے گا اور پھر وہاں پہنچ کر آخر میں وہی مرنے والے ہوں گے۔ کیونکہ جب وہ دونوں مدینہ منورہ پہنچیں گے۔ تو وہاں کوئی آدمی نہیں پائیں گے۔ لہٰذا وہ ثنیۃ الوداع کے پاس مردہ ہوکر گر پڑیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مفسر قرآن امام قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں کہا ہے۔ کہ راوی کا دو چرواہوں کے بارے یہ قول ''حتی اذا بلغاثنية الوداع خرا على وجوههما'' کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ وہ دونوں ثنیۃ الوداع کے پاس مردہ ہوکر گر گڑیں گے۔

ہمارے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آخر زمانہ میں ہوگا۔ جبکہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ اس کی دلیل یہ قول ہے۔ جو حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کے بارے کہا ہے۔'' کہ مزینہ کے دو چرواہوں کو سب سے آخر موت دی جائے گی۔'' کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ سب سے آخر جنہیں موت آئے گی اور پھر انہیں اٹھایا جائے گا۔ کیونکہ حشر موت کے بعد ہوگا۔ اور اس میں یہ احتمال ہے۔ کہ ان دونوں کی موت سب سے آخر میں ہونے کے سبب ان کا حشر بھی سب سے آخر ہوگا۔

پھر کہا۔ کہ راوی کے قول ''خرا على وجهيهما'' کا معنی ہے۔ کہ نفخہ اولی کے قوت انہیں کڑک نے پکڑ لیا۔ اور یہ موت ہے۔

پھر کہا کہ ہمارے شیخ ابو العباس القرطبی نے کہا (میں کہتا ہوں کہ یہ محدث ہیں) کہ'' آخر من يحشر الى المدينة'' کے الفاظ اس معنی کا احتمال رکھتے ہیں۔ کہ سب سے آخری وہ آدمی جنہیں مدینہ طیبہ کی طرف لایا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت امام مسلم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب میں ہے۔

پھر امام قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ مفسر نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ اس قول کے خلاف ہے۔ جو محدث ابو العباس قرطبی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ اور اس سے مراد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات ہیں۔ اس معنی کی بناء پر، کہ سب سے آخر انہیں مدینہ طیبہ کی طرف لایا جائے گا۔ اور وہ مدینہ طیبہ میں کوئی آدمی نہیں پائیں گے۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ: پہلے باب کی حدیث میں یہ مذکور ہے۔'' کہ یہاں تک کہ جب وہ دونوں ثنیۃ الوداع کے پاس پہنچیں گے۔ تو اپنے چہروں کے بل گر پڑیں گے۔'' یہ ثنیۃ الوداع کیا ہے؟

میں کہتا ہوں۔ کہ پہلے گزر چکا ہے۔ کہ مدینہ طیبہ میں ثنیۃ الوداع دو ہیں۔ ایک شمالی اور دوسرا جنوبی۔ ثنیۃ الوداع شمال مشرقی سمت میں جبل سلع کی طرف میں واقع ہے اور یہ وہاں ہے۔ جہاں سے شارع ابی بکر صدیق اور شارع سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور جنوبی اسی علاقہ میں مسجد قباء کے مغرب میں ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے ثنیہ جنوبیہ کا انکار کیا ہے اور وہ صرف ثنیہ شمالیہ یا ثنیہ شامیہ پر ہی مطلع

ہوئے ہیں۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''التذکرہ'' میں کہا ہے۔ کہ ثنیۃ الوداع سے مراد مکہ کی جانب مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ ہے۔

قبیلہ مزینہ مدینہ طیبہ کے شمال اور شمال مغرب میں آباد تھا۔ لیکن آج کل ان میں سے کثیر ابیار علی (ذی الحلیفہ) کے علاقہ میں ہیں۔ اور یہ مدینہ طیبہ کے مغربی اور جنوب مغربی سمت ہے۔ اور ثنیہ جنوبیہ اس کے قریب ہے۔ یہاں ان دو ثنیہ میں سے کونسا مراد ہے؟ حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ اس کا انحصار کئی امور پر ہے۔ مثلاً۔ قبیلہ مزینہ کا اپنی جگہ باقی رہنا، ہجرت کے راستے سے ان کا مدینہ طیبہ کی طرف سے تجاوز کرنا آسان ہونا، اور اس علاقہ میں کھیتیوں کا باقی رہنا۔

اسی طرح ثنیہ شامیہ کے بارے میں بھی کہا جائے گا۔ جب بنی مزینہ کے علاقے کی جانب حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا راستہ اور مدینہ طیبہ سے متصل جامعات کا راستہ برقرار ہے۔ اور اس علاقہ میں کھیتیاں بھی موجود ہیں ...... تو اس سے ثنیہ شامیہ کا احتمال ہی ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ اور وہ (ثنیہ جنوبیہ اور شامیہ) بذات خود کوئی موثر نہیں۔ بلکہ اعجاز صرف یہ ہے کہ سب سے آخر جنہیں مدینہ طیبہ کی طرف لایا جائے گا، وہ مزینہ کے دو چرواہے ہوں گے۔ اور جب وہ ثنیۃ الوداع کے پاس پہنچیں گے، تو گر جائیں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور اس کے بعد یہ کہ اسلامی شہروں میں سے مدینہ طیبہ وہ شہر ہے۔ جو سب سے آخر منہدم ہوگا۔ اور یہ بربادی لوگوں کے سینوں سے اور مصاحف سے قرآن کریم اٹھ جانے کے بعد ہوگی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کے بعد واقع ہوگی۔ جیسا کہ امام قرطبی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم

میں کہتا ہوں۔ کہ ان شاء اللہ۔ یہ امر ظاہر ہے۔ کہ بے شک صحفہ قرآن کریم کے اٹھ جانے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد ہی واقع ہوگا۔ بلکہ یہ تو مومنین کی موت کے بھی بعد ہوگا۔ کیونکہ ایسے اشخاص پر قیامت قائم نہیں ہوگی، جو ''لا الہ الا اللہ'' کہتے ہیں۔ اسی طرح قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ زمین میں اللہ اللہ کہنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ اور قیامت قائم نہیں ہوگی مگر ایسے افراد پر جو مخلوق میں سے شریر ہیں۔ اور اس پر آنے والی روایات دلالت کرتی ہیں۔

۱۱۴۰۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا۔ ''کہ قیامت قائم نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ زمین میں اللہ اللہ نہیں کہا جائے گا۔'' اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

۱۱۴۱۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہی ایک روایت میں یہ ہے۔ ''کہ قیامت ایسے ایک شخص پر بھی قائم نہیں ہوگی جو اللہ اللہ کہتا ہے۔''

۱۱۴۲-آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا۔" کہ قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ زمین میں یہ نہیں کہا جائے گا: لا الہ الا اللہ" اسے امام احمد، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور ان دونوں نے اسے صحیح کہا ہے۔

قیامت قائم نہیں ہوگی مگر انہی پر جو مخلوق میں سے شریر ہیں۔

۱۱۴۳-حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔" کہ قیامت قائم نہیں ہوگی مگر لوگوں میں سے شریر افراد پر" اسے مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔

۱۱۴۴-حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔" کہ بے شک اللہ تعالیٰ یمن کی طرف سے ایک ہوا بھیجے گا، جو ریشم سے زیادہ نرم ہوگی۔ تو وہ کسی کو جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر اور ایک روایت کے مطابق ذرہ برابر ایمان ہے نہیں چھوڑے گی۔ مگر وہ اسے قبض کر لے گی" اسے مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کیا ہے۔

اور آنے والی روایت سابقہ دونوں روایتوں کو جمع کرنے والی ہے۔

۱۱۴۵-عبدالرحمٰن بن شماسہ المھری نے کہا ہے۔ کہ میں مسلمہ بن مخلد کے پاس تھا، اور ان کے پاس حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

قیامت قائم نہیں ہوگی مگر مخلوق کے شریروں پر، وہ اہل جاہلیت میں سے شریر ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے کسی چیز کی دعا نہیں مانگیں گے مگر وہ اسے قبول نہیں فرمائے گا۔

پس اسی اثناء میں وہاں عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے۔ تو ان سے مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ اے عقبہ! سنئے جو کچھ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہہ رہے ہیں۔ تو عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ وہ زیادہ جاننے والے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔" میری امت کا ایک گروہ اپنے دشمنوں پر غلبہ پاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم پر لڑتا رہے گا۔ ان کے مخالفین انہیں کوئی نقصان......نہیں پہنچا سکیں گے۔ وہ اسی حال پر ہوں گے کہ قیامت قائم ہو جائے گی"۔

تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ جی ہاں۔ پھر اللہ تعالیٰ کستوری کی ہوا کی مثل ہوا بھیجے گا۔ اس کا مس کرنا ریشم کے مس کرنے کی طرح ہوگا۔ وہ کسی آدمی کو جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے نہیں چھوڑے گی۔ مگر وہ اسے قبض کر لے گی۔ پھر شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔ تو ان پر قیامت قائم ہو جائے گی۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

پس یہ دونوں چرواہے وہ ہیں جن پر آخر میں صاعقہ طاری ہوگا۔ اور یہ دونوں شریر مخلوق میں سے ہیں۔ جبکہ ان دونوں کے گرنے کو صور میں پھونکنے کے سبب پر محمول کیا جائے۔ وگرنہ یہ دونوں وہ آخری

آدمی ہیں۔ جن کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا یا ان کے علاوہ کوئی ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مدینہ طیبہ کی آپ ﷺ کی طرف نسبت کا بیان

مدینہ منورہ کے فضائل میں سے یہ بھی ہے۔ کہ اس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتی ہے۔ اس طرح کہ اس کے لئے مندرجہ ذیل اسماء بولے جاتے ہیں۔ مدینۃ الرسول، قریۃ الرسول، حرم الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ بلکہ مدینہ طیبہ کے وصف ہی اس کے لئے علم ہو گئے ہیں۔

علامہ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں کہا ہے۔ "المدینۃ حرم" (مدینہ طیبہ حرم ہے) کہ مدینہ طیبہ اس معروف شہر کا نام ہے۔ جس کی جانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی اور پھر وہیں دفن ہوئے۔ رب کریم ارشاد فرماتے ہیں۔ "یقولون لئن رجعنا إلی المدینۃ" (وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کی طرف واپس لوٹے)۔

جب یہ لفظ مطلق بولا جائے۔ تو فوراً ذہن میں اسی شہر کا تصور آتا ہے۔ لہٰذا جب لفظ مدینہ سے کوئی دوسرا شہر مراد لیا جائے۔ تو اسے مقید ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے۔ جیسے لفظ النجم ثریا کے لئے بولا جاتا ہے۔

مدینہ طیبہ کے لئے یہ لفظ معرفہ (المدینہ) استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ نکرہ کی صورت میں یہ ہر شہر کا نام ہوسکتا ہے۔ یہاں علمائے حدیث نے نسبت میں ایک فرق بیان کیا ہے۔ کہ عام مدینہ میں رہنے والے کے لئے کہا جاتا ہے۔ "مدینیؓ" اور جس کی نسبت مدینۃ الرسول کی جانب ہو، اس کے لئے "مدنی" کہا جاتا ہے۔ اور یہ ان دونوں کے درمیان فرق ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ لیکن یہ اصول اغلباً استعمال ہوتا ہے۔ جبکہ بعض رواۃ اس سے خارج بھی ہیں۔ مثلاً "علی بن المدینی" تو یہ اصل میں مدینہ طیبہ کے باسی تھے۔ پھر بصرہ میں آباد ہوئے۔ رب کریم نے ارشاد فرمایا۔ "کما أخرجک ربک من بیتک بالحق وإن فریقاً من المومنین لکرھون"

(جس طرح نکال لایا آپ کو آپ کا رب آپ کے گھر سے حق کے ساتھ اور بے شک اہل ایمان کا ایک گروہ (اس کو) ناپسند کرنے والا تھا)۔

رب کریم کے ارشاد "من بیتک" کے بارے کثیر مفسرین نے کہا ہے۔ کہ یہ دو امر دں کا احتمال رکھتا ہے۔ ان میں سے ایک مدینہ طیبہ ہے۔ کیونکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے۔ اور آپ کے حق کا مسکن ہے۔ لہٰذا یہ آپ کے ساتھ اسی طرح خاص ہے۔ جیسے بیت اپنے مکیں کے ساتھ خاص ہوتا ہے۔

اور دوسرا امر یہ ہے۔ کہ اس سے مراد آپ کا وہ بیت ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر تھے۔ واللہ اعلم

پس پہلے احتمال کی بناء پر اس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم اس میں سکونت فرما ہوئے اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ بنا۔ واللہ اعلم

اس سے قبل نمبر ۴۶۶ پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث گزر چکی ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔ ''کہ ہر نبی کا حرم ہے اور میرا حرم مدینہ طیبہ ہے......'' الحدیث۔

اسے امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، ابن جریر، ابونعیم اور ابن الجعد نے اسناد حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اسی طرح نمبر ۴۷ ،۴۸ پر حضرت علی اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث بھی گزر چکی ہے۔

اسی طرح نمبر ۱۸۸ پر حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث گزر چکی ہے۔ اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے۔ ''بے شک مدینہ منورہ محفوظ (پرامن ہے) ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میرا حرم دجال پر حرام کر دیا ہے، کہ وہ اس میں داخل ہو......'' الحدیث۔ اسے امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، ابن ابی شیبہ، حمیدی، مسلم اور اصحاب سنن اربعہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

علاوہ ازیں کثیر نصوص ہیں۔ وہ تمام اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ کہ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے۔ اور یہی وہ امر ہے جس نے اسے دوسرے شہروں پر شرف و عظمت عطا کر دی ہے۔ اور یہ اسی کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ اس کے اس نام کی پہچان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب ہی ہوئی۔ ورنہ یہ دور جاہلیت میں تو یثرب تھا۔ لیکن ہجرت کے بعد اسے اس نام سے پکارنا جائز نہیں۔ جیسا کہ اس کی تفصیلات گزر چکی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مدینہ طیبہ میں آپ ﷺ کے روشن دور کا بیان

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں دس سال تک مقیم رہے۔ جبکہ بعثت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ برس تک سکونت پذیر رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا گیا۔ چنانچہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال وہیں ہوا۔

۱۱۴۶۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن کا آغاز ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک چالیس برس تھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں ٹھہرے رہے۔ پھر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہوا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک وہاں ٹھہرے اور پھر وہیں آپ کا وصال ہوا۔ متفق علیہ۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

یہ وہ دس سال ہیں۔ جن کی ابتداء میں اور کچھ تھوڑا پہلے انصار اسلام لائے۔ مسلمان مہاجرین اس وقت سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے لگے۔ جبکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقبہ کے مقام پر بارہ افراد سے بیعت لی۔ یہ بیعت بیعۃ عقبہ اولیٰ کہلاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن

عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ آپ ہی وہ پہلے داعی اسلام ہیں، جو اپنے شہر مکہ سے نکل کر مدینہ پہنچے۔ اور پھر دوسرے سال بیعت عقبہ ثانیہ کے لئے تہتر مرد اور دو عورتیں حاضر ہوئیں۔ لہٰذا مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا آغاز ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو پانچ سو انصار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ ان میں اکثر وہ لوگ تھے جو ان لوگوں کے ہاتھوں پر اسلام لائے، جنہوں نے پہلے پہل مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ اس طرح کہ وہ تمام بعد میں مسلمانوں کے سردار اور ان کے قائد تھے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے قبل شب معراج مدینہ طیبہ دیکھا، اس میں اترے۔ اور نماز ادا کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی طرف ہجرت کا حکم دیا گیا۔ تو مدینہ طیبہ کی یہ وہ خاص فضلیت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمام شہروں کے مقابلہ میں اسے عطاء فرمائی۔ اور اس اعتبار سے اسے تمام شہروں پر خصوصیت عطا فرمادی، کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ بھی ہے اور خواب گاہ بھی، یہ آپ کا مسکن بھی ہے اور پناہ گاہ بھی، یہ آپ کو بچانے والا بھی ہے اور آپ کے دنداں مبارک شہید ہونے کا سبب بھی......۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف فرما ہوئے، تو اس فضل ورحمت کے ساتھ مدینہ طیبہ اپنے استقبال میں اور اپنے بازدؤں، گود اور پہلوؤں کو کھولنے میں تمام شہروں سے بلند ہو گیا۔ اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے دن فرحت وانبساط اور سرور وابتھاج نے منور اور روشن کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ قدم رنجہ فرما ہوئے۔ تو اہل مدینہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فقید المثال استقبال کیا۔ یہ ایسے غائب کے استقبال کی طرح تھا، جس کا شدت سے انتظار کیا جا رہا ہو۔ کیونکہ یہ وہ شہر تھا۔ جہاں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک تھی۔ اور اللہ تعالی نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم ہونے کی خصوصیت عطاء فرمائی۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال ایسا تھا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

پھر دس سال آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں حیات ظاہرہ کے ساتھ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اور ملائکہ اپنے رب کریم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کے لئے اجازت لے کر آتے رہے۔

یہ دس سال ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں گزارے ہیں۔ لیکن یہ ان سالوں کی مثل نہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں بسر کئے۔

یہ دس سال شریعت کے نفاذ، امان اور جہاد کے سال ہیں۔ یہ ایمان اور اسلام کے پھیلنے، اور بندوں کو اللہ تعالی کے دین کی تعلیم اور اسلام سکھانے کے سال ہیں۔

یہ دس سال ہیں جن میں مدینہ طیبہ کی فضاء آپ کی پاکیزہ سانس سے معطر ہوتی رہی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شیریں اور بلند آواز اس میں اپنے اثرات ڈالتی رہی۔

یہ دس سال ہیں۔ جن میں زمین سجدے کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی چومتی رہی۔ چلتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کو، نیند کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو مبارک کو، اور نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کو بوسے دیتی رہی۔ سرزمین مدینہ کے ذرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسوؤں سے تر ہوئے۔ اور اس کی دیواروں نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھنے کی سعادت حاصل کی، پہاڑوں کو یہ سعادت حاصل ہوئی، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اوپر تشریف لے گئے، باغات اس سعادت سے بہرہ مند ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں داخل ہوئے، ان میں تشریف فرما ہوئے اور ان کے احوال سے آگاہ ہوئے، راستوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گزرنے کا شرف حاصل ہوا، اور گھروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان میں داخل ہونے اور ان میں نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

یہ دس سال وہ ہیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال وحرام، خالص دین اور صفاء ایمان کی وضاحت فرمائی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پرندہ نہیں چھوڑا جو اڑتا ہو یا وحشی جانور جو چلتا ہو، مگر اس کے بارے مسلمانوں کو خبر دی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فصیح زبان، واضح آیات اور روشن دلائل کے ساتھ شرک اور بت پرستی کی جڑوں کو کاٹنے کے لئے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔

یہ دس سال وہ ہیں۔ جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان اور تلوار سے مدینہ طیبہ کے اندر اور باہر جہاد کیا۔ یہاں تک کہ دین نے اپنا اعتماد قائم کر لیا، اپنے خیمے گاڑ لئے، اور اپنی آواز کو بلند کر لیا۔ اور لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اللہ تعالیٰ کی واضح آیات اور نشانیاں دیکھنے کے بعد گروہ در گروہ دین میں داخل ہوئے۔

یہ دس سال وہ ہیں۔ جن میں تقریباً نصف قرآن کریم نازل ہوا۔ یہ احکام کی وضاحت کرتے ہیں، منافقین کی برائیاں ظاہر کرتے ہیں۔ اہل کتاب کا رد کرتے ہیں۔ حلال وحرام کی وضاحت کرتے ہیں۔ اور خاص وعام تعلقات اور شریعت کی تشریح کرتے ہیں...... اور یہ سب کچھ اس کے برعکس ہے جو مکہ میں ہوا۔

یہ دس سال جہاد، غزوات اور سرایا کے سال ہیں۔ ان میں غزوہ بدر الکبریٰ، غزوہ احد اور پھر غزوہ خندق ہوئے۔ پھر جزیرہ میں یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ مکہ فتح ہو گیا۔ اور قیامت تک کے لئے محفوظ و مامون ہو گیا۔ اور اس میں بیت اللہ شریف پاک ہو گیا۔ یہ وہ شہر ہے، جس میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تھی۔ پھر غزوات کا یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ غزوہ تبوک پر اختتام پذیر ہوا۔ اور اس نے بنو الاصفر کو بھی خوف زدہ کر دیا۔

یہ دس سال وفود کے سال ہیں۔ ان میں جزیرہ عرب کے مختلف قبائل کے لوگ اسلام قبول کر کے وفود کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ لوگ اللہ تعالی کے دین میں داخل ہو گئے۔ اور جزیرہ عرب بتوں کی عبادت سے پاک ہو گیا۔ بت ٹوٹ گئے۔ اور شیطان قیامت تک اس سے مایوس ہو گیا، کہ اس کی عبادت کی جائے گی۔ اور لوگ الملک الدیان کے دین پر ہو گئے۔

یہ دس سال خطوط اور پیغامبر بھیجنے کے سال ہیں۔ اس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم کی دنیا کے شہنشاہوں کو خطوط ارسال فرمائے۔ اور انہیں اللہ تعالی کے دین کو قبول کرنے، اللہ تعالی اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ پس جو اطاعت کرتے ہوئے اسلام لے آئے وہ کامیاب ہو گئے۔ ذلت سے نجات پا گئے۔ اور سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ اور اس کے برعکس جنہوں نے انکار کیا۔ وہ ذلیل ہو گئے، یا وہ سیف اسلام کے ساتھ قتل کر دیئے گئے۔

یہ دس سال اپنی برکتوں اور سعادتوں کے اعتبار سے خواب کی مثل تھے۔ لیکن انہوں نے تاریخ کی علامات کو تبدیل کر دیا۔ اگر مدینہ طیبہ کے لئے ان کے سوا کچھ بھی نہ ہو، تو اس کے فخر، عزت اور فضیلت کے لئے یہی کافی ہیں۔

یہ دس سال وہ ہیں۔ جن میں اہل مدینہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ لہٰذا انہوں نے ادنیٰ چیزوں سے قبل اعلیٰ چیزوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیش کیا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے دین کی رغبت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنی جان، اولاد اور مال پیش کر دیا۔ وہ انتہائی سعادت مند اور نیک بخت تھے۔ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار (مددگار) ہو گئے۔ اتنی طویل تاریخ میں ان کی قربانی، انفاق، فی سبیل اللہ، سخاوت اور محبت کی کوئی مثال موجود نہیں ...... اس طرح کہ وہ مہاجرین کے بھائی اور قریبی بن گئے۔ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین۔

یہ دس سال وہ ہیں۔ جن میں اہل مدینہ اپنے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موجود ہونے کے اس سے زیادہ حریص تھے، جتنی کہ آنکھ دیکھنے کے لئے، کان سننے کے لئے اور پیاسا پانی کے لئے حریص ہوتا ہے ...... اور یہ ان کے مواقف میں ظاہر ہے، کہ اللہ تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تصدیق کی، جبکہ فتح مکہ کے دن انہوں نے کہا۔ جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول سنا۔ جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے گا، تو اسے امان ہے......'' تو ایک آدمی نے یہ کہا تھا۔ کہ آج انہیں اپنے شہر کی رغبت اور اپنے خاندان کی رأفت نے آلیا ہے۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا '' ہرگز نہیں، بے شک میں اللہ تعالی کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں نے اللہ تعالی اور تمہاری طرف ہجرت کی ہے۔ میرا جینا بھی تمہارے ساتھ ہے اور میرا مرنا بھی تمہارے ساتھ ہے۔'' تو وہ روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

حاضر ہوئے۔اور کہنے لگے۔قسم بخدا! جو کچھ ہم نے کہا وہ نہیں کہا، مگر اللہ تعالی اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بخل کرتے ہوئے۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" بے شک اللہ تعالی اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتے ہیں اور تمہارے عذر کو قبول کرتے ہیں۔" اسے مسلم نے روایت کیا ہے۔

یہ دس سال وہ ہیں۔جن میں مدینہ طیبہ آپ کے اس میں داخل ہونے کے دن سے ہی منور ہو گیا۔ اس کی کنکریوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں تسبیح پڑھی۔منبر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کے نیچے پہاڑ خوشی سے جھومے، اور منبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے خوف سے کانپنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت سے کھانے میں اضافہ ہوا، لوگوں کی کثیر تعداد دودھ کی قلیل مقدار سے سیر ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانے نے تسبیح پڑھی اور اونٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے روئے۔

یہ دس سال وہ ہیں۔جن میں اہل مدینہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی محبت کی، جس کی نظیر نہیں۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان اور اولاد پر ترجیح دی۔اور اس کے بدلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں محبت اور پیار عطا کیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بچوں، عورتوں، زمین، پہاڑوں اور ان کے شہر سے محبت فرمائی۔ بلکہ ان کی محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا۔اور جو ان سے محبت کرے گا، اللہ تعالی اس سے محبت کرے گا۔وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراز اور امین تھے، گویا وہ جسم کے ساتھ لگنے والے اندرونی کپڑے کی مثل تھے اور لوگ اوپر پہنے ہوئے ظاہری کپڑے کی مثل تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بھی ان کے ساتھ تھی۔اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موت بھی ان کے ساتھ تھی۔

بلکہ غزوہ حنین کے دن تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہا فرما دی۔ کہ لوگ تو اپنے کجاووں کی طرف بکریوں اور اونٹوں (دنیا) کے ساتھ لوٹیں گے۔اور اہل مدینہ اپنے کجاووں کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوٹیں گے۔اللہ تعالی اور اس کے پیارے محبوب نے احسان فرمایا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا۔" أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَرْجِعَ النَّاسُ بِالشَّاةِ وَالْبَعِيْرِ ، وَتَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ ، اِلٰى رِجَالِكُمْ ؟ ......" متفق علیہ۔

(کیا تم اس پر راضی نہیں ہو، کہ لوگ بکریوں اور اونٹوں کے ساتھ واپس لوٹیں اور تم اللہ تعالی کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے گھروں کو لوٹ رہے ہو؟)۔

یہ دس سال وہ ہیں۔جن میں مہاجرین وانصار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ کی طرف لوٹے۔انہوں نے اپنی آنکھوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی، اپنے دلوں کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا، اور اپنی ارواح کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوئے......اور اپنی

ہر اعلیٰ اور قیمتی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی......ان کے پاس مطاف کی انتہا میں زمین کا پاکیزہ تر حصہ ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود...... کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ کیا اس حرص کے بعد بھی کوئی حرص ہو سکتی ہے؟ کیا اس فضل کے بعد بھی کوئی فضل ہے؟ کیا اس عزت کے بعد بھی کوئی عزت ہے؟ کیا اس ایثار کے بعد بھی کوئی ایثار ہے؟ جس حیثیت سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی انہیں دوسروں پر ترجیح دی۔ اور کیا اس عطاء کے بعد بھی کوئی عطا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

مدینہ طیبہ کی خاک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک سے متصل ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاک مدینہ طیبہ کی خاک سے ملی ہوئی ہے۔ لہٰذا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب گاہ ہے۔ پس اس طرح وہ ساری زمین اور اس میں موجود چیزوں سے افضل ہو گیا۔

شہر فتح ہوئے، اس کی شان بلند ہوئی، اس سے مینار اسلام بلند ہوا، آبادی کی اطراف میں نور کی شعائیں پھیلیں، اور لشکر اور سریے نکلے، جو اپنے ساتھ رحمت، ہدایت، نور اور برہان لئے ہوئے تھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ اس کے تابع ہو گیا۔ کیونکہ یہ دار السلطنت (عاصمہ) تھا۔

کیا کوئی ہمارا موقف ہو سکتا ہے جو اس مدینہ مفضلہ کے مقابل ہو، جو اس حد درجہ محبوب شہر کے مقابل ہو، جو اس طیب، طاہر اور مقدس شہر کے مقابل ہو، جو اس حرمت والے شہر کے مقابل ہو، جو اس شہر مکرم کے مقابل ہو، اور جو اس شہر مطہر و معظم کے مقابل ہو؟؟؟۔

میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کرتا ہوں، کہ وہ ہمیں اس کی رہائش کے اہل بنائے، ہمیں اس کے ادب کی توفیق عطا فرمائے، اور وہ ہمیں ایسا علم عطا فرمائے، جو ہمارے لئے نفع بخش ہو، اور اس علم سے ہمیں نفع عطا فرمائے جو اس نے ہمیں عطا فرمایا۔ اور ہمیں بغیر کسی ابتلاء اور مشقت کے ایمان کامل کے ساتھ مدینہ طیبہ میں موت عطا فرمائے، اور اپنے حبیب مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء الحمد کے نیچے مدینہ طیبہ کے باسیوں کے ساتھ ہمارا حشر فرمائے۔ بے شک وہ جواد ہے، کریم ہے اور اس پر قادر ہے۔ اس کے سوا کوئی اور ایسا نہیں۔ "وصلّی اللّٰہ وَسلَّم علٰی سَیِّدِنَا ونَبِیِّنَا وَحَبِیْبِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ - والحمد للّٰہ رب العالمین"

موضوع سے متصل چند مباحث کا بیان

(۱) مدینہ طیبہ کی فضیلت کے بارے چند احادیث ضعیفہ کا بیان اور ان کی روایات کا حکم۔ وہ احادیث ضعیفہ جن کی متابعات اور شواہد معلوم نہیں ہوئیں، ان کا ذکر کرنے سے قبل میں یہ مناسب سمجھتا ہوں، کہ میں یہ بیان کروں، کہ محدثین کے نزدیک حدیث ضعیف کی روایت کا حکم کیا ہے۔ اور انہوں نے فضائل، زہد اور رقائق وغیرہ کے بیان میں اس کی روایت کے جائز ہونے پر کیسے اتفاق کیا ہے؟ تا کہ اس موضوع میں ان کا ذکر کرنا ہمارے لئے آسان ہو جائے۔ جبکہ وہ حدیث موضوع نہ ہو۔

ضعیف حدیث کی تعریف

لغوی اعتبار سے ضعیف قوی کی ضد ہے۔ پھر ضعف کبھی حسی ہوتا ہے اور کبھی معنوی ہوتا ہے۔ اور یہاں مراد ضعف معنوی ہے۔

اصطلاحی تعریف

اصطلاحا اس کی دو تعریفیں مذکور ہیں۔

(۱) پہلی تعریف علامہ ابن الصلاح رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ہم زمانہ علماء مثلاً امام نووی اور ابن کثیر رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ کی۔

علامہ ابن صلاح رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہر وہ حدیث جس میں حدیث صحیح اور حدیث حسن کی صفات جمع نہ ہوں وہ ضعیف ہوتی ہے۔

اس تعریف پر کچھ تنقید ہے۔ کیونکہ وہ حدیث جو حدیث حسن کی صفات کو حاوی نہ ہو، وہ حدیث صحیح کو صفات سے بہت بعید ہوتی ہے۔

(۲) دوسری تعریف ابن دقیق العید، حافظ عراقی اور ان کے بعد کے کثیر علماء نے کی ہے۔ مثلاً علامہ سخاوی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ۔

ابن دقیق العید رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ وہ حدیث جو حسن کے درجہ سے کم ہو ضعف ہوتی ہے۔

حافظ عراقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ الفیہ میں فرماتے ہیں۔ ضعیف حدیث وہ ہوتی ہے۔ جو حدیث حسن کے مرتبہ تک نہ پہنچے۔ اگر چہ وہ بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہو۔

حضرت علامہ حافظ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔ ہر وہ حدیث جو حسن کی صفات سے خالی ہو۔ اس کے بھی کئی مراتب ہیں۔

اور علامہ عمر البیقونی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ ہر وہ حدیث جو حسن کے درجہ سے کم ہو، وہ ضعیف

ہوتی ہے۔اس کی کثیر اقسام ہیں۔

نتیجتاً ضعیف حدیث وہ ہے۔جس میں حدیث حسن کی صفات جمع نہ ہوں۔

حدیث مقبول(صحیح لذاتہ،صحیح لغیرہ،حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ) کی شرائط چھ ہیں۔عدالت،ضبط،سند کا متصل ہونا،شاذ نہ ہونا،علت کا نہ ہونا اور متابعت کا ہونا۔جب کوئی حدیث ان اوصاف میں سے کسی وصف سے خالی ہو۔تو وہ ضعیف ہوگی۔ لہٰذا جب کبھی نقص زیادہ ہوگا تو ضعیف بھی زیادہ ہوجائے گا۔اسی لئے حدیث ضعیف کی کثیر انواع ہیں۔

حضرت امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث صحیح کی طرح حدیث ضعیف کے بھی ضعف میں مختلف مراتب ہوتے ہیں۔

امام سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔کہ اس میں اشارہ اس جانب ہے۔کہ ضعیف حدیثوں میں بھی بعض اضعف ہوتی ہیں۔جس طرح کہ صحیح حدیثوں میں بعض اصح ہوتی ہیں۔

ضعف کے اسباب

ضعف کے اسباب دو ہیں۔(۱) سند سے کسی راوی کا ساقط ہونا۔(۲) راوی پر طعن ہونا۔

سند سے کسی راوی کا سقط کبھی ظاہر ہوتا ہے اور کبھی خفی ہوتا ہے۔(اس اعتبار سے حدیث کی مختلف اقسام ہیں) مثلاً معلق،مرسل،منقطع،معضل،مرسل خفی اور مدلیس۔

اسی طرح راوی میں طعن کبھی اس کی عدالت میں ہوتا ہے۔اور کبھی اس کے ضبط وتقویٰ میں ہوتا ہے اور دو قسموں میں سے ہر ایک کے اعتبار سے اس کی کئی انواع ہیں۔جو کتب اصول میں مذکور ہیں۔

ضعیف حدیث کی روایت اور اس پر عمل کرنے کا حکم

ہمارے عام علمائے حدیث اور دوسرے علماء نے عقائد اور احکام کی احادیث کے علاوہ سوائے موضوع روایات کے ضعیف اسانید،ان کی روایت اور ان کے ضعف کو بیان نہ کرنے میں نرمی سے کام لیا ہے۔بلکہ بعض سے تو یہ بھی منقول ہے۔کہ حلال وحرام کے احکام میں بھی حدیث ضعیف کے مطابق عمل جائز ہے۔بشرطیکہ کوئی صحیح حدیث موجود نہ ہو۔

علامہ ابن صلاح رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔کہ محدثین اور دیگر علماء کے نزدیک موضوع روایات کے علاوہ دیگر مختلف انواع کی ضعیف احادیث کی روایت اور اسانید میں تساہل جائز ہے۔اس طرح کہ ان کے ضعف کو بیان کرنے کا اہتمام نہ کیا جائے۔(امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ اضافہ کیا ہے۔کہ ان کے مطابق عمل کرنا جائز ہے) اور یہ ان احادیث کے بارے میں ہے۔جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور احکام شرعیہ حلال وحرام وغیرہ کا ذکر نہ ہو۔مثلاً مواعظ،قصص،فضائل الاعمال اور ترغیب وترہیب اور ہر وہ

جس کا تعلق احکام اور عقائد سے نہ ہو۔

اور ہم نے اس تساہل پر نص جن علماء سے روایت کی ہے وہ درج ذیل ہیں۔

عبدالرحمٰن بن مہدی اور حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اور شیخ الاسلام بلقینی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان میں درج ذیل افراد کا اضافہ کیا ہے۔

سفیانین اور یحییٰ بن محمد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ۔

اور حافظ عراقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے الفیہ میں کہا ہے۔

ابن مہدی اور کئی دوسروں نے موضوع کے علاوہ دیگر روایات میں تساہل برتا، اور انہیں سبب ضعف بیان کئے بغیر روایت کیا۔ البتہ احکام اور عقائد میں ضعف کے بیان کا لحاظ رکھا۔

پھر اس کی تشریح میں فرمایا۔ وہ روایت جو موضوع نہیں۔ محدثین نے ان کی اسناد میں اور سبب ضعف بیان کئے بغیر ان کی روایت کرنے میں تساہل کو جائز قرار دیا ہے۔ جبکہ وہ احادیث احکام اور عقائد سے متعلق نہ ہوں۔ بلکہ وہ ترغیب و ترہیب، مواعظ و قصص اور فضائل اعمال وغیرہ کے بارے ہوں۔

لیکن جب احادیث احکام شرعیہ مثلاً حلال و حرام وغیرہ یا عقائد کے بارے ہوں۔ مثلاً صفات باری تعالیٰ وغیرہ۔ اور وہ چیزیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا جائز ہے یا محال ہے وغیرہ۔ تو ایسی احادیث میں محدثین نے تساہل کو جائز قرار نہیں دیا۔

جن ائمہ محدثین نے اسے بیان کیا ہے۔ ان میں عبدالرحمٰن رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بن مہدی، امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بن حنبل اور عبداللہ بن مبارک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔

اور حافظ سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا الفیہ میں کہا ہے۔

............کہ محدثین مواعظ اور فضائل اعمال میں ضعف کی وضاحت نہ کرنے پر راضی ہو گئے۔ مگر عقائد اور حلال و حرام میں اس کی اجازت نہ دی۔

اسی طرح جمہور محدثین اور دیگر علماء نے عقائد اور حلال و حرام کے احکام کے علاوہ ضعیف حدیث روایت کرنے اور اس پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ بلکہ امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو اپنی متعدد تصانیف میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ جیسا کہ امام رملی اور سخاوی رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔

تنبیہ: امام سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول میں عقد سے مراد عقائد ہیں۔

وہ علماء حفاظ جن سے ضعیف حدیث لینے اور روایت کرنے میں تساہل منقول ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

امام عبدالرحمٰن بن مہدی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال و حرام کے بارے میں حدیث روایت کرتے ہیں۔ تو ہم اسانید میں شدت برتتے ہیں۔ اور رواۃ پر

تنقید کرتے ہیں۔اور جب فضائل اور ثواب وعقاب کے بارے روایت کرتے ہیں۔تو اسانید میں سہولت برتتے ہیں۔اور رواۃ کے بارے درگزر سے کام لیتے ہیں۔(من الدلائل وغیرہ)۔

حضرت سفیان ثوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔تم حلال وحرام کا علم حاصل نہ کرو مگر ان ہی سے جو علم میں مشہور ہیں۔اور وہ زیادت ونقصان کی پہچان رکھتے ہیں۔اور اس کے علاوہ مشائخ سے لینے میں کوئی حرج نہیں۔(من مقدمۃ الکامل والکفایۃ)۔

اور حضرت سفیان بن عیینہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا۔"بقیّہ" سے نہ سنو، جو کچھ سنت میں سے ہے، اور اس سے سنو، جو کچھ ثواب وغیرہ کے بارے ہے۔(من الکفایہ)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال وحرام، سنن اور احکام کے بارے روایت کرتے ہیں۔تو ہم اسانید میں سختی کرتے ہیں۔اور جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فضائل اعمال کے بارے روایت کرتے ہیں۔اور وہ حکم کے لئے وضع نہ کی گئی ہو۔تو ہم اس کی اسانید میں سہولت سے کام لیتے ہیں۔

اور یہ بھی کہا۔کہ احادیث رفاق یہ احتمال رکھتی ہیں۔کہ ان میں تساہل برتا جائے۔یہاں تک کہ ان کے بارے کوئی ایسی شئی کل جائے، جس میں حکم ہو۔

اور تدریب میں امام احمد بن حنبل، عبدالرحمٰن بن مہدی اور عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول منقول ہے۔کہ جب ہم حلال وحرام کے بارے میں روایت کرتے ہیں۔تو سختی کرتے ہیں۔اور جب فضائل اور ان جیسی چیزوں کا ذکر کرتے ہیں۔تو ہم شدت نہیں کرتے۔

ابوزکریا العنبری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔کہ جب خبر ایسی ہو، جو کسی حلال شئی کو حرام، اور کسی حرام کو حلال نہ بنائے، اور وہ کسی حکم کو بھی ثابت کرنے والی نہ ہو، بلکہ اس میں ترغیب وترہیب یا تشدید وترخیص کا ذکر ہو۔تو اس میں اغماض کرنا اور اس کی روایت میں سہولت سے کام لینا واجب ہے۔(**هذا من الکفایه والرملی**)۔

علامہ ابن عبدالبر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔کہ فضائل کی احادیث دلائل کی محتاج نہیں ہوتیں۔

امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔کہ احکام میں حدیث صحیح یا حسن سے استدلال کرنا جائز ہوتا ہے۔جبکہ حدیث ضعیف سے احکام اور عقائد میں استدلال کرنا جائز نہیں ہوتا۔اور احکام کے علاوہ اس کی روایت اور اس کے مطابق جائز ہوتا ہے۔مثلاً قصص، فضائل الاعمال اور ترغیب وترہیب۔

خطیب بغدادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے الکفایہ میں ان ٹیں سے بعض نصوص پر اپنے اس قول سے عنوان ذکر کیا ہے۔"**باب التشدد فی احادیث الاحکام و التجوز فی فضائل الاعمال**"(کہ یہ باب احکام کی احادیث میں شدت کرنے اور فضائل اعمال کی احادیث میں تساہل کے بیان میں ہے)۔

ہم نے متعدد ایسے محدثین کو پایا ہے۔ جنہوں نے اس کی روایت میں تساہل برتا ہے۔ ایسی صورت ں، کہ جب کسی باب میں حدیث ضعیف کے سوا کوئی حدیث نہ پائی گئی، یا محدثین راوی کی روایت کے انداز پر متفق نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے اسے رائے پر مقدم کر دیا۔ اگر چہ وہ احکام کے بارے میں ہی ہو۔

حافظ عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الفیہ میں کہا ہے۔

کہ ابوداؤد ایسے باب میں رائے کی نسبت حدیث ضعیف راویت کرنا قوی جانتے تھے جس میں اس کے سوا کوئی اور حدیث نہ ہوتی۔ ابن مندہ اور امام نسائی نے بھی یہی کہا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ حدیث جس کی روایت ترک کرنے پر محدثین کا اجماع نہیں، اس کے بارے وسیع رائے موجود ہے۔

علاوہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ حافظ ابوعبداللہ بن مندہ نے محمد بن سعد الباوردی کو مصر میں یہ کہتے سنا ہے۔ کہ امام ابوعبدالرحمٰن النسائی کا مذہب یہ تھا۔ کہ ہر وہ حدیث روایت کی جائے، جسے چھوڑنے پر محدثین کا اجماع نہ ہو۔

ابن مندہ اور ابوداؤد سجستانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ جب وہ کسی باب میں حدیث ضعیف کے بغیر کوئی نہیں پاتے۔ تو وہ اس کا ماخذ لے کر ضعیف سند کے ساتھ اسے روایت کر دیتے ہیں۔ کیونکہ رائے کی نسبت یہ اقوی ہے۔ واللہ اعلم۔ ھذا من علوم الحدیث۔

میں کہتا ہوں۔ کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بھی یہی رائے ہے کہ استدلال میں آدمی کی رائے پر ضعیف حدیث مقدم ہوگی۔ یہاں تک کہ اسے ترک کرنے پر اجماع ہو جائے۔

ابن حزم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی سند سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول بیان کیا ہے۔ کہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا کہ ہمارے نزدیک رائے کی نسبت ضعیف حدیث زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن احمد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ میں نے اپنے باپ سے ایسے آدمی کے بارے پوچھا، جو ایسے شہر میں رہتا ہے۔ جہاں وہ ایسا محدث پاتا ہے، جس کی حدیث کے صحیح ہونے یا ضعیف ہونے کے بارے وہ نہیں پہچانتا۔ اور ساتھ ہی وہ اصحاب رائے کو بھی پاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے کوئی مسئلہ پیش آجاتا ہے۔ تو وہ اس کے بارے کس سے سوال کرے گا؟ تو جواب دیتے ہوئے والد محترم نے فرمایا۔ وہ اس کے بارے صاحب حدیث سے سوال کرے گا۔ صاحب رائے سے نہیں پوچھے گا۔ کیونکہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے سے ضعیف حدیث اقوی ہے۔

یہی مذہب حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی ہے۔ کہ ان کے نزدیک بھی ضعیف حدیث رائے اور قیاس کی نسبت اولیٰ ہے۔

امام الماوردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے۔ کہ جب وہ مرسل حدیث کے سوا کوئی دلیل نہ پائیں، تو اسے ہی احتیاطاً بطور حجت لے لیتے ہیں، جبکہ وہ کسی ممنوع پر دلالت کر رہی ہو۔ جیسا کہ امام سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ واللہ اعلم۔ اسی طرح جب کوئی ضعیف خبر بیوع اور نکاح کی کراہت پر دلالت کرتی ہو۔ تو اسے بطور دلیل بیان کیا جا سکتا ہے۔ البتہ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ضعیف روایت سے بچنا مستحب ہے۔ لیکن واجب نہیں۔

اسی طرح حدیث ضعیف کو جب امت میں قبول عام حاصل ہو جائے۔ تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ جیسا کہ یہ حدیث ''لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ'' (کہ وارث کے لئے وصیت نہیں ہے) اس لئے کہ اسے کثیر افراد نے کثیر افراد سے اہل مغازی وغیرہم کی سند سے روایت کیا ہے۔ لہٰذا یہ متواتر کی مثل ہو چکی ہے۔ بعض علماء نے اسے آیت وصیت کے لئے ناسخ قرار دیا ہے۔ اور حدیث کے اوپر اجماع ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث ضعیف سے مطلقاً منع کیا ہے۔ لیکن بعض نے آپ کے اس قول کو اس معنی پر محمول کیا ہے۔ کہ جب حدیث میں ضعف شدید ہو، تو اس کی روایت اور اس پر عمل درست نہیں۔ واللہ اعلم

خلاصہ بحث یہ ہے۔ کہ اس مسئلہ میں متعدد اقوال ہیں۔

(۱) فضائل، ترغیب و ترہیب اور قصص وغیرہ میں اس پر عمل کرنا درست ہے۔ جبکہ عقائد اور حلال و حرام کے احکام میں ضعیف حدیث پر عمل درست نہیں۔ یہ مذہب عام اہل علم کا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ انہوں نے اس کی ضعف کو ذکر نہ کرنے کی سہولت دی ہے۔

میں کہتا ہوں۔ کہ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حدیث کے ضعف کو بیان کرنے کی شرط عائد کی ہے۔ انہوں نے اپنے فتاوی میں کہا ہے۔ کہ ان سے پوچھا گیا۔ جب یہ جان لیا جائے کہ یہ حدیث حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح نہیں ہے۔ تو کیا اسے کسی غیر کے لئے روایت کرنا یا کسی غیر کی طرف لکھنا جائز ہے؟۔ تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواباً فرمایا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ لیکن اس کے ضعف کو بیان کر دینا چاہیے تا کہ اس سے دھوکا نہ کھایا جائے۔ واللہ اعلم۔

اور اسی کا بیان عام ہے۔ واللہ اعلم

حافظ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فضائل اعمال وغیرہ میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے کے لئے تین شرائط ذکر کی ہیں۔

(۱) ضعف شدید نہ ہو۔ اس کا راوی کذاب، متہم بالکذب اور فحش غلطیاں کرنے والا نہ ہو۔ علائی نے اس

شرط پر تمام کا اتفاق نقل کیا ہے۔

(۲) اصول شریعت میں سے کسی معمول بہ اصل کے تحت درج ہو۔

(۳) اس کے مطابق عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھا جائے۔ بلکہ احتیاط کا اعتقاد رکھا جائے۔ یہ دونوں شرطیں ابن عبدالسلام اور ابن دقیق العید رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کی ہیں۔

(۲) ضعیف حدیث پر مطلقاً عمل کرنا جائز ہے۔ حتیٰ کہ احکام میں بھی، جبکہ صحیح یا حسن حدیث نہ پائی جائے۔ جیسا کہ امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ کے اقوال گزر چکے ہیں۔ اور یہی امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے بھی منقول ہے۔ بلکہ ابن قیم نے عام اہل علم سے اس طرح نقل کیا ہے۔ کہ وہ اسے رائے اور قیاس پر مقدم جانتے ہیں۔ اور انہوں نے متعدد ایسی امثلہ ذکر کی ہیں۔ جن سے مستند فقہائے اربعہ نے استدلال کیا ہے اور انہیں قیاس پر ترجیح دی ہے۔ حالانکہ وہ احادیث محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں۔

(۳) ضعیف حدیث پر عمل کرنا تب جائز ہے۔ جب اسے امت میں قبولیت عامہ حاصل ہو۔ یہ قول بھی متفق علیہ ہے۔

(۴) اس پر عمل کرنا مطلقاً جائز نہیں۔ یہ قول حضرت قاضی ابوبکر ابن العربی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے۔ اور بعض نے اس کی توجیہ اس طرح کی ہے۔ کہ یہ حکم تب ہے۔ جب حدیث میں ضعف شدید ہو۔

بعض محدثین نے یہ کہا ہے۔ کہ امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی حدیث ضعیف سے مراد حدیث حسن ہے۔ یہ ایسا قول ہے جسے نصوص مبہم قرار نہیں دیتیں۔ اور اس کی بہترین دلیل آپ کی اپنی کتاب المسند ہے۔ اور مولانا عبدالحی لکھنوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''الاجوبة الفاضلة'' میں حدیث ضعیف کے بارے کثیر اقوال ذکر کیئے ہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہوا۔ کہ فضائل اعمال، ترغیب وترہیب، رقائق، زہد اور قصص وغیرہ میں ضعیف حدیث کے مطابق عمل کرنا جائز ہے۔ اور ایسی احادیث پر عمل کرنا درست ہے۔ جن میں امور آخرت کی طرف ترغیب دی گئی ہو۔ اور گناہوں پر زجر وتوبیخ کا ذکر ہو۔ بشرطیکہ ان میں ضعف شدید نہ ہو، ضعف کا سبب بیان کر دیا جائے، اور وہ صیغہ تمریض سے مروی ہو۔ تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ صحیح نہیں۔ بالخصوص ایسے آدمی کو جو حدیث اور علوم حدیث میں مشغول رہتا ہو۔ لیکن احکام اور حلال وحرام اسے متعلقہ مسائل میں جب حدیث صحیح یا حسن موجود ہو، ضعیف حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہوتا۔ البتہ جب اس باب میں صحیح یا اس سے قریب تر کوئی حدیث موجود نہ ہو۔ اور صرف ضعیف حدیث ہی باقی ہو، تو پھر اس کے مطابق استحباباً عمل کرنا اولیٰ ہے۔ نہ کہ وجوباً۔ اس لئے کہ اگر نفس الآمر میں وہ حدیث صحیح ہے۔ تو اس پر عمل

کر کے اس کا حق ادا کر دیا گیا۔ بصورت دیگر اس پر عمل کرنے سے کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کرنا لازم نہیں آتا............واللہ اعلم۔

تو اسی طرح چلتے چلتے میں متعدد ضعیف احادیث ذکر کروں گا۔ جن میں سے بعض حدیث حسن کے قریب ہیں۔ اوران میں ضعف کے پیدا ہونے کا غالب سبب سند میں انقطاع ہونا، راوۃ کا مجھول ہونا، روای میں ضبط اور تقویٰ کا نہ ہونا اور راوی پر سوٗ حفظ کا طاری ہونا ہے......اور میں نے ان کی متابعات اور شواہد نہیں پائیں۔ شاید میرے معاصرین میں سے کوئی اور یا میرے بعد آنے والا کوئی عالم ان کی متابعات اور شواہد پالے۔ اگرچہ ان میں سے بعض پر کثیر بحث ہونے کی بناء پر ان کی تتبع وتلاش کے لئے میں نے زیادہ جستجو نہیں کی، اور انہیں یہاں ذکر کر دیا۔ واللہ اعلم

چند ضعیف احادیث کا بیان

یہ بعض وہ احادیث ہیں۔ جن پر ضعف غالب ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض درجہ حسن کے قریب ہیں۔

ان شرائط کا بیان جو اہل مدینہ کے لئے مقرر کی گئیں

(۱) ذی مخبر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو ظاہر فرمایا۔ درآنحالیکہ یہ تعمیر سے قبل ایک وادی تھی۔ اس میں نہ مٹی کے مکان تھے اور نہ ہی خیموں میں کوئی سکونت تھی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے اہل یثرب! میں تمہارے لئے تین شرطیں لگا رہا ہوں، اور تمہاری جانب ہر قسم کے پھلوں کو لا رہا ہوں، نافرمانی نہ کرنا، فخر نہ کرنا، اور تکبر نہ کرنا، اگر تم نے ان میں سے کچھ کیا۔ تو وہ تمہیں چھوڑ جائیں گے اور تم ذبح شدہ جانور کی مثل ہو جاؤ گے۔ کہ جسے جو بھی کھانے لگے وہ اسے روک نہیں سکتا'' اسے طبرانی نے الکبیر میں نقل کیا ہے۔ اور اس کی سند میں ایک راوی سعید بن سنان شامی ہے۔ جو ضعیف ہے۔

مدینہ طیبہ قرآن کریم سے فتح ہوا

(۲) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''کہ شہر تلوار سے فتح ہوئے، لیکن مدینہ طیبہ قرآن سے فتح ہوا۔'' اسے بیہقی نے شعب میں بزار ابن عدی نے کامل میں اور عقیلی نے الضعفاء میں نقل کیا ہے۔ ان کی اسناد میں ایک راوی ابن زبالہ ہے۔ اسی لئے امام بیہقی نے کہا ہے۔ کہ اس کے راویوں کا ضعف ثابت نہیں۔ اور یہ امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول سے مروی ہے۔ لیکن امام سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ خطیب نے اسے ایک دوسری سند سے امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے۔

مدینہ طیبہ کی مکہ مکرمہ پر فضیلت کا بیان

(۳) حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ وہ مکہ مکرمہ میں منبر کے پاس مروان بن حکم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ مروان نے لوگوں کو خطبہ دیا۔ اور اس میں مکہ مکرمہ اور اس کی فضیلت کا ذکر کیا۔ لیکن مدینہ طیبہ کا ذکر نہیں کیا۔ تو حضرت رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنے دل میں بہت محسوس کیا۔ چونکہ آپ عمر رسیدہ تھے۔ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور فرمایا۔ یہ کلام کرنے والا کہاں ہے؟ میرا خیال یہ ہے۔ کہ چونکہ تو مکہ مکرمہ میں مقیم ہے۔ اس لئے تو نے اس کے فضائل کا ذکر کیا ہے۔ اور جس کے ذکر سے تو خاموش رہا ہے وہ فضائل میں اس سے زیادہ ہے۔ اور تو نے مدینہ طیبہ کا ذکر ہی نہیں کیا۔ میں شہادت دیتا ہوں۔ کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ ''کہ مدینہ طیبہ مکہ مکرمہ سے بہتر ہے۔'' اسے طبرانی نے الکبیر میں، دارقطنی نے الافراد میں، جندی، بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاریخ میں، اور ابن عدی نے کامل میں ذکر کیا ہے۔ ان تمام کی سند میں ایک راوی محمد بن عبدالرحمٰن بن رداد ہے، جسے انہوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے اس کا ذکر اپنی ثقات میں کیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ یہ غلطیاں کرتا تھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ذکر اپنی تاریخ میں کیا ہے۔ لیکن اس میں کسی عیب کا ذکر نہیں کیا۔ واللہ اعلم

مدینہ طیبہ سے غائب ہونے والے کے دل کے سخت ہونے کا بیان

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
''جو مدینہ طیبہ سے تین دن غائب رہا، وہ اس حال میں واپس آیا کہ اس کا دل سختی سے بھرپور ہے۔''
اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ اس کا ایک راوی علقمہ بن علی ہے۔ جس کے بارے علامہ ہیثمی نے کہا ہے۔ کہ میں اسے نہیں پہچانتا۔ اس کے علاوہ بقیہ رواۃ ثقہ ہیں۔

اس کے پاک (برکت والا) اور تمام شہروں کا سردار ہونے کا بیان

(۵) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سفر سے واپس تشریف لاتے تو فرماتے۔ ''اے امن اور برکتوں والے شہر، اے تمام شہروں کے سردار۔''
اسے ابو نعیم اور دیلمی نے فردوس میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن عمر المکبر ہے۔ اور دوسروں کے بارے میں نے چھان بین نہیں کی۔

مسجد نبوی میں ایک نماز کے بدلے پچاس ہزار نماز کے ثواب کا بیان

(۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''کہ آدمی کو اپنے گھر میں نماز پڑھنے سے ایک نماز کا ثواب، اپنے قبیلے کی مسجد میں

پڑھنے سے پچیس نمازوں کا ثواب، جامع مسجد میں نماز ادا کرنے سے پانچ سونمازوں کا ثواب، مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کرنے سے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب، میری اس مسجد میں (مسجد نبوی) نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازوں کا ثواب، اور مسجد حرام میں ایک نماز ادا کرنے سے ایک لاکھ نماز پڑھنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔'' اسے ابن ماجہ، مقدسی نے فضائل بیت المقدس میں اور واسطی نے فضائل بیت المقدس میں نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی ابو الخطاب دمشقی ہے۔ اس کے بارے علامہ ابن حجر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے التقریب میں کہا ہے۔ کہ یہ مجہول ہے۔ اور ایک راوی رزیق ابوعبداللہ الہانی الحمصی ہے۔ یہ سچا راوی ہے۔ لیکن وہم میں مبتلا تھا۔

مسجد نبوی میں دس ہزار نماز کے ثواب کا بیان

(۷) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔'' میری اس مسجد میں ایک نماز دس ہزار نمازوں کے برابر ہے، مسجد حرام میں ایک نماز اس سے دس گنا ہے، یعنی اس کا ثواب ایک لاکھ نماز کے ثواب کے برابر ہے، آدمی کا بیت المقدس میں ایک نماز پڑھنا ایک ہزار نماز پڑھنے کی مثل ہے، اور آدمی کا اپنے گھر میں ایک نماز اس طرح پڑھنا، کہ اسے کوئی دیکھ نہ رہا ہو، ان تمام سے افضل ہے۔'' اسے طبرانی نے الکبیر میں نقل کیا ہے۔ علامہ زرکشی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور علامہ سمہودی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ یہ ضعیف ہے۔ اور اس کے ضعف کا سبب سند میں مقاتل اور عمر بن بکر کا موجود ہونا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں متروک راوی ہیں۔ واللہ اعلم

مسجد نبوی کی توسیع کا بیان

اس بارے میں دو حدیثیں مذکور ہیں۔

(۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔'' کہ اگر میری یہ مسجد صنعاء تک بنا دی جائے، تو یہ میری ہی مسجد ہے۔'' اسے دیلمی نے اور زبیر بن بکار نے اخبار المدینہ میں ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی سعد بن سعید ابن ابی سعید المقبری اپنے بھائی عبداللہ سے اسے روایت کرتا ہے۔ اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ لیکن عبداللہ کا ضعف نسبتاً زیادہ ہے۔

(۹) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنتا۔ '' کہ میں چاہتا ہوں، ہمارے قبلہ میں اضافہ کیا جائے، تو میں اس میں اضافہ نہ کرتا۔'' اسے امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، بزار اور ابو یعلی نے روایت کیا ہے۔ ان تمام کی اسناد میں ایک راوی العمری ہے۔

امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ اور اسے حجت بنانے میں اختلاف کیا ہے۔ امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی سند میں حضرت نافع اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان انقطاع ہے۔ لیکن ابو یعلی کی روایت میں سند متصل ہے۔

قبر شریف کو ملائکہ کے گھیرنے کا بیان

حضرت نبیہ بن وہب سے راویت ہے۔ کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوئے۔ پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا۔ تو حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ کہ ہر روز ستر ہزار ملائکہ نازل ہوتے ہیں، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کا طواف کرتے ہیں، اپنے پر مارتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب شام ہوتی ہے۔ تو وہ واپس اوپر چلے جاتے ہیں۔ اور پھر ان کی مثل ستر ہزار نیچے اترتے ہیں۔ وہ بھی ان ہی کی مثل عمل کرتے ہیں۔ یہی سلسلہ چلتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک شق ہوگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ستر ہزار ملائکہ کے اژدھام میں باہر تشریف لائیں گے۔'' اسے ان الفاظ سے دارمی نے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں امام بیہقی نے شعب میں اور اسماعیل قاضی نے فضل الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نقل کیا ہے۔ اس کی اسانید صحیح ہیں۔ لیکن مقطوع ہیں۔ کیونکہ حضرت کعب تابعی ہیں۔ اور ان کا یہ قول مرفوع نہیں ہے۔ اسی لئے میں نے اسے یہاں نقل کیا ہے۔ حالانکہ ان تک سند صحیح ہے۔ اور انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تائید ذکر نہیں کی۔ شاید اسے سابقہ کتاب سے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم

مسجد کی توسیع حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے

اس باب میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں یہ تعیین نہیں کہ کونسی مسجد مراد ہے۔ اگر اس سے مراد مسجد نبوی ہے، تو اسے ہم آج ملاحظہ کر رہے ہیں کہ وہ ایک واضح معجزہ ہے۔ اور اگر اس سے مراد مسجد قباء ہے۔ تو اس کا معجزہ ہونا بھی ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

(۱۱) حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ ہم مسجد بنا رہے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔'' اسے وسیع کرو تم اسے بھر دو گے۔'' یہ روایت طیالسی اور ابن خزیمہ نے نقل کی ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن درہم اسدی ہے۔ اس سے شبابہ نے روایت کیا ہے۔ اور اس کے بارے کہا، کہ وہ ثقہ ہے۔ لیکن ابن معین اور دار قطنی وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

(۱۲) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

انصار کی ایک قوم کے پاس سے گزرے، اس حال میں کہ وہ مسجد بنا رہے تھے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ارشاد فرمایا۔ "اپنی مسجد کو وسیع کرو تم اسے بھر دو گے۔" اسے طبرانی انے الکبیر میں، اور ابن عدی نے الکامل میں روایت کیا ہے۔ یہ بھی محمد بن درہم کی سند سے ہی مروی ہے۔ اسی لئے امام بیہقی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ اس کی سند میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم

مسجد قباء کے بانی حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں

(۱۳) حکم بن عتیبہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ جب پہلی مرتبہ مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا۔ کہ ضروری ہے کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکان بنائیں۔ چنانچہ جب آپ قیلولہ سے بیدار ہوئے۔ تو سائے کا انتظام کیا، اور اس میں نماز ادا فرمائی۔ تو پھر حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پتھر جمع کئے، اور مسجد قباء کی بنیاد رکھ دی۔ یہی وہ مسجد ہے جو سب سے پہلے بنائی گئی۔ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بنایا۔ اسے حاکم نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں یونس بن بکیر سے مسعودی روایت کرتے ہیں۔ اور مسعودی مختلط راوی ہے۔ لہٰذا جس نے بغداد میں ان سے روایت کی ہے۔ وہ اختلاط کے بعد ہے۔ اور یونس کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت بھی مرسل ہے۔ کیونکہ حاکم پانچویں نمبر پر آتے ہیں۔ واللہ اعلم

مسجد قباء کی لکیریں لگانے کا بیان

(۱۴) حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ "ہمارے ساتھ اہل قباء کی جانب چلو، تا کہ ہم انہیں سلام کہیں۔" پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، اور انہیں سلام فرمایا۔ اور انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحبا کہا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اے اہل قباء، اس حرہ سے میرے پاس پتھر لاؤ۔" چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بہت سے پتھر جمع کر دیئے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چھوٹا سا نیزہ تھا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ان کے قبلہ کی سمت خط کھینچا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پتھر اٹھا کر وہاں رکھ دیا۔ بعد ازاں فرمایا۔ "اے ابو بکر، ایک پتھر اٹھاؤ اور میرے پتھر کے ساتھ رکھ دو۔ پھر فرمایا۔ اے عمر! ایک پتھر اٹھاؤ اور ابو بکر صدیق کے پتھر کے ساتھ رکھ دو۔ پھر متوجہ ہوئے، تو فرمایا۔ اے عثمان! ایک پتھر اٹھاؤ اور عمر کے پتھر کے پہلو میں رکھ دو۔ پھر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ ہر آدمی نے اپنا پتھر اس خط والی زمین پر جہاں پسند کیا، رکھ دیا۔ اسے طبرانی نے الکبیر میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ ہیثمی نے کہا ہے۔ کہ اس میں ایسے راوی ہیں جنہیں میں

نہیں پہچانتا۔

چونکہ مسجد قباء کی اس بناء میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہیں۔اور پھر یہ روایت حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔اس لئے اس سے مراد بناء اول نہیں۔کیونکہ مسجد قباء کی پہلی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی مرتبہ مدینہ طیبہ میں قدم رنجہ فرما ہوتے وقت رکھی تھی۔جیسا کہ یہ پہلے گزر چکا ہے۔لہٰذا اس میں یہ احتمال ہے۔کہ یہ بنیاد تحویل قبلہ کے بعد،یا پھر مسجد کو نئے سرے سے بنانے اور اسے وسیع کرنے کے لئے رکھی گئی۔واللہ اعلم

مدینہ طیبہ کو چھوڑنے والے کے بارے نفاق کے خدشہ کا بیان

(۱۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔کہ عرب کا ایک گروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ طیبہ حاضر ہوا،اور اسلام قبول کرلیا۔پھر انہیں مدینہ طیبہ کی وبا نے آلیا۔اور وہ بیماری میں مبتلا ہوگئے۔چنانچہ انہیں پہلی حالت کی طرف لوٹا دیا گیا۔اور وہ مدینہ طیبہ سے نکل پڑے۔حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے چند صحابہ کرام کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی۔تو انہوں نے انہیں کہا۔کیا ہوا تمہیں کہ تم واپس لوٹ رہے ہو؟ انہوں نے کہا ہمیں مدینہ کی وباء نے آلیا ہے۔اس لئے ہم نے یہاں رہنا پسند نہیں کیا۔تو صحابہ کرام نے ان سے کہا۔کیا تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اسوہ نہیں ہے؟ تو بعض نے کہا۔وہ منافق ہوگئے۔اور بعض کہا۔وہ منافق نہیں ہوئے۔بلکہ وہ مسلمان ہیں۔تو پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت طیبہ نازل فرمائی۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

(النساء:۸۸)

"سو کیا ہوگیا ہے تمہیں کہ منافقوں کے بارے میں (تم) دو گروہ بن گئے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے انہیں بوجہ ان کی کرتوتوں کے جو انہوں نے کئے"

اسے حضرت امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس سند سے نقل کیا ہے۔ابن اسحاق عن یزید بن عبداللہ بن قسیط عن ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن عن ابیہ۔تو اس کے بارے کثیر حفاظ حدیث نے جن میں امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ،علی بن مدینی،یحییٰ بن معین،ابو حاتم اور ابوداؤد وغیرہ شامل ہیں۔کہا ہے۔کہ ابوسلمہ نے اپنے باپ سے سماع نہیں کیا۔اس لئے یہ سند منقطع ہے۔تب ہی تو میں نے اسے اس باب میں نقل کیا ہے۔اس آیت کے سبب نزول کے بارے ایک دوسرا واقعہ غزوۂ احد کے بیان میں گزر چکا ہے۔اور وہ صحیح میں ہے۔واللہ اعلم

بنی بیاضہ اور بنی سالم کے درمیان رحمت کے نزول کا بیان

(۱۶) حضرت سعید بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "میں نے دیکھا ہے۔ کہ بنی سالم اور بنی بیاضہ کے درمیان رحمت نازل ہوئی ہے۔" تو صحابہ کرام نے عرض کی! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم اسی جگہ منتقل ہو جائیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "نہیں۔ بلکہ اس جگہ قبریں بناؤ۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مردوں کی قبریں وہاں بنائیں۔" اسے طبرانی نے الکبیر میں نقل کیا ہے۔ اور علامہ ہیثمی نے کہا ہے۔ کہ اس کا ایک راوی یعقوب بن محمد الزہری ہے۔ اس میں بہت زیادہ کلام ہے۔ اور پھر اسے ثقہ کیا گیا ہے۔ اس کا ذکر رقم (۱۱۲۷) کے تحت پہلے گزر چکا ہے۔

مدینہ طیبہ میں خیرات کے کثیر اور وسیع ہونے کا بیان

(۱۷) حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ عنقریب مدینہ طیبہ کی جانب کھانا (غلہ) اونٹوں پر لاد کر...... نہیں لایا جائے گا۔ اس کے باسیوں کا غلہ یہیں سے ہوگا۔ ہر آدمی کے پاس اپنی اصل ہوگی یا کھیتی ہوگی یا پھر مویشی ہونگے۔ جو سرسبز و شاداب کھیتوں میں گھوم رہے ہونگے۔ جب تم عمارتوں کو دیکھو کہ وہ کڑدے درختوں سے بلند ہوگئی ہیں تو انہیں جلادو۔ (منہدم کردو) اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں بعض مستور راوی موجود ہیں۔

(۱۸) حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "چار پہاڑ جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں، چار دریا جنت کے دریاؤں میں سے ہیں، اور چار جنگیں جنت کی جنگوں میں سے ہیں۔" عرض کی گئی: وہ کون سے پہاڑ ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "احد ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے۔ اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، یہ جنت کے پہاڑوں میں سے ایک ہے۔ طور جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے، اور لبنان جنت کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ ہے، اور چار دریا یہ ہیں۔ نیل، فرات، سیعان اور جیحان، اور چار جنگیں یہ ہیں۔ بدر، احد، خندق اور حنین۔" اسے طبرانی نے الکبیر میں نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی کثیر بن عبداللہ ہے۔ اور یہ ضعیف ہے۔

مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے والے کے کفارہ کا بیان

(۱۹) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں۔ "کہ جس نے ایک مرتبہ یثرب کہا، اسے چاہیے کہ وہ دس مرتبہ مدینہ کہے۔" اسے حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تاریخ میں، اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں روایت کیا

ہے۔ دونوں نے اسے ''عثمان بن حفص بن خلدہ زرقی'' کے عنوان میں ذکر کیا ہے۔ اور امام بخاری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ اس کی متابع نہیں پائی جاتی۔ اور آپ نے اور ابو حاتم نے کہا ہے۔ کہ میں نہیں جانتا۔ کہ یہ پہلا ہی اول ہے۔ یا وہ عثمان بن عبدالرحمٰن الوقاصی ہے۔ حاکم کی کنز العمال میں...... عامر بن ربیعہ سے یہ نسبت مذکور ہے۔

مدینہ طیبہ میں دو قبلے نہیں بنائے جا سکتے

(۲۰) حضرت عبدالرحمٰن بن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔'' یہ شہر یعنی مدینہ طیبہ دو قبلوں کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس جو نصرانی اسلام لے آئے۔ پھر عیسائی ہو جائے۔ تو اسے قتل کردو۔'' اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اور علامہ ابن اثیر اور حافظ نے الاصابہ میں عبدالرحمٰن کے عنوان میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور علامہ ہیثمی نے کہا ہے۔ کہ اس کی سند میں ایسے راوی ہیں جنہیں میں نہیں پہچانتا۔''

مدینہ طیبہ کے کثیر افراد بغیر حساب جنت میں جائیں گے

(۲۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔'' اللہ تعالیٰ عزوجل اس سرزمین سے اور اس حرم پاک سے ستر ہزار افراد اٹھائے گا، وہ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہونگے، ان میں سے ہر ایک ستر ہزار افراد کی شفاعت کرے گا، اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی مثل منور ہونگے۔'' اسے دیلمی نے مسند الفردوس میں نقل کیا ہے۔ اس کی سند میں دو راوی زید بن الحواری العمیٰ اور اس کا بیٹا ہے۔ اور یہ دونوں ضعیف ہیں۔ اور اس میں ایسا راوی بھی ہے۔ جسے میں نہیں پہچانتا۔ لیکن حدیث کے پہلے حصے کی شاہد اس سے قبل گزر چکی ہیں۔ میں نے اس حدیث کی طرف رقم (۱۱۲۱) کے آخر میں اشارہ کیا ہے۔

جو آدمی مسجد نبوی کی زیارت کے بعد یا اس کے دوران فوت ہو گیا وہ شہید ہو گا

(۲۲) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔'' کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے ارشاد فرمایا۔ جس نے میرے گھر میں میری زیارت کی، یا میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں، یا بیت المقدس میں، پھر فوت ہو گیا۔ تو وہ شہادت کی موت کے ساتھ فوت ہوا۔'' اسے بھی دیلمی نے روایت کیا ہے۔

یہاں اور بھی کثیر احادیث ہیں۔ جنہیں میں نے ترک کر دیا ہے۔ مثلاً مدینہ طیبہ ہی زیارت کا زیادہ حق رکھتا ہے، تربۃ صعیقب، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کی متعدد مساجد میں نماز ادا کرنا، اور رب کریم کی بارگاہ میں مدینہ طیبہ کا تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہونا وغیرہ۔ واللہ اعلم

(۲) خصائص مدینہ منورہ کا اجمالی بیان

مدینہ منورہ کے خصائص بہت زیادہ ہیں، انہیں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ بہت سے علماء نے انہیں ذکر کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ ان میں سے بعض نے بعض کی نسبت زائد تحریر کیے ہیں۔ ان میں سے امام زرکشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب ''اعلام الساجد'' میں، امام سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''وفاء الوفاء'' اور ''مختصر'' میں، اور امام محمد بن یوسف صالحی دمشقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''سبل الہدیٰ والرشاد'' میں لکھے ہیں۔

جو خصائص انہوں نے ذکر کیے ہیں میں ان کا خلاصہ ذکر کروں گا۔ اور میں اپنی ہر بحث کے دوران کچھ ایسے خصائص کا اضافہ بھی کروں گا، جن پر مطلع ہوا۔ جاننا چاہیے کہ مکہ مکرمہ ان میں سے کثیر خصائص میں مدینہ منورہ کے ساتھ موافقت رکھتا ہے۔ اور اس التجاء کے ساتھ کہ رب کریم اسے قبول فرمائے۔ اسی کی جانب لوٹنا ہے۔ وہی مجھے کافی ہے۔ اور اسی پر میرے تمام امور کا اعتماد و انحصار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جو میں نے ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے بعض میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے۔ اور بعض کی بنیاد ضعیف حدیث پر بھی ہے۔

مدینہ منورہ کے خصائص درج ذیل ہیں

(۱) اللہ تعالیٰ نے اسے سچائی کے داخل ہونے کی جگہ (محل صدق) بنایا۔ اور اس کی اہمیت اس وقت ظاہر ہوئی، جب رب کریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ارشاد فرمایا۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ (الاسراء:۸۰)

(اور دعا مانگا کیجئے کہ اے میرے رب! جہاں کہیں تو مجھے لے جائے سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں کہیں سے مجھے لے آئے سچائی کے ساتھ لے آ)۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کو سید المرسلین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے بیان فرمایا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اسے حرم بنایا۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں حرم ہے۔

(۴) اسے حرم امن بنایا۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں ہے۔

(۵) اس میں باہم قتال کے لئے ہتھیار اٹھانا حرام ہیں۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں۔

(۶) مکہ مکرمہ کی طرح اس میں بھی خون بہانا (قتل کرنا) حرام ہے۔

(۷) مکہ مکرمہ کی طرح اس میں بھی گری پڑی چیز کو اٹھانا حرام ہے۔ مگر اس کا اعلان کرانے کے لئے اور اصلی مالک تک پہنچانے کے لئے۔

(۸) مکہ مکرمہ کی طرح اس کے شکار کو بھگانا حرام ہے۔

(۹) اس میں شکار کرنا بھی حرام ہے۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں۔

(۱۰) اس کے درختوں کو ضائع کرنا، حشیش اور گھاس کو کاٹنا حلال اور محرم آدمی پر حرام ہے جیسا کہ مکہ مکرمہ میں حال ہے۔ اس میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف ہے۔

(۱۱) اس میں شکار کرنے والے اور درخت کاٹنے والے پر ضمانت لازم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اس سے وہ چیز ضبط کر لی جائے گی۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۱۲) اس میں حرم شریف کی حدود سے باہر اس کی مٹی اور پتھر منتقل کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ یہی حکم مکہ مکرمہ میں بھی ہے۔

(۱۳) اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ جیسا کہ اس ارشاد گرامی میں ہے۔ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ (النساء:۹۷)۔ (کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی تا کہ تم اس میں ہجرت کرتے)۔ مذکورہ حکم متعدد مفسرین کی رائے کے مطابق ہے۔

(۱۴) اس کی نسبت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔ ''كَمَا اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ'' (جیسا کہ تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے نکالا) اور ''مدینہ طیبہ حرم ہے۔'' علاوہ ازیں اور بھی نصوص ہیں۔

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو اپنے نبی اور مصطفٰے کے لئے بطور ہجرت گاہ پسند فرمایا۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو چنا۔ کہ وہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے راحت و قرار کی جگہ ہو۔

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے اسے دین کا مظہر بنایا۔

(۱۸) تمام شہروں کا افتتاح اسی سے ہوا۔

(۱۹) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہیں موت کی خواہش کی۔

(۲۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی مثل بلکہ اس سے بھی زیادہ اس سے محبت کرنے کی دعا فرمائی۔

(۲۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے شدید محبت کے سبب، سفر سے واپس آتے وقت اس کی دیواروں کو دیکھتے ہی اپنی سواری کو تیز حرکت دیتے۔

(۲۲) اس کے نام کثیر ہیں۔ جو اس کی عظمت و شرف پر دلالت کرتے ہیں۔ میں کسی شہر کو نہیں جانتا جس کے اسماء اس کی مثل ہوں۔

(۲۳) اس کے اسماء میں سے طیبہ اور طابہ ہیں۔ اور یہ وہ ہیں جن سے اسے رب کریم نے پکارا ہے۔

(۲۴) تورات میں اس کے یہ نام ہیں۔ مومنہ، المحبوبہ اور المرحومہ۔

(۲۵) اس میں زندگی خوشحال ہے۔

(۲۶) اس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت سے دعا فرمائی۔

(۲۷) مدینہ منورہ میں، اس کے صاع، مد، کیل اور پھل میں برکت موجود ہے۔

(۲۸) مکہ مکرمہ کی نسبت اس میں برکت کئی گنا زیادہ ہے۔

(۲۹) مدینہ منورہ بذات خود طیب ہے۔ اگر چہ اس میں کوئی طیب چیز نہ بھی ہو۔

(۳۰) اس کی خوشبو خالص ہوتی ہے۔

(۳۱) مدینہ طیبہ میں عطر اور بخور کی خوشبو دوسرے تمام شہروں کی نسبت کئی گنا پائی جاتی ہے۔

(۳۲) مدینہ منورہ کئی قصبوں سے بڑا ہے۔

(۳۳) اسے زمانہ جاہلیت کے نام ''یثرب'' کے ساتھ پکارنا جائز نہیں۔ یہ تو مدینہ ہے۔ یہی اس کا علم ہے۔ اس کے لئے یہ لفظ معرف باللام (المدینہ) ذکر کیا جاتا ہے۔

(۳۴) یہ کیر (پھونکنی) کی مثل ہے۔ جو اپنے سے ناپاکی کو دور کر دیتا ہے۔

(۳۵) یہ گناہوں کو ایسے ہی مٹا دیتا ہے۔ جیسے پھونکنی چاندی کے خبث کو دور کر دیتی ہے۔ اس لئے کہ اس میں زندگی سخت ہے اور حالت تنگ ہے۔ نتیجتاً نفوس اپنی شہوات اور حرص کی طرف میلان سے خلاصی پا لیتے ہیں۔ اور ان کی صلاحیتیں باقی رہتی ہیں۔

(۳۶) یہ ہر وقت شر انگیزی سے دور رہے گا۔ اور دجال کے بالذات ظاہر ہونے کے وقت اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔

(۳۷) دجال اس میں داخل نہیں ہوگا۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں۔

(۳۸) اس میں دجال کا رعب داخل نہیں ہوگا۔

(۳۹) اس کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے۔ کہ اس میں طاعون داخل نہیں ہوگا، اس سے قبل بھی اس میں طاعون کے واقع ہونے کے بارے نہیں سنا گیا۔ حالانکہ اس کے جوار میں ہوتا رہا۔

(۴۰) اس سے وبا (بخار) جحفہ کی طرف نکل گیا۔

(۴۱) یہ ایمان اور قرآن سے فتح ہوا۔ جبکہ دوسرے شہر تلوار سے فتح ہوئے۔

(۴۲) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد اور آپ کی دلجوئی کے لئے فتح مکہ سے قبل مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنا اور اس میں سکونت اختیار کرنا واجب ہے۔ اور فتح مکہ کے بعد مستحب ہے۔

(۴۳) جس نے فتح مکہ سے قبل اس کی طرف ہجرت کی، اس کے لئے اقامت اور سکونت اختیار کرنے کے لئے مکہ مکرمہ کی طرف لوٹنا حرام ہے۔ جیسا کہ جمہور نے بیان کیا ہے۔ اور اسے قربانی ادا کرنے کے بعد تین دن وہاں ٹھہرنے کی رخصت دی گئی ہے۔

(۴۴) اس کی خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ ایمان اس کی طرف سمٹ جائے گا۔

(۴۵) یہ ملائکہ سے بھرپور ہے۔ اور وہی اس کے محافظ ہیں۔

(۴۶)یہ ہمیشہ دارالاسلام رہے گا۔

(۴۷)شیطان مایوس ہو چکا ہے۔ کہ مدینہ طیبہ میں اس کی عبادت کی جائے گی۔

(۴۸)اس میں کفار کا داخلہ ممنوعہ ہے۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں حکم ہے۔

(۴۹)اس کی خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ اس میں ایمان اور حیاء غالب رہے گا۔

(۵۰)ان مقامات پر دعا مانگنا مستحب ہے۔ جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔

(۵۱) اہل مدینہ کے لئے یہ تخصیص بھی ہے۔ کہ مواقیت دور ہونے کے سبب ان کے لئے ثواب زیادہ ہے۔

(۵۲)اس میں اختلاف ہے کہ جو آدمی حج کا ارادہ کرے، آیا وہ ابتدا مدینہ طیبہ سے کرے یا مکہ مکرمہ سے۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حج کرتے وقت ابتداء مدینہ منورہ سے کرتے تھے۔ اور کہتے تھے، کہ ہم تو ابتداء اس جگہ سے کریں گے جہاں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احرام باندھا۔

(۵۳) مدینہ طیبہ اور مکہ مسجد اقصیٰ کے قائم مقام ہیں، ایسے آدمی کے لئے جس نے اس میں نماز پڑھنے یا اعتکاف کرنے کی نذر مانی۔ بے شک وہ ان دو میں سے ایک سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔

(۵۴)مدینہ طیبہ میں صغیرہ گناہ کی تعظیم کرنا، اسے کبیرہ بنا دیتی ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''جس نے اس میں نئے کام (بدعت) کا آغاز کیا......'' تو روایت میں لفظ حدث صغیرہ کو بھی شامل ہے۔ تو اس کے ساتھ وہ کبیرہ ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کی سزا بھی زیادہ دی جائے گی۔ کیونکہ یہ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ اس کا مرتکب حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیر جان کر ایسا کرنے کی جرأت کر رہا ہے۔

(۵۵)ایسے آدمی کے لئے مدینہ طیبہ میں سوار نہ ہونا مستحب قرار دیا گیا ہے۔ جو اس پر قادر ہو، لیکن اسے حاجت نہ ہو۔ جیسا کہ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کرتے تھے۔

(۵۶)مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔ یہ قول متقدمین شوافع میں سے ابوبکر الخفاف نے کہا ہے۔ اور امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی مناسک میں اس کی تصریح کی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۵۷)امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اہل مدینہ کے اجماع اور عمل کو خبر واحد پر مقدم کیا ہے۔

(۵۸)امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اہل مدینہ کے اجماع اور عمل کو خبر واحد پر مقدم کیا ہے۔

(۵۹)اگر کسی نے مسجد نبوی کو خوشبو لگانے کی نذر مانی، تو بعض فقہاء کے نزدیک اسے پورا کرنا اس پر لازم ہے۔

(۶۰)اگر کسی نے مسجد نبوی میں آنے کی نذر مانی، تو اس حدیث طیبہ کے سبب اسے پورا کرنا لازم ہے۔ ''لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا الیٰ ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ ......'' الحدیث۔ (کہ کجاوے نہیں کسے جا سکتے مگر تین

مساجد کی طرف......)

(٦١) اگر کسی نے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانی۔ تو اسے مکمل کرنا اس پر لازم ہے۔

(٦٢) اگر کسی نے مسجد نبوی یا مسجد حرام کی طرف پیدل چل کر جانے کی نذر مانی تو اسے پورا کرنا اس پر لازم ہے۔ یہ قول ابن المنذ راور دوسروں نے کہا ہے۔ ایک دوسرے طائفہ نے اسے مستحب قرار دیا ہے۔ اور ایک اور گروہ نے یہ کہا ہے۔ کہ نذر کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں، بلکہ وہ سوار ہوسکتا ہے۔

(٦٣) باہر سے آنے والے مسافر کے لئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بار بار سلام عرض کرنا۔ بخلاف مقیم کے۔ جیسا کہ حضرت امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ نے کہا ہے۔ مگر جبکہ مقیم سفر پر جائے یا سفر سے واپس آئے۔ امام زرکشی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کہ صحیح بات یہ ہے۔ کہ تمام صورتوں میں یہ مستحب ہے۔

(٦٤) اس لشکر کا دھنس جانا، جو اس پر حملہ کرتا ہے۔ پھر وہ یہاں سے نکل کر مکہ مکرمہ کا ارادہ کرتا ہے۔ جب اس حرم کی سرزمین سے تجاوز کرے گا تو اسے دھنسا جائے گا۔

(٦٥) اس کی خصوصیت اس صالح آدمی کے سبب بھی ہے۔ جسے اس حال میں یہاں سے نکالا جائے گا۔ کہ تمام لوگوں سے بہتر ہوگا۔ تا کہ دجال اسے قتل کردے۔ اور اس کے سوا کسی پر اسے مسلط نہیں کیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے زندہ فرمائے گا۔ اور دوسری مرتبہ دجال اسے قتل کرنے کی ہرگز طاقت نہیں رکھے گا۔

(٦٦) اللہ تعالیٰ نے اس کے باسیوں کو چن لیا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار ہوں۔ پس وہ مدد کرنے اور گھروں میں سکونت دینے کے اہل ہوگئے۔

(٦٧) مدینہ منورہ کی مجاورت اختیار کرنا مستحب ہے۔ تا کہ اعلیٰ درجات اور مزید کرامات حاصل ہوں۔

(٦٨) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا اور اس کی شہادت دینا، جس نے اس کی شدتوں اور سختیوں پر صبر کیا۔

(٦٩) مدینہ طیبہ میں رکنا مستحب ہے۔ تا کہ آدمی کو موت مدینہ طیبہ میں آئے۔ جیسا کہ یہ ارشاد ہے۔ ''جو مدینہ طیبہ میں موت کی استطاعت رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہیں مرے۔''

(٧٠) مدینہ طیبہ میں مرنے والے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شفاعت کرنا اور اس کی شہادت دینا۔

(٧١) دیگر امتوں کے مقابلہ میں مدینہ طیبہ کے باسیوں کا زیادہ شفاعت اور عزت واکرام کا اہل ہونا۔

(٧٢) مدینہ طیبہ کے رہنے والے لوگوں کی شفاعت سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے۔ پھر اہل مکہ کی شفاعت کریں گے۔

(٧٣) مدینہ طیبہ میں اعمال صالحہ مثلاً نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ کا ثواب دوگنا ہونا۔

(۷۴) جو آدمی بھی اس کے اہل سے برائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اس طرح پگھلا دیتا ہے۔ جیسے پانی میں نمک اور آگ میں تانبا پگھل جاتا ہے۔

(۷۵) اس میں بدعت کا ارتکاب کرنا حرام ہے۔ یا کسی بدعتی کو پناہ دینا۔ جس کسی نے اس میں بدعت کا ارتکاب کیا۔ یا کسی بدعتی کو پناہ دی۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

(۷۶) کوئی بھی اس سے اعتراض کرتے ہوئے اسے نہیں چھوڑے گا، مگر اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اسے بدل عطا فرمادے گا۔

(۷۷) یہ اہل علم و فضل اور دین سے خالی نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ زمین اور اس پر رہنے والوں کو قبض فرمالے گا۔

(۷۸) اس کے لئے سخت وعید ہے۔ جس نے اس کے باسیوں پر ظلم کیا۔ یا انہیں خوفزدہ کیا۔

(۷۹) اہل ذمہ میں سے جو بھی حرمین میں سے کسی میں مرے گا۔ اس کی قبر اکھیڑ دی جائے گی۔ اور اسے مقام حل کی طرف نکال دیا جائے گا۔

(۸۰) مسلمانوں میں سے جو مدینہ طیبہ میں فوت ہوگا۔ اسے امنین کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

(۸۱) اس میں تمام مخلوق سے افضل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اس امت کے فاضل ترین فرد، کثیر تعداد میں صحابہ کرام اور ان کے بعد قرون مفضلہ کے معزز ترین افراد مدفون ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

(۸۲) افضل الخلق حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے اس امت کے وہ معزز افراد جو مدینہ طیبہ میں مدفون ہوئے، ان کی تخلیق اس کی مٹی سے ہوئی۔ کیونکہ آدمی کو وہیں دفن کیا جاتا ہے۔ جہاں کی مٹی سے اس کی تخلیق ہوئی ہو۔

(۸۳) اشرف ہذہ الامۃ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، معزز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد آنے والے وہ تمام افراد جو یہاں مدفون ہوئے، انہیں قیامت کے دن یہاں سے اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مدارک میں بھی نقل کیا ہے۔

(۸۴) مدینہ طیبہ میں وہ افضل ترین شہداء ہیں۔ جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اپنی جانیں قربان کردیں۔ اور ان کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

(۸۵) غزوہ احد کے دن مدینہ طیبہ میں شہداء کے لئے شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

(۸۶) مدینہ طیبہ میں موت کی دعا مانگنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے۔

''اَسْئَلُکَ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ ، وَمَوْتًا فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِکَ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ

وسلم''

(میں تجھ سے تیرے راستے میں شہادت کی التجا کرتا ہوں، اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں موت کی آرزو رکھتا ہوں)

(۸۷) عالم مدینہ کا علم افضل ہے۔ اور اس کا علم دوسروں کے علم سے زیادہ ہے۔

(۸۸) مدینہ طیبہ شہدا سے گھرا ہوا ہے۔ جیسا کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مدارک میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے نقل کیا ہے۔

(۸۹) اہل مدینہ کی تعظیم و تکریم لازم ہے۔ کیونکہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں۔ اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا مدلول ہیں۔ ''جس نے اہل مدینہ کو اذیت پہنچائی......''، ''جس نے اہل مدینہ کے لئے برائی کا ارادہ کیا......''، ''جس نے اہل مدینہ کو خوف زدہ کیا......''، اور ''اس کے بالمقابل یہ ہے کہ جس نے اہل مدینہ کے ساتھ احسان کیا اور ان کی تکریم کی......''

(۹۰) اس کے بازار کی طرف سامان لانے والے کو رزق عطا کیا جاتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہد کی طرح ہے۔ اور اس میں ذخیرہ کرنے والا ملعون ہے۔

(۹۱) آخری زمانہ میں مسلمانوں کو مدینہ طیبہ میں ہی محصور کیا جائے گا۔

(۹۲) آخری زمانہ میں مدینہ منورہ سے مسلمانوں کی مدد کے لئے بلاد شام کی طرف لشکر خروج کرے گا۔ اس وقت اہل زمین میں سے وہی بہتر اور اعلیٰ ہوں گے۔

(۹۳) اہل مدینہ کے سبب مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اگر مدینہ نہ ہوتا، تو اہل مکہ اسلام نہ لاتے، کیونکہ اسی کے ذریعہ وہ فتح ہوا۔ جی ہاں! اگر مکہ نہ ہوتا، تو مدینہ کی پہچان ہی نہ ہوتی۔ کیونکہ اولاً مدینہ طیبہ کے رہنے والوں میں سے اکثر افراد اولاً ہجرت کرنے کے بعد مہاجرین کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ واللہ اعلم

(۹۴) اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے لئے جگہ چن لیا۔ اس طرح کہ جب معززین انصار رضوان اللہ علیہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ کی زمام پکڑتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس اترنے کی دعوت دیتے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرماتے تھے۔ اسے چھوڑ دو، اسے حکم دیا جا چکا ہے۔

(۹۵) اس کی مسجد کی بنیاد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے رکھی گئی۔

(۹۶) مسجد نبوی کی تعمیر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے ہوئی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کبار مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اینٹیں اٹھاتے تھے۔ اور اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ساتھ ساتھ تھے۔

(۹۷) اس مسجد کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقویٰ پر رکھی گئی۔

(۹۸) مدینہ طیبہ وہ پہلا شہر ہے جس میں اس امت کے عام مسلمانوں کے لئے مسجد بنائی گئی۔

(۹۹) مدینہ طیبہ کی مسجد انبیاء علیہم وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کی مساجد میں سے آخری مسجد ہے۔ لہٰذا یہ تمام مساجد سے زیادہ حق رکھتی ہے کہ اس کی زیارت کی جائے۔

(۱۰۰) یہ مسجد ان تین مساجد میں سے ایک ہے۔ جن کے لئے سواریوں پر کجاوے کسے جاسکتے ہیں۔ (یعنی جن کی نیت سے سفر کیا جاسکتا ہے)۔

(۱۰۱) یہ مسجد بالا جماع زمین کے حصوں میں سے افضل ترین حصہ پر مشتمل ہے۔ اور اس سے مراد وہ جگہ ہے، جس کے ساتھ حجرہ مبارک میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر ملا ہوا ہے۔

(۱۰۲) مسجد نبوی میں ایک نماز مسجد حرام کے علاوہ دیگر مساجد کی نسبت ایک ہزار نماز سے افضل ہے۔ اور یہ فضیلت فرض اور نفل دونوں نمازوں کو شامل ہے۔ واللہ اعلم

(۱۰۳) جس نے چالیس نمازیں مسجد نبوی میں پڑھیں، اور اس کی کوئی نماز بھی فوت نہ ہوئی۔ تو اس کے لئے آگ سے براءۃ اور عذاب سے براءۃ لکھ دی گئی۔ اور وہ نفاق سے بری ہوگیا۔

(۱۰۴) جو اپنے گھر سے طہر کی حالت میں مسجد نبوی کا ارادہ کرتے ہوئے نکلا، تو یہ اس کیلئے حج کے قائم مقام ہے۔

(۱۰۵) مسجد نبوی کا قبلہ، اور اس طرح مسجد قباء کا قبلہ زمین کی ہر مسجد کے قبلہ سے زیادہ سیدھا ہے۔

(۱۰۶) منبر شریف اور بیت شریف کے درمیان جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ یہ بھی اسی کے ساتھ خاص ہے۔

(۱۰۷) روضہ شریفہ (ریاض الجنۃ) کا وسیع ہونا، تاکہ وہ حجرہ شریفہ اور عیدگاہ (مسجد غمامہ) کی درمیانی جگہ کو شامل ہو۔ اور یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

(۱۰۸) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محراب میں کوئی اجتہاد نہیں۔ کیونکہ وہ بالیقین قطعی طور پر صحیح ہے۔ اسی طرح مسجد قباء میں بھی ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں حضرت جبریل امین علیہ السلام کے ارشاد سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معین فرمایا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۱۰۹) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر قیامت کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض پر ہوگا۔

(۱۱۰) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ منبر شریف جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے، جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہوگا۔

(۱۱۱) منبر شریف کے پائے جنت میں گڑھے ہوئے ہیں۔

(۱۱۲) وہ کھجور کا تنا جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے وقت ٹیک لگایا کرتے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر تیار ہونے کے بعد اس سے جدا ہوئے۔ تو وہ اس وقت آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کے شوق اور فراق میں رویا۔اور وہ بھی جنت میں ہے۔

(۱۱۳)منبر شریف کی تعظیم یہ ہے۔کہ اس کے پاس آواز بلند نہ کی جائے۔

(۱۱۴)منبر شریف کے پاس ہونے والی قسم اور وعدہ بھی معظم ہے۔

(۱۱۵)جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ میں سے ایک آیت منبر شریف پر پڑھی۔تو وہ کانپ اٹھا۔

(۱۱۶)روضہ شریفہ میں موجود ستونوں کے کثیر فضائل ہیں۔مثلاً اسطوانہ مصحف، اسطوانہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، اور اسطوانہ توبہ وغیر ہا......

(۱۱۷)مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے سے منع کیا گیا ہے۔کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت وصال سے قبل اور وصال سے بعد برابر ہے۔

(۱۱۸)مسجد نبوی سے اذان کے بعد حاجت کے بغیر نکلنا ممنوع ہے، اس نیت کے ساتھ کہ واپس لوٹ آئے گا۔اور اگر کوئی واپس نہ لوٹنے کی نیت سے نکلا، تو وہ منافق ہے۔

(۱۱۹)جس نے تعلیم و تعلم (پڑھنے یا پڑھانے) کی نیت سے مسجد نبوی کا قصد کیا، تو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

(۱۲۰)مدینہ طیبہ کی مسجد میں نماز عید پڑھنا مستحب ہے۔

(۱۲۱)مدینہ طیبہ میں وتروں کے علاوہ نماز تراویح چھتیس رکعتیں ہے۔تا کہ وہ اہل مکہ کے اس طواف کے مقابل ہو جائیں، جو وہ نماز تراویح میں آخری ترویحہ کے علاوہ ہر ترویحہ کے بعد کرتے ہیں۔اور پھر آخری ترویحہ کے متصل بعد نماز وتر پڑھتے ہیں۔اور یہ صرف اہل مدینہ کے لئے ہے......یہی مذہب حضرت امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہے۔اور یہ حکم مدینہ طیبہ میں بعد والی صدیوں (قرون متاخرہ) تک باقی رہا۔

(۱۲۲)مسجد قباء کی فضیلت کا ثبوت یہ ہے۔کہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے اس میں تشریف لاتے تھے، کبھی چل کر اور کبھی سوار ہو کر تشریف لایا کرتے تھے۔

(۱۲۳)مسجد قباء میں ایک نماز عمرہ کے مساوی ہوتی ہے۔

(۱۲۴)مسجد نبوی ناپسندیدہ ہوا سے پاک ہے۔بعض نے یہ دعویٰ کیا ہے۔کہ یہ اس کی خصوصیت ہے۔ واللہ اعلم

(۱۲۵)ان مساجد میں نماز پڑھنا اور دعا مانگنا، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔اور قبول ہوئی۔جیسے مسجد فتح اور مسجد اجابۃ وغیرہما۔ واللہ اعلم

(۱۲۶)حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسے بغیر کسی واسطہ کے سلام کا جواب عطا فرمانا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قریب سے سلام عرض کرتا ہے۔

(۱۲۷)اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ طیبہ کی ہجرت سے قبل اس کے بارے مطلع کرنا،اور یہ بتلا دینا، کہ یہ آپ کی ہجرت گاہ ہے۔

(۱۲۸)مدینہ طیبہ کی زمین، پہاڑوں، وادیوں، کنوؤں اور پھلوں میں سے بعض کو جنت سے قرار دینا۔

(۱۲۹)اس کی کھجوروں کو باعث شفاء بنا دینا۔

(۱۳۰)جو مدینہ طیبہ کی کھجوروں میں سے سات کھجوریں صبح نہار منہ کھائے گا۔تو شام تک زہر اور جادو اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔علی الصبح ان کا استعمال تریاق ہے۔

(۱۳۱)مدینہ طیبہ میں عجوہ کھجوریں جنت میں سے ہیں۔

(۱۳۲)اس میں زمین کے پھلوں کا موجود ہونا۔

(۱۳۳)اس کی طرف دلوں کا متوجہ ہونا۔"اے اللہ!ان کے دلوں کو متوجہ کر دے......"

(۱۳۴)جس کی مدینہ طیبہ میں اہل ہو اسے چاہئے کہ وہ اسے روکے رکھے۔اور جس کی وہاں کوئی اہل نہیں۔ اسے چاہئے کہ بنالے۔اگر چہ وہ کھجور کا ایک درخت ہو۔

(۱۳۵)جبل احد ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے۔اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

(۱۳۶)جبل احد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے۔

(۱۳۷)وادی عقیق برکت والی ہے۔

(۱۳۸)وادی بطحان جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔

(۱۳۹)بئر غرس جنت کے کنوؤں میں سے ہے۔

(۱۴۰)مدینہ طیبہ کی مٹی شفا ہے۔اور اسے علاج کے لئے لینا جائز ہے۔

(۱۴۱)جس نے کہا۔مدینہ طیبہ کی مٹی غیر طیب ہے۔وہ تادیب اور تعزیر کا مستحق ہے۔حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسی طرح فتویٰ دیا ہے۔

(۱۴۲)بقیع سے ستر ہزار افراد اس طرح اٹھائے جائیں گے، کہ وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے،اور بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

(۱۴۳)حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے بعد سب سے اول اہل بقیع کو اٹھایا جائے گا۔

(۱۴۴)مدینہ طیبہ کی سرزمین میں بارش انتہائی کم ہوتی ہے۔اس کے باوجود بہت دور کی زمین سے بارش کے پانی کو جذب کرتی ہے۔اور اس میں پھل، سبزیاں اور باغات انتہائی پکے ہوتے ہیں۔اور اس میں پانی بھی کثیر ہوتا ہے۔

(۱۴۵)اس کی سرزمین کے وسیع ہونے،اور رزق کے وسیع ہونے کے بارے میں خبر دی گئی ہے۔

(۱۴۶) اس کی خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ حجاز کی آگ ظاہری ہوگی، جس کے ساتھ اس کے جوار میں رہنے والوں کو خوفزدہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ کہ حرم پاک کے نزدیک آ کر بجھ جائے گی۔

(۱۴۷) اس کے بازار پر خراج (ٹیکس) نہیں لگایا جائے گا۔

(۱۴۸) کعبہ معظمہ کے اردگرد طواف کرنے کی نسبت اس کی زیارت افضل ہے۔ جیسا کہ امام یحییٰ بن معین رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے بیان کیا ہے۔ اسی طرح وہ کتاب کے غلاف پر اس کی فضیلت بیان کرتے ہیں۔

(۱۴۹) قیامت قائم ہونے تک یہ باقی رہے گا۔

(۱۵۰) اسلام کے شہروں میں سے یہ سب سے آخر خراب ہوگا۔ واللہ اعلم

(۱۵۱) اس کے لئے بہت عظیم ثواب ہے۔ جو گھر سے مسجد نبوی کے ارادہ سے نکلتا ہے۔

(۱۵۲) ان مقامات پر دعا قبول ہوتی ہے۔ جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا قبول ہوئی۔ مثلاً اسطوانہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس، اسطوانہ مصحف، منبر شریف، مسجد الفتح، مسجد السقیا، مسجد المصلی، برکۃ السوق، احجار زیت اور مقام زوراء کے پاس۔ واللہ اعلم

(۱۵۳) جس کسی نے اہل مدینہ کو خوفزدہ کیا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوؤں کے درمیان میں (دل کو) خوف زدہ کیا۔

(۱۵۴) جو مدینہ طیبہ سے کچھ وقت غائب رہا، اس کا دل سختی کی جانب مائل کر دیا گیا۔ واللہ اعلم

علاوہ ازیں بھی مدینہ طیبہ کے بہت سے خصائص ہیں۔ میں نے ان بعض کو چھوڑ دیا ہے جن کا ذکر علامہ سمہودی اور صالحی رحمہم اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے۔ اگر مزید تحقیق چاہئے ہو، تو ان کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسی طرح میں نے مذکورہ عنوان پر ہی اکتفاء کرتے ہوئے کثیر عنوانات کو چھوڑ دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الملحق الثالث

مدینہ منورہ کے بارے میں مسلمانوں کے واجبات (ذمہ داریوں) کا بیان

وہ مدینہ طیبہ جسے رب کریم نے بہت سی فضیلتیں عطا فرمائی ہیں، اس کے بارے مسلمانوں پر بہت سے واجبات اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

مدینہ طیبہ کی نسبت سے مسلمانوں کی دو قسمیں ہیں

(۱) مدینہ طیبہ میں حاضر رہنے والے اور اس میں سکونت اختیار کرنے والے۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔

(۱) وہ لوگ جو ہمیشہ وہیں مقیم رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مدینہ طیبہ میں مستقل سکونت پذیر ہیں۔

(۲) دوسرے وہ لوگ ہیں جو طویل یا مختصر عرصہ مدینہ طیبہ میں مقیم رہتے ہیں۔ ان سے مراد تنخواہ دار ملازم، مجاور اور عمال وغیرہ ہیں۔ ان ہی میں سے وہ بھی ہیں۔ جو تھوڑی مدت وہاں ٹھہرتے ہیں۔

(۲) دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں۔ جو اس سے دور رہتے ہیں۔ اور وہ سفر کے بغیر اس تک نہیں پہنچ سکتے۔ چاہے وہ جزیرۂ عرب کے اندر رہتے ہوں، یا اس سے باہر ہوں۔

مذکورہ دونوں قسموں میں سے ہر ایک پر مدینہ طیبہ کے حوالے سے واجبات اور ذمہ داریاں ہیں۔ بعض واجبات میں وہ مشترک ہیں۔ اور بعض ان پر علیحدہ علیحدہ عائد ہوتے ہیں۔

ان لوگوں کا بیان جو مدینہ طیبہ میں رہتے ہیں یا اس کے جوار میں آباد ہیں

(۱) اس کریم اور طیب شہر کے بارے واجبات میں سے اولی یہ ہے۔ کہ ان میں سے جو تقاضا کیا گیا ہے۔ اس پر پورا اتریں۔ اس طرح کہ انہوں نے مدینہ طیبہ میں یا اس کے پڑوس میں رہنا پسند کیا ہے۔ اور یہ ایسی عظیم نعمت ہے۔ جو شکر کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لئے کہ یہ نعمت ہمہ وقت انہیں میسر ہے۔ لہٰذا مدینہ طیبہ کے جوار میں ہونے کے سبب اور اس رب کریم کے لئے جس نے انہیں اس کے لئے چنا ہے، یہ ذمہ داری ادا کرنا اس پر لازم ہے۔ اس میں رہنے والے کو یہ جاننا چاہیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی آزمائش ہے۔ کہ آیا بندہ شکر ادا کرتے ہوئے مکرم بنتا ہے۔ یا غفلت کرتے ہوئے ذلت و رسوائی حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ اس پر یہ جاننا لازم ہے۔ کہ مسلمانوں میں سے کتنے انسان ہیں۔ جو اس آرزو میں جل رہے ہیں۔ کہ وہ صرف ایک مرتبہ اسے دیکھ لیں۔ اور اس علاقے سے ان کا گزر ہو۔ اگرچہ وہ تھوڑے سے وقت کے لئے ہو یا چند لمحوں کیلئے ہی ہو۔ تاکہ اسے وہ اپنی آنکھوں کا سرمہ بنائیں۔ لیکن وہ مر جاتے ہیں۔ اور اسے دیکھ نہیں سکتے۔ اور نہ ہی وہ اس سعادت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

اے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کرنے والے! تو تو اس نعمت عظمیٰ سے بے انداز سیراب ہو رہا ہے۔ اور تو اس کا شکر ادا نہیں کرتا، جس نے تجھ پر یہ انعام فرمایا۔ اور جو ذمہ داری تیرے کندھے پر ڈالی گئی، اسے تو ادا نہیں کرتا۔

(۲) وہاں رہنے والے پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ مدینہ طیبہ اور اس کے حرم پاک کی تعظیم کرے۔ یہ الفاظ کئی معانی کا احتمال رکھتے ہیں۔ چاہے اس کا تعلق اعتقاد سے ہو یا فعل سے یا قول سے۔ وغیرہ۔ حرم پاک کی تعظیم کا اظہار فی الحقیقت دل سے ہوتا ہے۔ اور یہی تعظیم حرم کو حرام کرنے والے اور اس کے باسیوں کی ہے۔ جب حرم پاک کی حرمت میں غفلت ہو جائے، تو یہ ضعف، اطاعت میں سستی، اور پیروی نہ کرنے کا اظہار ہے۔

حرم پاک کی تعظیم کا مظہر یہ ہے کہ وہاں شکار نہ کیا جائے، اس کے درختوں اور گھاس کو نہ کاٹا جائے،

وہاں گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے، اور اس میں حرام خون نہ بہایا جائے۔

(۳) وہاں کے باسی پر یہ لازم ہے کہ وہ زندگی کی تنگی اور حیات کی سختیوں سے زچ نہ ہو۔ اور مجاورۃ کی شدت سے پریشان نہ ہو۔ اس لئے کہ نقصانات منافع کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ جب وہ حرمین شریفین سے باہر رہنے والی کی نسبت افعال اطاعت میں کئی گنا زیادہ ثواب پاتا ہے۔ تو اس پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ ان کے مقابل ثمن بھی ادا کرے۔ اور وہ یہ ہے کہ حرم پاک کی تعظیم کے دوران جو مشکلات اسے پیش آتی ہیں، ان پر صبر کرے۔ کیونکہ وہ اپنے صبر کے سبب آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور شہادت پالے گا۔ اور یہ اتنی عظیم کمائی (دولت ہے)۔ کہ اس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ اور اس انجام کی رغبت رکھنے والے مسلمانوں پر وہ غالب ہے۔ بلکہ تمام پر وہ غالب ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

مدینہ طیبہ میں کئی قسم کی تکلیفیں آسکتی ہیں۔ مثلاً زندگی گزارنے میں، وہاں رہائش اختیار کرنے میں، آدمی کی ذات میں یا اس کی حیات میں وغیرہ وغیرہ۔

اے مسلم! جب تو فراخ اور خوشحال زندگی میں تھا۔ تو تیرے سوا کثیر ایسے لوگ تھے۔ جو اس فراخی اور عمدگی سے واقف ہی نہ تھے۔ حالانکہ وہ تیرے جوار میں رہتے تھے اور تیرے ساتھ نمازیں ادا کرتے تھے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) محبت وشوق کی آگ کا روشن رہنا، دل کی حرارت کا شعلہ زن رہنا، اور اس کی چنگاری کا مشتعل رہنا ضروری ہے۔ کیونکہ اسی سے حرم پاک کی حرمت، مسلسل اعمال کا قیام، اور عبادت پر دوام اختیار کیا جا سکتا ہے۔

مدینہ منورہ: اور اسی طرح مکہ مکرمہ...... تجارت کا محل ہونے سے پہلے عبادت کا محل ہیں۔ اور تمام امور سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کی جگہ ہیں۔

بعض علمائے سلف (۱) نے کہا ہے۔ خراسان میں کتنے آدمی ہیں جو اس گھر کے اس سے زیادہ قریب ہیں۔ جو اس کا طواف کر رہا ہے۔

(۵) گناہوں اور خطاؤں کے نہ کرنے کا حریص ہونا۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتے ہیں۔ اور یہاں تو محل کا شرف واحترام بھی ہے۔ جبکہ کتنے ایسے گناہ ہیں۔ جو حرم پاک سے گنہگار کے بھاگنے کا سبب بنتے ہیں۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب بن جاتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو غیرت آجاتی ہے، جب اس کی محارم کی تذلیل ہو۔ تو کیا مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کی حرمت سے بڑھ کر بھی کوئی ہے۔ جبکہ ان کی تذلیل ہو؟! بلکہ اللہ تعالیٰ کا غضب اور سزا ساری امت کو شامل ہو جاتی ہے، ان خطاؤں کے نتیجہ میں جن کا ارتکاب حرمین شریفین میں ہو۔ ساری امت کے سزا میں گرفتار

ہونے کی اس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہوسکتی، کہ مسجد نبوی میں دو عظیم صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کے شور کے نتیجہ میں لیلۃ القدر کو مخفی کر دیا گیا۔ حالانکہ اس میں خیر کثیر ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

دو آدمیوں پر لیلۃ القدر ظاہر ہوئی۔ تو انہوں نے مسجد رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی آوازیں بلند کر دیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس مبارک رات کی معرفت کو اٹھالیا۔ قریب ہے کہ مسلمان کہیں، کہ یہ حرم پاک میں اوباش اور شور وشغب کرنے والے مسلمانوں کے تصرفات کا نتیجہ ہے۔

(۶) واجبات میں سے یہ بھی ہے۔ کہ معاملات میں مخالفت وقوع پذیر نہ ہو۔ چاہے وہ معاملات مالی ہوں یا کوئی اور۔ پس جس طرح اعمال میں معاصی اور گناہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ معاملات میں بھی ہوتے ہیں۔ ہر وہ عمل جس کا کرنا اسلامی شہروں میں حرام ہے۔ حرمین شریفین میں اس کا کرنا سخت حرام ہے۔ مثلاً سود، ذخیرہ اندوزی، اشیاء کی قیمتیں بڑھانا، ملاوٹ کرنا اور دھوکہ دینا وغیرہ...... یہ تمام اعمال مسلمانوں میں حرام ہیں۔ جہاں بھی ہوں۔ لیکن حرمین شریفین میں یہ سخت حرام ہیں۔ کیونکہ جگہ کی حرمت اور شرف بھی شامل ہے۔

(۷) وہ اعمال جن پر قائم رہنا مدینہ طیبہ کے باسیوں کے واجب ہے۔ ان ہی کی مثل اہل مکہ پر بھی لازم ہیں۔ اس لئے کہ وہ دوسرے تمام مسلمانوں کے لئے اپنے دین، اخلاق، معاملات، احوال، آداب اور دیگر تمام تصرفات میں نمونہ ہیں۔ کیونکہ وہ صاحب شریعت کے جوار میں رہتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام اولیٰ میں اسلام کے قیام پر ظاہر ہونے والے دلائل وعلامات کا رات دن مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ جہاں بھی چلتے ہیں، ایسی چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ جو انہیں اللہ تعالیٰ، رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دین کی یاد دلاتی ہیں۔

اس میں ایسے آدمی کے لئے بہت بڑی تاثیر ہے، جو دل رکھتا ہے۔

زمین کی تمام اطراف میں بسنے والے مسلمان خلوص، پیار، احترام اور محبت کے ساتھ اہل مدینہ کو ایسے القابات دیتے ہیں۔ جن کا حصر اور شمار انتہائی مشکل ہے۔ اور جب وہ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں۔ تو اس کے ساتھ خصوصی معاملات کرتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ مدینہ منورہ کا باسی ہے۔ اس لئے اس پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔ اور ان عظیم تقاضوں کو پورا کرے۔ تا کہ مدینہ طیبہ میں رہنے والا اپنی حقیقی صورت میں رہے۔ ورنہ اس کی صورت کو مسخ کر دیا جائے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

(۸) وہ ذمہ داریاں جو اہل مدینہ پر عائد ہوتی ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ وہ اپنی سچی محبت، حسن معاملہ اور آنے والوں کے حسین استقبال کے ذریعے نعمت کا شکر ادا کریں۔ کیونکہ یہی ان سے قبل انصار کا طریقہ تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے ارشاد فرمایا۔ ''یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ الیهم''۔ (وہ ان سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی) اس کے ساتھ ساتھ ان میں تواضع، حسن

معاشرۃ اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دینا وغیرہ اوصاف ہونے چاہئے۔ جیسا کہ انصار کے یہ اوصاف تھے۔ رب کریم ان کے بارے فرماتے ہیں۔ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر:۹)

(اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے۔ اور انہیں اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگر چہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو)

تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے فلاح وکامیابی کو پالیں۔ واللہ اعلم

(۹) ظاہری اور باطنی صفائی کا اہتمام کرنا۔ مثلاً انسان کے بدن سے لے کر اس کے کپڑوں تک، اور اس کے گھر سے لے کر حرم پاک تک (صفائی کا اہتمام کرنا)۔ اسی طرح مسلمان پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ کینہ، حسد، تکبر، ریا کاری، تصنع اور شمعوت پسندی وغیرہ سے اپنے باطن کو بھی پاک رکھنے کا اہتمام کرے۔ اسی طرح یہ بھی لازم ہے کہ مدینہ طیبہ کی مساجد، راستوں اور میدانوں کی صفائی کا بھی اہتمام کیا جائے۔ تا کہ یہ اپنی شان کے مطابق ظاہر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ میں رہنے والے پہلے انصار کی طہارت کے سبب تعریف بیان فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا۔

لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ
رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ (توبہ:۱۰۸)

(البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ پہلے دن سے وہ زیادہ مستحق ہے، کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو صاف ستھرا رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پاک صاف لوگوں سے محبت کرتا ہے)

طہارت ظاہرہ اور باطنہ دونوں قسمیں اعتقاد، بدن، کپڑوں اور مکان وغیرہ ہر شئی میں مطلوب ہیں۔ واللہ اعلم

(۱۰) مدینہ طیبہ میں رہنے والوں پر یہ لازم ہے کہ وہ انتہائی محنت کے ساتھ کام کریں۔ تا کہ وہ اپنی عبادات کی حفاظت کرنے، اور وہ تمام اعمال جو شرعاً مطلوب ہیں انہیں بالالتزام اختیار کرنے میں ایک صالح اور نیک مسلمان کے لئے مثال بن جائیں۔ اسی طرح ان پر یہ بھی لازم ہے کہ ناپاک اور پلید عمل کے قریب نہ جائیں۔ تا کہ انہیں باہر نہ پھینک دیا جائے۔ کیونکہ مدینہ طیبہ اپنے خبث کو باہر پھینک دیتا ہے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

(۱۱) مدینہ طیبہ کے آثار کی ان کی مختلف صورتوں اور رنگوں کی بناء پر حفاظت کرنا۔ بالخصوص آثار اسلامیہ کی حفاظت زیادہ ضروری ہے۔ جبکہ آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے آطام مدینہ (اونچے مکانات)

کوگرانے سے منع فرمایا۔ حالانکہ یہ اسلام سے پہلے بنائے گئے تھے۔ اس لئے کہ یہ مدینہ طیبہ کے لئے زینت ہیں۔ تو پھر آثار اسلامیہ کی حفاظت تو ضروری ہے۔ اس لئے کہ وہ تو مسلمانوں کو اسلام کی عظمت، قوت اور ایام اولی کی یاد دلاتے ہیں۔ تاکہ مسلمان ان کے ذریعے اپنے ایام اولی کو یاد رکھتے ہوئے اپنی زندگیاں گزارتے ہیں۔ بالخصوص یہ ہمارے آج کے زمانے میں بہت ضروری ہے۔ مدینہ طیبہ میں رہنے والے کثیر نوجوان ہیں جو ایسی علامات اور نشانیوں کو پہچانتے ہی نہیں، جو ایسی یاد دلاتی ہیں۔ حالانکہ حکومتیں اپنے آثار کی حفاظت کے لئے خطیر رقم خرچ کرتی ہیں۔ تاکہ وہ اپنے بیٹوں کو اور دوسروں کو ان کے آباء واجداد کے آثار اور کارناموں کی یاد دلا سکیں۔ حالانکہ ان میں سے اکثر آثار میں کوئی فائدہ اور نفع نہیں ہوتا۔ تو پھر اسلام کے ایام اولیٰ کے آثار کی حفاظت کیسے نہ کی جائے۔ کیا ہی اچھا ہو۔ کہ کتابیں تالیف کی جائیں، پروگرام نشر کئے جائیں۔ جن میں ان علامات اور آثار کے بارے میں بیان کیا جائے۔ تاکہ مسلمانوں کی آنے والی نسلیں بھی انہیں پہچان سکیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۲) مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں رہنے والوں پر یہ لازم ہے۔ کہ وہ حرم پاک میں لوگوں پر زیادتی ہرگز نہ کریں۔ کیونکہ وہاں رہنے والا جب حرم میں فحاشی کا ارتکاب کرے گا۔ اور اس کی اہانت کرے گا، یا وہاں ممنوع عمل کا مرتکب ہوگا۔ اور بذات خود اسے حقیر خیال کرے گا تو پھر غیر اسے دیکھیں گے۔ تو پھر وہ اس سے بڑھ کر اس سے زیادتی کریں گے۔ اور وہ اپنے دشمن پر اس پاک سرزمین میں ظلم کریں گے۔ جب تک مسلمانوں میں اس کا خوف موجود ہے۔ ان کے دشمنوں کے دلوں میں بھی موجود رہے گا۔ اور جب اس کے باسیوں ک دلوں سے یہ خوف زائل ہو گیا، یا کمزور ہو گیا۔ تو ان کے دشمنوں کے دلوں سے بدرجہ اولیٰ زائل ہو جائے گا۔ اسی لئے آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بیت اللہ کو ہرگز حلال نہیں سمجھیں گے مگر اس کے رہنے والے۔ پس جب وہ اسے حلال سمجھنے لگیں، تو پھر عرب کی ہلاکت کے بارے سوال نہیں کیا جائے گا۔ پھر حبشہ کے رہنے والے آئیں گے۔ اور وہ اسے گرادیں گے......" الحدیث۔ اسے احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، طیالسی، ابن ابی شیبہ، ابن جعد، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ اور ان دونوں نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے تمام روات ثقہ ہیں۔

یہ حدیث اگرچہ مکہ مکرمہ کے ساتھ مختص ہے۔ مگر اس میں یہ بیان تو ہے۔ کہ اسلام کے دشمن اللہ تعالیٰ کے حرم کے قریب نہیں آئیں گے۔ مگر تب ہی جب اس کے باسی اسے حلال سمجھیں گے۔ جب وہ اسے حلال سمجھیں گے، تو ان کے دلوں سے ڈر ختم ہو جائے گا اور ان کے دشمنوں کے دلوں سے بھی خوف زائل ہو جائے گا۔ اسی لئے وہ ان پر زیادتی کریں گے۔ اگرچہ اس حدیث کا تعلق آخری زمانہ کے ساتھ ہے۔ لیکن

ڈر تو بہرحال قائم ہے۔ واللہ اعلم

(۱۳) اگر مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں رہنے والا یہ جان لے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے لئے کتنا عظیم ثواب، وافر اجر اور فضل کبیر ہے۔ بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے، احسن انداز میں اس کی عبادت کرے، اور اپنے اوپر عائد ہونے والے حقوق کو کما حقہ، ادا کرے۔ اگر وہ یہ جان لے تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر بجالاتے ہوئے عاجزی کرتا رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی جو مسلمان مومن بندے پر نعمتیں ہیں انہیں یاد کرتا رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱۴) مدینہ طیبہ کی تعمیر کرنا، اس کی زمین کو قابل کاشت بنانا، اور اس کے رہنے والوں کا اپنے اموال اسی میں کام پر لگانا، یہ باعث برکت بھی ہے، اور اس میں کئی گناہ اضافہ کرنے کا سبب بھی۔ نتیجتاً ایسا کرنے سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو پالے گا۔

بہت سے ایسے دولتمند ہیں جو مدینہ طیبہ سے باہر بلند و بالا محل بنانے میں اپنی دولت خرچ کرتے ہیں۔ حالانکہ اہل مدینہ میں سے اغنیاء کو یہ چاہئے وہ اپنے اموال مدینہ طیبہ میں اسے خوبصورت بنانے، مدارس، ہسپتال (شفاخانے) اور جامعات (یونیورسٹیاں) تعمیر کرنے میں خرچ کریں۔ کیونکہ یہ ان پر مدینہ طیبہ کے حقوق ہیں۔ اس سے بڑھ کر ان پر مدینہ طیبہ کا کون سا حق ہے کہ وہ اپنے اموال اس میں خرچ کریں؟ اس میں مال بھی مبارک ہے اور اعمال بھی سراپا برکت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اجر و ثواب عطا فرمانے والا ہے۔ بالخصوص مدینہ طیبہ کی برکت کے ساتھ دنیا کی کوئی برکت مساوی نہیں ہوسکتی۔ اس کے بارے میں متعدد نصوص وارد ہیں۔ واللہ اعلم

(۱۵) حرم پاک کی حدود سے اس کے پتھر اور مٹی باہر نہ نکالنا، کیونکہ اس کی حرمت ثابت ہے۔ زمین کے مالکان اور تعمیر کا کام کرنے والوں کو اس مسئلہ پر آگاہ ہونا چاہئے۔ لہٰذا اگر وہ زمین کی مٹی پھینکنے کا ارادہ کریں، تو اسے حرم پاک میں ہی ڈالیں، اسے حل کی جانب باہر نہ پھینکیں۔ واللہ اعلم

(۱۶) اس کے باسیوں کا اس کی جانب واپس نہ لوٹنے کے ارادہ سے اسے چھوڑنے سے ڈرنا۔ اگر کوئی کام کسی کو نکلنے پر مجبور کرے۔ تو اسے چاہئے کہ وہ محدود وقت کے لئے نکلے۔ تاکہ اس کے بدلے کسی اور شہر کو اختیار کرنے کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا مصداق نہ بن جائے۔ کہ یہ پلید (خبث) ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور اسی مدینہ طیبہ میں اس کی موت واقع ہو، تاکہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اور شہادت کو پاسکے۔ واللہ اعلم

(۱۷) حضور نبی کریم پر کثرت سے درود و سلام پڑھنا۔ جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو۔ یا جب بھی ایسی شئ دیکھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد دلادے۔ تاکہ وہ اجر عظیم اور ثواب جزیل پاسکے۔ اس کے فوائد دوسرے باب کے آخر میں گزر چکے ہیں۔

(۱۸) نئے ذھنوں میں حرم پاک کی حرمت کو راسخ کرنا۔ اور انہیں اس واجب کے بارے تعلیم دینا۔ مثلاً یہ کہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کا یہ حرم اس کے رہنے والوں، اس کے جوار میں رہنے والوں، اور اس کی زیارت کرنے والوں کے لئے ہے۔ تاکہ بچے مدینہ طیبہ کی تعظیم، حرمت اور توقیر پر آگاہ ہو جائیں۔ اور انہیں اس میں زندگی گزارنے کے آداب حاصل ہو جائیں۔ کتنے ایسے بچے ہیں، جو حرم پاک کے کبوتروں کا شکار کرتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ............

لہٰذا اگر والدین اپنے بچوں کو حرم پاک کی حرمت، تعظیم اور مدینہ طیبہ کے حقوق کے بارے تعلیم دیں۔ تو وہ اس نوع کے حقوق کے خلاف اعمال ہرگز نہ کریں۔

اسی طرح ان پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ اپنے بچوں کو مدینہ طیبہ میں موجود علامات و آثار کے بارے بتائیں۔ لیکن یہ تو بہت دور کی بات ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے بڑے ایسے ہیں جو ان سے واقف نہیں، تو چھوٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟ مجھے تو اس میں بہت تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہی اس کی التجا ہے۔ علاوہ ازیں بھی بہت سے ایسے واجبات اور ذمہ داریاں ہیں۔ جو مدینہ طیبہ میں مقیم مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم

زیارت اور دوسرے کاموں کے لئے آنے والوں کے واجبات کا بیان

زیارت اور دیگر امور کے لئے آنے والے لوگ مذکورہ بالا ذمہ داریوں میں سے اکثر میں مقیم لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ اسی طرح مقیم بھی بہت سے ان ذمہ داریوں میں زائرین کے ساتھ شریک ہیں۔ جن کا ذکر آگے آرہا ہے۔ ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

(۱) نص میں جو لفظ امن وارد ہے۔ اس کے حقیقی معنی پر عمل کرنا، اور اس کی حفاظت کرنا۔ نص یہ ہے۔ ''حَرَمٌ آمن'' (حرم پاک امن کی جگہ ہے) اس زمانے میں امن کے متعدد معانی ہیں۔ اسی طرح اس کی متعدد صورتیں ہیں۔ مثلاً مصنوعی (طبقاتی) امن، اجتماعی امن، اور قومی امن وغیرہ وغیرہ۔ چونکہ یہ لفظ نکرہ ہے۔ اس لئے یہ امن کی تمام انواع، جزئیات اور صورتوں کو شامل ہے۔

حرم پاک میں باہر سے آنے والوں اور مقیم لوگوں میں سے اس امن کی حفاظت کرنے والے مطلوب ہیں۔ جبکہ اس میں خلل ڈالنے والے حرم پاک کی اس حرمت کی تذلیل کرنے والے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب بنتی ہے۔ اور جو حرمین شریفین میں کسی ابتلاء میں مبتلا ہو جائے، تو پھر وہ سارے عالم پر ہلاکتوں اور ابتلاؤں کے ساتھ لوٹ کر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حفاظت فرمانے والا ہے۔

(۲) زیارت کے لئے آنے والوں پر یہ لازم ہے کہ وہ لایعنی کاموں میں مشغول نہ ہوں۔ بلکہ ان پر وہ عمل

لازم ہے جس کے لئے وہ یہاں حاضر ہوئے۔ اور حرمین شریفین تک پہنچنے کے لئے راستوں میں انہوں نے کثیر مال خرچ کیا۔ شاید ان میں سے کسی کے لئے دوبارہ لوٹ کر آنا نہ لکھا ہو۔ اس لئے ان پر لازم ہے۔ کہ وہ نفع بخش امور میں مشغول ہوں اور اپنا سارا وقت اطاعت وعبادت میں گزاریں۔ اسے بے مقصد ضائع نہ کریں۔ اگر تجار اور اہل دنیا کے ترازو میں اس وقت کو تقسیم کیا جائے، جو باہر سے آنے والا اپنے صرف شدہ مال کے بدلے حرمین شریفین میں گزرتا ہے، تو اس کا ایک دن مال کی ایک معین مقدار کے برابر ہوگا۔ تو اب کیا عبادت واطاعت کے ساتھ وہ کچھ کمالے گا، جتنا اس کے مقابل اس نے خرچ کیا ہے؟۔ اگر اس نے ایسا نہیں کیا، تو وہ دونوں امروں میں خسارے میں رہا۔ اور اگر ایسا کرلیا، تو پھر دونوں امروں میں نفع میں رہا۔ اور اگر دونوں برابر رہے تو پھر بھی وہ خسارے میں رہا۔ کیونکہ انسان آیا تو ان شعائر کو ادا کرنے کیلئے ہے، جن کی قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ لیکن جو اسکے ذمہ لازم تھا اس نے وہ نہیں کیا۔

(۳) حرم پاک کی حرمت کی تعظیم کرنا ہر اس عمل کے ساتھ جو اس تحریم کے مناسب ہو۔ مثلاً آواز بلند نہ کرنا، شور شغب نہ کرنا، گالی گلوچ نہ دینا، اور فسق وفجور کا ارتکاب نہ کرنا وغیرہ۔ اس لئے ایسی چیزوں کی معرفت لازم ہے، جو حرمین شریفین کی مناسب سے واجب ہوتی ہیں۔ تاکہ وہاں پہنچ کر ان کے مطابق عمل کرسکے۔

میں نے اور کئی دوسرے نے کتنے شریعت کے مخالفت اعمال دیکھے ہیں۔ جن سے پیشانیاں تر ہوتی ہیں۔ مسلمان حسرت سے درد محسوس کرتا ہے۔ اور مسلمانوں پر درد وغم ٹوٹ پڑتے ہیں۔

(۴) حرم پاک میں اللہ تعالیٰ کی حرمات کی تذلیل نہ کرنا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی حرمات کی تذلیل کرنے والے کے خلاف غیرت کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔ اور حرمین شریفین کی تحریم کرنا اس کی حرمات میں سے ہے۔ جب اس کی تذلیل ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کا غضب تذلیل کرنے والے پر ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ سزا دوسروں کو بھی شامل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ رب کریم ارشاد فرماتے ہیں۔ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۤصَّةً (انفال: ۲۵) (اور ڈرتے رہو اس فتنہ سے (جو اگر برپا ہوگیا تو نہ پہنچے گا صرف انہیں کو جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا) اور وہ لشکر جو حرمین شریفین پر حملہ آور ہوگا۔ اور وہ مدینہ طیبہ کی حرمت کو پامال کرے گا۔ اور پھر حرم ثانی کی طرف متوجہ ہوگا۔ پس جونہی وہ حرم اول کی حدود سے تجاوز کرے گا، تو اسے زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ اسے درمیان سے دھنسا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کا اول حصہ آخری حصہ کو دیکھے گا۔ پھر ان تمام کو دھنسا دیا جائے گا۔ یہ علامت بن جائیں گے۔ اس لئے کہ راستہ ان تمام کو جمع کرنے والا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ انہیں اس لئے دھنسا دیا جائے گا، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حرمات کی تذلیل کریں گے۔ اور جو ان کے ساتھ

ہوں گے، انہیں بھی دھنسا دیا جایا گیا۔ اس لئے کہ وہ ان کے ساتھی ہیں۔ حالانکہ ان میں ایسے بھی ہوں گے، جو ان میں سے نہیں ہوں گے، اور نہ ان کی ایسی نیتیں ہوں گی۔ لیکن ان ہی کے ساتھ انہیں بھی دھنسا دیا جائے گا، اور ان کی نیتوں پر انہیں اٹھایا جائے گا۔ واللہ علم۔

مسلمان کو اللہ تعالی کی حرمات کو پامال کرنے سے بچنا چاہیے۔ تا کہ وہ اللہ تعالی کے غضب سے محفوظ رہیں۔

(۵) جب دونوں حرم عالم اسلامی کے دائرہ کا مرکز ہیں، اور چہروں اور دلوں کا قبلہ ہیں۔ تو پھر تمام مسلمانوں پر ان کی حدود میں اور باہر دین کی حفاظت کرنا لازم ہے۔ لیکن بالخصوص ان دونوں میں اس لیے کہ عالم اسلامی کی نسبت سے یہ نقطہ ارتکاز ہیں، دائرے کا محور ہیں، اور چکی کا قطب ہیں۔ لہٰذا ان میں خبیث فکر کو پھیلانا، فاسد آراء کا اظہار کرنا، اور باطل عقائد کا پرچار کرنا ان دونوں میں یا کسی ایک میں صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالی کے دین سے جنگ کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کی معتقدات کا بطلان کرنا ہے۔ اور عالم اسلام کی اصل بنیاد کو خراب کرنا لازم آتا ہے۔ اگر چہ دونوں حرم یا ان میں سے ایک کئی سو سال بعض گمراہ اور منحرف فرقوں کے ماتحت رہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے انہیں یہ جرأت نہ ہوئی، کہ وہ وہاں رہنے والے تمام مسلمانوں کے خالص عقیدہ اسلام کو زیر کر سکیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے حجاج کرام، عمرہ کرنے والے، اور جوار میں رہنے والے وہاں مقیم مسلمانوں کو ثابت قدم رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ۶۸۲ھ میں پہلی مرتبہ مدینہ منورہ میں فقیہ وقت، علامۃ الاصول سراج الدین عمر بن احمد بن اظفر بن طراد بن ابی الفتوح الانصاری الخزرجی الدمنھوری الشافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہل سنت کے خطیب مقرر ہوئے۔ پھر قاضی مقرر ہوئے، پھر چھوڑ دیا، پھر دوبارہ واپس آئے۔ اور جو اذیتیں اور مصیبتیں آپ کو روافض سے پہنچیں، انہیں صبر اور ہمت سے برداشت کیا۔ جیسا کہ اس سے قبل بھی آپ کو تکالیف پہنچیں تھیں۔ کئی سو سال بعد مدینہ منورہ میں آپ اہل سنت کی طرف سے پہلے خطیب اور قاضی تھے اور یہ حجاز پر عبیدیین کے قبضے کے وقت سے تھا حتی کہ سلطان منصور قلاوون اور پھر سلطان ناصر محمد بن قلاوون آیا۔

اس لئے اس کا تکرار جائز نہیں، اور دوسری مرتبہ اس کے وقوع نہ ہونے پر عمل لازم ہے واللہ علم......

(۶) باہر سے آنے والے مسلمانوں پر یہ بھی لازم ہے۔ کہ وہ حرمین شریفین میں رہنے والوں کا احترام کریں۔ جو کچھ ان سے صادر ہو، اس سے آنکھیں بند رکھیں۔ اور جو تکلیف اور پریشانی ان سے معاملات کرتے وقت ہو، اس پر صبر کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چن لیا ہے۔ کہ وہ اس کے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بیت عتیق کے پڑوس میں رہیں۔

(۷) چاہیے کہ شوق کی چنگاری روشن رہے، معاصی اور مخالفت کے ارتکاب سے خوفزدہ رہے، نازک بن کر

امور شریعت بجالانے میں سستی نہ کرے، قائد (راہنمائی کرنے والا) کی حیثیت سے تطبیق دقیق میں رغبت رکھے، اپنے شہر کی طرف لوٹنے کا اہتمام کرے کیونکہ نتیجہ کے اعتبار سے یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ گناہوں اور معاصی کے سامان کو گرانے، آثام اور مخالفات کو دھونے، اور رداء باطل کو اتار پھینکنے کی کوشش کرے...... تو پھر وہ اس طرح صاف ہو کر واپس لوٹے گا، گویا کہ آج ہی اسے ماں نے جنم دیا ہے۔ اور ایسے کاموں کو چھوڑ دیتا ہے۔ جن کا وہاں پہنچنے سے پہلے وہ حیلہ کرتا رہتا ہے۔ ان سے دور ہو جاتا ہے۔ اور انہیں کرنے سے دور بھاگتا ہے واللہ اعلم۔

(۸) مسلمانوں میں حرمین شریفین کی زیارت کی رغبت ہونا۔ اگر چہ ہر پانچ سال بعد ہی ہو۔

وہاں کے مکینوں اور باہر سے آنے والوں کو جاننا چاہیے، کہ بہت سے علماء نے تین امور میں سے کسی ایک کے سبب حرمین شریفین یا ان میں سے کسی ایک کے جوار میں رہنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ ان (تکالیف) پر تنگ ہونے اور حرم پاک سے مانوس ہونے کا خوف۔ بیشک یہ بسا اوقات احترام کے حوالے سے حرارت قلب کو ٹھنڈا کرنے کا سبب ہوتا ہے۔

(۲) مفارقت اور جدائی کے سبب شوق کا تیز تر ہونا، تاکہ وہ اسے دوبارہ آنے پر برانگیختہ کرے۔ کتنے حرمین شریفین سے دور رہنے والے لوگ ہیں۔ جن میں ان دونوں کے لیے حد درجہ شوق موجود تھا۔ بالآخر ان دونوں میں یا کسی ایک میں ٹھہرنے کے سبب وہ زچ ہوئے اور غمگین و تنگ دل ہوئے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

(۳) ان میں گناہوں اور خطاؤں کے ارتکاب کا خوف۔ کیونکہ ان کے سبب یہ خطرہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لے لے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ تصور دل میں ہرگز نہیں آنا چاہیے، کہ شاید ان کے نزدیک وہاں اقامت اختیار کرنا مکروہ ہونا اس عظیم اور مشرف جگہ کی افضلیت کے خلاف ہے۔ نہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ اس کا سبب صرف یہ ہے۔ کہ انسان اس جگہ کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہے اور ضعیف ہے۔ جو اپنے بارے میں اس عظیم جگہ کے حقوق ادا کرنے کا علم رکھتے ہیں۔ ان کی مجاورۃ کے افضل ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اور جسے اپنے بارے میں یہ علم ہو، کہ وہ اس جگہ کے حقوق ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، تو اس کے حق میں افضل یہ ہے کہ وہ مجاورت اختیار نہ کرے۔ واللہ اعلم۔

(۹) اہل مدینہ کو ایذاء نہ پہنچانا چاہے وہ ان کی ساتھ حاضر ہو، یا ان سے غائب ہو۔ کیونکہ اس میں اذیت دینے والے کے لیے کئی خطرات ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی جانب سے لعنت ہونا۔ اور اللہ تعالیٰ کا اس کی طرف سے صدقہ وخیرات قبول نہ کرنا۔ اس طرح اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دی ہے۔ اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچاتا ہے۔ اس کے لیے

شدید ترین عذاب ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اس لیے مسلمان پر لازم ہے۔ کہ وہ اہل مدینہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں۔

(۱۰) جس طرح باہر سے آنے والے مسلمانوں پر لازم ہے۔ کہ وہ مدینہ طیبہ کی مناسبت سے اعلیٰ آداب سیکھیں۔ ان پر یہ بھی لازم ہے۔ کہ وہ مکہ مکرمہ کی نسبت بھی ایسا ہی کریں۔ کتنے ایسے شخص ہیں، جو مخالفتوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ کتنی ایسی عورتیں ہیں، جو محرمات کا ارتکاب کرتی ہیں، کتنے حرم پاک میں سگریٹ نوشی کرنے والے ہیں، جب انہیں متنبہ کیا جاتا ہے۔ تو وہ معذرت کر دیتے ہیں۔ کتنی ایسی عورتیں ہیں جو حرم شریف میں خوشی کے سبب اپنی آواز بلند کر دیتی ہیں۔ اور کتنی افسوس کرنے والی عورتیں ہیں......، علاوہ ازیں عبادت، معاملات اور اخلاق میں مخالفت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے ہی توفیق اور قوت کے طالب ہیں۔ کہ وہ ہمیں ادب کی مثال بنا دے، ہمیں اس مجاورت کے اہل بنا دے، اور ہماری اولاد کو بھی یہ توفیق عطا فرمائے۔ **انه نعم المولی ونعم النصر۔**

(۱۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد خضرا کی زیارت کے وقت حد درجہ ادب کا التزام کرنا۔ نہ وہ دوڑے، نہ چیخے اور نہ آواز بلند کرے۔ جیسا کہ آداب زیارت میں بیان ہوا ہے۔ لیکن جو کچھ مسلمان باب حرم کھلتے وقت دیکھتے ہیں۔ بالخصوص فجر سے قبل پہلی اذان کے وقت۔ آپ نمازیوں کو دوڑتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ کہ وہ روضہ شریفہ کی طرف جانے یا صف اول میں کھڑا ہونے کے لیے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ دیکھتے ہیں عید کے دن سخت اژدحام اور دیگر ایسے امور جو سوءادب پر منتج ہوتے ہیں۔ میں نہیں جانتا، آیا ایسے لوگوں کو ثواب دیا جائے گا، ملامت کی جائیگی، یا انہیں سزا دی جائے گی؟۔ اگر چہ یہ واقعات نئے نہیں بلکہ ان ہی کی مثل امور کا ذکر علامہ سمہودی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے زمانے میں کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت عرض کی ہے۔ لیکن مسلمان کب اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کا لحاظ رکھیں گے؟ جبکہ ان کی حرمت تو قبل از وصال اور بعد از وصال ایک ہی ہے۔ **صلوات الله عليه وسلم۔**

علاوہ ازیں بھی بہت سے واجبات ہیں۔ جنہیں مدینہ طیبہ کی مناسبت سے بجالانا واجب ہے۔ جبکہ میں نے انہیں ذکر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء ہے۔ کہ وہ ہمیں اس کی محبت عطا فرمائے، اس میں زندگی گزارنے، اس میں مرنے، وہیں سے اس کے باسیوں کے ساتھ حشر ہونے، اور حضور سید المرسلین علیہ وآلہ الصلوۃ والسلام کے لواء الحمد کے نیچے جگہ ملنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ امین ثم امین۔

الملحق الرابع

زیارت اور مجاورت کے آداب کا بیان

مدینہ منورہ کی زیارت اور اس میں مجاورت اختیار کرنے کے کثیر آداب ہیں۔ حضرت امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے مناسک کے آخر میں زیارت کے آداب ذکر کئے ہیں۔ اور امام سمہودی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب وفاء الوفاء کے آخر میں آداب نقل کئے ہیں۔ میں نے یہ چاہا، کہ ان اوراق میں مختصراً ذکر کردوں۔

آدمی کو اپنے شہر سے سفر کا آغاز کرنے سے قبل چاہیے کہ وہ استخارہ کرے، تجدید توبہ کرے، مظالم سے بچے، اپنے پاس کام کرنے والوں کے حقوق ادا کرے، جنہیں راضی کرنا لازم ہو انہیں راضی کرے، وصیت لکھے، اچھے اخراجات کا انتظام کرے، اہل خانہ اور بھائیوں کو الوداع کہے..... علاوہ ازیں ان تمام افعال کو کرنا مستحب ہے جو عموماً سفر کے وقت کئے جاتے ہیں۔

(۱) نیت میں اخلاص اور ضمیر میں خلوص ہونا۔ کیونکہ اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے۔

(۲) حرمین شریفین کی زیارت کا شوق دائمی ہونا۔

(۳) جب اپنے شہر میں اپنے گھر سے نکلے، تو نکلنے کی دعا کرنا۔

(۴) اپنے سفر کے دوران حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے صلوٰۃ وسلام پیش کرنا، یہاں تک کہ اپنے فارغ اوقات میں صلوٰۃ وسلام اور دیگر اطاعات میں مستغرق رہے۔

(۵) جب حرم مدینہ کے قریب پہنچے، اُس کے نشانات، ٹیلے اور پہاڑیاں دیکھے۔ تو حد درجہ خضوع وخشوع سے وظائف پڑھے، یہاں پہنچنے اور آرزوئیں پانے پر خوشی کا اظہار کرے، اگر سواری پر ہو تو اُسے تیز حرکت دے، یا اگر اونٹ پر ہو تو اُسے مدینہ طیبہ کی بشارت دیتے ہوئے تیز چلائے۔ جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

قرب الديار يزيد شوق الواله   لا سيّما إن لاح نورُ جماله

محبوب کے گھر کا قرب محبّ کے شوق میں اضافہ کر دیتا ہے ☆ بالخصوص جب اس کے حسن و جمال کا نور ظاہر ہو۔

أو بشّر العادی بأن لا النقا   و بدت علی بعد رؤوس جباله

یا حادی بشارت دے کہ وہ ٹیلہ نظر آنے لگا ☆ اور دور سے پہاڑوں کی چوٹیاں ظاہر ہو گئیں

فهناک عِيل الصبر من ذی صبوة   و بدا الذی يخفيه من احواله

تو وہاں شوق رکھنے والے کا صبر کم ہو جاتا ہے ☆ اور اس کے مخفی احوال ظاہر ہو جاتے ہیں

(۶) جب آدمی کی نگاہ مدینہ طیبہ کے درختوں، حرم پاک، اور اُن چیزوں پر پڑے جن سے اُس کی پہچان ہوتی ہے۔ تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام میں مزید اضافہ کرلے۔

اس محل شریف کو دیکھتے وقت اور اس کے قریب پہنچ کر سواری سے اترنا اور پیدل چلنا بہتر ہے۔ اسی طرح وہاں داخل ہونے سے پہلے غسل کرنا، اور خوبصورت لباس پہننا بہتر ہے۔ جیسا کہ کئی بار بیان ہو چکا ہے۔ یہ تمام افعال تب ہی ہیں۔ جب انھیں کرنا ممکن ہو۔ یہ افعال وفد عبدالقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اشعث کے افعال سے ماخوذ ہیں۔ یہ انہوں نے کیے۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔

(۷) شہر میں داخل ہوتے وقت روتے ہوئے دعا مانگنا۔ جیسا کہ مکہ مکرمہ میں کی جاتی ہے۔ آدمی پر لازم ہے کہ وہ سلے ہوئے کپڑے اتارنے سے اجتناب کرے۔ جیسا کہ بعض جہلاء حالت احرام کی مشابہت میں ایسا کرتے ہیں۔

(۸) جب مدینہ طیبہ میں داخل ہو، اور مسجد نبوی کی علامات، اس میں اذان کی جگہ، اور گنبد خضراء ظاہر ہو، تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے نفس پر خشوع وخضوع کا التزام کرے، اور مدینہ طیبہ کی عظمت اور اس کے شرف کو ہمہ وقت ذہن میں رکھے۔ کیونکہ یہ وہ مقام ہے۔ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ اور جائے استراحت کے طور پر منتخب فرمایا۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم حیات ظاہرہ اور بعد از وصال دونوں حالتوں میں واجب ہے۔

(۹) جب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہنچے۔ تو دایاں پاؤں اندر رکھے۔ اور جب باہر نکلے تو بایاں پاؤں آگے رکھے۔ جیسا کہ تمام مساجد میں یہی طریقہ ہوتا ہے۔ پھر مسجد میں داخل ہوتے وقت اپنی مطلوبہ دعا مانگے۔ پھر مسجد میں داخل ہو کر اتنے وقت کے لیے اعتکاف کی نیت کر لے، جتنی دیر وہاں ٹھہرنا ہے۔

پھر اگر ممکن ہو تو روضہ شریف (روضه من رياض الجنته) تک پہنچنے کی کوشش کرے، اور وہاں دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے۔ جبکہ نماز کے لیے جماعت کھڑی نہ ہو۔ اور اگر وہاں پہنچنا ممکن نہ ہو تو پھر کسی بھی جگہ پڑھ لے۔ اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس کا حرم افضل ہے۔ جب تحیۃ المسجد پڑھ چکے، تو اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرے۔ اور انتہائی ہیبت، وقار اور خشیت وانکساری کے ساتھ اپنے مقاصد کی تکمیل کی التجاء کرے۔

پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار کے پاس آئے، قبلہ شریف کی جانب پیٹھ کرے، اور حجرہ شریف کی دیوار کی جانب چہرہ کرے، اور حجرہ شریف سے تقریباً چار پانچ ہاتھ (گز) دور کھڑا ہو۔ اس طرح کہ مقام ہیبت وجلال میں اپنے آپ کو جھکائے ہوئے ہو، خلائق دنیا سے دل مکمل طور پر فارغ ہو، موقف (کھڑے ہونے کی جگہ) کی عظمت وجلال دل میں موجود ہو، اور اس کے مقام کا تصور ہو، جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو، یہ حاضری پورے آداب اور حیاء کو ملحوظ خاطر رکھ کر دے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرے، لیکن اپنی آواز بلند نہ کرے، بلکہ دھیمی اور درمیانی آواز میں۔ "السلام علیک یا رسول الله، السلام علیک یا نبی الله، السلام علیک یا خیرة الله، السلام علیک یا خیر خلق الله، السلام علیک یا حبیب الله، السلام علیک یا سید المرسلین، و خاتم النبین، السلام علیک یا خیر الخلائق اجمعین، السلام علیک یا قائد الغرالمحجلین، السلام علیک و علی آلک و أهل بیتک وازواجک و أصحابک اجمعین، السلام علیک و علی سائرالأنبیاء والمرسلین، وجمیع عباد الله الصالحین، جزاک الله عنا یا سیدی یا رسول الله افضل ماجزی به نبیا و رسولا عن امته، و صلی علیک کلما ذکرک الذاکرون، و غفل عن ذکرک الغافلون، افضل و اکمل و اطیب ما صلی علی احد من الخلق اجمعین، اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له، واشهدانک عبده و رسوله و خیرته من خلقه، واشهدانک بلغت الرسالة وادیت الامانة، ونصحت الامة، وجاهدت فی الله حق جهاده، اللهم آته الوسیلة و الفضیلة، وابعثه مقاماً محموداً الذی و عدته، وآته نهایة ما ینبغی ان یساله السائلون، اللهم صل علی سیدنا محمد عبدک و رسولک النبی الامی، و علی آل سیدنا محمد وازواجه و ذریته، کما صلیت علی ابراهیم و علی آل ابراهیم، و بارک علی سیدنا محمد النبی الامی، و علی آل سیدنا محمد، کما بارکت علی ابراهیم و علی آل ابراهیم، انک حمید مجید"

جو اس سلام سے عاجز ہو، یا اس کے لیے وقت تنگ ہو، تو پھر اس میں سے بعض پر ہی اکتفاء کرے۔ جیسا کہ امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔ کم سے کم اتنا ضرور عرض کرے۔ "السلام علیک یارسول الله صلی الله علیه وسلم۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر اسلاف سے انتہائی اختصار کے ساتھ بھی مروی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما عرض کرتے تھے "السلام علیک یا رسو الله ، السلام علیک ابابکر ، السلام علیک یا أبتاه۔"

پھر اگر کسی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کو کہا ہو، تو اس کی جانب سے اس طرح عرض کرے، "السلام علیک یا رسول الله من فلان بن فلان یا اس طرح کہے۔ فلان بن فلان یسلم علیک یا رسول الله۔ یا اسی نوع کے اور الفاظ میں کہے۔ پھر اپنی دائیں جانب ایک ہاتھ کی مقدار پیچھے ہٹے۔ اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں سلام عرض کرے۔ اور اس طرح کہے۔ "السلام یا ابابکر صفیّ رسول الله صلی الله علیه وسلم، وثانیه فی الغار،

ورفیقه فی الأسفار" اللہ تعالیٰ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔

پھر اپنی دائیں جانب ایک ہاتھ کی مقدار پیچھے ہٹے۔ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں سلام عرض کرے۔ اور اس طرح کہے۔" السلام علیک یا عمر الفاروق۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ اسلام کو قوت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی جانب سے آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

پھر منبر شریف کے قریب ریاض الجنۃ میں حاضر ہو۔ اور قبلہ شریف کی طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے، جو الفاظ میسر ہوں، ان ہی میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر درود بھیجے۔

(۱۰) قبر شریف کا طواف کرنا، اور پیٹ یا پیٹھ کو اس کی دیوار سے لگانا جائز نہیں، جیسا کہ حلیمی اور دوسروں نے کہا ہے۔ اسی طرح اس پر ہاتھ رکھنا اور بوسہ دینا، یا اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بھی جائز نہیں۔ بلکہ ادب کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس سے دور رہے۔ جیسا کہ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہرہ میں حاضر ہوتا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہتا۔ یہی صحیح طریقہ ہے۔ یہی طریقہ علماء نے بیان کیا ہے۔ اور اسی پر اتفاق کیا ہے۔ اور جس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو، کہ ہاتھ کے ساتھ مس کرنے اور اس نوع کے دیگر امور میں زیادہ برکت ہوتی ہے۔ تو یہ تصور اس کی جہالت اور غفلت کے سبب پیدا ہوا۔ اس لیے کہ برکت اسی عمل میں ہے، جو شریعت کے موافق ہو اور علماء کے اقوال کے مطابق ہو۔

اسی طرح سلام عرض کرتے وقت قبر شریف پر جھکنے سے اجتناب کرے، ابن جماعۃ نے کہا: کہ بعض علماء نے کہا ہے، کہ یہ بدعت قبیحہ ہے، اور اس سے زیادہ قبیح اس کی زمین کو چومنا ہے۔ انہوں نے کہا۔ کہ اس کو حرام قرار دینے میں توقف نہیں کرنا چاہیے۔

(۱۱) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس سے جب بھی گزرے، تو ٹھہرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرے۔ اسی طرح ابن رشد نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے البیان میں نقل کیا ہے۔

(۱۲) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا۔

(۱۳) جہاں تک ممکن ہو، پانچوں نمازیں مسجد نبوی میں باجماعت ادا کرنے کا حریص رہے۔ اور جب بھی مسجد میں داخل ہو، اعتکاف کی نیت کرے۔

(۱۴) اگر ایام تھوڑے ہوں، تو جہاں تک ممکن ہو روزہ اور صدقہ جیسے افعال اطاعت بجالائے۔

(۱۴) عام جہلاء جیسے افعال اوران کی بدعتوں کا ارتکاب کرنے سے اجتناب کرے۔ مثلاً قربت کے لیے ان کا مسجد میں تمر صیحانی کھانا، اور اس کی گٹھلی وہیں پھینکنا، اپنے بال کاٹنا، اور انہیں قندیل کبیر میں پھینکنا وغیرہ۔ یہ افعال ناپسندیدہ منکرات میں سے ہیں۔

میں کہتا ہوں:- الحمدللہ! ہمارے زمانے میں ایسے افعال میں سے کوئی فعل بھی نہیں ہوتا۔

(۱۵) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے سے فارغ ہونے کے بعد بقیع کی زیارت کے لیے حاضر ہو۔ بالخصوص ان کے پاس جوان میں معروف ہیں۔

(۱۶) شہداء احد کی زیارت کرے۔

(۱۷) یہ امر بھی استحباب مؤکد ہے۔ کہ مسجد قباء میں آئے، اولیٰ یہ ہے کہ ہفتے کا دن ہو، کیونکہ اس میں ایک نماز عمرہ کے برابر ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح امام نووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔

(۱۸) علاوہ ازیں جن مساجد اور جگہوں کی عموماً زیارت کی جاتی ہے ان کی زیارت کرے۔

(۱۹) جتنی مدت مدینہ طیبہ میں رہے، اپنے دل میں اس کی جلالت شان کا لحاظ ضرور رکھے۔ یہ وہ شہر ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت، سکونت اور مدفن ہونے کے لیے پسند فرمایا۔ اور یہ تصور رکھے، کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بار بار لوٹ کر تشریف لائے، اس کے مختلف حصوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چلے، اس سے محبت کا اظہار کیا، اور اس میں حضرت جبریل علیہ السلام متعدد بار وحی لے کر حاضر ہوتے رہے......

(۲۰) جہاں تک پیدل چلنے پر قادر ہو تو سواری پر سوار نہ ہو، بلکہ پیدل چلنے کو سواری پر ترجیح دے۔ جیسا کہ امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے۔

(۲۱) اہل مدینہ، اس میں سکونت اختیار کرنے والوں، اس کے جوار میں رہنے والوں، اور اس میں مقیم لوگوں سے محبت کرنا، اور ان کی تعظیم کرنا، بالخصوص علماء وصلحاء کی......

(۲۲) ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے، جو قادر ہو، مدینہ طیبہ میں مجاورت اختیار کرے۔

(۲۳) حرم پاک میں کسی قسم کا تعرض نہ کرے مثلاً شکار کرنا، شکار کو بھگانا، درخت کاٹنا، ہتھیار اٹھا کر چلنا، اور گری پڑی چیز کو اٹھالینا۔ وغیرہ۔

(۲۴) اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرتے ہوئے، اور ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے، اپنا سینہ وسیع رکھے، اور ہمیشہ فرحت ومسرت کے ساتھ رہے۔

(۲۵) جہاں تک ممکن ہو اچھے افعال کا حریص رہے۔ مثلاً مریض کی بیمار پرسی، جنازے کے ساتھ چلنا، ضعیف اور کمزور کی مدد کرنا، فقیر کی غمخواری کرنا، اور مظلوم کی مدد کرنا وغیرہ،

(۲۶) اربطہ میں رہنے والے اور صدقات لینے والے فقراء اور محتاج لوگوں سے تنگ اور سخت لہجہ اختیار نہ کرے۔ مگر جب کہ اس کی اشد ضرورت ہو۔

(۲۷) اپنے نفس کو خشیت اور تعظیم کی لگام دے، اپنی آواز کو پست رکھے۔ اور اپنے سر اور کندھوں کو جھکا کر چلے۔

(۲۸) جب اپنے شہر کی طرف واپس لوٹنے کا ارادہ کرے، تو مسجد شریف میں دو رکعت الوداع کی نیت سے پڑھے۔ اور پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبین پر اسی طرح سلام عرض کرے جیسے زیارت اولیٰ میں گزر چکا ہے۔

(۲۹) اپنا چہرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رکھ کر پیچھے کی جانب چلے، پیچھے کی جانب مڑ کر نہ چلے، جدائی اور فراق کا درد محسوس کرتے ہوئے، اور اعمال خیر کے فوت ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے چلے، اور رب کریم کی بارگاہ میں دوبارہ سرزمین حرمین کی حاضری کی التجاء کرتے ہوئے واپس لوٹے۔ اور اپنے ساتھ اصل حرم سے متعلقہ کوئی چیز اٹھا کر نہ لائے۔ مثلاً مٹی، لوٹے، پیالے.....حرم پاک کی مٹی سے بنی ہوئی کوئی چیز، اور پتھر وغیرہ۔ اور انتہائی اچھا ہے۔ کہ اپنے ساتھ مدینہ طیبہ سے اپنے اہل کے لیے کوئی تحفہ لائے۔ جس میں تکلف نہ ہو، تاکہ فرحت وسرور کے ساتھ انہیں آکر ملے۔ بالخصوص مدینہ طیبہ کے پھل اور کھجوریں۔

(۳۰) ان شہروں کا شوق ہمیشہ قائم رہے، قلب (دل) ان کی طرف واپس لوٹنے کے لیے معلق رہے، اور اس کا دل اس کے بارے روایت ہونے والی احادیث وآثار میں غور وفکر کرنے سے مچلتا رہے، اور اس کے بارے عمدہ اشعار پڑھتا رہے۔ تاکہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے دوبارہ واپس آنے کی سعادت عطا فرمائے۔

میں اپنے اس ضمیمہ کو اس لطیف، شیریں او عجیب قصیدہ پر ختم کرتا ہوں۔ یہ قصیدہ امام عارف باللہ، ولی صالح ابو محمد عبداللہ بن عمر ابن موسیٰ البشکری المغر اوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے عشق ومحبت میں ڈوب کر کہا ہے۔ اسے امام المراغی نے اپنے شیخ المطر ی شیخ المحد ثین بالحرم النبوی الشریف سے نقل کیا، اور انہوں نے مؤلف قصیدہ سے نقل کیا۔ پھر امام سمہودی نے مؤلف قصیدہ تک اپنی سند سے اسے ذکر کیا ہے۔ اور اسی طرح امام صالحی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ذکر کیا ہے۔ امام ابو عبداللہ تونسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے تخمیس (دو مصرعوں والے شعر پر تین کا اضافہ کرکے پانچ بند بنانا) کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور میں اسے بغیر تخمیس کے ذکر کروں گا۔

دار الحبیب احق ان تھواھا و تحن من طرب الی ذکراھا

دار حبیب (محبوب کا گھر) زیادہ حق رکھتا ہے کہ تو اس سے محبت کرے، اور خوشی سے جھومتے ہوئے

اس کا ذکر کرنے کا مشتاق ہو۔

و علی الجفون متی هممت بزورة　　　یا ابن الکرام علیک ان تغشاها

اے فرزندار جمند! جب تو اس کی زیارت کا ارادہ کرے، تو تجھ پر لازم ہے کہ تو اسے پلکوں پر سجالے۔

فلاتت انت اذا حللت بطیبة　　　و ظللت ترتع فی ظلال رباها

جب تو طیبہ میں فروکش ہوگا، تو اس کے ٹیلوں کے سائے تلے فیوض و برکات سے شاد کام ہوتا رہے گا۔

مغنی الجمال منی الخواطر والتی　　　سلبت عقول العاشقین حلاها

تو یہ سراپا جمال مقام اور منتہائے آرزو، جس کے زیور حسن نے عاشقوں کی عقلیں سلب کر لی ہیں۔

لا تحسب المسلک الذکی کتربها　　　هیهات این المسک من رياها

پاکیزہ کستوری کو اس کی مٹی کی مثل گمان نہ کر، یہ (گمان) بہت بعید ہے کستوری کو اس چشمہ سے کیا نسبت؟۔

طابت فإن تبغ التطیب یافتی　　　فادم علی الساعات لثم ثراها

یہ تو بہت عمدہ ہے! اگر تو حصول خوشبو کا خواہاں ہے اے نوجوان! تو ہر لمحے اس کی مٹی کے بوسے لینے پر دوام اختیار کر

والبشر ففی الخبر الصحیح مقرراً　　　ان الإ له بطابة سماها

تجھے بشارت ہو۔ کہ خبر صحیح میں یہ تاکیداً موجود ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام طابۃ رکھا ہے۔

واختصها بالطیبین لطیبها　　　واختارها و دعا إلی سکناها

اس کی خوشبو کے سبب اسے پاکیزہ لوگوں کے لیے مختص کر دیا اور چن لیا، اور اس میں رہنے کی ترغیب دلائی ہے۔

لا کا لمدینة منزل و کفی لها　　　شرفا حلول محمد بفناها

مدینہ طیبہ کی طرح کوئی منزل نہیں۔ اس کے لیے یہی شرف کافی ہے کہ اس کی سرزمین میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تشریف فرما ہوئے۔

حضنت بهجرة خیر من وطی الثری　　　واجلهم قدراً فکیف تراها

زمین پر چلنے والوں میں سے سب سے بہتر اور جلیل القدر ہستی کی ہجرت کے طفیل اسے مقام رفیع حاصل ہوا۔ اے مخاطب تو اس کے بارے کیا رائے رکھتا ہے؟۔

کل البلاد اذا ذکرن کا حرف　　　فی اسم المدینة لا خلت معناها

تمام کے تمام شہروں کا جب ذکر کیا جائے۔ تو گویا اسم مدینہ کے حروف ہیں۔

حاشا مسمی القدس فهی قریبة منها و مكة انها ایاها

حاشا سوائے بیت المقدس کے کہ یہ اس کے قریب ہے، اور سوائے مکہ کے کہ یہ بعینہ وہی ہے۔

لا فرق إلا ان ثم لطیفة مهما بدت یجلو الظلام سناها

کوئی فرق نہیں مگر یہ کہ وہاں جب کبھی جلوہ نور ظاہر ہو تو اس کی چمک تاریکیوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔

جزم الجمیع بأن خیر الأرض ما قدحاط ذات المصطفٰی و حواها

تمام کا اس پر یقین ہے کہ سب سے بہتر اور اعلیٰ زمین وہ ہے، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا احاطہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اپنے میں سمولیا ہے۔

و نعم لقد صدقوا بسا کنها علت کالنفس حین زکت زکاما واها

اور ہاں تمام نے اس میں رہنے والوں کو سچا کہا تو اس کی شان بلند ہو گی جیسا کہ نفس جب پاک ہوتا ہے۔ تو اس کی پناہ گاہ (ٹھکانہ) بھی پاک ہو جاتی ہے۔

و بهذه ظهرت مزیة طیبة فغدت و كل الفضل فی معناها

اور اس سے طیبہ کی فضیلت ظاہر ہو گی۔ اور واضح ہو گیا کہ تمام فضیلتیں اس کے جوہر اصلی میں مضمر ہیں۔

حتی لقد خصت بروضة جنة الله شرفها بها و حباها

اسے ریاض الجنۃ کے ساتھ خاص کیا اور اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ اور اس کے بادلوں کو اس سے مشرف فرمایا۔ اور اسے عطا فرمائے۔

ما بین قبرٍ للنبی و منبر حیا الإ له رسوله و سقاها

جو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور اور منبر شریف کے درمیان ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ریاض الجنۃ کو اپنے جلوۂ نور سے سیراب کرتا رہے۔

هذی محاسنها فهل من عاشق کلفٍ شحیح باخلٍ بنواها

یہ اس کے محاسن ہیں کیا کوئی عاشق دلفگار اس سے دور رہنے کا حریص ہو سکتا ہے۔

إنی لأرهب من توقع بینها فیظل قلبی موجعا أواها

بیشک میں تو اس کی جدائی کے وقوع پذیر ہونے سے ڈرتا ہوں۔ پس میرا دل درد کے سبب آہیں بھرتا رہتا ہے۔

و لقلما أبصرت حال مودع إلا رثت نفسی له و شجاها

اور میں نے بہت کم ہی الوداع کہنے والوں کا حال دیکھا ہے۔ مگر میرا دل اس کے لیے پسیج جاتا ہے اور غمزدہ ہو جاتا ہے۔

فلكم أراكم قافلين جماعة   في إثر أخرى طالبين سواها

پس کتنی ہی مرتبہ میں نے تمہیں جماعت در جماعت کی صورت میں واپس آتے ہوئے، اور اس کے سوا کا طالب بنتے ہوئے دیکھا ہے۔

قسماً لقدأذ كى فؤادي بينكم   نارا و فجر مقلتي مياها

قسم بخدا! (دیار حبیب ہے) تمہاری جدائی نے میرے دل کو جلا ڈالا۔ اور میری آنکھیں اس کا پانی بہاتی ہیں۔

إن كان يعجز كم طلاب فضيلة   فالخير أجمعه لدى مثواها

اگر فضیلت کی طلب تمہیں عاجز کر دے تو اس کے پاس ٹھہرنے کی جگہ تمام بھلائیوں کی جامع ہے۔

أو خفتم ضرأها فتأملوا   بركات بلغتها فما أزكاها

یا تمہیں اس کے نقصان کا ڈر ہو۔ تو وہاں گزرے ہوئے وقت کی برکات میں غور کرو، کہ وہ کتنی زیادہ اور پاکیزہ ہیں۔

أف لمن يبغي الكثير لشهوة   ورفاهةٍ لم يدر ما عقباها

اف ہے اس کے لیے جو شہوت اور خوشحالی کے لئے کثیر مال و دولت کی خواہش رکھتا ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس کا انجام کیا ہے۔؟

والعيش ما يكفي و ليس هو الذي   يطغي النفوس ولا خسيس مناها

دولت (کھانا) وہی ہے جو کافی ہوتی ہے۔ نہ کہ وہ جس کی آرزو آدمی کو سرکش بنا دے یا پھر خسیس بنا دے۔

يا رب أسأل منك فضل قناعةٍ   بيسيرها و تحببا لحماها

اے میرے رب! میں تجھ سے تھوڑی سی قناعت کی فضیلت اور اس کی حفاظت کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔

ورضاك عني دائما و لزومها   حتى توافي مهجتي أخراها

اور میں ہمیشہ کے لیے تیری رضا اور اس کے لزوم کا طالب ہوں۔ یہاں تک کہ تو میری روح کو دارالبقاء کی طرف بھیج دے۔

فإن الذى أعطيت نفسي سئولها   و قبلت دعوتها فيا بشراها

بیشک تو نے ہی میرے نفس کو اس کا مطلوب عطا کیا۔ اور تو نے ہی اس کی دعا کو قبول فرمایا۔ کس قدر خوشی کی بات ہے۔

بجوار أوفى العالمين بذمة   و أعز من بالقرب منه يباهى

عالمین کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے والے کا تو نے جو ارعطا فرمادیا اور جسے تو نے اس کے قرب کا اعزاز بخشا وہ اس پر فخر کرتا ہے۔

من جآء بالآیات والنور الذی داوی القلوب من العمی فشفاها

وہ جو کہ ایسی آیات اور نور لے کر آیا جس سے اس نے اندھے دلوں کا علاج کیا۔ تو وہ شفایاب ہوئے۔

أولی الأنام بخطة الشرف التی تدعی الوسیلة خیر من یعطاها

ان عادات شرف میں وہ تمام لوگوں سے بہتر ہے، جنہیں بطور وسیلہ پکارا جاتا ہے۔ اور وہ ان سے بہتر ہے جنہیں وہ عطا کرتا ہے۔

إنسان عین الکون سر وجوده "یس" إکسیر المحامد "طه"

وہ کائنات کی آنکھ کی پتلی ہیں۔ ان کے وجود کا راز "یٰس" ہے۔ اور محامد کی اکسیر "طٰہٰ" ہے۔

حسبی فلست أفی بذکر صفاته ولوأ نّ لی عدد الحصی افواها

مجھے یہی کافی ہے ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں آپ کی صفات کا ذکر مکمل نہیں کرسکتا۔ اگرچہ سنگریزوں کی تعداد کے برابر میرے منہ ہوں۔

کثرت محاسنه فاعجز حصرها وعدت وما یلقی لها أشباها

آپ کے محاسن کثیر ہیں۔ میں انہیں شمار کرنے سے عاجز ہوں۔ اور وہ ایسے ہیں کہ ان کے لیے مشابہت اور مثل موجود ہی نہیں۔

إنی اهتدیت من الکتاب بأیة فعلمت أن علاه لیس یضاهی

میں نے کتاب اللہ کی آیت سے یہ راہنمائی حاصل کی ہے۔ اور یقین کرلیا ہے کہ ان کی علو مرتبت کی کوئی مشابہت نہیں ہے۔

ورأیت فضل العالمین محددا و فضائل المختار لا تتناهی

اور میں نے دیکھا ہے کہ عالمین کی فضیلتیں محدود ہیں۔ لیکن نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اس کے مقابلہ میں لامحدود ہیں۔

کیف السبیل إلی تقصی مدح من قال الا له له – وحسبک جاها

اس کی تعریف کی انتہا تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو۔ اور وہ تیرے عظمت وشرف کے لیے کافی ہے۔

إن الذین یبایعونک انما فیما یقول – یبایعون الله

بیشک وہ لوگ جو آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ بیشک وہ اللہ کی

بیعت کرتے ہیں۔

هذا الفخار فهل سمعت بمثله واها لنشأته الكريمة واها

کیااس مٹی کی مثل کے بارے تونے سنا ہے؟اس کریم کی پیدائش (تخلیق) کے لیے یہ کتنی عمدہ ہے۔

صلوا عليه وسلموا ، فبذا لكم تهدى النفوس لرشدها وغثاها

تم ان پر صلواۃ وسلام بھیجواس لیے کہ نفوس وہیں کی ہدایت ورحمت سے ہدایت پاتے ہیں۔

صلى عليه الله غير مقيدٍ و عليه من بركاته أنماها

اللہ تعالیٰ نے ان پر لامحدود رحمت فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے وافر مقدار میں ان پر اپنی برکات نازل فرمائیں۔

وعلى الأكابر آله سرج الهدىٰ احبب بعترته ومن والاها

اللہ تعالیٰ رحمت فرمائے، آپ کی آل پاک کے ان اکابر پر جو ہدایت کے روشن چراغ ہیں۔ اور آپ کے خاندان کس قدر محبوب ہیں اور وہ جنہوں نے ان سے محبت کی۔

وكذا السلام عليه وثم عليم وعلى عصابته التى زكاها

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو، پھر ان پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خاندان پر جسے اللہ تعالیٰ نے پاک فرمادیا۔

اعنى الكرام أولى انهى أصحابه فئة التقى ومن اهتدى بهداها

یعنی صاحب عزت وتکریم اور صاحب عقل ودانش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جو متقیوں کا گروہ ہیں اور وہ جنہوں نے ان کی ہدایت سے ہدایت حاصل کی۔

والحمدلله الكريم وهذه نجزت وظنى انه يرضاها

سب تعریفیں اللہ کریم کے لیے ہیں۔ یہ قصیدہ مکمل ہوگیا۔ اور مجھے یقین ہے کہ رب کریم اس سے ضرور راضی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ ہم پر اپنی رضا وخوشنودی سے احسان فرمائے۔ اور ہمیں اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اس کے باوجود کہ ہم میں کجی اور کوتاہی موجود ہے۔ وہ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائے، ہمارے عیوب ونقائص کو ڈھانپ دے، وہ ہماری حاجات اور التجائیں پوری فرمائے، وہ ہمارے گھر والوں، اولاد، ازواج، اور دوست احباب سمیت ہماری حفاظت فرمائے۔ بیشک وہی اچھا آقا اور اس پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ ہمیں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے نہ نکالے، اور وہ ہمارا حشر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں وہیں سے کرے۔ آمین اللھم آمین۔

میرے لیے مناسب ہے۔ کہ میں مدینہ طیبہ کے فضائل کی اس مختصر بحث کو ختم کرتے ہوئے وہی

الفاظ کہوں جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کی طرف تشریف لاتے وقت فرمایا کرتے تھے۔ جیسا کہ روایت ہے۔

۱۱۴۷۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی سفر سے واپس تشریف لاتے، جب مدینہ طیبہ کو سامنے دیکھتے تو انتہائی تیز رفتاری سے چلتے، اور ساتھ ساتھ یہ کہتے "اللھم اجعل لنا بھا قراراً ، ورزقا حسناً" (اے اللہ! ہمیں اس میں قرار اور رزق حسن عطا فرما) اسے محاملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتاب الدعا وغیرہ میں روایت کیا ہے۔ امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الاذکار میں ذکر کیا ہے۔ اور ابن علان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے الحافظ سے اس کا حسن ہونا نقل کیا ہے۔ اور اسے کنز للدیلمی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے انہی الفاظ میں نقل کیا ہے(۱)۔ واللہ اعلم

امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عمل الیوم واللیلہ میں، ابن السنی نے، اور طبرانی نے کتاب الدعا (۲) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی اس طرح روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

الٰهی نجنی من کلِّ ضیق   فانت إلٰهنا مولی الجمیع

اے اللہ! مجھے ہر تنگی اور مصیبت سے نجات عطا فرما، تو ہمارا الہ ہے اور تمام کا مولیٰ ہے۔

وَهَبْ لی فی المدینة مستقرًا   ورُزقا ، ثم دفنا فی البقیع

مجھے مدینہ طیبہ میں جائے سکونت اور رزق عطا فرما۔ اور پھر بقیع میں دفن ہونے کی سعادت عطا فرما۔ اللھم حقق بفضلک یاکریم ، واحشرنی مع نبیک وصفیک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وعبادک الصالحین۔ اللھم آمین۔

تمت بالخیر

خاتمۃ الکتاب

مدینہ طیبہ کے فضائل اس حد تک بیان کرنے کے بعد اپنے قلم کو روکتے وقت میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے فضائل اس سے زیادہ ہیں، کہ کوئی کتاب چند جلدوں میں ان کا احاطہ کر سکے، وہ اس سے زیادہ عمیق ہیں۔ کہ انہیں صفحہ قرطاس پر رقم کیا جا سکے، اور وہ اس سے اجل ہیں کہ انہیں قلم کے ذریعہ پایا جا سکے...... میں نے ان میں سے جو تحریر کئے ہیں۔ وہ فی الحقیقت راہنمائی کے لئے، ان کی فضیلت کو قریب کرنے کے لئے، ان کے علو مرتبہ کو بیان کرنے کے لئے، ان کی رفعت شان کی وضاحت کے لئے، ان کے عظیم مرتبہ کے اظہار کے لئے، ان کی عظیم قدر کو ظاہر کرنے کے لئے، اور ان کے اس شرف کو پھیلانے کیلئے ہے۔ بس کے قریب بھی کوئی عظمت و شرف نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ مکہ کے سوا کوئی شہر یا گاؤں ان میں اس کے مساوی ہو یا بلند ہو۔

جو کچھ میں نے مدینہ منورہ کے بارے لکھا ہے۔ وہ اس کے کل فضائل کا ایک جز ہے، اس کی کثیر عظمتوں میں سے قلیل ہیں، اس کے بحر کمال میں سے بالکل تھوڑی مقدار ہے، اور اس محیط شرف کا ایک قطرہ ہے۔

میں کیسے یہ طاقت رکھ سکتا ہوں، کہ اس کے فضائل کا احاطہ کر سکوں۔ وہ ازل سے ہی ایک منتخب شہر ہے۔ کہ وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر ہوگا۔ اس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مقدس کی خاک وہیں سے لی گئی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ بنا، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ ہونے کا شرف بھی اسے حاصل ہوا...... یہ وہ شہر ہے جسے کثیر جنتیں گھیرے ہوئے ہیں۔ مثلاً ریاض الجنۃ میں منبر شریف تک وہاں سے احد تک اور وہاں سے عجوہ تک وغیرہ وغیرہ۔

اس لئے میں اس کے کمال کو بیان کرنے، اس کے چہرے کے نور سے کپڑا دور کرنے، اس کے حسن و جمال سے حجاب ہٹانے، اور اس کے محاسن سے پردہ سرکانے سے عاجز ہوں۔

لیکن میرے لئے یہ کافی ہے کہ میں نے تکلیف اور بیماری کے باوجود جہد مسلسل کی، راتوں کو جاگا، اور دنوں میں طویل وقت تک بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ میں نے اس کے فضائل، کمالات، اور محاسن جمع کر لئے۔ جو ایسی سینکڑوں کتابوں کے صفحات میں متفرق طور پر موجود تھے۔ جن کی کثرت کو شمار کرنا انہیں پڑھنا انتہائی مشکل ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر گزار اور حمد کناں ہوں۔ جس نے مجھے ان کتابوں کے صفحات سے یہ خزانہ نکالنے اور صفحہ قرطاس پر لانے کی توفیق عطا فرمائی۔ نتیجتاً میں نے ایک بہت بڑی کتاب کی صورت میں انہیں مکمل کیا۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔ اور یہ مدینہ طیبہ سے محبت

رکھنے والوں کی رضا پالے گی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ میرا مقصد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی بارگاہ کی قبولیت ہے۔

اس سے قبل کہ میں اس کتاب کو لکھنا ختم کروں، مجھ سے ایک سائل یہ سوال کرتا ہے۔ کہ مکہ مکرمہ میں کون سا عیب اور نقص ہے؟۔

تو جواباً میں یہ کہتا ہوں۔ اے محبت کرنے والے یہ تہمت عائد نہ کر۔ میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے وہ احادیث بھی جمع کی ہیں، جو مکہ مکرمہ کے بارے میں وارد ہیں۔ اور میں نے بعینہ اسی کتاب کی ترتیب پر ان احادیث کو مرتب کیا ہے۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا۔ کہ وہ کب مکمل ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ وہی مجھ پر پہلی اور دوسری مرتبہ فضل فرمانے والا ہے۔ اور وہی میرا معاون و مددگار ہے۔ اور کوئی نہیں۔ پس جب وہ میرے لئے معاملات آسان فرمادے گا۔ تو میں دوسری کاوش کو ظاہر کردوں گا۔ واللہ الموفق

میں اپنے اہل علم وفضل اور دینی بھائیوں سے مطالبہ کرتا ہوں۔ کہ جو کوئی اس میں کمی اور کوتاہی دیکھے تو میں اس سے پرزور مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اس پر مجھے مطلع کرے۔ تاکہ اگر زمانہ مجھے مہلت دے تو میں اس کا عنقریب تدارک کرسکوں۔ بصورت دیگر اس کی اصلاح کرلے اور آواز دھیمی رکھے۔ (یعنی اس غلطی کا پرچار نہ کرے) اور میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملتجی ہوں، کہ وہ مجھے محفوظ فرمائے حاسد کی آنکھ سے جبکہ وہ حسد کرتا ہے، جادوگر سے جبکہ وہ جادو کرتا ہے، کینہ رکھنے والے سے جبکہ وہ چھا جائے۔ دشمنی کرنے والے سے جبکہ وہ اس کا ارادہ کرے، نظر لگانے والے سے جبکہ وہ نظر لگائے۔ سخت دشمنی رکھنے والے سے جبکہ وہ دشمنی کرے، بخل کے سبب پہلوتہی کرنے والے سے اور ظالم نفس سے جبکہ وہ بغاوت پر اتر آئے۔

اور میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرتا ہوں، جس نے ہمیں اپنی نعمتوں سے ان کے استحقاق سے قبل نوازا۔ کہ وہ ہماری کوتاہی کے باوجود اپنا فضل ہمیشہ ہم پر قائم رکھے، اس رب سے التجا ہے۔ جس نے ہمیں بہترین امت میں سے بنایا۔ اس امت میں بہترین مخلوق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ کہ وہ ہمارے کانوں، دلوں اور زبانوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے۔ اور وہ ہمارے نفسوں، زبانوں اور تمام اعضاء کا مالک ہو اس سے کہ ان میں سے کوئی اس کی اطاعت کے خلاف کرے۔ اور وہ ہمیں ہمارے نفسوں کے حوالے نہ کرے۔ کیونکہ اگر ہم ان پر توکل کریں تو ہمارا توکل کافی نہیں۔ اور وہ ہمیں عصمت (گناہوں سے بچنے کا ملکہ) اور توفیق عطا فرمائے۔ اور وہ ہماری زبانوں کو ایسا حق بولنے کی توفیق عطا فرمائے، جس میں کسی شبہ کا اختلاط نہ ہو، اس میں ہوس پرستی کا میلان نہ ہو، اور نہ ہی غفلتیں اس میں خیانت کی مرتکب ہوں۔

اے اللہ! جس طرح تو نے مجھ پر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا زبان اور قلم سے دفاع کرنے کا احسان فرمایا۔ اسی طرح میرے عمل، نیت اور قول کو قبول فرما کر مجھ پر احسان فرما۔ مجھے اپنے ان مخلص بندوں

میں سے بنادے جنہیں بھلائی اور نیکی کی توفیق عطا کی گئی ہے۔ اور تو مجھے قیامت کے دن غمزدہ نہ کرنا۔

اے اللہ! جس طرح تو نے مجھے اپنے حرمین کی فضیلت کا اظہار کرنے کا اعزاز عطا کیا، مجھے اپنی رضا کا اعزاز بھی عطا کر، اور ان میں مبارک اور خوشحال زندگی گزارنے کے بعد، ان کے باسیوں کے ساتھ میرا حشر فرما۔

اے اللہ! اگر تو مجھ سے راضی ہے تو اس میں اور اضافہ فرما، اور مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے صالح بندوں میں داخل فرما۔ اور اپنے چہرہ قدرت کا دیدار عطا فرما۔ اور جنات عدن میں اپنے محبوب نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت عطا فرما اے ارحم الراحمین۔

اے اللہ! تو مجھے بدبخت اور محروم نہ بنا۔ اے اللہ! تو زبان کو عذاب نہ دے جو تیری جانب خبر دیتی ہے۔ اور تجھے تیری مخلوق کے پاس محبوب بناتی ہے۔ اور نہ اس آنکھ کو عذاب دے جو ان علوم کی طرف دیکھتی ہے جو تجھ پر دلالت کرتے ہیں۔ اور نہ ان قدموں کو عذاب دے جو تیری اطاعت اور خدمت کے لئے چلتے ہیں۔ اور نہ ان ہاتھوں کو تکلیف دے۔ جو تیرے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث لکھتے ہیں۔ نہ اس دل کو جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اور نہ اس جسم کو جو تیرے لئے خشوع وخضوع کرتا ہے۔ اپنی رحمت کے ساتھ اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

اے اللہ! تو مجھے آگ میں داخل نہ کرنا، اور مجھے رسوا نہ کرنا۔ تحقیق اہل دنیا جانتے ہیں۔ کہ میں تیرے دین کی حمایت کرتا رہا، تیری شریعت کا دفاع کرتا رہا، تیری وحی کے مقامات کو ظاہر کرتا رہا، اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو بیان کرتا رہا۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ کہ تو ہماری ہمارے نفسوں کے خلاف مدد فرما۔ اور تو ہمیں ہدایت قبول کرنے والا اور ہدایت یافتہ بنادے۔ نہ کہ گمراہ ہونے والے اور گمراہ کرنے والا۔ اپنے اولیاء کے لئے صلح کرنے والا اور اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے والا بنادے۔ ہم تیری محبت کے سبب اس سے محبت کرتے ہیں جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ اور ہم تیری عداوت کے سبب اس سے عداوت کرتے ہیں جو تیرے ساتھ عداوت رکھتا ہے۔

اے اللہ! ہمارے نفسوں میں، گھر والوں میں، بیویوں میں اور ساری اولاد میں ہمارے دین اور ایمان کی حفاظت فرما۔ یا ارحم الراحمین۔

اے اللہ! اپنی محبت عطا فرما، اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرما۔ اور ہمارے نزدیک انہیں زیادہ محبوب بنادے اس سے جتنی پیاسا ٹھنڈے پانی سے محبت کرتا ہے۔

اے اللہ! تو مجھے عاجزی کرنے والا بنادے۔ اور اسے میرے لئے نفع بخش بنادے جو کچھ میرے بارے میں گمان کیا جاتا ہے۔ میرے خفیہ اور بڑے بڑے گناہوں کی مغفرت فرما۔ اور جس

طرح تونے ماضی میں میرے عیبوں کو چھپایا، مابقی زندگی میں بھی انہیں چھپائے رکھنا۔" انک علی کل شیءٍ قدیر"

اے اللہ! ہمارے قول میں صدق اور عمل میں اخلاص عطا فرما۔ جس کی طرف ہم دعوت دیتے ہیں اس میں ہماری تصدیق فرما۔ اور میرے تمام اعمال کو خالص اپنی رضا کے لئے بنا دے۔ اور ہماری، ہمارے والدین کی، ہمارے والدین کے والدین، ہمارے مشائخ، ہماری ازواج اور اولاد کی مغفرت فرما۔ اپنی رعایت وکرم سے ہماری حفاظت فرما، اور ہم پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر، جو تجھ سے نہیں ڈرتا۔ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

و صلی اللہ وسلم علی نبینا و مولانا و سیدنا محمد
و علی آلہ و صحبہ وسلم تسلیماً کثیراً
و الحمد اللہ رب العالمین۔